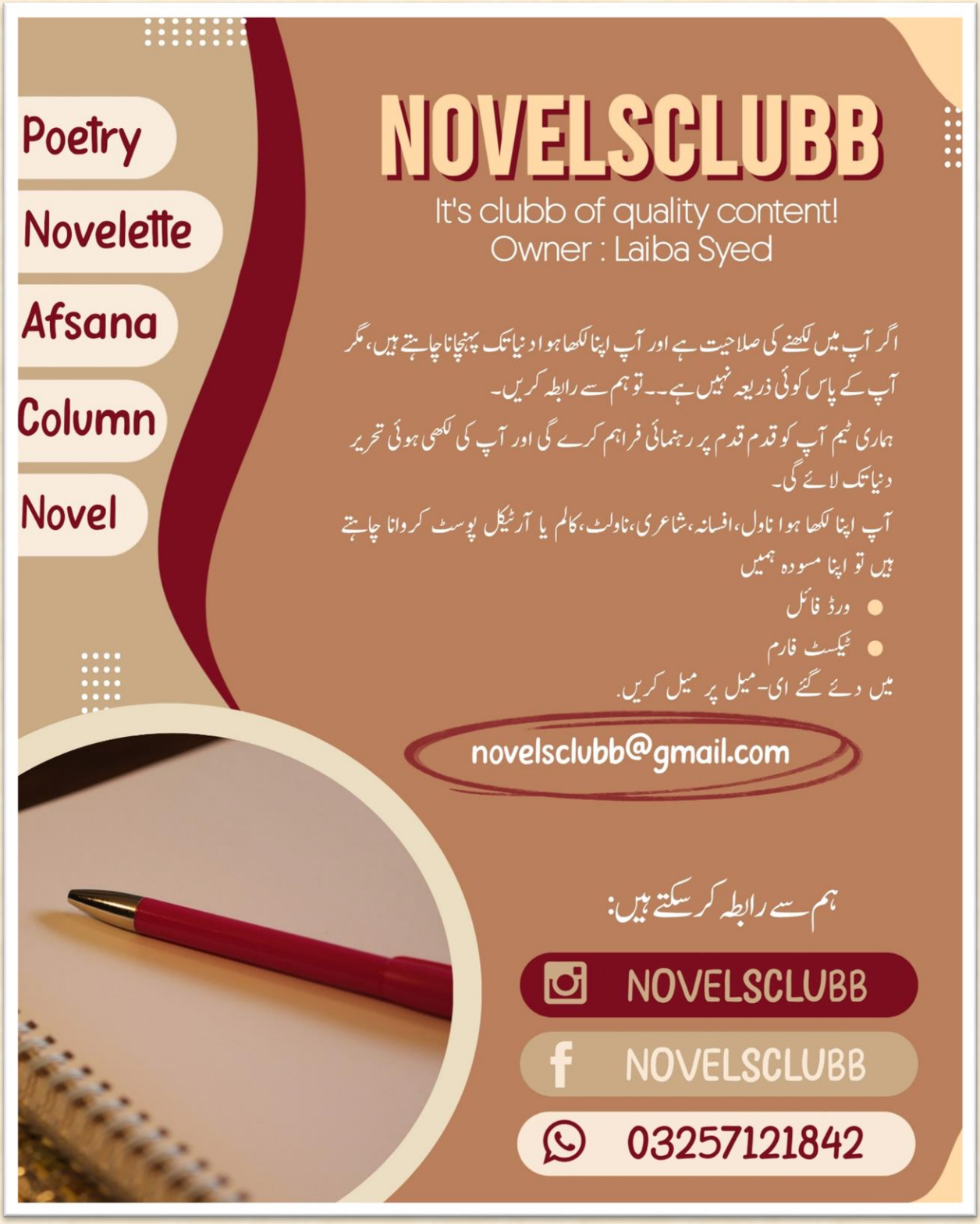

www.novelsclubb.com
رازِ حیات
مہک یعقوب مغل
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842


Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

رازِ حیات

از قلم

مہک یعقوب مغل

Clubb of Quality Content

انتساب

میرا پہلی کتاب میری بہن مہک مغل کے نام۔

جس کے نام سے آپ لوگ مجھے جانتے ہیں۔۔

Clubb of Quality Content

پیش لفظ

اللہ کے نام سے شروع، جو بڑا مہربان ہے۔

یہ کہانی کسی ایک کردار سے نہیں جُڑی ہوئی، بلکہ اس میں بے شمار کردار شامل ہیں، اور ہر کردار اپنی الگ کہانی سناتا ہے۔ اس ناول کو لکھنے کا خیال اُس وقت آیا، جب میں خود اس کہانی کی دنیا میں گم ہو چکی تھی۔ میں ایک لکھاری سے پہلے، قاری ہوں۔ جب میں کوئی کہانی پڑھتی ہوں، تو صرف پڑھتی نہیں، بلکہ محسوس بھی کرتی ہوں۔ ایسے میں ایک ناول لکھنا میرے لیے شاید نہیں، یقیناً بہت بڑی بات تھی۔ اس ناول کی شروعات میرے شوق کے سفر سے ہوئی، لیکن اختتام میرے جنون کی منزل پر۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں ایک ناول تو دور، ایک افسانہ بھی لکھ پاؤں گی۔ خاص طور پر اُس دور میں، جب ہر دوسری کہانی کا موضوع صرف عشق، محبت اور پیار ہو۔ میں سچ کہوں گی، تو مجھے ایسے عشق و محبت

میں پاگل ہو جانے والی کہانیوں سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ اسی لیے میں نے اپنی اس کہانی میں عشق و محبت کو صرف ایک چھوٹا سا کردار دیا ہے۔

میرا یہ ناول خاص طور پر اُن لڑکیوں کے نام ہے، جو سمجھتی ہیں کہ مافیا بہت "کول" ہوتا ہے۔ نہیں، یہ کول ہر گز نہیں ہوتا۔ کیوں؟ کیونکہ یہ گناہوں کی ایک دنیا ہے ایک غلیظ دلدل جس میں جانا شاید مشکل ہو، لیکن اگر ایک بار چلے گئے، تو واپس آنا تقریباً ناممکن۔ ان کے لیے جائز و ناجائز کی کوئی تمیز باقی نہیں رہتی۔

یہ معصوم، کچے ذہن کی نادان لڑکیاں جب ایسے ناولز پڑھتی ہیں، تو دعاؤں میں بھی ان جیسے "لائف پارٹنرز" مانگنے لگتی ہیں۔ اگر کہانی میں کوئی بہت اچھا اور مثالی کردار ہے، اور آپ اس جیسے ہمسفر کی خواہش کرتی ہیں، تو یہ غلط نہیں ہے۔ لیکن اگر ناول پڑھ کر آپ ہیرو کی جگہ ولن کو دعاؤں میں مانگنے لگیں، تو یہ سراسر غلط ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آپ نے کہانی میں پڑھا کہ وہ اپنی بیوی کو بہت مارتا ہے، لیکن ساتھ ہی شدید محبت بھی کرتا ہے تو آپ اُسے اپنا آئیڈیل بنا لیتی ہیں باخدا اگر حقیقت میں ایسا انسان آپ کی زندگی میں آ جائے، تو وہ زندگی تباہ کر سکتا ہے

رازِ حیات کو میں نے اپنی سوچ کے تحت بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ اب یہ قارئین پر ہے کہ وہ اسے کس انداز میں سمجھتے ہیں۔ اس کہانی کے ہر کردار کو میں نے خود پرکھا ہے، اور اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ گناہوں کی کوئی جسٹیفکیشن نہیں ہوتی۔ یہ ہمیشہ آپ کی چوائس ہوتی ہے، مجبوری نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگر آپ نے گناہ کیا ہے، تو اس کی سزا ملنی چاہیے، نہ کہ آپ بیٹھ کر اس گناہ کو "جائز" ثابت کرنے لگ جائیں۔ کہانی میں موجود ہر کپل کی ہلکی پھلکی باہمی ہم آہنگی کو میں نے ممکن بنانے کی کوشش کی ہے۔ میری پوری کوشش تھی کہ جب میرے قارئین اس کہانی کو پڑھیں، تو صرف لفظوں کو نہ پڑھیں بلکہ انہیں محسوس بھی کریں۔ اگر کوئی منظر اداس ہو، تو آپ کی آنکھیں نم ہو جائیں۔ اگر کوئی سین خوشگوار ہو، تو آپ کے لبوں پر

مسکراہٹ آجائے اور جب آپ اس کتاب کا آخری صفحہ مکمل کریں، تو آپ کو یوں نہ لگے کہ یہ صرف ٹائم پاس تھا، بلکہ یوں لگے کہ ہم نے اس سے کچھ سیکھا ہے۔ آیئے، ایک بار پھر ہم رازِ حیات کو پڑھتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ گناہوں کی کوئی جسٹی فیکیشن نہیں ہوتی۔

مہک یعقوب مغل

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فہرست ؛

باب اول: چراغ جاں کے سائے

باب دوم: بون فائر

باب سوئم: شکست خور

باب چہارم: استقامت

باب پنجم: آتش زیر خاکستر

باب ششم: اقتدار کا شیرازہ

باب ہفتم: زہریلا خنجر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب اول ۔ چراغ جاں کے سائے

سوات کی وادیوں میں

بنی ایک داستان

رشتوں کی،

بدلے کی،

دھوکے کی،

بے قدری کی،

جیت اور ہار کی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کیا تم نے ایسا انسان دیکھا ہے جو جیت کر بھی ہار گیا ہو؟

کیا تم نے وہ جذبے محسوس کیے ہیں جو بے وفا ہونے کے باوجود بھی سچے ہوں؟

کیا تم نے کبھی سونے کی چمک میں انا کا خول دیکھا ہے؟

کیا تم نے کبھی سفید رنگ میں چھپے اندھیرے تلاش کیے ہیں؟

کیا تم نے سیاہ کو سفید کے سنگ چلتے دیکھا ہے؟

کیا تم نے کبھی آنسوؤں کی ناقدری دیکھی ہے؟

آؤ، آغاز کرتے ہیں

سفید سے سیاہ اور پھر سیاہ کو سفید میں بدلنے کے اس پر اسرار سفر کا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ تیز، طوفانی بارش اور کڑکتی بجلی کا شور ماحول کو وحشت ناک بنا رہا تھا۔ سناٹے میں ڈوبا جنگل، بارش سے بھیگا ہوا، کسی ماضی کے راز کو اپنے اندر سمیٹے خاموش کھڑا تھا۔ اسی جنگل میں، ایک لڑکی ٹانگ میں گولی کا زخم لیے، اپنی پوری طاقت سے بھاگ رہی تھی۔ موت کا خوف ایک طرف، عزت لٹنے کا ڈر دوسری جانب، دونوں کی شدت سے اس کے رونگٹے کھڑے تھے۔ زخمی ٹانگ سے بہتا خون ہر قدم پر اپنی سرخ چھاپ چھوڑتا جا رہا تھا۔ نہ سمت معلوم تھی، نہ منزل، بس ایک جنونی بھاگ دوڑ تھی۔ پھر اچانک، جھاڑیوں میں

پاؤں الجھ گیا اور وہ منہ کے بل زمین پر جا گری، اس کی دلخراش چیخ جنگل کی خاموشی کو چیر گئی۔

قریب آتی قدموں کی چاپ نے سانسیں منجمد کر دیں۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا، وہ لوگ پہنچنے ہی والے تھے۔ کوشش کے باوجود، درد نے جسم کو بے بس کر دیا تھا۔ کچھ لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ بمشکل کھڑی ہوئی۔ آگے دیکھا تو گہری کھائی تھی، پیچھے پلٹی تو مکروہ چہروں والے درندے۔ اس کے گال پر داغ کی گواہی دیتا جلنے کا نشان۔ چہرہ زخموں سے بھرا، وجود لرزتا ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس لمحے اس کے سامنے ایک ہی سوال تھا۔ عزت یا موت؟ اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ عزت کو بچاتے ہوئے، وہ خود کو گہری کھائی کے حوالے کر گئی۔ وہ رات، وہ جنگل، وہ چیخ سب کچھ ایک راز بن کر دفن ہو گیا۔

ایسا راز جو آنے والے کئی کرداروں کی زندگی کو بھسم کرنے والا تھا۔

☆..☆..☆..☆

جون کی جھلسا دینے والی دوپہر، کہیں اے سی کی ٹھنڈی ہوائیں، کہیں پسینے میں بھیگی روزی کی تلاش۔ اسی دھوپ میں، ایک سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکی ایک چھوٹے سے گھر میں داخل ہوتی ہے۔ چہرے پر تر و تازہ مسکراہٹ، جیسے موسم کی شدت اس کے اندر اتر ہی نہ سکی ہو۔ دل کا موسم ساز گار ہو تو باہر کی گرمی کیا بگاڑ سکتی ہے!

"امی! امی، کہاں ہیں آپ؟ یار، مجھ معصوم کی تو کوئی سنتا ہی نہیں، ہائے اللہ جی، کہاں پھنس گئی میں!" زینب، جو ابھی کالج سے لوٹی تھی، کچن میں داخل ہوتے ہی زائرہ بیگم کے پاس آ گئی جو برتن دھو رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ہو گیا ہے زینب؟ گھر آتے ہی سلام نہیں، بس پہلے شکایتیں؟" زائرہ بیگم نے برتن پر صابن والا کپڑا رگڑتے ہوئے زینب کو گھورا، جو

اپنا حجاب اتار کر اپنی گود میں رکھ چکی تھی۔

"ارے میری ماما جانی، غصہ نہ کریں۔ آپ کو دیکھے بغیر تو دل کو سکون ہی نہیں ملتا!" زینب نے چمکتے دانتوں کے ساتھ مٹھاس بھرا جملہ اچھالا۔

"چلو،اب یہ مکھن بند کرو اور جا کر کپڑے بدلو، پھر جھاڑو لگاؤ۔"زائرہ بیگم نے برتن کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔زینب نے فوراً منہ بسورا،جھاڑو پونچھے سے تو اس کی جان جاتی تھی۔

"ایک ندرت آپا ہیں،اپنی بیٹی سے کچھ نہیں کرواتیں،اور آپ ہو کہ"۔۔

"ندرت آپا کون؟"

"حنین کی امی،سعدی کی امی،فارس کی بہن"یہ جواب سنتے ہی زائرہ بیگم نے برتن چھوڑ کر چپل اٹھائی۔وہ سمجھ گئی تھیں ضرور یہ اس کے ناول

کی دنیا کا کوئی باسی ہو گا،ماں کو جھک کر چپل اٹھاتے دیکھ زینب تیزی سے کمرے کی طرف بھاگی ورنہ اس کی خیر نہیں ہونی تھی۔

زینب کو کمرے میں غائب ہوتے دیکھ وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئیں،ایک مشرقی عورت کی طرح۔

گندمی رنگت، مناسب قد کاٹھ، اور غلافی آنکھیں، وہ دکھنے میں ایک عام سی پیاری لڑکی تھی۔ وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی، اس سے چھوٹے اس کے دو بھائی تھے، حنان اور منان، جن کی عمریں بارہ اور تیرہ سال تھیں، اور ایک ان سب کی چھوٹی اور لاڈلی گڑیا، فاطمہ جو ابھی محض دس برس کی تھی، ان کے والد داؤد ایک سرکاری کلرک تھے اور والدہ زائرہ بیگم ایک عام سی ہاؤس وائف۔ بس یہ تھا ان کا چھوٹا سا کنبہ۔ یہ اس کے خواب، اس کی شوخیوں، اور اس کے ننھے دکھوں کی دنیا تھی۔ زینب ایک پر جوش، خواب دیکھنے والی اٹھارہ سالہ لڑکی تھی۔ اس کی دلچسپی کمپیوٹر اور نیٹ ورکنگ میں تھی، وہ ایک دن سافٹ ویئر انجینئر بننا چاہتی تھی۔ اسی شوق نے اسے ایک نئی دوست ماہی سے ملایا، جس نے اسے "ڈارک ویب" کے بارے میں بتایا۔ یہ اس وقت کی بات تھی، جب لوگ ڈارک ویب کا نام بھی بہت کم جانتے تھے۔ ماہی کی باتوں نے زینب کو متجسس بنا دیا، اور پھر وہ دھیرے دھیرے ایک ایسے راستے پر قدم رکھنے لگی جس کے انجام سے وہ ناواقف تھی یا شاید لاپرواہ۔

ایک سیکنڈ ہینڈ لیپ ٹاپ کی خواہش پر باپ نے ہامی بھر لی مگر،ماں نے منع کر دیا۔فی الحال وہ اتنا بڑا خرچہ کرنے کے حق میں نہیں تھیں ہاں پر انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد اسے ایک سیکنڈ ہینڈ لیپ ٹاپ لا دیں گی جس کو سمجھتے ہوئے زینب نے بھی ضد کرنا مناسب نہیں سمجھا پر اب وہ کالج میں فارغ اوقات میں ماہی کا لیپ ٹاپ زیرِ استعمال کر کے اپنا شوق پورا کر رہی تھی۔وہ لاپرواہ تھی جس کے باعث یہ سب اس کی زندگی میں ایک ایسا طوفان لانے والا تھا جو صرف خوشیوں کے رنگ ہی نہیں چھیننے والا تھا،بلکہ شاید زندگی بھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

اٹلی۔روم؛

یہ منظر اٹلی کے دارالحکومت روما کا ہے،جسے قدیم روایت میں روم اور محبت سے "ابدی شہر" بھی کہا جاتا ہے۔دریائے ٹائبر کے کنارے،

اطالوی جزیرہ نما کے وسطی مغربی حصے میں بسا یہ شہر صدیوں تک رومی سلطنت کا دل رہا۔ قانون، فن، فنِ تعمیر اور ثقافت کے بے شمار چراغ یہیں سے روشن ہوئے۔ کولوزیم، رومن فورم، پینتھیون اور ویٹیکن سٹی (جو انہی سرحدوں کے اندر ایک خود مختار ریاست ہے) آج بھی اُس عظمت کی گواہی دیتے ہیں۔ سات پہاڑیوں پر پھیلا ہوا اپنا یہی جغرافیہ اسے "سات پہاڑیوں کا شہر" بھی کہلواتا ہے۔ اگر آج روما کی کسی سڑک پر نظر دوڑائی جائے تو آپ کو ہمیشہ کی طرح کشادگی، صفائی اور نظم و ضبط کا حیرت انگیز امتزاج دکھائی دے گا، لوگ ایک دوسرے کی زندگی سے بے خبر مگر موسم کی خوشگواری میں باہیں ڈالے محوِ خرام۔ نیلا آسمان، روئی جیسے بادل اور رُوح کو چھوتی ٹھنڈی ہوا، فضا کو دلکش بنائے ہوئے ہیں مگر آباد بستی سے دور، ایک سنسان علاقے میں محل نماوِلا کھڑا ہے، سرسبز لان میں، برگاماسکو نسل کے کتے کے گھنے، چار پانچ انچ لمبے بالوں پر انگلیاں پھیرتی ستائیس برس کی ایک لڑکی پنجوں کے بل بیٹھی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک شخص، چہرے پر سپاٹ تاثر سجائے، فرمانبردار انداز میں منتظر تھا۔

Lucifer ha cercato di imbrogliarcistava per vendere le nostre informazioni ad altri mafiosi, ma l'abbiamo catturato. Qual è il tuo ordine successivo?

"لوسیفر نے ہمارے ساتھ غداری کی کوشش کی، وہ ہماری اہم معلومات دوسرے مافیا کو بیچنے ہی والا تھا۔ مگر ہم نے بروقت پکڑ لیا ہے۔ اگلا حکم؟" دھیمہ اور سنجیدہ لہجہ۔

جیک اٹھائیس سالہ دراز قد، نیلی آنکھوں والا خوش شکل نوجوان بلیک سوٹ میں ملبوس، بال شانوں پر ستری قطار میں جمائے، کرسٹل کوئین کا دستِ راست ہے۔ چھ سال سے اس کے ساتھ ہے۔ پیشے کے اعتبار سے باکسر، جو لمحوں میں مخالف کی گردن توڑ ڈالے، مگر وہ خود کئی بار اپنے سینے میں کرسٹل کوئین کا خوف اترتا محسوس کر چکا تھا کیونکہ وہ لڑکی ہونے کے باوجود اُس سے کہیں زیادہ بے رحم اور سفاک تھی۔

Metti Lucifero in una cella di tortura. Cibo, acqua, succo-non deve restare a digiuno. Sto arrivando.

"لوسیفر کو ٹارچر سیل میں لے جاؤ؛ کھانا،پانی، جو س دو،وہ بھوکا نہ رہے۔ میں آرہی ہوں۔"

کرسٹل کوئین چابی اٹھاتی لان سے رخصت ہو گئی۔ جیک ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ لوسیفر یہ اپنا آخری کھانا کھائے گا اس کے بعد چیخیں ہوں گی اور خاموشی، کیونکہ یہی ملکہ کا طریقہ ہے۔ وہ شکار کو مارنے سے پہلے اُسے پیٹ بھر کر کھلاتی ہے، کمزور شکار اسے کبھی پسند نہیں آتا۔ لاشوں کا وہ بعد میں کیا حشر کرتی ہے،یہ راز صرف جیک کے سینے میں مقفل ہے۔

کرسٹل گرے آنکھیں، چہرہ نیم نقاب،اس پر نفیس کرسٹل پیٹرن کندہ،مافیا دنیا کی وہ حسین دوشیزہ تھی جسے اُس کی ٹیم کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں،وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی؟ کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ جیک بھی نہیں۔ کچھ راز ہیں جو صرف کرسٹل کوئین تک محدود ہیں، کیونکہ وہ اپنے رازوں میں کسی کو شریک نہیں کرتی تھی۔

☆..☆..☆..☆

چھت سے لٹکتا مدھم بلب، نم آہنی دیواریں، فرش پر بہتا پانی، یہ ٹارچر سیل ہے۔ سامنے کرسی پر ہاتھ پاؤں رسیوں سے بندھا لوسیفر لرز رہا ہے۔

کرسٹل کوئین خنجر کی دھار پر اپنی مخروطی انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیمی آواز میں بولی۔ "تمہیں معلوم ہے غداری کی سزا کیا ہوتی ہے، لوسیفر؟ تم سمجھے میری ناک کے نیچے سب کر جاؤ گے اور مجھے خبر تک نہ ہوگی؟" وہ ہنوز مطمئن لہجے میں مسکرا کر سر ہلا گئی۔ ایک لمحہ اور خنجر اس کے بازو پر رینگتا ہوا انگلیوں تک پہنچتا ہے۔ کرسٹل کو دھوکے سے نفرت ہے۔ تیز چیخ سیل کی فضا چیرتی ہوئی، لوسیفر کی انگلیاں کرسی کے نیچے فرش پر گری تھیں۔ کرسٹل کوئین نے بیزاری سے ناک سکیڑا تھا۔

"اوہ، اتنی جلدی شور؟ مجھے ڈسٹربنس پسند نہیں۔ پہلے زبان کاٹی جائے گی، پھر بات آگے بڑھے گی۔" وہ یکدم لوسیفر کے جبڑے میں ہاتھ ڈال کر زبان باہر کھینچتی ہے۔ ایک جھٹکے میں خنجر حرکت کرتا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مضبوط اعصاب والا بھی یہ منظر دیکھ کر بے ہوش ہو جائے، مگر یہ کرسٹل کوئین تھی، انڈر ورلڈ کی بے تاج ملکہ، جس کا دوسرا نام ہی سفاکی ہے۔ آدھے گھنٹے بعد دروازہ کھلا اور جیک اندر داخل ہوا۔

"لاش ٹھکانے لگادو۔" کرسٹل کوئین بے دھیانی سے کہتی، سیل سے نکلتی چلی گئی۔ جیک ایک لمحے کو ساکت رہ گیا، کرسی کے پاس زمین پر جو کچھ پڑا ہے، وہ لاش سے زیادہ چیتھڑوں کا ڈھیر دکھائی دیتا ہے، مگر وہ جانتا ہے، غداری کا یہی انجام تھا کیونکہ کرسٹل کوئین غداری معاف نہیں کرتی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

اسلام آباد

"Congratulations, Mr. Shah Meer Haider Khan!

You've been promoted from Captain to Major

General. This is the result of your dedication and hard work."

"مبارک ہو شاہ میر حیدر خان! آپ کیپٹن سے ترقی پا کر میجر جنرل کے منصب پر فائز ہو گئے ہیں۔ یہ آپ کی انتھک محنت اور غیر معمولی کارکردگی کا اعتراف ہے۔"

"Thank you, Sir. My life is always ready to serve the nation."

"شکریہ سر، وطن کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ منظر آرمی ہیڈ کوارٹر کا ہے، جہاں شاہ میر حیدر خان کو ایک کامیاب اور خطرناک مشن کی تکمیل پر باقاعدہ سراہا جا رہا ہے۔ وہ ناممکن کو ممکن کر کے غازی بن کر لوٹا ہے اور اب اعلیٰ رینک پر ترقی پا چکا ہے۔

کرنل سے رسمی الوداعی جملے ادا کر کے وہ ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل آیا۔ دو ماہ بعد وہ خان حویلی واپس جا رہا تھا۔ ایک ایسا فاصلہ جو مشن کی مجبوریوں نے طویل کر دیا تھا۔ آخری بار اس کی

بات شہزاد خان کے نکاح کے موقع پر ہوئی تھی، تاریخ طے تھی، لیکن حالات اجازت نہ دے سکے۔ شہزاد ناراض ہوا، مگر شاہ میر کی مجبوری جان کر مان بھی گیا۔ شاہ میر حیدر خان دراز قد، کسرتی جسامت، بھوری آنکھوں والا ایک شارپ مائنڈ انسان تھا جو میتھ کا مشکل سے مشکل کوئز بھی سولو کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ محض اکتیس سال کی عمر میں وہ اپنی ایک پہچان بنا چکا تھا جس پر اس کے اپنوں کو اس پر بے انتہا فخر تھا۔

مشن کے دوران گھر فون کرنے کی اجازت نہ تھی، اس لیے شاہ میر نے سرپرائز واپسی کا فیصلہ کیا، خاص طور پر اپنے جگری دوست اور بھائی شہزاد کو حیران کرنے کے لیے، مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہاں ایک قیامت گزر چکی ہے۔

دنیا کی نظروں میں وہ محض ایک کامیاب بزنس مین تھا، لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک خفیہ آرمی ایجنٹ تھا۔ جس کی اصل شناخت صرف خاص لوگوں تک محدود تھی۔ آرمی فیلڈ میں وہ "آفیسر خان" کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ وہ ان مشنز کو بھی مکمل کر کے لوٹتا تھا جن کی کامیابی کی کسی کو توقع نہ ہوتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

سوات، ہزارہ:

خان حویلی اس وقت ماتم کدہ بنی ہوئی تھی، نجانے کس کی نظر لگ گئی اس چہکتے آنگن کو، جہاں قہقہے، ہنسی، رونق اور محبت کے رنگ بستے تھے، آج وہاں سسکیوں، بینوں اور آہوں کا راج تھا۔ حویلی کے بیچوں بیچ سفید کفن میں لپٹی وہ لاش رکھی تھی، جس کے جیتے جاگتے وجود سے یہ حویلی سانس لیتی تھی۔ وہ شرارتی مسکراہٹ بکھیرتا، زندگی سے بھرپور انسان اب مٹی تلے سونے کو تیار تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لالا، چلیے، بیٹے کو اس کے آخری سفر پر روانہ کرنے کا وقت ہو چکا ہے۔" حیدر خان نے نرمی سے ربان خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا، ربان خان کا ضبط ٹوٹنے کے قریب تھا۔

"حیدر! جس بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے چلنا سکھایا تھا، اُسے انہی ہاتھوں سے لحد میں کیسے اتاروں؟" وہ حیدر کے سینے سے لگتے ہوئے بولے تھے۔ وہ مرد تھے، رو نہیں سکتے تھے۔ مگر دل تو سینہ چیر رہا تھا، آنکھوں سے آتشیں آنسوؤں کی لہر اندر ہی اندر بہہ رہی تھی۔ وہ مردِ

آہن جو برسوں تک اپنی رعب دار شخصیت کے باعث مشہور رہا، آج اپنے جوان بیٹے کی موت کی خبر پر ٹوٹ چکا تھا، پورے قد سے ڈھیر ہو چکا تھا۔

"لالا، وہ اللہ کی امانت تھا، اُس نے واپس لے لی۔ ہم کون ہوتے ہیں اُس کے فیصلوں پر سوال کرنے والے؟ اُس کی عمر بس اتنی ہی لکھی گئی تھی۔" حیدر خان نے انہیں تسلی دی، مگر تسلی کہاں کسی ٹوٹے ہوئے باپ کو بندھن میں باندھ سکتی تھی۔

"باباجان، چلیے، شاہ لالا بھی آ گیا ہے۔" دروازے سے زارون حیدر کی آواز ابھری۔ سیاہ آنکھوں والا نوجوان، جو شہزاد خان کے سب سے زیادہ قریب تھا، ان کی دوستی پورے گاؤں میں مشہور تھی، ایک دوسرے کے یار، ایک دوسرے کا سایہ۔

باران اور شاہ میر، حویلی سے دور رہنے کے سبب اتنے قریب نہ تھے جتنے یہ دونوں۔ شہزاد اُن سب میں سب سے بڑا تھا، مگر دل کا بچہ۔ ہنسی، شرارت اور خوش مزاجی میں سب سے آگے، جبکہ باران اور شاہ میر کچھ سنجیدہ اور خاموش مزاج تھے۔

☆..☆..☆..☆

"آپ لوگوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟!"

شاہ میر کی آواز کمرے کے سکوت کو چیرتی ہوئی گونجی، لہجہ ہذیانی، آنکھوں میں شعلے، دل تڑپتا اور زبان بے اختیار۔ وہ جو خوشی بانٹنے آیا تھا، یہاں صدمے کا ایسا طوفان اس کا منتظر تھا کہ اس کی روح پر جیسے دوزخ کی چنگاریاں برسی ہوں۔ شہزاد خان اس کا جگری دوست، اس کی جان اب اس دنیا میں نہیں رہا اور محض فوت نہیں ہوا، بلکہ قتل کیا گیا تھا۔ اس خبر نے شاہ میر کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا، رگوں میں دوڑتا خون جیسے پگھلے ہوئے لاوے میں بدل گیا۔ دماغ کے اندر گویا شریانیں سسکنے لگیں۔

"ہم نے کوشش کی تھی، بیٹا لیکن تم مشن پر تھے۔ کوئی رابطہ ممکن نہ تھا۔ اب چلو، جنازے کا وقت ہو چکا ہے۔" حیدر خان نے تحمل سے سچائی بیان کی اور اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

شاہ میر ان کے پیچھے در و دیوار کو پار کرتا زنان خانے کی طرف بڑھا، جہاں عورتوں کی سسکیاں، آہ و زاریاں اور نوحہ گری پورے ماحول پر چھائی

ہوئی تھی۔ وہاں، سفید چادر میں لپٹی زوبیہ خانم، وہ عظیم ماں، جو شہزاد کی جان تھی جیسے کسی غیر مرئی بوجھ تلے دب چکی تھیں۔

"مورے" شاہ میر کے لبوں سے وہ لفظ نکلا جسے وہ بچپن سے شہزاد کو چڑانے کے لیے کہا کرتا تھا، مگر آج، وہ لفظ خود اس کے گلے میں پھنس کر آہ بن گیا۔ زوبیہ خانم نے لرزتی پلکوں سے نظریں اٹھائیں، شاید دل نے ایک لمحے کو اُمید باندھی کہ سامنے شہزاد ہو گا۔ مگر پھر جیسے آنکھوں نے دھوکہ کھالیا ہو، انہوں نے شاہ میر کو گلے سے لگالیا، اور وہ ضبط جو کئی گھنٹوں سے بندھن میں بندھا تھا، چیخوں میں بدل گیا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں، شاہ میر کی شکل شہزاد سے اس قدر ملتی تھی کہ وہ پل بھر کو ماں کا دل بہلا گیا، پھر وہی غم، وہی آنسو۔

"صبر کریں مورے، یوں نہ روئیں۔ اس کی روح کو اذیت ہو گی۔ یہ دنیا فانی ہے۔ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں" شاہ میر ان کا سر سہلاتے ہوئے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"کیسے صبر کروں شاہ؟ ہمارا دل پھٹ رہا ہے، ہمارا بچہ صبح ہنستے ہوئے گیا تھا، اور شام کو خون میں نہایا ہوا واپس آیا۔ ہم تو اس کا چہرہ بھی آخری بار نہ دیکھ سکی۔ اُن ظالموں نے جس بے دردی سے ہمارے بچے کو مارا ہے، ہم کیسے صبر کرے؟" ان کے الفاظ ہر زخم کو اور گہرا کر رہے تھے۔ شاہ میر کی آنکھ سے خاموش آنسو نکلا جو اس کی داڑھی میں جذب ہو گیا تھا۔ زبان خاموش تھی، لیکن اندر ایک آتش فشاں دہک رہا تھا۔ اگر اختیار ہوتا، تو وہ قاتل کو زمین میں گاڑ دیتا، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہاں جرگے کا فیصلہ مقدس ہوتا ہے۔ اسے انتظار کرنا تھا، صبر کرنا تھا اور شاید یہ سب سے بڑا امتحان تھا۔

جنازہ اٹھتے ہی زوبیہ خانم کی چیخیں فضا کو چیرنے لگیں، حویلی کے ستون، در و دیوار، درخت، ہر شے جیسے سوگوار ہو گئی ہو۔ وہ جوان، وہ شعلہ، جو سب کی آنکھ کا تارا تھا، اب مٹی کا حصہ بننے جا رہا تھا۔

جنازہ مٹی کی آغوش میں چلا گیا لیکن شہزاد کی ہنسی، اس کی شوخی، اور اس کی زندگی کی جھلکیاں ہر دیوار سے ٹکرا کر اب بھی گونج رہی تھیں۔

زارون حیدر، جو ہمیشہ شہزاد کا سایہ رہا، آج اس کی آخری رسومات کے وقت یوں خاموش کھڑا تھا جیسے زبان اس کے حلق میں جم گئی ہو۔ آنکھیں خشک تھیں، لیکن دل ایسا برف بنا ہوا تھا جو اندر ہی اندر پگھل رہا تھا۔ ہر آنکھ اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ کچھ بولے، مگر وہ کچھ بھی نہیں بولا۔ ایک طرف، باران حیدر، گھمبیر اور سنجیدہ مزاج، آج پہلی بار حویلی کی دہلیز پر بے رنگ اور بوجھل نظر آیا۔ ہر آنکھ ہی اشک بار تھی اور ان دونوں سے دور ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے سسکتا ارمان داور خان تھا، جس کی پرسوز سسکیاں لمحہ بہ لمحہ مردان خانے میں گونج رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

سوات کے گاؤں ہزارہ کے وسیع میدان میں، دن ڈھلتے سورج کی نارنجی روپہلی روشنی ہر شے پر ٹھہر گئی تھی۔ برگد کے پرانے، جڑیں

پھیلائے درخت کے نیچے آج جرگہ بیٹھا تھا۔ وہی برگد جو صدیوں کا گواہ تھا اور اب بھی دیسی انصاف کے سنگین فیصلے سنے جا رہا تھا۔ درخت

کے عین تلے، قالین بچھے مرکزی مسند پر مولانا حفیظ الرحمٰن جلوہ افروز تھے۔ گاؤں کی سب سے باوقار شخصیت، جن کا بولنا فیصلے کی حیثیت رکھتا تھا۔ دائیں سمت ربان خان بیٹھے تھے، بائیں جانب دیگر معززین۔ مسند سے ذرا فاصلے پر دائرہ وار دو قطاریں تھیں، ایک طرف لال حویلی کے مرد۔ شیر خان، بختاور خان، سفیر خان اور دلشیر خان، جن کے چہروں پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ دوسری طرف خان حویلی کے جوان، باران حیدر، زارون حیدر، ارمان، شاہ میر حیدر اور خود حیدر خان، جن کے چہروں پر ضبط اور غصے کی لالی صاف جھلک رہی تھی۔ آج گاؤں کے سردار کا خون ہوا تھا، کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جسے یونہی درگزر کیا جاتا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن نے گلا کھنکارا، محفل پر سکوت چھا گیا۔

"واضح ہے کہ شیر خان کے بیٹے سفیر خان نے گاؤں کے سردار، مرحوم شہزاد خان، کو بے رحمی سے قتل کیا۔ سینے میں دو اور ٹانگ میں ایک گولی لگنے کے باعث مقتول موقعے پر دم توڑ گیا۔ بعد ازاں گاڑی کھائی میں جا گری اور لاش مسخ ہو گئی۔ سفیر خان نے جرم قبول کر لیا ہے۔ لہٰذا جرگہ، مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کی اجازت دیتا ہے۔" یہ الفاظ سن کر لال

حویلی والوں کا رنگ اڑ گیا، خان حویلی کے مردوں کے چہروں پر ٹھہرے طوفان کو جیسے سکون کا ایک جھونکا چھو گیا۔

"ہم خون بہا میں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہیں۔" دلشیر خان نے صلح جو لہجہ اپنایا، زارون حیدر کا جوش بھڑک اٹھا۔ ابھی کسی اور کی زبان کھلنے سے پہلے ہی وہ پھنکارا۔ "ہمارے بھائی کا خون بہا رقم سے نہیں اترتا۔ یہ صرف ایک قتل نہیں تھا، یہ خان حویلی کی توہین تھی، ہمارے خون کی تذلیل اور اس کا حساب ہو گا، خون کے بدلے خون۔ ہمیں سفیر خان چاہیے!" اس کی آواز میں بجلی جیسی کڑک تھی، جسے سن کر بزرگ بھی چونکے۔ صفیں کھلبلا گئیں۔

"اگر فیصلہ خود ہی صادر کرنا تھا، تو جرگے کا وقت کیوں ضائع کیا؟" ایک بزرگ بولے۔ زارون کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ "ہمیں سفیر دو، ورنہ اس کی بہن کو ونی دو، یہی دستور ہے۔" "جرگہ بیٹھے گا، فیصلہ ہو گا اور اگر جرگہ خاموش رہا، تو زارون خود بولے گا۔" باران کی نگاہیں زارون سے ٹکرائیں۔ وہ لمحہ خاموشی میں لپٹا تھا، مگر اس میں اعلانِ جنگ کی بازگشت

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سنائی دے رہی تھی۔ حیدر خان نے جھٹ ہاتھ اٹھا کر اسے روکا، مگر دیر ہو چکی تھی۔ اُس جملے نے فضا میں بجلی بھر دی تھی۔ اسی لمحے سفیر خان تڑپ کر دہاڑا، "خبر دار! میری بہن کا نام زبان پر لایا تو زندہ زمین میں گاڑ دوں گا!" لفظوں کے زلزلے نے دونوں طرف کے خون کو اور گرما دیا۔ حیدر خان نے نگاہوں سے مولانا کو اثبات میں اشارہ کیا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن اٹھ کھڑے ہوئے، دستار کا شملہ سیدھا کیا اور پوری محفل پر نظر دوڑائی۔

"بس فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے شیر خان! یا تو اپنے بیٹے کو خون کے بدلے اُن کے حوالے کرو، یا اپنی بیٹی کا نکاح باران حیدر سے کرا دو، خون بہا یہی ہے!" باران حیدر چونک کر باپ کی طرف دیکھنے لگا۔ حیدر خان نے نگاہ کے ایک اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔

"بابا یہ غلط ہے" شاہ میر نے حیدر خان کے کانوں میں جھک کر سرگوشی کی۔ اسے یہ سب سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ حیدر خان نے اسے نظر انداز

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کیا۔ شاہ میر نے لب بھینچے۔ ایک نظر باران کو دیکھا جو خود بھی سخت تناؤ میں محسوس ہو رہا تھا، پر خاموش تھا۔ وہ مزید یہ سب برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس لیے اٹھ کر جرگے سے باہر نکل گیا۔ وہ جانتا تھا اسے کب کیا کرنا ہے۔

شیر خان کا ماتھا پسینے سے تر ہو گیا، مگر ہونٹوں سے بے رحم فیصلہ نکلا "میں اپنی بیٹی زارا خان کو خون بہا میں دینے پر راضی ہوں۔" کہرام مچا۔ دلشیر خان اچھل پڑا۔ "چاچا جان! زارا تو بالاج لالا کی منگیتر ہے! آپ"۔

"زارا میری اکلوتی بیٹی ہے، مگر سفیر میر اوارث ہے۔ اگر بیٹے کو نہ بچایا تو نسل رک جائے گی۔ بالاج کو میں سنبھال لوں گا۔" شیر خان نے سرد لہجے میں بات کاٹ کر جواب دیا۔

"جاؤ، بچی کو لے آؤ، یہیں برگد کے نیچے، نکاح ہو گا!" مولانا نے دو ٹوک حکم دیا۔ شام ڈھلتے پیلے آسمان پر، برگد کے پتے ساکت ہو گئے، فضا میں ضبط، بے بسی اور انتقام کے شعلے ایک ساتھ بھڑک اٹھے تھے۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لال حویلی کے زنان خانے میں اضطراب کی گھڑی تھی۔ زرینہ خاتون تسبیح کی لرزتی تکرار سن رہی تھیں، مگر دل میں شور برپا تھا۔

"اماں، پتہ نہیں جرگہ کیا فیصلہ سنائے گا، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" "بچے، اللہ خیر کرے گا۔ پریشان نہ ہو، ذکر کر۔" بی جان نے پلکیں اٹھائے بغیر نرمی سے جواب دیا۔ "زارا او زارا! اِدھر آؤ!" دروازے کے پار اچانک شیر خان کی گرج دار آواز گونجی۔ زرینہ خاتون گھبرا کر دوڑیں۔ شیر خان کے پیچھے سفیر خان دکھائی دیا تو ان کے چہرے پر لمحاتی سکون اتر آیا۔

شاید جرگہ رقم پرمان گیا ہو!

"چادر لو، فوراً! آج ابھی تمہارا نکاح ہے۔"

مٹیالے رنگ کے کرتا پاجامہ میں ایک دراز قد لڑکی دوپٹہ سر پہ اوڑھے لپکتی ہوئی وہاں پہنچی۔ ابھی سانس ہموار نہ ہوئی تھی کہ باپ نے دو ٹوک حکم سنا دیا۔ یہ گویا قیامت کی خبر تھی۔ بی جان حیرت سے پلٹیں۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شیر خان؟ کیسی بکواس کر رہے ہو؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جرگے نے خون بہا میں سفیر یا زارا کو مانگا ہے۔ سفیر میرا اکلوتا بیٹا ہے، اس لیے میں نے زارا کو ونی کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔" شیر خان پر سکون لہجے میں بولا۔

"تجھے خبر ہے ونی کی لڑکیوں پر کیا گزرتی ہے؟" بی جان کا صبر جواب دے گیا، مگر شیر خان کی آنکھوں میں سنگ دلی کی چٹان تھی۔

"کیا تمہاری نظر میں میری کوئی عزت نہیں ہے۔" وہ بی جان کو نظر انداز کیے زارا کی جانب مڑے۔ جو پتھر کا بت بنی کھڑی تھی۔ ان کے لفظوں نے سب زبانیں گنگ کر دیں۔ زارا آنسو پیتے ہوئے اندر بھاگی، باپ کی عزت کی خاطر خود کو قربان کرنے کو آمادہ۔

☆..☆..☆..☆

لال حویلی کا مختصر شجرۂ احوال

لال حویلی اور خان حویلی کی دیرینہ دشمنی زمین کے چند ٹکڑوں سے شروع ہوئی، تاریخ کے زخموں تک پہنچی، مگر آج تک خون نہ بہا تھا۔ آج پہلی بار قتل اور ونی تک نوبت آن پہنچی۔ شیر خان، زبیر خان اور ناہید خاتون کا بڑا بیٹا، زراعت اور انا پرستی دونوں کا وارث۔ ان

کی اہلیہ زرینہ خاتون نرم خو، صابر۔ ان کا اکلوتا بیٹا سفیر خان چھبیس سال کا، سرخ و سفید رنگت اور باپ کی زمینوں کا نگران۔ ایک بیٹی زاراخان سترہ برس کی، گہری سانولی رنگت مگر پرکشش آنکھوں والی جسے ہمیشہ اس کی رنگت کا طعنہ دیا گیا۔ خاندان میں دیدار خان کا حادثاتی انتقال، بختاور خان کے جڑواں بیٹے (دلشیر اور دلیر)، اور بہن فرخندہ کی صاحبزادی نوربانو جو سفیر کی منگیتر تھی۔ یہی پس منظر تھا لال حویلی کا۔

☆..☆..☆..☆

باران نے کالے رنگ کے شلوار سوٹ پر بادامی شال اوڑھ رکھی تھی۔ سنہری آنکھوں میں برف جیسی ٹھنڈک، داڑھی پہ آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتا وہ ایک پتھر سا سکون لیے کھڑا تھا۔ اسی لمحے شیر خان کے ساتھ ایک نسوانی وجود آتا نظر آیا، کالی چادر میں لپٹا، جس میں سے صرف بڑی بڑی ہرنی جیسی سیاہ آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ آنسو اور خوف ان میں ایک ساتھ لرز رہے تھے، وہ بار بار باپ کے عقب میں چھپنے کی کوشش کرتی رہی۔ وہ وہاں اتنے سارے مردوں کو دیکھ گھبرا گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہاں بیٹھو، زارا۔" شیر خان نے اسے ہلکی سی گرفت سے کرسی پر بٹھایا اور قاضی کے قریب جا کر نکاح کی تفصیلات بتانے لگے۔

حیدر خان نے خاموشی توڑی، "قاضی صاحب، نکاح شروع کیجیے۔" اور ساتھ ہی باران کی سمت دیکھا۔ باران نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ جبر کا سرنگوں ہونا تھا، بھلے دل مطمئن نہ تھا۔

"حق مہر کیا لکھا جائے، سردار صاحب؟" قاضی صاحب نے ربان خان کی طرف رخ کیا۔

ربان خان خاموشی سے حیدر خان کو دیکھنے لگے۔ فیصلہ انہی کے لبوں پر تھا۔

"پانچ کروڑ لکھ دیجیے۔ ونی سہی، پر حق مہر کے بغیر نہیں لے جائیں گے!" حیدر خان نے تمسخر بھری مسکراہٹ کے ساتھ شیر خان کا سکون ٹٹولا۔ شیر خان بدستور پتھر کی مانند بیٹھا رہا، گویا احساس کی کوئی جھڑک اسے چھوتی ہی نہ ہو۔

"زارا خان بنتِ شیر خان، تمہارا نکاح باران خان ولدِ حیدر خان سے پانچ کروڑ روپے حق مہر پر کیا جاتا ہے۔ کیا تمہیں قبول ہے؟" قاضی صاحب نے کلماتِ ایجاب کی پہلی گونج زارا کے کانوں میں اتاری۔ زارا کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اس نے باپ کو دیکھا، ایک ہلکا سا اشارہ ملا، لب

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لرزے، آواز توڑی تو جیسے درد پگھل کر زبان بن گیا۔ بیٹیوں کے گناہ معاف نہیں ہوتے لیکن ہاں وہ بیٹوں کے گناہوں پہ قربان ضرور کر دی جاتی ہیں۔ یہ بات آج اسے سمجھ آ گئی تھی۔

"قبول ہے" دوسری بار کلمات گونجے۔ آنسو پلکوں سے لڑ کھڑائے اور دامنِ چادر میں جذب ہو گئے۔

"قبول ہے۔" تیسری بار آواز میں تھرتھراہٹ تھی، مگر ارادہ فولاد۔

"قبول ہے۔"

اب سوال باران کے سامنے تھا۔ اس نے خم ٹھونک کر لہجے کو پتھر کی ٹھنڈک دی۔

"قبول ہے۔"

دوسری دفعہ

"قبول ہے۔" (دل نے زیرِ لب کہا' اس بندھن میں میرے احساس کا کوئی دخل نہیں')

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تیسری بار

"قبول ہے۔"(خیال کا کانٹا چبھا'یہ نکاح شاید اس لڑکی کی زنجیر بنے گا')

الفاظ مکمل ہوتے ہی کاتب نے رجسٹر بند کیا۔ ہوا میں ایک سرد سی سانس ابھری اور یوں چند لمحوں میں زار اشیر خان کا نام مٹ چکا تھا۔ اب وہ زار ابار ان حیدر تھی، تقدیر کے ورق پر دستخط ہو چکے تھے، چاہے آنکھیں بین کرتی رہیں۔ دستاویز پر عمر دیکھ کر زارون کے دل میں کچھ چبھ سا گیا۔ صرف سترہ برس! جذباتی لمحے میں ونی کی بات کر بیٹھا، اب ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ وہ ایک تعلیم یافتہ شخص، رسمِ ونی کے خلاف مزاج مگر گھر کی روایت، دشمنی کا خونی دائرہ، وہ سب اسے بوجھ لگنے لگا۔ اس نے خود کو تسلی دی کہ خان حویلی کے مکین کسی مظلوم پر ظلم نہ کریں گے مگر یہ گمان جلد ہی غلط ثابت ہونا تھا۔

☆..☆..☆..☆

خان حویلی کی دہلیز پر گاڑیاں پورچ میں رکیں تو ملازمین بھاگ کر دروازے کھولنے لگے۔ سب سے پہلے ربان خان، شاہ میر اور ارمان اندرونی جانب چلے گئے تھے۔ پیچھے حیدر خان اور

باران کسی شدید بحث میں الجھے کھڑے تھے، جبکہ دور ذرا پرے زارا سہمی، بھیگی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ جنہیں بار بار وہ سختی سے رگڑ دیتی تھی۔

"باران، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" حیدر خان نے نرمی سے سمجھایا۔ وہ جانتے تھے کہ تینوں بیٹوں میں بدترین غصہ باران کا ہے، اس کی خاموشی بھی کسی طوفان کی تمہید محسوس ہوتی تھی۔ باران نے جبڑے بھینچے۔

"باباجان، آپ جانتے ہیں سائرہ میری منگ ہے، پھر بھی یہ سب کیوں؟ اور چچا جان!"

"میں مانتا ہوں، بچی ونی میں آئی ہے، مگر اب تمہاری بیوی ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں، ظلم مت کرنا اور سائرہ کی طرف سے مطمئن رہو، داور کو میں خود سمجھا لوں گا۔" حیدر کی آواز میں ایک باپ کی التجا تھی، مگر باران کا دل پتھر بنا ہوا تھا۔ اس نے ایک نظر زارا پر ڈالی۔ کالی چادر میں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سمٹی، انگلیاں مروڑتی، آنکھوں میں خالص خوف لیے اس کی جانب دیکھتی ہوئی۔ ان نگاہوں کو دیکھتے ہی وہ نظریں پھیر گیا۔

"باباجان، نکاح سے پہلے کیا میری رضامندی اہم نہ تھی؟ آپ نے کہہ دیا، میں نے مان لیا۔ مگر اب فیصلہ میرا ہو گا، اس لڑکی کے ساتھ کیا ہو گا اور کیا نہیں، یہ میں طے کروں گا۔" اس غیر لچکدار جملے نے حیدر خان کو اندر تک لرزا دیا۔ اسی لمحے شاہ میر وہاں آیا۔

"باباجان، مجھے ایک ضروری کام سے فوراً جانا ہو گا۔ بس کچھ دیر میں لوٹ آؤں گا۔" حیدر خان نے اثبات میں سر ہلایا۔ شاہ میر کے ارادے میں یہ تھا کہ بڑی ماں کے پاس بیٹھے مگر پتہ چلا، انہیں نیند کی دوا دے کر سلا دیا گیا ہے۔ اس نے سوچا 'کام نمٹا لوں، تبھی یکسو ہو کر ان کے پاس بیٹھوں گا۔'

"ہاں، مگر جلدی لوٹنا!" حیدر خان نے تاکید کی۔

شاہ میر کے جاتے ہی باران نے تیز قدم زارا کی سمت بڑھائے۔ اسی پل زارا کی کلائی آہنی گرفت میں آ گئی۔ وہ اسے گھسیٹتے ہوئے اندرونی جانب کی طرف چل پڑا۔ زارا کٹی پتنگ کی طرح بے بس کھنچتی چلی گئی۔

حیدر خان نے دور سے اس جارحانہ منظر کو دیکھا اور دل میں عجیب سا اندیشہ جاگ اٹھا' کیا میری جلد بازی نے کوئی بہت بڑی غلطی تو نہیں کر دی؟'

☆..☆..☆..☆

خان حویلی پہاڑوں کے درمیان ایک جیتی جاگتی داستان تھی۔ ہریالی سے ڈھکے اونچے اونچے پہاڑ، ان کے درمیان بل کھاتے آبشاروں کی نقرئی روانی، بلاشبہ یہ علاقہ قدرت کا ایک حسین شاہکار تھا۔ انہی سر بفلک پہاڑوں میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر پوری شان سے کھڑی خان حویلی، اپنی خوبصورتی اور فنِ تعمیر میں بے مثال نظارہ پیش کر رہی تھی۔ یہ حویلی جہانگیر خان کے دادا کی نشانی تھی، جنہوں نے اپنے دور میں اسے تعمیر کروایا تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی بنیادوں کو مزید مضبوط کیا گیا، دیواروں میں خلوص کا پلستر چڑھا، چھتوں پر وفاؤں کی

لکیر کھینچی گئی،اور یوں یہ حویلی صرف پتھر و اینٹ کی نہیں، محبت اور اقدار کی زندہ علامت بن گئی۔

خاندانِ جہانگیر خان کا مختصر حوالہ

جہانگیر خان اور شہناز بیگم کی چار اولادیں تھیں۔

ربان خان، حیدر خان، داور خان اور نرمین خان۔

ربان خان کی تایا زاد زوبیہ خانم سے شادی ہوئی، جو زبان کی کچھ سخت مگر دل کی نہایت نرم تھیں۔ شادی کے دو سال بعد، اللہ نے ان کے گھر شہزاد خان جیسا بیٹا عطا کیا۔ کچھ طبی پیچیدگیوں کے باعث زوبیہ خانم دوبارہ ماں نہ بن سکیں، مگر شہزاد ہی ان کی کل کائنات بن گیا۔ شہزاد کی پیدائش کے بعد ان کی سختی نرمی میں ڈھل گئی۔

حیدر خان کی شادی پھوپی زاد اسماء خانم سے ہوئی، جو اخلاق اور ظرف میں بے مثال تھیں۔ ان کے ہاں چار اولادیں ہوئیں۔

باران حیدر خان، شاہ میر حیدر خان، زارون حیدر خان، زرمینے گل۔

نرمین کی شادی جہانگیر خان کے بچپن کے دوست کے بیٹے دیار خان سے ہوئی۔ ان کے دو بچے تھے۔

موسیٰ دیار خان، پری گل دیار خان۔

دس سال قبل ایک پلین کریش جیسے حادثے میں نرمین اور دیار دونوں جاں بحق ہو گئے۔ نرمین کی موت نے شہناز بیگم کو اندر سے توڑ دیا، اور اگلے ہی سال وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ بیوی کے بغیر جہانگیر خان بھی چھ ماہ نہ جی سکے، اور اپنے پیچھے خاندان کی کمان ربان خان کے حوالے کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اس وقت موسیٰ اور پری گل کو خان حویلی کے مکینوں نے سنبھالا۔

داور خان کی شادی چچازاد حبہ خانم سے ہوئی، جن سے ایک بیٹا ارمان خان اور بیٹی سائرہ خان۔

وقت نے خان حویلی کے مکینوں کو بار بار آزمایا۔ ایک کے بعد ایک جنازے نے اُن کی زندگیوں پر گہرا اثر چھوڑا، مگر یہ خاندان بکھرا نہیں۔ ربان خان نے سرداری سنبھالی، مگر

حیدر خان اور داور خان کو ہمیشہ مشاورت میں شامل رکھا۔ یہی اعتماد، یہی رشتوں کی قدر، ان کی اولادوں میں بھی محبت، سلوک اور بھائی چارہ لے کر آئی۔

شاہ میر حیدر اور شہزاد خان ہم عمر تھے۔ شاہ میر کو شروع سے ہی سرداری میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے اس نے تعلیم مکمل ہوتے ہی آرمی کی راہ چنی۔ البتہ شہزاد کی نرم مزاج اور خوش اخلاق طبیعت کے باعث اسے ہزارہ کا اگلا سردار منتخب کر دیا گیا۔ شہزاد خان اور پری گل کی منگنی نرمین خان کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی۔

باران اور موسیٰ کی عمر میں ایک ماہ کا فرق تھا۔ جہاں باران نے اپنے ہوشیار اور بزنس مائنڈ کی وجہ سے کاروبار کو سنبھالا، وہی موسیٰ نے پولیٹیشن بننے کی راہ پہ جانا مناسب سمجھا تھا۔

اٹھائیس سالہ باران حیدر اور تیئس سالہ سائرہ کی منگنی کو تقریباً دو سال ہو چکے تھے۔ چھبیس سالہ زارون اور پچیس سالہ پری گل کا تعلق ڈاکٹری کے شعبہ سے تھا۔ زارون کی پریکٹس مکمل ہو چکی تھی اور اب وہ نیورولوجی میں سپیشلائزیشن کر رہا تھا جبکہ پری گل کی پریکٹس کو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مکمل ہونے میں ابھی کچھ ماہ باقی تھے۔بائیس سالہ ارمان اور بیس سالہ زرمینے گل ابھی کالج اور یونیورسٹی لائف میں پھنسے ہوئے تھے۔

☆..☆..☆..☆

ملائیشیا۔

جنوب مشرقی ایشیا کا دل،ملائیشیا قدرتی خوبصورتی،جدید شہریت،اور روایتی تہذیبوں کا حسین امتزاج۔سرسبز بارانی جنگلات،پہاڑوں سے لپٹی دھند،اور افق کو چھوتی اسکائی لائنز ملائیشیا کو ایک منفرد شناخت عطا کرتی ہیں۔ملائیشیا دو حصوں میں منقسم ہے ایک ویسٹ ملائیشیا (Peninsular Malaysia)جہاں دارالحکومت کوالالمپور واقع ہے اور دوسرا ایسٹ ملائیشیا جو بورنیو جزیرے پر مشتمل ہے،زیادہ تر

جنگلات،قبائل،اور قدرتی وسائل سے مالامال ہے۔

کوالالمپور۔چکاچوند روشنیوں کا شہر۔یہ وہی شہر ہے جہاں روشنی،کاروبار،اور جرم ایک ہی وقت میں پلتے ہیں۔Petronas Twin Towersکی جگمگاتی عمارتیں اس کے

جدید چہرے کی علامت ہیں، جبکہ پچھلی گلیوں اور بندر گاہوں کے اندھیرے جھروکے جرائم، اسمگلنگ، اور خفیہ گروہوں کا دروازہ ہیں۔ یہاں دن معاشی ترقی سے روشن ہوتا ہے اور رات سازشوں اور سودوں سے سیاہ۔ یہ سیاہ رات بھی معمول سی ہے۔ بارش تھمی تو ہوا میں نمکین سمندری نمی رچ بس گئی، اور بندر گاہ کے کنارے سے ذرا دور، کوالالمپور کے مضافات میں ایک ویران، شکستہ گودام کی ٹوٹی چھت سے بوندیں اب بھی ٹپک رہی تھیں۔ اندر نہ کوئی کھڑکی، نہ روشنی؛ صرف ایک فلیکسی لیمپ جو زنجیر میں لٹک رہا تھا اور اپنی خستہ روشنی سے دیواروں پر وحشت ناک سائے بنا رہا تھا۔ فرش پر تیل اور زنگ آلود پانی کی پتلی تہہ تھی؛ یوں لگتا تھا یہاں سے گزرے ہر وجود نے اپنی کوئی لرزہ خیز کہانی انہی دیواروں پر چھوڑ دی ہو۔ اس وقت اس خوف و وحشت کے مسکن میں زیرک گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا، ہاتھ بندھے، کپڑے پسینے اور مٹی میں لتھڑے، اس کے سیاہ فام چہرے پر دھول جمی تھی اور پیشانی پر خون کی ایک سمت بہتی لکیر مکمل سرخ نہیں، گہری بھوری ہو چکی تھی۔

سامنے زنگ زدہ فولادی کرسی پر ایک ٹانگ دوسری پر رکھے ڈی کے (جسے ملائیشیا کی انڈر ورلڈ "ڈی کے" کے نام سے جانتی تھی) پوری شان کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کی گہرے ایمرلڈ رنگ کی آنکھیں نگینوں کی مانند چمکتی تھیں، اور اُن میں ایسی یخ بستہ برف تھی کہ دیکھنے والے کا خون جم جائے۔ گردن پر بچھو کے ٹیٹو کا سرخ رنگ روشنی میں مزید دہک رہا تھا اور سیاہ چمڑے کا جیکٹ اس کے چوڑے شانے اور فولادی سینے کو کور کیے مزید رعب دار بنا رہا تھا۔

"پلیز مجھے جانے دو!" زیرک کی آواز لرزی، وہ انگریزی میں بولتا گڑگڑا رہا تھا۔ "میں تو صرف ایک مہرہ تھا، اصل ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے!"

ڈی کے نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جوتے کی نوک سے زیرک کی ٹھوڑی اوپر کی۔

"اچھا؟ پھر نام بتاؤ کھل کے!" اس کی آواز میں سحر تھا، برف جیسی ٹھنڈک، لیکن کہیں آگ جیسی سلگتی درندگی بھی۔ زیرک کا حلق سوکھ گیا۔

"میں... میں نہیں جانتا، خدا کی قسم! مجھے بس پیسے ملے؛ میں نے ڈیٹا منتقل کیا۔" آنسو اور پسینہ ایک ساتھ بہہ رہے تھے۔ ڈی کے نے لب سکیڑتے ہوئے سر ہلایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ایلکس، اسے جانے دو، یہ تو بے کار ہے۔" پیچھے سائے میں کھڑا ایلکس، لمبا، واضح نقوش والا ساتھی، اس نے حکم کی تعمیل میں دروازہ کھولا۔ زیرک کے چہرے پر مسکراہٹ یوں کھلی جیسے مرگھٹ پر دن نکل آیا ہو۔

"Thank you, thank you D-K! I owe you" وہ ہکلایا، اٹھا اور دوڑنے کے انداز میں دروازے کو لپکا۔

ٹھیک اُس لمحے، کلک! خاموشی چیرتی ایک فائرنگ کی تیز آواز گونجی۔ گولی نے زیرک کی بائیں ران چیر ڈالی۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا، چیخ حلق میں اٹک کر غراہٹ بن گئی۔

"آہہہ! یو بلڈی باسٹرڈ!" درد بھری آواز میں غلیظ گالی اب اس نے پوری اصلیت کے ساتھ نکالی تھی۔ معصومیت کا نقاب پلک جھپکتے اترا۔ ڈی کے مسکراتا ہوا قدم قدم چل کر قریب آیا۔

"ایک حساب اب بھی باقی ہے، مسٹر کینل!" یہ نام سن کر زیرک نے دہشت زدہ آنکھیں پھیلائیں۔ خون کثیف ہو کر حواس پر چھانے لگا۔ ڈی کے نے ہاتھ بڑھا کر زیرک کے کان

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے پیچھے انگلیاں سرکائیں اور جھٹکے سے مصنوعی لیٹکس ماسک اتار لیا۔ چہرے کے نقوش ایک لمحے کو بکھرے، پھر اصلی سراپا ظاہر ہوا، وہی بدنام ہیکر کینل، جس نے کم سن لڑکیوں کے خفیہ نیٹ ورک کو بیچا تھا۔

"تم... تمہیں کیسے پتہ؟" اس کا سوال، اس کی چیخ سے زیادہ نحیف تھا۔ ڈی کے نے استہزائی قہقہہ لگایا۔ لیمپ زنجیر پر جھول کر ہولناک سائے اچھالنے لگا۔

"ڈی کے کی نظریں شکاری کی نظریں ہیں، کینل! دھوکے کا وار مجھ پر تب ہی چل سکتا ہے جب میں چاہوں۔"

اشارہ ملتے ہی ایلکس نے پیچھے رکھا پلاسٹک ڈرم اُٹھایا۔ مہک واضح تھی، کھال جلانے والا خالص پٹرول۔ اس نے پورا ٹب زیرک پر انڈیل دیا۔ کیمیکل نے چند ہی سیکنڈ میں لباس کو بھگو کر چکنائی سی چمک پیدا کر دی۔ زیرک کا حلق بیساکھیوں کے سہارے چلتی سانس سے بھرا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ تو پٹرول ہے، نہیں! نہیں!"اس کی آواز مرتے مرتے آدھی رہ گئی۔ڈی کے جیب سے چھوٹا چاندی کا لائٹر نکال کر انگلیوں میں گھماتا، کبھی آن، کبھی آف۔ کلک کلک، جیسے موت کی ترکیب کا میٹرونوم۔

"ان لڑکیوں نے بھی یہی کہا تھا نا' ہمیں چھوڑ دو!' کیا تم نے چھوڑا؟"ڈی کے کی آنکھوں میں دہکتا لاوا اور برف اکٹھے تھے۔

"D-K، میں سب دوں گا، میں فائلیں واپس کر دوں گا، کوئی بھی پے لسٹ..."الفاظ تھر تھرا رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ڈی کے نے جھک کر سرگوشی کی،".Happy journey, Cannell"

کلک۔ شعلہ بھڑکا؛ لمحہ بھر کو زرد روشنی نے کھنڈر کی دراڑوں کو سونا بنا دیا۔ لائٹر زیرک پر پھینکا گیا اور پھر آگ نے لمحوں میں انسانی گوشت کو موم کی طرح پگھلا ڈالا۔ چیخ ایسی تھی کہ چھت کا لوہا بھی تھر تھرا گیا۔ چند ہی ثانیوں میں جسم سکڑا، کانپا، کانپنا رُکا، روشنی لپکی اور پھر

دھواں، بس جلتی چربی کی بھینی بدبو باقی رہی۔ ڈی کے نے پتھر جیسی خاموشی سے جلتی لاش کو دیکھا۔

آگ کی لہر میں آنکھیں کالے شیشے کی طرح چمک رہی تھیں۔ ایلکس چند قدم دور کھڑا، بارش کا جوتا پاؤں سے کھٹ کھٹ ہٹا رہا تھا۔

ملائیشیا کی انڈر ورلڈ Death King کو دو رنگوں میں پہچانتی تھی۔ سفید اگر وہ مسکرا دے تو کسی مجبور کے لیے انصاف کا پیام۔ سیاہ اگر نگاہ میں

یخ پگھل کر چمک اُتر آئے تو گویا موت کے فرمان کی مہر۔ کیا وہ ہمیشہ سے ایسا تھا؟ نہیں۔ کسی زمانے میں انہی آنکھوں میں خواب، انہی

ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن قسمت نے اسے ظلم کا شکار کیا، اور پھر اس نے بدلہ لیا، کبھی نہ ختم ہونے والا بدلہ، حتیٰ کہ آج وہ خود بھی نہیں جانتا کہ کس مورچے پر کھڑا ہے، انصاف کے یا جرم کے۔ ابھی سوال ختم نہ ہوا تھا کہ کمرے کی خاموشی میں بارش نے پھر چھت کو پیٹنا

شروع کیا،اور آگ کے بجھتے شعلوں سے اٹھتی بھینی بدبو اندھیرے کو اور گاڑھا کرنے لگی۔

☆..☆..☆..☆

دوپہر کی ہلکی دھوپ میں گارڈن کے سبزے پر دو وجود بیٹھے تھے۔ایک بے فکر، مسکراتا ہوا چہرہ،دوسرا چپ چاپ، نیل پالش میں الجھا ہوا۔یہ منظر کراچی کے ایک مہنگے اور معروف پرائیویٹ کالج کا تھا جہاں اسٹوڈنٹس کی اکثریت صرف تعلیم کے لیے نہیں بلکہ سماجی تفاوت کو جھیلنے کے لیے بھی آتی ہے۔زینب،سفید یونیفارم اور نیلے حجاب میں لپٹی، اپنے ہی لفظوں کے خواب بُن رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں مستقبل کی روشنی تھی،ایک اچھے کل کی آس۔

"ماہی، تمہارا لیپ ٹاپ کتنا خوبصورت ہے۔میں بھی بالکل ایسا ہی لوں گی۔مما سے بات کروں گی،پکا۔"اس نے ماہی کا لیپ ٹاپ اپنی گود میں رکھتے ہوئے خوشی سے کہا۔وہ اس

وقت ایک معصوم خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ خواب دیکھنا جرم نہیں ہے، لیکن ہر خواب کا مول کچھ ہوتا ہے، کچھ خواب قیمت مانگتے ہیں، اور بعض قربانی۔

ماہی نے، جو وہیں پر بیٹھے اپنے نوکیلے ناخنوں کو سیاہ نیل پالش سے رنگ رہی تھی، زینب کی بات پر ہلکی سی، شاید تلخ یا شاید چھپی ہوئی کسی نیت کی، مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"تو پھر لے لو نا میرا لیپ ٹاپ زینی، تم میری بہت خاص دوست ہو۔ میں تمہارے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہوں۔"

"نہیں نہیں ماہی، میں یہ نہیں لے سکتی۔ یہ مہنگا ہے۔ مما بھی شاید" زینب کے چہرے پر ایک جھجک آمیز حیرت تھی۔ ماہی کی نظریں اب براہِ راست زینب پر تھیں۔ اُس کے لہجے میں جو نرمی تھی، وہ شاید ضرورت سے زیادہ نرم تھی، جیسے شہد میں لپٹی زہر کی بوند۔

"تو آدھی قیمت میں لے لو۔ ویسے بھی میں نیا لینے والی ہوں۔" زینب کی آنکھوں میں ایک بار پھر وہ چمک جاگ اُٹھی۔

"اوکے،میں مما سے بات کروں گی۔ پھر یہ میرا!"اُس نے معصوم خوشی سے قہقہہ لگایا اور ماہی نے ہنسی میں اس کا ساتھ دیا،مگر اُس کی ہنسی میں کچھ تھا،کچھ ایسا جو زینب نہ جان پائی،اور نہ سمجھ پائی کہ یہ لیپ ٹاپ ایک تحفہ نہیں ایک دروازہ ہے۔ایک دروازہ جو کھلنے والا ہے جہاں معصوم خواہشیں دھوکے کی دھند میں کھو جائیں گی،اور سچ کی راہیں آگ میں جھلس جائیں گی۔

زینب کو معلوم نہیں تھا کہ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑی ہے،وہاں ایک معصوم خواہش کی قیمت اس کی عزت،اعتماد،اور شاید سکون کی شکل میں ادا ہونی ہے اور یہ سب کچھ صرف ایک لیپ ٹاپ کی قیمت میں۔

☆..☆..☆..☆

سوات۔

ہزارہ کی پہاڑی سڑکوں پر اندھیری رات سایوں کی طرح رینگ رہی تھی۔ کہرا آسمان سے اتر کر زمین کو ڈھانپ چکا تھا اور سرد ہوا میں وہ خاموشی تھی جو طوفان سے پہلے چھا جاتی ہے۔

زارون حیدر بغیر کسی سمت یا ارادے کے گاڑی دوڑاتا جا رہا تھا۔ جرگے میں جو کچھ ہوا، وہ اس کے اندر ایک بے چینی چھوڑ گیا تھا۔ وہ سوچوں کی دلدل میں دھنستا جا رہا تھا جب اچانک،

"اوشٹ!" ایک سایہ، ایک وجود، اچانک سامنے آیا اور زور سے گاڑی سے ٹکرا گیا۔ گاڑی کا بریک چرچراتی آواز کے ساتھ رکا۔ دل زور سے دھڑکا، جیسے لمحہ رک گیا ہو۔ زارون فوراً گاڑی سے باہر نکلا اور دوڑ کر اس جسم کی طرف لپکا جو سڑک کے عین درمیان گرا پڑا تھا۔

"ہیلو؟ مس؟ کیا آپ سن سکتی ہیں؟" وہ جھک کر آواز دیتا رہا۔ چادر میں لپٹی وہ نسوانی شبیہ اوندھے منہ پڑی تھی۔ زارون نے تیزی سے اسے سیدھا کیا اور تب ہی جیسے وقت ٹھہر گیا۔ چہرہ زخموں، نیلوں، خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھ کے نیچے گہرا نیلا داغ، ہونٹ پھٹے ہوئے، پیشانی سے خون رس رہا تھا۔ پھٹی ہوئی آستین، زخمی کندھا، اور لرزتا ہوا وجود۔

زارون کا دل ساکت ہو گیا۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ وہ دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ صرف حادثہ نہیں تھا، یہ وحشت کی کوئی داستان تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یا خدا اس پر کیا بیت گئی؟"زارون نے ایک پل ضمیر کی عدالت میں خود کو کھڑا محسوس کیا اور فیصلہ فوراً سنایا۔ اسے چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے نرمی سے اس لڑکی کو اٹھایا اور اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا۔ پورے وجود میں لرزش دوڑ رہی تھی،شاید تکلیف سے،شاید صدمے سے۔ "میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ "زارون نے گاڑی کا رخ اپنے نجی اسپتال کی طرف موڑا اور پوری رفتار سے سڑک کا سینہ چیرتے ہوئے نکل پڑا۔ اندھیرے میں وہ گاڑی روشنی کا ایک ٹکڑا بن چکی تھی، جو کسی ٹوٹے ہوئے وجود کو بچانے کی آخری امید لیے رواں دواں تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

اٹلی؛

کمرے کی روشنی مدھم تھی، بس لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نکلتی نیلی روشنی خلا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا جیک تیزی سے کوڈز میں الجھا ہوا تھا۔ سامنے کھڑکی سے وینس کی رات کی خاموشی جھانک رہی تھی۔

"جیک یہاں کا کام وائنڈ اپ ہو گیا۔" کرسٹل کوئین نے ماسک کے پیچھے چھپے چہرے سے، لیپ ٹاپ پر جھکے جیک کو مخاطب کیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مکمل طور پر کورڈ، سفید ہوڈی، بلیک گلووز، سرد آنکھیں اور چہرہ ماسک میں ڈھکا ہوا، صرف اس کی آنکھیں ہی وہ آئینہ تھیں جن میں کچھ پڑھا جا سکتا تھا۔

"جی، سب فائلز شفٹ ہو چکی ہیں، لوکیشن ٹریس کر لی ہیں، اور بیک چینل بھی بند۔" جیک کی آواز میں کامیابی کی نمی تھی لیکن ساتھ ہی ایک

بے چینی بھی چھپی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ٹھیک ہے، کل صبح تک پرائیویٹ جیٹ تیار ہو۔ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔" کرسٹل کوئین کرسی پر بیٹھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ جیک نے حیرت اور الجھن کے ملے جلے جذبات سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پاکستان؟"

وہ جانتا تھا کہ اگر کرسٹل وہاں جا رہی ہے تو کچھ بڑا ہونے والا ہے۔ کرسٹل کے چہرے کا ماسک تو جوں کا توں تھا، مگر اس کی آنکھیں؟ ان میں ایک خاموش طوفان تھا۔ آنکھوں کی سرخی تھکن کی نہیں تھی، وہ نارِ انتقام کی سرخی تھی۔

"یہ کھیل اب ماضی سے نکل کر حال میں داخل ہونے جا رہا ہے، جیک..." اس نے آہستہ سے کہا، جیسے خود سے مخاطب ہو۔ "جس فائل کو بند سمجھ کر لوگ سو چکے تھے، وہ اب کھلنے جا رہی ہے۔" وہ لمحہ، وہ ایک خاموش فیصلہ، اب وقت انتقام، راز، دھوکہ، اور طاقت کے اس جنگی میدان کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں ہر قدم ایک قیامت لا سکتا تھا۔ جہاں قیامت تباہی لاتی ہے، وہیں انصاف کے در بھی کھول دیتی ہے۔

☆..☆..☆..☆

ایک ہفتہ پہلے؛

سوات کی صبح آج غیر معمولی طور پر شفاف اور خنک تھی۔ اُفق پر شرمیلی سی دھند ہولے ہولے پہاڑوں کے ماتھے پر اتر رہی تھی۔ سردیوں کی آمد نے ہوا میں وہ تازگی گھول دی

تھی جس سے سانس میں تک درختوں کی مہک محسوس ہوتی ہے۔خان حویلی مگر موسم سے کہیں زیادہ پُر رونق تھی۔ صحن میں مٹھائیوں کے ٹوکرے گھوم رہے تھے،محرابوں پر رنگ برنگی لڑیاں لٹکائی جا رہی تھیں،اور سنگِ مرمر کے زینوں کو قمقموں کی نرم روشنی نے اپنی بانہوں میں لے رکھا تھا،مگر اس پُر ہنگام ٹھکانے میں ایک ہڈ حرام ایسا بھی تھا جس پر جشن کا کوئی اثر نہ تھا۔وہ کمرے میں خراٹے گنجا رہا تھا کہ اچانک۔چھپّاڑرر!سرد پانی کی ایک بالٹی اس کے اوپر الٹی،اور آواز بلند ہوئی۔

"بچاؤ!ارے بچاؤ،سیلاب آ گیا!"ارمان خان آنکھیں موندے،دونوں بازو چلاتا چیخ رہا تھا۔

"ابے گدھے،آنکھیں کھول!سیلاب نہیں،میں ہوں!"زارون نے جھنجھلا کر کہا اور ساتھ ہی سائیڈ ٹیبل سے ارمان کی نئی اسپورٹس بائیک کی چابی اُچک کر جیب میں ڈال لی۔ارمان نے منہ پھلا کر شہزاد خان کو آواز دی،جو باتھ ریلنگ پر کھڑا سارا تماشا دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا۔

"شہزی لالا،آپ بھی کچھ بولیں نا!"شہزاد نے کندھے اچکا کر معصوم بے بسی دکھائی تو زارون نے مزید چھیڑا۔

"یہ سب تیرے 'شہزی لالا' کا آئیڈیا تھا، سمجھا!" زارون پھر طنزاً ہنسا، اور ارمان کے کانوں میں چابی کی چھنکار سنائی دی۔ اسے اب احساس ہوا کہ اس کی بائیک کی اکلوتی چابی غائب ہے۔ وہ بدحواسی میں اٹھا اور زارون کے پیچھے لپکا۔ نیچے کے لاؤنج میں پہنچتے ہی زارون نے صوفے سے ٹیک

لگا کر مزے سے الائچی چبانا شروع کی۔ اس کی بچپن کی عادت۔ ارمان آگے ہاتھ پھیلاتا جھنجھلایا۔

"میری چابی واپس کرو ورنہ..."

"نہیں دوں گا۔ جو کرنا ہے کر لے۔" یہ سنتے ہی ارمان نے چیتے کی پھرتی سے جست لگائی اور زارون پر چڑھ بیٹھا۔ زارون نے جواب میں اُس کے بھورے بال مٹھی میں جکڑ لیے، ارمان نے بدلہ لیتے ہوئے اس کے گھنے کالے بال پکڑ لیے۔ اوپر شہزاد خان قہقہوں میں دہرا ہو رہا تھا۔ لاؤنج ایک منی ریسلنگ رِنگ بن چکا تھا۔ اسی افراتفری میں حویلی کے داخلی دروازے سے ایک بھاری، رعب دار آواز گونجی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ کیا ہنگامہ ہے؟"باران حیدر جو تین روز بزنس ٹرپ کے بعد لوٹا تھا،داخلی دروازے کے پاس کھڑا دونوں بھائیوں کو پاگلوں کی طرح لڑتے دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔

"زارون!انتظامات دیکھو۔ارمان!فوراً جا کے ڈھنگ کے کپڑے پہنو،آئندہ میں تمہیں ان شورٹس میں نہ دیکھوں!"باران کی درشت دھاڑ سنتے ہی ارمان کے منہ سے "جی لالا"بس پھڑ پھڑا کر نکلا،اور وہ لمبی دوڑ لگا کر اوپر چلا گیا،گویا اولمپکس کی سو میٹر ریس ہو۔

شہزاد خان نے یہ منظر دیکھ کر ایسی ہنسی لگائی کہ پوری حویلی گونج اٹھی۔کچن میں کھڑی زوبیہ خانم نے بیٹے کا قہقہہ سنا تو لبوں سے بے ساختہ دعا پھسل گئی۔باران نے بھی شہزاد کی طرف دیکھ کر خفیف سی مسکراہٹ چھپالی،دل میں سوچا"یہ شرارتی لوگ شاید کبھی نہیں سدھریں گے..."وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا،جہاں نکاح کی تیاریوں کی فہرست ابھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

کالے آسمان کے تلے خان حویلی چراغاں سے جگمگا رہی تھی، روشنی کی وہ لڑیاں جو صدیوں پرانی دیواروں سے لپٹی تھیں، دور سے دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال رہی تھیں۔ نکاح کی تقریب کا اہتمام لان میں کیا گیا تھا، جہاں مردوں کے لیے نشستیں کھلی فضا میں رکھی گئی تھیں اور عورتیں زنان خانے کی راہداریوں میں سجی تھیں۔ سوات کی فضا میں سرد ہوا کی گونج کے ساتھ خوشی کا شور گھلا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پوری وادی نے خوشی کا لباس پہن لیا ہو۔ گاؤں کے ہر گھر میں مٹھائیاں اور اناج بھیجے جا چکے تھے، اور ربان خان اپنی روایت نبھاتے ہوئے مطمئن کھڑے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زر خان، پورے گاؤں کے ہر گھر تک سامان پہنچا دیا؟"

"جی خان صاحب، میری نگرانی میں سب کچھ مکمل ہو گیا ہے۔"

ربان خان نے اثبات میں سر ہلایا، اُن کی آنکھوں میں سکون تھا۔ سفید شلوار قمیض، کندھوں پہ کالی شال، ہلکی جھریوں سے مزین چہرہ مگر آن بان سے بھرا ہوا، وہ اپنے وقت کے حقیقی سردار دکھائی دیتے تھے۔ شہزاد خان واقعی اُن کی زندہ تصویر لگتا تھا، ابھی وہ کچھ

اور کہتے کہ لان میں شہزاد، باران، زارون اور ارمان داخل ہوئے، چاروں کی موجودگی جیسے وقت کو ساکت کر گئی۔

شہزاد خان نے گرے شلوار قمیض پر سکن رنگ کی شال، نیلی آنکھیں، متوازن خدوخال اور گھنی داڑھی اور گردن کو چھوتے ہلکے

گھنگھریالے بالوں کے ساتھ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی داستان کا مرکزی شہزادہ ہو۔ باقی تین بھائیوں نے سفید لباس پر بادامی شالیں اوڑھ رکھی تھیں۔ چاروں کی شخصیت میں وہ خاص چمک تھی جو صرف سرداروں کے خاندان میں پرورش پانے والے جوانوں میں نظر آتی ہے۔

"زارون، شاہ میر کا کچھ پتہ چلا؟"

"باباجان، وہ کام میں پھنس گیا، آنے کی بہت کوشش کی مگر" شہزاد نے بات کاٹی اور مختصر جواب دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"چلو، نکاح کا وقت ہو گیا ہے۔" ربان خان نے ہلکی آہ بھری، پھر گہری نگاہ سے شہزاد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

☆..☆..☆..☆

نرمین خان کی بیٹی پری گل، سفید لہنگا چولی اور سرخ کامدار چنی میں دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ماتھے پر جھومر، کانوں میں جھمکے اور دل میں والدین کی محرومی کا درد لیے۔

"دیدا، آج تو آپ واقعی لالا کی شہزادی لگ رہی ہیں!" زرمینے گل نے داخل ہو کر خوشی سے چہک کر کہا۔

"اور تم بھی گڑیا لگ رہی ہو میری مینی!" پری گل کی آواز میں ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

اسماہ خانم نے آہستگی سے پری گل کا گھونگھٹ درست کیا، جیسے ہر ماں اپنی بیٹی کو محبت سے سنوارتی ہے۔ اسی لمحے ربان خان، باران، موسیٰ اور حیدر خان کمرے میں داخل ہوئے۔

Clubb of Quality Content

"اجازت ہے، بیٹی؟" ربان خان نے محبت سے پری گل کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ پری گل نے سر ہلا کر اجازت دی۔ اُس کی دائیں طرف موسیٰ خان، بائیں طرف ربان خان بیٹھے۔ باران اور حیدر خان خاموشی سے پاس کے صوفے پر براجمان تھے۔

ربان خان نے نکاح کے الفاظ ادا کیے۔ "پری گل بنتِ دیار خان، آپ کا نکاح شہزاد خان ولد ربان خان کے ساتھ ایک کروڑ روپے حق مہر پر کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ کو قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" مگر اس کے آنسو چہرے پر مسلسل بہتے جا رہے تھے۔ اس کی نگاہوں میں وہ والدین تھے جو آج کی خوشی میں شامل نہ تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تیسری بار "قبول ہے" کہنے کے بعد اس نے کانپتے ہاتھوں سے نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے خود کو شہزاد خان کے نام مکمل سپرد کر دیا۔ پری گل سے ایجاب قبول کرواتے وہ لوگ نکلتے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی موسیٰ نے اسے گلے لگایا، جیسے ایک باپ اپنی بیٹی کو۔ وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی جسے دیکھ موسیٰ کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں، ماں باپ کی کمی ایک ایسا خسارہ ہے جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

"دیدا اتنا نہ روئیں ورنہ لالا ڈر جائیں گے!"ان دونوں کو جذباتی ہوتے دیکھ زرمینے نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا تو موسیٰ نے مسکراہٹ دبائی۔

"ارے شرارتی لڑکی،اتنے جذباتی سین میں بھی تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے؟"موسیٰ کو گل کی سرخ ہوتی ناک دیکھ کر ہنسی آئی تھی۔

"کیا کریں خان جی،میں رونا شروع کرتی ہوں تو آنکھیں سوج جاتی ہیں،پھر سیلفیز خراب آتی ہیں!"وہ معصومیت سے بولی تو وہ دونوں ہی قہقہہ لگا دیئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اچھا اب میں چلتا ہوں باہر سب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"وہ جھک کر پری گل کا سر چومتا اٹھ کر چلا گیا۔

☆..☆..☆..☆

لان میں قاضی نکاح کی رسمی کارروائی دہرا رہا تھا۔ "شہزاد خان ولد ربان خان، کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

"قبول ہے۔" تین بار۔

شہزاد نے نکاح نامے پر دستخط کیے اور یوں اُس محبت کا اختتام ہوا جو بچپن کے خوابوں میں بسا تھا، اور آغاز ہوا ایک نئے سفر کا۔

"میری گڑیا بہت نازک دل کی ہے، اسے کبھی تنہا مت چھوڑنا" موسیٰ شہزاد سے بغل گیر ہوتے ہوئے وعدہ چاہا جس پر شہزاد نے پورے دل سے سر جھکا کر وعدہ کیا۔ وہ آج مطمئن تھا، اس کی خوشی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ فائرنگ کی آوازیں فضا میں گونجنے لگیں، جیسے پوری وادی نے اس مقدس بندھن کی خوشی میں شمولیت اختیار کر لی ہو۔ خان حویلی آج خوشی، روایت اور جذبات کے رنگوں سے سجی تھی۔

خان حویلی رات کے آخری پہر میں بھی جگمگا رہی تھی۔ روشنیوں کی چکا چوند مدھم ہو چکی تھی لیکن لان میں جلتے رہنے والے آہنی لیمپوں کی زرد روشنی اب بھی ان خوشیوں کے گواہ

بنے کھڑے تھے جو کچھ ہی دیر پہلے پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں۔ ہر طرف سکون تھا، جیسے وقت نے خود بھی سانس روک لی ہو۔ ایسے میں شہزاد خان، گہرے رنگ کی واسکٹ پہنے، سنبھلے سنبھلے قدموں سے لان پار کرتا اندرونی حصے کی طرف بڑھ رہا تھا، رخ تھا پری گل کے کمرے کی طرف۔ چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی، دل میں شکر، آنکھوں میں خواب۔ وہ خواب جو برسوں سے بُن رہا تھا، آج تعبیر کی صورت اُس کی دہلیز پر تھا، تبھی اچانک جیسے کہیں بادل چمکے ہوں۔

"کہاں جا رہے ہیں لالا؟ وہ بھی اس طرح چوروں کی طرح دبے پاؤں؟" شہزاد کی سانس جیسے لمحہ بھر کو رک گئی ہو۔ وہ مڑا، تو سامنے سنہری انار کلی فراک میں چمکتا چہرہ لیے زرمینے گل دونوں بازو سینے پر باندھے کھڑی تھی، چہرے پر وہی مخصوص شوخ مسکراہٹ جو ہمیشہ کسی نہ کسی سازش کی خبر دیتی تھی۔

"تم کہاں سے ٹپکیں؟" شہزاد نے حیرانی اور ہنسی کے ملے جلے انداز میں کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ادھر سے نہیں، اُدھر سے اور دیکھیے، پورے لان میں کوئی چرند پرند بھی نہیں اور ہمارے لالا شہزاد خان شیر کی طرح گھات لگا کر اوہ سوری، شادی شدہ شیر کی طرح اپنی نئی منکوحہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔" شہزاد نے آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھا، جیسے چپ چاپ دھمکی دے رہا ہو۔

"بس بس، جان گئی! آپ کی نظریں ہی کافی ہیں، پوری حویلی میں صرف آپ کی ایسی نیلی آنکھیں ہیں جو بندے کو جوتا اتارے بغیر شرمندہ کر دیتی ہیں۔" زرمینے اب شہزاد کے بالکل قریب آچکی تھی، اور اس کے کندھے پر لاڈ سے سر رکھ دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہارے اتنے نخرے کیوں ہوتے جا رہے ہیں، ہاں؟ صاف صاف بتاؤ، کیا کام ہے؟"

"بس معمولی سا، چھوٹا سا حقِ بہن۔ پلیز میرے کیمسٹری کے نوٹس بنا دیں۔ کل مس ارم ٹیسٹ لے رہی ہیں اور میں فزکس کے صدمے سے ابھی تک نہیں نکلی۔" شہزاد نے سر پیچھے کیا، اور زور سے ہنسا۔

"تمہیں کیمسٹری میں کیا مسئلہ ہے؟ زہر تو تم خود ہو!"

"لاحول ولا! لالا! یہ آپ نے کیا کہا؟" زرمینے نے سینے پر ہاتھ مارا، "مطلب جو دل توڑ دے وہ شاعر، جو وعدہ توڑ دے وہ عاشق، اور جو یہ بات کہہ دے وہ لالا؟"

شہزاد نے قہقہہ لگایا اور اس کے سر پر چپت لگا کر بولا، "چلو، صبح نوٹس کے پیپر میرے کمرے میں رکھ دینا۔ (دودھ شریک بہن کا اتنا حق تو بنتا ہی تھا) اب راستہ چھوڑو، پری گل انتظار کر رہی ہو گی۔" زرمینے نے شرارت سے پلکیں جھپکائیں، "جی جی، شہزادہ صاحب، جائیے اپنی شہزادی کے پاس" شہزاد کے قدم رک گئے۔ وہ پلٹا۔ "تمہیں کیسے پتہ میں پری کو شہزادی کہتا ہوں؟" اس کی آواز میں حیرانی کم اور شک زیادہ تھا۔ زرمینے نے تھوڑی دیر نظریں چُرائیں، پھر دانت نکالے۔

"وہ ایک دن میں نے تھوڑا سا ہی سنا تھا، بس شہزادی کہہ رہے تھے۔ تب سے میں بھی بھابھی کو ذہنی طور پر وہی سمجھنے لگی تھی۔"

"سدھر جاؤ، ورنہ نوٹس کے بجائے دو چپتیں لگاؤں گا تمہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی سر!"زرمینے نے کانپتے ہاتھوں سے سلیوٹ مارااور بھاگ گئی، جیسے کوئی پکڑی گئی سازشی ایجنٹ ہو۔

☆..☆..☆..☆

کمرے میں ہلکی روشنی تھی۔ آئینے کے سامنے سفید لہنگے میں ملبوس پری گل اپنے زیورات اتار رہی تھی۔ شرم،حیا، تھکن،اور جذبات کی ملی جلی کیفیت اس کے چہرے پر واضح تھی۔ دروازہ ہلکاسا کھلا۔ شہزادخان اندر داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھتے ہی گھبرا گئی،اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سر جھکایا،دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ شہزاد نے چند لمحے رک کر اسے دیکھا۔

"شہزادی؟"

آواز میں وہی مان،وہی محبت،وہی قرار تھا۔

"جی؟"پری گل نے آہستہ سے کہا،شہزاد اس کے قریب آیا،اور اس کی ٹھوڑی کو نرمی سے انگلی سے اوپر کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خوش ہو نا؟" پری گل نے نظریں اٹھائیں۔ ان کی نظریں ملیں تو لمحہ رُک گیا۔ شہزاد کی نیلی آنکھوں میں محبت کا وہ جہان تھا جسے صرف محرم سمجھ سکتا تھا اور پری گل کے آنسو شاید پہلی بار کسی لمس کے تحفظ پر بہنے کو بے قرار تھے۔

"اھم اھم" شہزاد نے ذرا شوخی سے گلا صاف کیا، "اتنے غور سے کیا دیکھ رہی ہو؟ ہینڈسم ہوں نا؟"

پری گل جھینپ کر پیچھے ہوئی، اور شرم سے چہرہ سرخ کر گئی۔ شہزاد نے مسکرا کر اس کا ماتھا چوم لیا، پھر آہستہ سے بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اب آپ صرف میری امانت ہیں۔ شہزاد خان کی امانت۔ خود کا نہیں، اب میرا بھی خیال رکھیے گا۔" پری گل خاموش رہی، لیکن اس کی آنکھوں میں شکر گزاری، عقیدت اور بے لوث محبت صاف جھلک رہی تھی۔ شہزاد کچھ دیر اس کے ساتھ وقت گزارتے ہوئے اسے ایک آخری نظر دیکھتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پری گل نے آہستہ سے آئینے میں اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا جہاں اس کا پہلا لمس اترا تھا اور اس لمحے کی خوشبو دل میں ہمیشہ کے لیے

قید ہو گئی۔ یہ لمحہ عشق کی پہلی سیڑھی تھا، پیار کے پہلے لمس کی نرمی، اور خاندانی رشتوں کی بے ساختہ چاشنی لیکن کیا یہ دائمی تھی؟

منظر بدلتا ہے۔ حال میں ہم واپس لوٹتے ہیں۔

باران زارا کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے، تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ، چہرے پر سختی، اور قدموں میں بے رحمی تھی۔ مگر دل کے کسی کونے میں الجھن کا وجود خاموشی سے سانس لے رہا تھا۔ وہ خود کو اس رشتے میں باندھنے کے اچانک فیصلے کو ابھی تک پوری طرح ہضم نہیں کر پایا تھا۔ زارا اس کے ساتھ ساتھ تھی، خوف اس کی آنکھوں میں تیر رہا تھا، لیکن اس کا سراپا پھر بھی نازک وقار سے بھرا ہوا تھا۔ وہ تھوڑا لرز رہی تھی، جیسے وقت کا دھکا اسے بہت دور لے آیا ہو، اور وہ ابھی سنبھلنے کی کوشش میں ہو۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی باران نے اس کا ہاتھ جھٹکے سے چھوڑا۔ زارا لڑکھڑا کر بیڈ کے قریب جا گری، مگر پل بھر میں وہ خود کو سنبھال کر کھڑی ہو گئی۔ باران نے دراز کھولا، سگریٹ نکالا اور کش پر کش لیتا ہوا، اپنے اندر اُبلتے لاوے کو دبا رہا تھا۔ وہ سگریٹ پینے کا عادی نہیں تھا،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کبھی کبھار ذہنی الجھنوں یا دباؤ کے باعث وہ استعمال کر لیا کرتا تھا۔ زارا خاموشی سے کھڑی تھی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا، ہاتھ سرد پڑ چکے تھے، مگر اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں، نہ مظلومیت کا اعلان، نہ رحم کی طلب۔ باران نے سگریٹ بجھایا اور اچانک اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں وہی سلگتی آگ تھی، لیکن اس بار کچھ اور بھی تھا شاید الجھن۔

"ایک بات یاد رکھنا" باران نے اس کا جبڑا سختی سے تھاما، "تم یہاں ونی ہو کر آئی ہو، اس گھر میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ بیوی کہلوانے کا خواب بھی مت دیکھنا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارا کے چہرے پر ایک لمحے کو کرب آیا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، مگر لبوں پر خاموشی تھی۔ اس نے ساکت رہتے ہوئے آہستگی سے سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہی ہو، "میں نے کبھی خواب دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" باران نے جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا۔ زارا پیچھے ہٹی اور ڈریسنگ ٹیبل کا سہارا لے کر سنبھلی۔ باران نے پلٹ کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ جو لڑکی چند لمحے پہلے ایک ونی کے طور پر آئی ہے، وہ ایسی وقار اور

خاموش برداشت کے ساتھ اپنے وجود کو اس کے کمرے میں ایستادہ کرے گی۔ وہ الجھا ہوا تھا۔ یہ سب فیصلہ اچانک ہوا تھا، خاندانی غیرت، دشمنی کا حساب، اور جذبات کا طوفان، سب ایک ساتھ اس پر ٹوٹا تھا۔ وہ خود کو اس رشتے میں کھینچا ہوا محسوس کر رہا تھا، جہاں نہ وہ محبت کر سکتا تھا، نہ مکمل نفرت۔ ڈریسنگ روم کی جانب جاتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو رکا، زارا کو دیکھا جو اب قالین پر دبک کر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ گھٹنوں کے گرد بندھے تھے، جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ رو رہی تھی، خاموشی سے، بغیر آواز کے۔ باران کا ہاتھ دروازے پر رکا۔ دل میں کوئی انجانی سی چبھن ابھری، ایسی کیفیت جو اس نے اپنے اندر دبا رکھی تھی، لیکن اگلے ہی پل اس نے خود کو جھٹکا دیا، روشنی بند کی اور بنا کچھ کہے واش روم میں چلا گیا اور کچھ ہی دیر میں مردانہ گہری سانسوں کی آواز کمرے میں گونجنے لگی، جو گہری نیند میں جا چکا تھا۔

زارا نے ایک گہری سانس لی، آنکھیں بند کیں اور خود کو اس نئے سفر کے لیے تیار کرنے لگی۔ وہ ٹوٹ سکتی تھی، پر بکھر نہیں سکتی تھی، کیونکہ وہ زارا تھی اس کے اندر دعاؤں کا سہارا تھا، اور وہ دعائیں اسے زمین پر رہ کر آسمان کی طرف دیکھنا سکھاتی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

رات کے دس بجے کا وقت تھا۔ دھوپ کے آخری رنگ کب ڈھلے، کسی کو ہوش نہیں رہا۔ مگر اس وقت زینب کا پورا گھر صحن میں لگے چھوٹے سے دستر خوان پر جمع تھا، وہ دستر خوان جو چھوٹا تھا، لیکن اس پر محبتوں کی جگہ کبھی کم نہ پڑی تھی۔

"زینب، دستر خوان سمیٹو اور کمرے میں آجانا۔" کھانے کے بعد زائرہ بیگم نے نرمی کے ساتھ کہا اور وہ داؤد صاحب کے ساتھ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ پیچھے پیچھے حنان، منان اور فاطمہ بھی ہنستے کھیلتے چل دیے۔ یہ ان کے گھر کا معمول تھا، رات کے کھانے کے بعد سب ایک ساتھ بیٹھتے، جیسے دن کی تھکن کو بانٹ کر کم کرنا چاہتے ہوں۔ یہ پانچ مرلہ مکان شاید دنیا کی نگاہ میں چھوٹا تھا، لیکن داؤد صاحب نے اسے اتنے ارمانوں سے آباد کیا تھا کہ یہ مکان ان

Clubb of Quality Content

کی چھوٹی سی ریاست بن گیا تھا۔ آبادی سے ذرا فاصلے پر، خاموشی میں لپٹا یہ گھر، ان کے خوابوں کا پہلا زینہ تھا، ایک محفوظ پناہ گاہ۔

اوپر کے دو کمروں میں سے ایک میں داؤد صاحب اور زائرہ بیگم رہتے تھے، دوسرا زینب اور فاطمہ کا تھا۔ نیچے حنان اور منان کا کمرہ تھا، اور ایک کمرہ مہمانوں یا خاص مواقع کے لیے ڈرائنگ روم کے طور پر رکھا گیا تھا، مگر زیادہ تر، وہی کمرہ ہر رات "فیملی روم" بن جاتا تھا۔

سادہ سے گھریلو کپڑوں میں ملبوس زینب نے تیزی سے برتن اٹھائے، صحن سمیٹا، اور دستر خوان ڈیوائیڈر میں رکھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے دیکھا، بڑے صوفے پر داؤد صاحب بیٹھے تھے، زائرہ بیگم ان کے ساتھ۔ حنان، منان اور فاطمہ درمیان میں بچھی چٹائی پر لوڈو کھیلنے میں مصروف تھے۔ منظر مکمل تھا۔ زندگی جیتی جا رہی تھی، کسی خوبصورت لمحے کی مانند۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"باباجانی، مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" زینب نے جھجکتے ہوئے داؤد صاحب کے برابر میں جگہ لی اور دھیرے سے کہا۔ داؤد صاحب نے زائرہ بیگم کی بات ادھوری چھوڑی اور بیٹی کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ہاں، میرا بیٹا، کہو۔"

"وہ ماہی ہے نا، میری دوست، جو ایک دفعہ ہمارے گھر بھی آئی تھی؟" زینب نے ذرا لاڈ سے آواز کو گھمایا۔

"ہاں ہاں، یاد ہے مجھے، تمہارے ساتھ پڑھتی ہے نا؟" داؤد صاحب کی یادداشت مضبوط تھی، جیسے اپنی بیٹی کے ہر تعلق کی خبر رکھی ہو۔

"جی بابا، وہ اپنا لیپ ٹاپ بیچ رہی ہے، کہہ رہی تھی تم لوگ لو گے تو آدھی قیمت میں دے دوں گی، پچاس ہزار کا ہے، وہ مجھے پچیس میں دے رہی ہے۔" زینب کی آواز میں التجا نہیں، امید تھی، جیسے کسی خواب کے لیے در کھٹکھٹا رہی ہو۔ داؤد صاحب نے ایک پل زائرہ بیگم کی طرف دیکھا، جنہوں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ٹھیک ہے، کل اسے کہنا لیپ ٹاپ ساتھ لے آئے۔ تمہاری ماں پیسے دے دیں گی، بس پہلے چیک کر لینا۔" زینب کی آنکھیں جگمگا اٹھیں، جیسے کسی بچے نے آسمان سے تارا مانگا ہو اور مل گیا ہو۔

"تھینک یو بابا جانی!" وہ لاڈ سے ان کے کندھے سے لپٹ گئی۔

"بیٹیاں باپ کو تھینک یو نہیں کہتیں، بیٹا۔ میں کماتا ہی کس کے لیے ہوں؟ میری اولاد کے خواب ادھورے رہیں، یہ گوارا نہیں ہے مجھے۔" داؤد صاحب نے اس کے ماتھے کو چوم کر آہستہ سے کہا۔ زینب اس وقت گلابی پھولوں والی شلوار قمیض میں، سر پر سلیقے سے لپٹا دوپٹہ لیے، اپنے باپ کے سائے میں سب کچھ بھول چکی تھی۔ تب ہی فاطمہ نے ناراض لہجے میں کہا، "بابا، آپ صرف آپو سے ہی پیار کرتے ہو، مجھ سے نہیں۔"

"ارے نہیں میری جان، بابا تو تم سب سے بہت پیار کرتے ہیں، بس تھوڑا تھوڑا الگ انداز میں۔" سب ہنسنے لگے۔

"اور بیوی کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رہی، بس بچے ہی بچے" زائرہ بیگم نے چائے کا کپ تھماتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"آپ تو ملکہ ہیں اس گھر کی، رانی بیگم!" داؤد صاحب مسکرا کر بولے۔ پورے کمرے میں ہنسی گونج گئی۔ وہ خوشبو جو صرف گھر جیسی جگہوں پر ہوا میں شامل ہوتی ہے، لیکن یہ سب، صرف لمحے بھر کی کہانی تھی۔ جیسے قدرت نے ایک مکمل فریم میں سب کو سمیٹ کر محفوظ کر لیا ہو آنے والے وقت کے وار کے لیے۔ کاش وقت یہیں رک سکتا، کاش ہر دعا قبول ہو جاتی، مگر بعض کاش صرف ادھورے خوابوں کی قبر بن جاتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

ملائیشیا؛

نیلا آسمان آہستہ آہستہ اپنی نیلاہٹ کھو کر سرمئی ہونے لگا تھا۔ فجر سے پہلے کی وہ گھڑی تھی جب کائنات سانس روک کر ساکت ہو جاتی ہے، جیسے سب کچھ لمحہ بھر کے لیے رک گیا ہو۔ مگر ایک کمرے میں، وقت تھما نہیں، سلگ رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ پردے

ساکت۔ روشنی کہیں دور دبک گئی تھی، اور اندھیرے نے کمرے کو لپیٹ رکھا تھا۔ صرف سگریٹ کی جلتی ہوئی راکھ اور دھوئیں کے مرغولے تھے، جو چھت سے ٹکرا کر واپس اس کے گرد لپٹ رہے تھے، جیسے اس کے ماضی کی راکھ ہو۔ وہ شخص، جسے دنیا ڈی کے کے نام سے جانتی تھی، چیئر پر بیٹھا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے، ہاتھ میں سلگتی سگریٹ، اور چہرے پر وہی بے رحم خاموشی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا کوئی خواب نہیں تھا، شاید بہت برس پہلے ہی خوابوں سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ یہ منظر اس کے لیے نیا نہیں تھا۔ تیرہ سال یوں ہی کٹے تھے۔ سگریٹ، خاموشی، اور یادیں جو حلق میں سلگتی تھیں۔ اسی خاموشی کو ایک دستک نے توڑا۔

"آجاؤ۔" اس کی آواز گمبھیر تھی، جیسے کسی غار سے گونجی ہو۔ دروازہ آہستہ سے کھلا، اور ایلکس اندر داخل ہوا۔ وہ واحد شخص تھا جو ڈی کے کے قریب تھا، اور پھر بھی فاصلے باقی تھے۔

"ڈی کے"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ڈی کے کی پلکیں جھپکیں، جیسے نیند میں کانٹے چبھے ہوں۔ وہ سیدھا ہوا، سگریٹ ایش ٹرے میں بجھائی، اور دھیرے سے بولا۔

"تیاری کرو۔ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔" کمرے میں اچانک سناٹا پھیل گیا، جیسے کوئی نادیدہ طوفان آ کے گزر گیا ہو۔ ایلکس چند لمحے ساکت کھڑا رہا۔

"تم پاکستان جانا چاہتے ہو؟" یہ سوال نہیں، حیرت تھی۔ وہ جانتا تھا ڈی کے اور پاکستان؟ یہ دو لفظ ایک جملے میں آ ہی نہیں سکتے تھے۔ ڈی کے نے ایلکس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی آگ تھی جو بولے بغیر سب کچھ کہہ رہی تھی۔

"کچھ ہوا کیا ہے؟" ایلکس نے پوچھا، مگر ڈی کے کی خاموشی میں ہی سب جواب دفن تھے۔

"کچھ نہیں، بس وقت آ گیا ہے۔" ایلکس آہستگی سے پلٹا اور دروازے سے نکل گیا، جب کہ ڈی کے دوبارہ چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موند گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کیا واقعی یہ وقت تھا واپس جانے کا؟ وہ جانتا تھا، پاکستان اس کے لیے صرف ایک ملک نہیں۔ ایک ماضی تھا، ایک قبر تھی یا شاید ایک حساب اور کبھی کبھی، قبر سے انصاف نکالنے کے لیے زندہ دفن ہونا پڑتا ہے۔

☆..☆..☆..☆

سوات؛

اللہ اکبر اللہ اکبر

اللہ اکبر اللہ اکبر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اذانِ فجر کی صدا پوری وادی میں گونجی اور ساتھ ہی خان حویلی کے صحن میں ٹھٹھرتی ہوا نے درختوں کی شاخیں ہلا دیں۔ لان میں لگی ننھی بتیاں اب بھی خنک تاریکی میں ٹمٹما رہی تھیں۔ اوپر والے کمرے میں باران کی آنکھ پٹ سے کھلی۔ سائیڈ ٹیبل پر بجتے الارم کو بند کرتے ہی اس کی نظر قالین پر سمٹی پڑی زارا پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لیے گزری رات کا سارا منظر لوٹ آیا اور اس کے دل میں راکھ تلے کوئی سلگتا انگارہ کروٹ لے گیا۔ وہ گھٹنوں میں ٹھہری تھکن کو

جھٹک کر سوچنے لگا، پھر دھیرے سے سر جھٹک کر اٹھا، سفید شلوار قمیض نکالی اور واش روم میں بند ہو گیا۔

کچھ منٹ بعد جب وہ فریش ہو کر نکل رہا تھا تو زارا اب بھی بے خبر سوئی تھی۔ لیمپ کی ہلکی سی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، وہ معصوم دکھائی دیتی تھی اور کچھ خوفزدہ، جیسے نیند میں بھی اپنی چادر سے لپٹی ہوئی ہو۔ باران نے بے اختیار آنکھیں میچیں، 'یہی وہ لڑکی ہے جسے تقدیر نے میرے سامنے لا کھڑا کیا؟' اس کے اندر ایک الجھی سی کراہ پھڑ پھڑائی، مگر وہ جلدی سے بکھرتے خیالوں کو کچل کے خود پر پرفیوم چھڑکنے لگا۔ بوتل میز پر اس قدر زور سے رکھی کہ دھڑک سے آواز گونجی۔

زارا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، پلکیں جھپک جھپک کر چاروں طرف دیکھا، اور باران کو خاموش تنقیدی نگاہوں سے تکتے پایا۔ وہ گھبرا کر جلدی سے اُٹھی اور الماری کی طرف جا کھڑی ہوئی۔ دل دھڑک رہا تھا، پر آنکھوں میں ساکت حوصلہ بھی تھا۔ باران نے اسے نظر انداز کیا، شال

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کندھے پر ڈالی، گھڑی کسی، چابی اٹھائی۔ دروازے پر رکا، پھر سخت مگر کنٹرولڈ لہجے میں بولا۔

"جب تک میں واپس نہ آؤں، اس کمرے سے باہر نہیں جاؤ گی۔" زارا نے کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے سر ہلایا۔ خوف کی ہلکی سی پرچھائیں پھر بھی اُس کی پلکوں پر لرزی، مگر وہ کسی فریاد کے بجائے گہری سانس لے کر رہ گئی۔ باران اُلجھے قدموں کے ساتھ نکل گیا، بظاہر مضبوط مگر اندر سے پیچ و تاب کھاتا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناشتہ ابھی لگا ہی تھا کہ مرد حضرات ساتھ سلام کر کے اندر داخل ہوئے۔ زرمینے گل لاؤنج میں چمکتی میز پر تیزی سے ناشتہ سجا رہی تھی۔ اتنے میں اوپر والے فلور سے اچانک نسوانی چیخ بلند ہوئی۔

"کون ہو تم؟ باران کے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟" یہ سائرہ کی آواز تھی، باران کی منگیتر۔ نیچے موجود سب کے دل دھک سے رہ گئے؛ باران ایک لمحے کو ٹھٹھکا، پھر بجلی کی طرح

سیڑھیاں چڑھ گیا۔ حویلی کے بیشتر افراد بھی ششدر اس کے پیچھے لپکے۔ اوپر پہنچتے ہی منظر یوں تھا۔ سائرہ زارا کا بازو جکڑے کھڑی تھی؛ زارا ہکا بکا، مگر آنکھوں میں نمی کے ساتھ ایک دبی ہوئی گھبراہٹ۔ سائرہ کا چہرہ غصے سے انگارا بنا ہوا تھا۔

"سائرہ! یہ کیا حرکت ہے اور میرے کمرے میں چیخ و پکار کیوں؟" باران کی آواز سخت تھی، لیکن اس کے اندر کی الجھن اور خجالت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔ باقی عورتیں بھی دروازے پر آن کھڑی ہوئیں۔ سب کی نظریں پوچھ رہی تھیں۔ 'یہ لڑکی کون ہے؟'

اسی پل حیدر خان بھی اوپر پہنچ گئے۔ انہوں نے گہری سانس لی اور سادہ لفظوں میں اعلان کیا۔

"یہ باران کی بیوی ہے۔ کل جرگے میں نکاح ہوا ہے۔" الفاظ بم کی طرح پھٹے۔ زرمینے کے ہونٹوں سے حیرت بھری سیٹی سی نکلی۔ اسماء خانم کا دل دھڑکا اور سائرہ نے بے یقینی سے باران، پھر زارا کو دیکھا۔ آنکھوں میں آنسو اور غصہ ایک ساتھ اُبلا۔ ربان خان بھی اوپر آ گئے۔ ان کی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بارعب آواز نے تماشا سمیٹ دیا۔

"یہ وقت بحث کا نہیں۔ ابھی سب نیچے چلیں، مہمان بیٹھے ہیں۔ باقی بات دوپہر کو ہوگی۔"

سب خاموشی سے پلٹے۔ سائرہ نے جاتے جاتے زارا پر قہر بھری نگاہ ڈالی، مگر کچھ کہے بنا چلی گئی۔ باران کمرے سے نکلتے نکلتے پلٹا، ایک لمحہ زارا کو دیکھا۔ وہ بدست و پا جمی کھڑی تھی، آنکھوں میں ڈر کے ساتھ سوال چھپا تھا۔ باران کے دل میں پھر وہی الجھی ہوئی کسک اٹھنے لگی، مگر اسے میٹنگ پر جانا تھا۔

"میں واپس آؤں گا اور تب بات ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے نیچے اترا، جیسے بھاگ کے خود سے بھی دور جا رہا ہو۔ زارا کے گھٹنوں نے ذرا ڈ گمگایا۔ اس نے دروازہ بند کیا، ٹیک لگا کر آنکھیں میچ لیں اور زیرِ لب دُعا کی، اگلا لمحہ کیا لائے، وہ نہیں جانتی تھی، لیکن اس کے اندر ایک معصوم سا حوصلہ پھر بھی زندہ تھا۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لاہور ایئر پورٹ کی نرم دھند میں جب جہاز کے پہیے زمین کو چیرتے ہوئے رُکے، تو کرسٹل کوئین نے دھیرے سے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی۔ یہ سانس کسی خوشبو کو محسوس کرنے کے لیے نہیں تھی، یہ جیسے کئی برسوں کی گرد، دھوئیں، شور اور ماسک کے پیچھے چھپے چہروں سے تھکے وجود کا بوجھ اتارنے کی کوشش تھی۔

"پاکستان"

اس نے زیرِ لب دہرایا۔ ایک ایسا نام جو اس کے دل میں چبھن بن کر رہ گیا تھا۔

ایئر پورٹ سے باہر نکلتے وقت وہ اب بھی ویسی ہی تھی۔ بلیک پینٹ، سادہ مگر مہنگی شرٹ، اور بلیک لیدر جیکٹ۔ ہر چیز بے حد نفاست سے چُنی ہوئی تھی، جیسے ہر چیز کا کوئی "مطلب" ہو۔ دائیں کلائی پر برانڈڈ گھڑی، اور پیروں میں نوکیلی ہائی ہیلز، ہر قدم زمین پر ایک بے آواز مگر زوردار اعلان تھا۔ "کرسٹل کوئین واپس آ چکی ہے" لیکن آج ایک فرق تھا۔ آج چہرے پر ماسک نہیں تھا۔ اب وہ نقاب نہیں، نگاہیں بول رہی تھیں اور نگاہیں؟ وہ گرے رنگ کی نہیں تھیں۔ اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی لینز اتار کر انہیں واپس اُس باکس میں رکھ

دیا تھا جو برسوں سے اس کے پرس میں سوتا آرہا تھا۔ اب جو آنکھیں جیک نے دیکھی تھیں، وہ دھند لائی شاموں کی طرح سرمئی تھیں۔ اداس، بے جان اور سناٹے جیسی خاموش۔

"ایڈریس مل گیا؟" کرسٹل نے سرد لہجے میں سوال کیا، جیسے اس کی اپنی آواز بھی اب اس کی نہیں رہی ہو۔

"ہاں، سوات کا علاقہ ہے، گاؤں ہزارہ۔ ہم رات تک پہنچ جائیں گے۔" جیک، جو اس کا واحد بھروسے مند ساتھی تھا، سپاٹ لہجے میں جواب دے چکا تھا۔ گاڑی لاہور کی سڑکوں سے ہوتی ہوئی سوات کی جانب روانہ ہو چکی تھی۔ باہر کے منظر بدلتے جا رہے تھے، لیکن کرسٹل کی آنکھوں میں ایک ہی منظر ساکت تھا، وہ جسے برسوں پہلے خود سے کاٹ کر دفنا دیا تھا، وہ آج پھر سانس لینے آ گیا تھا، ہزارہ میں، سوات کی وادیوں میں... کیا واپسی کا یہ سفر صرف انتقام ہے؟ یا کوئی اور ادھورا سوال ہے جو بار بار دل کے کونے میں چٹکیاں لیتا ہے؟ اسے خود بھی اندازہ نہ تھا۔ جیک ایک بار اسے چپ چاپ دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا، جب یہ عورت خاموش ہوتی ہے، تو اندر کہیں کچھ تیزی سے بُن رہا ہوتا ہے یا دوبارہ زندہ ہو رہا ہوتا ہے۔

سوات کی وادیاں اب ایک نئی داستان کو خوش آمدید کہنے والی تھیں اور یہ داستان خون، راز، دھوکہ، اور شاید محبت کا سنگم بننے والی تھی۔

☆..☆..☆..☆

کمرے میں مدھم پیلی بتی لرز رہی تھی۔ دیوار کے کونے میں پری گُل گھٹنوں کو باہوں میں بھرے یوں سمٹی بیٹھی تھی جیسے پوری دنیا سمٹ کر اس کے اندر ٹوٹ گئی ہو۔ سفید ململ کا لباس جھریوں میں اُلجھا تھا اور لمبے بھورے بال بے ترتیب پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔

موسیٰ دروازہ کھولتے ہی بلب آن کر کے ٹھٹک گیا۔

"گڑیا...؟" سوجی ہوئی شہد رنگ آنکھیں اٹھیں تو موسیٰ کے دل پر ایسا دھچکا لگا، جیسے کسی نے اندر بجلی دوڑا دی ہو۔ یہ وہ ہر وقت نک سک سے رہنے والی بہن نہیں تھی، یہ تو غم کا ایک پتلا لگ رہی تھی۔

"لالا" اس کا پہلا لفظ ہی سسکی میں ڈھل گیا۔ وہ فوراً اس کے قریب آتا اسے اپنے سینے سے لگا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میری جان خود کو اس طرح توڑ لینے سے شہزاد واپس نہیں آجائے گا۔"

"لیکن لالا میں کیسے جیوں گی اُس کے بغیر؟" اس کے لہجے میں ایک ایسی گہری بے بسی تھی جو موسیٰ کے دل کو چیر کر رکھ گئی۔ "میں نے تو اس کے نام کی مہندی لگانی تھی" وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی جیسے ہر لفظ اس کے سینے سے چھین کر نکل رہا ہو۔ "کہتے تھے وہ ایسی بارات لائیں گے کہ پورا سوات دیکھے گا کہ سردار شہزاد خان اپنی شہزادی کو رخصت کرانے آیا ہے۔" موسیٰ کی آنکھیں بھیگ گئیں، لیکن وہ مضبوط رہا۔

"میری گڑیا، زندگی رُک نہیں سکتی۔ یہ درد یہ خلا شاید کبھی پُر نہ ہو، لیکن اس درد سے نکلنا ضروری ہے۔ تیرے لیے، ہمارے لیے اور اس شہزاد کے لیے۔"

"لالا مجھے لگتا ہے میرا دل بند ہو جائے گا، مجھے لگتا ہے میں ہی منحوس ہوں۔ پہلے مورے گئی پھر بابا جان اور اب شہزاد، میں ہی بُری ہوں" اس بار موسیٰ کا ضبط ٹوٹا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ ایک لمحے کو ٹوٹا، کانپتے ہاتھوں سے بہن کے اشک پونچھے اور سخت لہجے میں بولا، "خبردار جو آئندہ کبھی یہ لفظ زبان پر آیا۔ تُم منحوس نہیں ہو، تم ہمارے دلوں کی دھڑکن ہو۔ قسمت ظالم ہو سکتی ہے، تُم نہیں۔"

لیکن وہ الفاظ مکمل بھی نہ ہوئے تھے کہ پری گل کی گردن ڈھلک گئی، اور اس کے جسم سے جیسے جان نکل گئی ہو۔ موسیٰ کا دل اچھل کر حلق

میں آ گیا۔ "گل! گل میری بچی!" اس نے گھبرا کر اس کے گال تھپتھپائے، لیکن وہ بے سدھ تھی۔ ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر، موسیٰ نے اپنی شال اتاری، اسے پری گل کے گرد لپیٹا۔ پری گل پردہ کرتی تھی اور اسے یہ ہرگز گوارا نہیں تھا کہ اس کی بہن بعد میں اس کی وجہ سے کسی کے سامنے یا اللہ کے سامنے شرمندہ ہوتی، اس لیے وہ اس کے چہرے کو ڈھک چکا تھا۔ وہ اسے گود میں اٹھائے دروازے کی جانب دوڑا۔ زینے تیزی سے اترتے وہ ایک ہی سانس میں صحن تک پہنچا، جہاں سے زارون سامنے آتا دکھائی دیا۔

"زارون! گل کو دیکھو، اچانک بے ہوش ہو گئی ہے!" موسیٰ کی آواز میں خوف اور بے بسی یکجا ہو چکے تھے۔ زارون نے فوراً پری گل کی نبض چیک کی، جو دھیمی چل رہی تھی۔

"لالا، فوراً کمرے میں لے چلیے، بی پی شوٹ کر گیا ہے شاید!" زارون نے سنجیدگی سے کہا۔ راستے میں زرمینے ملی تو موسیٰ نے اسے روکا۔

"ممانی جان کو بلا، فوراً!" وہ پریشان سی تیزی سے اسماء خانم کے کمرے کی جانب بھاگی۔

چند ہی لمحوں میں ربان خان، حیدر خان اور اسماء خانم سب پریشان حال پری گل کے کمرے میں جمع تھے۔

"تایا جان، دوا دے دی ہے۔ صبح تک ان شاء اللہ ہوش آجائے گا لیکن انہیں اب کسی بھی قسم کے صدمے یا اسٹریس سے بچانا ہو گا۔ ورنہ وہ جسمانی نہیں، ذہنی طور پر بھی کمزور پڑ جائے گی۔" زارون نے مختصر اور دھیمے لہجے میں کہا، تو کمرے میں سکوت چھا گیا۔ اتنی بڑی حویلی میں، اتنے رشتوں کے ہوتے ہوئے، پری گل جیسے تنہا ہو گئی تھی۔ حیدر خان نے سنجیدگی سے سب کو دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کل صبح بیٹھ کر فیصلہ کریں گے۔ ابھی سب اپنے کمروں میں جاؤ اور زرمینے، تم اس کے پاس ہی سو جانا۔" زرمینے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ رات ایک بار پھر گہری ہونے لگی تھی، لیکن اس حویلی میں کچھ دل تھے جو مکمل طور پر جاگتے تھے۔ خاموش، زخمی اور بے بس۔

☆..☆..☆..☆

آسمان نیلگوں سے سیاہی میں ڈھل چکا تھا۔ فضا پر سکوت کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی، جسے صرف جھرنے کے پانی کی مسلسل گرتی آواز چیر رہی تھی۔ خان حویلی کے ذی شان ستون بھی جیسے خاموشی کے بوجھ تلے جھک گئے ہوں۔ وہی ایک عالیشان کمرہ تھا، جہاں ایک وجود خوف کے سائے میں لپٹا بیٹھا تھا۔ زارا سہمی ہوئی، بیڈ کے کونے میں دبکی، سمٹی، ساکت بیٹھی تھی۔ باران صبح سے غائب تھا، اور اب رات کا پچھلا پہر ہو چکا تھا مگر اس کی واپسی کا نام و نشان نہ تھا۔ اسماہ خانم نے زارا کا کھانا اسی کے کمرے میں بھجوا دیا تھا، جو اس نے محض چند زہریلے نوالوں کی مانند زبردستی نگلے تھے۔ صبح باران کی آنکھوں میں اپنے لیے سلگتی سرخی دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں دوہری ہو گئی تھیں۔

"وہ بہت غصے میں تھے، پتہ نہیں، واپس آ کر کیا سزا دیں گے، لگتے بھی خطرناک اور خونخوار سے ہیں، ہر وقت ماتھے پر تیوریاں پڑی رہتی ہیں۔" زارا کا ذہن باران کے گرد ہی چکر لگا رہا تھا۔ اُسے یاد آیا جب اُس کے بابا سائیں غصے میں آتے تھے تو مورے پر اندھا دھند ہاتھ اٹھا دیتے تھے، بنا لحاظ، بنا تامل۔ ابھی وہ انہی خیالات میں الجھی تھی کہ باہر سے گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ زارا چونک کر تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھی،

پردہ ذرا سا سرکا کر باہر جھانکا، جہاں باران گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک باران رکا اور کھڑکی کی سمت دیکھا۔ زارا نے گھبرا کر جھٹ پردہ گرایا اور قالین پر آ کر دوبارہ بیٹھ گئی۔

"اُف، اللہ انہوں نے دیکھ تو نہیں لیا نہ مجھے؟ ایک کام کرتی ہوں، سو جاتی ہوں، شاید مجھے سوتا دیکھ کر کچھ نہ کہیں" وہ خود سے کہتے ہوئے قالین پر لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

کمرہ روم ٹمپریچر پر تھا، ورنہ بغیر کسی لحاف کے اس وقت تک اس کی ہڈیوں میں سردی اتر چکی ہوتی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

☆..☆..☆..☆

باران حویلی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا جب اسے اپنے اوپر نظریں محسوس ہوئیں۔ اُس نے چونک کر سر اٹھایا، کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے دو آنکھیں جھانک رہی تھیں، جو اُس کی نظر پڑتے ہی فوراً غائب ہو گئیں۔ وہ جانتا تھا وہ آنکھیں کس کی تھیں، مگر اس وجود سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ البتہ صبح ہونے والے تماشے کا حساب وہ ضرور لے گا، حکم عدولی کی سزا لازم تھی۔

"شاہ، تم ابھی تک جاگ رہے ہو؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" لاؤنج میں داخل ہوتے ہی باران کی نظر شاہ میر پر پڑی، جو صوفے سے ٹیک لگائے، ٹانگیں کراس کیے موبائل میں محو تھا۔ باران شاہ میر سے تین سال چھوٹا تھا مگر دونوں کے بیچ رشتہ صرف عمر کا نہیں، سمجھ کا بھی تھا۔ "لالا" جیسے القابات کا تکلف دونوں میں نہیں تھا۔ "ہاں یار، میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں، انہی کا انتظار کر رہا ہوں،" شاہ میر نے موبائل بند کرتے ہوئے صوفے پر رکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کون مہمان؟ اور کہاں سے آرہے ہیں؟" باران، شاہ میر کے برابر بیٹھتا پوچھنے لگا۔

"میرا ایک دوست ہے، جبران مرزا۔ کچھ عرصہ قبل میں یونان گیا تھا تو وہیں اس سے ملاقات ہوئی۔ وہ وہاں کا معروف بزنس مین ہے۔ اب پاکستان کسی کام کے سلسلے میں آیا ہے، اور اتفاق سے کام بھی سوات میں ہی ہے۔ تو میں نے اسے کہا کہ ہوٹل جانے کے بجائے سیدھا ہماری حویلی آجائے۔ میرے ہوتے وہ ہوٹل میں رکتا، یہ مجھے گوارا نہ تھا، خاص طور پر جب وہ اپنی چھوٹی بہن کو بھی ساتھ لایا ہے۔" شاہ میر کی وضاحت پر باران کا تذبذب رفع ہوا ہی تھا کہ ہارن کی آواز گونجی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لگتا ہے، وہ آگئے ہیں۔" دونوں دوست داخلی دروازے کی جانب بڑھے، جہاں پورچ میں ایک سیاہ مرسیڈیز آکر رکی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھلا، پہلے جبران باہر نکلا اور فوراً شاہ میر کے گلے لگ گیا۔

"تمہارے بھائی کی موت کا سن کر بہت افسوس ہوا،" شہزاد کا نام سنتے ہی شاہ میر کی آنکھیں بھر آئیں، جسے اس نے گہری سانس بھرتے قابو کر لیا۔ اگلے ہی لمحے ایک لڑکی، سرمئی

آنکھوں والی، گاڑی سے باہر نکلی۔ کچھ لمحوں کے لیے شاہ میر کی آنکھیں اس پر ٹھہر گئیں۔ حرم خاموش، سنجیدہ، سپاٹ چہرے والی۔ باران نے گلا کھنکارا، جس پر شاہ میر چونک کر دھیان اپنی جانب لے آیا۔

"جبران، یہ میرا چھوٹا بھائی، باران حیدر، اور باران، یہ میرا دوست جبران مرزا۔" تعارف پر جبران آگے بڑھا اور باران کو گلے لگا لیا۔

"شاہ میر، یہ میری بہن ہے حرم مرزا، اور حرم، یہ میرا دوست شاہ میر حیدر، اور اس کا بھائی باران حیدر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حرم نے سر اٹھا کر شاہ میر کو دیکھا۔ ان کی نظریں ایک لمحے کو ٹکرائیں، سرمئی آنکھیں، خشک اور گہری، اور بھوری آنکھیں، زندگی سے بھرپور۔ اس لمحے کچھ ٹھہرا۔ لوگ محبوب کی زلفوں کے اسیر ہوتے ہیں، اور شاہ میر، وہ اس کی آنکھوں کی خشکی کا اسیر ہو گیا تھا۔

"چلو، اندر آجاؤ،" باران کی آواز نے شاہ میر کو خیالوں سے کھینچ کر واپس لایا۔

"ہاں، تم لوگ فریش ہو جاؤ، میں کھانا بھجواتا ہوں،" شاہ میر، حرم اور جبران کو ان کا کمرہ دکھاتے ہوئے بولا۔

"نہیں یار، فلائٹ میں کھا چکے ہیں، اب بھوک نہیں، بس آرام کرنا ہے،" جبران نے گھڑی کی طرف دیکھا، جس کی سوئیاں دس بجا چکی تھیں۔

"ٹھیک ہے، تم لوگ آرام کرو۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو کال کر دینا۔ گڈ نائٹ!" باران نے جاتے جاتے ایک نگاہ حرم پر ڈالی، وہ لڑکی اب تک ایک لفظ نہ بولی تھی، اور نہ ہی اس کے چہرے پر کسی جذبے کی پرچھائیں تک تھی۔ مکمل سپاٹ۔ شاہ میر بھی اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ اب لاؤنج میں صرف باران رہ گیا تھا۔ اسے کسی چیز کا خلل سا محسوس ہو رہا تھا، جیسے کچھ بے ربط ہو، مگر فوراً ہی اس نے اپنے وہم کو جھٹک دیا۔

"شاید سفر کی تھکن ہو،" یہ سوچتا ہوا وہ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆..☆..☆..☆

باران نے دروازہ کھولا تو خاموشی نے جیسے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ اندر داخل ہوا، اور ایک جھٹکے سے کمرے کی تمام روشنیاں آن کر دیں۔ کمرے میں روشنی پھیلتے ہی اس کی نظر قالین پر پڑی، جہاں زارا دوزانو سمٹی، چادر میں لپٹی بیٹھی تھی۔ بظاہر سو رہی تھی، مگر باران جیسا تیز شخص آنکھوں کی جنبش سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ جاگ رہی ہے، خوف کے مارے۔

وہ خاموشی سے الماری کی طرف بڑھا، نائٹ ڈریس نکالا، اور واش روم میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر نکلا تو منظر ویسا ہی تھا۔ زارا اپنی جگہ سے نہ ہلی، جیسے خاموشی میں پناہ لینے کی کوشش کر رہی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اے لڑکی، مجھے معلوم ہے تم جاگ رہی ہو۔ شرافت سے اٹھو اور یہاں آؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" باران نے بیڈ کے کونے پر بیٹھتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ زارا کے وجود پر جیسے بجلی گری تھی۔ دل نے تیزی سے دھڑکنا شروع کر دیا۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر

رکھی تھیں، جیسے بند آنکھیں اسے چھپا سکتی ہوں، بچا سکتی ہوں۔ مگر باران کی آواز اب اور بھی سخت ہو گئی۔

"دو سیکنڈ میں یہاں نہیں آئی، تو پوری رات باہر میرے کتوں کے ساتھ گزارنی پڑے گی۔"

یہ جملہ سنتے ہی زارا کا خون جیسے خشک ہو گیا۔ وہ بچپن سے ہی کتوں سے خائف تھی، اور باران کے تیور ایسے نہ تھے کہ وہ یہ محض دھمکی سمجھتی۔ وہ دھیرے سے چادر سنبھالتی، نظریں جھکائے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ باران نے اس پر ایک نظر ڈالی، دھیما، پر اعتماد چہرہ جس پر خوف کی پرچھائی واضح تھی، مگر اس لمحے بھی، اس کے انداز میں نرمی کا نام و نشان نہ تھا۔

"تمہیں منع کیا تھا نہ، جب تک میں نہ آؤں، کمرے سے باہر نہیں جانا۔ پھر باہر کیوں جھانکا؟"

زارا نے لب کھولنے چاہے، مگر زبان جیسے تالو سے چپک گئی ہو۔

"وہ... میں بس... وہ..."

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بکری کی طرح 'میں میں' بند کرو۔ سیدھی بات کرو۔" باران نے اسے ڈپٹا، لیکن لفظوں کے نیچے ایک ایسا زہر تھا جو زارا کے دل کو زخمی کر گیا۔ زارا کی آنکھوں میں نمی جمع ہو چکی تھی۔

"میں باہر نہیں گئی تھی، بس دروازہ تھوڑا سا کھولا تھا۔ بھوک لگ رہی تھی، اور بس جھانکنے کی کوشش کی تھی کہ پتہ چلے آپ کب آئیں گے۔ پتہ نہیں کہاں سے وہ باجی آ گئیں اور مجھے بہت ڈانٹا۔" زارا کی آواز میں خوف تھا، سچائی تھی، اور کچھ معصوم سی بے بسی۔

باران، جو سنجیدگی سے اسے سن رہا تھا، سائرہ کو "باجی" کہنے پر بے ساختہ ہونٹوں پر آتی مسکراہٹ چھپا گیا۔ اگر سائرہ اپنے لیے اس کے منہ سے باجی لفظ سن لیتی تو کل اس کی لاش ہی ملنی تھی۔ ایک لمحہ خاموشی کا چھایا، پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جا کے سو جاؤ۔ کل تمہیں مورے کے حوالے کر دوں گا۔ وہ جانے، اور تم۔" زارا نے آنکھیں حیرت سے پھیلائیں۔ سزا کی جو توقع تھی، وہ نہیں ملی۔ باران نے نہ ڈانٹا، نہ کچھ کہا، صرف اتنا کہہ کر بیڈ پر لیٹ گیا اور کمرے کی لائٹ آف کر دی۔ زارا واپس اپنی جگہ لوٹ گئی، دل کے کسی کونے میں ایک لمحاتی اطمینان لیے کہ وہ بچ گئی، لیکن وہ نہیں جانتی تھی جو سزا اسے ملنے

والی تھی،وہ الفاظ کی نہیں،وقت کی سزا تھی۔ایسی سزا جو بے قصور بھی سہتے ہیں،اور ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔

☆..☆..☆..☆

یہ دن زینب کی زندگی کا خوشیوں سے بھرا پہلا دن تھا۔اپنی چھوٹی سی دنیا میں وہ لمحہ،جب اس کے ہاتھ میں پہلا لیپ ٹاپ آیا،اس کے لیے کسی خواب کی تعبیر جیسا تھا۔ماہی کے ہاتھ سے لیپ ٹاپ لیتے وقت اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں،اور اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تھی۔زائرہ بیگم نے قیمت ادا کی،اور یوں جیسے تقدیر کا ایک دروازہ زینب کے لیے کھل گیا ہو۔

"آپی،میں بھی اس میں گیم کھیلا کروں گی،مجھے بھی اچھی اچھی گیمز دے دینا،ٹھیک ہے؟"

فاطمہ کی معصوم خواہش زینب کو ذرا بھی نہ بھائی،جس نے فوراً تیکھے لہجے میں جواب دیا،

"نہیں۔یہ صرف میرا ہے۔کوئی بھی اسے ہاتھ نہیں لگائے گا۔"فاطمہ کی بڑی بڑی آنکھوں میں نمی اتر آئی،اور وہ سسکنے لگی،"میں بابا کو بتاؤں گی آپی،آپ مجھ سے پیار ہی نہیں کرتیں!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زینب کے اندر، کہیں بہت گہرائی میں، بہن ہونے کا احساس جاگا۔ وہ فاطمہ کی پلکوں پر ٹھہرے آنسو دیکھ نہ سکی۔

"اچھا رو مت فاطمہ، میری جان۔ آجاؤ، میں تمہیں ایک گیم ڈاؤنلوڈ کر کے دیتی ہوں۔ بس ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں کھیلنا۔ وعدہ؟" چھوٹے

سے کمرے میں، جہاں ایک پلنگ، ایک چھوٹی الماری اور دیوار پر جڑا شیشہ ہی سب کچھ تھا، دو بہنیں یوں لپٹی بیٹھی تھیں جیسے کوئی دنیا کی سب سے قیمتی چیز بانٹ رہی ہو۔ زینب کی آنکھوں میں خوشی تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں چمک، اور باہر رات خاموشی سے بیت رہی تھی۔

تین دن گزر گئے۔

اب وہ لیپ ٹاپ زینب کی واحد توجہ بن چکا تھا۔ گیمز، ویڈیوز، یوٹیوب سب کچھ جیسے ختم ہو گیا تھا، اور آج رات سب کے سونے کے بعد، زینب نے لیپ ٹاپ کھولا، لیکن اس بار وہ کچھ نیا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چاہتی تھی۔ تب اسے ماہی کی وہ بات یاد آئی،"ڈارک ویب پر کام کر کے پیسے کمائے جا سکتے ہیں۔ صرف چند کلکس سے۔"

زینب نے گوگل کھولا۔"Dark Web"لکھا اور جیسے ہی سرچ کا بٹن دبایا،انجان دنیا کے دروازے اس کے سامنے کھل گئے۔

اسکرین پر بے شمار لنکس جگمگا رہے تھے۔اس نے ایک لنک پر کلک کیا,جہاں سادہ سی تحریر تھی,"Do you want to make money from home?"زینب کے لیے یہ جملہ کشش بن گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سوالات آنا شروع ہوئے۔وہ سوال،جو بہت عام تھے۔نام؟عمر؟ای میل؟پتا؟زینب نے سب کچھ بھر دیا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ فارم نہیں،اس کی زندگی کا کنٹرول ہے جو وہ کسی اور کو سونپ چکی ہے۔فائل مکمل ہوتے ہی ویب سائٹ اچانک بند ہو گئی۔زینب چند لمحے خالی اسکرین کو تکتی رہی،پھر کندھے اچکا کر بولی،"فیک ہو گی شاید۔چلو زینب،سو جاؤ۔"

لیپ ٹاپ بند کر کے وہ بیڈ پر لیٹ گئی اور چاند، جو کھڑکی سے جھانک رہا تھا، جیسے آنکھوں میں آنسو لیے کہہ رہا ہو، "تم ابھی نہیں جانتیں، تم نے کیا کھو دیا ہے۔"

اسی وقت، ایک اور جگہ، کسی اور کمرے میں ماہی کے موبائل پر نوٹیفیکیشن آیا۔ اس نے تیزی سے اسکرین چیک کی، اور لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ ایک تصویر گیلری سے نکالی—زینب کی تصویر—اور وہ "کسی" کو بھیج دی۔ چہرے پر اب جو مسکراہٹ تھی، وہ مسکراہٹ نہیں، شیطانیت کا برہنہ اظہار تھا۔ ماہی نے موبائل ایک طرف رکھا، اور ہنسی میں ڈھلتی چیخ جیسی آواز نکالی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کام تمام۔" ماہی ایک ڈارک ویب ایجنسی کے لیے کام کرتی تھی۔ وہ ایسی لڑکیوں کو چنتی جو غریب ہوں، نادان ہوں، خوابوں میں کھوئی ہوں۔ انہیں لیپ ٹاپ بیچتی، جس میں اس کا اپنا ٹریکر، اپنا سینسر سسٹم لگا ہوتا۔ پھر انہیں "آن لائن ارننگ" کا لالچ دیتی، اور یوں، ان کی ہر ذاتی معلومات، شناخت، تصاویر، مقام، سب کچھ، خاموشی سے ڈارک ویب پر فروخت کر دیتی۔ زینب پانچ سو ڈالر میں بک چکی تھی اور اب، دو

دن کے اندر اندر، ماہی کو اسے ان لوگوں کے حوالے کرنا تھا۔ وہ لوگ جو انسان نہیں، بھیڑیے تھے۔

☆..☆..☆..☆

بہار کی نرم رات میں ہونے والی بارش نے فضا میں خنکی اور تازگی کا ایک نیا رنگ بھر دیا تھا۔ ٹھنڈی، نم ہوائیں درختوں کی شاخوں کو ہلاتے ہوئے ایک دلکش منظر تخلیق کر رہی تھیں۔ سورج کو بادلوں نے اپنے مدھم آنچل میں چھپا رکھا تھا۔ کئی دنوں کے بعد خان حویلی کے سب مکین ناشتے کی میز پر جمع تھے، مگر فضا میں ایک انجانی سی خاموشی طاری تھی، جیسے ہر کوئی کسی نادیدہ سوچ میں گم ہو۔ یہ سکوت حیدر خان کی گونجتی ہوئی آواز نے توڑا۔

"شاہ میر، رات تمہارے مہمان پہنچے تھے، خیریت رہی؟" ان کے سوال پر سب کی نظریں یکدم شاہ میر کی جانب اٹھیں۔

"کون مہمان، خان؟" اسماء خانم نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے دوست اور اس کی بہن کل پہنچنے والے تھے،"شاہ میر نے پر سکون انداز میں وضاحت دی،"میں نے ملازم کو بھیجا ہے،وہ انہیں بُلانے گیا ہے۔"اسماہ خانم کے چہرے پر فکر کی جھلک نمایاں ہوئی۔

"بیٹا،اگر مہمان آرہے تھے تو ہمیں بتاتے،ہم کچھ بہتر انتظام کر لیتیں۔"

"مورے،آپ فکر نہ کریں،سب انتظام میں نے خود کر لیا تھا۔بس میری ایک درخواست ہے،براہِ مہربانی گھر کے معاملات ان کے سامنے زیرِ بحث نہ آئیں،"اس کا اشارہ باران کی طرف تھا،جو اپنے ناشتے میں محو تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران صبح سویرے ہی زارا کو خواتین کے حوالے کر چکا تھا۔اس کا سخت لہجہ اب بھی ذہن میں گونج رہا تھا،"یہ اب آپ لوگوں کا معاملہ ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے،لیکن میں اسے دوبارہ اپنے سامنے نہیں دیکھنا چاہتا۔"اسماہ خانم کا فیصلہ آخری تھا،"باران،جو کچھ بھی ہو،یہ لڑکی تمہارے کمرے میں ہی رہے گی۔ابھی گھر میں تعزیت کے لیے آنے والوں کا سلسلہ جاری ہے،ہم کسی قسم کی بے ترتیبی برداشت نہیں کر سکتے۔"ان کے فیصلے کے سامنے

باران کی مزاحمت دم توڑ گئی۔ زارا کو اسماہ خانم نے کچھ نہ کہا، مگر جبہ خانم نے اسے صبح ہی کچن میں بھیج دیا تھا، جہاں پورا ناشتہ زارا نے تنہا تیار کیا۔

"Good morning"

دروازے سے آتی جبران اور حرم کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

حرم نے سادہ مگر وضع دار لباس پہن رکھا تھا۔ بلیک لوز پینٹ اور سفید فل سلیوز ہوڈی۔ اس کا جوڑا ترتیب سے بندھا ہوا، چہرہ میک اپ سے مبرا نکھرا ہوا، اور سرمئی آنکھوں میں ایک سرد مہری تھی۔

Clubb of Quality Content

سائرہ کے اندر کی چبھن فوراً ظاہر ہو گئی، "یہ کون ہے؟ کس قدر بے ہودہ لباس پہنا ہے!" حالانکہ حرم کے لباس میں ذرا بھی بے پردگی نہ تھی،

اصل تکلیف اس کی بے ساختہ خوبصورتی تھی۔ مرد حضرات نظریں جھکائے ناشتہ کر رہے تھے، مگر حیدر خان کی ایک سخت نگاہ نے شاہ میر کو متوجہ کیا۔ جبران کو ڈائننگ ہال کے داخلی دروازے سے ہی شاہ میر مردانے کی طرف لے گیا۔

"آؤ بچی، یہاں ہمارے پاس بیٹھو،" اسماہ خانم نے پہل کی۔ حرم نے سب کے چہروں پر جمی نگاہوں کو محسوس کر لیا تھا، اور یہی وہ وجہ تھی کہ وہ رات ہی جبران سے کہہ چکی تھی کہ وہ کہیں اور ٹھہرنے کا بندوبست کر دے۔ سربراہی کرسی پر ربان خان موجود تھے، دائیں حیدر خان اور بائیں زوبیہ خانم، جن کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔ دو کرسیاں خالی تھیں، شہزاد کی اور ایک پری گل کی، جو اب تک کمرے میں تھی۔ شاہ میر نے سب کا تعارف کروایا۔

جب ناشتہ شروع ہوا، تو سب ذائقے کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکے۔

"خانم، آج کا ناشتہ کس نے تیار کیا؟ بڑی دیر بعد ذائقہ محسوس ہوا ہے،" حیدر خان کے سوال پر سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آج تمہاری بہو نے ناشتہ بنایا ہے،" اسماہ خانم کے لہجے میں فخر تھا۔ سائرہ کا چہرہ پل بھر میں زرد پڑ گیا۔

"درخشے، بچی کو بُلاؤ،" ربان خان نے حکم دیا۔ زارا، جو صبح سے مسلسل کچن میں تھی، تھکی ہاری، دروازے پر نمودار ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی، آپ نے بلایا؟"

"ادھر آؤ بچی،" ربان خان نے پانچ ہزار کے چند نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔ زارا کی نظریں غیر ارادی طور پر باران کی طرف اٹھیں، جو کسی بے پرواہی سے ناشتہ کر رہا تھا۔

"لے لو بچی، تم ہماری مینے کی طرح ہو،" ربان خان کے نرم الفاظ نے اس کی آنکھوں میں نمی بھر دی۔ کتنے مہربان لوگ تھے وہ۔

"یہ ہماری بہو ہے، باران کی بیوی۔" حرم نے زارا کو بغور دیکھا۔ زارا نے سلام کیا، جس کا جواب حرم نے محض سر ہلا کر دیا۔

"بیٹھو بچی، ہمارے ساتھ ناشتہ کرو۔"

زارا نروس تھی، "میں بعد میں کر لوں گی۔"

"بیٹھ جاؤ بچی۔" وہ ہچکچاتی ہوئی باران کے برابر آ کر بیٹھ گئی کیونکہ ایک وہی جگہ خالی تھی جہاں سے شاہ میر اٹھ کر گیا تھا۔ باران نے ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔ سفید پھولوں والی قمیض،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بڑی سفید چادر میں لپٹی زارا،باران کو ایک لمحے کے لیے سوچنے پر مجبور کر گئی،اتنی سی لڑکی، مگر ذائقہ ایسا کہ پورا دستر خوان تعریف پر مجبور ہو گیا۔سائرہ کا دل جل کے رہ گیا،وہ غصے سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔صرف جبہ خانم نے اس کے جانے کو محسوس کیا۔حرم نے سب کا تفصیل سے جائزہ لے لیا تھا،سب کلیئر تھے،معصوم،سادہ۔اب اگلے دو تین دنوں میں اسے اپنا کام مکمل کر کے واپس اٹلی لوٹنا تھا،لیکن کل رات،جب شاہ میر حیدر نے اسے دیکھا تھا،وہ نظریں اسے ہضم نہیں ہو رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"بچے،اب تمہیں دوبارہ اسپتال جوائن کر لینا چاہیے۔تمہارا فوکس اب اپنے کریئر پر ہونا چاہیے۔"موسیٰ نے نرمی سے پری گل سے کہا۔وہ اس

وقت گل کے کمرے میں موجود تھا۔گل،خاموشی سے اس کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔پہلے کی نسبت اب اس کی طبیعت میں بہتری تو ضرور آئی تھی،مگر وہ حد درجہ خاموش ہو گئی تھی،جیسے اندر ہی اندر سب کچھ ساکت ہو چکا ہو۔

"لالا، میرا دل نہیں کرتا کسی بھی چیز کے لیے۔" گل کی آواز آہستہ، بجھی ہوئی تھی جیسے لفظ بھی تھکن سے چور ہو گئے ہوں۔

"میری جان، مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ وہ اب لوٹ کر کبھی نہیں آئیں گے، مگر تمہیں جینا ہے، ان کی یاد کے ساتھ، حوصلے کے

ساتھ۔" موسیٰ کے لہجے میں ضبط اور شفقت کا ایک گہرا امتزاج تھا۔

"نماز پڑھو، شہزاد کے لیے مغفرت مانگو۔ اس کی روح کو بھی سکون ملے گا، اور تمہارے دل کو بھی۔" موسیٰ کی نرم مگر پختہ باتوں کا اثر رفتہ رفتہ پری گل کے دل پر ہونے لگا تھا۔ وہ سن رہی تھی اور شاید کہیں اندر سے کچھ ٹوٹا ہوا آہستہ آہستہ جڑ رہا تھا۔

"لالا، میں نے سنا ہے، ہماری حویلی میں کوئی مہمان آیا ہے، بیرونِ ملک سے؟" اچانک اسے یاد آیا کہ ملازمہ کچھ ذکر کر رہی تھی کسی غیر ملکی اور بہت خوبصورت "میڈم" کا۔

"ہاں،شاہ میر کا دوست ہے،اور اس کی بہن۔ کچھ دن یہاں قیام کریں گے۔"موسیٰ نے مختصر جواب دیا۔ گل نے آہستگی سے سر ہلا دیا، جیسے سب کچھ سن رہی ہو، مگر اس کا دل اب بھی کسی اور وقت میں ٹھہرا ہوا ہو۔

☆..☆..☆..☆

"کون ہو تم؟اور مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"رسیوں میں جکڑے راجو نے بے بسی اور وحشت کے عالم میں چیخ کر پوچھا۔ عمر پینتالیس سے پچاس کے درمیان ہو گی۔ ماتھے سے آگے آدھے گنجے بال، کان میں چھوٹا سا ٹاپس،بد صورت بھدا سا جسم،اور چہرہ جیسے ہر شکن میں گناہوں کی گرد جمع ہو۔

"تم جانتے ہو، تمہیں ختم کرنے کے لیے مجھے کتنی دور آنا پڑا؟" کرسٹل کوئین کی آواز میں زہر گھلا تھا۔

"یاد ہے وہ لڑکی؟ جس کی فیملی کو تم نے بے دردی سے قتل کیا تھا؟"اس نے کہتے ہی چاقو اس کے چشم میں اتار دیا۔ چیخ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ گئی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا، یہ سب باس نے کروایا تھا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں، صرف ایک مہرہ۔" راجو کی آواز کپکپاتی ہوئی نکلی۔

کرسٹل کوئین نے چونک کر جیک کی جانب دیکھا، آنکھوں میں بے یقینی اور شک کا سایہ۔

"یہ کیا بکواس ہے، جیک؟ تم نے کہا تھا کہ یہ اس گینگ کا لیڈر ہے۔" اس کا لہجہ اب حساب مانگ رہا تھا۔

"تم جانتے ہو، میں ان میں سے صرف ایک کی آنکھیں دیکھ پائی تھی۔ صرف آنکھیں۔" جیک کی پیشانی پر بھی پریشانی کی لکیریں ابھر آئیں۔

"کرسٹل، اس رات تمہارے گھر میں گھسنے والے ہر ایک درندے کو ہم انجام تک پہنچا چکے ہیں۔ یہ آخری ہے۔ میری معلومات کے مطابق کہانی یہاں ختم ہو جانی چاہیے۔"

"نہیں، جیک!" وہ چیخ پڑی۔ "کچھ ہے جو ابھی چھپا ہوا ہے، کچھ ہے جو ہماری نظروں سے اوجھل رہا۔ میں اس کی آنکھیں کبھی نہیں بھول سکتی۔ تم سن رہے ہو؟ اس کی آنکھوں کا

رنگ اس جیسا ضرور ہے، مگر یہ وہ آنکھیں نہیں ہیں۔ میری یادداشت مجھے دھوکہ نہیں دے رہی!"

اس کی آواز میں اضطراب تھا، وہی اضطراب جس نے سالوں سے اسے چین نہیں لینے دیا تھا۔

"کلک... کلک... کلک..."

راجو کی کراہیں، بے معنی آہیں، کمرے میں گونج رہی تھیں۔ کرسٹل کا ضبط ختم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی گن اٹھائی اور پلک جھپکنے سے پہلے

گولیوں کی بوچھاڑ راجو کے جسم کو چیر چکی تھی۔ وہ بدن لمحوں میں ساکت ہو گیا۔

"کرسٹل! واٹ نان سینس! او مائی گاڈ! تمہاری ناک سے خون بہہ رہا ہے!" جیک نے فوراً گاڑی میں رکھا ٹیشو باکس کھینچا، اور کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے چہرے کے سامنے ٹیشو رکھا۔ کرسٹل جب بھی ذہنی تناؤ کا شکار ہوتی، اس کی ناک سے بلیڈنگ شروع ہو جاتی تھی۔

"یہ دوا لو، اور یہ پانی۔ پلیز کرسٹل، اپنے ذہن کو آرام دو۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔ کرسٹل نے دوا جیک کے ہاتھ سے لے کر بغیر پانی کے نگل لی، لیکن جیک نے زبردستی بوتل اس کے لبوں سے لگادی۔ وہ محض چند گھونٹ ہی پی سکی۔

"جیک..." وہ ٹھنڈی سانس کے ساتھ بولی، "پتا لگاؤ وہ کون ہے؟ مجھے وہ آدمی چاہیے۔ اسے ختم کیے بغیر میں واپس نہیں جاؤں گی۔" یہ کہتے ہوئے وہ گاڑی میں آ بیٹھی، سیٹ سے پشت لگا کر آنکھیں موند لیں۔ سناٹا تھا، مگر اس سناٹے کے اندر کوئی جنگ اب بھی جاری تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

رات کا کھانا کھانے کے بعد، حویلی ایک بار پھر خاموشی کے اندھیروں میں ڈوب گئی تھی۔ ہر شخص اپنے کمرے کی چپ میں جا سویا تھا، سوائے اُن چند افراد کے جنہیں حیدر خان نے مردانے میں طلب کیا تھا۔ شاہ میر، باران، ارمان، موسیٰ، اور زارون۔ ربان خان حسبِ معمول اپنی کرسی پر وقار سے بیٹھے تھے، مگر آج ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی تھکن اور فیصلہ کن سنجیدگی تھی۔

"شہزاد کے جانے کے بعد، اس گاؤں کا نظام کسی نہ کسی کو تو سنبھالنا ہے۔ اب فیصلہ تم سب نے کرنا ہے کہ سردار کی کرسی پر کون بیٹھے گا۔ میں عمر کے اس مقام پر پہنچ چکا ہوں جہاں بوجھ اٹھانے سے زیادہ، بانٹنے کا وقت ہوتا ہے، اور یہ کرسی، یہ ہماری وراثت کبھی حویلی سے باہر نہیں جا سکتی۔" ربان خان کا لہجہ سرد بھی تھا، شفاف بھی۔ وقت اور دکھ نے اس مرد کو سخت ضرور کیا تھا، مگر بیٹوں کے سامنے وہ آج بھی ایک باپ کی طرح متفکر تھا۔ بے شک، قدرت نے ان سے ان کا بیٹا چھین لیا تھا، لیکن وہ چار بیٹے جنہوں نے زوبیہ بیگم اور حویلی کو سنبھالا، ان کے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔

"باباجان، اصولاً تو یہ حق شاہ لالا کا ہے۔" زارون کے جملے نے کمرے میں ایک لمحے کے لیے سناٹا بھر دیا۔ شاہ میر نے محض نگاہوں سے اسے خاموش کروا دیا۔

"بابا، آپ جانتے ہیں میرے فرائض کا دائرہ حویلی کی حدود سے بہت باہر ہے۔ اب تو میں میجر کے عہدے پر بھی فائز ہو چکا ہوں۔" شاہ میر کی بات پر سب چونک اٹھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم نے ہمیں بتایا تک نہیں! مبارک ہو، میرے بیٹے۔" ربان خان نے جذباتی انداز میں اُسے گلے لگالیا۔ وہ شاید پہلی بار اُسے صرف ایک بھتیجا نہیں، ایک وارث سمجھ رہے تھے۔

"مصروفیات ہی اتنی تھیں کہ یاد ہی نہیں رہا، بڑے بابا۔" شاہ میر نے نرمی سے کہا، وہ شہزاد کی یاد کو مزید کچوکے دینا نہیں چاہتا تھا۔

"شاہ لالا کا انکار تو واضح ہے، اور میں خود اسپتال میں ہوتا ہوں، میرے لیے یہ ممکن نہیں۔ اب صرف یہ تینوں رہ جاتے ہیں۔" سب نگاہیں اُن پر جا ٹکیں، جو خاموشی سے ساتھ بیٹھے تھے۔

"ماموں جان، میرے لیے ممکن نہیں۔" موسیٰ کے انکار کو وہ سمجھتے تھے، اس کی مصروفیات کی نوعیت کچھ مختلف تھی۔

"بابا، آپ ارمان کو سردار بنادیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" باران کی سادگی میں عجب متانت تھی، مگر ارمان کے چہرے پر ہلچل سی دوڑ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لاحول ولا قوۃ! لالا، کیسی بات کر رہے ہو؟ ابھی تو میری عمر بھی نہیں کہ میں یہ بوجھ سنبھال سکوں، اور بڑے بابا، میری پڑھائی ویسے بھی جان کھا جاتی ہے۔ میں ہر گز مناسب نہیں ہوں۔" اس کے انداز میں معصوم مزاح چھپا تھا، جس نے ماحول کو لمحہ بھر کے لیے ہلکا پھلکا کر دیا۔ ربان خان مسکرائے, مگر بات واضح تھی۔

"تو پھر طے ہو گیا باران، تم گاؤں کے اگلے سردار ہو گے۔ کچھ دن بعد داور واپس آ رہا ہے، اسی دن تمہاری پگ باندھنے کی رسم ہو گی۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، گویا فیصلہ سنا دیا ہو۔ میٹنگ برخاست ہو چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

باران جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، اُسے گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً چونکا، اور نظریں دوڑائیں تو نظر قالین پر لیٹی زارا پر جا ٹھہری، اُس کا وجود ہلکے ہلکے ہل رہا تھا۔

"او لڑکی، اُٹھو۔ کیا ہوا ہے؟ رو کیوں رہی ہو؟" وہ اُس کے پیروں کی طرف کھڑا ہوا، لہجہ سخت نہیں تھا، پر فکر مندی چھپی ہوئی تھی۔ زارا ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی، آنکھیں نم تھیں، چہرے پر سچ بولنے کی ہمت کمزور تھی۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟" اب وہ اُس کے سامنے بیٹھا، سوال کی شدت تھوڑی اور بڑھ چکی تھی۔

"درد ہو رہا ہے۔" زارا کی آواز میں لرزش تھی، جیسے الفاظ بھی تھک چکے ہوں۔

"کہاں ہو رہا ہے؟" باران نے نرمی سے پوچھا۔ زارا نے خاموشی سے ہاتھ آگے کر دیا۔ وہ زخم دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"یہ کیا ہوا ہے؟ اور اس پر مرہم تک نہیں لگایا؟" باران نے ہاتھ تھاما، نرمی سے چیک کیا۔ کٹ گہرا تھا، خون جم چکا تھا، پر زخم ابھی بھی بول رہا تھا۔

"وہ ہاتھ میں چھری لگ گئی تھی۔" زارا نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ رونے سے اُس کا ناک لال ہو چکا تھا، اور وہ ایک ایسی معصومیت میں لپٹی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوئی لگ رہی تھی جسے لفظ چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

"دیکھ کر کام نہیں کر سکتی تھی؟"باران نے آہستہ سے کہتے ہوئے فرسٹ ایڈ نکالی،زخم صاف کیا،دوالگائی اور پٹی باندھی۔ پھر اُسے پین کلر دی اور بیڈ پر لیٹنے کو کہا۔زارانے انکار کیا،تو وہ ذراسا سخت لہجے میں بولا،"چپ کر کے بیڈ کی دوسری طرف لیٹ جاؤ،میں کمرے میں صوفہ رکھوادوں گا۔"یہ بات اُس نے آدھی اُسے،آدھی خود کو کہی تھی،شاید وہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ وہ صرف ہمدرد ہے،اس سے زیادہ کچھ نہیں۔زارابیڈ کے کونے پر سمٹ کر لیٹ گئی،دوا کا اثر ہوا اور وہ جلد ہی نیند کی وادی میں اتر گئی۔باران اُسے دیکھ کر مسکرادیا،اور دل میں ایک لفظ ابھرا،"بیوقوف"،پر یہ لفظ طنز میں نہیں تھا،یہ ایک نرمی تھی،جو صرف ایک دل رکھنے والا انسان محسوس کرتا ہے۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ دن عام دنوں جیسا نہ تھا۔ موسم میں کچھ ایسا تھا جو سانسوں کو بوجھل، اور فضا کو خاموش کر رہا تھا، جیسے وقت نے کچھ کہنے سے پہلے ہی خاموشی اختیار کر لی ہو۔ زینب کو کیا خبر تھی کہ یہ دن اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے بدل دے گا۔

"باباجانی، جلدی کریں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ آج میرا ٹیسٹ ہے!" صحن میں کھڑی زینب کی آواز میں ہلکی سی بے چینی تھی، جو اس کے معصوم چہرے سے صاف جھلک رہی تھی۔

داؤد صاحب نے اپنی بیٹی کو ہمیشہ خوابوں کے ساتھ جینے کی اجازت دی تھی۔ اس کی ذہانت اور محنت نے کراچی کے ممتاز کالج میں اسے نہ صرف داخلہ دلوایا بلکہ ستر فیصد اسکالرشپ بھی دلوائی۔ روز صبح وہ خود اسے کالج چھوڑتے، اور زینب واپسی وین سے کرتی تھی۔

"آ گیا میرا بچہ۔ تمہاری ماں نے آج دیر سے جگایا، ورنہ میں وقت پر تیار ہوتا۔" انہوں نے زینب کو شفقت سے دیکھا اور کن اکھیوں سے زائرہ بیگم کو، جو اب بھی کچن کی دہلیز پر کھڑی ان دونوں کو سخت نظروں سے گھور رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"چلو، اس سے پہلے تمہاری ماں ہمیں لے کر ہی بیٹھے، نکلتے ہیں۔" زینب کو اپنے حصار میں لیے وہ دروازے سے باہر نکل گئے۔ زائرہ بیگم کی آنکھوں میں آج ایک الگ چمک تھی۔ وہ ماں تھیں، بیٹی کی ترقی پر نازاں، اور شوہر کی محبت پر مطمئن۔ انہوں نے دعاؤں میں لپٹے الفاظ آسمان کی طرف بھیجے تھے، یہ جانے بغیر کہ بعض اوقات تقدیر دعا سے پہلے فیصلہ سنا چکی ہوتی ہے اور پھر دعا، صرف لبوں کی فریاد بن جاتی ہے۔

"ہیلو؟ جی، جی میں آ رہی ہوں، بس ابھی پہنچی۔" وہ دونوں ابھی کلاس سے فارغ ہوئی تھیں، ماہی کی آواز میں ایک ہلکی سی لرزش تھی، جو زینب کے لیے اجنبی نہیں تھی، مگر اس لمحے وہ اتنی حیران ضرور ہوئی کہ سوال کیے بنا نہ رہ سکی۔

"ماہی؟ کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہی ہو؟" ماہی نے جیسے آنکھوں کے سیلاب کو روکنے کی آخری کوشش کی ہو، مگر لفظوں کے ساتھ وہ ضبط بھی بہہ گیا۔

"زینب، ماما سیڑھیوں سے گر گئی ہیں۔ بہت چوٹ آئی ہے۔ ڈیڈ شہر سے باہر ہیں۔ مجھے ہسپتال جانا ہے فوراً، مگر اکیلے کیسے سنبھالوں گی سب کچھ؟" اس کی آواز میں بے بسی کا ایسا

ارتعاش تھا کہ زینب کا حساس دل کانپ اٹھا۔اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں، مگر وہ آنسو، ماہی کی طرح عارضی یا بناوٹی نہیں تھے، بلکہ انسانی ہمدردی اور دل کی سچائی سے پھوٹے تھے۔

"اللہ خیر کرے گا ماہی، ہمت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" زینب نے تھپکی دی، مگر جواباً ماہی کا بے ساختہ مطالبہ آیا۔

"زینب، پلیز! میرے ساتھ چلو نا، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اکیلی نہیں جانا چاہتی۔" زینب جیسے دوراہے پر کھڑی تھی۔

"میں کبھی اکیلی کہیں نہیں گئی، ماہی۔ کیسے؟"

"ٹھیک ہے، میں آنٹی سے خود بات کرتی ہوں۔" ماہی نے فوراً فون نکالا اور زینب کی نظروں کے سامنے کال ملائی۔

"آنٹی، میری ماما کو چوٹ آئی ہے۔ کیا میں زینب کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟ پلیز؟ جی، جی شکریہ، اللہ حافظ۔" فون بند ہوا تو ماہی کے چہرے پر سکون چھا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زینب، آنٹی نے اجازت دے دی ہے۔ اب تو چلو۔" زینب نے سر ہلا دیا۔ جیسے دل نے یقین تو نہ کیا ہو، مگر ماں کی اجازت کی مہر نے اسے مطمئن کر دیا ہو۔ ماہی کی گاڑی میں بیٹھتے ہی زینب نے ایک بار کھڑکی سے باہر جھانکا، مگر بلیک شیشے، اس کے اندر اور باہر، دونوں طرف کی دنیا چھپا چکے تھے۔ گاڑی میں خاموشی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک اجنبی مرد بیٹھا تھا، اور پچھلی سیٹ پر وہ دونوں۔ زینب کے دل میں ہلکی سی بے چینی نے سر اٹھایا، لیکن ماہی کی موجودگی نے اسے دبا دیا۔

"یہ جوس پی لو، تم نے دوپہر کو کچھ کھایا بھی نہیں۔" ماہی نے محبت بھرے انداز میں ایک کین آگے بڑھایا۔

"نہیں، میں ٹھیک ہوں۔" زینب نے انکار کیا، مگر ماہی نے ضد کی، اور جوس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ زینب نے محض چند گھونٹ لیے، لیکن جوس کی کڑواہٹ نے جیسے زبان کو جکڑ لیا ہو۔ ایک اجنبی ذائقہ تھا، کڑوا، سخت، اور بے چین کر دینے والا۔ چند لمحے بعد،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زینب کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ سانس میں بوجھ، شعور میں دھند اور لبوں پر لرزتی سرگوشی۔

"ماہی، میرا سر بھاری ہو رہا ہے اور مجھے نیند..." جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی زینب کا وجود لہرا کر ماہی کی گود میں گر گیا۔ ایک معصوم چہرہ، جس پر اعتماد کی روشنیاں تھیں، اب مدھم ہو چکی تھیں۔ ایک جسم، جو خوابوں کا بوجھ لیے مستقبل کی طرف بڑھا تھا، اب بے جان، بوجھل اور

خاموش پڑا تھا۔ زینب کی ٹانگیں سیٹ سے نیچے لٹک رہی تھیں، وہ اپنی بربادی کی دلدل میں دھنس چکی تھی۔

زندگی اور فنا کے بیچ، سچائی اور دھوکے کے بیچ، اور سب سے بڑھ کر دوستی اور فریب کے بیچ۔ کیا واقعی دوستی جیسا پاکیزہ رشتہ آج کی نسل کے لیے صرف ایک لفظ رہ گیا ہے؟ یا ہم نے اسے مفاد کے ترازو میں تولنا سیکھ لیا ہے؟ (یہ منظر صرف ایک واقعہ نہیں، یہ ایک

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سماجی چیخ ہے جو ہر اس بیٹی کے نام ہے، جو اپنے دوستوں پر، اپنوں پر، نظام پر، اور رشتوں پر یقین رکھتی ہے مگر بدلے میں اسے صرف اندھیرے ملتے ہیں)۔

آسمان پر سورج کی شعاعیں دھیرے دھیرے زردی میں ڈھل رہی تھیں۔ دوپہر کی جھلساتی دھوپ، اب شام کی نرمی میں تحلیل ہو رہی تھی۔ ہوا میں نمی سی گھلی تھی، اور فضا میں ہلکی ہلکی بوندا باندی نے ایک اداس سا سکون پیدا کر دیا تھا۔ مگر اس پُرسکون شام کے وسط میں، زائرہ بیگم کے دل کا موسم بگڑ چکا تھا۔ صحن میں چکر کاٹتی ان کے قدموں میں اضطراب، آنکھوں میں اندیشے اور چہرے پر پریشانیوں کی پرچھائیاں واضح تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"فاطمہ، بیٹا میرا فون تو لے آؤ، نا جانے کہاں رہ گئی ہے یہ زینب۔" زائرہ بیگم کی آواز میں گھبراہٹ کا سایہ در آیا تھا۔ فاطمہ لپک کر فون لے آئی۔ زائرہ بیگم نے جلدی سے نمبر ملایا۔ دوسری طرف داؤد صاحب آفس میں فائلوں میں الجھے بیٹھے تھے، جب فون کی گھنٹی نے ان کی توجہ کھینچ لی۔

"حنان کے بابا، چار بج گئے ہیں، زینب ابھی تک نہیں آئی، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے، کالج جا کر دیکھیں تو سہی، کہیں کچھ ہو نہ گیا ہو!" زائرہ بیگم کے الفاظ، صرف تشویش نہیں تھے، وہ ایک ماں کی چھٹی حس تھی جو کبھی کبھی آنے والے طوفان سے پہلے چپ چاپ چیخ اٹھتی ہے۔

داؤد صاحب نے کام چھوڑ کر گہرا سانس لیا۔ ان کے دل کے کسی کونے میں ایک نامعلوم خوف نے دستک دی، مگر وہ اسے جھٹک کر بولے۔

"زائرہ، پریشان مت ہو۔ میں کالج جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے وین لیٹ ہو گئی ہو یا ٹریفک میں پھنس گئی ہو۔ تم فون بند کرو، میں نکلتا ہوں۔" آواز میں تسلی تھی، لیکن آنکھوں میں بے چینی چھپی نہیں تھی۔ وہ گھر کی ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبے ایک ایسے باپ تھے، جو باہر جتنے مضبوط نظر آتے تھے، اندر سے اپنی بیٹی کے لیے اتنے ہی نازک تھے۔

"ساجد بھائی، ذرا گھر میں ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے، میں کچھ دیر کے لیے جا رہا ہوں، پلیز معاملات دیکھ لیجیے گا۔" اتنا کہہ کر انہوں نے آفس چھوڑا، اور اپنی پرانی سی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔ بارش کی پھوار اب ان کے چہرے پر پڑنے لگی تھی، جیسے قدرت خود بھی اس

گھبراہٹ کی گواہی دے رہی ہو۔ وہ سڑکوں پر رواں دواں تھے،دل کی دھڑکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تیز ہو رہی تھی،اور ذہن میں بار بار زینب کا چہرہ ابھر رہا تھا معصوم،باحیا،روشن آنکھوں والی زینب۔ کالج کا راستہ آج اتنا طویل کیوں لگ رہا تھا؟ کیا واقعی سب ٹھیک تھا؟ یا دعا کرنے سے پہلے ہی تقدیر نے کچھ اور لکھ دیا تھا؟

بارش اب رفتہ رفتہ تیز ہو رہی تھی۔ ہر بوند جیسے وقت کی ایک ٹک ٹک ہو جو کسی بڑے طوفان کی آمد کا اعلان کر رہی ہو۔ داؤد صاحب کی موٹر سائیکل گلیوں اور سڑکوں کو کاٹتی ہوئی کالج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان کے دل کی دھڑکن، موسم کی گرج سے کہیں زیادہ شور کر رہی تھی۔

کالج کے دروازے پر پہنچتے ہی ان کی نظریں وہاں موجود چوکیدار کو تلاش کرنے لگیں،اور وہی شناسا چہرہ،نظیر بھائی سامنے آتا دکھائی دیا۔ سفید داڑھی میں بارش کی نمی،اور ماتھے پر چھوٹا سا کٹا ہوا نشان ایک پرانے جان پہچان والے کی صورت۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"السلام علیکم،داؤد بھائی! آپ اس وقت؟ خیریت تو ہے نا؟"نظیر بھائی نے چھتری سنبھالتے ہوئے قریب آ کر پوچھا۔

"وعلیکم السلام،بچی ابھی تک گھر نہیں پہنچی،زینب۔ سوچا کالج آ کر پتا کروں،کوئی ایکسٹرا کلاس یا کچھ اور؟"داؤد صاحب کی آواز میں فکر کی نمی،بارش سے کہیں زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ نظیر کے چہرے پر حیرت کی ایک خفیف سی پرچھائی دوڑ گئی۔

"زینب بیٹی؟ داؤد بھائی،کالج تو تقریباً خالی ہو چکا ہے۔ میں تو ابھی ابھی اندر سے چیک کر کے آیا ہوں۔ تالا لگانے ہی والا تھا۔"یہ سن کر داؤد صاحب کے پیروں تلے زمین جیسے تھرتھرا گئی ہو۔ انہوں نے فوراً جیب سے فون نکالا اور وین والے کا نمبر ملایا۔ دل میں ایک آخری امید تھی کہ شاید وین تاخیر سے نکلی ہو،شاید فون سگنل نہ ہو،شاید،مگر اگلے لمحے جو جواب ملا،اس نے ان کی روح تک جھنجھوڑ دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"زینب تو آج وین میں تھی ہی نہیں، داؤد بھائی۔ صبح بھی میں نے اسے آتا نہیں دیکھا۔"

فون والا ہاتھ آہستہ آہستہ ان کے پہلو میں گرتا چلا گیا۔ نظیر نے ان کے بدلتے چہرے کو دیکھا۔

"کیا ہوا داؤد بھائی؟ سب خیریت ہے نا؟"

"زینب... زینب آج وین میں تھی ہی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بیٹھنے لگی تھی، جیسے لفظوں کا وزن ان کے حلق سے نکلنے سے انکار کر رہا ہو۔ پھر جیسے کوئی قفل ٹوٹا ہو، داؤد صاحب آگے بڑھتے گئے، کبھی کالج کی دیواروں کو تکتے، کبھی آتے جاتے چہروں میں اپنی بیٹی کو ڈھونڈتے۔

پھر کئی گھنٹوں تک وہ شہر کے چپے چپے کو چھانتے رہے۔ ہر موڑ، ہر گلی، ہر ٹریفک سگنل پر رک کر لوگوں کو زینب کی تصویر دکھاتے۔

"کیا آپ نے اس لڑکی کو کہیں دیکھا ہے؟" اور ہر بار جواب ایک خاموشی ہوتی، وہ خاموشی جو کہنے سے زیادہ چبھتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ بارش تھم چکی تھی، لیکن ان کے دل کی طغیانی کسی صورت نہیں رک رہی تھی۔ داؤد صاحب جب گھر لوٹے، تو ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ لب خاموش، آنکھوں میں شکست خوردہ آنسو، اور چہرے پر ایسا رنگ جیسے زندگی اپنا کوئی سب سے قیمتی ٹکڑا چھین کر لے گئی ہو۔ زائرہ بیگم تڑپتی ہوئی ان کی جانب بڑھی۔

"منان کے بابا! زینب کہاں ہے؟ آپ... آپ تو خالی ہاتھ لوٹے ہیں... زینب کہاں ہے؟ کچھ تو بولیے!" داؤد صاحب کی خاموشی، کسی طمانچے سے کم نہ تھی، اور پھر اگلے لمحے، وہ خود بھی زار و قطار رونے لگے، ایک باپ کی ٹوٹتی ہوئی دیوار، جو ساری زندگی سب کو سہارا دیتی ہے، اب خود گرنے لگی تھی۔ بچے ماں باپ کو اس حال میں دیکھ کر سہم گئے۔ گھر، جو زینب کے قہقہوں سے گونجتا تھا، اب ایک اذیت ناک سکوت میں ڈوبا

ہوا تھا۔

صبح کی دھند میں زینب کا چہرہ داؤد صاحب کی آنکھوں کے سامنے بار بار ابھرتا، اور پھر گم ہو جاتا۔ رات جو دکھ کے سمندر میں ڈوبی تھی، اب دن کی تلخ حقیقت بن کر ابھر رہی تھی۔ بے

خوابی، پریشانی، اور آنکھوں کی جلن، مگر حوصلہ اب بھی زندہ تھا۔ ان کی بیٹی ابھی زندہ تھی۔ کہیں نہ کہیں، کسی کمرے، کسی راہ گزر، کسی ویرانے میں، بس انہیں وہ راہ مل جائے اور وہ چل پڑیں۔ صبح سویرے انہوں نے دوبارہ چوکیدار کو

کال کی۔

"نظیر بھائی، کالج انتظامیہ کو بلاؤ، میں اب خاموش نہیں بیٹھوں گا۔" دو گھنٹے کے اندر اندر، پرنسپل، وائس پرنسپل، اور سیکیورٹی انچارج کالج آفس میں جمع تھے۔ ایک باپ، جو اپنی بیٹی کی خاطر پوری دنیا سے ٹکرا سکتا ہے۔

"یقیناً داؤد صاحب، ہم مکمل تعاون کریں گے۔ آصف، دروازے کی کیمرہ فوٹیج فوراً اسکرین پر لگادو۔" داؤد صاحب کو غصے میں دیکھ، پرنسپل نے بظاہر نرمی سے کہا۔

سسٹم آن ہوا۔ سکرین پر صبح کی گہما گہمی دکھائی دینے لگی۔ AM9:14 زینب کالج کے گیٹ سے داخل ہوئی۔ سیاہ چادر، نیلا حجاب، اور چہرے پر سادہ سا کالا ماسک۔ داؤد صاحب نے آنکھوں میں نمی لیے اس اسکرین پر ہاتھ رکھ دیا۔ "یہ میری بچی ہے" فوٹیج آگے بڑھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

PM1:06 زینب کالج کے گیٹ سے باہر جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ایک اور لڑکی ہے، جس کا چہرہ بھی ماسک سے چھپا ہوا ہے۔ دونوں باتوں میں مصروف گیٹ سے نکل گئیں۔ رک جائیے، کیا؟ زینب نے کالج سے باہر قدم رکھا بغیر اطلاع؟ بغیر واپسی؟ پرنسپل فوراً کرسی سے سیدھے ہوئے۔

"مسٹر داؤد، ہمیں افسوس ہے، لیکن آپ نے خود دیکھ لیا، آپ کی بیٹی اپنی مرضی سے کالج سے باہر گئی ہے۔ ہمارا رول واضح ہے، گیٹ سے باہر جانے کے بعد ادارہ کسی طالبعلم کا ذمہ دار نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ہاتھ جھاڑ دیے۔ جیسے انسانیت، قانون کی فائلوں میں کہیں دفن ہو چکی ہو۔ داؤد صاحب کے قدم اس دفتر سے نکلے تو ان کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اور روح پر تھکن کے بادل مزید گہرے ہو چکے تھے۔

اب ایک ہی راستہ بچا تھا: قانون کا دروازہ۔ وہ پولیس اسٹیشن پہنچے۔ دروازے پر بیٹھے کانسٹیبل نے پان چباتے ہوئے ان کا سر تا پیر جائزہ لیا۔

"کیوں بے؟ کیا کام ہے تیرے کو؟"

"مجھے انسپکٹر صاحب سے ملنا ہے، میری بیٹی لاپتہ ہے۔" کانسٹیبل کے ہونٹوں پر ایک خبیث سی مسکراہٹ ابھری۔ "چلا جا سامنے، اندر بیٹھا ہے تیرا 'صاحب'۔" داؤد صاحب نے لرزتے قدموں کے ساتھ اندر کا دروازہ کھولا۔ اندر بیٹھا انسپکٹر، ٹانگ پر ٹانگ رکھے، سگریٹ سلگاتے ہوئے گویا تخت پر بیٹھا ہو۔

"کون ہے بے؟ اندر کیسے گھس آیا؟"

"صاحب، میری بیٹی انیس سال کی ہے، وہ لاپتہ ہو گئی ہے۔ میں رپورٹ درج کروانا چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر نے سستی سے آنکھیں کھولیں اور حقارت سے اوپر نیچے دیکھا۔

"تصویر ہے؟" داؤد صاحب نے موبائل نکال کر زینب کی تصویر دکھائی، ایک باپ کے ہاتھوں میں کانپتی ہوئی روشنی، انسپکٹر کے ہونٹوں پر وہی غلیظ سی ہنسی ابھری۔

"بہت خوبصورت ہے تیری بیٹی۔ ہاہ! کوئی یار، عاشق، کچھ چکر؟" بس یہ الفاظ تھے کہ داؤد صاحب کا صبر جواب دے گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میری بیٹی ایسی نہیں ہے!اگر اس کے لیے ایک اور بار تم نے کوئی لفظ کہا تو..."

"اوئے ے ے ے!!!"انسپکٹر دھاڑا،"میرے کمرے میں آ کے میرے سے زبان چلا رہا ہے؟خورشید!باہر نکال اس بڈھے کو!"ایک لمحے میں دو کانسٹیبل آئے اور داؤد صاحب کو بازو سے پکڑ کر باہر گھسیٹنے لگے۔نام کے انصاف کی اس زمین پر اب انہیں گھسیٹا جا رہا تھا۔ان کی امید کا ہر دروازہ بند تھا،پر ان کا حوصلہ نہیں،سڑک پر گرتے ہوئے انہوں نے آسمان کی طرف دیکھا۔

"اے اللہ،میں تیری زمین پر انصاف کے لیے رویا ہوں۔اب اگر انصاف دینا تیرا کام ہے۔"یہ سسکیاں بے ساختہ تھیں۔

☆..☆..☆..☆

آپ کے بھیجے گئے متن کی پروف ریڈنگ کر دی گئی ہے:

"ابھی تک ہوش میں نہیں آئی؟"نقاب پوش کی سرد اور خالی آواز تہہ خانے کی گونج دار دیواروں سے ٹکرا کر لوٹتی،کمرے کی خاموشی میں زہر گھول رہی تھی۔یہ کوئی عام کمرہ نہ

تھا۔ یہ گواہی دیتا تھا ظلم کی، خاموشی کی چیخوں کی، اور ان کہی اذیتوں کی۔ فرش پر پڑے خراش زدہ نشان، دیواروں پر لٹکے نوکیلے اوزار، جلتی بجھتی کمزور بتی، سب کچھ ایک ایسی دنیا کی نشانی تھی جو انسانیت سے خالی، اور درندگی سے لبریز تھی۔ درمیان میں بندھی لڑکی، زینب، اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ، جیسے ایک خاموش لاش ہو۔ نقاب پوش نے پلک نہ جھپکاتے ہوئے ایک بالٹی اٹھائی اور ٹھنڈے، یخ پانی کی پوری بوچھاڑ اس کے جسم پر انڈیل دی۔ زینب کے لبوں سے ایک تیز کراہ نکلی، پلکیں لرزیں، اور اس کی سانس نے زندگی کی پہلی ہچکی بھری۔ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے گردوپیش کو دیکھا۔ دیواروں پر لٹکے سائے، عجیب چہرے، ایک خوفناک سناٹا، اور آنکھوں پر چڑھا اندھیرا، سب کچھ خواب و حقیقت کے بیچ کی کوئی ہولناک حد لگ رہا تھا۔ اگلے لمحے جیسے اس پر ایک یاد کی چمک لپکی۔

"ماہی؟ ہاں! میں تو ماہی کے ساتھ اس کی ماں کے لیے اسپتال جا رہی تھی!" "مگر اب؟ یہ کیا تھا؟ یہ کون تھے؟ اور کیوں؟

"کون ہو تم لوگ؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا؟ ماہی کہاں ہے؟!" اس کی آواز میں خوف کے ساتھ ساتھ ایک بیٹی کی بے بسی، ایک بہن کی لرزتی امید، اور ایک لڑکی کی عزت کا سوال تھا۔

"سوالوں کی اجازت یہاں نہیں دی جاتی۔ جینی، اسے تیار کرو۔ کلائنٹ کو اگر یہ پسند آ گئی، تو آج اس کی قیمت لگے گی۔" نقاب پوش نے

خشک لہجے میں جواب دیا۔

یہ جملے کسی بم کی مانند زینب کے اعصاب پر گرے تھے۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں، سانسیں رک گئیں، اور دل نے لمحے بھر کو دھڑکنا چھوڑ دیا۔

"نہیں! پلیز مجھے چھوڑ دو! ماہی کو بلاؤ! میں نے کچھ نہیں کیا!" زینب کی آواز زخمی پرندے جیسی تھی، جس کے پر کاٹ دیے گئے ہوں۔ مگر

اگلے ہی لمحے ایک طمانچہ اس کے چہرے پر دھماکے کی طرح گونجا۔

Clubb of Quality Content

"اگر ایک لفظ اور نکالا تو زبان کاٹ دوں گا!" نقاب پوش کے تھپڑ نے زینب کے چودہ طبق روشن کر دیے۔ منہ میں خون کا ذائقہ، گال پر تیز جلن، اور ہونٹ پر پھٹی ہوئی جلد، وہ درد تھا، جس میں روح بھی تڑپتی ہے۔ کہاں دیکھی تھی کبھی ایسی بے رحمی اس نے۔

"جینی، تیار کرو اسے۔ زیادہ بک بک کرے تو زبان توڑ دینا۔" اور پھر وہ کمرے سے چلا گیا، لیکن زینب کو جیسے تاریکی میں دھکیل گیا۔

جینی، وہ سیاہ فام عورت، قریب آئی۔ کپڑوں کا ایک چھوٹا سا، شرمناک لباس اس کے سامنے پھینکا۔

"پہن لے، اور کوئی نخرہ نہ دکھانا۔" زینب کی روح چیخ اٹھی۔

"میں... میں یہ نہیں پہنوں گی۔ یہ مت کرو میرے ساتھ پلیز۔" لیکن رحم؟ وہ یہاں بکتا نہیں تھا۔

جینی نے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے زینب کو اٹھایا، چہرے پر تھپڑ مارے، گالیوں کی بوچھاڑ کی، اور دھمکیوں کی آگ برسائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہاری چمڑی ادھیڑ دوں گی اگر انکار کیا!" بالآخر، زینب کا جسم وہ لباس پہنے کھڑا تھا، لیکن اس کا دل، اس کا وقار، اس کی روح عریاں ہو چکی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے، وہ زینب نہیں لگ رہی تھی، وہ کوئی اور تھی، ایک زبردستی سجادی گئی گڑیا، جسے کسی بازار کی زینت بننا تھا۔ پر وہ ہار نہیں مان سکتی تھی۔ زینب کو جب نقاب پوش کے سامنے لایا گیا، چند لمحوں کے لیے اس کی نظریں رکی تھیں...

شاید وہ اس حسن سے مرعوب ہوا تھا، پر وہ معمولی شکل صورت کی مالک تھی یا شاید اسے یہ خوشی تھی کہ ایک اور معصوم اس کے جال میں آ گئی، لیکن زینب کی نظر تیزی سے کمرے کی سمت دوڑ رہی تھی۔

ایک نوکیلا آلہ... ایک موقع۔ ہتھیلی زخمی ہو گئی، مگر وہ آلہ اس کی مٹھی میں آ گیا، اور جیسے ہی وہ لڑکی اسے لے کر باہر نکلی...

"آہہہہ!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ تیز دھار آلہ جینی کے کندھے میں اتار دیا گیا۔ زینب بھاگی۔ جان کی بازی لگادی۔ لبوں پر بس ایک صدا: "مدد! اللہ کے واسطے، کوئی مدد کرے!" اور وہ گاڑی... امید کی ایک کرن، لیکن دروازہ کھلا، اور وہی نقاب پوش سامنے تھا۔

"تمہاری مدد میں کرتا ہوں۔" زینب کو ایک بار پھر اندھیرے میں دھکیل دیا گیا۔

پھر وہی کرسی، پھر وہی تہہ خانہ، پھر وہی بند دنیا۔

"خدا کے لیے، مجھے جانے دو..." زینب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اور دل تڑپ رہا تھا۔

"نہیں جانے دوں گا۔ جینی مر گئی۔ تمہاری وجہ سے، اور اس نقصان کا ازالہ ضروری ہے۔"

زینب کی آنکھیں لال تھیں، "تم انسان نہیں ہو، درندہ ہو!" نقاب پوش کا چہرہ سخت ہو گیا۔

"درندہ؟ تمہیں دکھاتا ہوں درندہ کسے کہتے ہیں۔" اور پھر جلتا ہوا خنجر لایا گیا۔ سرخ، دہکتا، جیسے شیطان کا ہتھیار ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں... خدا کے لیے..." زینب کی سسکیاں چیخ میں بدل گئیں، اور پھر وہ لمحہ جب خنجر اس کی ہتھیلی میں داغا گیا۔ پورا تہہ خانہ زینب کی دلخراش چیخ سے گونج اٹھا۔ ایک انسان نہیں، ایک کرب زدہ روح تھی وہ، جس نے زندگی سے امید کا آخری دروازہ بھی بند ہوتا دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، سانس رک گئی، اور جسم بے سدھ کرسی پر گر گیا۔

نقاب پوش نے اس کی جلی ہوئی ہتھیلی دیکھی، ایک نشان، شیر جیسی شکل کا داغ، جو اس کی "ملکیت" کی مہر تھی۔ وہ اس دنیا کا اصول تھا، جو پسند آجائے، اسے داغ دیا جائے۔ اس نے زینب کے بے ہوش وجود کو بازوؤں میں اٹھایا، گاڑی میں رکھا، اور ایک نئی قید کی سمت لے گیا۔

☆..☆..☆..☆

زینب کو لاپتہ ہوئے تین دن گزر چکے تھے۔

تین دن جن کے ہر لمحے نے داؤد صاحب کی روح کو جیسے کچل کر رکھ دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شہر کا کون سا گوشہ، کون سی گلی، کون سا اسپتال، تھانہ، یا قبرستان ایسا رہ گیا تھا جہاں انہوں نے اپنی بیٹی کو تلاش نہ کیا ہو؟ لیکن یہ صرف زینب کی گمشدگی نہیں تھی، یہ داؤد صاحب کے کردار، ان کی عزت، ان کے خاندانی وقار اور ان کے پدرانہ اعتبار پر بھی ایک کڑا امتحان تھا۔ گلی، محلے، اور بازاروں میں زبانیں زہر اگلنے لگی تھیں۔

"لڑکی خود ہی بھاگ گئی ہو گی..." "کسی کے ساتھ تعلق تھا شاید..." "اغوا؟ نہیں بھائی، کوئی ماں باپ کی عزت دار بیٹی ایسے نہیں گم ہوتی!" جن کے سامنے وہ سر اٹھا کر جیتے تھے، اب انہی کے لفظوں نے انہیں جھکا دیا تھا۔ ہر راہ چلتا انسان جیسے جج بن گیا تھا، اور داؤد صاحب مجرم! زائرہ بیگم، جن کی انگلیوں نے زینب کے سر میں تیل ڈال کر اس کے بال سلجھائے تھے، آج انہی ہاتھوں میں تسبیح تھی، اور ہونٹوں پر بس سسکیاں۔ حنان، منان اور فاطمہ، تینوں بہن بھائی جیسے جیتے جاگتے سایے بن چکے تھے۔ گھر ایک خاموش قبرستان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دیواریں بین کر رہی تھیں، فضا میں درد بکھرا تھا، اور در و دیوار خود سے سوال کر رہے تھے، "زینب کہاں ہے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

منظر کٹتا ہے۔ ایک خوبصورت فارم ہاؤس، جو باہر سے جتنا پُر سکون اور شاندار لگتا تھا، اندر سے اتنا ہی سرد، اجنبی اور قید خانہ۔ زینب، جو زمین پر بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اس کے چہرے سے وہ زندگی چھن چکی تھی جو کبھی اس کی پہچان تھی۔ وہ زینب، جو ہنستی تھی، شوخیاں کرتی تھی، آج آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقوں، زرد پڑی رنگت، خشک اور پھٹے ہونٹوں کے ساتھ بس ایک خاموش سوال بنی بیٹھی تھی۔

"میں یہاں کیوں ہوں؟"

"میڈم، کچھ کھا لیجیے ورنہ صاحب کو پتا چلا تو وہ غصہ کریں گے..." ملازمہ کی آواز میں التجا تھی، لیکن زینب... زینب تو جیسے خود میں دفن ہو چکی تھی۔ کسی گوشے میں لگا سی سی ٹی وی کیمرہ سب کچھ دکھا رہا تھا۔

اور وہ، وہی نقاب پوش، جو اب ایک شاندار، وجیہہ شخصیت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

چہرے پر اب نقاب نہیں، بلکہ ایک ایسا چہرہ جو کسی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

قاتل کی طرح بے رحم،اور خطرناک تھا۔ شہد آنکھیں، سرخ و سفید رنگ، بلند قامت،اور سجیلا انداز۔ اس کی آنکھوں میں ایک جنون تھا: قبضہ کرنے والا، نگل جانے والا۔ اس نے آہستگی سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور زینب کے پاس دو زانو بیٹھا۔

"زینی، کھانا کھالو۔" اس کا لہجہ نرم تھا، لیکن زینب کے لیے زہر سے کم نہ تھا۔ زینب نے آنکھیں اٹھائیں،اور وہ آنکھیں، جن میں کبھی خواب سجا کرتے تھے،اب صرف درد، خوف اور سوالات سے بھری تھیں۔

"پلیز مجھے جانے دو۔ میرے بابا جانی میرا انتظار کر رہے ہوں گے، میری ماں، میرے بہن بھائی۔ میں ان سب کے بغیر نہیں جی سکتی۔ خدا کے لیے!" وہ رو رہی تھی، ریزہ ریزہ ہو رہی تھی۔ مگر اس کا جواب؟

"اب تم میری ہو۔ ہمیشہ کے لیے۔ اپنے ماضی کو بھول جاؤ۔ تم میرے پاس رہو گی، ہمیشہ۔" زینب کا وجود جیسے لمحہ بھر کو جمود کا شکار ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اس کی زندگی کا آخری دروازہ بھی بند ہو گیا ہو۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی، لیکن اس کا ذہن اچانک ماہی کی طرف مڑا۔

"ماہی کہاں ہے؟ تم نے اسے بھی قید کیا ہے؟ اسے کچھ مت کہنا، پلیز!" اور اس کے بعد جو سچ سامنے آیا، وہ سچ نہیں، قیامت تھی۔

"ماہی؟" وہ مسکرایا، ایک کالک زدہ مسکراہٹ۔

"اس کا نام ماہی نہیں، برینڈا ہے۔ وہی ہے جو تم جیسی معصوم لڑکیوں کو ہمارے جال میں لاتی ہے۔ تمہیں اس نے ہی بیچا ہے۔" زینب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایسا دھوکہ! ایسی غداری! وہ لڑکی، جسے وہ اپنی دوست، اپنی بہن سمجھتی تھی، وہی اس کی بربادی کا سودا کر چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نقاب پوش نے زینب کا ہاتھ تھاما۔ اس کی ہتھیلی پر ایک نشان ابھرا ہوا تھا، شیر کی مانند داغا ہوا نشان۔

"دیکھو، یہ میری مہر ہے۔ اب تم پر صرف میرا حق ہے۔" زینب نے اس مہر کو دیکھا اور جیسے اس کی روح چیخ گئی۔

یہ زندگی، یہ دنیا، اب وہ کبھی ویسی نہ رہی جیسے تین دن پہلے تھی۔

"میں کچھ ضروری کام سے جارہا ہوں، خیال رکھنا، وہ کسی صورت بھاگنے نہ پائے۔" نقاب پوش نے سرد لہجے میں ملازمہ کو ہدایت دی اور پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلا، اس نے موبائل نکال کر ایک نمبر ملایا۔

"ہیلو، ہاں میں پہنچ رہا ہوں۔ بولا نہ، دس منٹ میں آرہا ہوں۔" آواز میں عجلت تھی، جیسے کوئی اہم سودا طے ہونے کو ہو۔ کال بند کرتے ہی اس نے فون جیب میں رکھا، گاڑی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی چہرے پر دوبارہ وہی سیاہ رومال باندھ لیا۔ اب اس کی صرف سنہری اور دہشت ناک آنکھیں نمایاں تھیں، جیسے وہ آنکھیں کسی کا پیچھا چھوڑنے والی نہ ہوں۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی، اور وہ بنگلے کے گیٹ سے نکل گیا۔ زینب، جو خاموشی سے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی تھی، گاڑی کی آواز سن کر جھٹ سے کھڑی ہوئی۔ وہ کھڑکی کی طرف لپکی، پردے کے پیچھے سے باہر جھانکا۔ پورچ اب خالی تھا، اور بنگلہ خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ زینب کی آنکھوں میں ایک لمحے کو امید کی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے دھیرے سے کمرے کا دروازہ کھولا، باہر جھانکا۔ سامنے ملازمہ کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ باہر جانے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

والا مین ڈور اندر سے بند تھا،اور اس پر بھاری تالا لگا تھا۔ واپس پلٹ کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور کھڑکی کے پاس گئی۔ کھڑکی سے قریب سات فٹ کے فاصلے پر ایک سیمنٹ کی سلیب بنی ہوئی تھی، جو اگر وہ وہاں تک پہنچ پاتی، تو پورچ سے ہوتے ہوئے باہر نکل سکتی تھی۔

لیکن سوال تھا،"وہ وہاں تک کیسے پہنچے؟"

کمرہ خالی تھا۔ نہ کوئی کرسی، نہ میز، نہ کوئی چیز جو مددگار ثابت ہو۔ اس کی نظر بیڈ پر بچھی چادر پر پڑی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی، چادر کھینچی، اور اسے کھڑکی کے روشن دان سے گزار کر گانٹھ باندھی۔ ایک سادہ سا، خود ساختہ رسا بن چکا تھا۔

چادر کھینچ کر جانچنے کے بعد اس نے دروازے کو اندر سے لاک کر لیا۔ پھر وہ کھڑکی پر چڑھی، اور چادر کے سہارے نیچے اترنے لگی۔ ابھی وہ بمشکل تین چار فٹ نیچے اتری ہی تھی کہ کمرے کے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بی بی دروازہ کھولیں!"ملازمہ کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔ڈری سہمی زینب کے ہاتھ لرز گئے،اور چادر اس کی گرفت سے چھوٹ گئی۔وہ دھڑام سے نیچے گری،سیدھی لکڑی کی صلیب پر۔اس کی کمر میں شدید چوٹ آئی،اور جسم جھنجھنا اٹھا۔

منہ پر ہاتھ رکھتے اس نے اپنی چیخ دبالی،لیکن آنکھوں سے آنسو بے قابو ہو کر بہہ نکلے۔ وقت کم تھا،اور وہ خود کو روکنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔زینب نے اپنے آنسو پونچھے، دانت بھینچے،اور لڑکھڑاتے قدموں سے دوڑتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھی۔

لیکن قسمت جیسے گھات لگائے بیٹھی تھی۔سامنے سے ایک گارڈ نمودار ہوا،زینب کو دیکھتے ہی بلند آواز میں بولا،

"اے لڑکی!رک جا!"اس کی آواز بجلی کی مانند زینب پر گری۔بجائے رکنے کے،اس نے جھک کر قریب پڑا ایک وزنی پتھر اٹھایا اور پوری قوت سے گارڈ کے سر پر دے مارا۔

"آہ۔۔۔!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گارڈ لڑکھڑایا،اور سر پکڑ کر نیچے گر گیا۔ زینب نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا،فرش پر ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی وہ بنگلے کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ آنکھوں میں آزادی کی جھلک تھی،سانس تیز اور دل بے قابو تھا۔ ادھر، گارڈ نے بمشکل ہاتھ سے موبائل نکالا،اور تیزی سے کال ملائی۔

"باس وہ لڑکی بھاگ گئی ہے! سر پھاڑ دیا میرا!" دوسری جانب، تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے نقاب پوش کے چہرے پر جیسے خون دوڑ گیا ہو۔ اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ کال سنتے ہی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں تمہیں زندہ زمین میں گاڑ دوں گا، سمجھا!"

اس کی دھاڑ نے گارڈ کے چہرے سے رنگ چھین لیا۔ کال بند کرتے ہی اس نے فوراً ایک اور نمبر ڈائل کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے بتائے ہوئے پتے پر فوراً پہنچو، ابھی! ہر طرف ناکہ بندی کرو!" یہ کہتے ہی اس نے گاڑی کا ایکسلریٹر زور سے دبایا، اور رفتار دگنی ہو گئی۔ کہیں نہ کہیں زینب کی سانسیں دشمن کے وقت کے ساتھ دوڑ رہی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

کچھ گھنٹوں بعد...

باہر شام کی مدھم روشنی دھیرے دھیرے رات کی سیاہی میں تحلیل ہو رہی تھی۔ ایک وجود، جو اب بے جان سی چادر میں لپٹا ہوا تھا، اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے زندگی خود کسی مجرم کی طرح قید ہو چکی ہو۔ نقاب پوش نے گاڑی کے سائے میں کھڑے اپنے خاص آدمی کو وہ وجود تھمایا۔

"یہ پکڑو، اور تم جانتے ہو کہ اسے کہاں پہنچانا ہے۔ کوئی چوک نہ ہو۔" اس کی آواز میں وہی سرد مہر، وہی بے رحم ٹھہراؤ تھا۔ پھر پلٹ کر باقی چاروں کو دیکھا، جو خاموشی سے اس کے اشاروں کے منتظر کھڑے تھے۔

"تم سب یہیں رہو۔ اگر وہ آجائے تو فوراً اطلاع دینا، اور یاد رکھو، جب تک میں نہ آؤں، کوئی بھی اس کے قریب نہیں جائے گا۔" بات مکمل کرتے ہی وہ تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھول کر اندر بیٹھا، ایک لمحے کو اپنے چہرے سے رومال ہٹایا، مگر فوراً ہی دوبارہ باندھ لیا۔ وہ وحشی آنکھیں پھر سے باہر جھانکنے لگیں—وہی آنکھیں جو نہ رحم جانتی تھیں، نہ مروت۔ گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور دھیرے دھیرے اندھیرے میں گم ہو گئی۔

سناٹے میں ایک آدمی دوسرے کی طرف مڑا۔

"چل، جو حکم ملا ہے وہ پورا کر۔ باس کو وقت پر اطلاع دینا ضروری ہے۔" دوسرا سر ہلاتے ہوئے چادر میں لپٹا وجود تھام کر وہاں سے روانہ ہو گیا، جب کہ پہلا، گارڈز سمیت، زینب کے گھر کے اطراف چھپ گیا، کسی ممکنہ خطرے یا خبر کا منتظر۔

زینب کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کب سے بھاگ رہی ہے۔ اس کی امیدیں ٹوٹ رہی تھیں، مگر جب اس کی نظر اپنے گھر کو جانے والے مین روڈ پر پڑی تو وہ اچانک تیزی سے اپنے گھر کی طرف دوڑنے لگی۔ گھر کے قریب پہنچتے ہی اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کا دل نوچ کر باہر

نکال دیا ہو، کیونکہ یہ وہی گھر نہیں تھا جہاں اس کی شرارتوں سے رونق ہوا کرتی تھی۔ یہ تو ایک ویرانہ تھا، جس کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ "ہیلو باس، وہ لڑکی آ گئی ہے۔ جی جی، ہم نے اس پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ "" ٹھیک ہے باس۔" گارڈ نے فون بند کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور بولا، "باس کہہ رہے ہیں کہ جب تک میں نہیں آتا، کوئی اس لڑکی کے قریب نہ جائے۔ بس اس پر نظر رکھنی ہے۔" یہ سن کر اس کے ساتھی سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کرنے لگے۔

وہ مرے مرے قدموں سے اپنے گھر میں داخل ہوئی، لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر وہ پورے قد سے زمین بوس ہوئی تھی۔ سامنے صحن میں لاشیں پڑی تھیں، خون میں لت پت، بے جان، کسی کی کنپٹی سے خون بہہ رہا تھا تو کسی کے پیٹ سے۔ وہ کتنے ہی لمحے زمین پر بیٹھی ان لاشوں کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ آہستہ سے اٹھتی، اپنے بے جان وجود کو گھسیٹتے داؤد صاحب کی لاش کے پاس آئی اور ان کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"باباجانی، پلیز اٹھ جائیں، آپ کی زینب آئی ہے"۔ زینب کپکپاتے ہاتھوں سے داؤد صاحب کا خون آلود چہرہ اپنی گود میں اٹھائے دھیرے سے بولی، "دیکھیں، اٹھ جائیں ورنہ میں بہت ناراض ہو جاؤں گی۔" وہ داؤد صاحب کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر نرمی سے کہنے لگی، "بابا، آپ کے بغیر میں کیسے جی سکوں گی؟" پھر وہ داؤد صاحب کی لاش سے اٹھ کر زائرہ بیگم کے پاس گئی، اور کافی دیر تک ہر لاش کے پاس بیٹھی رہی، انہیں اٹھانے کی کوشش کرتی رہی، جو اس دنیا سے چلے گئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر دل جل اٹھتا تھا، جیسے کوئی پاگل اپنی ماں، باپ سے زندگی کی التجا کر رہا ہو۔

"ماما، بابا، حنان، منان، فاطمہ، کوئی تو بولے، میں کیسے جیوں گی آپ سب کے بغیر؟" زینب صحن کے بیچ میں گھٹنوں کے بل گر پڑی۔ سناٹا تھا، اچانک اس کی دلسوز چیخ نکلی، جو باہر بیٹھے گارڈز کو بھی ہلا کر رکھ گئی۔ وہ اپنی پوری طاقت سے، حلق کے بل چیخی، "اللہ! میں کیوں زندہ ہوں؟ کاش میں مر گئی ہوتی!" زینب کی چیخیں آسمان کو چھو رہی تھیں، وہ روتے ہوئے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اپنے چہرے پر تھپڑ مار رہی تھی۔ آج اسے اپنی غلطیوں کا ایسا احساس ہو رہا تھا کہ وہ سب کچھ کھو چکی تھی، اپنی تمام امیدیں، سب کچھ۔

"تم دوست کے نام پر زخم بن کر رہ گئی، ماہی۔ تم نے مجھ سے میری زندگی چھین لی ہے۔" ایک کے بعد ایک آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے سرک کر گرتا رہا، اور اس کا چہرہ آنسوؤں کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

"اللہ کرے تم برباد ہو جاؤ، تڑپ تڑپ کر مرو!" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سخت بد دعا دے رہی تھی اُس کے لیے جس نے چند پیسوں کی خاطر اس کی دنیا اجاڑ دی تھی۔ وہ اس وقت اپنے ہوش و حواس سے عاری تھی، نفرت اور انتقام کی آگ میں جل رہی تھی۔ "روزِ قیامت تم سے حساب لوں گی۔ خدا نے... اس نے میرا وجود خاک میں ملا دیا۔ کبھی معافی نہیں دوں گی تمہیں!" زینب دہلا دینے والی چیخیں مارتی، روتی، پھوٹ پھوٹ کر بکھرتی رہی۔ آہستہ آہستہ آنسو تھم گئے، آنکھیں سوگوار ہو گئیں، اور آخر کار وہ خشک ہو گئیں۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ بلکہ نہیں، وہ خود مردہ ہو چکی تھی۔ دفعتاً، پیچھے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی، لیکن وہ

بے تحرک، جیسے موم کی مورت، ایک جگہ جم کر بیٹھی رہی۔ وہ نقاب پوش اس کے سامنے بیٹھا تھا، سر جھکا کر، جیسے کسی پتھر کی مورت۔ خاموش، بے جان، اور بے بس۔ اس کی خشک آنکھیں زمین کو گھور رہی تھیں۔

"زینی، میں نے کہا تھا نا کہ تم اب میری ہو۔ پھر کیوں مجھ سے دور ہوئی؟ تمہارے کیے کی سزا مجھے تمہارے گھر والوں کو دینی پڑی۔" نقاب پوش نے سرد اور بے پروا لہجے میں زینب کے بکھرے بال سنوارے۔ زینب ابھی بھی سر جھکائے خاموش تھی۔

"چلو، اٹھو، چلیں۔" نقاب پوش نے زینب کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا، مگر وہ جھنجھلا کر اپنے ہاتھ چھڑاتی ہوئی داؤد صاحب کے پاس گئی، ان کا

بے جان سر اپنی گود میں رکھ لیا، اور نرم لہجے میں ان کے چہرے کو سہلا کر بوسہ دے دیا۔

"میری شہزادی، میرا بچہ، میری جان..." داؤد صاحب کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے، اور دل میں درد کا طوفان اٹھ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے پیارے بابا..." زینب نے آہستگی سے سرگوشی کی۔ نقاب پوش قریب آ کر اسے زبردستی اٹھا کر لے گیا۔ اس دن کے بعد زینب کا کوئی پتا نہ چلا۔ کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اسے کہیں آسمان نے نگل لیا یا زمین نے۔ نقاب پوش اپنی آخری چال چل چکا تھا۔ ان کی گاڑی وہاں سے گزر ہی رہی تھی کہ اچانک پیچھے دھماکے کی گونج سنائی دی۔ زینب نے کھڑکی سے دیکھا، آنکھوں میں آگ کا سایہ تھا۔ سب کچھ فنا ہو چکا تھا۔

اگلی صبح نیوز میں خبر نشر ہوئی کہ کراچی کے پوش علاقے میں سلنڈر دھماکے کی وجہ سے گھر تباہ ہو گیا، جہاں موجود تمام افراد جاں بحق ہو گئے، لیکن اصل حقیقت صرف وہ لوگ جانتے تھے جو اس نقاب پوش کے راز جانتے تھے۔ وہ خونخوار زہر تھا، بلاشبہ، جسے "بلڈی پوائزن" کہا جاتا تھا، جس کے سفاکانہ قہر کا سایا پورے ڈارک ویب پر چھایا ہوا تھا۔ وہ بے رحمی کی حدوں کو نہیں پہچانتا تھا، جب بھی لوگوں پر ظلم کرتا تھا، دل نہیں پگھلتا تھا، لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بہت جلد اس قہر کے خاتمے سے ایک نیا وجود جنم لے گا، جو اس کے خون کی پیاس بجھائے گا، اور اسی قہر کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔

خونِ دل سے لکھ دی ہے قسمت کی وہ کتاب،

ہر صفحہ سیاہ ہے، ہر لفظ میں گہرے خواب۔

بے رحمی، سفاکی اور انا کی تسکین۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب دوم: "بون فائر"

موسم میں سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں پہلے ہلکی تھیں، لیکن اب ان میں کاٹ آنے لگی تھی۔ پہاڑوں کی فضا میں وہ مخصوص خاموشی تھی جو کبھی سکون دیتی ہے، اور کبھی عجیب سی بے چینی۔ خان حویلی میں صبح ویسی ہی تھی جیسے روز ہوتی ہے۔ ناشتہ ختم ہونے کے بعد مرد حضرات اپنے اپنے کاموں پر جا چکے تھے۔ جبران نے واپسی کا ذکر چھیڑا، تو شاہ میر نے اُسے باران خان کی دستار بندی تک رکنے کو کہا۔ کرسٹل رکنا نہیں چاہتی تھی، لیکن جبران کے کہنے پر مان گئی، البتہ وہ اُسے صاف بتا چکی تھی کہ تین دن بعد وہ یہاں سے چلی جائے گی، چاہے کچھ بھی ہو۔ ان کا کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا، لیکن کرسٹل کے لیے یہاں مزید رکنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ جب سے وہ خان حویلی آئی تھی، باران خان کی نظریں اُس پر

ٹھہرنے لگی تھیں، ایسی نظریں جن میں تجسس کم اور کچھ اور زیادہ تھا۔ کرسٹل کا دل کہتا تھا کہ یہاں زیادہ دیر رُکنا ان کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

جبران اس وقت کسی کام سے باہر تھا، اور کرسٹل اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑی تھی۔ کافی کا کپ ہاتھ میں تھا، جس کی تلخی اُسے عجیب سا سکون دے رہی تھی۔ اگر یہاں کوئی اور لڑکی ہوتی، تو شاید سوات کے حسن میں کھو چکی ہوتی، لیکن وہ کرسٹل تھی۔ کرسٹل کوئین۔ اس کا ماننا تھا کہ اُس کے سینے میں دل نہیں، پتھر ہے۔ نہ کوئی جذبہ، نہ کوئی کمزوری، مگر کیا واقعی ایسا ہی تھا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شہزاد کے انتقال کو کچھ دن گزر چکے تھے۔ وقت جیسے آہستہ آہستہ سب کو معمول کی زندگی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ مردوں کے جانے کے بعد، اسماء خانم لاؤنج میں بیٹھ کر سبزی کاٹ رہی تھیں۔ یہ حویلی کا پرانا اصول تھا کہ باقی گھر کا کام نوکر کرتے، مگر کھانا صرف خواتین بناتی تھیں۔

جب سے زارا آئی تھی، اسماہ خانم کی جگہ وہی کھانا بنانے لگی تھی۔ نہ کوئی بد مزگی، نہ مقابلہ۔ سب خاموشی سے بدل گیا تھا۔ زوبیہ خانم اپنے کمرے میں تھیں۔ پری گل نے ہسپتال جانا دوبارہ شروع کر دیا تھا۔ زرمینے کالج گئی ہوئی تھی۔ جبہ خانم اور سائرہ اس وقت سائرہ کے کمرے میں تھیں، اور شاید دنیا کی سب سے سچی باتیں وہی ہوتی ہیں جو دو عورتیں بند کمرے میں سرگوشیوں میں کرتی ہیں۔

"ماما، ایک بات میری سمجھ سے باہر ہے،" سائرہ نے چائے کی پیالی ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔ "تائی امی اُس لڑکی کو اتنی اہمیت کیوں دے رہی ہیں؟"

جبہ خانم، جو سامنے صوفے پر آرام سے بیٹھی قہوے کی چسکیاں لے رہی تھیں، لمحہ بھر کو رُکیں اور گہری سانس لیتے ہوئے بولیں، "میں بھی یہی سوچ رہی ہوں بھابی آخر اتنی مہربان کیوں ہو رہی ہیں اُس لڑکی پر، جو ونی میں آئی ہے؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ ایک کام کریں نہ، بڑی تائی ماں کو تھوڑا احساس دلائیں۔ وہ لڑکی یہاں خون بہا کے بدلے آئی ہے، اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہونا چاہیے جیسا ونی کی لڑکیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔" سائرہ کے لہجے میں واضح غصہ تھا۔ جبہ خانم نے قہوے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے نفرت سے سر جھٹکا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ میں آج ہی بھابی سے بات کرتی ہوں۔ بہت ہو گیا نرمی کا ڈرامہ، اُس لڑکی کو اُس کی اوقات یاد دلانی ہو گی۔" اسماہ خانم کا زارا کے ساتھ نرمی سے پیش آنا، جبہ خانم کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اسماہ خانم، زوبیہ خانم کے مقابلے میں کچھ نہیں، اور وہ یہی بات جان کر چپ نہیں تھیں بلکہ فائدہ اٹھا رہی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

"ڈاکٹر شنزا، وہ پیشنٹ کیسی ہے جسے میں لے کر آیا تھا؟" زارون نے ریسپشن کے قریب کھڑی اپنی جونیئر ڈاکٹر سے پوچھا۔

"سر، وہ ابھی بھی ٹراما میں ہے۔ اُن کے ساتھ جنسی زیادتی کی گئی ہے۔ عمر بمشکل اٹھارہ یا انیس سال ہوگی۔ جب بھی ہوش میں آتی ہیں، پینک کرنے لگتی ہیں۔ دماغ پر گہرا اثر پڑا ہے۔" ڈاکٹر شنزا کے تفصیلی جواب پر زارون کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔

اُسے ایسی درندگی سے سخت نفرت تھی۔ وہ لوگ، جو معصوم لڑکیوں کی زندگی برباد کر کے اُنہیں کچرے کی طرح سڑک پر پھینک دیتے ہیں، زارون کے نزدیک وہ انسان کہلانے کے لائق بھی نہ تھے۔

"ڈاکٹر شنزا! فوراً آئیے، روم نمبر سیون کی پیشنٹ پھر سے پینک کر رہی ہے!" نرس ہانپتی ہوئی ان کے پاس پہنچی۔

"سر، میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" ڈاکٹر شنزا کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ زارون نے اُسے روکا۔

"میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔" وہ دونوں تیزی سے روم نمبر سیون کی طرف بڑھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"چھوڑو مجھے! میں کہتی ہوں، چھوڑو مجھے!" اندر سے آتی چیخوں نے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی زارون کو جھنجھوڑ دیا۔ وہ لڑکی پیشنٹ ڈریس میں تھی، بال کھلے، الجھے ہوئے، جیسے وہ خود بھی ٹوٹ چکی ہو۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ، پُراسرار دکھ سے بھرا ہوا۔ دو نرسیں اُسے قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن وہ ایک جھٹکے سے کینچی چھیننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے مر جانا ہے! واپس دے دو مجھے!" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی، جیسے اُس کے وجود کا بوجھ اب وہ خود بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔ زارون لمحوں کے لیے اُسے دیکھتا رہا، وہ ایک زندہ لاش کی طرح لگ رہی تھی، جس کا دکھ صرف وہی جانتی تھی۔ ہر زخم چھپاتا ہے کوئی درد جو لفظوں سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ جب نرسیں اُسے سنبھال نہ سکیں، تو زارون آگے بڑھا۔

"بس! ایک لفظ بھی اور مت بولنا!" زارون کی آواز کمرے میں گونجی، اور وہ لڑکی، جیسے وہ آواز کسی خواب سے نکال کر لائی ہو، کانپتی ہوئی رک گئی۔ "یہ پانی پیو۔ بیٹھ جاؤ۔" اس نے نرمی چھپاتے ہوئے پانی کا گلاس بڑھایا، جسے وہ خاموشی سے تھام کر لبوں سے لگا بیٹھی۔

زارون نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا،جہاں سے ڈرپ کھینچنے کی وجہ سے خون بہہ رہا تھا۔"نرس، ان کی بینڈیج کریں۔"پھر وہ لڑکی کی طرف مڑا،اور نرمی کے ساتھ پوچھا،"نام کیا ہے تمہارا؟"کمرے میں اب صرف زارون،ڈاکٹر شنزا،اور وہ لڑکی موجود تھے۔باقی سب کو وہ پہلے ہی باہر بھیج چکا تھا۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا،بس زارون کو ساکت نظروں سے دیکھتی رہی۔

"میں نے نام پوچھا ہے!"زارون نے تھوڑا سخت لہجہ اپنایا۔وہ جانتا تھا کہ ہمدردی سے وہ شاید کچھ بولے نہ،لیکن سختی اُسے جھنجھوڑ سکتی ہے۔ورنہ،وہ اپنے مریضوں سے کبھی بلند آواز میں بات نہ کرتا۔

"پ...پریشے۔"وہ آہستگی سے،رُک رُک کر بولی۔

"پورا نام؟"ڈاکٹر شنزا نے بے اختیار اُسے ترس بھری نظروں سے دیکھا۔وہ جانتی تھی کہ یہ کھڑوس سا ڈاکٹر،اندر سے کتنا نرم ہے،اور یہ لڑکی غلط وقت پر اُس کے ہاتھ آگئی ہے۔

"پریشے زمان۔"زارون نے سر ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ڈاکٹر شنزا،ان کی فائل میرے آفس میں بھیج دیجیے گا۔یہ کیس اب میں ہینڈل کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ڈاکٹر شنزا نے دوا دی،جس میں ہلکی نیند آور شامل تھی،اور چند ہی لمحوں بعد پریشے پر سکون ہو کر نیند کی وادی میں اُتر گئی۔

☆..☆..☆..☆

زارا کچن میں دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھی۔اس نے سادہ سا کالے رنگ کا پٹھانی فراک پہنا ہوا تھا،جس پر بھاری پشمینہ شال ڈالی ہوئی تھی۔اس کا چہرہ بالکل بھی سجایا سنوارا نہیں تھا،نہ ہی کسی میک اپ کی جھلک تھی۔اس کی سیاہ رنگت اور عام سی شکل و صورت میں کوئی خاص بات نہیں تھی،مگر اس کے ہاتھ کام میں ماہر تھے۔پچھلے دو ہفتے سے وہ باران کے کمرے میں ہی ٹھہری ہوئی تھی۔باران نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے دن ہی کمرے میں صوفہ رکھوایا جائے گا،اور ویسے ہی ہوا بھی تھا۔زارا نے نوٹ کیا تھا کہ باران اکثر رات کو دیر سے آتا یا کئی دنوں کے لیے کہیں غائب رہ جاتا تھا۔اس کے دل میں شک کے بادل چھائے ہوئے تھے،مگر وہ اس بات سے تھوڑی بہت مطمئن تھی کہ کوئی اس کے

ساتھ برا سلوک نہیں کر رہا تھا۔ اپنی فکر مند سوچوں میں مگن، وہ بکرے کا گوشت صاف کر رہی تھی۔ آج اسے اسماہ بیگم نے مٹن نہاری بنانے کا کہا تھا، اس لیے وہ پوری توجہ سے کام کر رہی تھی۔ اچانک کچن کا دروازہ زور سے کھلا اور زوبیہ خانم، جبہ خانم اور سائرہ اندر داخل ہوئیں۔ زوبیہ خانم کے چہرے پر غصہ واضح تھا، اور اس کی نظروں میں سختی تھی۔ وہ زارا کی طرف بڑھی اور اس کے بالوں سمیت اس کی چادر کو زوردار گرفت میں لے لیا۔ زارا نے اچانک کھینچاؤ محسوس کیا اور ایک درد بھری چیخ نکلی۔ زوبیہ خانم نے زارا کے چہرے پر تیز تماچہ رسید کیا۔ زارا ابھی سمجھ بھی نہیں پائی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے کہ زوبیہ خانم نے دوبارہ زارا کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ زارا کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی چھائی ہوئی تھی، مگر وہ چپ رہنے پر مجبور تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ تم اس گھر کی بہو ہو؟ نہیں، تم تو بس ایک ونی، دو ٹکے کی لڑکی ہو، جس کے باپ نے اپنا سر کا بوجھ اتار کر ہمارے آگے پھینک دیا۔ تمہاری اوقات ہمارے جوتے کے برابر بھی نہیں۔ نہیں! تم ایک قاتل کی بہن ہو، جس کے بھائی نے ہمارا بیٹا بے رحمی

سے قتل کیا ہے۔ تم یہاں خون کے بدلے آئی ہو، یہ بات اپنے دماغ میں بٹھالو!" زوبیہ خانم کے تلخ اور کڑوے الفاظ زارا کے دل پر یوں گرے جیسے تیز چھری کا وار۔ زارا کا چہرہ شرم و ذلت کی سیاہی میں ڈوب گیا۔ آنکھوں سے آنسو رُکنے کا نام نہ لے رہے تھے۔ اس کی چادر کندھوں سے سرکتی ہوئی نیچے جھول رہی تھی اور اس کی لمبی چوٹی کمر پر نرم لہروں کی مانند ڈول رہی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر سائرہ کا دل ایک تلخ حسد کی آگ میں جھلس اٹھا۔ وہ جانتی تھی کہ باران کو لمبے بالوں سے کتنا پیار تھا اور زارا کے لمبے بال اسے بہت ناگوار گزرے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"رشیدہ! اور رشیدہ!" زوبیہ خانم کی گرج دار آواز سن کر، رشیدہ جو حویلی کی پرانی اور سخت مزاج ملازمہ تھی، تقریباً پینتالیس سے پچاس سال کی عمر کی، اور جس کی نگرانی میں حویلی کی تمام ملازمائیں کام کرتی تھیں، بھاری قدموں سے کچن میں داخل ہوئی۔ سب ملازمین اس کی سختی سے ڈرتے تھے۔

"یہ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ آج سے پوری حویلی کا کام یہ لڑکی کرے گی۔ اگر اس نے ایک بار بھی بد تمیزی کی تو تمہیں پورا اختیار ہے کہ اس کی چمڑی ادھیڑ دو!" زوبیہ خانم نے سخت لہجے میں کہا اور زارا کو رشیدہ کے حوالے کر دیا۔ رشیدہ نے زارا کا بازو اپنی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے زور سے کھینچا، اور اسے کھڑا کیا۔ زارا درد سے کراہ اٹھی۔

"ایک اور بات! آج سے تم باران کے کمرے میں نہیں سوؤ گی۔ تم اب اسٹور میں سوؤ گی۔ اسماہ نے تم کو بہت سر چڑھا لیا ہے۔ کیا تم واقعی سمجھتی ہو کہ تم ہمارے خاندان کی بہو بننے آئی ہو؟" زوبیہ خانم نے ہر لفظ کو تلخ زبان سے چبھا کر کہا اور کچن سے باہر قدم بڑھائے، تبھی اچانک اسماہ خانم تیزی سے کچن میں داخل ہوئیں۔ "کیا ہوا ہے بھابھی؟ تم اتنے غصے میں کیوں ہو؟" اسماہ خانم نے فکر مند لہجے میں پوچھا اور زارا کی طرف دیکھا، جس کی شال کندھوں پر بے جان لٹک رہی تھی، اور چہرہ آنسوؤں سے سرخ ہو رہا تھا۔ زارا کو جب سے اس حویلی میں لایا گیا تھا، اسماہ خانم نے کبھی اسے یوں ننگے سر نہیں دیکھا تھا۔ اوپر سے اس کے چہرے پر انگلیوں کے نشانات دیکھ کر اسماہ خانم کی فکریں اور بڑھ گئیں۔ وہ جانتی تھی

Clubb of Quality Content

کہ زوبیہ خانم زارا کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتے گی، اور جو خوف انہیں تھا، وہ اب حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔ اسماہ خانم نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر زوبیہ خانم نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"اسماہ، اب تم کسی معاملے میں نہیں بولو گی! یہ لڑکی ہمارے بیٹے کے قتل کے بدلے یہاں آئی ہے۔ یہ مجرم کی بہن ہے۔ ہم کو لگا تھا تم ہمارے بیٹے کو اپنا بیٹا سمجھتی ہو، مگر تم نے ہم کو غلط ثابت کر دیا۔ یہ دو ٹکے کی لڑکی، جس کے باپ نے سر اٹھا کے ہماری عزت پر پانی پھیر دیا، تم نے کیسے ہمت کی اسے باران خان کی بیوی کے طور پر متعارف کروانے کی؟" زوبیہ خانم کی آنکھوں کے سامنے بار بار اپنے جوان خون میں لت پت بیٹے کی لاش گردش کر رہی تھی، جس کا چہرہ دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ہر لفظ میں غم، نفرت اور بے بسی کی آمیزش تھی۔

"بھابھی، بے شک یہ لڑکی خون کی قیمت چکا کر آئی ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ باران کے نکاح میں ہے۔ اسی حساب سے ہم نے اس کا تعارف بہو کی حیثیت سے کروایا ہے۔" اسماہ خانم

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نے ہمت کر کے جواب دیا، تو زوبیہ خانم کا غصہ اور بڑھ گیا، گویا سارا درد اس بات میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی آواز تیز اور تلخ ہو گئی۔

"بیوی؟ بس کرو اس بات کو! جب باران خود اسے اپنی بیوی کے طور پر قبول نہیں کرتا، تو تم نے کیا سوچ کے اسے بہو کے طور پر سب کے سامنے پیش کیا؟ ہم تو اس لڑکی کو اپنے ملازم کی حیثیت بھی دینے کو تیار نہیں! اور اسماء، تم ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، باران ہمارا بھی بیٹا ہے، اور اس کی خاندانی اور اصل بیوی سائرہ ہو گی، تم نے یاد رکھا؟" زوبیہ خانم کی آواز اتنی بلند تھی کہ حرم کے کمرے تک جا پہنچی، مگر وہ باہر جا کر دیکھنے کی زحمت بھی نہ کرتی۔ اسے ایسے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ دوسری طرف، زارا باران کی دوسری شادی کی خبر سن کر جیسے چکرا گئی تھی، اس کے دل میں درد اور چبھن بھر گئی تھی۔ اس کے سینے میں ایک کڑوا سا گزر ہوا، جیسے کوئی چھری گہری گھونپی ہو۔

"بھابی، ہم تمہاری بات سمجھ گئے ہیں، لیکن تم آہستہ بولو۔ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں، اگر وہ ہماری باتیں سن گئے تو پھر ہمارے شاہ میر کی کیا عزت رہے گی؟" اسماء خانم کی نرم

مگر فکر مند آواز سن کر، زوبیہ خانم نے گہرا سانس لیا۔ بات تو سچ تھی، مہمان اگر ان کی تلخ باتیں سن لیتے تو شاہ میر کی عزت پر سوالیہ نشان لگ جاتا۔ شاہ میر کو وہ دل و جان سے چاہتی تھیں، اسے اپنا شہزاد سمجھتی تھیں، اس لیے اب انہوں نے اپنی آواز ہلکی کر کے اسماہ خانم سے کہا،

"دیکھو اسماہ، یہ لڑکی ہمارے بیٹے کے خون کے بدلے آئی ہے، اس لیے اس کے ساتھ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، یہ ہم جانتے ہیں، اور مہمان کا تو ہم بھول ہی گئے تھے، آئندہ خیال رکھیں گے، لیکن اب تم کسی معاملے میں نہیں بولو گی۔" زوبیہ خانم کی آواز نرم تھی مگر ہر لفظ میں سختی کی گونج تھی، جسے سن کر اسماہ خانم کو مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑی۔ زوبیہ خانم کے کچن سے نکلنے کے بعد، اسماہ خانم بھی وہاں سے چلی گئیں مگر جانے سے پہلے اس نے افسوس بھری ایک نظر حبہ خانم کی طرف دیکھی، وہ سب کچھ سمجھ چکی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر اتنے دنوں تک زوبیہ خانم کو کچھ معلوم نہیں ہوا، تو اب یہ بات کیسے سامنے آئی؟ وہ جانتی تھیں کہ یہ

سب کچھ جبہ خانم کی چالاکی تھی، جو ہمیشہ یوں ہی زوبیہ خانم کے کان بھر دیتی تھیں، اور زوبیہ خانم، اپنی حساس طبیعت کی وجہ سے، ان باتوں میں آجاتی تھیں۔

وہ بیس سال کی تھیں جب حیدر خان کے نکاح میں آئی تھیں۔ شادی کے صرف ایک مہینہ بعد زوبیہ خانم اس حویلی میں آئیں۔ وہ سولہ سال کی کم سن لڑکی تھیں مگر حسن و جمال میں پورے خاندان میں ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ یہی خوبصورتی اور وقار ان کے غرور کی وجہ بنی۔ کان کی کچی طبیعت کی وجہ سے وہ دنیا کی تلخیوں سے ناواقف تھیں، اور یہی کمزوری تھی جس کا فائدہ جبہ خانم نے اٹھایا۔ مگر اسماہ خانم کی سمجھداری اور صبر نے ہمیشہ ان سازشوں کا منہ بند رکھا۔ زوبیہ خانم دل کی بری نہیں تھیں، مگر زبان تیز تھی اور ذہن کم عمری کی نرمی میں تھا۔ گھر میں لڑائی کا آغاز ہمیشہ جبہ خانم کی اشتعال سے ہوتا اور خاتمہ اسماہ خانم کے تحمل اور خاموشی سے۔ اصل میں، اسماہ خانم وہ ستون تھیں جنہوں نے اس بکھرتے خاندان کو اپنی برداشت اور صلح پسندی سے سنبھالا ہوا تھا۔ ورنہ جبہ خانم نے ہر جگہ تلخی کے بیج بو دیے تھے، دیورانی اور جیٹھانی کے بیچ جھگڑوں کا موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اسماہ خانم

خود بھی خیال رکھتی تھیں کہ زوبیہ خانم کو کوئی بات بری نہ لگے، کیونکہ جب زوبیہ خانم غصے میں آتی تھیں تو ان کی زبان تلوار کی طرح تیز ہو جاتی اور سامنے والے کا حال برا ہوتا۔ یہ تیز زبان ربان خان کی بے پناہ محبت کا اثر تھی، جس نے زوبیہ خانم کو وہ ہمت دی کہ وہ ہر حالت میں اپنے حق کے لیے کھڑی رہیں۔ اب ان کی ساری توجہ زارا پر مرکوز تھی۔ وہ جانتی تھیں کہ زارا ان کے غصے کی زد میں آئے گی اور حبہ خانم کو مزید شہ ملے گی۔

اسماہ خانم کے قدموں کی چاپ جب کچن سے دور ہوئی، تو کچن میں ایک عجیب سا سناٹا پھیل گیا۔ صرف دیگچیوں کی ہلکی سی کھڑ کھڑاہٹ اور زارا کی دھیمی سسکیاں باقی تھیں۔ خاموشی کے اس کٹے ہوئے پردے کو سائرہ کی طنزیہ مسکراہٹ نے چیر ڈالا۔ اُس کے لبوں پر ایسی فاتحانہ تلخی تھی جو کسی شکست خوردہ دشمن کو آخری چوٹ دینے سے پہلے آتی ہے۔ وہ اپنے غرور بھرے انداز میں زارا کے قریب آئی، اور ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ اپنے سخت ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ زارا کا چہرہ پل بھر کو خوف اور درد کے احساس سے سکڑ گیا۔

"سمجھ آئی تمہیں اپنی اوقات؟"سائرہ کی آواز میں زہر گھلا ہوا تھا۔"تمہاری حیثیت بس یہاں ہے..."اُس نے اپنے قدموں کی طرف اشارہ کیا،"یہاں، میرے پاؤں تلے۔ باران صرف میرا ہے۔ وہ تم جیسی کالی، معمولی سی ونی کو کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ بیوی بننے آئی ہو؟ آئینہ دیکھا ہے کبھی؟"یہ کہتے ہوئے سائرہ نے ایک جھٹکے سے زارا کو دھکا دیا۔ زارا کا وجود پیچھے جا کر شیلف سے ٹکرایا۔ ایک بھاری دھچکا اس کی ریڑھ کی ہڈی میں لگا،اور وہ درد سے دہری ہو گئی۔ کمر میں چبھتا درد، آنکھوں میں بہتے آنسو اور دل میں جلتی ذلت، تینوں نے اسے اندر سے لرزا دیا۔ وہ فرش پر بیٹھ کر سسکنے لگی، مگر آواز اتنی مدھم تھی جیسے کسی کی عزت آہستہ آہستہ مر رہی ہو۔ سائرہ گردن اکڑا کر، غرور کے خول میں لپٹی، کچن سے باہر نکل گئی۔ رشیدہ، جو تب تک کونے میں کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی، اب آگے بڑھی۔ اس کے چہرے پر ایک سفاکی بھری سنجیدگی تھی۔

"اُٹھ! جلدی کر، کھانا بنا۔ بہت وقت برباد ہو چکا ہے۔ بعد میں اور کام بھی بتانے ہیں!"اس کا لہجہ کسی حاکم کا تھا، جو کسی غلام کو یاد دلا رہا ہو کہ وہ محض ایک کام کرنے والی چیز ہے، انسان

نہیں۔ زارا نے فرش سے سہارا لیتے ہوئے خود کو آہستہ آہستہ اُٹھایا۔ ہر حرکت پر کمر میں درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں، لیکن آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو وہ دائیں آستین سے پونچھ کر فریج کی جانب بڑھی۔ اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، دل دکھی تھا، اور روح ٹوٹنے کے دہانے پر کھڑی تھی، لیکن ان سب کے باوجود، وہ چپ چاپ کام کرنے لگی۔ چولھا جلایا، مصالحے سنبھالے، اور نہاری کی تیاری شروع کر دی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، یا جیسے ہر درد کو سہار لینا اس کا مقدر ہو، یا اسے یہ سب سہنے کی عادت ہو۔

رات کے سناٹے میں حویلی کے اونچے ستون اور لمبی راہداریوں پر اندھیرا بکھرا ہوا تھا۔ وقت بارہ بجا چکا تھا۔ سب اہلِ خانہ اور ملازم اپنے اپنے کمروں میں سکون سے سو چکے تھے، لیکن کچن کی زرد روشنی میں اب بھی ایک کمزور وجود مسلسل حرکت میں تھا۔ کبھی یہ وہی زارا تھی جو صرف کھانا بنایا کرتی تھی، اور برتن دھونا، صفائی کرنا، یہ سب ملازمین کی ذمے داری تھی۔ مگر اب وہ اکیلی تھی۔ ایک وسیع و عریض کچن، چمکتے فرش، پالش شدہ الماریاں اور بھاری دیگچیاں اُس کی ذمہ داری بن چکے تھے۔ وہ خود کو جیسے کسی مشین کی صورت ڈھال چکی

تھی، جسم تھکا ہوا، مگر ہاتھوں کی رفتار میں ابھی بھی ایک عجب سی بے قراری باقی تھی۔ زارا نے دوپہر سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ رشیدہ کا سخت حکم تھا کہ کام مکمل ہونے کے بعد ہی کھانے کی اجازت ہوگی۔ یہی سوچ کر وہ اپنے قدموں کو زبردستی گھسیٹتی رہی تھی، کہ شاید رات کے کسی کونے میں اسے بھی دو نوالے نصیب ہو جائیں۔ اُسے اپنے بچپن کی یاد تھی۔ وہ ہمیشہ سے بھوک کے معاملے میں کمزور تھی، تھوڑا سا بھی خالی پیٹ رہنا اُس کے لیے مشکل ہوتا تھا۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے، جب آخر کار وہ برتن دھو کر خشک کر چکی، کیبنٹ میں ترتیب سے رکھ چکی، اور فرش بھی چمکا چکی، تب اُس نے خود کو بمشکل سیدھا کیا اور فریج کی طرف بڑھی، لیکن جیسے ہی اُس نے ہینڈل کھینچنا چاہا، فریج نے انکار کر دیا، تالا لگا ہوا تھا۔ اُس لمحے جیسے کسی نے زارا کے اندر کی ہمت کی آخری سانس چھین لی ہو۔ اُس کی نظریں خالی ہو کر فریج پر ٹک گئیں۔ یاد آیا، اس نے خود اپنے ہاتھوں سے دوپہر کا بچا کھچا کھانا فریج میں رکھا تھا، رشیدہ کے سامنے۔

"کیا رشیدہ جاتے جاتے فریج لاک کر گئی؟" یہ خیال آتے ہی زارا کی آنکھوں کی نمی، اندر کا تھکن، سب مل کر اُس کے جسم پر بھاری ہو گئے۔ وہ بے اختیار قریبی کرسی پر گر سی گئی۔ کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی۔ پلکیں سوجی ہوئی تھیں، اور بدن میں ہلکا سا لرزہ تھا۔ اچانک سے وہ اُٹھی، جیسے کوئی امید کا آخری کنارا تھامنا چاہتی ہو۔ وہ ایک ایک کر کے تمام کیبنٹ کھولنے لگی، لیکن حیرت اُس وقت ٹوٹ کر برس گئی، جب معلوم ہوا کہ برتنوں کے کیبنٹ کے سوا، ہر الماری مقفل تھی۔ پھر نظر ایک پرانے ہاٹ پاٹ پر پڑی۔ زارا لپکی اور اسے کھول کر دیکھا، تو اندر چند سوکھی، ٹوٹی ہوئی ڈبل روٹی کے ٹکڑے پڑے تھے۔ شاید کسی نے ناشتہ بچا کر رکھ دیا ہو۔ وہ ان ٹکڑوں کو ایک پلیٹ میں رکھ کر پانی کا گلاس لیے، کچن کے کونے میں پڑے چھوٹے سے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ چہرے پر خاموشی کا سا سایہ، آنکھوں میں شکست کا عکس تھا۔ چہرے پر تھکن کا رنگ غالب تھا، مگر اندر کہیں ایک ننھی سی چنگاری اب بھی زندہ تھی، وہی چنگاری جو ہر بار کے وار کے بعد اُسے سنبھلنے پر مجبور کرتی تھی۔ اُس کے گالوں پر ابھی بھی آنسوؤں کی ہلکی نمی موجود تھی، لیکن اس بار اس نے اپنی نم آنکھیں

پونچھ ڈالیں۔ کپکپاتے ہاتھوں سے نہیں، بلکہ نرمی اور خودداری سے، جیسے کوئی اندر سے خود کو تھپتھپا کر کہہ رہا ہو۔

"نہیں زارا، بس بہت ہو چکا۔ تُو کمزور ہو سکتی ہے، لیکن بے وقعت نہیں۔" وہ روٹی کو پانی میں بھگو کر نوالہ بنا رہی تھی، جیسے اپنی زندگی کو بھیگے نوالوں کی طرح نگلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہر نوالہ اُس کے اندر خاموشی سے اُتر رہا تھا، مگر ایک شور تھا جو دل میں گونج رہا تھا۔ اپنی ماں کی یاد، اس کا لمس، وہ آغوش جس نے کبھی بھوکا سونے نہ دیا تھا۔

اچانک ہی اسے اپنی ماں کی آواز یاد آئی، جو اکثر کہا کرتی تھیں، "زارا، جس دن دنیا تجھے جھکا دے، اُس دن اپنے اندر کی عورت کو آواز دینا۔ وہی تیرے سر کو دوبارہ بلند کرے گی۔"

یہی سوچ کر زارا نے گہری سانس لی، اور پانی کا آخری گھونٹ پی کر، وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شال کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹا، اور ایک آخری نظر فریج پر ڈال کر ہلکے قدموں سے اسٹور روم کی سمت بڑھی۔ اس بار اُس کے قدموں میں معمولی سی ٹھہراوٹ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی، لیکن اب یہاں تھی، اور ہر دن اُس کے حوصلے کو کچھ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور سخت کر رہا تھا۔ اسٹور روم، وہ کمرہ جو حویلی کے مرکزی دروازے کے ساتھ ایک اندھیرے گوشے میں واقع تھا۔ دروازہ کھولا، تو ایک خستہ حال منظر سامنے آیا، دھول کی موٹی تہہ، بوسیدہ بکسے، ٹوٹے برتن اور دیوار پر جمی جالیاں۔

"یہ سونا ہے؟ سزا ہے؟ یا امتحان؟" زارا پیچھے ہٹ گئی، اور کچن کی طرف واپس مڑ گئی۔ کچن میں داخل ہو کر، اُس نے بے بس نگاہ کرسی پر ڈالی۔ زمین تو برف کی مانند یخ ہو چکی تھی، اور اس کے پاس اوڑھنے کو صرف وہی پرانی پشمینہ شال تھی جو اب اُس کے وجود کا واحد تحفظ بن چکی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر خود کو شال میں لپیٹتی، اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگاتی، کچن کی زرد روشنی تلے ایک خاموش مجسمہ بن گئی۔ کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کیں، تو ایک آنسو آہستہ سے پلکوں کے کونے سے نکل کر کنپٹی میں جذب ہو گیا۔

"یہ سب سہنا مجبوری ہے، لیکن ہر بار ٹوٹ جانا نہیں۔ کل شاید کچھ بدلے، اور اگر نہ بھی بدلے تو میں کم از کم اپنی نظر میں گرا ہوا چہرہ نہیں دیکھوں گی۔" اس کے ضمیر نے جیسے اسے کچھ

حوصلہ دیا۔اُس کے چہرے پر اب بھی غم تھا،لیکن اُس غم میں اب شکست کا رنگ مدھم پڑ چکا تھا۔وہ بے بس ضرور تھی،پر ہار ماننے والی نہیں۔

اور وہ پہلی بار یوں سوئی،کہ اندر سے کچھ بولتا رہا،"بس تھوڑا اور زارا... تھوڑا اور سہہ جا... شاید کل کا دن آج سے بہتر ہو۔"اور پھر نیند کی خاموش،اندھیری چادر اُس کے وجود پر اترنے لگی۔ایک ایسی نیند،جو تھکن سے بھری،بے بسی سے لت پت اور کسی ماں کی آغوش کے بغیر تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

رات کا وہ پہر تھا جب خاموشی خود میں سانس لینے لگتی ہے۔آسمان پر ستارے کچھ زیادہ ہی روشن دکھائی دے رہے تھے،شاید چاند بھی اُس زمین کی کسی کہانی کو سننے کے لیے رک گیا تھا۔حویلی سے دور،ڈیرے کا وہ وسیع صحن جس میں سناٹے سے زیادہ اعتبار تھا،اس وقت روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔درمیان میں جلتا ہوا بون فائر،آگ کے شعلے کی طرح تھرکتا ہوا، دونوں نوجوانوں کی خاموشی میں بول رہا تھا۔باران حیدر سیاہ شال میں لپٹا،گرے رنگ کی

شلوار قمیض پہنے، ہمیشہ کی طرح وقار اور تمکنت کا پیکر، نیم دراز حالت میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ہاتھ سر کے نیچے رکھے،وہ آسمان پر چاند کی جانب دیکھ رہا تھا جیسے اس کی کسی خاموش التجا کا جواب وہیں سے ملنے والا ہو۔شاہ میر، جو پاس ہی رکھی کرسی پر بیٹھا تھا،سفید کُرتا ٹراؤزر اور قدرے بکھرے بالوں میں اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔وہ موبائل اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، جیسے کچھ کھو رہا ہو یا کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہو۔باران نے یکایک خاموشی کو توڑا۔

"شاہ میر"

آواز دھیمی مگر گہرائی سے لبریز تھی، جیسے الفاظ کسی وزنی سوچ سے کشید ہو کر نکلے ہوں۔شاہ میر نے بنا نظریں اٹھائے ایک مختصر سا "ہمم؟" کہا۔

"ایک بات پوچھوں؟" یہ کہتے ہوئے باران نے چاند سے نظر ہٹا کر شاہ میر کی طرف رخ کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہیں مجھ سے کب اجازت لینے کی ضرورت پڑی؟ جو پوچھنا ہے، پوچھو۔" شاہ میر نے مسکرا کر جواب دیا۔ باران نے لمحہ بھر کو توقف کیا، جیسے اپنے سوال کے اثرات کا اندازہ لگا رہا ہو۔

"تم جبران کی بہن کو پسند کرتے ہو؟" یہ سوال ایسے اٹھا جیسے پرسکون پانی میں پتھر پھینکا گیا ہو۔ موبائل کی سکرین پر شاہ میر کی انگلیاں تھم گئیں۔ اس نے چونک کر باران کی طرف دیکھا، جہاں اب وہ سنجیدگی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسے مت دیکھو، میں صرف تمہارا بھائی نہیں، دوست بھی ہوں۔ تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتے، اور تمہاری آنکھوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم اسے دل سے چاہنے لگے ہو، ہے نا؟" باران اب سیدھا ہو کر بیٹھ چکا تھا۔ اس کے لہجے میں وہ گہرائی تھی جو صرف بھائیوں کے بیچ کی دوستی میں آتی ہے۔ شاہ میر نے ایک گہری سانس لی، جیسے اندر کسی ادھورے جذبے کو مکمل الفاظ دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

"باران، میں خود نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔ وہ مجھے صرف اچھی لگتی ہے یا کچھ زیادہ؟ جب جبران نے یہاں سے واپس جانے کی بات کی، تو..." وہ رُک گیا۔ "تو ایسا لگا جیسے میرے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دل کے اندر کا کچھ بہت قیمتی چھننے لگا ہو۔ ایک خلا سا محسوس ہوا۔ "باران بغور سن رہا تھا، جیسے ہر لفظ کے پیچھے چھپی صداقت کو چہرے پر تلاش کر رہا ہو۔ "وہ لڑکی عجیب سی ہے، باران۔ نہ کسی سے بات کرتی ہے، نہ مسکراتی ہے، جیسے کوئی طوفان اس کے اندر بسا ہو۔ "باران نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا، "ہاں، وہ واقعی عام نہیں، اور یہی بات مجھے اس پر شک کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ایک ایسی الجھن میں پھنسو جس کا انجام دکھ ہو۔ "شاہ میر کی آنکھوں میں روشنی سی جھلکی، جیسے وہ باران کی فکر کو سمجھ رہا ہو، مگر دل کسی اور ہی سمت میں بہک رہا تھا۔

"لیکن باران، میں چاہتا ہوں کہ اس کی آنکھوں میں وہ نمی دیکھوں جو برسوں کی چپ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کی خاموشی میں ایک کہانی چھپی ہے، شاید وہ خود کو محفوظ نہیں سمجھتی، لیکن میں اُسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس محفوظ ہے، چاہے جیسے بھی ہو۔ وہ جیسی ہے، ویسی ہی اچھی لگتی ہے مجھے۔ "باران نے حیرت سے اپنے بھائی کو دیکھا، جیسے پہلی بار اس نے اُس کی آنکھوں میں اتنی پختگی، اتنا خلوص دیکھا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم شاید ابھی خود نہیں جانتے، لیکن تم اسے دل دے چکے ہو، شاہ میر۔ وہ لڑکی تمہارے لیے خاص ہو چکی ہے۔" باران کی آواز ٹھہری ہوئی تھی، کچھ لمحوں بعد وہ نرم لہجے میں گویا ہوا، "میں کل بابا سے بات کرتا ہوں، جبران سے تمہارا رشتہ طے کرنے کی بات چھیڑوں گا، لیکن بس ایک دعا ہے کہ میرے خدشے، جو میرے دل میں چھپے ہیں، وہ سچ نہ ہو جائیں۔" یہ کہہ کر باران نے خاموشی اختیار کی، لیکن اُس کے الفاظ شاہ میر کے دل میں اتر چکے تھے۔ شاہ میر نے آہستگی سے باران کی طرف جھکتے ہوئے اُسے گلے لگا لیا، ایک ایسا گلے لگانا جس میں شکر گزاری، امید اور ایک خاص خواب کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ صحن میں جلتی آگ کی لپٹیں تھرک رہی تھیں۔ آسمان پر چاند نے شاید یہ سب کچھ سن لیا تھا، اور اب وہ آہستہ آہستہ بادلوں کی چادر میں چھپ رہا تھا جیسے اُن دونوں کی اگلی کہانی سننے کے لیے صبح کا انتظار کر رہا ہو۔

"باری، تم ابھی کچھ نہ کہنا، وہ بات میں خود کر لوں گا۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تم میرے ساتھ ہو۔" باران نے خاموش مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔ اُس کے انداز میں

وہی بھروسہ تھا جس پر شاہ میر ہمیشہ ناز کرتا تھا۔ چند لمحے خاموشی میں گزرے، پھر باران نے آنکھیں موند کر کندھے سے ٹیک لگاتے شاہ میر کو چھیڑتے ہوئے کہا،"ابے ذرا دور ہو جا! مان لیا میں بہت خوبصورت ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تُو مجھے اپنی محبوبہ سمجھنے لگے۔"

"واللہ! مجھے نہیں چاہیے داڑھی مونچھ والی محبوبہ۔ ایسی محبوبہ صرف جنگل میں اچھی لگتی ہے۔"شاہ میر نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"بس، جلتے رہو میرے حسن سے۔ یہ داڑھی مونچھ مرد کی شان ہوتی ہے، اور تُو؟ تیرا چہرہ ایسا لگتا ہے جیسے بنجر زمین پر کہیں کہیں ہلکی گھاس اگ آئی ہو۔"باران نے اپنی بھوری گھنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا، جیسے اپنی بات میں وزن بھر رہا ہو۔

شاہ میر نے ناک چڑھاتے جواب دیا،"اور تیری مونچھیں؟ پورا جنگل اگ آیا ہے منہ پر۔ خیر، میری لائٹ بیئرڈ مجھ پر خوب جچتی ہے۔ صاف ستھری، تمیز دار، اسٹائلش۔"

"تمیز تو تجھ سے ایسے جھلک رہی ہے جیسے گدھے پر مخمل کا کمبل ڈال دیا ہو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باران! میرے ہاتھوں ضائع نہ ہو جانا۔" شاہ میر کے صبر کا بندھن آخری کنارے پر تھا، دانت پیستے ہوئے بولا۔

"آیا بڑا 'میرے ہاتھوں ضائع نہ ہو جانا'۔ مفت مال سمجھ رکھا ہے کیا تُو نے مجھے؟" باران نے مزے سے اُس کی نقل اتاری۔ شاہ میر کا دل چاہا کہ ایک گھونسہ رسید کرے، لیکن پھر خود کو روک لیا۔ 'پہلے اپنی ٹرین صحیح پٹری پر آجائے، پھر اس سے نمٹوں گا'، دل ہی دل میں سوچتے ہوئے ہنسا۔

"اچھا چھوڑ، یہ بتا زارون کہاں غائب ہے؟" اس نے باران کے چہرے سے شال کھینچی، جو اُس نے لیٹتے ہوئے اوڑھ لی تھی۔ باران نے آنکھیں کھول کر ایک نظر اسے دیکھا، پھر جیسے بے نیازی سے بولا، "کہہ رہا تھا ہاسپٹل جانا ہے، گیا ہو گا وہیں۔"

"ہمم، میں اسے فون کرتا ہوں، جہاں بھی ہے، یہیں آجائے، رات یہیں رک جائیں گے، موسم بھی بہت اچھا ہو رہا ہے۔" شاہ میر نے زارون

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کو کال کی، مگر فون جاجا کر بند ہو گیا۔ شاہ میر نے دوبارہ کال لگائی، مگر دوسری بار بھی یہی ہوا۔ کوئی عقل مند انسان ہوتا تو سمجھ جاتا کہ سامنے والا نیند میں ہے، لیکن شاہ میر بھی اپنے نام کے مطابق ایک ہی ڈھیٹ تھا، وہ لگاتار فون کرتا رہا۔ چھٹی بار کال پر تیسری بیل بجی اور فون اٹھالیا گیا۔ زارون ابھی کچھ دیر پہلے سویا تھا۔ اس کے ایک سینئر ڈاکٹر رشتہ دار کی وفات ہوئی تھی، اس لیے وہ آج نہیں آئے تھے اور اسے ڈبل شفٹ دینی پڑی تھی۔ رات کے ایک بجے ہسپتال سے آتے ہی جوتے اتارے، کپڑے بدلے اور سونے لیٹ گیا تھا۔ نیند نے چند ہی لمحوں میں زارون کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ابھی اسے سوئے ہوئے کچھ ہی وقت ہوا تھا کہ فون بجنا شروع ہو گیا۔ نیند میں ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر تکیہ کان پر رکھا۔ اسے یقین تھا کہ ہسپتال سے فون نہیں ہو گا، کیونکہ جن سینئر ڈاکٹروں نے چھٹی لی تھی وہ خود آ گئے تھے اور زارون کو بریک دے چکے تھے۔ اسے صرف پانچ گھنٹے کا وقفہ ملا تھا۔ اس کے دماغ کو ان بار بار کی کالز نے ہلا دیا تھا۔

پانچویں بار کال پر بھی جب فون چپ نہ ہوا تو زارون کا ضبط جواب دے گیا۔ چھٹی بار کال پر، تیسری بیل بجتے ہی زارون نے فون اٹھایا اور دھاڑا، "کون ہے؟ کس کی جان کو سکون نہیں ہے؟ جب ایک انسان فون نہیں اٹھا رہا تو سمجھ جانا چاہیے کہ وہ آدھا مردہ ہو چکا ہے!" فون سے نکلتی ہوئی اس دھاڑ کی آواز پر شاہ میر اور باران دونوں ہنس پڑے۔ شاہ میر نے فون کو سپیکر پر رکھ دیا تاکہ باران بھی بات سن سکے۔

"زارون، بات کرنے کی تمیز بھول گئے ہو؟ کیا مجھے اب تمہیں سکھانا پڑے گا کہ بات کیسے کی جاتی ہے؟" باران کی سنجیدہ آواز نے زارون کے چودہ طبق روشن کر دیے۔ شاہ میر موبائل کو باران کے مضبوط سینے پر رکھ چکا تھا۔

"لالا، سب خیریت؟ آپ نے اس وقت فون کیوں کیا؟ معاف کرنا، مجھے لگا کوئی دوست مجھے تنگ کر رہا ہے، نمبر دیکھا نہیں تھا، لیکن یہ تو شاہ لالا کا نمبر ہے!" زارون نے فون کان سے ہٹاتے ہوئے حیرت سے کہا، مگر جب سامنے باران کے بجائے شاہ میر کا نمبر دیکھا تو فون فوراً واپس کان سے لگا لیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں، میں ہی فون کر رہا تھا، لیکن تم فون ہی نہیں اٹھا رہے تھے۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا اور باران کو دیکھ کر آنکھ ماری۔

"لالا، آپ دونوں کہاں ہیں؟ ٹھیک تو ہو نا؟" زارون کی تھکی ہوئی آواز میں فکر جھلک رہی تھی، جسے سن کر شاہ میر اور باران دونوں کو اس پر بے حد پیار آیا۔ شہزاد کی موت کے بعد وہ اپنے بھائیوں کے لیے بہت حساس ہو چکا تھا۔

"ہاں، ہم بالکل ٹھیک ہیں، ہم ڈیرے پر ہیں، سوچا تمہیں بھی یہاں بلا لیں۔" شاہ میر نے کہا۔

"نہیں لالا، میں بہت تھکا ہوا ہوں، چھ بجے پھر سے ڈیوٹی جوائن کرنی ہے، ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا تھا، آپ نے اٹھا دیا۔" زارون کی آواز میں تھکاوٹ واضح تھی۔

"یار، مجھے نہیں پتہ تھا، میرے بچے، چل آرام کر، اللہ حافظ۔" شاہ میر نے الوداعی کلمات ادا کرتے فون بند کیا اور پاس رکھے ٹیبل پر رکھا۔ زارون نے کال بند کرنے کے بعد دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی کے بعد صرف چار گھنٹے کی نیند اس پر بھاری تھی۔

"ارمان اور موسیٰ کو فون کرتا ہوں، وہ لوگ آجائیں۔" شاہ میر نے فون اٹھایا تاکہ کال کرے، مگر باران نے شاہ میر کے ہاتھ سے فون چھین لیا۔

"شاہ میر، کیا ہو گیا ہے؟ آدھی رات کو کیوں سب کی نیند خراب کر رہا ہے؟" باران نے بھنویں چڑھا کر کہا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی، سوچا موسیٰ اور ارمان کو بلا لوں، اچھا ٹائم پاس ہو جائے گا۔" شاہ میر نے معصومیت سے کہا۔

شاہ میر کی معصومیت پر باران خود ہنس پڑا۔ شاہ میر اور معصوم؟ یہ جوڑ ممکن نہیں تھا۔

"نہیں، مطلب تمہیں نیند نہیں آ رہی تو دوسروں کو تو سونے دو، اور ارمان کا کل پیپر ہے، اسے تنگ نہ کرو، اور موسیٰ؟ وہ اسلام آباد چلا گیا ہے۔" باران نے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے شاہ میر کو روکا۔

"یہ موسیٰ کیا ہر وقت اسلام آباد ہی رہتا ہے؟ جب بھی پوچھو یہی پتہ چلتا ہے کہ شہر سے باہر ہے یا ملک سے باہر۔" شاہ میر نے تجسس سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شاہ،وہ سیاستدان بن چکا ہے،اپنا بزنس بھی سنبھالتا ہے۔اس کے کام کی نوعیت ایسی ہے۔ اب چپ کر کے سو جا،اور مجھے بھی سونے دے۔"باران کہتا ہوا کروٹ بدل گیا۔

"یار،مجھے نیند نہیں آ رہی،میں کیا کروں؟"شاہ میر نے زور سے باران کے کندھے کو ہلایا۔

"اپنی محبوبہ کو یاد کر۔"باران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔"شاہ میر کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"میں نے سنا ہے لوگ محبت میں باؤلے ہو جاتے ہیں،آج تمہیں دیکھ بھی لیا۔"باران کی بڑبڑاہٹ شاہ میر کے کانوں سے مخفی نہ رہی،شاہ میر کا دلکش قہقہہ فضا میں گونج اٹھا۔

☆..☆..☆..☆

جبران اس وقت حرم کے کمرے میں موجود تھا،بڑی سی بالکنی میں رکھے نرم و ملائم صوفے پر بیٹھا ہوا،گود میں لیپٹاپ ٹاپ تیزی سے چلاتا جا رہا تھا۔جب کہ حرم صوفے

کے پائنتی کے پاس کھڑی، چہرے پر سنجیدگی اور اضطراب لیے، جبران کو ہدایات دے رہی تھی۔

"یہ والی ویڈیو دوبارہ ریوائنڈ کرو،" اس کی آواز میں جتنی جلدی تھی اتنی بے چینی بھی۔ اس کی سرمئی آنکھیں، جو عام حالات میں شدید اور پُر اثر ہوتی تھیں، آج خون کی لالی سے سرخ اور تھکی ہوئی لگ رہی تھیں۔ اس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی مضبوطی تھی، ایسی جو نہ صرف حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی بلکہ انہیں چیر کر نکلتی تھی۔ مگر آج وہ مضبوطی بھی ٹوٹنے کے قریب تھی، ایک ایسی اندرونی لہر کے آگے جو شاید بہت پہلے ہی اس کے دل و دماغ میں گہرائی تک اتر چکی تھی۔ ویڈیو میں دکھایا جانے والا وہ منظر، جہاں ایک لڑکی بے دردی سے ٹارچر کی جا رہی تھی، حرم کے اندر چھپے ہوئے زخموں کو چھیڑ رہا تھا۔ وہ لڑکی، جس کے آنسو اور درد کو دیکھ کر اکثر حرم اپنے آپ کو دیکھتی تھی؛ پُر عزم مگر شکست خوردہ، جیتی ہوئی مگر ٹوٹتی ہوئی۔ خون کی سرخی آنکھوں میں اس درد کی علامت تھی جو وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی تھی۔ آنکھیں جھپکنے کے باوجود درد پانی کی طرح بہنے لگا۔ وہ سکرین سے نظریں

ہٹا کر سامنے جھرنے کے نرم پانی کی طرف دیکھنے لگی، جیسے پانی کے بہاؤ میں اپنی بے بسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ سانس لینے کی کوشش کی، مگر ہر سانس اس کے سینے میں گہرا درد لے کر آرہا تھا، گہرائی میں چھپی وہ کیفیت جو اس کے ساتھ روزانہ کی طرح چلتی تھی مگر کبھی کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ماتھا پسینے سے تر تھا، اور ہر سانس اس کے سینے میں چبھنے والے درد کا احساس لے کر آرہی تھی۔ سانس لینا مشکل ہو رہا تھا، ہر ایک پل پینک اٹیک کی حدت محسوس ہوتی تھی، لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ جبران نے گردن موڑ کر حرم کی جانب دیکھا، جس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

"اے میرے اللہ! یہ سب؟ حرم، تمہاری دوائی کہاں ہے؟" جبران کی آواز میں اضطراب اور سختی تھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور حرم کی جانب دوڑا، جو گردن دونوں ہاتھوں میں دبا کر، گہری اور بے ترتیب سانسیں لے رہی تھی۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر اسے سہارا دیتا ہوا صوفے پر بٹھانے لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"دوا کہاں ہے؟ میری بات سنو، تمہاری دوائی کہاں ہے؟"جبران دھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حرم کی ناک سے بلیڈ نگ ہو رہی تھی،اس کا چہرہ پسینے اور خوف کی وجہ سے تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ پینک اٹیک کے شدید حملے میں تھی۔ جبران نے کمرے کے ہر دراز کو کھول کر دوائیاں تلاش کیں، لیکن کہیں دوائی نہ ملی،نہ ہی وہ انہیلر۔ حرم کی حالت دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے ساتھ پہلے بھی پینک اٹیک ہوئے تھے، مگر آج کی شدت نے جبران کے دل میں خوف بھر دیا تھا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سوات میں بارشوں کا سلسلہ زور پکڑ چکا تھا۔ تیز، طوفانی بارش آسمان سے پتھریلی زمین پر ایک دھواں دار لہروں کی مانند برس رہی تھی۔ پہاڑی راستے پانی کے بہاؤ کی گرفت میں تھے،اور حدِ نگاہ تک دیکھو تو محسوس ہوتا تھا کہ بوندیں ہوا کی مخالف سمت میں اپنی شدت کے ساتھ برستی جا رہی تھیں۔ ہوا اتنی سرد اور تیز تھی کہ گویا ہڈیاں چیر کر گزرتی جا رہی ہو۔ بجلی کی گرج اور چمک کے درمیان اندھیری شام کے منظر میں،ایک بلیک بی ایم ڈبلیو تیز

رفتار سے خان حویلی کی جانب داخل ہوئی۔ گاڑی کے دروازے کھلے اور دو لمبے چوڑے وجود، بارش کے پانی سے بھیگتے ہوئے، بھاگتے ہوئے حویلی کے داخلی دروازے کو عبور کر گئے۔

"شکر ہے، وقت پر پہنچ گئے۔ اب تک تو پورا راستہ بند ہو چکا ہو گا،" باران نے اپنے بھیگے ہوئے شال کو زور سے نچوڑ کر دروازے کے پاس رکھی ٹوکری میں ڈال دیا۔

باران اور شاہ میر کو ڈیرے پر چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوئی، جو اب تیزی سے شدید بارش میں بدل رہی تھی۔ شاہ میر نے تو کہا تھا کہ آج رات یہیں مہمان خانے میں رک جاتے ہیں، مگر باران نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ابھی وہ لوگ اپنا ڈیرا چھوڑ کر نہ نکلے، تو صبح تک یہاں سے حویلی جانے والا راستہ پانی میں ڈوب جائے گا۔ ان کا ڈیرا حویلی سے تھوڑا دور، ایک ویرانے اور کچے راستے پر تھا، جہاں کوئی پکی سڑک نہیں تھی۔ مٹی نرم اور بارش کے بعد دلدل بن جاتی تھی، جس کی وجہ سے راستہ اکثر بند رہتا تھا۔ دونوں نے معمولی سا آدھے گھنٹے کا فاصلہ مشکل حالات میں ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا تھا۔ وہ دونوں جب بھی ساتھ نکلتے، گارڈز کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تو کہہ رہا تھا کہ وہیں رک جاتے، تمہیں ہی ڈر لگ رہا تھا،"شاہ میر نے ہنستے ہوئے باران کا مذاق اڑایا۔

"ڈر تو نہیں، لیکن قدرت کے نظام کے آگے ہر انسان بے بس ہے،اور میں بھی اللہ کا ایک بندہ ہوں۔"باران نے سنجیدگی سے کہا۔

"بس بس،دونوں بھائی مجھے شرمندہ کر رہے ہیں،"شاہ میر تپ کر بڑبڑایا اور اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا، جو مہمان خانے سے گزرتا تھا۔باران بھی سر ہلاتا اپنی راہ لیے سیڑھیوں کی جانب بڑھا، لیکن اچانک اس کے قدم کچن کے قریب رکے۔اس نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے بند کچن کے دروازے کی جانب دیکھا۔ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سرگوشی میں بات کر رہا ہو۔ آہستہ سے دروازہ کھولتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا۔ کچن میں گہرا اندھیرا تھا، لیکن اب سرگوشیوں کی آوازیں زیادہ واضح ہونے لگی تھیں۔

"مورے مجھے ڈر لگ رہا ہے مورے، مجھے آپ کے پاس آنا ہے"زارا کچن میں رکھے چھوٹے ڈائننگ ٹیبل کے نیچے،اپنے آپ میں سمٹی بیٹھی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے، چہرہ ان

میں چھپائے وہ لرزتی ہوئی آواز میں روتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ بارش کی گھن گرج، بجلی کی چمک اور کڑاکے دار آوازیں، اس کے دل کو جھنجھوڑ رہی تھیں۔ اسے بچپن سے ایسی آوازوں سے ڈر لگتا تھا۔ جب کبھی ایسا موسم ہوتا، وہ اپنی مورے کے بستر میں جا گھستی۔ مورے کی باہنیں اس کی ڈھال ہوتی تھیں۔ یا پھر زرینہ خاتون ہی اس کے کمرے میں آ کر اس کے قریب سو جاتی تھیں۔

لیکن آج نہ ماں تھی، نہ ماں کی باہنیں۔ بس گھپ اندھیرا تھا، اور ہر آسمانی کڑاکے پر زارا کی روح تھر تھر کانپتی تھی۔ اس کی آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں، چہرے پر آنسو اور خوف کی آمیزش نے اس کا وجود بے جان سا کر دیا تھا۔ جب بجلی کڑکتی، وہ مزید اپنے اندر چھپنے کی کوشش کرتی۔

پھر اسے دروازے کے کھلنے کی آواز سنائی دی وہ سہم کر رہ گئی۔ سنبھلنے کی بجائے اور زیادہ سکڑ گئی، دونوں بازوؤں سے خود کو جکڑ لیا۔

"اللہ جی، مجھے بچالیں میں مرنا نہیں چاہتی شاید بھوت آگیا ہے" وہ سفیر کی بات یاد کر کے اور زیادہ خوفزدہ ہو گئی وہ اکثر بچپن میں زارا کو ڈرایا کرتا تھا کہ طوفانی راتوں میں جن، بھوت گھر میں گھس آتے ہیں۔ یہ وہی باتیں تھیں جنہوں نے زارا کے اندر کے خوف کو کبھی مرنے نہ دیا۔

باران، جو اب تک کچن کی دہلیز پر کھڑا ہر ہلکی سی آہٹ کو محسوس کر رہا تھا، یکدم آگے بڑھا۔ دروازے کے پیچھے جیسے کوئی دبے پاؤں سرسراتا تھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ اکیلا نہیں تھا۔ وہ محتاط قدموں سے ٹیبل کے پاس آیا، اور جھک کر دیکھا، وہاں، ایک کانپتی ہوئی "پوٹلی" سی سمٹی پڑی تھی۔ جیسے کوئی ننھا سا پرندہ طوفان میں پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔ باران نے موبائل نکال کر ٹارچ آن کی اور ٹیبل پر رکھا۔ کچن کی فضا میں ایک مدھم روشنی ابھری۔ روشنی نے زارا کے چہرے کے گرد سائے بنائے، اور وہ منظر کسی ڈرے سہمے بچے کی طرح دکھائی دینے لگا۔

"کون ہے؟ باہر آؤ!" باران نے سخت مگر محتاط لہجے میں کہا۔ اس کی آواز پر زارا کی سرگوشی مزید بے بس ہو گئی۔

"اللہ جی، مجھے اس بھوت سے بچالیں میں نمازیں پڑھتی ہوں جھوٹ نہیں بولتی بانو آپا کی طرح چوری بھی نہیں کرتی مجھے معاف کر دیں۔" یہ الفاظ سنتے ہی باران کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت چھا گئی۔ ہنسی نہیں، ترس نہیں، بس ایک ایسی خاموشی، جس میں بے آواز حیرانی، نرمی، اور ایک عجیب سا "بن کہا" جذبہ شامل تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ کون چھپی بیٹھی ہے۔ وہ محترمہ جو دن میں خاموش ہو جاتی ہے اور رات کو طوفان سے کانپتی رہتی ہے۔

"میں کہہ رہا ہوں، باہر آؤ لڑکی۔" باران کی آواز میں سختی تھی، مگر اس کے لہجے میں عجیب سا تجسس بھی شامل ہو گیا تھا۔ زارا کے رونے کی روانی اب تیز ہو چکی تھی۔ وہ ٹیبل کے نیچے سمٹی بیٹھی تھی، اس کا پورا وجود خوف کے مارے کپکپا رہا تھا۔

"بھوت جی، مجھے مت لے کر جائیے گا۔ میں تو سوکھی سی ہوں، مجھے کھا کے آپ کو کیا ملے گا آپ بانو آپا کو لے جائیے، وہ بہت موٹی ہیں" زارا کا کانپتا لہجہ بے ربط الفاظ میں پناہ ڈھونڈ رہا

تھا۔ وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے، چہرہ چھپائے ہوئے بچوں کی طرح رو رہی تھی مگر دل میں ایک چنگاری اب بھی زندہ تھی۔ باران نے آنکھیں سکیڑ کر جھانکا، اور سامنے گھٹنے سمٹی سی وہ "پوٹلی" دیکھی جو اب اس کے لیے صرف ایک چھپی ہوئی لڑکی نہیں بلکہ ایک عجیب معصومیت کا استعارہ بن چکی تھی۔

"نہیں، مجھے تو تم ہی چاہیے ہو" وہ جانے کیوں شرارت سے بولا شاید اس کی بے ساختہ سچائیوں نے باران کے اندر کے ٹھہرے پانی میں کچھ لہر پیدا کی تھی۔ زارا کا رنگ یکدم زرد پڑ گیا۔ آنکھیں اور زیادہ بھیگ گئیں، مگر لب اب بھی تھر تھرا رہے تھے۔

Clubb of Quality Content

"نہیں آپ مجھے مت لے کے جائیں، اس حویلی میں بہت سارے لوگ ہیں، آپ ان میں سے کسی کو لے جائیے بس سائیں کو مت لے کے جانا۔" باران کی مسکراہٹ ایک لمحے کو رک گئی۔ لفظ "سائیں" نے جیسے دل کی کوئی گہری پرت چھیڑ دی ہو۔

"کون سائیں؟" اس کا لہجہ اب صرف سنجیدہ نہیں، تجسس زدہ بھی تھا۔

"میرے سائیں" زارا کی آواز میں یکدم عجیب سا سکون اتر آیا تھا، جیسے ساری دہشت اس نام کے سائے میں مدھم پڑ گئی ہو۔

"نام کیا ہے تمہارے سائیں کا؟" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"باران، باران ہے ان کا نام۔ آپ ان کے علاوہ کسی کو بھی لے جائیے، بس مجھے اور انہیں چھوڑ دیجیے گا۔" باران نے ٹارچ تھوڑی اور جھکائی، اور تب اس کا دل جیسے لمحہ بھر کو تھم سا گیا۔ سامنے کانپتی، چھپی، وہی لڑکی بیٹھی تھی جو شاید نادان ہے، لیکن جذبات کی سچائی سے لبریز۔ زارا نے آہستہ سے چہرہ اٹھایا، اور باران کی آنکھوں میں جھانکتے ہی اس کے لبوں سے ایک دل خراش چیخ نکلی۔

"آآآآپ؟!"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی، باران جھک کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ گیا۔

"چپ۔ بالکل آواز نہ آئے، سمجھ آئی؟" باران کے لہجے میں سختی تو تھی، مگر آنکھوں میں اک نرمی بھی در آئی تھی۔ زارا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اب بھی سہمی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوئی تھی، مگر دل کی دھڑکن تھوڑی سنبھل چکی تھی۔ باران نے ہاتھ ہٹایا اور ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گیا۔ زارا آہستہ سے باہر نکلی، اس کی چال میں جھجک تھی، مگر وہ کسی بچے کی طرح بھاگی نہیں، ڈری ہوئی تھی مگر بھاگنے والی نہیں وہ سامنے کھڑی تھی، جیسے دل ہی دل میں خود کو سنبھال چکی ہو۔

"اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ اور تمہیں جن اور انسان کی آواز میں بھی فرق نہیں پتا؟" باران سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"میں نے پہلے کبھی کسی بھوت سے بات نہیں کی اس لیے نہیں پہچان پائی کہ یہ آواز جن کی تھی یا انسان کی۔" زارا نے سر جھکائے معصومیت اور پر اعتمادی سے جواب دیا، باران خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اس کا انداز نادم سا ضرور تھا، لیکن جھوٹ سے پاک۔

"اور پہلی بات کا جواب؟" باران نے آنکھیں تنگ کرتے ہوئے پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ اسٹور روم گندا ہو رہا تھا،اس لیے میں کچن میں آ گئی۔ سونا تو مجھے ہی تھا کہیں تو، لیکن بجلی کی آواز سے ڈر لگا،اور سو بھی نہ سکی۔" زارا کی آنکھوں سے آنسو پھسلنے لگے، لیکن اس بار اس نے جلدی سے آنکھیں پونچھ لیں۔ جیسے وہ جانتی ہو کہ سامنے والے کو آنسو نہیں پسند۔

"یہ رونا بند کرو۔ مجھے سخت زہر لگتی ہیں وہ عورتیں جو ہر وقت روتی رہتی ہیں۔" باران کا لہجہ کڑا تھا۔

"میں عورت نہیں ہوں لڑکی ہوں۔" وہ معصومیت سے بولی، جیسے یہ بات اسے بہت اہم لگی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں، تم تو واقعی لڑکی ہو وہ بھی سوکھی سی لڑکی۔" باران نے تنز آنظروں سے اسے دیکھا، جیسے وہ اپنی ہی بات پر ہنسنے کو مجبور ہو گیا ہو۔ زارا کا چہرہ شرمندگی سے جھک گیا، کچھ دیر پہلے کی اپنی بونگیاں اسے خود ہی یاد آ گئیں۔

"دھیان سے سر زمین پر نہ گر جائے۔" باران نے اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

زارا نے ناسمجھی سے سر اٹھایا۔ "کس کا سر؟"

"میرا سر، جو اتنی دیر سے سوال کر رہا ہے اور جواب نہیں ملا۔" باران جھنجھلا گیا۔ زارا نے آہستگی سے سر اٹھایا، آنکھوں میں عجیب سی نمی اور مزاح کا امتزاج تھا۔

"نیلی آنکھوں والی آنٹی نے کہا کہ اب میں آپ کے کمرے میں نہیں سوؤں گی۔ مجھے اب سے اسٹور روم میں سونا ہے۔ میں وہاں گئی تھی لیکن وہاں بہت گندگی تھی۔ اس لیے سوچا کہ کچن میں سو جاتی ہوں۔" باران کو نیلی آنکھوں والی آنٹی کا ذکر سنتے ہی زوبیہ بیگم کا چہرہ یاد آ گیا۔

زارا کی آنکھوں میں ایک بار پھر چمکنے والی نمی دیکھی تو باران نے سختی سے کہا، "میں نے کہا نہ، روتے ہوئے نہ دیکھوں تمہیں۔"

"میں نہیں رو رہی میری آنکھیں رو رہی ہیں۔" زارا نے فوراً رخ موڑ کر اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کی، پھر بولی۔ باران کو ہنسی آ گئی مگر اس نے زبردستی خود پر قابو رکھا۔

"تمہاری ناک بھی رو رہی ہے؟" وہ طنز سے بولا، اور اپنی جیب سے رومال نکال کر آگے بڑھایا۔ زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا، جیسے پوچھ رہی ہو۔ "میں کیا کروں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اپنی آنکھوں اور ناک کے آنسو صاف کرو۔" وہ تاسف سے بولا۔ زارا نے فوراً رومال پکڑا، اور آنکھیں، ناک اس زور سے پونچھیں کہ ناک سرخ ہو گئی۔

"بے وقوف لڑکی! ناک اتار دو گی کیا؟" باران نے نرمی سے اس کی ناک کو دو انگلیوں سے چھوا۔ زارا چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ باران نے فوراً خود کو سنبھالا، اور اپنی سنجیدگی میں واپس آ گیا۔

"اب سیدھی طرح کمرے میں جاؤ۔ صبح ہوتے ہی میں مورے سے کہہ دوں گا کہ تمہیں ایک صاف ستھرا اور بہتر کمرہ دے۔" وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا، اور زارا بھی خاموشی سے پیچھے پیچھے چل دی۔ جیسے طوفان کے بیچ کسی نے اس کے اندر ایک ننھا سا دیا روشن کر دیا ہو۔

وہ کمرے میں آتے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہی چند لمحوں میں نیند کی نرم وادیوں میں اتر گئی تھی۔ اس کی سانسوں کے ساتھ ہلکے ہلکے خراٹوں کی مدھم آواز، کمرے کی خاموش فضا میں رس گھول رہی تھی۔ باران، جو ابھی ابھی واش روم سے نکل کر آرام دہ لباس میں ملبوس ہوا تھا، ہلکی نمی سے بھری ہوئی زلفوں کو سمیٹتا بیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا کہ یہ آواز اس

کے قدم روک گئی۔ گردن موڑ کر اس نے حیرت سے زارا کو دیکھا۔ اب تک کی تمام راتیں یاد آئیں، اتنے دنوں سے وہ یہیں تھی، مگر اس نے کبھی زارا کو خراٹے لیتے نہیں سنا تھا، نہ دیکھا۔ تو کیا آج کوئی خاص بات تھی؟ یا شاید اس نے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ زارا ہمیشہ اس کے سونے کے بعد سوتی تھی؛ چپ چاپ، دبے پاؤں، جیسے اس کی نیند بھی باران کے آرام کی محتاج ہو۔ وہ یہ سوچتے ہوئے بے اختیار سا مسکرایا، سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا، اور بیڈ کی جانب بڑھ کر نیم دراز ہو گیا۔ اب زارا کے لبوں سے ادا ہوا ایک لفظ، اسی کے دماغ میں گونج رہا تھا "سائیں"۔

کیا عجب تھا اس لفظ میں، کتنی نرمی، کیسا مان، کیسی انسیت چھپی تھی اس ایک لفظ میں جیسے وہ صرف ایک مخاطب نہیں، بلکہ ایک تعلق کی ترجمانی ہو۔ اس کے ہونٹوں کے کنارے بے ساختہ کھنچ کر ایک ہلکی سی، نرم سی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ ایک ایسی مسکراہٹ، جو بے خبری میں دل پر نقش چھوڑ جاتی ہے۔ کب نیند نے اس کی پلکوں کو بوجھل کیا، کب خوابوں نے اسے آغوش میں لیا، اسے علم نہ ہو سکا ہاں، اتنا ضرور تھا کہ سونے سے پہلے وہ روز

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کی طرح آج بھی نمازِ فجر کے لیے الارم لگانا نہیں بھولا تھا گویا رات کی تھکن میں بھی وہ صبحِ عبادت سے غافل نہ تھا۔

☆..☆..☆..☆

شاہ میر راہداری سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ رات کے اس پہر خاموشی کی دبیز چادر ہر سمت تنی ہوئی تھی، سوائے ایک آواز کے، ایک زوردار، غصے میں لپٹی مردانہ آواز، جس نے راہداری کے سکوت کو چیر ڈالا۔ شاہ میر کے قدم وہیں کے وہیں ٹھہر گئے۔ اس نے بھنویں سکیڑتے ہوئے گردونواح میں نظریں دوڑائیں۔ راستے کے دونوں جانب بنے کمروں کے دروازے بند اور روشنی سے خالی تھے سوائے ایک کمرے کے۔ وہ کمرہ جس کے نیچے سے ہلکی، پیلی روشنی چھن چھن کر راہداری میں گر رہی تھی۔ اسی کمرے میں سے وہ آواز آئی تھی۔

وہ کمرہ، جہاں حرم ٹھہری ہوئی تھی۔ شاہ میر کا دل بے ساختہ زور سے دھڑکا یہ آواز، یہ کسی مرد کی تھی اور اس کی سماعتیں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں۔ شکوک کی خفیف سی لکیر اس کے

ماتھے پر ابھری، قدم، غیر ارادی طور پر، آہستہ آہستہ اس روشن دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

دروازے کے سامنے پہنچ کر وہ کچھ پل ٹھٹک گیا۔ ہاتھ دروازے کی طرف بڑھا، جیسے دستک دینا چاہتا ہو، مگر پھر لمحہ بھر کو رک گیا۔

وہ کشمکش میں تھا۔ یہ کمرہ حرم کا تھا۔ اس کی محبت کا، اس وجود کا جس کا تقدس وہ اپنی جان سے بڑھ کر چاہتا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا اور محبت وہ خزانہ ہے جو عقیدت کے سمندر میں غرق ہو جائے تو بھی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اگر کسی نے اسے اس وقت یہاں، اس کے کمرے کے دروازے کے پاس دیکھ لیا تو وہ کیا سوچے گا؟ اور وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی بھی حرم کے بارے میں، اس کی عزت کے بارے میں، ایک حرف بھی بولے۔ اس کا ہاتھ آہستہ سے نیچے گر گیا۔ مگر دل بے چین تھا، دل کہہ رہا تھا کہ کچھ غلط ہے، کچھ غیر معمولی۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی سوئیاں تین کا ہندسہ پار کر چکی تھیں۔ رات کی

نیند سب کی آنکھوں میں بسی ہونی چاہیے تھی، مگر یہ روشنی، یہ آواز، اور اس کے دل کی دھڑکن، سب کچھ الٹ تھا۔

ابھی وہ اسی کشمکش کا شکار تھا، کہ دفعتاً دروازہ کھل گیا۔ روشنی کی ایک دھار سی بارش کی طرح راہداری پر برس پڑی۔

☆..☆..☆..☆

جبران کے چہرے پر چھائے غصے اور تشویش کے آثار لمحہ بہ لمحہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی آنکھوں کی سرخی، جبڑے کی سختی اور انگلیوں کی کپکپاہٹ، سب گواہی دے رہے تھے کہ وہ خوفزدہ ہے، بے بس ہے، مگر اسے یہ کمزوری کسی پر ظاہر نہیں کرنی۔ حرم نے بمشکل ہاتھ اٹھاتے الماری کے نچلے پورشن کی جانب اشارہ کیا، اور جبران ایک لمحہ ضائع کیے بغیر لپکا۔ وہ جگہ جس کی موجودگی بھی اسے شاید یاد نہ تھی، آج وہاں سے زندگی کشید کرنی تھی۔ اس نے دوائیوں کا باکس نکالا، جلدی میں ڈھکن کھولا اور پہلا ہاتھ انہیلر کی جانب بڑھایا۔ جبران نے وہ انہیلر حرم کے لبوں سے لگا کر پریس کیا تو وہ خود بخود آگے جھک

گئی۔ جیسے سانس واپس لینے کی کوشش میں تھی، جیسے زندگی کے تاریک کنارے سے واپس کھینچی جا رہی ہو۔ حرم نے پمپ خود سنبھالتے ہوئے دوسری بار سانس لیا، اور دھیرے دھیرے اس کی سانسوں میں روانی لوٹنے لگی۔ جبران نے فوراً دوا نکال کر اس کے ہاتھ میں دی اور ساتھ پانی کا گلاس تھمایا۔ حرم نے خاموشی سے دوا لی، نگلتے وقت اس کے گلے کی حرکت اور چہرے کی تھکن واضح محسوس ہو رہی تھی۔ جبران نے اسی باکس سے روئی نکال کر حرم کے ناک سے بہتے خون کو نرمی سے صاف کیا۔ خون تو رک چکا تھا، لیکن وہ سرخی، اس کے سفید چہرے پر ایک بے رحم یاد کی طرح مانند پڑ رہی تھی۔ بعض کرب چہرے کی رونق چھین لیا کرتے ہیں۔ یہ ایک گہری حقیقت ہے کہ بعض دکھ اور کرب انسان کے چہرے کی رونق کو ماند کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لمحے ہوتے ہیں جب دل کی گہرائیوں میں چھپے درد کا اثر چہرے پر نمایاں ہوتا ہے۔ ایسے میں انسان کی مسکراہٹ بھی غم کی گہرائیوں میں ڈوبی نظر آتی ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ یہی کرب انسان کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ دکھ اور تکالیف انسان کی شخصیت کو نکھارتے ہیں اور اسے زندگی کی حقیقتوں کا ادراک

دیتے ہیں۔ چہرے کی ماند پڑتی رونق دراصل دل کی گہرائیوں میں چھپے جذبوں کی عکاسی کرتی ہے۔

روئی کو ڈسٹبن میں پھینکنے سے پہلے جبران نے اس پر ایک نظر ڈالی، جیسے وہ اس لمحے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتا ہو۔ اس نے پھر پلٹ کر حرم کو دیکھا، جو نیم وا آنکھوں سے صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی پلکوں کے کنارے اب بھی ہلکی نمی چمک رہی تھی، اور چہرے پر زردی ایسی چھا چکی تھی جیسے دن کے بعد شام، اور شام کے بعد رات اتر آتی ہے۔

جبران نے ایک گہرا سانس لیا، بوجھل قدموں سے واش روم کی جانب گیا، تاکہ ہاتھ دھو سکے۔ واپس لوٹا تو حرم بدستور صوفے پر تھی، مگر اس کی آنکھیں اب دروازے کو تک رہی تھیں جیسے کسی غیر مرئی شے کو محسوس کر رہی ہو۔

"جبران دروازے کے باہر دیکھو، وہاں کوئی ہے۔" اس کی آواز دھیمی تھی، مگر لرزش اب نہیں تھی جیسے وہ سچ میں کچھ محسوس کر چکی ہو۔ جبران کی نظریں ایک دم دروازے کی طرف اٹھیں۔ نیچے سے ہلکی سی روشنی کی جھلک میں ایک سایہ سا لرز رہا تھا، جیسے کوئی وہاں کھڑا ہو

خاموشی سے، چھپ کر، سنتا ہوا۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ دو قدم آگے بڑھا، پھر رکا، اور پلٹ کر حرم کی طرف دیکھا۔ حرم نے خاموش اشارے سے کہا، "میں ٹھیک ہوں۔" جبران نے اس کی بات کی تائید اپنے تاثرات سے کی، پھر دروازے کی جانب رخ کرتے ہوئے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، چہرے کی سختی سنبھالی، اور دروازے کا ہینڈل آہستگی سے گھمایا۔

"جبران تم یہاں؟" شاہ میر کی حیرت اس کے لہجے میں پوری شدت سے جھلک رہی تھی جیسے غیر متوقع منظر اس کی سوچوں کو الجھا گیا ہو۔

"یہی سوال تو میں تم سے بھی کر سکتا ہوں، شاہ کہ تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" جبران کی آواز میں نرمی کم، سنجیدگی زیادہ تھی وہ نگاہیں اٹھا کر شاہ میر کو ٹھہرے ہوئے انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"میں ابھی ڈیرے سے واپس آیا ہوں۔ اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک ایک اونچی آواز سنائی دی۔ آواز صاف تھی، جیسے کسی مرد کی۔ میں نے راہداری میں نگاہ دوڑائی، سب کمروں کی بتیاں بجھی تھیں، بس یہی ایک کمرہ روشن تھا اس لیے رک گیا۔" شاہ میر نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سانس بحال کرتے وضاحت دی، جیسے پہلے ہی جانتا ہو کہ جبران اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھے گا۔

"اگر وہ آواز مرد کی نہ ہوتی، تو یقین کرو میں اس وقت یہاں کبھی نہ آتا۔" جبران کی نظریں اس کی آنکھوں میں سچ کھوج رہی تھیں۔ لمحے بھر

بعد، اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑے، شاید اسے شاہ میر کی وضاحت پر یقین آ گیا تھا۔

"لیکن تم اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟" شاہ میر نے مدھم، مگر الجھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "یہ تو حرم جی کا کمرہ ہے اور وہ آواز؟" شاہ میر کی زبان میں جس عزت، جس احترام سے 'حرم جی' کا ذکر تھا، اس پر جبران کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی، ایک مرد کی طرف سے عورت کے لیے ایسا لہجہ کم کم ہی سننے کو ملتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں،یار اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔وہ دوا لینے سے انکاری تھی۔غصہ آ گیا مجھے،اس لیے آواز تھوڑی تیز ہو گئی۔"جبران نے مدھم لہجے میں کہا"سوری اگر میری وجہ سے تمہیں ڈسٹربنس ہوئی ہو۔"

"کیا مطلب؟کیا ہوا ہے انہیں؟طبیعت ٹھیک ہے نہ ان کی؟"شاہ میر کے لہجے میں اب صرف حیرانی نہیں،ایک عجیب سی بے چینی بھی تھی جیسے اس نے اس جملے میں صرف "حرم"سنا ہو،باقی سب لفظ پس منظر بن گئے ہوں۔

"نہیں،بس موسم کی تبدیلی سے ہلکا بخار ہو گیا تھا۔دوا دے دی ہے،اب وہ سو رہی ہیں۔صبح تک ان شاءاللہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔"جبران نے نرم لہجے میں تسلی دی،لیکن جیسے ہی شاہ میر نے "گل"کا نام لیا،جبران نے فوری اس کا بازو تھام کر روک لیا۔

"نہیں،ابھی کی ضرورت نہیں۔میں دیکھ رہا ہوں،اگر صبح تک طبیعت میں بہتری نہ ہوئی تو خود کہوں گا اسے گل سے چیک کروانے۔"جبران کے لہجے میں وضاحت تھی۔

"آر یو شور؟"شاہ میر نے ایک بار پھر تصدیق چاہی، جیسے حرم کا ایک ایک سانس اس کے دل کی دھڑکن سے جڑا ہو۔ کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا تھا، اور اندر بیٹھی حرم کو نہ صرف شاہ میر کی آواز، بلکہ اس کے لہجے کی گہرائی تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ گہرا احترام، وہ بے چینی، وہ حفاظتی لَے وہ سب کچھ جو کبھی کسی نے اس کے لیے یوں ظاہر نہیں کیا تھا۔ شاہ میر کی فکر مندی، اس کا یوں حرم کو 'حرم جی' کہنا اس کے دل کی نرمی کو جیسے چھو گیا ہو۔

"ہاں، I'm sure"جبران نے سنجیدگی سے جواب دیا، مگر اندر کہیں وہ شاہ میر کی آنکھوں میں چھپے جذبے کو پہچان چکا تھا، جسے وہ دو ہفتوں سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کہ کس طرح شاہ میر باتوں باتوں میں حرم کی پسند، ناپسند جاننے کی کوشش کرتا، کس طرح بہانے بہانے سے اس سے بات چھیڑتا، اور اب یوں بے قرار کھڑا تھا، جیسے حرم کی تکلیف اس کے وجود میں سرایت کر گئی ہو۔

"ٹھیک ہے۔ اگر صبح تک بخار نہ اترا، تو گل کو ضرور دکھانا۔"شاہ میر اب بھی وہی جملہ دہرا رہا تھا، جیسے اس کے دل کو تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"سمجھ گیا، بھائی۔" جبران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بات بدلی۔

"چل، آج رات دیر ہو گئی۔ کیوں نہ جاگتے ہوئے گزار دیں؟ پرسوں تو ہمیں نکلنا ہی ہے۔"

یہ سن کر شاہ میر کا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا، لیکن حیدر خان سے اگلے دن بات کا پکا ارادہ کیے وہ مطمئن سا ہو گیا، جیسے دل نے تسلی دے دی ہو۔ وہ دونوں باتیں کرتے شاہ میر کے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ جبران کے قدم جیسے ہی اس کے کمرے سے دور ہوئے، حرم آہستگی سے اٹھی، دروازہ بند کر کے لاک لگایا۔ پھر پلٹ کر بیڈ پر آ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کیں، اور پلکوں پر ٹھہری نمی اس کے دل کے کسی پرانے دریچے کو کھول لے گئی۔

ماضی کے اس دریچے میں اب ایک نرم سا منظر ابھرا؛ وہ منظر جہاں شور، ہنسی، بچپنا، محبت اور ایک معصوم سی لڑکی، اپنے بابا کی شہزادی تھی۔

"ماما جانی، حنان کو بولیں میرا ناول واپس کرے!" زینب کی آواز میں روہانسی بے بسی تھی، جو صحن سے اندر آتی زائرہ بیگم تک جا پہنچی۔ وہ سبزی کاٹتے ہوئے بھی اپنی بیٹی کے اندازِ شکایت کو اچھی طرح پہچانتی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حنان! مت کرو تنگ اسے، دے دو واپس اس کا ناول۔" زائرہ بیگم نے اب سبزی چھوڑ کر ہانڈی چڑھانے کی طرف توجہ دی، مگر دل ہی دل میں جانتی تھیں کہ اب ایک ہنگامہ برپا ہونے والا ہے۔

"ماما، میں نہیں دوں گا! کہیں اسے، پہلے میری ٹی شرٹ استری کرے، مجھے کوچنگ جانا ہے۔" حنان صوفے پر چڑھ کر زینب سے بچنے کی کوشش میں تھا، اور وہ نیچے سے ہاتھ بڑھا بڑھا کر ناول چھیننے کی سعی کر رہی تھی۔

"بھئی میں نہیں کر رہی! اپنے کام خود کیا کرو!" زینب کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اور وہ ناول کی جگہ اپنے غصے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں چٹائی پر بیٹھی فاطمہ، دونوں کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت تھی، جیسے اسے سمجھ نہ آئے کہ لڑائی میں کس کا ساتھ دے۔ پھر شاید اس کے ننھے دل میں کسی مہربانی نے جنم لیا۔ وہ آہستگی سے اٹھی، اور حنان کے قریب جا پہنچی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بھائی، لائیں میں کر دیتی ہوں۔ آرام آرام سے۔" اس کی معصوم آواز میں ایسی سچائی تھی کہ زائرہ بیگم کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

حنان نے اسے نرمی سے دیکھا، پھر نفی میں سر ہلاتے سختی سے کہا۔ "نہیں، میری شرٹ تو آپی ہی استری کرے گی، ورنہ میں نے یہ فالتو ناول کباڑیے والے کو دے دینا ہے!" اس کے لہجے میں شرارت تھی، مگر زینب کا پارہ چڑھ چکا تھا۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی حنان! خبردار اگر میرے ناول کو فالتو بولا یا کسی کو دیا!" زینب جوتی اٹھا کر لپکی، مگر زائرہ بیگم کی غصیلی آواز پر وہیں رک گئی۔

"تم لوگوں کو سمجھ نہیں آتی؟ ذرا شرم لحاظ ہے یا نہیں تم دونوں میں؟" زائرہ بیگم کی آواز میں وہ ماں بول رہی تھی، جو اپنے بچوں کی ناسمجھی پر دل ہی دل میں ٹوٹتی ہے۔

"بھائی، دے دو نہ میں کر لوں گی، آرام آرام سے۔" فاطمہ کا شوق، اس کا خلوص، سب اس کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اچھا یہ لے لیکن احتیاط سے کرنا۔ میری نئی شرٹ ہے، جلا مت دینا!" حنان نے جھجکتے ہوئے شرٹ تھمائی، اور فاطمہ تو جیسے پھولوں پر چلتی

ہوئی استری اسٹینڈ کی طرف جا پہنچی۔ حنان سے ناول چھین کر زینب نے چٹائی پر لیٹتے ہی کتاب کھولی اور فوراً اس میں کھو گئی۔ حنان نے ٹی وی آن کر لیا۔ زائرہ بیگم ہانڈی میں مصروف ہو گئیں۔ فاطمہ استری پر دھیان دے رہی تھی۔ مگر بمشکل پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک چیخ نے سارا گھر ہلا دیا۔

"ہائے اللہ! میری فاطمہ!" زائرہ بیگم دل تھامے ڈرائنگ روم کی طرف دوڑیں، ان کے پیچھے زینب اور حنان بھی بھاگے۔ زمین پر بیٹھی فاطمہ، اپنا ہاتھ تھامے زار و قطار رو رہی تھی۔ استری کی تار لگی ہوئی تھی، اور اس کی ہتھیلی پر جلن کا سرخ نشان پھیل چکا تھا۔ زائرہ بیگم نے فاطمہ کا ہاتھ تھاما، ہونٹوں سے پھونکیں مارتی، اسے گلے سے لگا لیا۔

"ہائے میری بچی، میری فاطمہ کا ہاتھ او ماں صدقے، بس بیٹا، بس" فاطمہ کی سسکیاں اب ماں کی گود میں چھپی تھیں۔

"امی بہت درد ہو رہا ہے۔" ننھی سی جان نے جیسے کلیجے میں ہاتھ ڈال دیا ہو۔

"حنان، جا فوراً ٹوتھ پیسٹ لا جلدی کرو!" حنان ہڑبڑایا، جلدی سے بھاگتا ہوا لا کر پیسٹ دیا۔ زائرہ بیگم نے نرمی سے انگلی پر لگا کر فاطمہ کے ہاتھ پر لگایا، اور مسلسل پھونکیں مارتی جا رہی تھیں۔

"میری شہزادی، ماں قربان بس ابھی آرام آجائے گا۔ بہت بہادر ہو میری بیٹی!" ماں کی ممتا اس وقت لفظوں میں ڈھلی، آنکھوں سے بہتی، ہاتھوں سے چمٹتی جا رہی تھی۔

"امی! میں اسی لیے آپی سے کہہ رہا تھا شرٹ استری کر دے! اگر وہ مان جاتی تو ایسا نہ ہوتا!" حنان نے فوراً سارا الزام زینب پر ڈال دیا۔ وہ جو چپ چاپ شرمندگی سے کھڑی تھی، اب کمر پر ہاتھ رکھ کر دھاڑنے کو تیار ہوئی۔

"تو تم خود کر لیتے! تمہارے ہاتھوں میں کیا مہندی لگی تھی؟" زینب کی آواز اونچی ہوئی ہی تھی کہ زائرہ بیگم گرج گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"دفع ہو جاؤ دونوں یہاں سے! تم دونوں کی وجہ سے میری بچی کا ہاتھ جل گیا! بجائے شرمندہ ہونے کے ابھی بھی لڑ رہے ہو! زینب! تمہارے ناولوں کو میں آگ لگا دوں گی، تنگ آ گئی ہوں تم دونوں سے!" زائرہ بیگم کا ضبط ٹوٹ چکا تھا، اور دونوں شرمندہ چپ چاپ غائب ہو گئے۔ فاطمہ زائرہ بیگم کی گود میں روتے روتے سو گئی تھی، نیند میں بھی سسکیاں اس کے نازک وجود کو ہلا رہی تھیں۔ رات گئے جب داؤد صاحب گھر آئے، تو حنان اور زینب دونوں کو خوب ڈانٹ پڑی اور اگلا پورا ہفتہ سب نے فاطمہ کا خاص خیال رکھا، خاص طور پر زینب نے۔

ایک گہرا لمحہ تھا وہ، ایک یاد بن کر دل کے کسی نرم گوشے میں اتر گیا تھا۔ لیکن دل اتنا نرم بھی مت رکھو کہ کوئی پیروں تلے کچل دے۔ فون کی مخصوص بیل نے ماضی کے خوبصورت، مگر دردناک صفحے کو اچانک بند کر دیا۔ آنکھیں کھول کر، اس نے فون کان سے لگایا۔

"پتا چلا؟ کہاں ہے وہ؟" آواز سرد تھی، بے رنگ۔ جیسے جذبات کبھی تھے ہی نہیں۔

"کل صبح تک اس کی تصویر چاہیے مجھے۔ وقت گزرنے کے بعد کی معلومات میرے کسی کام کی نہیں۔Got it?"کال کاٹ کر، فون سائیڈ پر

رکھا۔

وہ جانتی تھی وقت قریب ہے۔ بہت قریب۔ وہ لمحہ جب اسے اس کا حق ملے گا۔ اس کی نظریں وال کلاک پر ٹکی تھیں جس کے کانٹے آدھی رات پار کر چکے تھے۔

پھر اس نے اپنی آنکھوں میں ٹھہری نمی کو ان مخروطی، نازک انگلیوں سے صاف کیا۔ مگر یہ آنکھیں پھر سے ویسی ہی ہو گئیں۔ بنجر، بے احساس۔ ایسی زمین جیسے کبھی وہاں نمی تھی ہی نہیں۔ کیونکہ جب دل میں زخم ہو تو آنکھیں خود بخود ویران ہو جاتی ہیں۔ کبھی ہری نہیں ہوتیں۔ نیند؟ وہ تو خوش نصیبوں کے حصے کی دولت تھی اور اس کا نصیب؟ وہ تو برسوں سے سیاہ چادر اوڑھے اس کی ہنسی بھی نگل چکا تھا۔ آخر اس کا بخت سیاہ کیوں تھا؟ شاید تقدیر نے اسے دلدل کی گہرائیوں میں چھوڑ دیا تھا، جہاں روشنی کی کوئی کرن نہ تھی۔

☆..☆..☆..☆

فجر کی اذان کی آواز پر زارا کی نیند ٹوٹ گئی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھی۔ مؤذن اپنی پوری لگن سے یہ دعا کر رہا تھا کہ رب کے بندے اپنی مصروف زندگی میں سے کچھ لمحے نکال کر اپنے رب سے ملاقات کر سکیں۔ زارا جلدی سے بستر سے اٹھی اور واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وضو کر کے بڑی سی شال نماز کے انداز میں اوڑھی اور باہر آئی۔ کونے میں رکھے ٹیبل سے جائے نماز اٹھا کر زمین پر بچھا کر نماز کی ادائیگی میں مشغول ہو گئی۔ نماز پڑھ کر جب اس نے سلام پھیرے تو دیکھا کہ باران ابھی بھی سو رہا تھا۔ اتنے دن باران کے ساتھ رہنے کے بعد وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اپنی نمازیں قضا نہیں ہونے دیتا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے اللہ کا خوف ہے اور "جن کے دلوں میں نمازوں کی قضا کا خوف ہوتا ہے، وہ اپنی دنیا و آخرت میں سکون و کامیابی پاتے ہیں۔" دعا کے بعد جب وہ اٹھی تو باران اب بھی گہری نیند میں تھا۔ اس نے گھڑی میں دیکھا تو نماز کے وقت کے ختم ہونے میں بس بیس منٹ باقی تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باران کے دائیں جانب کھڑی ہو گئی۔ سوچ رہی تھی کہ اسے کیسے جگائے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سائیں۔۔۔سائیں،"زارا نے باران کو آواز دی، مگر وہ نہ جاگا۔ پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے پر رکھا۔"سائیں، نماز کا وقت ہو گیا ہے،"زارا نے کندھا ہلایا، جو ایک جھٹکے سے نیند سے بیدار ہوا۔ باران کو اٹھتا دیکھ وہ جلدی سے دور ہو گئی اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ باران کی سنہری آنکھیں نیند کے باعث سرخ ہو رہی تھیں، ٹراؤزر اور شرٹ میں بکھرے ہوئے بال، نیند سے بوجھل آنکھوں سے جب اس نے زارا کو دیکھا تو وہ بوکھلا گئی۔

"کیا ہوا ہے لڑکی؟ کیوں تنگ کر رہی ہو؟"باران کی آواز نیند کی گہرائی میں بھاری تھی۔

"سائیں، نماز کا وقت ہو گیا ہے،"زارا کی آواز اتنی مدھم تھی کہ بمشکل باران کے کانوں تک پہنچی۔ باران نے وقت دیکھا تو آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ واقعی وقت بہت کم بچا تھا۔ اس نے جلدی سے الارم اپنے سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا، مگر شاید اس کا سیل ختم ہو چکا تھا۔ الارم کو بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ جلدی سے اٹھا اور واش روم کی طرف دوڑا۔ کچھ ہی دیر میں سفید شلوار قمیض اور کالی اجرک اوڑھے وہ باہر نکلا۔ زارا ایک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ داڑھی سے ٹپکتے وضو کے قطرے، پیشانی پر بھیگے ہوئے بکھرے بال، اور پلکوں پر ٹھہری نمی، کیا اس

نے کبھی اتنا خوبصورت مرد دیکھا تھا؟ نہیں، باپ اور بھائی کے بعد اگر کسی کو اس نے اتنی باریکی سے دیکھا تھا تو وہ اس کا محرم تھا۔ باران نے گھڑی پہن کر شیشے میں سے زارا کی صورت دیکھی، جو اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بنا جھپکے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ باران نے زارا کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ اچانک سٹپٹا کر نظریں جھکا گئی۔ باران نے پہلی بار دیکھا کہ کسی کے چہرے کا رنگ اتنی تیزی سے بدلتا ہے، اور یہ رنگ اسے بہت دلکش لگا۔ زارا سر جھکا کر انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"بیڈ ہیبٹ،" باران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ زارا فوراً سیدھی ہو گئی۔ باران نے وقت دیکھا، پھر اپنی اجرک کندھوں پر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ پیچھے وہ دل تھام کر کھڑی تھی۔

باران کے جاتے ہی زارا بھی جلدی سے کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بڑھ گئی، جہاں اسے سب کے لیے ناشتہ تیار کرنا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے دیکھے، لیکن بدقسمتی سے ایک ملازمہ نے اسے باران کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس نے فوراً یہ بات جبہ خانم کے کان

میں پہنچادی۔ جو سمجھ رہی تھی کہ وہ زارا کو اس کی اوقات دکھا چکی ہے، اس بات پر وہ آگ بگولہ ہو گئی اور اس کا سازشی دماغ انگنت جال بننے لگا۔

☆..☆..☆..☆

دوپہر کے وقت تمام عورتیں لاؤنج میں اور مرد حضرات مردان خانے میں موجود تھے۔

جب اسماہ خانم نے نرمی سے زرمینے کو مخاطب کیا۔ "جاؤ جا کر حرم بچّہ کو بلا کر لاؤ۔"

"بھابھی، آپ اسے کیوں بلا رہی ہیں؟" جبہ خانم ناگواری سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ وہ ہماری مہمان ہے۔ شاہ میر نے اسے زبردستی روکا ہے۔ کل گھر میں اتنی بڑی تقریب ہے، پتہ نہیں اس بچی کے پاس یہاں کے رسم و رواج کے مطابق لباس بھی ہے یا نہیں۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم اپنے مہمان کا خیال رکھیں۔" اسماہ خانم تو ویسے ہی زارا پر ہونے والے برے سلوک سے دل گرفتہ تھیں۔ وہ اس معاملے میں خاموش

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھیں، مگر اس بات پر حبہ بیگم کو اچھی خاصی سنا ڈالیں، جس پر حبہ خانم کا چہرہ ندامت سے سیاہ پڑ گیا۔

"بھابھی، بولنے سے پہلے سوچا کرو۔ کم از کم آس پاس کا ہی لحاظ کر لیا کرو۔ ڈھیروں ملازم کھڑے ہیں یہاں، اور تم ہم سے ایسے لہجے میں بات کر رہی ہو!" حبہ خانم نہایت درشت انداز میں بولیں، مگر اسماہ خانم کے چہرے پر سکون کی ہلکی سی لہر تھی، جیسے ان کے لہجے کی تلخی ان پر رتی برابر اثر نہ ڈال سکی ہو۔ البتہ زوبیہ خانم، پری گل، اور زرمینے نے ناگواری سے حبہ خانم کی طرف دیکھا، جیسے ان کے رویے نے فضا کو کچھ اور تلخ کر دیا ہو اور ایک تلخ انسان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسروں کو تکلیف دے کر اپنی کمزوریوں کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، جیسے کہ حبہ خانم۔

سائرہ بدستور پرسکون انداز میں موبائل پر ٹک ٹاک دیکھنے میں مصروف تھی، جیسے اس کی موجودگی اور غیر موجودگی برابر ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مَورے، میں جاتی ہوں۔" زرمینے نرمی سے اٹھتی ہوئی حرم کے کمرے کی جانب چل دی۔ اس نے جا کر بند دروازے پر ہلکی دستک دی، جو دوسری دستک پر ہی کھل گیا تھا۔

"ادی، آپ کو مَورے بلا رہی ہے۔" حرم کا دل چاہا انکار کر دے، مگر زرمینے کی آنکھوں میں موجود معصومیت اسے روک گئی، اور وہ سر ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔

"آؤ، حرم بچّہ، ہمارے پاس بیٹھو۔" اسماہ خانم کے لبوں پر ایک نرم مسکراہٹ تھی، ان کی بات میں مانوماں جیسی اپنائیت چھپی تھی۔ حرم آہستگی سے چلتی ہوئی ان کے پاس رکھی خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آنٹی، آپ کو مجھ سے کوئی کام تھا؟" حرم نے سادہ سے لہجے میں پوچھا، مگر اسماہ خانم کی آنکھوں میں اس کے لیے ایک خالص سا پیار جھلک رہا تھا۔

"نہیں بچّہ، ہم کو تم سے کوئی کام نہ تھا، بس تمہیں کچھ دینا تھا۔ زرمینے، جاؤ ہماری الماری کے دوسرے خانے سے ایک بیگ لا کر دو۔" زرمینے اثبات میں سر ہلاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ کچھ لمحوں بعد وہ ایک بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے لوٹی۔

"مَورے، یہ والا؟" اس نے ہلکے شک کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، یہی والا۔ دو ہمیں۔" اسماہ خانم نے بیگ لے کر حرم کے ہاتھ میں تھمایا، جس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بیٹا، یہ ہمارے یہاں کے روایتی لباس ہیں۔ کل تم یہی پہننا۔" حرم نے خود کو بیگ کے اندر جھانکتے ہوئے پایا۔ اس نے بلیک ٹائٹ پینٹ، پنک شرٹ اور لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ سنہرے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے تھے، صاف ظاہر تھا کہ وہ کسی اور ملک سے آئی تھی، مگر پندرہ دن سے اس گھر کا ایک خاموش سا حصہ بن چکی تھی۔

"سوری آنٹی، بٹ میں یہ نہیں لے سکتی۔" حرم چاہ کر بھی سخت لہجہ نہیں اپنا سکی۔ ان کی عزت، ان کی میزبانی، اور ان کے طرزِ محبت نے اس کے دل میں نرمی سی پیدا کر دی تھی۔ وہ کھانا اپنے کمرے میں کھاتی، شروع میں سب کے ساتھ بے حد اجنبیت برتی، مگر ان لوگوں نے پھر بھی اسے عزت دی، جگہ دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بیٹا، ہم تمہاری ماں کی جگہ ہیں۔ ہماری بات نہیں مانو گی؟" ماں کا ذکر آتے ہی حرم کا دل جیسے لرز اٹھا۔ اس کے ہونٹوں پر خاموشی، اور سر خود بخود اثبات میں ہلنے لگا۔ اسماہ خانم کے دل میں کوئی غرور نہ تھا، بس وہ چاہتی تھیں کہ اس بچی کو اپنے پن کا احساس ہو۔ شاہ میر نے یہ لباس خود لا کر انہیں دیا تھا، کہ وہ خود نہیں دینا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ حرم یہ محبت، یہ خالص توجہ خود محسوس کرے۔

"ٹھیک ہے، میں یہ پہن لوں گی۔ تھینک یو۔" حرم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا، اور بیگ لے کر اٹھ گئی۔ کبھی کبھی یادداشت کا تیز

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہونا بھی اذیت بن جاتا ہے۔ ہم جتنا بھولنا چاہتے ہیں، کوئی چھوٹا سا لفظ، ایک اشارہ یا لمس سب کچھ پھر سے تازہ کر دیتا ہے، جیسے زخم کے اوپر سے پٹی ہٹا دی گئی ہو۔ یہی مسئلہ حرم کے ساتھ بھی تھا۔

"اسماہ، ہم اپنے کمرے میں جا رہے ہیں، طبیعت کچھ عجیب سی ہو رہی ہے۔" زوبیہ خانم آہستگی سے اٹھیں اور اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔

"مَورے، میں بھی ہسپتال کے لیے نکل رہی ہوں، مجھے باران لالا چھوڑ دیں گے۔" پری گل اپنا بیگ سنبھالتی روانہ ہو گئی۔ وہ پریکٹس پر تھی، چھٹی کرنا ممکن نہ تھا۔

"مَورے، یہ خان جی اور دادا چچا کب آئیں گے؟" زرمینے لاڈ سے اسماہ خانم کے گلے میں باہیں ڈال کر بولی۔ البتہ جبہ خانم بگڑے موڈ کے ساتھ وہاں سے غائب ہو چکی تھیں، اور سائرہ کی موجودگی اب بھی بے معنی تھی۔

"مَورے، کل آجائے گا تمہارا خان جی اور دادا چچا۔ تم نے کل کی تیاری کی ہے؟ کیا پہنو گی تم؟" اسماہ خانم نے قہوے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے زرمینے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ زرمینے نے شرارتی معصومیت سے زبان دانتوں تلے دباتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"مَورے، وہ مجھے یاد نہیں رہا، ابھی نکال لیتی ہوں۔" اس کے لہجے پر ہنستے ہوئے، اسماہ خانم نے محبت سے ایک چپت اس کے سر پر ماری۔

"چلو، آؤ، ہم تمہیں اچھا سا کپڑا دکھاتے ہیں، تم وہی کل پہننا۔" اور دونوں ہنستی، باتیں کرتی، کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

جبران مردان خانے میں شاہ میر کے ساتھ بیٹھا تھا جب اس کا فون بجا۔ کمرے میں سب مرد موجود تھے، سوائے باران کے، جو پری گل کو اسپتال چھوڑنے گیا تھا۔

"ہاں، حرم؟ بولو۔" جبران نے کال سنتے ہی فون کان سے لگالیا۔ لمحہ بھر بعد وہ بولا، "اچھا، ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر میں انتظام کرتا ہوں۔" کال ختم کر کے اس نے موبائل جیب میں رکھتے ہی محسوس کیا کہ سب کی نظریں اب اس پر جمی ہوئی ہیں۔ شاہ میر کی آواز سامنے سے آئی۔

"کیا ہوا؟ کس چیز کا انتظام کرنا ہے؟" جبران ایک لمحے کو رُک گیا۔ کچھ کہنا چاہا، پھر ہلکا سا کھنکار کر بولا۔ "بس اسے بائیک چاہیے۔ یہاں کے پہاڑی علاقے گھومنے ہیں اسے۔" پہلی بات سچ تھی، اور دوسری تھوڑا سا گھڑا ہوا جواز۔ حرم جب بھی اداس ہوتی، تو وہ اکثر رائیڈنگ کا سہارا لیتی تھی۔

"بائیک؟" یہ لفظ بیک وقت سب کی زبان سے نکلا، اور سب سے بلند آواز ارمان کی تھی، جس کی آنکھوں میں بائیک کا جنون چمکنے لگا۔

"انہیں بائیک چلانی آتی ہے؟"شاہ میر نے حیرت سے پوچھا۔وہ اس وقت گرے شلوار قمیص پہنے، کندھے پر گندمی شال ڈالے بیٹھا تھا، جیسے اس کا سارا وقار کسی پرانی روایات میں لپٹا ہو۔

"شاہ میر، تم نہیں جانتے، وہ رائڈنگ میں ماہر ہے۔"جبران کے فخر بھرے لہجے پر شاہ میر نے اپنے تاثرات سمیٹ لیے۔

"اچھا یار، میں ذرا اس کی بائیک کا بندوبست کر لوں۔ورنہ وہ واقعی میری جان لے لے گی!"وہ مسکرا کر اٹھنے لگا ہی تھا کہ پیچھے سے ارمان کی پرجوش آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"جبران بھائی! میرے پاس سپورٹس بائیک ہے، آپ وہ دے دو انہیں، بلکہ میں خود ان کے ساتھ چل جاتا ہوں، پورا علاقہ دکھاؤں گا۔"ارمان کی آنکھوں میں جیسے چمک لوٹ آئی تھی۔البتہ، ربان خان کا چہرہ ناپسندیدگی سے ڈھلک گیا۔انہیں کبھی پسند نہیں آیا کہ لڑکیاں لڑکوں جیسے شوق پالیں، خصوصاً ان کے علاقے میں۔

"Are you sure?"جبران نے سنجیدگی سے پوچھا۔ارمان نے جلدی سے اثبات میں سر ہلادیا۔وہ تو خود برسوں سے کسی ایسے موقع کا منتظر تھا،لیکن اس کے لالا اسے منع کرتے تھے۔ان پتھریلی زمینوں پر بائیک چلانا نہایت خطرناک سمجھا جاتا تھا۔

"لیکن"شاہ میر کی آواز میں اچانک سنجیدگی اتر آئی،"یہاں کی زمین بہت سخت اور پتھریلی ہے۔کہیں کوئی چوٹ نہ لگ جائے۔"ارمان کی زبان رک گئی۔وہ خود بھی یہی سوچ رہا تھا، مگر اب یہ بات کسی اور کے منہ سے سن کر اس کے دل پر جیسے چوٹ لگی۔

"شاہ میر،تم نے ابھی دیکھی ہی نہیں اس کی رائڈنگ۔اسی لیے کہہ رہے ہو۔اس جیسی مہارت شاید سوات کے خانزادوں کو بھی نصیب نہ ہو۔"جبران کے لہجے میں وہی فخر تھا،جو کسی گہرے اعتماد سے جنم لیتا ہے۔

ارمان کے ماتھے پر خفگی کی ایک ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔"جی نہیں،میں بھی رائیڈنگ کر سکتا ہوں،وہ بھی بہت اچھی!"ارمان جیسے ایک دم سے تپ کر بولا۔خانزادہ سوات کا ہو اور بات غیرت پر آجائے،تو خاموشی کہاں رہتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارمان!" ربان خان نے سخت لہجے میں اسے تنبیہ کی، جس پر وہ خاموش ہو گیا، مگر چہرے پر خفگی اور دل میں چنگاری باقی تھی۔ وہ جوش میں آیا تھا، مگر اپنی غیرت کو جیسے دل کے اندر پھر سے سلا دیا۔

"جبران؟" حرم، جو اس کی کال پر باہر آئی تھی، حویلی کے بڑے دروازے کے پاس کھڑے جبران کے ساتھ ارمان اور شاہ میر کو دیکھ کر ایک لمحے کو رُک گئی۔ اس کی نگاہوں میں سوال بھی تھا اور حیرانی بھی۔ جیسے وہ خاموش زبان میں پوچھ رہی ہو کہ یہ دونوں یہاں کیوں ہیں؟ شاہ میر کی نظریں اس پر جا ٹھہریں۔ وہی سنہرے بال، سادہ مگر باوقار لباس، اور ایک عجیب سا سکون جو اس کے ارد گرد فضا کو چھو کر گزرتا تھا۔ "عجیب لڑکی ہے یہ خاموش ہو کر بھی شور مچاتی ہے" اس کے ذہن میں بے ساختہ خیال آیا۔

"حرم، ارمان تمہارے ساتھ جائے گا۔" جبران نے نرم انداز میں کہا، اور بائیک کی چابی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ حرم نے چابی ہاتھ میں لی، مگر اس کے ہلکے سے اونچے ابرو اور سوالیہ نظروں نے لمحے بھر کو جبران کو لاجواب کر دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی جی! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا!" ارمان پر جوشی سے بولا، جیسے برسوں سے کسی مہم کا انتظار رہا ہو۔ حرم نے ایک قدم پیچھے ہٹایا، سر جھکا کر ہلکا سا مسکرائی، پھر شاہ میر کی جانب دیکھتے ہوئے آہستہ مگر واضح لہجے میں بولی۔ "کیا یہ میرے ساتھ بائیک پر جائے گا؟" یہ جملہ نہیں تھا، ایک باوقار چیلنج تھا، خالص حرم کے انداز میں۔ ارمان کی رنگت تھوڑی بدل گئی، جبران نے ہونٹ دبائے، اور شاہ میر اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی بمشکل روکی۔

"نہیں، نہیں! میں اپنی گاڑی میں آؤں گا!" ارمان نے فوراً صفائی دی اور جلدی سے گاڑی میں جا بیٹھا۔ حرم خاموشی سے بائیک کی طرف بڑھی۔ اس کی چال میں اعتماد تھا، قدموں میں ٹھہراؤ۔ اس نے اپنے پاؤچ سے دستانے نکال کر پہنے، ہیلمٹ سر پر رکھا، اور جیسے ہی انجن اسٹارٹ کیا، فضا میں ایک نرم سی گرج پھیل گئی۔ شاہ میر کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ اس کے ذہن میں بے اختیار ایک خیال ابھرا، "یہ لڑکی روشنی کی طرح ہے جسے ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا، صرف محسوس کیا جا سکتا ہے"۔ بائیک کے ہینڈل پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے حرم نے ایک لمحے کو گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کی نظریں جبران سے ہوتے ہوئے پل بھر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کو شاہ میر سے ٹکرائیں اور وقت ٹھہر سا گیا۔ شاہ میر کی نگاہوں میں کچھ تھا نہ حیرت، نہ سوال، بس ایک گہری خاموشی، جو شاید اس کے دل کی زبان تھی۔

"واہ!" حرم نے دل ہی دل میں سوچا، "یہ آدمی بھی کتنا مشکل ہے یا شاید میں ہی آسان نہیں ہوں" اگلے ہی پل، وہ فل اسپیڈ میں بائیک بھگاتی ارمان کی گاڑی کے پیچھے روانہ ہو گئی۔ بائیک کی گھن گرج اور مٹی کی خوشبو فضا میں اڑتی ہوئی پیچھے رہ گئی، اور شاہ میر چند لمحے وہیں کھڑا صرف دیکھتا رہ گیا۔

کیا تھی وہ لڑکی؟ نہ وہ روایتی تھی، نہ بغاوت میں تھی، بس اپنی حدوں میں مکمل۔ شاہ میر کے دل میں ایک نرم سا احساس ابھرنے لگا تھا جس کا نام شاید اسے ابھی معلوم نہیں تھا۔

☆..☆..☆..☆

راستے سنسان تھے، مگر ہوا میں وہی آزاد خوشبو تیر رہی تھی جو صرف پہاڑوں میں ملتی ہے۔ حرم فل اسپیڈ میں بائیک دوڑاتی جا رہی تھی، اور پیچھے ارمان بمشکل رفتار کا ساتھ دے پا رہا تھا۔ وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا کہ کوئی لڑکی بائیک نہیں، پورے منظر کو قابو میں لیے ہوئے ہے۔ راستہ

مڑتے ہی ایک سبزہ زار وادی آ گئی، جہاں پہاڑ جھک کر زمین کو چوم رہے تھے۔ وہاں چند قدیم درخت کھڑے تھے، اور ان کے سائے میں پھیلا سبز فرش دل کو ایک لمحے کو ٹھہرنے پر مجبور کرتا تھا۔ حرم نے بائیک روکی، ہیلمٹ اتارا اور چند لمحے ارد گرد دیکھنے کے بعد خاموشی سے ایک پتھر پر جا بیٹھی جہاں سامنے گہری کہانی تھی یا شاید وہ کوئی پرانی یاد تھی۔

اس کے سنہرے بالوں کی لٹیں چہرے سے سرکتی ہوئیں، دھوپ اور سائے کے سنگم میں ایک تصویر سی بن گئیں۔ ارمان گاڑی سے اترا، اسے دیکھ کر چند قدم چل کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا، مگر کچھ کہنے سے پہلے ہی رُک گیا۔ یہ لمحہ خاموش تھا، اور اس کی فطرت ایسی تھی کہ اس لمحے کی بے آواز عظمت کو لفظوں سے آلودہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ پھر خود حرم ہی بولی، جیسے اس کے سوال کا جواب پہلے سے سن رکھا ہو۔

"یہ جگہ دیکھی نہیں لیکن محسوس پہلے کی ہوئی ہے۔" وہ نیچے سبزے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کچھ لمحے وہیں بیٹھی رہی۔

"کبھی کبھی لگتا ہے، کچھ جگہیں ہماری روح کے اندر کہیں محفوظ ہوتی ہیں ہم بس وقت پر وہاں پہنچتے ہیں۔" ارمان نے آہستہ سے کہا۔ حرم نے سر اٹھا کر ایک پل کو اسے دیکھا، پھر دھیرے سے مسکرائی۔

"ہو سکتا ہے شاید ہم خود بھی کوئی ایسی ہی جگہ ہوں، جہاں کچھ لوگ کبھی پہنچ ہی نہیں پاتے۔"

یہ جملہ سن کر ارمان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لمحے کے لیے یہ بات کافی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارون ڈیوٹی سے فارغ ہو کر حویلی کے لیے نکلنے والا تھا۔ کچھ سلجھے اور کچھ الجھے سے بال، سرخ کالی آنکھیں، نیند کی کمی کی وجہ سے سوجے ہوئے پپوٹے، پیشانی پر گہرے بل، کریم شرٹ اور براؤن پینٹ میں ملبوس، ہاتھ میں اوور کوٹ اور گلے میں اسٹیتھو سکوپ لپٹا، اس لمحے وہ نہایت تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسٹاف تبدیلی ہوتی ہے؛ مارننگ شفٹ سے نائٹ شفٹ کی منتقلی کا سلسلہ جاری تھا، اور زارون بھی سفید راہداری میں خاموشی

کے ساتھ قدم بڑھا رہا تھا، لیکن اچانک اس کے شعور میں ایک چنگاری سی جل اٹھی، کافی دنوں سے وہ پریشے زمان سے نہ ملا تھا۔ اس کی ڈیوٹی ان دنوں خاصی سخت رہی تھی، اور اب اس کی روانی کا رخ بلا ارادہ اسی مقصد کی طرف مڑ رہا تھا۔ زارون بے اختیار قدم روم نمبر 7 کی جانب اٹھا رہا تھا۔ ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھتے ہی، اسے محسوس ہوا کہ دروازہ اندر سے لاک ہے۔ اس نے دو بار دستک دی، لیکن غیر معمولی سکوت نے اسے ڈرا دیا۔ ایک خاموش ٹوٹنے کی آواز نے اس کی بے چینی بڑھا دی۔ آخر کار وہ انتہائی بے قرار ہو کر وارڈ بوائے کو پکارنے لگا۔

"سلیم۔۔۔ سلیم۔۔۔ جلدی، روم نمبر سیون کی چابی لے آؤ!" اس کی آواز میں اضطراب کے ساتھ خوف بھی تھا۔ اسٹاف اس طرف متوجہ ہو گئے۔ سلیم دوڑتے آیا، زارون نے فوراً چابی چھین لی، لاک کھولا اور اندر قدم رکھتے ہی منظر نے اسے پتھر سا کر دیا۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پریشے بیڈ پر چت لیٹی تھی، چھت کو گھورتے اس کی نیلگوں، بڑی گول آنکھیں بند تھیں، لمبی پلکیں پھرتی رہیں، گال گلابی، ایسی بے خود کیفیت میں کہ اس کی صورت میں پاکیزگی کی روشنی جھلک رہی تھی۔ چند دنوں کی کونسلنگ نے اس کی حالت میں بظاہر بہتری لائی تھی، مگر کوئی کمرہ سے ہٹائی گئی چیز، کوئی شیشہ، کوئی زاویہ جس سے وہ خود کو محفوظ سمجھتی تھی، غائب تھا۔ نتیجتاً، وہ خود کو بے یار و مددگار محسوس کر رہی تھی۔ اسی لمحے، غفور حاسد انداز میں اس کی طرف جھکا، وہ ایک وارڈ بوائے تھا جو کئی دنوں سے اس پر نظریں ٹکائے ہوئے تھا اور آج موقع پا گیا تھا۔ اس کے پاس الزامات، گھورتی نظروں اور بدنیتی کے سائے چھائے ہوئے تھے۔

"ارے بلبل، مجھ سے کیوں چھپ رہی ہے؟ میں تمہارا ہمدرد ہوں..." جیسے ہی اس نے قریب آ کر اسے چھونے کی کوشش کی، پریشے نے جواباً چلاتے ہوئے دروازہ تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہ گئی۔ پھر غفور کی ہنسی نے اس کے تحمل کو چیر دیا۔ وہ خوف زدہ سی چیخ نکالنے لگی، مگر غفور اس پر حاوی ہوا۔ تبھی کسی کے قدموں کی جلدی سی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آواز نے کمرے کا توازن بدل دیا، وہ قدم زارون کے تھے، جو وہاں مدِ مقابل کھڑے تھے۔ پریشے کے ساتھ اس کی شدت، غفور پر قابو پانے کی بے تحاشا توانائی، وہ لمحہ جنون اور حکم کا سنگم تھا۔ زارون نے غفور کو ایک گھونسہ مارا، پھر دوسرا، وہ صرف مار رہا تھا، آنکھوں میں غضب کی آگ، لہجے میں قبائلی غضب۔

"تہ زو ° پسی، بدمعاش، دخنزیر زوی...!"

غفور کے قدم لڑکھڑائے، وہ زمین پر گرا، زارون کی رگنی زبان سے گالیوں کی بارش جاری رہی، وہ واقعی اس لمحے زندگی اور موت کے بیچ جنگ لڑ رہا تھا۔ اس نے پسٹل نکالی، مگر وہیں ایک آواز کی تیزی نے اسے حرکت میں روکا، "سر! وہ بے ہوش ہو رہی ہے!" یہ ڈاکٹر مشاہد کی آواز تھی۔ "سر، مریضہ زندہ ہے، اس کی جان بچانا ہمارا فرض ہے۔ بندوق بعد میں، جان پہلے!" زارون رک گیا۔ اس نے غفور کو ایک آخری لات ماری، پھر کمرے سے بھاگتے ہوئے پریشے کے پاس آیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اے پری،اوپن یور آئز..."زارون نے اس کے گال نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش دلانے کی کوشش کی،مگر وہ ناکام رہا۔پریشے کی سانسیں غیر منظم تھیں،اس کا چہرہ ہلکے زرد اور آنکھوں کے پپوٹے بند تھے۔وہ لمحہ ایک ڈاکٹر کے لیے نہیں،ایک بے بس انسان کے لیے کٹھن تھا۔

زارون نے فوراً جھک کر اسے بازوؤں میں بھر لیا۔وہ کانپتی،نڈھال سی گڑیا اس کے بازوؤں میں بے جان تھی،جیسے سانسوں کی ڈور لمحہ بہ لمحہ کھسک رہی ہو۔وہ لمبے تیز قدموں سے آپریشن تھیٹر کی جانب بڑھا۔وہ ایک نیورولوجسٹ تھا،دماغی کیفیات اور مائیگرین جیسے پیچیدہ کیسز روز دیکھتا تھا،مگر آج معاملہ کسی اور کا نہیں،پریشے کا تھا،وہ لڑکی جس کی خاموشی اسے اپنے اندر گونجتی سنائی دیتی تھی۔پریشے کو شدید مائیگرین کا دورہ پڑا تھا،جس میں وقت کا ہر ایک سیکنڈ اہم ہوتا ہے۔ذرا سی تاخیر اس کی زندگی کے چراغ کو بجھا سکتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کی طویل جدوجہد،دوا کے زیرِ اثر،سانسیں واپس آئیں۔مشین پر ہلکی سی حرکت،وہ نازک پلکیں جو مدھم سی لرزیں،وہی لمحہ تھا جہاں زارون نے گہرا سانس لیا،جیسے

پوری کائنات کا بوجھ ایک پل کو ہلکا ہو گیا ہو۔ اب وہ خطرے سے باہر تھی۔ انڈر آبزرویشن، مکمل نرمی، خاموشی، اور سائے میں لیٹی۔ زارون آہستگی سے وارڈ کے ایک کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھا، سر ہاتھوں میں تھامے۔ ذہن میں بار بار وہی سوال "اگر میں کچھ پل اور لیٹ ہو جاتا؟ اگر میں نہ آتا؟ اگر سلیم چابی نہ لاتا؟" سوچوں کا دائرہ اس کے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔ اس کا دل، دماغ، وجود سب لرز رہا تھا۔

تبھی ڈاکٹر شزا کی آواز نے خاموشی کو توڑا، "سر، آر یو اوکے؟" شزا نے جانچتی نظروں سے اسے دیکھا، اس کا پریشے کے لیے یوں مضطرب ہونا اسے اندر تک جھنجھوڑ گیا تھا۔ وہ پچھلے تین سالوں سے زارون کی توجہ کی خواہاں تھی، خاموشی سے ہر لمحہ اس کے ساتھ کام کرتے ہوئے امید باندھتی رہی کہ شاید کبھی وہ بھی اس کی نظر میں کچھ بن جائے، لیکن آج وہ اس کے چہرے پر صرف ایک ہی چہرہ دیکھ رہی تھی، پریشے۔ زارون نے بغیر اس کی جانب دیکھے، سرد اور مختصر لہجے میں کہا، "ہاں، مس شزا، آئی ایم اوکے۔ یو مے گو ناؤ۔ آئی ول مینج ایوری تھنگ۔" (ہاں مس شزا، میں ٹھیک ہوں، آپ جا سکتی ہیں، باقی سب میں سنبھال لوں

گا۔)شزا نے لب بھینچے،ناپسندیدگی سے رخ موڑ کر چلی گئی،اس کے دل میں حسد کی ایک گہری لکیر چھوڑتی ہوئی۔زارون کی نظریں اب دوبارہ پریشے کے چہرے پر مرکوز تھیں،جو اب بھی ہوش میں نہیں تھی۔مگر اس کی بند آنکھوں سے ایک آنسو بہہ نکلا تھا،بے ہوشی میں بھی ایک بے آواز فریاد،شاید زخم یاد دلانے کے لیے کافی تھی۔زارون کی مٹھیاں ضبط سے بھنچ گئیں۔دل جیسے سینے کی ہڈیوں کو چیرنے لگا۔وہ لمحہ صرف ایک ڈاکٹر کا نہیں،ایک مرد کا،ایک محافظ کا،ایک مجرم سا نادم انسان کا تھا۔اس نے خاموشی سے فون اٹھایا،اسکرین پر ایک نام ٹائپ کیا،حیدر خان۔رابطہ ملتے ہی اس کی آواز میں ایک انجان سی سنجیدگی تھی، وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کرنے والا تھا،ایک فیصلہ جو اب نہ کرتا،تو شاید کبھی نہ کر پاتا۔پریشے کی آنکھوں کے آنسو اس کے دل پر مہر ثبت کر چکے تھے۔

☆..☆..☆..☆

"السلام علیکم خالہ جان..."زرینہ خاتون جو شام کا کھانا کھا کر سب کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھیں،یہ آواز سن کر جیسے پتھر کی ہو گئیں۔لمحہ بھر کو لاؤنج میں موجود سب کے جسم ساکت

ہو گئے۔ دروازے پر کھڑا وجود، وجاہت اور وقار کی مکمل تصویر تھا۔ بلیک پینٹ، سفید شرٹ اور اوور کوٹ میں ملبوس، ہاتھ میں برانڈڈ گھڑی، پاؤں میں مہنگے لیدر شوز، چمکتی آنکھیں اور رنگت میں گھلی سرخی، وہ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی ریاست کا شہزادہ ہو۔ وہ بالاج دراب خانزادہ تھا۔ پاکستان کا نامور وکیل، اور زاراخان کا سابقہ منگیتر۔ کہانی ایک نئے موڑ پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ پرانی گرہیں ابھی کھلی نہ تھیں کہ نئی الجھنیں سر اٹھا چکی تھیں۔

"کیسی ہیں آپ خالہ جان؟" بالاج آہستہ آہستہ چلتے ہوئے زرینہ خاتون کے پاس آیا اور عقیدت سے ان کے ہاتھ چومے۔ سب لوگ اسے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وقت اچانک پیچھے پلٹ آیا ہو۔

"کیسے ہو لالا؟" دلشیر، جس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا، بالاج سے لپٹ گیا۔

"میں ٹھیک ہوں دل، تم کیسے ہو؟" بالاج نے اس کے بال بگاڑتے ہوئے کہا۔ وہ گردو نواح پر نظر دوڑاتا رہا لیکن جسے وہ تلاش رہا تھا، وہ موجود نہ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"خالہ جان،باقی سب کہاں ہیں؟نظر نہیں آرہے؟"زرینہ خاتون نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا،"بیٹا،سفیر کو خان نے بیرون ملک بھیجا ہے کام سے،اور خان ڈیرے پر ہے،آتا ہی ہو گا۔"

"اور زارا؟وہ کہاں ہے؟نظر نہیں آرہی۔"یہ سوال جیسے پورے ماحول پر بم بن کر گرا۔ زرینہ خاتون کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگیں۔

"خالہ جان،آپ رو کیوں رہی ہیں؟"بالاج کا دل کسی ان دیکھے طوفان کی خبر دے رہا تھا۔ اشعر،جو اس کا سامان لیے دروازے پر کھڑا تھا،قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہ کر سکا۔ ماحول کی کشیدگی اسے منجمد کر چکی تھی۔

"زارا کہاں ہے؟"بالاج کی آواز اب ایک سوال نہیں،دھاڑ بن چکی تھی۔اسی وقت شیر خان حویلی میں داخل ہوئے،اور ان کی آنکھوں میں لمحے بھر کو گھبراہٹ چھلک گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زارا کو سفیر خان کے بدلے ونی کر دیا گیا ہے..." دلشیر نے بمشکل لب کھول کر سچ بیان کیا۔ بالاج زرینہ خاتون کو دیکھ رہا تھا، جیسے ان کے آنسوؤں سے سچ کا خون رس رہا ہو۔

"یہ فیصلہ کس نے کیا؟" بالاج کی آواز میں اب برف کی سی سردی اور آتش کی سی جلن تھی۔ یہ وہ بالاج نہیں تھا جو چند لمحے پہلے شفقت سے ان کے ہاتھ چوم رہا تھا، یہ خان دراب تھا، جو زارا کے تقدس کا محافظ تھا۔

"تایا جان نے..." دلشیر کے بولتے ہی بالاج کا رخ شیر خان کی طرف ہو گیا، جو پسینے میں شرابور، ندامت کی تصویر بنے کھڑے تھے۔

"کس سے پوچھ کر آپ نے زارا کو ونی کیا؟" بالاج قدم بہ قدم چلتے ان کے قریب آیا۔ "کس کے ساتھ ونی کیا؟" اس نے شیر خان کا کالر دبوچ لیا۔ "آپ کی ہمت کیسے ہوئی؟ میری منگیتر کو ونی کرنے کی؟ خون آپ کے بیٹے نے کیا، اور قربانی کے لیے میری زارا کو پیش کر دیا؟ تف ہے ایسے فیصلے پر!" اس نے جھٹکے سے کالر چھوڑا، اور سر جھٹکتے ہوئے صحن میں رکھا ایک بڑا سا گملہ اٹھایا اور دیوار پر لگے شیشے پر دے مارا۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جیسے ساری حویلی چیخ اٹھی۔ "چپ! بالکل چپ! اگر کسی کی آواز نکلی، گدی سے زبان کھینچ لوں گا!" بالاج کی غراہٹ سن کر سب کی آوازیں گلے میں دب گئیں۔

"اشعر! گاڑیاں نکالو، سب گارڈز کو لے کر آؤ۔ ایک سیکنڈ کے اندر!" اس کی کمان جیسی آواز سے شیر خان کی جان حلق میں آ گئی۔

"بالاج! تم کیا کر رہے ہو؟ اگر زارا واپس لائے، تو وہ لوگ سفیر کو مار ڈالیں گے۔ اعلانِ جنگ ہو جائے گا!" شیر خان نے اسے روکنے کی آخری کوشش کی۔

"مجھے پروا نہیں! وہ لوگ سفیر کے ساتھ جو چاہے کریں، زارا میری منگیتر ہے، میرے ہوتے ہوئے کسی اور کی ونی نہیں بنے گی! اگر اب کوئی میرے راستے میں آیا تو اسے زمین میں گاڑھ کر آگے بڑھ جاؤں گا!" جاتے جاتے وہ شیر خان کے قریب رکا، "اور ہاں! اب آپ صرف اپنا سوچیں، مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں!" وہ تیز تیز قدموں سے حویلی کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسے پار کر گیا، پیچھے شیر خان سکتے میں رہ گئے۔ وہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ان کے

ایک فیصلے نے جنگ کے دروازے کھول دیے ہیں۔ چند لمحوں بعد، حویلی سے چار گاڑیاں زاراخان کی آزادی کے لیے روانہ ہو چکی تھیں، ایک نئی لڑائی کے آغاز کے ساتھ۔

☆..☆..☆..☆

"تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ وہ لڑکی پاگل ہے، اور تم، تم تو نہیں پاگل ہو گئے؟ ہمیں نہیں پتہ وہ کون ہے، کہاں سے آئی ہے، اس کا خاندان کیا ہے، کچھ بھی نہیں۔ یہاں تک کہ جو نام اس نے بتایا ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ، کوئی گارنٹی نہیں۔ وہ ایک ذہنی مریضہ ہے، بات سمجھنے کی کوشش کرو زارون۔" حیدر خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ کب سے ضبط سے کام لے رہے تھے، لیکن زارون تھا کہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ زارون نے کچھ دیر پہلے انہیں کال کی تھی، اور اب وہ، ربان خان اور شاہ میر کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھے۔ باران چونکہ ایک ضروری میٹنگ کے سلسلے میں حویلی میں ہی رک گیا تھا۔

"بابا، وہ پاگل نہیں ہے۔ وہ ایک صدمے سے گزری ہے۔ اگر اسے گھر جیسا ماحول، پیار اور خیال ملے گا تو وہ خود ہی نارمل ہو جائے گی۔ بس آپ ایک بار اسے سمجھنے کی کوشش تو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کریں۔"زارون کی آواز میں ضد بھی تھی اور ایک عجب نرمی بھی، جو حیدر خان کو اور چڑھا رہی تھی۔

"زارون، تم میری بات کیوں نہیں سن رہے؟"حیدر خان نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا اور سر پکڑ لیا۔وہ دونوں اس وقت کیبن کی بالکنی میں کھڑے تھے۔اندر ربان خان اور شاہ میر بیٹھے تھے، مگر دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز اندر نہیں جا رہی تھی۔

"بابا، آپ بھی تو میری بات نہیں سن رہے۔"زارون کے لہجے میں اب بھی وہی ضد تھی۔

"زارون، دیکھو، میں نے اور لالا نے پری گل کو تمہارے لیے سوچا ہے۔"یہ سنتے ہی زارون چونک گیا۔اس نے حیرت سے اپنے والد کو دیکھا جو اب نظریں اس سے نہیں ہٹا رہے تھے۔آج صبح ہی ربان خان نے یہ بات چھیڑی تھی اور حیدر خان نے بھی فوراً رضامندی دے دی تھی۔مگر اب، زارون کی یہ ضد انہیں الجھا گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بابا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ گل بھابھی مجھ سے بڑی ہیں، میری بہن جیسی ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ میرے شہزی لالا کی بیوی رہی ہیں۔" زارون کے لہجے میں ناگواری تھی اور نظر میں شکوہ۔ حیدر خان اس کی بات پر نظریں چرا گئے۔

"بیٹا، وہ اب شہزاد کی بیوی نہیں، منکوحہ تھیں۔ اب بیوہ ہیں اور عمر کا فرق تو صرف تین مہینے کا ہے، اور رہی بات بہن جیسی لگنے کی تو"

"بابا پلیز!" زارون نے سخت لہجے میں بات کاٹی۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اگر آپ کو گل بھابھی کی شادی کرنی ہے تو شاہ لالا سے کروا دیں، لیکن مجھے اس معاملے سے دور رکھیں۔" اس نے یہ کہہ کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"زارون، دیکھو، شاہ میر کے لیے ہم نے سائرہ کا سوچا ہے اور جو کچھ ہوا وہ تو تمہاری وجہ سے ہی ہوا ہے۔" یہ سنتے ہی زارون نے حیرت سے باپ کی طرف دیکھا۔

"میری وجہ سے؟ میں نے کیا کیا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم نے ہی جرگے میں ونی کی بات اٹھائی تھی، ورنہ ہم تو سفیر خان کو ہی خون بہا میں لیتے اور بات ختم ہو جاتی۔ اب ہمیں سائرہ کے لیے شاہ میر کو رکھنا پڑ رہا ہے۔ ورنہ تم جانتے ہو ہم پری گل کے لیے شاہ میر کو ہی دیکھ رہے تھے۔"

زارون تھوڑی دیر خاموش رہا، دانتوں سے ہونٹ چباتا رہا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ جذبات میں اس نے کچھ ایسا کر دیا جو حساب برابر نہیں آنے دے رہا تھا۔

"بابا پلیز، مجھے ان سب میں مت الجھائیں۔ میں صرف پریشے سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صرف ایک بار اس سے مل لیں، بہت پیاری، سیدھی سادھی سی لڑکی ہے۔" زارون کے لہجے میں جیسے کوئی اور ہی بات چھپی تھی۔ حیدر خان نے غور سے بیٹے کو دیکھا، جیسے کچھ جاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"میرا مطلب ہے، بس ایک بار مل لیں نا۔" اس نے شرمندہ سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ آخر کار، حیدر خان نے ہار مان ہی لی۔

"اچھا ٹھیک ہے، چلو لیکن میں لالا کو کیا کہوں گا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بابا، آپ 'دی گریٹ حیدر خان' ہیں، یہ آپ کے لیے مسئلہ ہے؟" زارون ہنسا، لیکن باپ کی گھورتی نظروں نے اسے فوراً سنجیدہ کر دیا، اور وہ جلدی سے اندر چلا گیا۔

"اگر تم دونوں باپ بیٹا نے خود ہی باتیں کرنی تھیں تو ہمیں یہاں کیوں بلایا؟" ربان خان نے بالکنی سے باہر آتے زارون اور حیدر خان کو ایسے گھورا جیسے ان کی کلاس لینی ہو۔ وہ دونوں کب سے شاہ میر اور ربان خان یہاں بٹھا کر خود بالکنی میں نجی میٹنگ فرما رہے تھے۔

ربان خان کی بات پر حیدر خان تھوڑا سا گڑبڑا گئے، جس پر شاہ میر نے بمشکل اپنی ہنسی روکی اور باپ کو دیکھا، جو اب نظریں زارون پر گاڑ چکے تھے۔ شاہ میر نے بلیک شرٹ پر کریم لیدر جیکٹ اور بلیک پینٹ پہن رکھی تھی۔ بال فوجی اسٹائل میں سلیقے سے سجے ہوئے تھے۔ جبکہ حیدر خان اور ربان خان دونوں شلوار قمیض میں ملبوس تھے؛ ربان خان نے بادامی رنگ کی شلوار قمیض پر سفید شال اوڑھی تھی، اور حیدر خان نے گندمی شلوار قمیض پر گرے شال لی ہوئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں لالا،ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔"حیدر خان نے فوراًبات سنبھالی اور ربان خان کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے دوبارہ بالکنی کی راہ لی اس بار دروازہ بند کرنا نہ بھولے۔ انہیں بخوبی اندازہ تھا کہ ان کے نالائق سپوت کی وجہ سے ربان خان نے ان کی خاصی کلاس لینی ہے،اور وہ منظر سب کے سامنے نہیں چاہتے تھے۔

"یہ ہو کیا رہا ہے؟ پہلے بابا تمہیں لے کر بالکنی میں بند ہوئے،اب بابا تایا جان کو لے گئے، آخر چکر کیا ہے؟"شاہ میر نے مشکوک نظروں سے زارون کو دیکھا،جو گہرا سانس لیتے ہوئے پوری کہانی شروع سے آخر تک سنانے لگا۔شاہ میر تو جیسے حیرت سے اچھل پڑا وہ فتنے کو آنکھیں نکالنے لگا جس نے اسے ایک نئی مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔

"زارون!تم نے بابا کو میرے لیے پری گل کا رشتہ سوچنے کا کہا؟"زارون نے پوری معصومیت سے دانت نکالتے ہوئے ہاں میں سر ہلا دیا،جیسے اس نے کوئی شاباشی کا کام کر دیا ہو۔شاہ میر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اسی وقت زارون کا منہ توڑ دے۔

"میں کیا کروں تیرا یار!"شاہ میر نے دانت پیستے ہوئے چھت کی طرف دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیوں لالا؟ میں نے کون سا گناہ کر دیا؟"زارون نے معصوم آنکھوں سے دیکھا، جیسے پوچھ رہا ہو کہ بے قصور ہوں، بس تھوڑا سا رشتہ پکا کرا دیا ہے۔

"زارون۔۔۔"شاہ میر نے گہری سانس لیتے ہوئے پوری بات اس کے گوش گزار کی۔

زارون نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"لالا! میری ناک کے نیچے تمہیں محبت ہو گئی؟ اور مجھے خبر بھی نہیں ہوئی؟ اور وہ بھی مس سنجیدہ سے!"زارون نے حرم کے لیے نیا خطاب رکھ چھوڑا تھا۔ جب سے وہ آئی تھی، اس نے اس کے چہرے پر سنجیدگی کے سوا کوئی تاثر نہیں دیکھا تھا، اس لیے وہی نام مناسب لگا۔

"تو کیا تیری ناک پر بیٹھ کر کرتا محبت؟ اور تمیز سے، نام ان کا 'حرم جی' ہے!"شاہ میر پہلے تو ناک کی بے عزتی پر جھنجھلایا، پھر حرم جی پر جیسے خود کو تھپڑ مارنے کو تیار ہو گیا۔

"بس کر اب، بابا آ رہے ہیں۔"شاہ میر نے بالکنی کی طرف دیکھا، جہاں سے حیدر خان باہر نکل رہے تھے، ان کا چہرہ سرخ تھا، اور آنکھوں میں وہی غضب چھپا تھا جو زارون کے کان کھینچنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

ربان خان ان کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"آئیے بھئی برخوردار، ملوائیے ہمیں اس بچی سے جس کے نصیب آج سے بگڑنے والے ہیں۔" ربان خان نے زارون کو گھورتے ہوئے کہا۔ زارون اتنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

"تایا جان، ایسی بھی کوئی بات نہیں" زارون نے بمشکل صفائی دینے کی کوشش کی، لیکن ربان خان کی تیز گھوری نے اس کی زبان بند کرا دی دانتوں میں دبا کر۔

پریشے کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے، سب کے چہروں پر مختلف تاثرات تھے۔ دروازہ کھلا، تو اندر کا منظر سادہ مگر خاص تھا پریشے، جو خاموشی سے سیب کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چبا رہی تھی، یکدم چونکی۔ اس کی نظریں خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے دروازے پر آ رکیں۔

"ڈاکٹر ڈاکٹر" پریشے گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہی ڈاکٹر شزا سے لپٹ گئی۔ وہ واحد چہرہ تھا جو اس کے لیے اجنبی نہیں تھا، ورنہ معمولی سی آہٹ پر بھی وہ پینک میں چلی جاتی تھی۔

زارون نے پہلے ہی شزا کو کال کر کے بلایا تھا، جانتا تھا پریشے اس کی موجودگی میں خود کو محفوظ محسوس کرے گی۔

"پری، پری ریلکس کرو یہ سب زارون سر کے گھر والے ہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔" ڈاکٹر شزا نے نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے دھیرے سے سمجھایا۔ پریشے کی گرفت ڈھیلی ہوئی، سانسیں معمول پر آئیں، مگر وہ اب بھی نظریں نیچی کیے بیٹھی رہی۔

"تھینک یو ڈاکٹر شزا، آپ نے ڈیوٹی پر نہ ہونے کے باوجود میری ایک کال پر آنے کا وقت نکالا۔ میں واقعی بہت ممنون ہوں۔" زارون نے دھیمے اور شائستہ انداز میں شکریہ ادا کیا۔

"سر، پری میرے دل کے بہت قریب ہے۔ اس کی حالت ایسی ہے کہ کسی پر بھی اثر چھوڑ دے۔ آپ نے بلایا، یہ میرے لیے اعزاز ہے۔" شزا نے نرمی سے مسکرا کر جواب دیا اور پریشے کے قریب بیٹھ کر اسے ایک اور سیب کا ٹکڑا پکڑا دیا، جسے وہ خاموشی سے چبانے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارون نے آہستگی سے قدم بڑھایا اور کہا،"بابا،یہ ہیں پریشے زمان۔"یہ سن کر حیدر خان اور ربان خان آگے بڑھے۔ان کے چہرے پر سنجیدگی اور نرمی دونوں تھی۔دونوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔یہ لمس اجنبی نہیں،لیکن نیا ضرور تھا۔ڈاکٹر شزا یہ منظر حیرت سے دیکھ رہی تھی ان جیسے سخت گیر سردار،ایک ذہنی و جذباتی کمزور بچی پر اس قدر شفقت سے ہاتھ رکھتے حیرت انگیز تھا۔

زارون نے اس کی حیرانی کو محسوس کرتے ہوئے بات واضح کی۔"ڈاکٹر شزا،میں مس پریشے سے نکاح کرنے جارہا ہوں۔"

شزا نے چند لمحوں تک اسے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں حیرت کی جگہ خوشی نے لے لی۔

"سر آپ واقعی؟"

"جی۔"زارون نے ہلکی مسکراہٹ سے سر ہلایا۔

شزا نے بے اختیار رخ موڑا اور پریشے سے پوچھا،"پری،کیا تمہیں زارون سر سے ڈر لگتا ہے؟"پریشے نے چند لمحوں کے توقف کے بعد،آہستہ سے سر اٹھایا اور نفی میں سر ہلا دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارون کی مونچھوں تلے ایک مطمئن سی مسکراہٹ ابھری، جو دیر تک اس کے لبوں پر ٹھہری رہی۔

"یہ تم سے نکاح کرنا چاہتے ہیں کیا تم راضی ہو؟" شزا کا لہجہ اتنا دھیما تھا جیسے وہ اسے آواز سے نہیں، جذبے سے مطمئن کرنا چاہ رہی ہو۔ پریشے نے مختصر لمحے کے توقف کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اس شخص کو قبول کر رہی تھی، جس نے اسے ایک مریضہ کے بجائے انسان سمجھا تھا۔ وہ اب خود کو اس اسپتال میں غیر محفوظ سمجھ رہی تھی اس لیے فلحال یہی بہتر تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارون نے نکاح خواں کو بلایا۔ کچھ ہی دیر میں، زندگی کے رشتوں کی ایک نئی لکیر کھنچ چکی تھی پریشے زمان، اب پریشے زارون حیدر خان بن چکی تھی۔ سب نے مبارک باد دی، ماحول خوشی سے بھر گیا۔

"سر، اب تو جلدی سے منہ میٹھا کروا دیں!" ڈاکٹر شزا جوش میں بول گئی، پھر جیسے کچھ یاد آ گیا ہو، فوراً رکی۔

"کوئی بات نہیں،ڈاکٹر شزا۔ فضل،پورے اسٹاف میں مٹھائی بانٹ دو۔"زارون نے مسکرا کر اس کی جھجک کم کی اور آہستہ سے آگے بڑھ کر پریشے کا ہاتھ تھاما۔اسے نرمی سے اٹھایا اور کہا۔

"چلیں؟"

حیدر خان،ربان خان اور شاہ میر کمرے سے نکل چکے تھے۔زارون،پریشے کو آہستہ آہستہ لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔پریشے بار بار مڑ

کر ڈاکٹر شزا کو دیکھ رہی تھی،جو دروازے پر کھڑی،خاموشی سے مسکرا کر اسے الوداع کہہ رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

خان حویلی کے باہر شور برپا ہوا جب ایک کے بعد ایک،سیاہ شیشوں والی چمچماتی گاڑیاں گیٹ کے باہر آرکیں۔

"گیٹ کھولو!" بالاج خانزادہ کے ڈرائیور نے رعب دار آواز میں چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار ایک لمحے کو سہم گیا، پھر جلدی سے بولا، "صاحب سے پوچھے بغیر دروازہ نہیں کھول سکتا!" اور وہ دوڑتا ہوا اندر کی طرف لپکا۔ حویلی کے اندر اس وقت خواتین لاؤنج میں تھیں، باران اپنے کمرے میں کسی اہم میٹنگ میں مصروف، اور زارا کچن میں کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔

"خان صاحب، خان صاحب!" چوکیدار نے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی، مگر باران کا کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔ آواز اندر تک نہیں پہنچی۔

زرخان، حویلی کا وفادار پرانا ملازم، فوراً وہاں پہنچا۔ "شفیق، کیا ہوا اتنا شور کیوں مچا رکھا ہے؟"

"خان جی، کوئی 'بالاج خانزادہ' آئے ہیں، درجنوں لوگوں کے ساتھ۔ رعب دار آدمی لگتے ہیں۔ خان صاحب کو خبر دوں؟" زرخان کے چہرے پر بھی تشویش کے آثار تھے۔ اتنے برسوں میں اس نے ایسی آمد و رفت کم دیکھی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زنان خانے کی طرف شور کی آواز گئی تو زوبیہ خانم نے چونک کر پوچھا،"ساجدہ،ذرا دیکھو تو کیا ہنگامہ ہے باہر؟"

ساجدہ تیزی سے نکلی،اور زرخان سے جا ملی۔"کیا معاملہ ہے خان؟"

"کوئی بالاج خانزادہ آئے ہیں۔خان سختی سے کہہ چکے ہیں کہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اب بتاؤ، کیا کریں؟"زرخان نے لب بھینچتے ہوئے کہا۔

"ہمیں خود بتانا پڑے گا!"ساجدہ جلدی سے زنان خانے کی طرف لپکی۔زرخان اپنی بیوی کی پھرتی دیکھ کر رہ گیا۔ادھر،بالاج خانزادہ نے ایک سرد نگاہ گیٹ پر ڈالی،اور بغیر کسی تاخیر کے حکم دیا۔

"اشعر،دروازہ کھلواؤ۔"اشعر نے لمحہ ضائع کیے بغیر ایک ہوائی فائر کیا،اور گیٹ کھل گیا۔ سب ملازموں نے افسوس کے ساتھ اس نئے ملازم کو دیکھا جو بنا کچھ سوچے سمجھے دروازہ کھول گیا تھا۔بالاج خانزادہ اندر داخل ہوا،اس کی آمد میں ایک شاہانہ جلال تھا،اور آنکھوں میں وہ غضب،جو پہاڑیوں میں جنم لینے والے مردوں کی پہچان ہوتا ہے۔

"خانم جی!"ساجدہ ہانپتی ہوئی زنان خانے میں پہنچی،"باہر کوئی بالاج خانزادہ آئے ہیں۔"

سناٹے میں جیسے دھماکا ہوا۔زارا جو ہاتھ میں ٹرے لیے آ رہی تھی،اس کے ہاتھ سے شیشے کی ٹرے چھوٹ کر زمین پر گری۔ تڑاخ کی آواز نے سب کو چونکا دیا۔زارا کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔شال کندھے سے سرک گئی تھی۔وہ گم صم دروازے کی جانب بڑھی،لیکن بالاج خانزادہ پہلے ہی حویلی میں داخل ہو چکا تھا۔

"کون ہو تم؟اور کیسے اندر آئے؟"زوبیہ خانم کی چیخ بلند ہوئی۔ان کے ساتھ حبہ خانم اور اسماہ خانم بھی کھڑی ہو گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بالاج لالا"زارا کے لبوں سے مدھم سی آواز نکلی۔بالاج کی نظریں زارا پر جمی تھیں،پٹھانی فراک،گندھی ہوئی چٹیا،ہلکی کپکپاہٹ،یہ وہی زارا تھی،اس کی زارا۔

"زارا!"وہ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب آیا۔سب خواتین دم بخود رہ گئیں۔

"زارا، میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" بالاج نے اس کی کلائی اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اعلان کیا۔ فضا میں سنسنی سی پھیل گئی۔ زرمینے نے یہ منظر دیکھا، تو وہ برق رفتاری سے اوپر کی منزل کی طرف بھاگی۔ باران کے دروازے پر پہنچ کر اس نے زور زور سے دستک دی۔ باران نے میٹنگ روک کر دروازہ کھولا۔

"کیا ہوا، زرمینے؟ میں کام میں تھا" لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ زرمینے نے جو کچھ کہا، وہ سن کر باران خان کی آنکھوں میں جیسے بھڑکتے شعلے آ گئے۔

"تم کمرے میں جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔" اس نے اپنی شال جھٹکی اور قدموں میں طوفان لیے نیچے کی طرف بڑھا۔ نیچے کا منظر ناقابلِ یقین تھا۔ زنان خانے کے بیچوں بیچ، ایک اجنبی مرد زارا کی کلائی تھامے کھڑا تھا۔ باران کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ بے تحاشا غصے سے آگے بڑھا، بالاج کی پشت سے آ کر اسے زوردار دھکا دیا۔

"کون ہے تو؟ اور حوصلہ کیسے ہوا میری حویلی میں گھسنے کا؟" اس کی دھاڑ پوری حویلی میں گونجی۔

"اور تیری ہمت کیسے ہوئی میری زارا کو ونی میں دینے کی؟" بالاج کی گرجدار آواز نے مقابل کو جواب دیا۔ "میری زارا ہے وہ! میری منگیتر! اگر بدلہ لینا تھا تو مرد بن کر لیتے، ایک عورت کو کیوں نشانہ بنایا؟" یہ سنتے ہی باران کی آنکھیں زارا پر پڑیں، جو لرزتی کھڑی تھی۔

"خبردار، اگر دوبارہ میری عورت کا نام لیا!" باران نے بالاج کے چہرے پر پہلا مکا رسید کیا۔ ایک کے بعد ایک وار، گویا اس کے غصے کا سیلاب ٹوٹ پڑا۔

"وہ میری منگیتر ہے!" بالاج بھی پیچھے نہیں ہٹا۔

"وہ میری بیوی ہے!" باران کی آواز اس سے دوگنی بلند تھی، اور ہاتھوں میں شدت دوچند۔ اب دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ ایک جانب زارا کا بچپن، دوسری طرف اس کی حالیہ حقیقت۔ ملازمین کمرے کے باہر بے بس کھڑے تھے۔ کوئی اندر آنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔ خواتین خوف سے چیخ اٹھیں۔ زارا ساکت کھڑی تھی، جیسے ہوش و حواس چھوڑ چکی ہو۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اور یہ اندر سے آوازیں؟" مرد حضرات جو ابھی ہسپتال سے واپس آئے تھے، پورچ میں ساری گاڑیاں اور گارڈز دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اندر سے آتی تیز آوازیں سن کر وہ سب بے چین ہو گئے اور اندر کی جانب دوڑے۔ پریشے راستے میں سو گئی تھی اس لیے

زارون نے اسے گاڑی میں ہی رہنے دیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" ربان خان اور حیدر خان نے جب زنان خانے میں کسی غیر مرد کو دیکھا تو غصے سے دھاڑے، جبکہ شاہ میر اور زارون نے آگے بڑھ کر باران اور بالاج کو الگ کر دیا، جو ایک دوسرے سے اچھے خاصے لڑ چکے تھے۔

"کون ہو تم؟ اور کس ہمت سے ہماری حویلی میں گھسے؟" ربان خان نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"میری منگیتر ہے زارا، جسے آپ لوگ خون بہا کر لے کر آئے ہیں!" بالاج نے پوری شدت سے جواب دیا۔ یہ سن کر سب مردوں کو معاملے کی سنگینی سمجھ آ گئی۔

"دیکھو، ہم نے زبردستی نہیں کی۔ شیر خان نے خود اس لڑکی کو ہمارے حوالے کیا ہے!" حیدر خان نے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی۔

"نہیں! بالکل نہیں! تم لوگوں نے وٹی پر زور ڈالا تھا!" بالاج نے سختی سے کہا۔ حیدر خان نے زارون کو گھورا جو شرمندہ سا کھڑا تھا۔

"نہیں ہے تیری منگیتر، وہ میری بیوی ہے۔ زاراباران حیدر ہے، وہ حیدر خان کی بہو اور باران خان کی عورت ہے۔ خبردار! اپنی گندی زبان سے میری بیوی کا نام بھی لیا تو!" باران نے پھر سے چیخ کر بالاج کی طرف قدم بڑھایا، مگر شاہ میر نے اسے روک دیا۔

بالاج نے زارا کی طرف قدم بڑھایا، "زارا، تم میرے ساتھ چلو، یہ لوگ نہیں جانتے کون ہوں میں۔" وہ اس کا بازو پکڑنے لگا۔ باران نے ایک جست میں زارا کو اپنے پیچھے کھینچ لیا، جو اب اس کی پشت کے پیچھے چھپ چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارا کی کپکپاتی مگر پر زور آواز سنائی دی، "بالاج لالا، میں نہیں جاؤں گی۔" سب کی نظریں زارا پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ باران کی پشت سے اپنی مٹھیوں میں قمیض جکڑے کپکپا رہی تھی، مگر اس کے الفاظ میں ایک ہچکچاہٹ کے ساتھ بھی ضد اور ہمت تھی۔

"زارا، ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو، میں ان سب کو دیکھ لوں گا۔" بالاج نے نرم لہجے میں کہا، لیکن زارا نے اپنے سر کو زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے کہا، "نہیں میں نہیں جاؤں گی۔" یہ سن کر باران نے بالاج کو طنزیہ بھری نظروں سے دیکھا، جس سے بالاج کا رنگ سرخ ہو گیا۔ باران نے زارا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا، "سن لیا تم نے، وہ نہیں جائے گی۔" وہ اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ زارا جسمانی طور پر بے بس تھی مگر اس کی آنکھوں میں وہی ہمت اور ضد جلی ہوئی تھی، جو اسے اندر سے مضبوط بنا رہی تھی۔

"دوبارہ ہماری حویلی میں بلا اجازت داخل ہوئے تو اپنے پیروں پر واپس نہیں جا سکو گے!" ربان خان نے دھمکی دی، بالاج نے خونخوار نظروں سے سب کو گھورتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ زارا کی نظریں باران کی آنکھوں میں تھیں، وہ کپکپا رہی تھی مگر اب اندر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے کچھ زیادہ پختہ تھی،ایک عورت جو اپنی جگہ جیتی جاگتی ہے،چاہے حالات کتنے ہی سخت ہوں۔باران سب پر ایک نگاہ ڈالتا اس کا بازو پکڑے سیڑھیاں عبور کرتا چلا گیا۔

"لالا،میں پری کو لے کر آتا ہوں۔"زارون نے آہستگی سے شاہ میر سے کہا اور پورچ کی طرف بڑھ گیا،جہاں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اس کی

پری اس کی ہی شال میں لپٹی گہری نیند میں سو رہی تھی۔وہ بے حد آہستگی سے اسے بازوؤں میں اٹھاتا،اس کا سر اپنے کندھے سے لگائے اندر لے آیا۔

"زارون،یہ کون ہے؟"اسماہ خانم نے چونک کر پوچھا،جب انہوں نے زارون کو ایک لڑکی اٹھائے دیکھا،وہ لڑکی جو بے خبر نیند میں اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔زارون کی نظریں فوراً باپ پر جا ٹھہریں۔

"بابا"اس نے ہلکی سی جھجک اور التجا بھری نگاہوں سے حیدر خان کو دیکھا۔

حیدر خان نے مختصر سا اشارہ کیا،"لے جاؤ اسے اندر۔"زارون فوراً پریشے کو لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ادھر اسماہ خانم نے سوالیہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا تو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حیدر خان نے انہیں لاؤنج میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، "آؤ، بیٹھو۔ میں سب بتاتا ہوں۔" سب کے بیٹھتے ہی انہوں نے زارون اور پریشے کے نکاح، اور اس کی ذہنی حالت سے متعلق سب کچھ تفصیل سے سنا دیا۔ سب نے بغور سنا، اور کسی نے کھل کر اعتراض نہ کیا، سوائے جبہ خانم کے، جن کے دل میں چنگاریاں سلگنے لگیں۔

"ایک کو تو نکالنے کا موقع نہیں ملا، اب ایک اور آ گئی۔۔۔" وہ دل میں بھناتی رہ گئیں، مگر لب خاموش رہے۔

"کھانا تیار ہے کیا؟ بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔" شاہ میر نے ہنسی میں بات کا رُخ بدلا۔ وہ نظریں دوڑاتے کسی مخصوص چہرے کو تلاش کر رہا تھا۔

"مورے، ارمان کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہا۔" اس نے اچانک پوچھا۔

"بچہ وہ تو دوپہر کو گیا تھا، ابھی تک نہیں آیا۔" اسماء خانم نے سادہ انداز میں کہا، لیکن اس جواب نے سب کو چونکا دیا۔

شاہ میر سیدھا ہو بیٹھا، "کیا مطلب؟ ابھی تک واپس نہیں آیا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حرم بھی ساتھ تھی اس کے" وہ آہستگی سے بولا تو جیسے ماحول ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

حیدر خان کی آواز میں اب فکر شامل تھی، "شاہ میر، فوراً پتہ کرو۔ وہ اکیلا نہیں ہے، حرم بھی اس کے ساتھ ہے۔" جو ٹینشن ابھی ختم ہوئی تھی، وہ پھر ایک نئے خدشے میں بدل چکی تھی۔ سب کے چہروں پر فکر کی پرچھائیاں واضح تھیں۔

"کیا مطلب؟ حرم ارمان کے ساتھ کہاں گئی؟" اسماہ خانم نے بے چینی سے پوچھا۔ شاہ میر نے سب کو پوری بات بتائی جس سے زوبیہ خانم تپ گئیں۔

"خان، تم کیا کرتے ہو؟ کیوں بھیجا بچی کو ارمان کے ساتھ؟ تم جانتے ہو، کیسا پاگل ہے وہ بائیک کے پیچھے!" ربان خان بے بس ہو گئے۔

"خانم، ہم نے نہیں بھیجا"

"ہونہہ! اب مت کہو کچھ۔" زوبیہ خانم نے غصے میں رخ موڑا، ربان خان سر جھکا گئے۔ ان کے لیے زوبیہ خانم کے سامنے بولنا ہمیشہ سے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مشکل رہا تھا۔

"خان صاحب خان صاحب، دیکھیے!" ساجدہ بد حواسی کے عالم میں بھاگتی ہوئی اندر آئی، اور اس کے پیچھے سب کے قدم بھی داخلی دروازے کی سمت پلٹ گئے۔ جیسے ہی سب نے دروازے کی جانب نظر کی، تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، اور لب وا ہوئے۔ سامنے سے حرم مکمل بے ہوش ارمان کو اپنے کندھے پر لادے اندر داخل ہو رہی تھی، باریک پنسل ہیلز میں اس کا توازن قابلِ تحسین تھا۔ ایک ہٹے کٹے مرد کو اس طرح سہولت سے اٹھائے لاتی وہ کسی انڈر ٹیکر کے نسوانی روپ کا منظر پیش کر رہی تھی۔ صوفے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک جھٹکے سے ارمان کو صوفے پر گرا دیا۔ سب کے حواس جیسے اسی لمحے بحال ہوئے، فوراً ارمان کی طرف لپکے۔ اس کے چہرے اور قمیص پر خون کے چھینٹے تھے، جب کہ حرم کے ہاتھ اور چہرے بھی خون آلود تھے۔ شاہ میر پریشان ہو کر حرم کی طرف بڑھا ہی تھا کہ زوبیہ خانم کی آواز بلند ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ کیا ہوا ہے ارمان کو؟ اور تم تم اسے کیسے؟ مطلب، کندھے پر اٹھا کر؟" زوبیہ خانم کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا پوچھیں اور کہاں سے آغاز کریں۔ حرم نے ملازمہ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے تنقیدی نظروں سے سب کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"ایک بھیڑیا دیکھ کر بے ہوش ہو گیا ہے یہ، آپ لوگوں نے اسے میری حفاظت کے لیے بھیجا تھا، یا مجھے اس کی؟" اس کی بات پر سب کے چہرے شرمندگی سے سرخ ہو گئے۔

حرم نے چند گھونٹ پی کر گلاس واپس ملازمہ کو دیا، پھر یکایک کہا، "رکیں، اس کے لیے بھی پانی لائیں۔" پھر جیسے ہی ملازمہ پانی لائی، حرم نے گلاس کا پانی ارمان کے چہرے پر چھڑکا۔ ارمان چونک کر ہوش میں آیا، پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ غائب دماغی سے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں، لیکن اگلے ہی لمحے اسے جنگل کا واقعہ یاد آیا۔ وہ بوکھلا کر شاہ میر کے قریب گیا اور چیختے ہوئے بولا۔

"لالا! یہ عورت انسان نہیں ہے"!

"کیا مطلب؟ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟"شاہ میر نے اس کی طرف سختی سے دیکھا۔ حرم کا ارمان کو یوں اٹھا کر لانا،شاہ میر کو کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"لالا،وہاں ایک ایک بہت بڑا بھیڑیا تھا!اتنا بڑا!لیکن اس نے اس نے تو پلک جھپکتے میں مار گرایا اسے!"ارمان نے گہرے سانس لیتے ہوئے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا اور تقریباً ہانپتے ہوئے بولا،یہ کہتے ہوئے وہ ہاتھوں سے بھیڑیے کے سائز کی منظر کشی کرنے لگا۔ سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں،نظریں حرم پر جم گئیں۔

"یہ اوور ایکٹ کر رہا ہے،اتنا بڑا بھی نہیں تھا جتنا یہ بتا رہا ہے۔"حرم نے بیزاری سے آنکھیں گھمائیں اور کہا،یہ کہہ کر وہ بلاالتفات اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"ادھر آؤ،تم بتاؤ،ہوا کیا تھا؟"زرمینے جوش سے ارمان کے قریب آئی اور سوال داغا۔ ارمان نے معصومیت سے سب کی طرف دیکھا،جیسے خود بھی ابھی تک پوری طرح ہوش میں نہ ہو۔

کچھ دیر پہلے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چلیں کافی دیر ہو گئی ہے،" ارمان نے پہاڑ کے کنارے بیٹھی حرم کو دیکھ کر کہا۔ اس کے لہجے میں فکر تھی۔ جس علاقے میں وہ پہنچ چکے تھے، وہاں جنگلی جانوروں کا خطرہ ہوتا تھا۔ ارمان کو یہاں آنے کی سخت ممانعت تھی، لیکن جب حرم رائڈنگ کرتے کرتے یہاں تک آ گئی، تو اسے بھی آنا پڑا۔ ڈرائیور ساتھ نہیں تھا، اب بس وہ دونوں ہی وہاں موجود تھے۔

"اگر تمہیں جانا ہے تو چلے جاؤ۔ میں کچھ دیر اور یہاں رکوں گی،" حرم نے سیدھے لہجے میں کہا، نظریں ابھی تک سامنے گہری کھائی پر تھیں۔ جیسے وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہو۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ لمبے لمبے درخت، جھاڑیاں، ٹھنڈی ہوائیں اور تیزی سے چھاتا اندھیرا سب کچھ مل کر ماحول کو اور زیادہ خوفناک بنا رہا تھا۔

"پلیز، واپس چلیں۔ یہاں خطرناک جانور ہوتے ہیں، اندھیرا بھی ہو چکا ہے۔ یہاں رکنا ٹھیک نہیں ہے،" ارمان نے پریشان ہو کر کہا، مگر حرم نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اچانک جھاڑیوں میں حرکت ہوئی۔ ایک عجیب سی غراہٹ سنائی دی۔ دونوں فوراً چوکنے ہو گئے۔ حرم کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ کوئی جانور قریب ہے۔ وہ فوراً

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کھڑی ہوئی۔ اسے اپنی نہیں، ارمان کی فکر تھی جو اس کی وجہ سے پھنس سکتا تھا۔ اچانک جھاڑیوں سے ایک کالا، لمبا، خونخوار بھیڑیا نکل کر سامنے آیا۔ ارمان کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"ارمان! تم فوراً یہاں سے نکلو، میں دیکھ لیتی ہوں،" حرم نے کہا اور فوراً جھک کر اپنے شوز سے خنجر نکالا۔

"ل۔ لیکن آپ اکیلی" ارمان کی آواز کانپ رہی تھی، الفاظ ٹوٹے پھوٹے تھے۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی، ابھی فوراً نکلو یہاں سے!" حرم نے سختی سے کہا۔ ارمان پیچھے ہٹنے ہی والا تھا کہ بھیڑیا اس پر جھپٹنے لگا۔ حرم نے ایک ہی لمحے میں خنجر سیدھا اس کی گردن میں مارا۔ پھر لگاتار وار کرتی گئی۔ خون کے چھینٹے ارمان پر بھی پڑے، مگر حرم رکی نہیں۔ جب تک بھیڑیا مر نہ گیا، وہ اسے مارتی رہی۔ آخر کار وہ درندہ زمین پر بے جان ہو کر گر گیا۔ حرم نے اسے گھسیٹا اور پاس ہی موجود کھائی میں پھینک دیا۔ پلٹی تو دیکھا، ارمان زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس پہنچی، اسے ہوش دلانے کی کوشش کی، لیکن فائدہ نہ ہوا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا، مگر سگنل نہیں تھے۔ چاروں طرف صرف

درخت، ہوائیں اور اندھیرا تھا۔ ایک لمحے کو گہرا سانس لیا، پھر ارمان کو کندھے پر ڈالا جیسے وہ کوئی ایک نوجوان نہیں، بلکہ ایک بچہ ہو۔ ڈھلان سے نیچے گاڑی تک پہنچی، پچھلا دروازہ کھولا، ارمان کو اندر ڈالا، خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور حویلی کی طرف روانہ ہو گئی۔ حویلی پہنچ کر دوبارہ اسے کندھے پر ڈالا، دروازہ کھولا، اور اندر آئی۔ کیونکہ اب اسے سب کو بتانا تھا جسے میری حفاظت کے لیے بھیجا گیا تھا، آج اسے میری ضرورت تھی۔

ارمان کی بات سن کر زرمینے کا زوردار قہقہہ نکل گیا۔ باقی سب بھی اپنی ہنسی دبانے کی کوشش میں چہروں پر سرخی لیے بیٹھے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خانم، اس کو کچھ کھلا پلا دیا کریں۔ بچی کے سامنے تو ناک ہی کٹوا دی ہماری!" ربان خان نے گہرا طنز مارا، جس پر لاؤنج ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔ ارمان نے منہ بسور کر اپنے بڑے بابا کی طرف دیکھا، جو اب بھی اسی کی طرف نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

"شرم کرو ارمان، وہ لڑکی تمہیں کندھے پر اٹھا کر لائی ہے!" حیدر خان کی بات پر ارمان کا منہ اور بھی لٹک گیا، جب کہ زرمینے ہنسی کے مارے دوہری ہو رہی تھی۔

"پہلی بار بھیڑیا دیکھا تھا کیا جو ایسے ڈرامہ کر رہے تھے؟"شاہ میر نے بھی چوٹ لگائی۔

"لالا یار، بس کر دو نا اب!"ارمان جھنجھلا کر پیر پٹختا ہوا کمرے کی طرف بڑھا، لیکن جیسے ہی شیشے میں نظر پڑی، اس کے منہ سے ایک دل دہلا دینے والی چیخ نکل گئی، جس سے سب چونک کر کھڑے ہو گئے۔

"ہائے اللہ! اتنا سارا خون؟"وہ چیختا ہوا کمرے کی طرف دوڑا۔ پورے چہرے پر خون کے چھینٹے تھے، جنہیں دیکھ کر وہ دوبارہ بے ہوش ہی ہو جاتا، اگر اسے نہانا یاد نہ آتا۔

"یہ لڑکا کبھی نہیں سدھرے گا!"اسماہ خانم نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا، اور سب نے دل سے تائید کی۔ جبہ خانم تو جیسے کمرے میں ہی نہ تھیں، بالکل ایسے بیٹھیں جیسے کسی اور کے بیٹے کی بات ہو رہی ہو۔

"خانم، کھانا لگائیں۔ بچّہ لوگ کو بھوک لگی ہو گی۔"حیدر خان کی بات پر اسماہ خانم سر ہلاتے ہوئے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ زارا کو تو باران اپنے ساتھ لے گیا تھا، اس لیے باقی کام اب

انہیں ہی سنبھالنا تھا، لیکن دل کے کسی کونے میں وہ خوش ضرور تھیں کہ باران نے زارا کو اپنا لیا ہے۔

☆..☆..☆..☆

باران نے جیسے ہی زارا کو کمرے میں دھکیلا، دروازہ پوری قوت سے بند کیا گیا۔ زارا لڑکھڑائی، لیکن بمشکل ڈریسنگ ٹیبل کا سہارا لے کر گرنے سے بچی۔ اگر ذرا سی دیر اور ہو جاتی تو اس کا ماتھا سیدھا ٹیبل کے کنارے سے جا ٹکراتا۔ وہ ہانپتی ہوئی سیدھی ہو کر پلٹی، تو باران کو گھورتی آنکھوں کے ساتھ بالکل سامنے پایا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سختی تھی، غصہ نہیں، زہر تھا جیسے۔

زارا کی نظریں ڈر سے پھیل گئیں۔ ایک لمحے کو تو سانس لینا بھی بھول گئی۔ باران ایک ہی قدم میں اس کے سامنے آیا، اور اس کا بازو سختی سے کھینچتے ہوئے دیوار سے لگا دیا۔

"کیسے ہوا یہ؟" اس کے لہجے میں نہ صرف غصہ، بلکہ بے چینی، بے یقینی اور کچھ اور بھی تھا جیسے وہ خود بھی اپنی کیفیت سے بے خبر ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہاری چادر سر سے کیسے اتری؟ تمہاری چادر تمہارے پیروں میں کیسے پڑی تھی؟"اس نے دیوار پر مکہ مارا۔ زارا کا دل کانپ گیا۔ اس کی زبان پر چیخ آئی، لیکن اس نے فوراً ہاتھ سے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔

"جواب دو!"وہ ایک بار پھر دھاڑا۔

"وہ میں"زارا کی زبان لڑکھڑائی۔

"ڈیم اِٹ!"باران پلٹا اور پاس رکھی واز کو اٹھا کر شیشے پر دے مارا۔ کانچ کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے۔ کمرے میں ایک لمحے کے لیے گھٹن سی چھا گئی۔

"تم اتنی کمزور ہو کہ اپنا ہاتھ چھڑا نہیں سکتیں؟"اس کی آواز میں طعنہ نہیں، کوئی اندر سے ٹوٹتا ہوا درد تھا۔ زارا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، اور باران کا چہرہ کچھ لمحے کے لیے ساکت ہوا۔ شاید اسے اندازہ ہوا کہ وہ حد پار کر چکا ہے۔ مگر وہ خود کو روک نہ پایا۔

"تم جانتی ہو تم کون ہو؟"اس نے زارا کا چہرہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا، اس کی گرفت میں زبردستی نہیں تھی، لیکن نرم بھی نہیں۔"تم باران حیدر کی بیوی ہو۔ میری عزت ہو۔ کیا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تم نہیں جانتیں، ایک مرد کے لیے وہ لمحہ کیسا ہوتا ہے، جب کوئی دوسرا اس کی بیوی کا ہاتھ پکڑتا ہے ایسے جیسے حق ہو اس کا؟" زارا کی سسکیاں اب بھی تھمی نہیں تھیں۔ وہ خود کو جیسے کمرے کے کسی کونے میں سمیٹ لینا چاہتی تھی۔

"ادھر آؤ۔" باران کی آواز اب ہلکی تھی، مگر لہجے میں اب بھی حکم تھا۔ زارا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی، بکھرے شیشے سے بچتی، باران کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" باران کی نظریں زمین پر تھیں، لیکن وہ سن رہا تھا، محسوس کر رہا تھا۔ زارا نے حیرت سے دیکھا، یہ کیسا سوال تھا؟

"زارا" وہ دھیرے سے بولی۔

"پورا نام۔" زارا نے ہچکچاتے ہوئے کہا، "زارا شیر"

ایک لمحہ ساکت گزرا، پھر باران کا ہاتھ اٹھا اور زارا کے چہرے سے جا ٹکرایا۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی، باران نے جھٹکے سے اس کا بازو تھام کر سیدھا کر دیا۔ زارا کی آنکھیں نم، سانس اکھڑی ہوئی، اور ہونٹ سے خون کی ایک لکیر بہنے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اب دوبارہ بتاؤ، اپنا پورا نام۔" زارا نے آنکھیں بند کر لیں، گال پر ہاتھ رکھا۔ وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی، جو کچھ ہوا وہ سچ تھا یا خواب؟

"زارا باران حیدر۔" وہ سرگوشی میں بولی، جیسے اعترافِ جرم ہو۔

باران نے لمحہ بھر اسے دیکھا، پھر آہستگی سے کہا۔ "گڈ۔ یہ نام یاد رکھنا۔ انسان کو اپنی پہچان کبھی بھولنی نہیں چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھا۔ اندر جا کر کپڑے نکالے، ایک پل کو رک کر دروازے سے باہر زارا کو دیکھا، جو اب بھی وہیں ساکت کھڑی تھی، پھر دروازہ بند کر دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارا نے کمرے کو خالی آنکھوں سے دیکھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی، پھر تھکی تھکی چال سے بیڈ کے کنارے آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے گھٹنے سینے سے لگا لیے، اور پھر دھیرے سے سر جھکاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کیا وہ بھی میرے بابا سائیں جیسا تھا؟ کیا محبت کا یہی چہرہ ہوتا ہو گا؟ یا یہ رشتہ، اس کی ذات کی قیمت بن چکا تھا؟

کمرے میں مدھم سی روشنی تھی، ہوا میں ہلکی سی نمی کی خوشبو تیر رہی تھی۔ باران فریش ہو کر باہر نکلا تو اس کے بالوں سے پانی کی بوندیں اب بھی ٹپک رہی تھیں۔ وہ ٹاول سے بال رگڑتے آگے بڑھا، لیکن قدم وہیں رک گئے جب نظر بیڈ کے کونے میں سمٹی زارا پر پڑی۔ وہ چپکے سے رو رہی تھی۔ منہ دوپٹے میں چھپا تھا، مگر اس کے وجود کے ہلکورے چیخ چیخ کر اس کے اندر کی ٹوٹ پھوٹ بتا رہے تھے۔ باران ٹھٹھک گیا۔ وہ ایسا نہیں تھا۔ یا شاید وہ تھا، اور اسے اب احساس ہوا تھا۔

گہرا سانس لیتے ہوئے وہ آگے بڑھا، کمرے کی ڈم لائٹس آن کیں اور خاموشی سے آ کر اپنی سائیڈ پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر وہ یوں ہی لیٹا رہا، آنکھیں چھت پر اور دھیان اس لڑکی کی ہچکیوں پر، جو اس کی موجودگی سے سہم گئی تھی۔ پھر اچانک، جیسے ضبط کی حد ختم ہوئی ہو، اس نے ہاتھ بڑھا کر زارا کو اپنی جانب موڑ لیا۔ زارا سہم کر سیدھی ہوئی۔ چہرہ نم تھا، آنکھیں خوف زدہ، اور باران کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ پھر کچھ کہہ دے، کچھ کر دے۔ باران نے آہستگی

سے ہاتھ بڑھایا، اور اس کا چہرہ تھاما۔ گال پر انگلیاں ٹھہر گئیں، وہی جگہ جہاں اس کے غصے کی مہر ثبت تھی۔

زارا کی آنکھوں سے مزید خاموش آنسو بہنے لگے، اور باران کی آنکھوں میں پہلی بار کچھ ٹوٹا سا چمکا۔ وہ جھک کر آہستہ سے اس کے زخم پر لب رکھ گیا، نہ یہ بوسہ تھا، نہ معذرت، صرف ایک نرمی، جو بہت دیر سے آئی تھی۔ زارا نے حیرت سے باران کو دیکھا، اور پھر بے اختیار اس کے کندھے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ روئی تو جیسے اندر کی ساری چپ، ساری تھکن، ساری تلخی باہر آ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران نے آہستہ آہستہ اسے بانہوں میں سمیٹا، جیسے کوئی کسی ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو جوڑ رہا ہو۔ اس کے ہاتھ زارا کے بالوں میں پھسلتے رہے۔ رفتہ رفتہ، وہ تھم گئی۔ روتے روتے اس کی سانسیں ہلکی پڑ گئیں۔ وہ باران کی آغوش میں نیند کی گرفت میں چلی گئی، لیکن چہرے پر وقفے وقفے سے اٹھتی ہچکیاں اب بھی اس کی بے چینی بیان کر رہی تھیں۔ باران نے احتیاط سے موبائل اٹھایا، ٹارچ آن کر کے زارا کا چہرہ دیکھا۔ گال سوجا ہوا تھا۔ ہونٹوں

کے کنارے پر خون جم چکا تھا۔اس کے دل میں کچھ سخت سا دھڑکا،ایک گناہ کا احساس،جو شاید دیر سے جاگا تھا۔اس نے نرمی سے ٹشو سے خون صاف کیا،اور پھر اوئنمنٹ آہستہ آہستہ اس کے زخم پر لگانا شروع کیا۔زارا نیند میں ہی سسک اٹھی۔وہ رک گیا،جیسے اس سسکی نے اس کا ہاتھ جکڑ لیا ہو۔اوئنمنٹ سائیڈ پر رکھی،اور موبائل تکیے کے پاس رکھ کر وہ زارا کو دوبارہ اپنی بانہوں میں سمیٹ چکا تھا۔اب کے بار گرفت سخت نہیں،محفوظ تھی۔نہ غصے کی،نہ انا کی،صرف ایک خاموش قبولیت کی۔اس کے لب ہلے،اتنا آہستہ کہ شاید ہوا نے بھی صرف سرسراہٹ ہی سنی۔"آئم سوری"۔

محبت تھی؟شاید نہیں۔قبولیت؟ہاں۔وہ لمحہ جب کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کا "ہونا"ضروری لگنے لگے تو سمجھ جاؤ کہ محبت سے بڑی بلا آپ سے چمٹ چکی ہے اور وہ تھی 'عادت'۔اسے پہلی بار لگا کہ وہ زارا کو کھو نہیں سکتا،اور اس خیال نے اس کے غرور کو تھوڑا نرم کر دیا تھا۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ صبح کچھ خاص تھی۔ دھوپ کی ہلکی، سنہری پرت نے خان حویلی کے لان پر اپنا نرم سا بسیرا کیا تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ فضا میں رس گھول رہی تھی، اور مٹی کی مہک ہوا میں گھل کر ایک خوشگوار سا نشہ پھیلا رہی تھی۔ پورا زنان خانہ چہل پہل سے گونج رہا تھا۔ مہمانوں کی آمد و رفت تھی، ہر کمرے سے آوازیں، قہقہے، اور چائے کی خوشبو آ رہی تھی۔ مردانے میں نسبتاً سکون تھا کیونکہ بیشتر مرد باہر لان میں جمع تھے۔

"مینے بچّہ، اوئے گل بچّہ!" اسماء خانم کی آواز پر زرمینے تقریباً دوڑتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"جی مورے؟" زرمینے ہنستی ہوئی پہنچی، ہرے رنگ کی گھیر دار پٹھانی فراک میں، ماتھے پر ہلکی سی ماتھا پٹی اور دوپٹہ خاص طور پر ترتیب سے اوڑھا ہوا تھا۔ اس کا روپ صبح کی کرن جیسا لگ رہا تھا۔

"بچّہ، جا کے دیکھو حرم تیار ہوئی یا نہیں۔ اگر کسی چیز میں مدد چاہیے تو کر دو اس کی، مہمان تو تمہیں پتا ہے، بس آنے ہی والے ہوں گے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جی مورے، ابھی دیکھتی ہوں۔" زرمینے مطمئن انداز میں اثبات میں سر ہلاتے آگے بڑھی۔ وہ مہمان خانے کی طرف مڑی ہی تھی کہ اچانک کسی سے ٹکرا گئی۔ پہلے تو ایسا لگا جیسے وہ گر جائے گی، لیکن اگلے ہی لمحے ایک مضبوط ہاتھ نے اس کا بازو تھام لیا۔

"کیا کرتی ہو زرِ بچّے، ابھی گر جاتیں تو؟" مقابل کی سبز آنکھوں میں فکر کی چمک تھی۔ موسیٰ خان، جو چند لمحے قبل ہی اسلام آباد سے واپس آیا تھا، وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کریم جینز، سفید شرٹ اور بلیک جیکٹ میں ہمیشہ کی طرح بے حد جاذب نظر لگ رہا تھا۔ زرمینے ساکت ہو گئی۔ جیسے کسی نے وقت تھام دیا ہو۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رُکی، پھر دوگنی ہو گئی، کوئی اتنا پیارا کیسے ہو سکتا ہے؟

"زرِ بچّے؟" موسیٰ کی نرم سی آواز پر زرمینے چونکی اور جلدی سے اپنی پرانی شوخی میں واپس آ گئی۔

"ہائے اللہ خان جی! شکر ہے آپ آ گئے! میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ چیزیں لائے ہیں ناں جو منگوائی تھیں؟ جلدی سے دیں!" وہ خوشی سے چہکی، جیسے بہار اس کے اندر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اتر آئی ہو اور پھر ویسی ہی خاموشی بھی، جیسے موسیٰ کے جاتے ہی سب کچھ پھر سُن ہو جائے گا۔ اسی لمحے کچن سے نکلتی اسماہ خانم کی نظر پڑی اور وہ خوشی سے نہال ہو گئیں۔

"موسیٰ تم آ گئے ماشاءاللہ، ماشاءاللہ! کتنے دن بعد تم نے ہمیں اپنا چہرہ دکھایا ہے موسیٰ، کہاں گم ہو جاتے ہو تم؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں، مامی جان، آپ کیسی ہیں؟" موسیٰ آگے بڑھا، اسماہ خانم کو محبت سے اپنے حصار میں لیا اور ان کی ہتھیلیاں چوم لیں۔ ماں باپ کے جانے کے بعد، اسماہ اور زوبیہ خانم نے اسے ماں بن کر ہی پالا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہم تو بس تمہارے انتظار میں تھے، بچّہ۔" بات کرتے کرتے اسماہ خانم کی نظر زرمینے پر پڑی، جو اب بھی وہیں کھڑی تھی۔

"مینے تم گئیں نہیں؟" اچانک سوال پر زرمینے چونکی، اور شرمندگی سے سر جھکائے، اوپر کی جانب دوڑ گئی۔

"مامی، گل کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی۔" موسیٰ نے ارد گرد نظریں دوڑائیں، جیسے کسی خاص کو ڈھونڈ رہا ہو۔

"بچّہ، وہ آج پھر ہسپتال گئی ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ آج آرام کر لے، مہمان بھی ہیں، لیکن اس کا کہنا تھا کہ آج پریکٹس کا ٹیسٹ ہے، جانا ضروری ہے۔ جلدی لوٹ آئے گی۔" اسماء خانم کی بات پر موسیٰ نے خاموشی سے سر ہلایا۔

"السلام علیکم، مورے۔۔۔ او موسیٰ!" باران کی گہری اور گمبھیر آواز سن کر اسماء خانم اور موسیٰ نے ایک ساتھ سیڑھیوں کی طرف دیکھا، جہاں سے باران سفید کڑکڑاتے شلوار قمیض اور کالی شال اوڑھے، سنہری آنکھوں میں ازلی سنجیدگی لیے آ رہا تھا۔ اس کے قدموں میں پشاوری چپلیں تھیں، اور وہ پورے وقار کے ساتھ ایک مغرور خانزادے کی مانند جلوہ گر تھا۔

"موسیٰ، کہاں غائب ہو جاتا ہے یار؟" باران نے گرم جوشی سے موسیٰ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے بغلگیر کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تو آ گیا ہوں، تم کہاں تھے۔" موسیٰ کے تفتیشی انداز پر باران کے بھوری مونچھوں کے نیچے عنابی لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ چھوڑ، مجھے یہ بتا کہ تیرا ٹرپ بہت لمبا تو نہیں ہو گیا؟" باران نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا، اور موسیٰ نے گہرا سانس لیا۔

"یار، تو جانتا ہے میرے کام کو، پھر بھی یہ سوال کر رہا ہے۔" موسیٰ نے ہنس کر کہا اور ہاتھ میں تھامے درمیانے سائز کے بیگ کو اسماہ خانم کے حوالے کیا، جو گلاس پانی بھی لے کر آئی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مامی جان، یہ زرمینے کو دے دیجیے گا، اس میں اس کا منگوایا ہوا سامان ہے۔" اسماہ خانم نے نفی میں سر ہلاتے بیگ لیا اور ملازمہ کے حوالے کر کے کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ اس کے ساتھ زرمینے کی فرمائشی لسٹ ہمیشہ رہتی تھی۔

"مورے!" باران کی آواز نے اسماہ خانم کو مڑ کر دیکھنے پر مجبور کیا۔

"ہاں بچّہ، بولو۔" اسماہ خانم کی سوالیہ نظروں نے باران کو گھیر لیا تھا۔

"مورے،اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے،میرے کمرے میں کسی کو بھی جانے نہیں دیجیے گا،کوئی بھی نہیں۔"باران کی سنجیدگی پر اسماہ خانم نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟"اسماہ خانم کے جانے کے بعد،موسیٰ نے باران کو روک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں،چل آجا،باہر چلتے ہیں۔"باران نے بات کا رخ بدلتے ہوئے موسیٰ کی گردن سے بازو گزار کر اسے کھینچ لیا۔موسیٰ حیرت سے "ارے ارے" کہتا رہا اس کے ساتھ چل پڑا۔

☆..☆..☆..☆

"پری۔"زارون نے نرمی سے کہا،وہ ابھی ناشتہ کر کے آئی تھی،سادہ سا پٹھانی فراک پہنے، اوپر سے ہلکی سی شال لپٹی ہوئی تھی۔سادگی میں بھی ایک خاص شان تھی،جیسے دل کو چھو جانے والی خاموشی۔

"آج تم کمرے سے باہر مت نکلنا۔جو کچھ چاہیے ہو گا،میں تمہارے پاس لے آؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"زارون نے اس کی طرف دیکھا اور کہا،

مہمانوں کی بھیڑ دیکھ کر پریشے کچھ گھبرا گئی تھی،اس لیے زارون چاہتا تھا کہ آج وہ سکون سے کمرے میں رہے۔پریشے نے تھوڑا سا ہچکچاتے ہوئے سر ہلایا۔

زارون نے اس کے گال پر ہلکا سا تھپتھپایا اور پھر اپنی تیاری دیکھ کر باہر نکل گیا۔وہ سادہ سا لباس پہنے تھا،اور ایسا لگ رہا تھا جیسے پہاڑوں کی شان میں گھرا ہوا کوئی مضبوط مگر نرم دل آدمی ہو۔زارون کے دل میں خیال تھا کہ شام کو وہ پریشے کا سب سے تعارف کروادے گا، تاکہ وہ آہستہ آہستہ یہاں کے ماحول میں گھل مل جائے۔وہ چاہتا تھا کہ پریشے کو یقین ہو کہ یہ جگہ اس کے لیے محفوظ اور محبت بھری ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"بس، آپ یہ پہن لیں اور آپ تیار ہیں۔"زرمینے نے محبت سے حرم کے سر پر ہلکی سی ماتھا پٹی رکھتے ہوئے کہا۔وہ دل ہی دل میں دیکھ رہی تھی کہ سامنے کھڑی حرم سادہ پٹھانی فراک میں بھی کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی،خاموش،باوقار،اور الگ سی۔

"نہیں، نہیں اتنا کافی ہے۔" حرم نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ وہ واقعی خود کو پہلے سے مختلف محسوس کر رہی تھی، نرم پرپل رنگ کی اونچی ہیلز میں اس کے نازک پیر اور ہاتھوں میں تھوڑی سی چوڑیاں، سب کچھ بہت متوازن تھا، زیادہ نہیں، بس جتنا ہونا چاہیے تھا۔

زرمینے نے چوڑیوں کا ایک سیٹ بڑھایا، "یہ بھی پہن لیں، دیدا۔" حرم نے نرمی سے تین چوڑیاں اٹھائیں اور اپنی انگلیوں میں پہن لیں۔ ناخنوں پر لگا گہرا جامنی رنگ اس کے سنجیدہ انداز میں ایک ہلکی سی نرمی کا تاثر دے رہا تھا۔

"دیدہ، آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" زرمینے کا لہجہ سادہ تھا، لیکن بے ساختہ۔ حرم نے ایک لمحہ اسے دیکھا، اس کے لہجے کی سچائی دل کو چھو گئی۔

"تم بھی بہت پیاری ہو۔" وہ یہ بات کہے بغیر نہ رہ سکی۔ زرمینے کی آنکھیں جھک گئیں، ہلکی سی شرم اس کے گالوں کو چھو گئی۔ حرم کی ہنسی چھپ نہ سکی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سو کیوٹ۔" حرم نے نرمی سے اس کے گال چھوئے اور مسکرا دی۔ زرمینے ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو حرم کی نگاہ پھر سے آئینے میں پڑی۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

وہ مسکرا رہی تھی؟ یہ کون سا پہلو تھا اس کا؟ یہ سب لوگ کیا واقعی اس کے دل کے گرد بند گرہ کھول رہے تھے؟

حرم نے خود کو سنبھالا۔ نہیں۔ وہ خود کو کمزور نہیں ہونے دے سکتی۔ آج کچھ بھی ہو، یہاں سے نکلنے کا وقت تھا اور وہ یہ جانے بغیر تھی کہ جسے وہ شکار سمجھ رہی تھی وہی خود اس کی جانب کھنچا چلا آ رہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

شاہ میر کے قدم مضبوط تھے، مگر ذہن جیسے کسی انجانے بوجھ سے بندھا ہوا تھا۔ بھوری شلوار قمیض کے ساتھ کریم شال، روایتی پہاڑی شان کو

اور نمایاں کر رہی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں آج بھی کچھ ان کہی سی سنجیدگی تیرتی تھی۔ وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، کف لنکس انگلیوں میں تھامے، دھیان کسی گم شدہ خیال کے پیچھے بھٹک رہا تھا۔ اچانک، ایک ہلکی سی آہٹ، ایک نرمی سے بھری آتی لرزش نے اس کا دھیان توڑا۔ سامنے سے ایک لڑکی، گھیر دار جامنی لباس اور بڑی سی دوپٹہ نما شال سنبھالتی، جلدی جلدی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ہوا اس کی شال سے کھیل رہی تھی، قدم الجھ گئے، اور لمحہ بھر میں وہ توازن کھو بیٹھی۔ شاہ میر کے ہاتھ نے بے اختیار بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وقت تھم گیا۔ اب منظر یہ تھا حرم، شاہ میر کے مضبوط ہاتھ کے سہارے، سیڑھی پر تھمی ہوئی تھی۔ اگر وہ ہاتھ ذرا بھی ڈھیلا پڑتا، تو وہ پشت کے بل گر جاتی، لیکن اس وقت جسم سے زیادہ، دلوں کی لرزش اہم تھی۔ شاہ میر نے حرم کی طرف دیکھا اور جیسے پہلی بار کسی خاموش دعا کا رنگ دیکھا ہو۔ وہ چہرہ، وہ گہرے سنہرے بال، وہ خاموشی جو لمحے کو باندھ رہی تھی، اور وہ آنکھیں، وہ آنکھیں جیسے کوئی بھولا ہوا خواب ہوں۔ شاہ میر کچھ بول نہیں پایا، لیکن اندر کہیں دل کی دیوار پر ایک صدا گونجی تھی "کیا یہ وہی تھی؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ادھر حرم، جو اپنے آپ کو دنیا سے الگ اور عقل سے مضبوط سمجھتی تھی اس ایک لمحے میں شکست مان چکی تھی۔ اس کی دھڑکنیں جیسے بے قابو تھیں، سانس الجھ رہا تھا، اور دل میں ایک انجانا خوف سر اٹھا رہا تھا۔ یہ کیا تھا؟ محض ایک ہاتھ تھامنے کا لمس؟ یا وہ پہلی خاموش تسلیم، جو دل کرتا ہے مگر لب انکار کرتے ہیں۔

"مسٹر میر" اس کی آواز ٹوٹتی بن رہی تھی، جیسے خود کو کسی بندھن سے آزاد کرنا چاہتی ہو، "لیو مائی ہینڈ۔" شاہ میر نے چونک کر اسے دیکھا، وہ انگلیاں جو ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھیں، اب سرد اور بے قرار تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں سوری۔" وہ ہڑبڑا کر پیچھے ہوا، نظریں جھکائیں، اور بالوں میں ہاتھ پھیر کر اپنی الجھن چھپانے لگا۔

"راستہ دیجیے۔" بس اتنا ہی کہا حرم نے، اور اپنی گرفت سنبھالتی، آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ مگر وہ لمحہ، وہ اب تک شاہ میر کے دل میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ وہیں کھڑا، کچھ لمحے تک

ہاتھ کو دیکھتا رہا، جیسے ابھی بھی اس نرم، مخملی لمس کی حدت باقی ہو۔ دل میں کسی گہرے کنویں سے ایک دعا سی ابھری۔

"کیا یہ وہ ہے؟ جسے میرے رب نے میرے لیے چنا ہے؟" اس نے ایک بار پھر سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں حرم غائب ہو چکی تھی اور تب، پہلی بار شاہ میر کو محسوس ہوا کہ شاید زندگی میں کوئی ایسا لمحہ بھی آتا ہے جو صرف آنکھوں سے نہیں، دل سے دیکھا جاتا ہے۔

"اب تو پکا بابا جان سے بات کرنی پڑے گی" اس نے دل میں سوچا، اور اس بار اس کے قدم مردان خانے کی طرف نہیں، شاید اپنی تقدیر کی سمت بڑھ رہے تھے۔

"ماشاءاللہ حرم بچّہ، تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اسماہ خانم کی بات پر تمام خواتین نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے حرم باوقار انداز میں چلتی آ رہی تھی۔ اس کی دلکش شخصیت اور اعتماد سے اٹھی گردن دیکھنے والوں پر ایک خاص تاثر چھوڑ رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تھینک یو آنٹی۔" حرم نے دھیمے اور نرم لہجے میں کہا تھا۔ وہاں بیٹھی خواتین، جن کی عمریں مختلف تھیں، اب اپنی نگاہیں بار بار حرم کی سمت ڈال رہی تھیں۔ اس کی خوبصورتی میں ایک الگ شان، ایک الگ وقار تھا۔

"یہ کون ہے، اسماء؟ ہم نے پہلے کبھی اسے یہاں نہیں دیکھا۔" ایک خاتون نے پوچھا۔ حرم نے پلکیں جھپک کر ان کی طرف دیکھا، ان کی نگاہ میں محض سوال نہیں، تجسس بھی تھا۔

"یہ ہماری رشتہ دار ہے۔" اسماء خانم کی بات پر حرم نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ حقیقت چھپا کیوں رہی تھیں، لیکن یہ جھوٹ مصلحت پر مبنی تھا، جس میں ایک طرح کی شفقت بھی شامل تھی۔ اگر وہ کہتیں کہ وہ اجنبی ہے، تو سوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔

"اسماء، تمہاری بہو کہاں ہے؟" ایک اور خاتون بولیں، جن کی آواز میں دلچسپی سے زیادہ چبھتا ہوا انداز تھا۔

"ارے بہو تھوڑی ہے، ونی میں آئی ہوئی لڑکی ہے۔" یہ جملہ کسی خاتون نے بے ساختہ کہا، جس پر اسماہ خانم کے چہرے پر ایک ناپسندیدگی کی لہر ابھری۔ وہ جانتی تھیں یہ باتیں کس سمت جا سکتی ہیں، اور کس نیت سے کی جا رہی ہیں۔ ان کی نگاہ غیر محسوس طریقے سے جبہ خانم پر پڑی، جن کی خاموش مسکراہٹ بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

"ساجدہ، سب کے لیے قہوہ لے آؤ۔" اسماہ خانم نے بات کو سنبھالا، کیونکہ وہ جانتی تھیں خاموشی بعض اوقات بہترین جواب ہوتی ہے۔

"بھابھی، ہم ذرا آتے ہیں۔" انہوں نے زوبیہ خانم سے کہہ کر خود کچن کی طرف رخ کیا، مگر یہ سب حرم کی تیز نظروں سے اوجھل نہ رہا۔ وہ خاموشی سے آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

زنان خانہ کافی وسیع و عریض تھا۔ اگر سو سے دو سو افراد بھی بیٹھتے تو جگہ باقی رہتی۔ ہر طرف نفاست سے سجے صوفے، کرسیاں اور بیچ میں رکھا شفاف میز، جس پر قیمتی شو پیس رکھے گئے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لڑکی، سنو۔" ایک عمر رسیدہ خاتون نے اس سے متوجہ ہو کر پوچھا۔ حرم نے سوالیہ نگاہ ان کی طرف ڈالی۔

"تم منگنی شدہ ہو یا شادی شدہ؟" اس سوال پر حرم نے بے اختیار زوبیہ خانم کی طرف دیکھا، جو دبے دبے تبسم کے ساتھ صرف اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں۔" حرم نے بہت نرمی مگر پورے اعتماد سے جواب دیا۔ اس جواب پر خاتون کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ انہوں نے فوراً پرس کھولا، موبائل نکالا اور جلدی سے ایک تصویر سامنے لائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ میرا بیٹا ہے، ہم دوسرے گاؤں سے ہیں۔ اس کا بڑا کاروبار ہے اور" وہ جلدی جلدی بول رہی تھیں جب حرم نے ان کی بات کاٹ دی۔

"ایک منٹ آپ یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟" حرم نے پرسکون لہجے میں کہا اور تصویر کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھا۔

"مجھے تم اپنے بیٹے کے لیے پسند آ گئی ہو، اپنے والدین کا نمبر دے دو۔" ان کے انداز میں سنجیدگی تھی، مگر حرم کے لیے یہ سب بہت عجیب تھا۔ ارد گرد بیٹھیں عورتیں بھی اب پوری طرح متوجہ تھیں۔

"بس کر دو خولہ، تمہیں تو ہر لڑکی اپنے بیٹے کے لیے پسند آجاتی ہے!" زوبیہ خانم کی بات پر خواتین کے درمیان دبی دبی ہنسی کی لہر دوڑ گئی۔

خولہ بی بی نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا، "بھئی، اچھی پیاری بچی ہے، اس لیے سوچا پوچھ لوں۔" اس بار باقی عورتوں نے بھی مسکرا کر حرم کو دیکھا، جو اب اپنا ضبط سنبھالے محض خاموش تھی۔ مگر اندر کہیں، وہ جان چکی تھی کہ یہ مقام، یہ فضا، اس کی آزمائش سے کم نہیں۔

☆..☆..☆..☆

"السلام علیکم لالا" مردان خانے میں موجود تمام مرد حضرات نے چونک کر پلٹ کر دیکھا جہاں سے داور خان اپنی پُر عزت شخصیت کے ساتھ ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ زارون خان

کی سیاہ آنکھوں نے بے ساختہ وہی رنگ چرا لیا تھا جو داور خان کی آنکھوں میں برسوں سے تھا۔ آسمانی رنگ کی شلوار قمیض اور کالی شال اوڑھے، وہ اپنی عمر میں بھی نہایت وجیہہ اور باوقار نظر آرہے تھے۔ کنپٹیوں پر جھلکتے سفید بال ان کی سنجیدہ شخصیت کو مزید وقار بخش رہے تھے۔ تاہم، سب کی حیرت کا مرکز صرف وہ نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ آنے والے شخص، بہرام خان، تھے جنہوں نے سفید قمیض، براؤن پینٹ اور جیکٹ میں، شہد رنگ آنکھوں کے ساتھ اپنی دلکشی کا ایک خاص تاثر چھوڑا تھا۔ ان کی پاکستان آمد پندرہ سال بعد ہوئی تھی۔ ربان خان اور حیدر خان ان کی موجودگی کو تقریباً ماننے سے قاصر تھے۔ وہ بہرام خان تھے، ان کے چچازاد، جہانگیر خان کے چھوٹے بھائی اعظم خان کی واحد اولاد۔ جن کے ساتھ ان کا بچپن خوشگوار یادوں سے بھرا ہوا تھا۔ جوانی کے آغاز میں وہ تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر چلے گئے تھے اور آخری بار جب وہ ملے تھے تو پچیس سال کے بھرپور نوجوان تھے۔ پھر نجانے ایسا کیا ہوا کہ انہوں نے مکمل طور پر بیرونِ ملک رہائش اختیار کر لی اور

خان حویلی سے تعلق آہستہ آہستہ دھندلا گیا۔ صرف داور خان ہی تھے جن کا ان سے مسلسل رابطہ قائم رہا۔ آج ان دونوں کو یوں اچانک حویلی میں دیکھ کر سب کی حیرت بجا تھی۔

"خانانو، زما ملہ°ری تہ لہ دومرہ مود°ورو ستہ پاکستان تہ راستانہ شو°؟"(خانان، میرے یار! اتنے برسوں بعد تم واپس پاکستان آئے ہو؟ یقین نہیں آرہا۔ داور، تم کہاں ملے خاناں کو؟) ربان خان بہرام خان کے گلے لگتے، خالص پشتو لہجے میں بولے۔ ان کی آواز جذبات سے لبریز تھی۔

"باور وکہ°ہ، زہ ستاکوریم۔"(یقین کرو بان، میں تمہارا وہی خاناں ہوں۔) بہرام خان نے ربان خان کے گرد بازو پھیلا کر اپنی اپنائیت کی مہر ثبت کی۔

"لالا، ہم بھی ہیں ہمیں بھی ملنا ہے۔" حیدر خان نے خفگی سے کہا، جس پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ ربان خان فوراً ہٹ گئے تاکہ وہ بھی بغلگیر ہو سکیں۔

"آؤ بھئی، تم بھی مل لو۔" ربان کے ہٹتے ہی، حیدر خان بہرام خان سے گلے جا ملے۔

"سلام، چچا جان! کہاں چلے گئے تھے آپ؟" شاہ میر نے احترام سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں تو یہیں تھا شاہ! تم نے ہی مجھے دیکھنا چھوڑ دیا۔" بہرام خان نے ہنستے ہوئے، شاہ میر کے کندھے پر ہاتھ مارا، تو سب کے لبوں پر ہنسی چھلک گئی۔

"میں اکیلا نہیں آیا ہوں۔۔۔ میری بیٹی بھی ساتھ آئی ہے۔" بہرام خان کے اس جملے پر سب چونکے۔

"کیا مطلب؟ بھابھی نہیں آئیں؟" حیدر خان کی بات پر سب نے سر ہلایا۔ واقعی، کسی نے بہرام خان کی اہلیہ کو نہ کبھی دیکھا، نہ ان سے کوئی تعلق قائم ہو پایا۔

"نہیں، وہ نہیں آئیں۔" بہرام خان کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا، اور ان کے جواب کے بعد کسی نے اس موضوع کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

"خاناں بیٹی کہاں ہے؟ نظر نہیں آ رہی؟" ربان خان نے پوچھا۔ وہ اس وقت مردان خانے کے باہر کھلے لان میں کھڑے تھے، جہاں مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے کرسیاں ترتیب سے لگائی گئی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لالا،ساجدہ کے ساتھ اندر بھیج دیا ہے۔"اس سوال کا جواب بہرام خان کے بجائے،داور خان نے دیا۔

"اومڑا،تم کو تو ہم بھول ہی گئے!"حیدر خان نے شرارت سے کہا،تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔داور خان ایک ماہ بعد حویلی آئے تھے،مگر سب کی توجہ بہرام خان پر مرکوز تھی۔

"چچا جان،میں ہوں نا۔پریشان مت ہوں۔"زارون خان نے آگے بڑھ کر داور خان سے لپٹتے ہوئے ان کا گال چوم لیا،داور خان کے جھینپے چہرے پر سرخی چھا گئی،اور ان کے تاثرات دیکھ کر پورے مردانے میں قہقہوں کا شور بلند ہو گیا۔

"نہیں،تم رہنے دو!"داور خان نے زارون کو خود سے پرے کرتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ لیے،تو سب آگے بڑھ کر باری باری ان سے ملے۔اس پر وہ بھی آخر کار مسکرا دیے۔

☆..☆..☆..☆

'خانم بی بی۔'ساجدہ نے کچن سے باہر آتی ہوئی اسماہ خانم کو پکارا،جنہوں نے پلٹ کر اس کی سمت دیکھا۔اس کے ساتھ ہی،سفید پینٹ اور گلابی شرٹ میں ملبوس ایک چھوٹی سی لڑکی

بھی تھی جو اپنے ارد گرد کے ماحول کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ گندمی رنگت، بڑی بھوری آنکھیں جن میں چمک تھی، اور براؤن کرلی بالوں کی اونچی پونی، وہ بلاشبہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

'یہ کون ہے، ساجدہ؟' اسماہ خانم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

'خانم بی بی، یہ انارہ بی بی ہیں۔ داور لالا نے بھیجا ہے انہیں، یہ ان کے بہرام لالا کی بیٹی ہیں۔' ساجدہ کی بات سن کر اسماہ خانم کے چہرے پر حیرت واضح ابھری۔

'یہ بہرام لالا کی بیٹی ہے؟ وہ آئے ہیں کیا؟' اسماہ خانم کے لہجے میں بے یقینی در آئی، جس پر ساجدہ نے سر ہلاتے ہوئے ہال کی سمت اشارہ کیا۔

'ارے بیٹا، اِدھر آؤ۔ ساجدہ، تم بچی کے لیے قہوہ یا کوئی جوس لے آؤ۔' انہوں نے انارہ کو محبت سے اپنے قریب کیا اور ساجدہ سے نرمی سے کہا۔ یہ ان کے بہرام لالا کی بیٹی تھی، وہی بہرام، جنہیں وہ اپنے سگے بھائیوں جیسا مانتی تھیں۔

'بیٹا،ماما نہیں آئیں آپ کی؟'انہوں نے اسے ساتھ لیے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔فی الحال وہ انارہ کو زنان خانے میں نہیں لے جا سکتی تھیں،ورنہ وہاں کی عورتوں کو ایک نیا موضوع مل جاتا بحث و چہ مگوئی کا۔

'نہیں،وہ نہیں آئیں۔ارے آنٹی،آپ کی حویلی کتنی پیاری ہے!ہائے میرا تو دل آ گیا۔'

انارہ،جو پہلے قدرے انکمفرٹیبل محسوس کر رہی تھی،اسماء خانم کی شفقت اور اپنائیت سے گھل مل گئی اور اپنی مخصوص شوخ مگر مخلصانہ ٹون میں چہک اٹھی۔اسماء خانم انارہ کی اتنی صاف،رواں اردو پر حیران تھیں اور اگلے دس منٹ میں انہیں یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ لڑکی خاصی باتونی ہے۔وہ ہر اس موضوع پر بات نکال لیتی تھی،جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔مگر اسماء خانم نے تحمل و شفقت سے اس کی ہر بات کا جواب دینے کی پوری کوشش کی۔

☆..☆..☆..☆

زارا نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں تو سامنے چھت پر لگی روشنی آنکھوں میں اترنے لگی۔ کچھ لمحے وہ ساکت نگاہوں سے چھت کو دیکھتی رہی، جیسے ذہن اور جسم کے درمیان کوئی فاصلہ رہ گیا ہو۔ پھر جیسے اچانک اندر کچھ ہلا، رات کا منظر، وہ لمحہ، وہ لمس، سب ذہن میں یوں ابھرا جیسے ابھی ابھی گزرا ہو۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھی، اور ساتھ ہی اس کے لمبے بال بے ترتیبی سے پشت پر بکھر گئے، جیسے وہ خود بھی بکھر گئی ہو۔ دیوار پر لگی گھڑی پر نظر پڑی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ ایک لمحہ آنکھیں جھپکیں، پھر وقت دوبارہ دیکھا۔ حیرانی، اضطراب، سب ایک ساتھ آنکھوں میں اتر آیا۔ کمرہ ویسے ہی بکھرا پڑا تھا۔ زمین پر اب بھی کانچ کے چمکتے ذرات بکھرے تھے، گویا رات کی بے چینی ابھی تک باقی تھی۔ اس نے کمفرٹر ہٹایا، پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے، اور جیسے ہی پیر زمین کو چھوئے، شیشے کی چبھن آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ جلدی سے چپل پہنی، اور نرمی سے کھڑکی کا رخ کیا۔

کھڑکی کا پٹ کھولا تو لان میں کسی تقریب کا سماں تھا۔ دور کرسیاں بچھی تھیں، لوگ کھانے میں مشغول تھے، فضا میں کچھ رسمی سا شور اور مدھم سا قہقہہ تھا۔ منظر کو سمجھنے میں

لمحہ لگا، پھر یاد آیا، آج باران کی دستار بندی تھی۔ یہ یاد آتے ہی اندر کوئی ضبط ٹوٹا، اور وہ فوراً واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ نہا کر باہر نکلی، صاف لباس پہنے، بال نیم خشک، کمر پر گرتے ہوئے۔ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر کنگھی کرتے ہوئے نظر شیشے کے کٹے کنارے سے ٹکرائی، جہاں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ گال پر انگلیوں کی ہلکی سی سرخی اب کچھ مدھم ہو چکی تھی، لیکن وہ لمس، جیسے اب بھی روح کے کسی نرم حصے کو چھو رہا ہو۔ اس نے آہستہ سے گال چھوا، اور پھر بے اختیار لبوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ اتر آئی، وہ لمس، جو اذیت کے ساتھ تسکین بھی رکھتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بالوں کو سمیٹ کر اس نے کمرے کی بکھری چیزوں کو دیکھا، کونے میں رکھی ڈسٹبن تک پہنچی اور شیشے کے بڑے ٹکڑے چن کر اس میں

ڈالے۔ ہر ٹکڑا جیسے ایک یاد، ایک بات، ایک لمس تھا، اسے احتیاط سے سمیٹا۔ آخر میں، خود پر بڑی سی شال اوڑھی، دروازے کی جانب بڑھی، اور لمحہ بھر کو ٹھٹھکی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے کچھ سوچا، شاید کسی امید، کسی اندیشے یا کسی ان کہی دعا کو خود سے باندھا، پھر دروازہ

کھول کر قدم باہر رکھ دیا۔ دنیا کی چمکتی روشنیوں اور اجنبی آنکھوں کے بیچ، وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی منظر کا حصہ بننے لگی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب سوم۔ "شکست خورد"

سورج کی آخری کرنیں جیسے چاند کی نرم چادر میں لپٹ گئی تھیں، اور سرد ہوا کے جھونکوں نے شام کی خاموشی میں تھوڑا اور وزن بھر دیا تھا۔ گاؤں میں دستار بندی کی تقریب اپنے جوبن پر آ کر اختتام کو پہنچی تھی، مہمان اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے، اور اب صرف خان حویلی کے فرد رہ گئے تھے جن کے لیے مردان خانے میں دستر خوان بچھا دیا گیا تھا۔ نئے سردار کی نامزدگی کے بعد کئی بکروں کا صدقہ دیا گیا، گاؤں کے ہر گھر میں راشن اور نئے کپڑے پہنچائے گئے؛ روایت، سخاوت اور رواج، سب نے مل کر ایک نئی صبح کی نوید سنائی تھی۔ مگر اس خوش رنگ ماحول میں، شاہ میر کی آنکھوں میں ایک انجانی سی بے چینی تھی۔ اس کی نظریں وقفے وقفے سے کلائی میں بندھی گھڑی پر جا ٹکتیں، جیسے وقت کے

کسی لمحے کو روکنے یا کھینچنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حرم اور جبران کی واپسی متوقع تھی، اور اس کی دھڑکنیں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تیز تر ہو رہی تھیں۔

وہ خود کو کھانے پر مرکوز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر نوالہ حلق سے جیسے زبردستی اترتا۔ باران، جو برابر میں بیٹھا تھا، سب کچھ محسوس کر رہا تھا۔ اگرچہ وہ خود بھی حیدر خان سے بات کر سکتا تھا، مگر شاہ میر نے ضد کی تھی کہ وہ خود بات کرے گا، اور باران نے اس کے فیصلے کا احترام کیا تھا۔ کل سے وہ دیکھ رہا تھا کہ شاہ میر کئی بار بات کرنے کی کوشش کر چکا ہے، مگر موقع ہر بار چھن جاتا ہے۔

"شاہ، کھانا کھاؤ،" باران نے نرمی سے کہا، دمبے کے بھنے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے۔ شاہ میر نے بمشکل چند نوالے لیے، لیکن دل تو کسی اور گوشے میں بھٹک رہا تھا۔

بہرام خان، جو برسوں بعد وطن لوٹے تھے، دسترخوان پر اصل پشتون کھانوں کا مزہ لے کر خوش تھے۔ "بہت عرصے بعد ایسا ذائقہ چکھا ہے، دل خوش ہو گیا،" انہوں نے کھانے کے اختتام پر دل سے تعریف کی۔ پھر فوراً انارہ کا خیال آیا، "حیدر، انارہ یہ سب نہیں کھاتی، اس

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کے لیے کچھ ہلکا بنوا دینا۔" انارہ گوشت سے تقریباً پرہیز کرتی تھی، اور بہرام خان بیٹی کے ذوق سے بخوبی واقف تھے۔

ربان خان، جو گویا سب نظم سنبھالے بیٹھے تھے، مسکرا کر بولے، "خاناں، تم بے فکر رہو، اسماہ یا زوبیہ نے ضرور بندوبست کیا ہو گا۔ بس، کھانا مکمل ہو تو لاؤنج میں سب سے ملاقات بھی ہو جائے۔" ان کے اشارے پر سب نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا اور آہستہ آہستہ دستر خوان سے اٹھنے لگے۔ مگر شاہ میر کا دل، ابھی تک ایک جواب، ایک لمحے اور ایک ہمت کی تلاش میں کہیں رکا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آنٹی، میں یہ نہیں کھاتی، آپ مجھے کچھ اور بنوا دیں۔" انارہ اس وقت اسماہ خانم کے کمرے میں بیٹھی تھی جب اسماہ خانم اس کے لیے دیسی پکوان لائیں تو اس نے ناک منہ چڑھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا یہ صحت کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے۔ کھا کر دیکھو بہت مزے کا ہے۔" اسماہ خانم نے مٹن کڑاہی کی جانب اشارہ کیا جس پر وہ زور زور سے گردن نفی میں ہلانے لگی۔

"نہیں آنٹی، مجھے یہ نہیں کھانا۔۔۔ آپ پلیز مجھے کچھ اور بنا دیں۔" انارہ آنکھیں ٹمٹماتے نچلا لب باہر نکالتی معصومیت سے بولی تو اسماہ خانم کو وہ بہت پیاری لگی۔

"اچھا تم بتاؤ کیا کھانا ہے، ہم بنوا دیتے ہیں۔" اسماہ خانم پیار سے بولیں تو انارہ نے اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتے تھوڑی پر انگلی رکھ کر سوچنا شروع کیا۔

"امم آپ نہ میرے لیے نوڈلز بنا دیں، وہ جلدی بن جاتے ہیں یوں (اس نے چٹکی بجا کر دکھائی) اور مزے کے بھی ہوتے ہیں۔" گھنگریالے بالوں والی لڑکی مزے سے بولی تو اسماہ خانم نے ساجدہ کو آواز دی۔

"یہ لے جاؤ اور بچی کے لیے نوڈلز بنا کر لے آؤ۔" اسماہ کے حکم پر ساجدہ کھانے کے برتن لیتی چلی گئی۔ اکثر ارمان ہی حویلی میں نوڈلز اور میکرونی وغیرہ کھاتا تھا اس لیے ساجدہ کو وہ سب بنانا آ گیا تھا۔ ساجدہ کے جانے کے بعد اسماہ خانم انارہ کے پاس بیٹھتی اس کی باتیں سننے لگیں جو اپنے اسکول کی باتیں سنا رہی تھی۔ اس کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہیں تھی یا شاید اس سے بھی کم۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"چچا جان، میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا، آپ غلطی کر رہے ہیں اب دیکھ لیا انجام!" دلشیر خان کی آواز میں چھپا تمسخر شیر خان کے ماتھے پر بل ڈال گیا۔ وہ دونوں اس وقت مردان خانے میں بیٹھے تھے۔ دیواروں پر ماضی کی پرچھائیاں، صوفوں کی پرانی پڑتی ہوئی گدی، اور سادگی میں لپٹی خاندانی وجاہت، سب کچھ اس دیہاتی حویلی کی گواہی دے رہا تھا کہ یہ گھر کئی نسلوں کے غرور کا گہوارہ رہا ہے۔

"دلشیر! میرا دماغ مت خراب کرو، جاؤ یہاں سے!" شیر خان نے ماتھے کی شکنوں کو دو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے جیسے اپنی پریشانی کو دبا لینا چاہا، مگر لہجے کی شکستگی بہت کچھ کہہ رہی تھی۔

"کیوں نہ بولوں چچا جان؟ آپ کے غلط فیصلوں کی سزا ہم سب بھگت رہے ہیں!" دلشیر اب بدتمیزی کی حد پار کر گیا تھا۔ وہ جانتا تھا، ان کی جدی پشتی زمینیں، جو ان کے وجود کی بنیاد تھیں، اب خطرے میں تھیں۔ شیر خان نے کبھی ان زمینوں کو گروی رکھنے کا سوچا بھی نہ تھا،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مگر شہر کے کاروبار میں قدم رکھنے کے لالچ میں، انہوں نے دلشیر کے والد کو قائل کیا، زمینیں گروی رکھ کر سرمایہ حاصل کیا، اور بدقسمتی سے وہ سرمایہ بازار میں ڈوب گیا۔ جب امید کا چراغ بجھنے کو تھا، تو بالاج نے مدد کا ہاتھ بڑھایا۔ شیر خان نے وہ قبول تو کر لیا، مگر جس کاغذ پر اس نے دستخط کیے، اس کی نوعیت سے بے خبر تھے، اور آج جب بالاج نے حقیقت کھولی، تو وہ زمینیں جو واپس ملنی تھیں، درحقیقت اب بالاج کی ملکیت بن چکی تھیں۔ شیر خان جیسے کسی دھندلے خواب سے جاگے ہوں، ایک ایسا خواب جو جیتے جی ان کی جڑیں کاٹ گیا ہو۔

"مجھے خود سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں!" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولے، جیسے لفظوں کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے ہوں۔

دلشیر طنز سے لبریز ہو کر بولا، "اس سب سے بہتر تو یہ تھا کہ آپ سفیر کو ہی ان کے حوالے کر دیتے۔ خود تو وہ باہر جا بیٹھا، مصیبت ہمارے گلے پڑی ہے!" شیر خان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، حیرت کی ایک لہر ان کے چہرے سے گزری، "کیا مطلب؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چچا جان، اب بھی نہیں سمجھے؟ یہ سب زارا کی وجہ سے ہو رہا ہے! آپ نے اسے ونی کر دیا، اور وہ وہ بالاج لالا کی منگیتر تھی! ان کی غیرت کو آپ نے روند ڈالا۔ وہ کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے؟" شیر خان کا دل جیسے کسی انجانے خوف سے لرز گیا۔ انہوں نے دلشیر کی آنکھوں میں جھانکا اور سوچا کہ شاید وہ سچ کہہ رہا ہے۔ شاید وہ واقعی غلطی کر بیٹھے تھے۔

"میں بات کروں گا بالاج سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ان کے لہجے میں مضبوطی سے زیادہ بے یقینی اور دکھ تھا۔ دلشیر نے خفگی سے سر جھٹکا۔ اسے اندازہ تھا کہ اب یہ باتیں، فیصلوں کے ملبے پر نوحے بن کر رہ گئی ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"کام ہو گیا ہے۔" ایلکس نے آتے ہی ڈی کے سے کہا، جو محض ہولے سے مسکرا دیا۔ ایلکس کے کہنے پر ڈی کے نے اسے دیکھا اور پھر دونوں ہی ہنس دیے۔

"آہ ڈی کے یا بالاج دراب خان۔" بالاج اور ایلکس (اشعر) ہنستے ہوئے سکون سے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

"سنا ہے آج خان حویلی میں خوشیوں کا سماں تھا۔ باران خان کو گاؤں کا نیا سردار منتخب کیا گیا ہے۔" اشعر نے کہتے ہی سگریٹ سلگائی اور بالاج کی جانب بڑھائی۔

"ہمم، اچھی بات ہے۔ باران سے ملنے کے بعد لگ رہا ہے وہ زارا کے لیے پرفیکٹ ہے۔" بالاج نے سگریٹ دو انگلیوں کے درمیان تھام کر ہونٹوں میں دبایا اور گہرے کش لیتے ہوئے ہلکی سی سرگوشی میں کہا۔

"میں خود حیران تھا، دیکھا تم نے کیسے اس نے زارا کو پروٹیکٹ کیا؟" اشعر کی بات پر بالاج نے خاموشی سے اتفاق کیا، جیسے کوئی بھاری لمحہ یادوں سے گزر گیا ہو۔

"یہ زارا ٹاپک ختم ہوا۔ اب جلد از جلد اس کرسٹل کوئین سے ملاقات کرنی ہے، جس نے لوسیفر کو اتنی بے رحم موت دے کر اس کا سر مجھے بھجوایا تھا۔" بالاج کی آواز میں ایک سرد مہری تھی، جیسے یہ بات اب جذبات سے نہیں، صرف فرض سے جڑی ہو۔

"مجھے لگتا ہے، کرسٹل یہاں اپنے اصل روپ میں ہوگی۔" اشعر پرسوچ انداز میں بولا۔

"مطلب؟" بالاج نے سگریٹ بجھاتے ہوئے ہلکے انداز میں پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"او ہو، جیسے تم ملائیشیا میں سبز آنکھوں (لینز) کا استعمال کرتے ہو، ویسے ہی وہ بھی کرتی ہو گی۔ مافیا ایک دھوکہ ہے، وہاں کوئی بھی اپنی اصل پہچان کے ساتھ نہیں رہتا۔ ہر انسان اپنا روپ بدل کر وہاں سانس لیتا ہے اور تم جانتے ہو وہ انڈر ورلڈ کی ملکہ ہے، یوں ہی تو وہ کرسٹل کوئین کے نام سے جانی نہیں جاتی۔" بالاج نے اشعر کی سمجھداری پر خاموش داد دی۔ دونوں اسلام آباد میں بالاج کے محل نما فارم ہاؤس میں موجود تھے۔ دو منزلہ، سفید اور لال رنگ کے امتزاج سے بنا وہ فارم ہاؤس صرف جگہ نہیں، ایک شاندار اور گہری تاریخ کی پہچان تھا۔ ہر شے قیمتی، ہر چیز نفیس۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے کئی راز نکلے تھے، اور جہاں کئی راز دفن بھی تھے۔

یہی تھاڈی کے، ڈیتھ کنگ، عرف بالاج دراب خانزادہ کا اصل چہرہ۔ یہ کہانی نہیں، ایک ایسی سانس لیتی سچائی تھی، جو ہر موڑ پر اپنے ہی وجود کو چھپا کر نئی شکل اختیار کر لیتی تھی۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شاہ میر، اب ہمیں نکلنا چاہیے، کافی وقت ہو گیا ہے،" جبران نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا جہاں سوئیاں نو کا ہندسہ عبور کر رہی تھیں۔ جبران کی آواز پر سب مرد حضرات جو اندر جانے کے لیے جوتے پہن رہے تھے، اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"لالا یہ کون ہے؟" داور خان نے حیدر خان سے پوچھا، کیونکہ داور خان کے آنے کے بعد وہ دونوں آئے تھے، اس لیے جبران اور حرم کا سامنا داور خان سے نہیں ہوا تھا۔

"یہ شاہ میر کا دوست ہے جبران۔ یہ بچّہ اور اس کی بہن ہمارے یہاں مہمان ہیں،" حیدر خان نے مختصر سا تعارف کروایا تھا۔ جبکہ شاہ میر تو پہلے ہی جبران کو داور خان کا بتا چکا تھا۔ داور نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"بیٹا، تمہیں یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی؟ ہماری مہمان نوازی میں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی؟" ربان خان نے شال کندھوں پر درست کرتے جبران کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ جو کالی شلوار قمیض پہنے بے انتہا حسین لگ رہا تھا۔ اس کی گوری رنگت پر کالا رنگ خوب جچ رہا تھا۔ اپنی شخصیت کی وجہ سے وہ نیلی آنکھوں والا پٹھان معلوم ہوتا تھا۔

Clubb of Quality Content

"نہیں۔۔۔ نہیں انکل۔۔۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ہم تو آپ کی اتنی مہمان نوازی کے شکر گزار ہیں، بلکہ میں تو معذرت خواہ ہوں کہ ہم مخصوص مدت سے زیادہ یہاں رک گئے۔" جبران نے خوش اسلوبی سے جواب دیا۔ داور خان اور بہرام کو اس کی اتنی صاف اردو پر حیرت ہوئی کیونکہ وہ دیکھنے میں انگریز لگتے تھے اور حقیقت میں باہر سے تھے۔

"جبران، اتنی رات کو سفر کرنا ٹھیک نہیں ہے، تم صبح چلے جانا،" شاہ میر کو کچھ اور سمجھ نہ آیا تو اس نے بہانہ بنایا۔

"نہیں، شاہ میر، حرم نہیں مانے گی،" جبران کے کہنے پر شاہ میر نے لب کاٹا تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا، ویسے بھی تم کون سا واپس یونان جا رہے ہو۔۔۔ فی الحال تو تم لوگوں نے لاہور جانا ہے، نہ؟ تو صبح چلے جانا،" شاہ میر نے کہتے ہوئے باران کو آنکھوں سے اشارہ کیا کہ وہ بھی کچھ بولے۔

"شاہ صحیح کہہ رہا ہے جبران، اس وقت سفر کرنا صحیح نہیں ہے۔ سردی اپنے زور پر ہے اور دھند بھی بڑھ گئی ہے۔ ایسے میں حادثہ ہونے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں،" باران کے نقطہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نظر پر سب مردوں نے اتفاق کیا تھا۔ واقعی سردیوں میں جب دھند زور پکڑتی تھی تو کئی حادثے ہو جاتے تھے، ایسے میں رات کو سفر کرنا ایک بڑا رسک تھا۔

"بالکل صحیح کہہ رہا ہے شاہ میر، تم لوگ آج یہیں رک جاؤ، کل نکلنا۔ میں تم لوگوں کو ابھی نکلنے کی اجازت نہیں دے سکتا،" ربان خان نے حکم دیا تھا۔ جبران نے پریشانی سے پیشانی کو دو انگلیوں سے مسلا۔ حرم نے اس کی جان لے لینی تھی اگر وہ ایک رات اور رکنے کی بات کرتا۔ اس نے جیب سے موبائل نکالا اور حرم کو کال ملائی جو دو بیلوں پر ہی وصول کر لی گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حرم اس وقت زرمینے اور پری گل کے پاس بیٹھی تھی۔ زرمینے اپنے کالج کے قصے انہیں سنا رہی تھی جبکہ پری گل اور حرم خاموشی سے بیٹھے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر اسماہ خانم اور زوبیہ خانم بیٹھی تھیں۔ جبکہ سائرہ اور جبہ خانم وہاں موجود نہیں تھیں اور نہ ہی کسی نے ان کے غائب ہونے کا نوٹس لیا تھا۔ بیل کی آواز پر حرم نے زرمینے اور پری گل سے ایکسکیوز کرتے ہوئے سائیڈ پر آ کر کال ریسیو کی اور فون کان سے لگایا۔

"ہاں، جبران، بولو،" حرم کی سنجیدہ آواز پر جبران کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"وہ، حرم۔۔۔" جبران نے سب کی جانب دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"واٹ نان سینس، جبران! واٹ 'وہ'؟" حرم کو جبران کا یوں ہکلانا تپا گیا تھا۔ ابھی جبران کچھ کہتا کہ اس سے پہلے ہی ارمان نے آگے بڑھ کر فون جبران کے ہاتھ سے لیا اور فون سپیکر پر ڈال دیا۔ شاہ میر کو ارمان کی یہ حرکت خاصی بری لگی تھی، اور صرف شاہ میر کو ہی نہیں، سب کو یہ حرکت بری لگی تھی۔

"جبران، اب کچھ بولو گے؟" حرم کے لہجے میں سختی آ گئی تھی۔ سب نے جبران کو دیکھا جو ماتھے سے پسینہ صاف کر رہا تھا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ اتنی سردی میں اسے پسینہ آ رہا تھا یا وہ اپنی بہن سے ڈرتا تھا۔ جب کہ حرم کی آواز سنتے شاہ میر کے دل نے ایک دھڑکا محسوس کیا تھا۔

"حرم، میں سوچ رہا ہوں آج ہم یہیں رک جاتے ہیں،" جبران کی بات سنتے ہی حرم کا میٹر شارٹ ہو گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ تمہیں پتہ ہے ابھی ہمارا کام باقی ہے،وہ بھی ختم کرنا ہے اور تم مجھے مزید یہاں رکنے کا کہہ رہے ہو؟" حرم غصے سے آگ بگولہ ہو کر بولی۔ سب نے حیرت سے ایک دفعہ موبائل کو دیکھا اور ایک دفعہ جبران کو۔ جبران نے گہرا سانس بھرتے شکر ادا کیا تھا کہ حرم نے اٹالین میں اپنی بات کہی۔ یہ بات ان کے بیچ طے تھی کہ جب یہاں کوئی کام کی بات کریں گے تو اٹالین میں کریں گے۔ اردو میں

بولنے کا رسک وہ نہیں لے سکتے تھے۔

"حرم،اس وقت موبائل سپیکر پر ہے اور سب ہماری باتیں سن رہے ہیں،پلیز،مان جاؤ،" جبران نے بھی اب اٹالین زبان استعمال کی تو ارمان نے منہ بسور لیا تھا۔

"یہ کیا ہے بھئی، ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آرہا،" ارمان کے کہنے پر باران نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ جلدی سے موبائل جبران کے حوالے کر گیا جو سپیکر آف کر کے فون کان سے لگا گیا۔

"جبران، یو نو واٹ؟ میری سب سے بڑی غلطی تمہاری بات ماننا تھی،" حرم غصے سے پھنک رہی تھی۔ وہ تنگ آچکی تھی۔ شاہ میر کے اپنی جانب بڑھتے قدم وہ بخوبی محسوس کر رہی تھی۔ اوپر سے اس کا دل اسے الگ پریشان کر رہا تھا۔ وہ خود اپنی حالت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ جتنی بھی سخت بن جاتی، تھی تو ایک انسان ہی، نہ دل پتھر کا سہی، لیکن تھا تو وہ جس میں وہ شخص دراڑ دیتا چٹخا رہا تھا۔

"پلیز"۔۔۔ جبران کی اتنی منتوں پر اس نے غصے سے کال کاٹتے ہوئے اپنے قدم واپس لاؤنج کی جانب بڑھائے جہاں زرمینے اسے آتے دیکھ فٹافٹ اس کے لیے جگہ بنا گئی تھیں۔

"حرم ادی، یہ آپ کی ناک کے پاس کیا ہے؟" زرمینے کے اچانک کہنے پر حرم کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے جلدی سے ناک کے پاس ہاتھ لگایا تو وہاں خون کا ننھا سا قطرہ تھا۔ پری گل جو اپنے موبائل پر مصروف تھی وہ بھی ان کی جانب متوجہ ہوئی۔ حرم کی ناک سے ہوتی ہوئی بلیڈنگ پر وہ جلدی سے اس کے قریب آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں، کچھ نہیں ہے،" حرم کو خود پر جی بھر کر غصہ آیا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر جانے لگی لیکن پری گل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا۔

"مجھے دکھاؤ، حرم،" پری گل نے حرم کا معائنہ کرنا چاہا، مگر وہ فرصت سے اسے دور کرتی اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ پری گل نے شاکی نظروں سے اس کی پشت دیکھی جو اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

"گل ادی، وہ کیا تھا؟" زرمینے نے پریشانی سے پری گل سے پوچھا جو ابھی تک راہداری کو دیکھ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کچھ نہیں، شاید لپ اسٹک لگ گئی تھی،" پری گل نے زرمینے کا دھیان باتوں سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن اس کا دماغ وہیں اٹک گیا تھا۔

حرم نے کمرے میں داخل ہوتے دروازہ لاک کیا، دوپٹہ کندھوں سے اتارا اور بیڈ پر پھینکا۔ واش روم میں گئی، دیوار پر لگے شیشے میں اپنا عکس دیکھا تو پریشان ہو گئی۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ صد شکر تھا کسی نے دیکھا نہیں تھا اور زرمینے تو معصوم تھی، وہ اس بات کو آسانی سے

نکال سکتی تھی، لیکن پری گل۔۔۔یہ بات اس کے ذہن میں بار بار آ رہی تھی۔ حرم نے غصے سے بال کھینچے۔ جتنی وہ اپنی کمزوریوں کو چھپا رہی تھی، اتنی ہی وہ کمزوریاں امڈ کر اپنا آپ سب پر عیاں کر رہی تھیں۔ یہ کمزوریاں مضبوط سے مضبوط انسان کو گرا دیتی ہیں، پھر وہ کیا تھی؟

اس نے جلدی سے نل کھولا، چہرے پر چھینٹے مارے اور خود کو ریلیکس کیا۔ نل بند کر کے سرمئی آنکھوں والی لڑکی نے تولیہ اٹھا کر چہرہ خشک کیا۔ اس سفاک چہرے کے آئنے میں نظر پڑی تو اس نے باہر کی جانب قدم بڑھایا۔ وہ ایک مضبوط لڑکی تھی جو مکمل ٹوٹنے کے بعد وجود میں آتی ہے۔

☆..☆..☆..☆

"السلام علیکم۔" مرد حضرات کو لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر خواتین احتراماً اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اسماء خانم کی آنکھوں میں ایک مانوس سکون تھا، جیسے یہ منظر ان کے لیے نیا نہ ہو، لیکن باقی چہروں پر حیرت کی واضح جھلک دکھائی دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لالا! تم کب آئے؟" زوبیہ خانم کی آواز میں خوشگوار حیرت کے ساتھ بے یقینی بھی شامل تھی۔ انہیں تو بس اتنا معلوم تھا کہ داور خان آج حویلی آنے والے ہیں، لیکن بہرام خان کو ساتھ دیکھ کر وہ لمحے بھر کو چونک گئی تھیں۔

"آج ہی پہنچا ہوں، سیدھا تم لوگوں کے پاس آ گیا۔" بہرام خان نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا، اور آگے بڑھ کر ایک ایک خاتون کے سر پر ہاتھ رکھا، دعائیں دیں، اور زرمینے و پری گل کو سینے سے لگاتے ہوئے ماتھے پر بوسہ دیا۔ ان کی شفقت اور انداز میں وہی پرانی خاندانی محبت تھی، جو وقت کے ساتھ بھی نہیں بدلی تھی۔ خان حویلی کا ماحول اگرچہ روایت میں لپٹا ہوا تھا، مگر اتنا گھٹن زدہ کبھی نہیں رہا تھا کہ وہاں آزاد سانسیں نہ لی جا سکیں۔ سب مرد و خواتین آہستہ آہستہ اپنی نشستوں پر براجمان ہو چکے تھے۔

"اسماہ بچّے، انارہ کہاں ہے؟" بہرام خان نے نرمی سے پوچھا، ان کے لبوں پر بیٹی کے ذکر سے ایک خاص چمک ابھری تھی۔

"کون انارہ؟" زوبیہ خانم نے کچھ پل کو تعجب سے پوچھا، گویا ذہن میں مکمل ربط نہ بیٹھ پایا ہو۔

"میری بیٹی، انارہ، وہ بھی میرے ساتھ ہی آئی ہے۔" بہرام خان نے جواب دیا تو زوبیہ خانم نے سر اثبات میں ہلایا۔

"لالا، وہ کمرے میں کھانا کھا رہی ہے، میں بلواتی ہوں۔ ساجدہ، ذرا جا کر انارہ بیٹی کو میرے کمرے سے لے آؤ۔" اسماہ خانم نے نرمی سے کہا تو ساجدہ فوراً تعمیل میں چل دی۔

"ارے، حرم بچی! آؤ اِدھر۔" زوبیہ خانم نے جیسے ہی راہداری سے آتی حرم کو دیکھا، خوشی سے پکارا۔ وہ دھیرے قدموں سے ان کی سمت آ رہی تھی۔

"خاناں، یہ ہے جبران کی بہن۔" ربان خان کے تعارف پر، داور خان اور بہرام خان نے پیچھے مڑ کر دیکھا، اور یہی وہ لمحہ تھا جب حرم کو لگا جیسے اس کے قدموں تلے کی زمین یکایک سرک گئی ہو۔ آنکھوں کے سامنے ماضی کے کئی اندھیرے اور خونی پنے پل بھر میں چھا گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہوئی، ہاتھوں میں کپکپاہٹ ابھری، جسے اس نے بڑی مہارت سے دوپٹے کی اوٹ میں چھپا لیا۔ مگر آنکھوں میں نمی اور اذیت کی ایک ٹوٹتی ہوئی چبھن صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ دماغ میں جیسے کسی رگ نے زور سے چیخ ماری ہو۔

"ماشاءاللہ، بہت پیاری بچی ہے۔" داور خان کی گہری، نرم مگر سنجیدہ آواز حرم کے کانوں سے ٹکرائی، تو وہ لمحہ بھر کو ہوش میں واپس لوٹی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے بے اختیار آہستگی سے جبران سے پوچھا، نگاہیں اب بھی داور خان کے چہرے پر جمی تھیں۔

"یہ شاہ میر کے چچا جان ہیں۔ داور خان اور یہ ہیں بہرام خان۔" جبران نے اسے دیکھے بغیر سادہ انداز میں جواب دیا، مگر وہ اس لرزتے وجود کی شدت کو محسوس نہ کر سکا۔ حرم کو لگا وہ مزید کھڑی نہیں رہ سکتی۔ الٹے قدموں پلٹتے ہوئے وہ تیزی سے راہداری کی طرف بڑھی، جیسے ہوا میں تحلیل ہو جانا چاہتی ہو۔ دو آنکھیں تھیں جنہوں نے اس کی پشت کا تعاقب اس وقت تک کیا، جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ ابھی اس کے جانے کی گونج بھی تھمی نہ تھی کہ سامنے سے ایک اور چہکتی آواز ابھری۔

"بابا!" انارہ اپنے مخصوص شوخ انداز میں دوڑتی ہوئی آتی دکھائی دی، ہلکی سی قہقہہ لیے، اپنی تمام تر معصومیت اور توانائی کے ساتھ، مگر اس کی آمد، اس لمحے میں بھی، ایک نئے باب کا

پیش خیمہ بننے والی تھی۔ انارہ خوشی سے اچھلتی ہوئی بہرام خان کے پاس پہنچی اور بے دھڑک ان کے بازو سے لپٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی اس بے ساختہ معصومیت نے لاؤنج میں موجود ہر فرد کو چونکا دیا، اور پھر مسکراہٹیں آہستہ آہستہ چہروں پر بکھر گئیں۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے؟ پتہ ہے آپ کو؟ یہ والی آنٹی..." (اسماہ خانم کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) "کتنی پیاری ہیں۔ شی از سو کیوٹ!" انارہ کی شوخ اور مخلص بات نے وہاں موجود سب کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی نظریں ادھر ادھر گھومتی ہوئی باران پر ٹھہر گئیں، جو خاموشی سے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ لیکن وہ وہاں تھی ہی نہیں۔

"ارے، یہ حرم بچی کہاں گئی؟" اسماہ خانم کی نگاہ آخر کار لاؤنج میں ٹکی خالی جگہ پر پڑی۔

"آئی تھنک کمرے میں چلی گئی ہو گی میں دیکھتا ہوں۔" جبران نے کہا اور اٹھ کر راہداری کی طرف بڑھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کھانا کھالیا میری جان نے؟" بہرام خان نے نرمی سے انارہ کے چہرے سے بال پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔ تو وہ سر ہلا گئی۔ اب بہرام خان اسے سب سے متعارف کروا رہے تھے۔ وہ ایک ایک فرد کے پاس جاتی، ہاتھ ملاتی، اور دل سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتی۔

"ڈیئر، آپ سب سے پیارے ہیں۔" شاہ میر سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ شاہ میر کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ابھری۔ منظر مکمل تھا۔ ہنسی، خوشبو، شوخی اور خاندانی اپنائیت سے لبریز، لیکن ایک خلا واضح تھا۔ نہ سائرہ وہاں موجود تھی، نہ جبہ خانم، اور زارا کی غیر موجودگی کا تو جیسے کسی نے نوٹس ہی نہیں لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟" جبران جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا، اس کی نظریں سیدھی بالکنی کی طرف گئیں، جہاں وہ کھڑی تھی۔ سرد رات کی نمی، خاموش آسمان، اور اس کے ہاتھ میں سلگتی سگریٹ، جس سے نکلتے دھوئیں کے مرغولے خلا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ نہ کوئی چادر، نہ

سویٹر صرف وہ، اور اس کے اندر کی تپش۔

"اپنے اندر اٹھتے طوفان کو خاموش کروا رہی ہوں۔" اس کی آواز میں ایسی تپش تھی کہ جبران کے قدموں تلے زمین کھسک گئی۔ ایک خاموش، جلتا ہوا لاوا تھا جو اس کے لفظوں کے ذریعے باہر نکل رہا تھا۔

"کیا مطلب؟" جبران نے سرد ہواؤں کے بیچ اس کے جلے ہوئے لہجے کو تھامنے کی کوشش کی۔

"میرا پاکستان آنے کا مقصد پورا ہوا، جیک۔ مجھے میرا مجرم مل گیا ہے۔" وہ سامنے بہتے دریا کی طرف دیکھ رہی تھی، مگر اس کی آنکھیں ماضی کی کسی تہہ خانے میں اتر چکی تھیں۔ جبران کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"کون؟" وہ جانتا تھا، جو نام زبان پر آئے گا وہ سب بدل دے گا۔

"داور خان۔" ایک لفظ جیسے پتھر دل پر آ گرا ہو۔ کمرے کے در و دیوار خاموش تھے، مگر ان کی خاموشی بھی بول رہی تھی۔ جبران پیچھے ہٹا، اسے سانس لینا مشکل لگ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو اب؟"

"تو کیا؟"

"مطلب اب ہم یہاں مزید کیسے رکیں؟ یا تم سیدھا اس کا کام تمام کر دو!" جبران کا مشورہ غصے اور بے بسی کی ملی جلی حالت میں نکلا تھا۔

"نہیں۔" وہ بدستور دریا کو دیکھ رہی تھی "مجھے اپنی بہن چاہیے، جبران۔ اس کے بعد جو ہونا ہے، ہو گا۔" اس کا لہجہ اب پر سکون تھا، مگر وہ سکون طوفان سے پہلے والی خاموشی جیسا تھا۔

"لیکن ہم یہاں مزید کیسے رک سکتے ہیں؟ ہر پل خطرہ ہے!" اس نے ایک گہری سانس لی، اور اچانک، جیسے کوئی تلخ مذاق ہو، "تم یہاں سے کود جاؤ، تو ہمیں کافی وقت مل جائے گا رکنے کا!" جبران کے چہرے سے رنگ اڑ گیا۔ وہ پیچھے ہٹا، جیسے حقیقت میں پھینک دیے جانے کا خوف اسے جکڑ رہا ہو۔ حرم نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی وہ نظر طنز سے زیادہ بے نیازی میں ڈوبی تھی۔ سگریٹ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے نکلا، اور دریا کی بے رحم گہرائیوں میں جا گرا۔ پھر وہ پلٹی، اور خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

جبران نے بالکنی کے کنارے آ کر نیچے جھانکا، دریا اپنی روانی میں تھا، لیکن اس کے نیچے جھانکنا جیسے موت کی آنکھوں میں جھانکنے جیسا تھا۔ وہ ہولے سے بڑبڑایا، "خطرناک عورت ہے یہ..." اور بغیر کچھ کہے، اس کے پیچھے ہو لیا۔

وہ واپس آ کر اسماہ خانم کے قریب آ بیٹھی تھی۔ جب انہوں نے اس کی غیر موجودگی کا سبب پوچھا، تو وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "ایک ضروری کال آ گئی تھی۔" اس کے لہجے میں روایتی شائستگی تھی، لیکن نگاہیں بار بار انارہ پر جا ٹھہرتی تھیں، جو بہرام خان کے کندھے سے لگی بیٹھی تھی۔ نہ جانے کیوں، حرم کو وہ کچھ اپنی جیسی سی لگی۔ وہی معصوم شرارت، وہی نرمی۔ شاید کوئی نادیدہ رشتہ، کوئی ان دیکھے لمس کی

یاد، ماحول میں ایک خاص قسم کا سکون تھا، لیکن وہ خاموشی داور خان کی تیز آواز سے چیر دی گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لالا، اگر کچھ اور باقی ہے، تو وہ بھی بتا دیں!" ان کے لہجے میں چبھتا ہوا طنز تھا، جیسے کسی گہری ناراضی کو باتوں میں چھپایا جا رہا ہو۔ حیدر خان، جو ربان خان سے ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھے، متوجہ ہو گئے۔

"کیا مطلب؟" حیدر خان نے ناسمجھی سے داور خان کی جانب دیکھا۔

"مطلب یہ کہ جیسے میرے بغیر زارون اور باران کی شادیاں طے کر دیں، ویسے ہی شاہ میر کو بھی کہیں بیاہ نہ دیا ہو!" یہ سنتے ہی شاہ میر جیسے اپنی جگہ سے اچھل گیا۔ اسے فوراً زارون کی بات یاد آئی وہی بات جس میں اس نے پری گل کے لیے شاہ میر کا نام پیش کیا تھا۔ دل کی دھڑکن ایک لمحے کو جیسے رک سی گئی۔

"نہیں، اس کے لیے ہم نے کچھ اور سوچا ہے۔" حیدر خان کی گہری آواز نے کمرے کا درجہ حرارت جیسے کم کر دیا۔ شاہ میر نے حیرت، خوف، اور تجسس سے باری باری باران، زارون، اور آخر میں اپنے والد کی جانب دیکھا۔

"جبران بیٹا" حیدر خان نے اگلی بات کے لیے نگاہیں جبران کی طرف موڑ دیں۔ جبران، جو ابھی زارون کے ساتھ بیٹھا تھا، فوراً متوجہ ہوا۔

"جی انکل۔" اس نے ادب سے جواب دیا۔ "بیٹا، میں ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تمہارے والدین حیات ہوتے، تو میں ان سے کہتا، لیکن اس وقت تم ہی اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھنے والے ہو، اس لیے" وہ ذرا رکے، اور پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں اپنے بیٹے شاہ میر کے لیے تمہاری بہن حرم کا ہاتھ مانگتا ہوں۔ کیا تمہیں یہ رشتہ قبول ہے؟" کمرے میں مکمل سناٹا چھا گیا۔ نظریں جبران، شاہ میر، اور پھر حرم پر جم گئیں۔ شاہ میر، جو اب تک اپنی سانسیں روکے بیٹھا تھا، بے یقینی سے باران کو دیکھ رہا تھا، جو نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

"حرم" جبران نے بہن کی طرف دیکھا، دل ہی دل میں بدترین ردعمل کے لیے تیار تھا۔

مگر حرم، اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی، "مجھے اس رشتے سے کوئی اعتراض نہیں۔" اور پھر بنا کسی تاثر کے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سب کی نظریں اس کے پیچھے گئیں، کچھ

نے شرم سمجھا، کچھ نے حیرت، مگر جبران کے لیے یہ صدمہ تھا۔ شاہ میر کے چہرے پر ہنوز سکتہ طاری تھا جیسے ابھی بھی یقین نہ آرہا ہو کہ وہ جاگ رہا ہے یا کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔

"ٹھیک ہے، پھر ایک دو دن میں حرم کو شاہ میر کی منگیتر بنائیں گے۔" ربان خان کا لہجہ گویا اعلان تھا۔

"پری گل، جاؤ مٹھائی لے آؤ، سب کا منہ میٹھا کروادیں!" حیدر خان نے آواز دی، اور پری گل سر ہلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جبران کی پیشانی پر بل آگئے۔ یہ سب کچھ بہت تیز ہو رہا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور حرم کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ وارڈروب سے کپڑے نکال رہی تھی، سکون سے۔

"حرم! یہ کیا تھا؟" اس نے دروازہ بند کرتے ہی غصے سے کہا۔

"یہاں رکنے کا انتظام۔" مختصر، لیکن بے پناہ معنی خیز جواب تھا۔

"واٹ نان سینس! تم جانتی ہو شاہ میر تم سے محبت کرتا ہے، تمہاری ہاں نے اسے ایک نیا خواب دے دیا ہے!"۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جیک، تم اوور ری ایکٹ کر رہے ہو۔ اس کے چہرے پر تو ذرہ برابر فرق نہ آیا۔"

"میں اوور ری ایکٹ کر رہا ہوں؟ تم نے سوچا کہ وہ کون ہے؟ وہ وہ شاہ میر حیدر خان ہے۔ ایک سیکرٹ ایجنٹ!" یہ خبر جیسے دھماکے کی صورت اس نے کہی مگر حرم بدستور پر سکون تھی۔ وہ مڑی، اس کے قریب آئی۔

"جیک، تم بھول رہے ہو میں کون ہوں۔ میں 'کرسٹل کوئین' ہوں اور میں ہمیشہ جانتی تھی وہ کون ہے۔" جبران جیسے پتھر کا ہو گیا۔

"وہ وہ تمہارا کیا ہے؟" اس نے بمشکل سوال کیا۔ حرم نے کپڑے بیڈ پر پھینکے، اور قدم بڑھاتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ سرگوشی میں بولی۔ "وہ میرا میجر ہے، جیک، میرا آفیسر خان۔ میرا جنون۔ میں دو سالوں سے اس کی حفاظت کر رہی ہوں۔" جبران کے قدم جیسے زمین میں دھنس گئے۔

"آفیسر خان؟" اس نے بمشکل الفاظ ادا کیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں،اور ہماری پہلی ملاقات خان حویلی میں نہیں،اٹلی میں ہوئی تھی۔وہ مجھے نہیں پہچان پایا،لیکن میں اسے تب ہی پہچان چکی تھی۔"یہ کہہ کر وہ پرسکون انداز میں کپڑے لے کر واش روم کی طرف چلی گئی۔

جبران کی آنکھوں کے سامنے وہ پرانا منظر گھوم گیا،ایک یخ بستہ ملاقات،چھپے دشمن،اور ایک برق رفتار لڑکی جو خود سے زیادہ کسی اور کی حفاظت میں مصروف تھی

☆..☆..☆..☆

دو سال پہلے۔"جیک،یہ شپمنٹ کسی بھی قیمت پر اٹلی کا بارڈر عبور نہیں کرنی چاہیے!"کرسٹل کوئین نے آخری بار خود کو آئینے میں دیکھا۔وہ بلیک اینڈ گرین ڈریس کوڈ میں ملبوس تھی۔ سیاہ بوٹ،کمر سے لگی ٹوئن گنز،جیکٹ کی آستینوں میں چھپی منی پسٹل اور فولڈڈ جنجر بلیڈز، چہرے پر چمکتا ماسک جس پر کرسٹل ڈائمنڈ کی جھلک تھی،جیسے کسی جنگجو ملکہ کا تاج۔جیک، جو اس جیسا ہی لباس پہنے ہوئے تھا،بلیک لینز اور ماسک کی وجہ سے ناقابلِ شناخت لگ رہا

تھا،اطمینان سے بولا۔"ڈونٹ وری،سب کچھ ہمارے کنٹرول میں ہے۔""اچھا ہے،"وہ مختصر بولی اور لمبے قدموں سے کمرے سے نکل گئی۔

ہیلی کاپٹر جیسے ہی زمین پر آیا،وہ پرسکون مگر خطرناک انداز میں اتری۔ ہوا میں اس کے ماسک پر جڑے کرسٹل بجلی کی چمک سے جھلملا اٹھے۔ جیک اور جازب بھاگتے ہوئے اس کی جانب آئے۔"ویلکم،میم!"دونوں نے سر جھکا کر کہا۔ کرسٹل کوئین نے بس سر ہلایا اور بنا وقت ضائع کیے آگے بڑھ گئی۔یہ سمندر کے بیچ ایک پراسرار جزیرہ تھا جہاں ریاستی قوانین بے معنی تھے۔یہاں صرف ایک قانون تھا۔ کرسٹل کوئین کا حکم۔دنیا کے نقشے میں موجود، لیکن سیاسی و عسکری دائرہ کار سے باہر،اس جزیرے پر صرف وہی زندہ رہ سکتا تھا جو حرم مرزا کی مرضی سے زندہ رہے۔وہ لمبے قدموں سے چلتی،جزیرے کے کنارے،سمندر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔بادل گرج رہے تھے،بارش کی بوندیں اٹھنے کو بیتاب تھیں،لیکن اس کے اندر ایک اور طوفان پل رہا تھا،ماضی کا طوفان۔

ماضی کی گونج۔ایک دھندلے کمرے میں،ایک معصوم سی لڑکی پر لرزتی ہوئی چیخوں کے سائے طاری تھے۔"بول!جو کہا ہے وہ کرے گی یا نہیں؟"ایک بھاری آواز والی عورت نے لڑکی کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔درد سے لڑکی کا پورا جسم کانپ اٹھا۔"نہیں،میں نہیں کروں گی"الفاظ اس کے لبوں سے بمشکل نکلے تھے۔چٹاخ چٹاخ!تھپڑوں کی گونج،اور اس کے بعد ہنٹر کی سنسناتی ہوا۔پھر وہ ہنٹر اس کے کمزور بدن پر برسنے لگا،درد سے کراہتی،تڑپتی، سسکتی وہ لڑکی،اپنے فیصلے کی قیمت چکا رہی تھی۔کمرے کے در و دیوار اس کی چیخوں سے کپکپانے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میم؟"جیک کی آواز نے اس لمحے کو توڑا۔کرسٹل کو ئین نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں،پھر انگلی سے آنکھ کے کنارے چھوئے اور ایک لمبی سانس کھینچی۔"ہمم"صرف اتنا کہا اور یہ اتنا ہی کافی تھا۔"آر یو اوکے؟"جیک کا لہجہ نرمی بھرا تھا۔وہ جانتا تھا کچھ زخم دکھائی نہیں دیتے، لیکن وہ سب سے زیادہ درد دیتے ہیں۔"آئی ایم فائن۔"وہ سپاٹ لہجے میں بولی،جیسے اپنے

اندر کے لاوے پر دوبارہ برف ڈال دی ہو۔"جازب سے کہو، ٹیم کو تیار کرے۔ وقت ختم ہو چکا۔"اس نے پیچھے مڑے بغیر کہا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

جیک نے اسے جاتا دیکھا، مضبوط، پُراسرار، اور ناقابلِ شکست۔

"ایجنٹ زی، سب کچھ کنٹرول میں ہے؟"آفیسر خان نے اپنے کان میں لگے بلوٹوتھ میں دھیمی مگر سخت آواز میں استفسار کیا۔ وہ اپنی ٹیم کے ہمراہ سمندر کے رخ پر موجود ایک پوشیدہ راستے سے جزیرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آج رات ایک بڑی اسمگلنگ ڈیل ہونی تھی، ایسی ڈیل جو اگر کامیاب ہو جاتی تو دشمنوں کے لیے فتح، اور ان کے ادارے کے لیے بدترین شکست کی علامت بن سکتی تھی۔ اس لیے ہر شخص اپنی جگہ مکمل تیار، الرٹ اور اپنے کردار میں مستعد تھا۔ اس آپریشن کا مرکز اور روحِ رواں خود آفیسر خان تھے، ایک بے رحم مگر معاملہ فہم لیڈر۔

"یس سر، آل از انڈر کنٹرول۔"ایجنٹ زی کی آواز وائرلیس چینل پر گونجی، جو ہر ایجنٹ کے کان میں نصب آلے سے ہو کر گزر رہی تھی۔ پورا یونٹ ایک دوسرے سے مسلسل

رابطے میں تھا، مکمل ہم آہنگی اور خاموشی کے ساتھ۔ سینٹرل گینگ کی اسمگلنگ کی یہ شپمنٹ روکی جانی تھی ہر صورت میں۔

آفیسر خان کی یاٹ آہستہ آہستہ سمندر کے پتھریلے کنارے سے لگی۔ دور، ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ وہ ایک شخص تھا، جس کا حلیہ ایک بوسیدہ، غریب مچھیرے جیسا لگتا تھا۔ آفیسر خان نے مخصوص کوڈ میں اپنی موجودگی کی اطلاع دی اور اپنی تین رکنی ٹیم کے ساتھ خاموشی سے جزیرے پر قدم رکھا۔ وقت، رات کے دو بجے کا تھا۔ ساحل پر تیز، سرد ہوائیں چل رہی تھیں، جو خون جما دینے والی تھیں۔ سمندر کی بپھری لہروں کی آوازیں فضا میں دہشت گھول رہی تھیں۔

ایجنٹ زی لپک کر آفیسر خان کے قریب آیا، سلیوٹ کیا۔ "سر، ابھی تک شپمنٹ نہیں پہنچی۔ سب نارمل لگ رہا ہے۔" آفیسر خان نے سر ہلایا اور ہاتھ کے اشارے سے اپنی ٹیم کو مختلف پوزیشنز سنبھالنے کا حکم دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ علاقہ سینٹرل گینگ کا گڑھ تھا۔ ایک لمحے کی غفلت موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ ایجنٹ زی کئی مہینوں سے گینگ کے اندر گھس کر کام کر رہا تھا، ان کا اعتماد جیت کر، ہر لمحہ کی خبر اپنے افسران تک پہنچا رہا تھا۔ بارش نے اب باقاعدہ طوفانی شکل اختیار کر لی تھی۔ آسمان پر چھائے کالے بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے، جیسے کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہوں۔ آفیسر خان، ہتھیار تھامے، اگلی پوزیشن کی جانب بڑھنے لگے، وہ جگہ جہاں سے جہاز سے مال اتارا جانا تھا۔ دوسری جانب، جیک اپنی یاٹ پر کھڑا دوربین سے ساحلی پٹی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ کھڑی تھی کرسٹل کوئین، سرد اور خوبصورت، جس کی خاکستری آنکھیں دوربین کے پیچھے کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ اس نے ایک لمحے کے لیے کسی سمت دیکھا، پھر آہستہ سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جیک کی جانب مڑی۔

"اس کی روح بے چین ہے" کرسٹل کوئین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جیک سے کہا۔

جیک نے پہلے الجھن سے اسے دیکھا، پھر بات کی تہہ میں اترتے ہوئے زیرِ لب مسکرا دیا۔

"خان وہ کبھی سکون سے نہیں جیتا۔" بادل گرجنے لگے۔ بارش کی بوندیں اب تیز ہو چکی

تھیں۔ ایک بڑی جنگ اپنے آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی، اور سناٹا، صرف طوفان سے پہلے کا تھا۔

کرسٹل کوئین نے دوبارہ دوربین کو آنکھوں کے سامنے رکھا، نگاہیں سمندر کے کنارے سے پار افق کی جانب ٹکی ہوئی تھیں۔ چند لمحے گزرے کہ اُس نے دور سے آتی ایک ہیولے کو دیکھا۔ ایک بڑا بحری جہاز، جو دھند اور رات کے پردے میں آہستگی سے جزیرے کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اُس نے فوراً دوربین نیچے کی، چہرہ سخت، آنکھوں میں چمک۔ "جیک، ٹیم الرٹ کرو۔ شپمنٹ آن دا موو۔" آواز میں ایک آہنی سکون تھا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کی نگاہ سمندر کی لہروں پر پڑی۔ سیاہی مائل پانی کی لہر، گہرے سکوت میں چلتی ہوئی، جیسے کسی خاموش طوفان کا راز چھپائے ہو۔ اس نے اپنی سیفٹی جیکٹ کو ایک بار ہاتھ سے چیک کیا، اور پھر بنا کسی تامل کے، ایک جھٹکے سے پانی میں کود گئی۔

ہر انسان کے وجود میں ڈر نام کا ایک ہارمون ہوتا ہے، لیکن کچھ انسان وہ ہوتے ہیں جو اس حد کو عبور کر جاتے ہیں اور جب ایک بار وہ اس ڈر کی زنجیر توڑ لیں، تو پھر نہ موت کا خوف

باقی رہتا ہے، نہار کا۔ کرسٹل کوئین انہی میں سے ایک تھی۔ اُس کے پیچھے، جیک نے بھی بغیر وقت ضائع کیے پانی میں چھلانگ لگائی۔ لمحوں میں جازب اور دیگر ٹیم ممبرز بھی سمندر کی سطح پر بکھر گئے، جیسے کسی حکمتِ عملی کا بے آواز دھماکہ۔ کرسٹل گینگ، پوری چابک دستی سے جزیرے کے اطراف میں پھیل چکی تھی۔ ہر ایک نے اپنی پوزیشن سنبھال لی تھی، اب صرف اگلے حکم کا انتظار تھا۔ سمندر کی ٹھنڈی ہوا اب اور تیز ہو رہی تھی، درجہ حرارت تیزی سے گرتا جا رہا تھا۔ کرسٹل، پانی سے بھیگی، مگر مکمل ہوش میں، گن سنبھالے آہستگی سے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ اُس نے کان میں لگے آلے میں اپنی ٹیم کو ہدایات دیں، آواز میں

سکون تھا، لیکن اندر ایک خطرناک تیز دھار خنجر جیسی مستعدی۔

"کون ہے وہاں؟" اچانک، کسی بھاری آواز نے سکوت کو چیر ڈالا۔ کرسٹل، جو ہولے ہولے کشتیوں کے پاس سے گزر رہی تھی، پل بھر کو رک گئی۔ یہ آواز ان کشتیوں کے عقب میں چھپے آفیسر خان کے کانوں تک بھی پہنچی۔ وہ ذرا سا جھک کر باہر جھانکا، اور پھر اُس کی نگاہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس عورت پر پڑی، وہی جس کے بارے میں صرف کہانیاں سنی تھیں۔ کرسٹل کوئین۔ تصویریں ٹیموں کے پاس تھیں، مگر حقیقت کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب وہ خود اپنے سامنے کھڑی تھی، کمر سیدھی، چہرہ جھکا ہوا، ہاتھ میں ہتھیار، پانی کی بوندیں اس کے کیپ سے بہتی زمین کا حصہ بن رہی تھیں۔ کوئی لرزش نہیں، کوئی جلدی نہیں، نہ بارش کا خوف، نہ موسم کا اثر۔ میجر خان کی بھنویں خود بخود تن گئیں۔

"یہی ہے وہی!" اُسے یقین ہو چکا تھا۔ کرسٹل کے قدم رک چکے تھے، لیکن اُس کی سانسیں نہیں۔ پوری فضا میں اُس کا سکوت گونج رہا تھا، ایسا سکوت جو کسی آنے والے دھماکے کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں، تم کون ہو؟" ایک کرخت لہجے والی انگریز آواز اچانک سنائی دی۔ کرسٹل کوئین کی پشت پر ایک سفید فام، سیاہ وردی پہنے شخص نے گن کی نال اس کے سر پر رکھ دی تھی۔ آفیسر خان چند قدم کے فاصلے پر خاموش کھڑا، اس لمحے کا گواہ بن چکا تھا۔ وہ جانتا تھا، اب جو ہونے والا ہے، وہ عام نہیں ہو گا۔ گورے نے ایک نظر کرسٹل کے نازک مگر مضبوط

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خدوخال پر ڈالی، چہرے کا انداز، چال، قامت۔ وہ اُسے ایک مرد سمجھ رہا تھا، اور یہ اس کی پہلی اور شاید آخری غلط فہمی تھی۔ کرسٹل کوئین ساکت کھڑی تھی، سانس متوازن، آنکھیں نیم جھکی ہوئی، اور ہاتھ، بندوق کی گرفت پر مضبوط۔ وہ غیر ضروری خونریزی سے گریز کرتی تھی مگر کچھ لوگوں کی موت، قسمت کے صفحے پر پہلے سے لکھی ہوتی ہے۔ گورے نے اسے بازو سے پکڑ کر مڑنے کی کوشش کی، اور بس، ایک لمحہ۔ صرف ایک!

کرسٹل نے چیتے کی سی پھرتی سے پلٹ کر، اپنی گن کی نال اس کے چہرے پر ماری۔ خون کی ایک پتلی دھار اُس کے منہ سے بہنے لگی۔ اس سے سنبھلنے کا موقع تک نہ دیا، کرسٹل کے گھٹنے کے درمیان مار نے اسے وہیں گرا دیا، ایک کریہہ "کڑک" کی آواز سنائی دی، اتنی بلند کہ آفیسر خان کے چہرے پر بھی حیرت لرز گئی۔ آفیسر خان نے یہ سب دور سے دیکھا، اس کی نظروں میں حیرت، تجسس اور اعتراف کے سائے تھے۔

"یہ عورت نہیں یہ جنگ ہے۔" وہ دل میں سوچتا، آنکھوں کو دلچسپی سے جنبش دیتا آگے بڑھا۔ "بہت جلد تم مجھ سے شکست کھاؤ گی، کرسٹل کوئین" یہ جملہ اس کے دماغ میں ابھرا،

جیسے خود کو اگلے مشن کی پیش گوئی دے رہا ہو۔ مگر اُسی لمحے اس کی نظر سمندر کی جانب گئی جہاں بحری جہاز اب مکمل طور پر ساحل سے جا لگا تھا۔ جہاز کے دروازے کھل رہے تھے، گینگ کے کارندے تیزی سے باہر نکلنے لگے۔ ادھر کرسٹل، اپنے ٹارگٹ پر آخری فائر کرنے ہی والی تھی کہ "ٹھک!" ایک سائلنسر سے داغی گئی گولی، اور وہ سفید فام زمین پر ڈھیر۔

"اوو پس سوری!" جیک نے اپنی گن نیچے کی، اور آنکھیں گھما کر معصومیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ کرسٹل نے سرخ، چمکتی آنکھوں سے اُسے گھورا۔

وہ اپنی کامیابی کا کریڈٹ کسی کو دیتی نہیں تھی خاص کر جیک کو۔

"جیک، ان سے پہلے تم میرے ہاتھوں قتل ہو گے۔" اس نے دانت پیچکچا کر کہا۔ جیک، ماسک کے پیچھے مسکرایا، دانتوں کی نمائش کرتا ہوا۔ وہ ہنسا نہیں مگر کرسٹل کو یقین تھا، وہ ضرور ہنسا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہاں دیکھو!" جیک نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کرسٹل نے تیزی سے گردن گھمائی، اور دیکھا آفیسر خان، شپمنٹ کے کارندوں پر تاک تاک کر فائر کر رہا تھا۔ کچھ لمحوں کے لیے کرسٹل کی سانس رک گئی، وہ اس کی بہادری کی دیوانی تو ہوئی تھی۔ آج وہ، پہلی بار، اس مرد کے روبرو تھی، جسے اکثر مشن رپورٹس میں پڑھا تھا۔

"یہی ہے آفیسر خان" اُس نے بے اختیار بڑبڑایا، اور پلک جھپکتے سینٹرل گینگ کے لیڈر کی سمت بڑھی۔ فائر، گن کی آواز، اور پھر اچانک خاموشی! گینگ لیڈر کی شہ رگ چاک ہو چکی تھی، گولی اس کی گردن کو پار کر چکی تھی۔

آفیسر خان چونکا، گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا۔ کرسٹل کوئین دونوں ہاتھوں میں گن تھامے، موت کی طرح خاموش، زندگی کی طرح مصروف، اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

فائرنگ کے بیچ وہ کچھ پل کو ساکت ہو گیا۔ وہ لمحہ یاد آیا، جب ایک مشن پر یہی عورت اُس کی جان بچا چکی تھی۔ تب اُس نے اسے "اتفاق" سمجھا تھا، لیکن آج؟ آج پھر وہی ہوا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ سب اتفاق نہیں ہو سکتا۔" آفیسر خان کے اندر کچھ جاگ چکا تھا۔ کرسٹل کوئین، جو اب تک دشمن تھی، شاید وہ اب ایک "سوال" بن چکی تھی۔

"جب لڑنا نہیں آتا تو مشن پر کیوں نکلتے ہو؟" کرسٹل کوئین نے آفیسر خان کے پاس آتے آدمی کے دماغ میں گولی پیوست کرتے ہوئے بولی نہیں، غرائی تھی۔ خان نے غصے سے قدم بڑھایا، چہرے پر تناؤ اور آنکھوں میں وہ شعلہ جو صرف شکست کے احساس سے جنم لیتا ہے۔ "تم کون ہو جو ہر بار میری جان بچانے پہنچ جاتی ہو؟" وہ اسے گردن کے پچھلے حصے سے دبوچتے ہوئے کشتی کے ساتھ دے مارا، "جبکہ تم جانتی ہو تمہارا انجام میرے ہاتھوں لکھا ہے۔ میں ہی تمہیں قانون کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلوں گا۔" کرسٹل کوئین کی آنکھوں میں سرخ شعلے تھے، جو گہرے گرے لینز کے پیچھے سلگ رہے تھے۔

"ہاتھ کیسے لگایا، آفیسر؟" اس نے سرد لہجے میں کہا، اس جملے کے ساتھ ہی اُس نے تیزی سے اس کی ٹانگ پر وار کیا، لیکن سامنے بھی خان تھا، وہ آفیسر جس کے ایکشن انسٹنکٹس بجلی سے بھی تیز تھے۔ اُس نے وار کو روکا، اور پل میں اسے زمین پر دے مارا۔ کرسٹل کی کلائیاں اب

اس کی گرفت میں تھیں۔ آفیسر خان نے جھک کر اس کے چہرے سے ماسک ہٹانے کی کوشش کی، مگر اُس سے پہلے ہی کرسٹل نے اپنے گھٹنے سے اس کے پیٹ پر وار کیا۔ خان کی گرفت لمحے بھر کو کمزور ہوئی، اور یہی لمحہ کافی تھا۔ وہ بجلی کی طرح اس پر جھپٹی۔ اب دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ زمین پر دو طاقتور وجود، دشمن ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے برابر طاقت، انا، اور تاریخ میں گندھے ہوئے۔

میجر خان نے اچانک اُس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے اور جھٹکا دیا۔ جواب میں کرسٹل نے اپنے ناخنوں سے اس کے چہرے پر زخم ڈال دیے۔ زمین پر جھک کر اُس نے مٹھی بھر ریت اٹھائی اور خان کی آنکھوں میں جھونک دی۔ خان چیخ اٹھا، پیچھے ہٹا، اور یہی موقع تھا۔ کرسٹل پوری قوت سے بھاگی، اُس کی سانسیں تیز تھیں، لیکن دو قدم بعد اسے ایک دھچکا لگا۔ اس کا ایک لینز کہیں گر چکا تھا، اور سر سے کیپ بھی جا چکی تھی۔ پہچان کا خطرہ منہ چڑا رہا تھا، لیکن اب رکنا ممکن نہیں تھا۔ کان میں لگے آلے سے جیک کی آواز ابھری، "تمام

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

صورتحال کنٹرول میں ہے۔" یہی سنتے ہی وہ رخ موڑ کر اپنی یاٹ کی جانب دوڑی۔ ادھر خان نے آنکھوں سے ریت جھاڑی، اور اپنے گال پر بہتے خون کو انگلیوں سے چھوا۔ اچانک ایک احساس نے اسے اندر سے جھنجھوڑ دیا۔ کرسٹل کوئین کی آنکھوں کا رنگ کرسٹل گرے نہیں تھا۔ وہ لینز پہنتی ہے، لیکن وہ اس کی اصل آنکھیں دیکھنے سے قاصر رہ گیا تھا۔ یہ ایک راز تھا جو شاید کبھی اس کی گرفت میں نہ آسکے۔

☆..☆..☆..☆

کرسٹل کوئین جیسے ہی یاٹ میں داخل ہوئی، اس کی سانسیں اب بھی بے ترتیب تھیں۔ بھیگی جیکٹ بدن سے چپکی ہوئی تھی اور چہرے پر پھیلی تھکن میں اک عجیب سی سختی جھلک رہی تھی۔ جیک نے فوراً اس کی حالت بھانپ کر یاٹ کو موڑ دیا، اور پرسکون لہجے میں پوچھا،

"کرسٹل، تم ٹھیک ہو؟" کرسٹل نے کوئی جواب نہ دیا، صرف پانی کی بوتل تھامی اور چند ہی لمحوں میں بوتل کا سارا پانی گٹا گٹ پی گئی۔ جیسے اس کے اندر دہکتا طوفان چند گھونٹوں میں بجھایا جاسکتا ہو۔ بوتل خالی کرتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے سائیڈ پر پھینکی، پھر اپنی ایک

آنکھ سے بچا ہوا آخری لینز بھی اتارا اور زمین پر گرا دیا۔ لمحے بھر کو اس نے اسے دیکھا۔ وہ جھوٹ جس سے برسوں اپنی پہچان چھپاتی آئی تھی۔ پھر بنا تامل کے اپنے بھاری بوٹ سے اسے کچل دیا۔ اس کی نگاہوں میں خون اترا ہوا تھا، آواز میں زہر تھا۔

"جیک، یہ میجر میرے ہاتھوں ہی ختم ہونے والا ہے!" جیسے وہ خود سے وعدہ کر رہی ہو، یا پھر آنے والے انجام کو زبان دے رہی ہو، لیکن وہ لمحہ جب آفیسر خان کی گرفت میں تھی، اس کے دماغ میں مسلسل گونج رہا تھا، "تم کون ہو جو میری جان بچانے پہنچ جاتی ہو؟ تم جانتی ہو تمہارا انجام میرے ہی ہاتھوں ہے" یہ الفاظ کسی زخم کی طرح اس کے اندر چبھ رہے تھے اور جب جیک، جواب خوشی سے مشن کی کامیابی کی تفصیل دے رہا تھا، اپنی ہی دنیا میں مگن تھا، تو وہ اچانک اس پر پلٹ پڑی۔

"چپ رہو، جیک!" کرسٹل کی آواز سخت تھی، جیسے برف میں لپٹی ہوئی آگ۔ جیک چونک گیا۔ اس کی نظریں کرسٹل کے چہرے پر گئیں، جہاں تھکن، غصہ، اور کہیں نہ کہیں ایک عجیب سی بے چینی لکھی ہوئی تھی۔ وہ ناسمجھی سے بولا،

"کیا ہوا؟ ہم تو جیت گئے، سب کچھ کنٹرول میں ہے؟""یہ جیت نہیں ہے، جیک۔ اصل جنگ تو اب شروع ہوئی ہے۔" کرسٹل نے سرد لہجے میں، مگر نہایت مضبوط آواز میں کہا۔ یاٹ سمندر کے سینے پر آگے بڑھ رہی تھی، اور کرسٹل کوئین اپنی خاموشی میں کسی آنے والے

طوفان کی پیش گوئی بن چکی تھی۔

منظر ایک بار پھر لوٹ آیا تھا، جیسے ماضی نے حال کا دروازہ دھکیل کر خود کو اندر لا کھڑا کیا ہو۔ "یاد آیا ہو گا تمہیں؟" حرم کی آواز دھیمی مگر تراش دار تھی۔ جبران نے نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ بلو ٹراؤزر کے ساتھ ہم رنگ لونگ شرٹ اور کوٹ میں ملبوس تھی، بالوں کو ایک بے پرواسے کیچر میں سمیٹے، خاموش قدموں سے واپس آچکی تھی۔

"تم کب سے جانتی ہو کہ میجر خان ہی شاہ میر ہے؟" جبران کی آواز میں سوال سے زیادہ حیرت اور تاسف تھا۔ اس کی آنکھیں حرم کے چہرے پر جیسے کسی پوشیدہ اعتراف کی تلاش میں تھیں۔ حرم، جو ڈریسنگ ٹیبل پر برش رکھتے ہوئے اپنے بال ترتیب دے رہی تھی، سرد

سی ہنسی۔ وہ پلٹی، چند قدم اٹھائے، اور بالآخر جبران کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ اُسے ہی تک رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں میں اس کے ارادوں کا نقش پڑھنا چاہتا ہو۔

"جس دن تم نے کہا تھا کہ ہم تمہارے دوست کی حویلی جا رہے ہیں، جو اسی گاؤں میں رہتا ہے، میں نے اسی دن اُس حویلی میں موجود ایک ایک فرد کی معلومات نکلوالی تھی۔" حرم کی آواز میں ٹھہراؤ تھا، ایک حسابی انداز "بس چوک یہ ہوئی کہ تصویریں نہیں نکلوائیں، ورنہ ہمارا اتنا وقت ضائع نہ ہوتا۔" جبران نے دانت بھینچے۔ دل ہی دل میں خود کو کوسا اُس لمحے کے لیے، جب وہ حرم کو شاہ میر کی حویلی لے آیا تھا۔ ایک بھروسے نے، ایک غلط فیصلے کو جنم دیا تھا۔

"حرم، لیکن اُس کا دل ٹوٹ جائے گا جب اُسے تمہاری حقیقت کا علم ہو گا۔" جبران کی آواز میں وہ اضطراب تھا جو ایک دشمن کے لیے نہیں، ایک دوست کے لیے محسوس ہوتا ہے۔ "وہ نئی زندگی کے خواب بُن رہا ہے۔ تم اس کے دل سے کھیل رہی ہو، صرف بدلے کی خاطر۔" حرم خاموش رہی، پھر آہستہ سے سر جھکایا، جیسے دل کی کسی پرت پر چاقو چل گیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس نے لمحے بھر بعد سگریٹ کا باکس اٹھایا،ساتھ ہی لائٹر،اور بغیر جبران کو دیکھے بالکنی کی طرف بڑھ گئی۔چند قدم چل کر رُکی،اور بنا پلٹے،بس اتنا کہا"دل ٹوٹ جائے تو کوئی بات نہیں،جبران۔بس خواب نہیں ٹوٹنے چاہئیں۔دل کی تکلیف وقتی ہوتی ہے،لیکن خواب اگر ٹوٹ جائیں"اُس کا لہجہ بوجھل ہو چکا تھا،حلق میں کچھ پھنس سا گیا تھا"تو آنکھیں عمر بھر زخمی رہتی ہیں۔"بالکنی کے باہر کی سرد ہوا میں حرم کی سگریٹ جل اٹھی،اور جبران،بس خاموشی سے اُس کے لہجے میں چھپی اذیت کو ماپتا رہا،بے بس،نادم،اور شاید بے خبر کہ اس کھیل میں جیت کسی کی نہیں ہونی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

زارا نے دروازہ بند کرتے ہی اسے پیٹھ سے ٹیک لگا دی۔دروازے کی ہلکی سی دھمک جیسے اس کے اندر کے سارے بند دروازے توڑ گئی۔وہ وہیں دروازے کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئی۔گھٹنوں کو سینے سے لگا کر،چادر میں خود کو لپیٹتے ہوئے،اس نے چپکے سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔پہلے آنکھوں سے پانی نکلا،پھر وہ پانی آنسوؤں میں بدل گیا،اور پھر وہ آنسو دھاڑیں بن

کر اس کی ہچکیوں میں ڈھل گئے۔ زارا بلک بلک کر روتی رہی۔ جسم کا ہر جوڑ لرز رہا تھا، اور دل دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر کچل دیا ہو۔ اتنی ذلت، اتنی حقارت، اتنی سفاکی۔ کیا وہ واقعی اس سب کی حقدار تھی؟ اس کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں، آنکھوں کی سرخی دل کے زخموں کی گواہ تھی۔ کتنی دیر وہ یونہی روتی رہی نہ وقت کا ہوش، نہ خود کا۔ جب دل کا بوجھ تھوڑا سا ہلکا ہوا تو وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، جیسے اپنی ہی لاش کو سہارا دے رہی ہو۔

ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ کر اس نے اپنی چادر اتاری اور بیڈ پر رکھ دی۔ آئینے میں نظر پڑی تو وہ خود کو پہچاننے سے قاصر رہی۔ وہی چہرہ، مگر ویران۔ وہی آنکھیں، مگر خالی۔ وہی بال، جو کبھی کمر سے نیچے تک آتے تھے، اب ادھ کھلے، بکھرے، الجھے، اور بے جان۔ کسی جذبے کے بغیر، جیسے کسی فیصلے پر پہلے سے مہر لگ چکی ہو، اس نے دراز کھولی اور کینچی نکالی۔

بالوں کو دو حصوں میں بانٹا، اور پھر آہستہ آہستہ چلتی کینچی کی ہر "چٹک" کے ساتھ زارا کا ایک خواب، ایک امید، ایک خوشی نیچے فرش پر جا گرا۔ ہر کٹا ہوا بال زمین پر گرتے ہوئے اس کے آنسوؤں کے ساتھ اپنا نوحہ پڑھ رہا تھا۔ بال اب کندھوں سے بھی اوپر تھے، آئینے میں

وہ خود کو دیکھتی رہی، جیسے کوئی غیر فطری تبدیلی اسے اندر سے کاٹ رہی ہو۔ وہ جھکی، بالوں کے کٹے ہوئے حصے ایک کپڑے کے ٹکڑے میں باندھے، اور ڈریسنگ ٹیبل کے پیچھے چھپا دیے۔ جیسے اپنی بے بسی کا ثبوت خود سے چھپا رہی ہو۔ چہرے سے آنسو پونچھے، بالوں کو پونی میں باندھا، شال اٹھائی، اور خود کو سنبھالتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اب وہ کمزور زارا نہیں، بھوکی تھی، مجبور تھی، مگر زندہ تھی۔ بھوک سے بڑی دشمن انسان کی کوئی نہیں۔ یہ بھوک ہی انسان کو وہ کام تک کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

☆..☆..☆..☆

کچھ وقت پہلے زارا جیسے ہی کمرے سے نکلی، اور کچن کی طرف قدم بڑھایا، پیچھے سے کسی نے اسے دبوچ لیا۔ وہ کچھ سمجھتی اس سے پہلے ہی اسے ایک کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ دروازہ اندر سے لاک ہو چکا تھا۔ زارا زمین پر گری تھی، گھبراہٹ اور خوف سے اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔ آنکھیں اٹھائیں تو سامنے جبہ خانم اور سائرہ تھیں، چہرے پر زہر، آنکھوں میں نفرت۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مجھے یہاں کیوں لائی ہیں آپ؟" زارا کی آواز لڑکھڑائی۔ جبہ خانم تیزی سے آگے آئیں اور اس کا جبڑا سختی سے تھام لیا۔ "آواز نکالی تو زبان کاٹ دوں گی!" وہ پھنکاری تھیں۔ زارا کی آنکھوں میں لرزش اور آنکھوں کے کنارے پر جمی نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"صبح سے کمرے میں کیا کر رہی تھی؟" "طبیعت خراب تھی" وہ بمشکل بولی۔

جبہ خانم کی نظر اس کے گال پر پڑی جہاں صبح باران کا ہاتھ پڑا تھا۔ وہ چہرہ سائرہ کو دکھاتے ہوئے ہنسیں، سائرہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "باران نے ٹھیک ہی رکھا اسے اس کی اوقات میں!" زارا کا دل سہم گیا۔ ابھی کچھ اور سوچتی کہ سائرہ نے اس کے بالوں کو مٹھی میں قید کر لیا۔

"ماما، کینچی دینا" "نہیں! پلیز" زارا کی التجائیں روتے، چیختے، تڑپتے تھم گئیں۔ بال کٹے۔ بے رحمی سے، سفاکی سے اور زارا؟ وہ تڑپتی رہی، جبہ خانم اس کا منہ دباتی رہیں، سائرہ اس کے خوبصورت گھنے بالوں کو زمین پر پھینکتی رہی۔

"میں سائیں کو بتاؤں گی!" زارا نے آخری طاقت جمع کر کے آواز نکالی، جس پر ایک زوردار لات اس کی کمر پر پڑی۔ "کیا بتائے گی؟ ہاں؟" جبہ خانم کا غصہ اب دھمکیوں میں بدل گیا۔

"اگر باران کو بتایا تو یاد رکھ، یا زبان کٹے گی یا ابلتے پانی سے تیرا چہرہ!" زارا کی روح جیسے بدن سے نکل گئی۔ اس نے آنکھیں میچ لیں، اور ہاں میں سر ہلا دیا۔ "شاباش۔ اب باران سے دور رہے گی، سمجھ آئی؟ وہ تجھ جیسی کو منہ بھی نہیں لگاتا۔" زارا، جو زمین پر بالوں کی طرح بکھری پڑی تھی، تڑپتی، سسکتی، اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی چادر اوڑھی، اور خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔ سائرہ نے زمین پر بکھرے بال ڈسٹبن میں ڈالے۔

"چل سائرہ، تیرا باپ آیا ہے، جا مل لے۔" "نہیں موڈ نہیں ہے۔" وہ بیڈ پر نیم دراز ہو گئی اور حبہ خانم اطمینان سے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

زارا، بچے ادھر آؤ۔ اسماہ خانم کی آواز پر باران کی نظر بے ساختہ کچن کی طرف اٹھی، جہاں اسے زارا نظر آئی۔ وہ کب سے انجانے میں اسے تلاش کر رہا تھا، اور اچانک اسے دیکھ کر اس کے دل کو قرار مل گیا۔ سادہ سے لباس میں وہ ایک دراز قد اور پر وقار لڑکی تھی، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اسماہ خانم کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"جی آنٹی،"اس نے نرمی سے جواب دیا۔زارا کی آمد پر بہرام خان اور داور خان کی نظر بھی زارا پر گئی،جو سر جھکائے اسماہ خانم کے سامنے کھڑی تھی۔زوبیہ خانم اپنے کمرے میں جا چکی تھیں،زرمینے کا بھی کل کالج تھا اس لیے وہ بھی اپنے کمرے میں تھی،پری گل بھی کل ہسپتال جانے والی تھی،اس لیے وہ بھی اپنے کمرے میں تھی۔پریشے کی دوا کا وقت ہو چکا تھا،اس لیے زارون بھی اسے لے گیا۔اب وہاں صرف مرد حضرات یا پھر جبہ خانم اور اسماہ خانم ہی موجود تھے۔

"بچہ،طبیعت کیسی ہے اب تمہاری؟"زارا نے اسماہ خانم کے سوال پر ایک نظر باران کو دیکھا جو اسے دیکھ رہا تھا۔وہ جلدی سے نظریں چرا گئی۔

"ٹھیک ہوں آنٹی،"وہ مدھم لہجے میں جواب دیتی اور پھر سے خاموش ہو گئی۔داور خان نے سوالیہ نظروں سے ربان خان کو دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ باران کی بیوی ہے، زارا باران خان،" ربان خان کے تعارف پر داور خان اور بہرام خان نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک گہری سانولی رنگت کی لڑکی تھی، آخر انہیں حیرت تو ہونی تھی۔

"یہ باران کی بیوی؟" وہ ہم آواز بولے تو زارا نے چونک کر ان کی جانب دیکھا، مگر غیر شناسا لوگوں کو دیکھ کر پھر سے نظریں جھکا لیں۔

"لالا، آپ نے یہ ناانصافی کی ہے،" داور خان نے ہلکی سی آواز میں پاس بیٹھے ربان خان سے شکایت کی، جسے باقی لوگ سن نہ سکے۔ "یہ تمہارے لاڈلے کا کارنامہ ہے،" داور خان نے ناسمجھی سے دیکھا تو حیدر خان نے زارون کے ونی والے شوشے کی کہانی بیان کی، جس پر انہیں

بھی غصہ آیا۔ انہیں زارون سے ایسی حرکت کی بالکل توقع نہیں تھی۔

"آنٹی، میں جاؤں؟" زارا کی آواز پر باران نے گہری نظروں سے اسے دیکھا، جس کی ناک لال سرخ ہو رہی تھی۔ یقیناً وہ روئی تھی، مگر کیوں؟ "ہاں، جاؤ میرا بچہ،" اسماہ خانم نے پیار سے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کہا، تو زار اجانے کے لیے پلٹی۔ باران کی نظروں نے اس کی پشت او جھل ہونے تک اس کا پیچھا کیا۔

"برخوردار، ولیمہ کب کر رہے ہو؟" داور خان کے سوال پر باران نے ان کی طرف دیکھا، مگر جواب فوراً جبہ خانم کی طرف سے آیا۔ "کیسا ولیمہ؟ وہ ونی میں آئی ہے، اس کی حیثیت اتنی نہیں کہ ولیمہ کر کے اسے بہو کا درجہ دیا جائے۔ وہ صرف ہمارے شہزاد کے قتل کا بدلہ ہے۔" جبہ خانم نے حقارت سے کہا۔

"جبہ، وہ کوئی ونی نہیں ہے، سمجھو، شہزاد کا بدلہ ہم" داور خان تیش میں آ کر بولنے لگے، لیکن حیدر خان نے جلدی سے انہیں روک دیا۔ وہ ایک بہت بڑا راز افشا ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ داور خان کی پھسلتی زبان پر شاہ میر اور باران بھی پریشان تھے، لیکن شکر تھا کہ حیدر خان نے بات سنبھال لی۔

"خاناں، آئیں مردانے میں چلتے ہیں۔" ربان خان نے سخت نظر سے جبہ خانم کو دیکھا اور پھر سب مرد حضرات کو مردانے کی طرف لے گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا کرتے ہو داور؟" حیدر خان نے تاسف سے پوچھا تو داور خان شرمندہ ہو گئے۔ "کیا کرتے ہو داور، تمہیں پتہ نہیں اپنی بیوی کا؟ یہاں تمہارے منہ سے بات نکلتی اور صبح پورے علاقے میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل جاتی۔ تمہاری بیوی کے علاوہ ملازم بھی موجود تھے جن کی آنکھیں اور کان دونوں سلامت ہیں۔" مردانے میں داخل ہوتے ہی ربان خان نے داور خان پر سختی سے برس پڑا، جو شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

"لالا، یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی، اچھا چھوڑو، اب اس بات کو بھول جاؤ،" داور خان معصومیت سے بولے اور صوفے پر نیم دراز ہو کر حیدر خان کی گود میں سر رکھ دیا۔ حیدر خان نے انہیں گھوری سے دیکھا لیکن اثر نہ ہوا، انہوں نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے گردن جھکا کر داور خان کے بالوں کو سہلانا شروع کیا۔ یہ ان کی عادت تھی۔ وہاں صرف بڑے مرد ہی موجود تھے، باقی باران، ارمان، شاہ میر اور موسیٰ لاؤنج سے نکل کر اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ربان،داور کس بارے میں بات کر رہا ہے؟ کیا ہوا ہے؟"بہرام خان نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔ربان خان نے گہرا سانس لیا اور بات شروع کی۔"دراصل،شہزاد کے قتل کے بدلے ہم نے سفیر خان کو بلایا تھا،لیکن زارون کے ونی کے شوشے کی وجہ سے شیر خان کو موقع مل گیا۔ہماری مجبوری تھی کہ ہم نے اس بچی کو ونی کے طور پر لے لیا،لیکن ہم اس معصوم بچی سے کیا بدلہ لے سکتے ہیں جسے خود اس کا باپ قربان کرنے پر تلا تھا۔اس لیے جرگے کے فیصلے کے دو دن بعد ہم نے سفیر خان کو اغوا کر لیا۔اس کے گھر والوں کو معلوم ہے کہ وہ بیرون ملک گیا ہے،لیکن اصل میں وہ ہمارے قبضے میں ہے،اور ہم اپنے شہزاد کے خون کا بدلہ لے رہے ہیں۔"

بہرام خان نے حیرت سے پوچھا،"تو کیا یہ بات گھر کی عورتوں کو نہیں پتہ؟" "نہیں،اسماہ کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ۔اسماہ ایک سمجھدار عورت ہے،بات سنبھال لیتی ہے،اس لیے ہم نے پہلے دن ہی اسے کہا تھا کہ بچی کے ساتھ برا سلوک نہ کرے،لیکن یہ بات ہم زوبیہ کو نہیں بتا سکتے،وہ جذباتی ہے،اگر اس کے منہ سے بات نکل گئی تو معاملہ سنبھالنا مشکل ہو جائے

Clubb of Quality Content

گا۔ "ربان خان نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹانگیں سامنے موجود کرسی نما گدی پر رکھ دیں۔

"ہمم۔۔۔ تو یہ سب کب تک چلے گا؟ ایک نہ ایک دن تو سفیر خان کے گھر والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا بیٹا تم لوگوں کے پاس ہے، پھر کیا ہو گا؟" بہرام خان نے بھنویں اچکاتے ہوئے تفتیش کی۔ "زارون اس علاقے کی فوٹیج نکلوا رہا ہے جہاں شہزاد کا قتل ہوا تھا، کچھ وقت مزید درکار ہے۔ پھر ہم سفیر خان کو تمام ثبوتوں کے ساتھ پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ تب تک وہ ہماری قید میں رہے گا۔" یہ جواب حیدر خان کی طرف سے آیا جو داور خان کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہے تھے، انداز سنجیدہ تھا۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد، داور خان اور بہرام خان بھی اٹھ کر سونے چلے گئے۔ لمبے سفر کی وجہ سے کافی تھکن تھی۔

انارہ کو اسماہ خانم نے زرمینے کے کمرے میں ٹھہرایا تھا کیونکہ نئی جگہ تھی، اس لیے وہ ڈر رہی تھی، جبکہ حیدر خان اور ربان خان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، وہ دونوں ساتھ بیٹھے نہ جانے کون کون سے کاروباری معاملات کی باتیں کر رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

☆..☆..☆..☆

باران کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی حالت کچھ بہتر تھی لیکن باران کے معیار پر وہ پوری نہیں اتر رہی تھی،اس لیے اس نے جلدی سے زرخان کو کال کی۔"خان،میرے کمرے میں آؤ،"باران نے کال کاٹ کر موبائل بیڈ پر پھینک دیا۔"جی سردار،"زرخان نے کمرے کے لکڑی کے دروازے پر دستک دی اور مودب انداز میں سر جھکایا۔

"تمہارے پاس دس منٹ ہیں،مجھے میرا کمرہ پہلی جیسی حالت میں چاہیے،"باران نے سنجیدگی سے کہا اور بیڈ کی طرف بڑھ کر موبائل اٹھایا،کندھوں پر شال جھٹکا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔باران کے نکلتے ہی زرخان فوراً حرکت میں آ گیا۔باران کے دس منٹ کا مطلب واقعی دس منٹ ہی تھا۔

"باہر جاؤ۔"باران کچن میں داخل ہوا،وہاں صرف ساجدہ اور زارا موجود تھیں۔ساجدہ جو کچن صاف کر رہی تھی،وہ آنکھیں پھاڑے باران کو دیکھنے لگی،وہ پہلی بار باران کو کچن میں دیکھ رہی تھی۔زارا کچن کی میز پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔نوالہ منہ میں جاتے ہی رک گیا،وہ آہستہ سے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سر اٹھا کر چوری چوری باران کو دیکھنے لگی، جو اسے گھور رہا تھا۔ زارا سٹپٹاتی ہوئی واپس ٹیبل پر سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"تم نے سنا نہیں؟" باران نے ساجدہ کو اپنی جگہ پر بت بنے دیکھ کر غصے سے گھور کر کہا، جس پر وہ فوراً فوچکر ہو گئی۔ باران کے غصے سے تو ہر ملازم کی جان نکل جاتی تھی۔ باران کندھوں پر شال جھٹکتا ہوا، لمبے لمبے قدم اٹھاتا زارا کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ زارا دھیرے سے پیچھے کی جانب کھسکی، باران کی تیز نظروں سے اس کا دور ہونا چھپا نہیں۔ باران نے ہاتھ بڑھایا اور ایک جھٹکے سے زارا کی کرسی اپنی جانب کھینچ لی۔ کرسی چررر کی آواز کے ساتھ زارا سمیت باران کے قریب آ گئی۔ زارا نے دہل کر سنہری آنکھوں والے مرد کو دیکھا، جس نے اپنی کرسی اپنی کرسی کے ساتھ جوڑ لی تھی۔ باران کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر زارا کے چہرے کی رنگت فوراً بدل گئی۔ اتنی سردی میں اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ لمبی پلکیں عارض میں جھکی ہوئی تھیں، مگر اس کی جھجھک باران کو مسکرانے پر مجبور کر گئی۔ مقابل کی معصومیت ہی تو اس کے دل کو بھا گئی تھی۔

"رو کیوں رہی ہو؟"باران نے ہاتھ بڑھا کر زارا کی لال ہوتی چھوٹی سی ناک کو چھوا۔ زارا کے ناک اور گال دونوں کا رنگ ایک ہو چکا تھا۔ زارا باران کے درپہ درد دینے والے جھٹکوں پر حیران و پریشان آنکھیں پھیلائے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اب باران کی انگلیوں کے لمس نے اس کے گالوں کی سرخی کو چھوا، اور بس یہی لمحہ تھا جب زارا کا دل چاہا کہ زمین کی کسی تہہ میں چھپ جائے۔ باران کی لُو کی آنچ دیتی سنہری آنکھیں زارا کا حلق خشک کر گئی تھیں۔

"میں نے پوچھا ہے، رو کیوں رہی ہو؟" "نہیں، میں تو نہیں روئی،"زارا کو کچھ دیر پہلے اپنے ساتھ ہونے والے سلوک کی یاد آئی، اس کے چہرے کی شادابی لمحوں میں ماند پڑ گئی، وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ اس کی نظر میں باران ہی اس سلوک کی وجہ تھا، اگر شوہر عزت نہ دے تو دوسرے بھی نہیں دیتے۔

"تو کیا آج پھر تمہاری ناک روئی ہے؟"باران نے زارا کی لال ہوتی ناک کو دو انگلیوں سے سہلاتے ہوئے پوچھا۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی تھی، مگر آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں تو۔" زارا نے باران سے نظریں ہٹاتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے نوالہ بنایا اور منہ میں ڈال لیا۔ باران کو زارا کا یوں خود کو اگنور کرنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا، مگر اسے کھانے سے روکنا مناسب نہیں لگا۔ زارا نے جان بوجھ کر چھوٹے چھوٹے نوالے لیے، مگر اس بار اس کے اندر ہلکی سی جرأت تھی، وہ چاہتی تھی کہ بس باران جلدی سے یہاں سے اٹھ جائے، اور وہ سیدھی اسٹور روم کی طرف دوڑ جائے، لیکن باران سکون سے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائے اسے دیکھ رہا تھا، جو مرے مرے ہاتھوں سے نوالے چبا رہی تھی، جیسے کوئی چڑیا دانہ چگ رہی ہو۔

پانچ منٹ۔۔۔ دس منٹ اور آخر پندرہ منٹ پورے ہوتے ہی باران کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ کب سے دیکھ رہا تھا کہ وہ بہت سست روی سے کھانا کھا رہی تھی۔ اچانک وہ جھٹکے سے کرسی گھسیٹ کر کھڑا ہو گیا۔ زارا نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے کہہ رہی ہو کہ "چلو، اب جا رہا ہے۔" لیکن اگلے پل اس کی خوش فہمی ٹوٹ گئی۔ باران نے زارا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا چھوٹا سا نوالہ اٹھایا اور زارا کے منہ میں ٹھونس دیا، پھر اس کے بازو کو مضبوطی سے پکڑ کر کرسی سے کھڑا کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چلو، بہت کھالیا۔ اتنا کھاؤ گی تو موٹی ہو جاؤ گی،" باران نے زارا کے گال کو نرمی سے تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ کمرے کی طرف

لے گیا۔ کچن کے باہر چھپ کر کھڑی ساجدہ حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھے باران کو دیکھ رہی تھی، جو زارا کا بازو تھامے اپنے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

"بی بی کو بتانا پڑے گا،" ساجدہ کو فوراً جبہ خانم کا خیال آیا تھا۔ باران زارا کو لے کر کمرے میں داخل ہوا تو وہ کمرہ بالکل اپنی اصل حالت میں تھا، جیسا کہ وہ ہمیشہ ہوتا تھا۔ ہر چیز اس کی نفاست اور ذوق کی عکاسی کر رہی تھی۔ نیوی رنگ جو باران کا پسندیدہ رنگ تھا، کمرے کی ہر دیوار کو یکساں طور پر رنگین کر رہا تھا۔ چاروں دیواریں نیوی کے گہرے اور پر سکون رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں، جو دل کو سکون اور ذہن کو راحت دیتے تھے۔ صرف سامنے والی دیوار اس نیوی رنگ کی مداخلت کو ٹال رہی تھی، کیونکہ اس پر ایک بڑا ہوم تھیٹر نصب تھا، جس کی آدھی دیوار سفید اور باقی نیوی رنگ کی تھی، جیسے رنگوں کا حسین امتزاج۔ پردے، قالین، کارپٹ، حتیٰ کہ سگریٹ کیس بھی نیوی رنگ میں تھے، جو اس کمرے کے حسین امتزاج کو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مزید نکھار رہے تھے۔یہ رنگ دیکھنے والے کی آنکھوں کو سکون پہنچاتے اور چند لمحوں کے لیے اسے اپنے حسن میں گم کر دیتے۔

باران نے نرمی سے زارا کو بیڈ پر بٹھایا، گویا وہ اس کی حفاظت کر رہا ہو، اور خود اپنی پر سکون سوچ میں کھو گیا، ڈریسنگ روم کی جانب چل دیا۔ زارا بے چینی سے اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی، جیسے وہ اپنے اندر کے خوف اور بے یقینی کو چھپائے بیٹھی ہو۔ اس کے ذہن میں حبہ خانم کے الفاظ بار بار گونج رہے تھے، اور باران کے بدلے ہوئے رویے نے اسے ایک انجان خطرے میں ڈال رکھا تھا۔ کچھ دیر بعد باران ڈریسنگ روم سے واپس آیا، ہاتھوں میں تین بڑے شاپنگ بیگ تھے۔ اس نے وہ بیگ زارا کے قریب رکھے، پھر خود تھوڑا فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"کھولو،" اس کی آواز میں ایک طرح کی امید اور نرمی تھی۔ زارا کانپتے ہاتھوں سے بیگ کھولنے لگی۔ اندر موجود چیزیں دیکھ کر اس کے ہونٹ کانپ اٹھے۔ ایک بیگ میں خوبصورت سرخ رنگ کی میکسی تھی، جس کی چمک اور ڈیزائن نے اس کے دل کو بے ساختہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چھو لیا۔ دوسرے بیگ میں نفیس جیولری اور نرم سینڈل تھے، اور آخری بیگ میں خوشبودار گجرے، جن کی مہک پورے کمرے کو معطر کر رہی تھی۔

"یہ سب۔۔۔؟" زارا نے حیرت اور الجھن سے باران کی طرف دیکھا، جو اسے دیکھ کر دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک نارمل اور خوشگوار زندگی گزاریں، جیسے ایک حقیقی جوڑا،" باران نے کہا، لیکن وہ اس کی بات کاٹ گئی۔ "لیکن میں تو ایسے ہی خوش ہوں،" اور وہ چیزیں ایک طرف کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ باران کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ کھڑا ہو گیا اور زارا کے سامنے آ کھڑا ہوا، جو گھبرا کر اپنے ماتھے سے پسینہ صاف کر رہی تھی۔

"کیوں؟" باران نے آواز میں سختی کے ساتھ پوچھا۔ "مجھے نہیں پتہ،" زارا نے جواب دیا اور جانے کے لیے پلٹی، مگر باران نے اس کا بازو پکڑ کر واپس کھینچ لیا۔

"مجھے جواب چاہیے،" باران نے ہر لفظ کو زور دے کر کہا۔ زارا اسے دھتکار رہی تھی، اور یہ باران کی انا کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ پہلی بار اس

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نے کسی کے لیے شاپنگ کی تھی، وہ بھی اپنی بیوی کے لیے، لیکن وہ چیزیں ایک نظر دیکھ کر ہی واپس رکھ دی گئیں، نہ کوئی خوشی، نہ کوئی جوش۔

"مجھے نہیں پتہ، مجھے جانے دے،" زارا نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، مگر باران نے اس کا ہاتھ اور مضبوط پکڑ لیا، لیکن اس بار وہ ہوا جو کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔ زارا نے غصے میں آ کر ہاتھ اٹھایا اور باران کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔ تھپڑ بے جان تھا، مگر اس کی گونج باران کی انا کو جھنجھوڑ گئی۔ کمرے کی دیواریں بھی اس کی اس حرکت پر سہم گئیں۔ زارا خود بھی گھبرا گئی۔ اس نے اپنے ہاتھ کو دیکھا اور سوچا کہ یہ کیا ہو گیا؟ وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس تھپڑ کی ہلکی سی آواز پورے کمرے میں گونج رہی تھی، جو اس کی غلطی کی نوید دے رہی تھی۔ وہ کانپتی پلکیں اٹھا کر باران کو دیکھ رہی تھی، جو اپنے منہ پر ہاتھ رکھے، بے یقینی سے اسے گھور رہا تھا۔

"سائیں، میں نے جان بوجھ کر نہیں مارا،" زارا نے ڈرتے ہوئے وضاحت کی، آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ۔ "جاؤ یہاں سے۔" باران نے سرد لہجے میں کہا، زارا کے لبوں

پر الفاظ ابھی مکمل نہ ہوئے تھے کہ باران نے اپنا موبائل پکڑ کر پوری طاقت سے ہوم تھیٹر کی اسکرین پر دے مارا۔ چھپاک کی آواز کے ساتھ اسکرین ٹوٹ کر چور چور ہو گئی۔ زارا نے دہل کر منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ دبالی۔

"میں کہہ رہا ہوں، دفع ہو جاؤ یہاں سے!" باران نے غصے میں دھاڑتے ہوئے سینٹرل ٹیبل اٹھایا اور اسے ڈریسنگ ٹیبل پر دے مارا۔ زارا کی ٹانگوں میں جان نہیں رہی تھی۔ وہ دیوار سے چمٹ کر کپکپا رہی تھی، ایک قدم بھی نہیں ہل سکتی تھی۔ باران پاگلوں کی طرح کمرے کی ہر چیز کو تباہ کر رہا تھا۔ کندھوں سے اپنی شال اتار کر زمین پر پھینک چکا تھا۔ قمیض کے بٹن کھول کر گہرے سانس لے رہا تھا تاکہ اپنے غصے کو قابو میں رکھ سکے۔ جب وہ پلٹا تو زارا کو وہیں دیکھا، تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کے غصے کی شدت اور بڑھ گئی۔ وہ تیزی سے زارا کے قریب آیا، جو دیوار میں گھسنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر باران اس کے راستے میں آ کھڑا ہوا اور اس کے بازو کو سختی سے پکڑ لیا۔ زارا محسوس کر رہی تھی کہ گرفت پہلے سے

کہیں زیادہ سخت اور جکڑنے والی تھی۔ انگلیاں گوشت میں پیوست ہو رہی تھیں، جیسے کوئی چیز اسے قابو میں کرنا چاہ رہی ہو۔ باران نے اپنی آنکھوں میں جلتی ہوئی آگ کے ساتھ کہا،

"تم گئی کیوں نہیں؟ کیا چاہتی ہو؟ میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں یا منہ تھپڑوں سے لال کر دوں؟ بتاؤ مجھے!" اس کا سخت لہجہ سن کر زارا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ باران کی گرم سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں، اور زارا آنکھیں میچ کر زور سے رونے لگی۔

"سائیں، میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا،" زارا نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کہا۔ "جانتا ہوں، لیکن جب کہا تھا تو گئی کیوں نہیں؟" باران نے غصے میں دوسرے ہاتھ سے زارا کا چہرہ اپنی انگلیوں میں دبوچا، جس سے وہ اپنی جلد میں انگلیوں کے گھیراؤ کا درد محسوس کر رہی تھی۔

"کیا سمجھا ہے تم نے مجھے؟ میں نے ونی میں آئی ہوئی لڑکی کو بیوی قبول کیا، اور تم نے میرے ساتھ کیا؟ مجھے دھتکارا؟ تم تو باران حیدر کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتیں، پھر بھی میں نے تمہیں اپنانا چاہا۔ پتہ ہے کیا؟ تم جیسی لڑکیوں کو عزت راس نہیں آتی۔ تم جیسوں کو دن رات ذلیل کیا جائے، وہی تمہارے حق میں بہتر ہوتا ہے!" زارا نے باران کی چیخ سن کر

خود کو زمین بوس ہونے سے بچایا۔ وہ نہیں چاہتا تھا سخت ہو، مگر اس نے خود اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر وہ چلی جاتی تو شاید باران خود کو قابو میں رکھ لیتا۔ باران نے زارا کے معصوم چہرے کو تنفر سے دیکھتے ہوئے دور جھٹکا، جس سے زارا دیوار سے جکڑ گئی۔ اس کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی، اور باران کے الفاظ نے اسے احساسِ کمتری کے سمندر میں دھکیل دیا۔

"کیا یہ بھی میرے کالے رنگ سے نفرت کرتے ہیں؟" زارا نے غلط فہمی میں سوچتے ہوئے ہچکچائی۔ باران نے گھور کر اسے دیکھا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈریسنگ روم میں دھکیل دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اگر وہ اسے مزید دیکھتا تو یقیناً کچھ ایسا کر جاتا جو وہ نہیں چاہتا تھا۔ پٹھان گرم خون تھا، جوش اس کی رگ رگ میں دوڑ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ وہ مغرور خانزادہ تھا جو غصے میں بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا تھا۔ اس نے زارا کو بیوی قبول کیا تھا، مگر وہ محبت نہیں تھی جس کے سامنے وہ جھک جاتا۔ باران نے زارا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کو ڈریسنگ روم میں دھکیل کر دروازہ بند کیا، تو زارا آنکھوں میں آنسو لیے حیرت سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ تو سمجھی تھی کہ آج باران اس کی چمڑی ادھیڑ دے گا۔ اس کا چیخ چیخ کر چلانا، چیزیں توڑ پھوڑ دینا، غصے سے سرخ چہرہ، یہ سب اس کے دل میں بار بار یہ وہم جگا رہا تھا کہ شاید وہ آج حد سے گزر جائے گا، لیکن اس نے ایک بار بھی اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ وہ حیرت کے ساتھ ساتھ شرمندگی اور پشیمانی کے گہرے بوجھ میں دھنستی گئی، لیکن باران کے الفاظ جو اس نے تنفر، غصے اور کڑواہٹ میں بھرے ہوئے انداز میں ادا کیے تھے، وہ اب اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ "تم تو باران حیدر کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتیں!" "تم جیسوں کو عزت راس نہیں آتی!" "تمہیں دن رات ذلیل کیا جائے، وہی تمہارے حق میں بہتر ہوتا ہے!"

ان جملوں نے زارا کو اندر سے چیر دیا۔ وہ تو ہمیشہ سے اپنے رنگ، اپنے خاندانی پس منظر، اپنے وجود کے احساسِ کمتری کا شکار رہی تھی اور اب باران نے بھی وہی طعنہ دے دیا جس سے وہ بچنا چاہتی تھی۔ اس کی سانسیں اکھڑ گئیں۔ آنکھوں سے آنسو بے قابو ہو کر بہنے

لگے۔ لرزتے وجود کے ساتھ وہ زمین پر بیٹھ گئی، جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ الماری سے پشت لگا کر سر ٹکاتے ہوئے، وہ شدت سے رونے لگی۔ ہچکیاں اتنی زور سے تھیں کہ اندر کا سارا کرب چیخوں میں ڈھلتا جا رہا تھا۔ باہر، باران کمرے میں کھڑا، اس کے رونے کی آوازیں سن رہا تھا۔ ہر آنسو، ہر ہچکی، جیسے اس کے اندر کا پارہ اور بڑھا رہی تھی۔ اس نے زمین پر پڑی اپنی شال اٹھائی، جھٹکے سے کندھوں پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ غصے سے اس کا چہرہ تپا ہوا تھا۔ وہ گاڑی کی طرف گیا، دروازہ کھینچ کر اس طاقت سے بند کیا کہ آواز پورچ میں گونجی۔ اگر وہ کچھ لمحے اور کمرے میں رہتا، شاید خود پر قابو نہ رکھ پاتا۔ زارا کو چھوڑ دیتا یا خود کو۔

شاہ میر، جو اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا فون پر کسی سے بات میں مشغول تھا، اچانک چونکا۔ نیچے پورچ میں موجود باران کو دیکھ کر اس کی نگاہ تیز ہو گئی۔ اتنی رات گئے، باران کا یوں عجلت میں گاڑی کی طرف جانا، اس کا دروازہ پوری قوت سے کھینچ کر بند کرنا، اور سب سے بڑھ کر، بغیر کسی گارڈ یا سیکیورٹی کے حویلی سے نکل جانا۔ یہ سب کچھ غیر معمولی تھا۔ باران کا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چہرہ دور سے بھی صاف دکھا رہا تھا کہ وہ کس قدر غصے میں ہے۔اس کے چہرے پر تناؤ کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں، جیسے وہ اپنے اندر ایک طوفان دبائے جا رہا ہو،اور وہ طوفان اب کسی بھی لمحے پھٹ سکتا تھا۔شاہ میر نے ایک پل ضائع کیے بغیر اپنی کال کاٹ کر باران کو فون ملایا۔

"سوئچ آف "یہ دو لفظ کافی تھے شاہ میر کے دل میں بے چینی کی شدت کو دو چند کر دینے کے لیے۔باران کا یوں فون بند کرنا،اس وقت حویلی سے نکل جانا،وہ بھی اس قدر تیز رفتاری سے۔یہ سب کسی بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ لگ رہے تھے۔شاہ میر کے ماتھے پر بل پڑے۔وہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔دیوار کے ساتھ نصب چھوٹی سی لکڑی کی ٹوکری سے گاڑی کی چابی نکالی،بیڈ پر رکھی اپنی چمڑے کی جیکٹ اٹھا کر پہنی،اور سیدھے قدموں تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔اس وقت وہ صرف ٹراؤزر اور سفید شرٹ میں تھا،اوپر سے جلدی میں بس جیکٹ پہنی تھی۔وہ زینے پھلانگتا ہوا پورچ میں پہنچا،گاڑی کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی اندر بیٹھا،بلند آواز میں پکارا۔

"رحیم! گیٹ کھولو!" رحیم، جو اس وقت رات کی ڈیوٹی پر موجود تھا، ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا اور گیٹ کھولنے کی طرف دوڑا۔ شاہ میر کی گاڑی دھاڑتی ہوئی زن سے گیٹ سے باہر نکل گئی، جیسے کسی طوفان کا پیچھا کر رہی ہو۔ رحیم نے گیٹ بند کرتے ہوئے گھبرا کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پہلے باران، اب شاہ میر، دونوں خانزادے بغیر کسی گارڈ اور اطلاع کے یوں اچانک حویلی سے نکل چکے تھے، وہ بھی صرف چند منٹ کے وقفے سے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ رحیم کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ دل بے چینی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے فوراً رخ بدلا اور تیزی سے زرخان کے کوارٹر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ادھر، زرخان، جو نیند سے کچھ لمحے پہلے ہی اٹھا تھا، دروازے کی زوردار دستک پر چونکا۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا، سامنے ہانپتا ہوا رحیم کھڑا تھا۔

"زرخان لالا، وہ باران صاحب اور اب شاہ میر صاحب، دونوں چلے گئے، وہ بھی بغیر سیکیورٹی کے"...

زر خان نے ایک لمحے کے لیے سانس روکا۔ پھر جیسے کسی انجانی آفت کا احساس اس کے وجود پر چھا گیا ہو۔ شہزاد خان کے قتل کے بعد، حویلی کے سب افراد کو واضح ہدایت دی گئی تھی کہ کوئی بھی خانزادہ سیکیورٹی کے بغیر قدم باہر نہ رکھے اور اب باران، پھر شاہ میر... اس نے فوراً اپنی جیب سے موبائل نکالا، اور جھجکتے ہوئے حیدر خان کا نمبر ملایا۔ یہ رات کا وقت تھا، لیکن معاملہ ایسا تھا جس میں تاخیر نہیں کی جا سکتی تھی۔

ادھر، حویلی کے مرکزی کمرے میں، سکون کا عالم تھا۔ سائیڈ لیمپ کی مدھم روشنی ماحول کو اور بھی ساکت کیے دے رہی تھی۔ اسماہ خانم ایک طرف کروٹ لیے سو رہی تھیں، جبکہ حیدر خان اپنے مخصوص انداز میں، پرسکون گہری نیند کے سفر پر روانہ تھے۔ اچانک، موبائل کی گھنٹی بجی، تیز، متواتر، اور کمرے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی، لیکن حیدر خان کی نیند پکی نیند۔ ان کے موبائل کی آواز جیسے کسی سنسان پہاڑ میں گونج رہی ہو، لیکن وہ ذرا نہ ہلے۔

"خان، تمہارا فون بج رہا ہے!" اسماہ خانم نے آنکھیں کھول کر سائیڈ میں دیکھا، پھر نرم سے انداز میں ان کا شانہ ہلایا۔ کوئی جواب نہ پا کر اب کی

بار تھوڑا سا جھنجھوڑا۔ "خان! فون بج رہا ہے۔ اٹھو! ہمارا نیند خراب ہو رہا ہے۔" اسماہ خانم اب کے بار قدرے برہمی سے بولیں اور جھٹکے سے ان کا شانہ ہلایا۔ حیدر خان کی آنکھیں جھٹ سے کھل گئیں۔ انہوں نے بیٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا، اور اسکرین پر جگمگاتا "زرخان" کا نام دیکھ کر فوراً سنجیدہ ہو گئے۔ ان کا دل بے اختیار دھڑکا۔ زرخان کا اس وقت کال کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ "ہاں بولو زرخان، سب خیریت ہے؟ اس وقت کال کی ہے، کوئی خاص بات ہے؟" ان کے لہجے میں اب نیند کی جگہ تشویش نے لے لی تھی۔

"کیا؟ اچھا، میں دیکھتا ہوں۔" زرخان کی اطلاع سنتے ہی حیدر خان سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے کے تاثرات سنجیدگی کی حدوں کو چھونے لگے تھے۔ فون بند کرتے ہی وہ بیڈ سے نیچے اترے اور کمرے کے کونے میں رکھی اپنی شال اٹھا کر شان سے خود پر اوڑھ لی۔ اس وقت وہ نائٹ ڈریس میں ملبوس تھے، ایک نرم گرے رنگ کی ڈھیلی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر، جبکہ کمرے میں ہیٹر چل رہا تھا، جس کی حرارت سے کمرہ خاصا آرام دہ لگ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا ہوا خان؟" اسماہ خانم نے نیم وا آنکھوں سے شوہر کو دیکھا، جن کے چہرے پر اب بیداری اور فکر کا ملا جلا عکس تھا۔ حیدر خان موبائل ہاتھ میں لیے شاید کسی کو کال ملانے والے تھے۔ اسماہ خانم نے پرسکون لہجے میں پوچھا، مگر ان کے لہجے میں نیند کی مہک اب بھی موجود تھی۔

"کیا ہونا ہے؟ تمہارے بیٹوں نے تنگ کیا ہوا ہے مجھے۔" حیدر خان نے آہستہ سے کہا، مگر "تمہارے بیٹوں" کے الفاظ پر اسماہ خانم کی صبیحہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "ہم کیا جہیز میں لائے تھے بیٹے جو تم کہہ رہے ہو 'تمہارے بیٹے'؟" وہ خفگی سے بولیں، اور لفظ "تمہارے" پر زور دیتے ہوئے، آنکھیں سکوڑ کر انہیں گھورا۔ حیدر خان نے ایک لمحے کو حیرت سے انہیں دیکھا، پھر جیسے ہی اپنے لفظوں کی بازگشت یاد آئی، اندر ہی اندر خود کو کوسنے لگے۔ "ارے جاناں، ارے، یہ دیکھو، تمہارے" اسماہ خانم کی گھورتی آنکھوں کو دیکھ کر فوراً جملہ درست کیا، "میرا مطلب، ہمارے بیٹے، رات کے اس پہر بغیر کسی گارڈ کے اپنی اپنی گاڑیوں میں کہیں نکل گئے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ، کیا میں غصہ نہ کروں؟" ان کا لہجہ اب نرمی اور فکر مندی

سے لبریز تھا،وہ شال لپیٹے،فون کی اسکرین کو غور سے دیکھتے جا رہے تھے۔اسماہ خانم کی آنکھوں سے نیند یک دم غائب ہو گئی۔

"کیا مطلب؟ کہاں گئے ہیں یہ لوگ؟" "وہی تو نہیں معلوم۔باران کو کال ملائی،لیکن اس کا فون بند جا رہا ہے۔اب شاہ میر کو کال کر رہا ہوں،بیل جا رہی ہے،مگر وہ بھی اٹھا نہیں رہا۔" حیدر خان نے لبوں کو سختی سے بھینچا اور ایک بار پھر کال ری ڈائل کر دی۔

ادھر شاہ میر،جو باران کے تعاقب میں تھا،جلد ہی سمجھ گیا تھا کہ باران کا رخ ڈیرے کی جانب ہے۔اس نے ایک نظر سامنے دوڑتی گاڑی پر ڈالی،پھر اپنی گاڑی کی اسکرین پر نگاہ کی، جہاں "باباجان" کے کئی مسڈ کالز جگمگا رہے تھے۔"اوہ،شٹ" اس نے لبوں کے درمیان دبی آواز میں کہا،اور فوراً موبائل کو چیک کیا تو اندازہ ہوا کہ موبائل غلطی سے سائلنٹ پر لگ گیا تھا۔جلدی سے اس نے فون آن کیا اور حیدر خان کا نمبر ری ڈائل کرتے،بلوٹوتھ آن کر کے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔

"خان، دیکھو، شاہ میر کا کال ہے!" اسماہ خانم نے فوراً اسکرین روشن ہوتے ہی شوہر کو متوجہ کیا۔ حیدر خان نے بغیر ایک لمحے ضائع کیے کال اٹھالی اور اسے فوراً اسپیکر پر ڈال دیا کیونکہ اسماہ خانم ہاتھ کے اشارے سے انہیں یہی کہہ رہی تھیں۔

"ہیلو السلام علیکم باباجان، خیریت؟ اس وقت کال کی؟" شاہ میر نے گاڑی ڈیرے پر روکتے ہوئے فون کان سے لگایا، نظریں باران پر تھیں جو غصے سے بھرا لمبے لمبے ڈگ بھرتا، اندرونی جانب بڑھ رہا تھا۔ "او گدھے! الو کے پٹھے! رات کے اس پہر تم دونوں بھائی کہاں آوارہ گردی کرنے نکلے ہو؟ کب سے فون کر رہا ہوں، ایک بھی اٹھا نہیں رہا۔ میری جاناں الگ پریشان ہو رہی ہیں۔" حیدر خان کی دھاڑ سنتے ہی شاہ میر نے آنکھیں بند کر لیں۔ بلوٹوتھ سے آوازیں ابھری تھی جیسے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں اعلان ہو رہا ہو۔ دوسری جانب، اسماہ خانم نے سٹپٹا کر حیدر خان کے بازو پر مکہ رسید کیا، جبکہ شاہ میر نے بمشکل اپنا قہقہہ روکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باباجان، کیوں میرے کان کے پردے پھاڑنے پر تُلے ہیں؟"شاہ میر نے معصومیت سے کہا اور ایک کان سے بلوٹوتھ نکال دیا۔ احتیاط ضروری تھی، کیا معلوم اگلی دھاڑ پر واقعی پردے پھٹ جاتے۔

"شاہ، تم کہاں ہو؟ سب خیریت ہے؟"اب کی بار اسپیکر سے اسماہ خانم کی نرم، محبت سے لبریز آواز ابھری۔ شاہ میر نے ممتا کے اس اظہار پر دل و جان سے مسکرا دیا۔

"مورے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بس میں اور باران ڈیرے پر آ گئے ہیں۔" ایسے ہی، شاہ میر نے سرد ہوا کو محسوس کرتے ہی گاڑی کا دروازہ بند کیا اور اپنے قدم ڈیرے کی جانب بڑھا دیے۔

"بیٹا، بتا کے جانا چاہیے تھا نا ہم پریشان ہو گئے تھے۔" اسماہ خانم کا میٹھا لہجہ سن کر، ایک طرف حیدر خان نے گردن موڑ کر بیوی کو گھورا جو چند لمحے پہلے اسے "تمہارے بیٹے" کہنے پر گھور رہی تھیں، اور اب بیٹے کی ایک آواز پر ممتا میں بھیگ گئیں۔

"چلیں، میری بابا کی جاناں، آپ آرام کرو، بہت رات ہو گئی ہے۔ بابا جان کو ناراضگی تب زیادہ ہوتی ہے جب ان کی 'جاناں' کی طبیعت خراب ہو جائے۔" شاہ میر نے شرارت سے کہا، اور قدم اندر بڑھا دیے۔ اسماہ خانم کا چہرہ شاہ میر کی شوخی پر شرماہٹ میں گھل گیا۔ حیدر خان نے مسکرا کر اپنی شرماتی "جاناں" کو دیکھا جو آج بھی ان کے لیے روایتی عورتوں کی طرح شرماتی تھیں۔ اف، مشرقی عورتیں...! ان کے دل میں بے ساختہ خیال آیا۔

"چل دفع ہو اور ہاں، صبح مجھے تیری اور باران کی 'منحوس' شکل حویلی میں چاہیے!" حیدر خان نے ہنستے ہوئے مصنوعی سخت لہجے میں کہا اور کال کاٹ دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"منحوس...؟" اسماہ خانم نے فوراً بھنویں چڑھا کر خطرناک نظروں سے شوہر کو گھورا۔ وہ جلدی سے کان پکڑ کر معافی کے انداز میں سر جھکا گئے اور پھر جیسے موسم ہی بدل گیا ہو، اسماہ خانم کا کھلکھلاتا قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا۔

انہیں ہنستے دیکھ کر حیدر خان بھی بے ساختہ ہنس پڑے۔ دوسری جانب، شاہ میر نے ڈیرے کی دہلیز پار کرتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ اس کا باپ چاہے جتنا بھی سخت بولتا، ان کی ہر ڈانٹ، ہر جملے میں محبت چھپی ہوتی اور وہ دونوں بیٹے اس محبت سے خوب واقف تھے۔

شاہ میر جب ڈیرے کے اندرونی حصے میں داخل ہوا تو اچانک اس کے کانوں میں کوئی زور زور سے چیخنے کی آواز گونجی۔ دل بے قابو ہو کر دھڑکنے لگا، جیسے کچھ بہت غلط ہو رہا ہو۔ وہ تیزی سے دوڑا، قدم ایسے جیسے آگ پر ہوں، اور جیسے ہی اس نے مہمان خانے کے قریب کمرہ کھولا، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سامنے جو منظر تھا، اس نے اس کے ہوش اڑا دیے تھے۔ باران، جو عام طور پر تحمل اور طاقت کا مظہر تھا، آج ایک بے قابو پھرا شیر بن کر سفیر خان کو بے رحم انداز میں پیٹ رہا تھا۔ لاتوں کے، تھپڑوں کی گونج، گھونسوں کی سختی، اور تھپڑوں کی تیزی نے پورے کمرے کو گونجتا ہوا محسوس کرایا۔ ہر وار میں باران کا غصہ اور تکلیف جھلک رہی تھی، جیسے وہ اپنی پوری دنیا کا بوجھ سفیر خان پر اتار رہا ہو۔ ایسا لگا کہ وہ آج اپنی طاقت کے نشے میں حد سے گزرتا ہوا، سفیر کی جان ہی لے لینا چاہتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باران! چھوڑ اسے، وہ مر جائے گا!" شاہ میر کی آواز غصے اور خوف کے ملے جلے جذبات سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے سفیر خان کو بے ہوش ہوتا دیکھتے ہوئے فوراً آگے بڑھ کر باران کو روکنے کی کوشش کی، مگر باران نے اس کے ہاتھ جھٹکا دیے اور ایک زوردار لات سفیر خان کے پیٹ پر رسید کی، جس پر وہ کراہ اٹھا اور بے ہوش ہو گیا۔

"شاہ، چھوڑ دے مجھے! میرا دماغ بہت آؤٹ ہو گیا ہے، یہ نہ ہو کہ تو بھی مجھ سے دو کھا لے!" باران نے غصے اور اذیت میں شاہ میر کو دھکیل دیا، پھر سفیر خان کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ کر اس کا سر کرسی میں دے مارا۔ اس پاگل پن اور شدت کو دیکھ کر شاہ میر نے فوراً اس کے پیچھے سے مضبوطی سے اسے قابو میں لیتے ہوئے باہر کھینچ لیا۔ باران کی حالت دیکھ کر اس کا دل ہول گیا تھا۔ وہ واقعی ایک بپھرا شیر تھا جو کسی بھی لمحے قابو سے باہر ہو سکتا تھا۔

"باری، بتا مجھے کیا ہوا؟" شاہ میر نے اپنے بازو اس کے گرد لپیٹے، اس کی نرم آواز میں خوف اور محبت کی آمیزش تھی، مگر باران اپنی گرفت سے جھٹک رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نظیر! جاؤ، جا کر اسے دیکھو!" شاہ میر نے فوری حکم دیا۔ نظیر، جو ہمیشہ وقت کی قدر جانتا تھا، فوراً سر ہلاتے ہوئے سفیر خان کے پاس دوڑا گیا۔ ان کا ڈیرہ مکمل طور پر محفوظ تھا؛ یہاں کوئی آٹھ سے دس کلو میٹر کے دائرے میں بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتا تھا، سوائے خاص ملازمین یا خان حویلی کے محافظوں کے۔ شاہ میر نے باران کو صوفے پر بٹھایا اور ایک گلاس پانی دیا، جو باران نے ایک ہی گھونٹ میں پی لیا۔ پانی کے باعث اس کا دماغ کچھ حد تک ٹھنڈا ہوا، ورنہ شاید آج وہ سفیر خان کی جان لے چکا ہوتا۔ باران کی سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں شاہ میر پر جم گئیں، اس کی آواز میں درد اور غصہ جھلک رہا تھا، "تجھے پتا ہے نہ، اس نے میرے ساتھ کیا کیا؟"

Clubb of Quality Content

وہ دونوں ایک دوسرے سے کچھ بھی چھپاتے نہیں تھے۔ دل کی باتیں، خوف، اور غصہ سب کھل کر سامنے آجاتے تھے۔

"کس نے کیا کیا ہے تیرے ساتھ؟" شاہ میر نے کمرے میں موجود ہیڑ آن کرتے ہوئے باران کی طرف دیکھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں غصے کی لالی سورج کی تپش کی طرح چمک رہی تھی۔

"اس نے مجھے، مجھے، باران کو یہاں گال پر تھپڑ مارا! تو سن رہا ہے نا؟ تھپڑ مارا ہے!" باران نے ہاتھ میں پکڑے گلاس کو اس قدر زور سے پکڑ لیا کہ وہ چٹخ کر ٹکڑے ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں خون بہنے لگا۔

شاہ میر ابھی باران کے الفاظ کو ہضم نہیں کر پایا تھا کہ باران کی ایک بے قابو حرکت نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ اس کے زخمی ہاتھ سے بہتا خون زمین پر قطرہ قطرہ ٹپک رہا تھا، اور وہ خون دیکھ کر شاہ میر کا خون کھول گیا تھا۔ اس کے جذبات قابو سے باہر تھے، وہ چاہتا تھا کہ باران کو کوئی نقصان نہ پہنچے مگر ساتھ ہی اس کی بے بسی نے اسے غصے میں جھونک دیا۔ شاہ میر جانتا تھا کہ باران کتنا حساس اور جذباتی ہے، اور اس نے سوچا کہ اس کا ہاتھ زخم میں مزید اضافہ کر سکتا ہے، باران نے گہرے سانس بھرتے ہوئے دیوار کی طرف نظریں جمائیں، جیسے اپنی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تکلیف کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہو، مگر زخمی ہاتھ سے بہتا خون شاہ میر کی آنکھوں سے پوشیدہ نہ رہا۔ وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکلا، چونکہ فوری طور پر مدد لانا ضروری تھا۔

"نظیر! نظیر!" شاہ میر نے تیز آواز میں ملازم کو پکارا، اور جیسے ہی وہ حاضر ہوا، شاہ میر نے حکم دیا، "جلدی سے فرسٹ ایڈ باکس لے آؤ!" شاہ میر دوبارہ کمرے میں داخل ہوا جہاں باران اب تک ہاتھ میں ٹوٹے ہوئے گلاس کو پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی یہ حالت کیا انجام پائے گی۔ شاہ میر کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے، اس کی تشویش واضح تھی۔

"باری، تو میرے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا، کیا کروں میں تیرا؟" شاہ میر نے باران کا زخمی ہاتھ پکڑا اور زور سے جھٹکا دیا، جس سے شیشے کے چھوٹے ٹکڑے اور خون کے قطرے زمین پر گرنے لگے۔ باران نے سخت نگاہوں سے شاہ میر کو دیکھا، خونخوار نظروں سے جو غصے اور درد کا امتزاج تھیں۔ شاہ میر نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے کانچ کے باریک ٹکڑے نکالنے شروع کیے۔ آرمی میں رہتے ہوئے وہ بینڈیج کرنا اچھی طرح جانتا تھا، اور اس نے احتیاط

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سے کام لیا۔ باران کی خونخوار نگاہوں کو دیکھ کر شاہ میر کے دل میں خوف کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی بے چینی بھی پیدا ہوئی۔

"بالکل صحیح مارا ہے تیری بیوی نے تجھے، تو واقعی مار کھانے کے لائق ہے!" شاہ میر دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

"شاہ، فضول باتیں مت کر۔ میں اسے بتاؤں گا کہ میں کیا چیز ہوں!"

"باری، تمیز کر۔ اس نے جان بوجھ کر نہیں مارا ہو گا۔ وہ تو بس ڈرتی ہے، معصوم بچی ہے۔ تجھ جیسے سانڈ کا وہ کیا بگاڑ لے گی؟" شاہ میر نے نرم لہجے میں کہا۔ شاہ میر کو اچانک وہ دن یاد آ گیا جب اس نے پہلی بار زارا کو ڈائننگ ہال میں دیکھا تھا، جب وہ ربان خان کے کہنے پر ڈرتے ڈرتے ناشتہ کر رہی تھی۔ اسے زارا اپنی بہن کی طرح معصوم لگی تھی۔

"نہیں شاہ، یہ اس کی غلطی ہے۔ کیوں نہیں ہے؟ اس نے ہاتھ اٹھایا ہے میرے اوپر، یہاں!" اس نے اپنے دائیں گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شاہ میر نے باران کے بڑھتے ہوئے غصے کو محسوس کیا اور جان گیا کہ ابھی اسے سمجھانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی وقت ملازم نظیر فرسٹ ایڈ باکس لے کر آیا، شاہ میر نے اسے لے کر واپس بھیج دیا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر باران کے زخمی ہاتھ پر کام شروع کر دیا۔

"آہستہ کرو، کس چیز کا بدلہ لے رہا ہے؟" شاہ میر نے روئی پر لگے پوویڈون کی مدد سے زخم کو صاف کیا۔ باران نے اس لمحے غصے میں آ کر شاہ میر کے کندھے پر ایک مکہ مارا۔

"درفٹے منہ تیرا! اگر تکلیف اتنی ہی ہو رہی ہے تو گلاس توڑا ہی کیوں تھا؟" شاہ میر نے روئی کا دباؤ بڑھا دیا۔ "تجھے تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے۔ الٹا مجھے لعنتیں دے رہا ہے!" باران کا انداز اچانک نرم ہو گیا تھا، کیونکہ وہ اب زارا کے بارے میں فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے دل میں کچھ سکون پیدا ہو چکا تھا۔

شاہ میر نے باران کے زخمی ہاتھ پر پٹی لپیٹتے ہوئے بے دھیانی میں پوچھا، "کیوں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے، تیرا رشتہ پکا نہیں کروادیا میں نے، ورنہ تو بس مجنوں بنا روتا رہتا اور تیری محبوبہ پھر سے یونان چلی جاتی۔" باران نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔ شاہ میر کے سامنے اب باران نہیں، بلکہ صرف 'باری' موجود تھا، وہی دلیر اور بہادر باری۔

"ہاں، تو کوئی احسان تو نہیں کیا؟ میں کرنے والا تھا بابا جان سے بات!" شاہ میر نے بظاہر سادہ لہجے میں کہا، مگر دل چاہ رہا تھا کہ باران کو گود میں اٹھالے، کیونکہ وہ اپنے بھائی ہونے کا پورا فرض ادا کر رہا تھا۔

"یہ غلط بات ہے شاہ، تو بہت تیز ہو رہا ہے۔ احسان فراموش نہ کر، ورنہ تیرا رشتہ میرے ہاتھ میں ہے!" باران نے مذاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ شاہ میر نے واش روم کی جانب جاتے ہوئے باران کو دیکھا اور شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا، "ارے جا جا، آیا بڑا!" شاہ میر نے بیسن کا نل بند کرتے ہوئے ہاتھ کو گھما کر دکھایا، جس پر باران نے سلگ کر کہا، "یا اللہ، یہ سارے نمونے میرے لیے ہی تھے کیا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران تھک کر نیم دراز ہو گیا اور آنکھیں موند لیں۔ جیسے ہی اس نے آنکھیں بند کیں، زارا کا آنسوؤں سے تر چہرہ، کپکپاتا سراپا اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔ وہ سر جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا، مگر دل کی بے چینی اور فکر اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

صبح کا سورج جیسے ہی پہاڑوں کے پیچھے سے جھانکا، آسمان پر موجود بادلوں نے سونے کی چادر اوڑھ لی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ نے فضا میں زندگی بھر دی تھی، اور پہاڑی علاقے میں رات بھر کی برف باری نے ہر درخت، ہر چھت اور ہر پہاڑی ڈھلوان کو روئی جیسے سفید غلاف سے ڈھانپ دیا تھا۔ یہ منظر قدرت کے ایک حسین شاہکار کی مانند تھا۔ کہیں سے دھوپ کی ہلکی کرنیں جب برف پر پڑتیں، تو یوں لگتا جیسے زمین پر موتی بکھر گئے ہوں۔ اس سفید دلکشی میں معجزہ یہ تھا کہ ہلکی گرم دھوپ نے جیسے کچھ وقت کے لیے یہاں کا بسیرا کر لیا تھا اور اگر اس وقت کوئی خان حویلی کے لان میں جھانک لیتا، تو اسے وہاں ایک پُر مسرت صبح

کا منظر نظر آتا جہاں حویلی کے مرد حضرات گرم کپڑوں میں ملبوس چہل قدمی کرتے اور ہنسی مذاق سے فضا کو مزید خوشگوار بناتے۔ ملازم سلیقے سے قہوے کی ٹرے تھامے قریب آ رہا تھا۔ کیتلی سے نکلتی بھاپ جیسے سب کو مدعو کر رہی تھی۔ قہوے کی مخصوص خوشبو نے سرد موسم میں ایک نرم گرم لمس کا احساس دیا۔

"خان سردار" زرخان کی آواز پر ربان خان، جو بہرام خان سے محوِ گفتگو تھے، مڑے اور مسکرا کر ٹرے رکھنے کا اشارہ دیا۔ بہرام خان ان کے ساتھ کرسیوں کی طرف بڑھے جہاں حیدر خان اور داور خان پہلے سے بیٹھے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سبھی کے تن پر گرم فل سلیو شرٹس، ٹراؤزرز اور جوگرز تھے، یہ پہاڑی موسم کا تقاضا تھا۔ قہوہ سب کو پیش کیا گیا، اور جیسے ہی وہ چسکیاں لینے لگے، ربان خان نے سنجیدگی سے بہرام خان کی طرف دیکھا، "خاناں، اب واپس تو نہیں جائیں گے نا؟" بہرام خان نے داور خان کی طرف ایک نظر ڈال کر گہری سانس بھری اور کہا۔

"نہیں بان، اب واپس نہیں جاؤں گا۔" یہ سن کر ربان خان کے چہرے پر مطمئن مسکراہٹ پھیل گئی، جب کہ داور خان کی نظروں میں حیرانی اور کچھ کہی ان کہی باتیں چھپی ہوئی تھیں۔

اچانک گیٹ کی جانب سے ہلچل ہوئی۔

"السلام علیکم باباجان، خان بابا، چچا جان!" ایک ساتھ مختلف آوازیں گونجیں۔ خان حویلی کے بیٹے واپس آچکے تھے۔ ان کے قدموں میں خوشی، اور چہروں پر توانائی جھلک رہی تھی۔

ورزش سے لوٹتے ہوئے وہ اب بھی ایک دوسرے سے بحث میں مصروف تھے۔

"نہیں، میں نے زیادہ پش اپس لگائے ہیں!" ارمان ضدی انداز میں بولا اور آگے بڑھ کر ربان خان کے گال پر پیار سے بوسہ دے کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ اس کا خان بابا سے محبت جتانے کا مخصوص انداز تھا۔ ربان خان نے شفقت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"نہیں، تو نے کم لگائے ہیں!" زارون نے قہوے کا کپ انڈیلتے ہوئے شرارت کی، جان بوجھ کر ارمان کو چھیڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ارمان اپنی فٹنس کو لے کر کتنا سنجیدہ ہے بالکل باران کی طرح۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"موسیٰ لالا، آپ بتاؤ نہ!" ارمان نے باران کو چھوڑ کر موسیٰ کو ثالث بنانے کی کوشش کی۔ مگر موسیٰ نے ایک دھماکا کر دیا۔

"ارمان بچے، میرا منہ مت کھلواؤ، ورنہ میں یہ بھی بتا دوں گا کہ تیری نئی بائیک کا اگلا ہیڈ کس نے توڑا!" یہ کہتے ہوئے موسیٰ نے دوسری بات ارمان کے کان میں کہی، اور نتیجہ یہ نکلا کہ ارمان جیسے یکدم سے سیدھا ہو گیا۔ اس کی معصوم مسکراہٹ اور چہرے پر چھپتی شرمندگی دیکھ کر سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی، خاص کر باران اور شاہ میر کے۔ تب ہی زرخان بھاگتا ہوا آیا، چہرہ خوف سے زرد۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زارون لالا، اندر چلیے جلدی! پریشے بی بی کو کچھ ہو گیا ہے!" یہ سنتے ہی سب چونک اٹھے۔ ربان خان جلدی سے اٹھے، زارون تو گویا بجلی کی سی تیزی سے اندر کی طرف بھاگا، باقی سب بھی فوراً اس کے پیچھے لپکے۔ اندر جو کچھ تھا، اس نے سب کے قدم روک دیے تھے۔ ہر چہرے پر حیرت، پریشانی اور بے یقینی نے ڈیرے ڈال لیے تھے۔

کچھ دیر پہلے کا منظر کچھ یوں واضح ہوا تھا۔

خان حویلی کے لان میں مرد حضرات چہل قدمی کرتے ہوئے قہوے کی خوشبو سے لطف اندوز ہو رہے تھے،اور اندر گھر کی خواتین روزمرہ کے معمولات میں مصروف تھیں۔

زرمینے صوفے پر بیٹھی زوبیہ خانم سے باتیں کر رہی تھی،اور ساتھ موبائل میں گیم کھیلنے میں مشغول تھی۔اسماہ خانم نے شال درست کرتے ہوئے پوچھا،"زرمینے،تم آج کالج جاؤ گی؟"

"جی مورے،آج باران لالا کے ساتھ جانا ہے۔"زرمینے نے خوشی سے کہا،یہ اس کے لیے خوشی کی بات تھی،اس کے لالا اکثر مصروف رہتے تھے،لیکن جب بھی موقع ملتا وہ زرمینے کو خود کالج چھوڑنے آتے،اور واپسی پر کوئی اچھی سی آؤٹنگ بھی ہو جاتی۔اسی دوران،لاؤنج کے دروازے پر آہٹ ہوئی۔

"السلام علیکم"پریشے دھیرے دھیرے اندر داخل ہوئی،ہلکے سبز رنگ کی فراک میں،جس پر چھوٹی چھوٹی کلیاں بنی تھیں۔چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں گھبراہٹ۔

زوبیہ خانم نے مسکرا کر اسے قریب بلایا،"آجاؤ بچی،ادھر آؤ۔"پریشے ہچکچاتے ہوئے چلتی،ان کے قریب بیٹھ گئی۔زوبیہ خانم نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پیشانی پر پیار

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دیا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔ اسی لمحے، ملازمہ کچن سے پیغام لے کر آئی، "بڑی خانم، چھوٹی خانم نے بلایا ہے۔" زوبیہ خانم مسکرا کر اٹھ گئیں۔ لاؤنج میں اب چند ہی خواتین باقی تھیں، زرمینے، جبہ خانم، سائرہ، اور پری گل۔

پریشے خاموشی سے بیٹھی تھی، گود میں ہاتھ جوڑے، جیسے کسی سوال کے جواب کا انتظار ہو۔ تبھی جبہ خانم نے بات شروع کی، "تمہارا نام کیا ہے؟"

پریشے نے ایک پل کو نظریں اٹھا کر جواب دیا، "پریشے۔" جبہ نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا، "اچھا نام ہے اور تم ہو بھی پیاری۔" پریشے نے پہلی بار ذرا سا مسکرانے کی کوشش کی۔

"لیکن" جبہ خانم نے اگلا جملہ دھیرے سے، مگر اتنی ہی تیزی سے کاٹتے ہوئے کہا، "کیا فائدہ ایسی خوبصورتی کا جب عزت ہی نہ ہو؟ تم تو جانتی ہو نا، تم پر کیا گزری ہے؟"

Clubb of Quality Content

پریشے کے چہرے کا رنگ ایک لمحے میں سفید ہو گیا۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ ہونٹ کپکپا گئے، لیکن کچھ بول نہ سکی۔ اس کا بچپن ایک نائٹ میئر تھا جسے وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔

جبہ نے بات جاری رکھی، "زارون جیسے لڑکے ایسی لڑکیوں کو اپناتے نہیں، جن کا ماضی صاف نہ ہو۔"

پریشے نے دھیرے سے سر جھکایا۔ سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔ انگلیاں فراک کے دامن کو زور سے مروڑنے لگیں۔

"میں، میں گندی نہیں ہوں۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی، لیکن سچائی سے بھری ہوئی تھی۔

"تم بری ہو اور بہت جلد سب کو پتہ لگ جائے گا۔" جبہ خانم نے تمسخر سے ہنستے ہوئے کہا، یہ سننا تھا کہ پریشے جیسے پھٹ پڑی۔ اس کی چیخ پورے لاؤنج میں گونجی، "میں گندی نہیں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہوں!" زرمینے کا موبائل ڈر کے مارے گود میں گر پڑا۔ اسماہ خانم اور زوبیہ خانم کچن سے بھاگ کر باہر آئیں۔

"میں بری نہیں ہوں!" پریشے روتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ ایک دم سے اس نے میز پر رکھا گلدان اٹھایا اور جبہ خانم کی طرف پھینک دیا۔ خوش قسمتی سے وہ بچ گئیں۔

"پریشے بس کرو!" پری گل آگے بڑھی، زرمینے بھی لیکن پریشے کا ضبط ختم ہو چکا تھا۔ وہ بار بار چیخ رہی تھی، "گندی تم ہو! میں نہیں! میں نہیں ہوں گندی!" وہ ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی، روتے روتے تھک رہی تھی، مگر زبان رکنے کو تیار نہیں تھی۔

"ارے ہٹو! پاگل ہو گئی ہے یہ لڑکی!" جبہ خانم غصے سے چیخیں، "یہ سب تمہاری زبان کا نتیجہ ہے۔" زوبیہ خانم نے نفرت سے انہیں دیکھا، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، چہرہ سرخ تھا، اور وہ بس ایک ہی بات دہرا رہی تھی۔

"میں بری نہیں ہوں" وہ بری طرح پینک کر چکی تھی۔

منظر نے ہمیں حال میں لا پٹخا۔

شور شرابے کی آواز سن کر حرم سیڑھیاں اترتی لاؤنج میں آئی لیکن وہاں کی حالت دیکھتے وہ تیزی سے پریشے کی جانب بڑھی جو ایک بے ساختہ عمل تھا۔ زارون جو پریشے کی جانب بڑھنے والا تھا، حرم کو اس کے نزدیک جاتا دیکھ وہیں رک گیا۔

"چھوڑو مجھے۔" پریشے کی حالت دیکھتے زارون کا دل مٹھی میں مسلا گیا تھا۔ وہ جتنی محنت اس کی کنڈیشن سدھارنے میں کر رہا تھا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

"ہیں۔۔۔ شششش۔۔۔ ادھر دیکھو۔" حرم نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں جکڑتے اسے ریلیکس کرنا چاہا جو اس کی سن ہی نہیں رہی تھی۔

"آئی سیڈ اسٹاپ!" حرم کی دھاڑ پر پریشے تو کیا لاؤنج میں موجود ہر فرد سن ہو گیا۔ پریشے تو یوں تھی جیسے اس کا سانس حلق میں ہی کہیں اٹک گیا ہو، وہ آنکھیں پھیلائے سانس روکے حرم کی سرمئی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"سانس لو۔" پریشے کو سانس روکے محسوس کرتے حرم نے نرمی سے کہتے اس کی کمر کو آہستہ سے تھپتھپایا جس نے پوری قوت سے گہرا سانس بھرا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ادھر بیٹھو۔" پریشے کو لیے وہ صوفے پر بٹھاتی زرمینے کو پانی لانے کا اشارہ کر گئی جو دوڑی دوڑی کچن سے پانی لے آئی۔

"یہ لو پانی پیو۔" حرم نے زرمینے سے پانی کا گلاس تھامتے پریشے کے ہونٹوں سے لگایا جو ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ بمشکل دو گھونٹ بھرتے اس نے پانی کا گلاس واپس کر دیا۔

"میں گندی نہیں ہوں۔" پریشے نے ہچکی بھرتے حرم کو دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں نہیں ہو تم گندی، کس نے کہا تم گندی ہو؟" حرم نے آہستہ سے اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹتے اس کی چادر درست کی۔

"ان آنٹی نے کہا کہ تم گندی ہو۔" پریشے نے سسکتے ہوئے انگلی سے جبہ خانم کی جانب اشارہ کیا جس پر وہ سب کی خونخوار نظروں کا نشانہ بن گئیں۔

"ارے میں نے کچھ نہیں کہا، یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" جبہ خانم خود کو سب کی نظروں کا مرکز پاتی گڑبڑا گئی تھی۔ حرم نے گردن گھماتے سپاٹ اور سخت نظروں سے جبہ خانم کو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گھور کر دیکھا، حرم کی ان نظروں سے جبہ خانم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوئی، انہیں بے ساختہ حرم سے خوف آیا تھا۔

"تم بالکل بھی گندی نہیں ہو بلکہ جس نے بھی تم سے یہ کہا ہے وہ خود ایسا ہے۔ اب رونا نہیں ہے، سیدھی اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام کرو۔" حرم کا اتنا نرم لہجہ اور اتنی لمبی گفتگو حویلی والوں نے پہلی دفعہ دیکھی تھی اس لیے حیرت تو بنتی تھی۔ حرم کے اتنے پیار سے سمجھانے پر پریشے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلاتی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

زارون نے شکر گزار نظروں سے حرم کو دیکھا ورنہ پریشے کا چھوٹے سے چھوٹا پینک اٹیک بھی اس کے دماغ کی نسوں کو متاثر کر سکتا تھا۔ حیرت، رشک، حسد، اپنائیت، یہ وہ تاثر تھے جو وہاں موجود لوگوں کی آنکھوں میں موجود تھے۔ جبہ خانم تو حرم سے ڈر کر فوراً نو دو گیارہ ہو گئی تھیں اور ان کے پیچھے پیچھے سائرہ بھی چلی گئی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہاں کا ماحول پہلے کی طرح نارمل ہو گیا تھا۔ باران نے سر جھٹکتے اپنے کمرے کی جانب جانے کے لیے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ شاہ میر نے جان لٹاتی نظروں سے حرم کو دیکھا جو گرم کپڑے پہنے

شال اوڑھے ہوئے سنہری بالوں کو جوڑے میں قید کیے ہوئے تھی۔ حرم اسے ایک نگاہ دیکھتی ڈائننگ ہال کی جانب بڑھ گئی۔ حرم کے یوں پریشے کو ریلیکس کرنے کے طریقے پر سب ہی متاثر ہوئے تھے۔ وہ سنجیدہ سی دکھنے والی لڑکی کتنی سمجھدار تھی یہ تو اس کے عمل سے ثابت ہو چکا تھا۔ شاہ میر تو حرم کی ایک نظر پر ہی فدا ہو تا دل پر ہاتھ رکھ گیا۔ زارون اور باران تو اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔

"دھیان سے کہیں دل کا دورہ ہی نہ پڑ جائے۔" موسیٰ نے شوخی سے کہا، نظریں شاہ میر پر جمائے جو حرم کو یک ٹک دیکھ رہا تھا، اور اب جیسے اچانک سینے پر ہاتھ رکھ کر گہرا سانس لے رہا تھا۔ شاہ میر نے فوراً پلٹ کر گھورا، "چپ کرو تم!" لیکن موسیٰ اس کے چہرے کے بدلے رنگ اور ارمان کی ہنسی پر اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے شرارت سے ہنستا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر ارمان اب بھی "کھی کھی" کرتا شاہ میر کو چڑھا رہا تھا۔

"اوئے، زیادہ ہنسی آئی ہے؟" شاہ میر کی آواز میں ہلکی سی خفگی اور زیادہ تر لاڈ تھا۔ اگلے ہی لمحے ارمان کی گردن شاہ میر کے ہاتھوں میں تھی، "اب ہنسادوں تجھے پورے سال کا کورس!"

"ارے نہیں لالا، سوری بھائی! بچاؤ، بچاؤ!" ارمان کی چیخیں لاؤنج میں گونجیں، لیکن کسی نے بھی اسے سننے یا بچانے کی زحمت نہ کی۔ سب جانتے تھے یہ ان کی روزمرہ کی "محبت بھری مار پیٹ" تھی۔ شاہ میر اسے بازو سے گھسیٹتا ہوا اپنے کمرے کی طرف لے جا چکا تھا، اور پیچھے بس قہقہوں کی گونج باقی رہ گئی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کمرے کا حال دیکھ کر اس کے قدم وہیں رک گئے۔ ایک نظر میں ہی پورے منظر نے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی۔ وہ ٹھٹھک کر رکا، پھر بے ساختہ الجھن سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا، جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ کمرے کا نقشہ مکمل طور پر بگڑا ہوا تھا۔ فرش پر جگہ جگہ کانچ کے تیز اور چمکتے ہوئے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے، جیسے کسی نے پوری شدت سے کوئی شیشہ یا

گلدان توڑا ہو۔ دیوار کے ساتھ لگی لکڑی کی میز ایک طرف سے ٹوٹی ہوئی تھی، اس کے پائے ٹیڑھے ہو چکے تھے، اور کونے میں رکھا ہوا گلدان الٹا پڑا تھا، جس کے پھول بکھر چکے تھے اور پانی فرش پر پھیل کر ایک طرف جم گیا تھا۔ ہر طرف ایک بے ترتیبی، ایک بے چینی کا عالم تھا جیسے یہ کمرہ کسی طوفان سے گزر چکا ہو۔ باران نے ایک گہرا سانس لیا، آنکھیں چند لمحوں کے لیے بند کیں، جیسے خود کو قابو میں لانے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اُس نے تیزی سے فون نکالا اور زرخان کو کال ملائی۔ پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی۔

"خان، میرے کمرے میں آؤ۔" باران نے مختصر، مگر سخت لہجے میں کہا۔ آواز میں وہی دبی ہوئی جھنجھلاہٹ تھی جو ہر چیز کی بگڑی حالت کو دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ کال بند کرتے ہوئے اس نے موبائل کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا، پھر بیڈ کی طرف بڑھنے لگا کہ اچانک جیسے کسی ایک خیال نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

زارا! اسے وہ لمحہ یاد آیا جب گزشتہ رات شدید غصے میں آ کر اس نے زارا کو ڈریسنگ روم میں بند کر دیا تھا۔ ایک پل کو اس کی رنگت متغیر ہوئی، اور قدم تیزی سے ڈریسنگ روم کی جانب

اٹھے۔ وہ اس دروازے کے پاس پہنچا جسے اس نے رات کو باہر سے لاک کیا تھا۔ ہتھیلی کا لمس تالا کھولنے کے دوران تھوڑا سا لرز رہا تھا شاید ضمیر کی خلش تھی، شاید احساسِ جرم۔

دروازہ کھولتے ہی وہ تیزی سے اندر داخل ہوا۔ روشنی مدھم تھی، مگر اتنی ضرور تھی کہ اندر کا منظر صاف دکھائی دے۔ اس کی نظر فوراً الماری کے قریب جا کر رک گئی جہاں زارا زمین پر قالین پر بیٹھی تھی، الماری سے پشت ٹکائے، اور جسم کو خود میں سمیٹے، خاموشی سے موجود تھی۔

زارا کی حالت دیکھ کر باران کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔ وہ گم سم بیٹھی تھی، نہ رو رہی تھی، نہ بول رہی تھی، بس آنکھیں موندے الماری سے ٹیک لگائے شاید سو رہی تھی۔ اس نے سادہ سا لباس پہنا ہوا تھا، مگر سردی کی شدت سے اس کے بازو سُرخ ہو رہے تھے۔ لب ہلکے ہلکے نیلے پڑنے لگے تھے۔ شکر یہ تھا کہ فرش پر موٹا قالین بچھا ہوا تھا، جس نے سردی کی شدت کو کچھ حد تک روکا ہوا تھا لیکن کمرے میں ہیٹر نہ ہونے کی وجہ سے خنکی اب بھی ہڈیوں میں

اتر رہی تھی۔ زارا کی خاموشی، سردی، اور بند ماحول تینوں چیزیں مل کر ایک گہرا سناٹا تشکیل دے

رہی تھیں جو باران کے دل کو چیر رہا تھا۔ وہ کچھ لمحے بس یونہی کھڑا رہا، جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو کہ زارا کی حالت پر زیادہ افسوس کرے یا خود پر غصہ۔

وہ مضبوط قدم اٹھاتا ڈریسنگ روم میں داخل ہوا، اور زارا کے قریب آ کر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ زارا شاید گہری نیند میں تھی، اس کے چہرے پر تھکن، سردی، اور بے بسی کی جھلک واضح تھی۔ اس کی چادر ڈھیلی ہو چکی تھی، جو آدھے چہرے کو ڈھکے ہوئے تھی، باقی آدھا چہرہ دھندلے سکون کی حالت میں دکھائی دے رہا تھا۔ باران کا دل جانے کیوں بے چین سا ہو گیا۔ اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا، جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو، کچھ چھونا چاہتا ہو یا شاید بس دیکھنا چاہتا ہو کہ وہ ٹھیک ہے۔ اس کی انگلیوں نے نرمی سے زارا کی چادر کا وہ کنارہ تھاما اور آہستہ سے اس کے چہرے سے سرکایا ہی تھا کہ زارا کی آنکھیں اچانک کھل گئیں، جیسے کسی خواب سے جھٹکے سے باہر نکلی ہو۔

زارا کو جاگتا دیکھ کر باران نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، جیسے کوئی چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔ زارا نے آنکھیں کھلتے ہی سامنے باران کو دیکھا، اور ایک لمحے کے لیے اس کی سانس رک سی گئی۔ وہ گھبراہٹ میں جلدی سے اپنی چادر کو ٹھیک کرنے لگی، جس میں سے تھوڑا سا اس کا شانہ ظاہر ہو گیا تھا۔ پتا نہیں کیوں، لیکن باران کو زارا کا یہ انداز، اس کا یوں فوراً پیچھے ہٹ جانا، چادر لپیٹ لینا، جیسے وہ اس سے بچ رہی ہو پسند نہیں آیا۔ ایک انجانی سی خفگی اس کے چہرے پر ابھری، مگر پھر اگلے ہی لمحے کل رات کی وہ تلخ یادیں اسے یاد آئیں اور وہ فوراً واپس اپنے انا کے خول میں سمٹ گیا۔

"وقت دیکھا ہے تم نے؟" اس نے سخت لہجے میں کہا۔ "اور تم ابھی تک سوئی پڑی ہو!" باران غصے میں کھڑا ہو چکا تھا، اور زارا، جو اب آنکھیں مل رہی تھی، جلدی سے سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، اور پلکوں پر نمی کی پرانی تہہ ابھی بھی جھلک رہی تھی۔ اس نے چادر کے کونے سے آنکھیں رگڑیں، جیسے اپنی کمزوری چھپانا چاہ رہی ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اب کیا یہاں سر جھکائے کھڑی رہنے کا ارادہ ہے؟" باران کی آواز مزید سخت ہو گئی، "جاؤ، جا کر مورے کے ساتھ کچن میں کام کرواؤ!" باران کے الفاظ کمرے کی خاموشی میں پتھر کی طرح گرے، اور زارا ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی، پھر بنا کوئی لفظ کہے سر ہلاتی ہوئی جلدی سے کپڑے لینے کے لیے مڑی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ فریش ہو کر باہر نکلی، تو باران کی نظر خود بخود اس پر پڑی۔ اس کا لباس بدل چکا تھا، لیکن وہ پھر بھی چادر لپیٹے ہوئے تھی جیسے خود کو چھپا رہی ہو، یا جیسے اس کی بے قراری اب بھی مکمل ختم نہ ہوئی ہو۔

باران نے یہ سب دیکھا، لیکن کچھ کہا نہیں۔ شاید طبیعت کی سختی، شاید انا، یا شاید بے حسی وجہ کچھ بھی ہو، اس نے زارا سے کچھ پوچھنا ضروری نہیں سمجھا۔ زارا جیسے ہی باہر گئی، کمرے کا دروازہ دوبارہ کھلا اور زرخان اندر داخل ہوا۔

"خان، یہ اب پہلے جیسا کرواؤ۔" باران نے درشت لہجے میں کہا، اور بنا زرخان کے چہرے پر نظر ڈالے، ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ قدم مضبوط تھے، مگر اندر کچھ ٹوٹا ٹوٹا سا محسوس ہو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رہا تھا۔اس کی آواز میں وہی سختی تھی جو وہ اکثر اپنے جذبات چھپانے کے لیے اوڑھ لیتا تھا۔زرخان ایک لمحے کے لیے وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔

آنکھیں بے اختیار کمرے کے بکھرے ہوئے سامان پر پھر گئیں،ٹوٹی ہوئی میز،فرش پر بکھرے شیشے کے چمکتے ٹکڑے،دیوار کے پاس گرا ہوا گلدان،اور سب سے بڑھ کر وہ خاموشی جو باران کے جانے کے بعد کمرے میں گونجنے لگی تھی۔

یہ اس ہفتے میں دوسری بار تھا جب باران اپنے کمرے کا مکمل سیٹ اپ تبدیل کروا رہا تھا۔زرخان کو حیرت ضرور ہوئی،بلکہ کہنا چاہیے کہ شدید حیرت ہوئی،لیکن وہ بس آنکھوں میں یہ سوال لیے،لب بھینچے کھڑا رہ گیا۔دل میں کئی سوال ابھرے،کیا ہو رہا ہے اندر؟کیا سب ٹھیک ہے؟یہ بار بار کمرے کی تبدیلی کیوں؟مگر وہ سب سوال صرف دل کی حد تک تھے،زبان تک آنے کی جرأت کبھی ہوئی ہی نہیں۔

"آنٹی،میں کوئی کام کرواؤں؟"زارا نے دھیمے لہجے میں کہا،جب وہ دھیرے قدموں سے کچن میں داخل ہوئی۔کچن کی فضا میں ہلکی ہلکی چائے اور مصالحے کی خوشبو رچی ہوئی تھی،لیکن

ماحول میں ایک عجیب سا خاموش سکون بھی تھا، جیسے کوئی گزرے لمحے کی بازگشت ابھی تک دیواروں سے ٹکرا رہی ہو۔ اس کی نگاہ جیسے ہی سامنے پڑی، تو زوبیہ خانم اور اسماہ خانم مصروف نظر آئیں۔ زوبیہ خانم، جو چولہے کے قریب کچھ دیکھ رہی تھیں، زارا کی آواز پر پلٹیں، اور ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔ ان کی نظریں نرم نہیں تھیں، مگر وہ تلخی بھی اب ویسی نہ رہی تھی جیسی کچھ دن پہلے ہوا کرتی تھی۔ بس ایک خاموشی سی تھی، ایک ایسی نگاہ جو شاید کچھ کہنا چاہتی تھی مگر الفاظ نہیں تھے۔ زوبیہ خانم نے ایک نظر زارا پر ڈالی، پھر بنا کچھ کہے، دھیرے قدموں سے کچن سے باہر چلی گئیں۔

ان کے قدموں کی چاپ جیسے زارا کے دل پر ہلکی سی لکیریں چھوڑ گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے وہ دن گھوم گئے، جب زوبیہ خانم کی آنکھوں میں صرف الزام تھا، صرف غصہ۔

شہزاد خان کی موت کا غم اگرچہ اب بھی تازہ تھا، مگر کچھ وقت کے گزرنے کے بعد اس دکھ کی شدت نے زوبیہ خانم کے دل میں جگہ بناتے احساسِ ندامت کو بھی جگا دیا تھا۔ انہیں اب

اس رویے پر شرمندگی ہونے لگی تھی جو انہوں نے زارا کے ساتھ دکھ کے لمحوں میں اختیار کیا تھا۔ شاید اسی لیے اب وہ زارا سے کچھ نہیں کہتی تھیں نہ ڈانٹتی، نہ جھڑکتی، بس خاموشی سے گزر جاتی تھیں۔ اسماہ خانم، جو زارا کے بالکل قریب کھڑی تھیں، اسے دیکھ کر ہولے سے مسکرائیں۔

"نہیں بچے، سب ہو گیا ہے، آجاؤ۔" ان کی آواز میں پیار کی حدت تھی، جیسے ایک ماں اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہو کہ اب بس، تم تھکی ہو، بیٹھ جاؤ۔ پھر وہ رخ موڑ کر آواز دیں، "ساجدہ، ٹیبل لگاؤ۔" زارا نے ایک پل کو اسماہ خانم کی بات پر نظریں جھکائیں، اور پھر سر ہلاتے ہوئے ان کے پیچھے کچن سے باہر نکل گئی۔

دل میں ایک عجیب سی کیفیت تھی نہ سکون، نہ بے چینی؛ جیسے جذبات کا سمندر تھم سا گیا ہو، مگر اندر کہیں لہریں اب بھی باقی ہوں۔

باران مضبوط قدموں سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے لاؤنج میں آیا۔ اس کے چہرے پر وہی روز کا سنجیدہ تاثر، آنکھوں میں بے نیازی، اور پیشانی پر خفیف سی خفگی کی وہ پرانی لکیریں موجود

تھیں۔ نیچے قدم رکھتے ہی اس نے لاؤنج میں ایک نظر دوڑائی، جہاں اس وقت کوئی موجود نہ تھا، سب

افراد ڈائننگ ہال کی جانب جا چکے تھے، ماحول میں ایک عارضی سی خلوت پھیلی ہوئی تھی۔

اتنے میں سائرہ نے، جو شاید اسی لمحے کا انتظار کر رہی تھی، باران کو دیکھتے ہی فوراً اس کی سمت قدم بڑھائے۔ اس کی چال میں خود اعتمادی تھی، اور چہرے پر ایک غیر ضروری مسکراہٹ، جیسے کچھ خاص کہنے جا رہی ہو۔

"باران، مجھے تم سے ایک کام ہے۔" سائرہ کی آواز میں نرمی تھی، مگر باران کی نظریں جیسے ہی اس پر پڑیں، چہرے پر بے ساختہ ناگواری آ گئی۔ بھنویں تن گئیں، ہونٹ ہلکا سا بھنچ گئے۔

وہ اس قسم کی اچانک مداخلتوں سے ہمیشہ بیزار رہا تھا اور سائرہ کی یہ قریب آنے کی کوششیں اسے قطعی پسند نہیں تھیں۔

"کیا کام ہے؟" وہ سخت لہجہ اپنانے ہی والا تھا، جب اس کی نظر کچن سے نکلتی ہوئی زارا پر پڑی۔ زارا دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی، نظر جھکائے، ڈائننگ ہال کی طرف جا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران نے فوراً اپنے لہجے کو نرم کر لیا۔ جیسے زارا کے وجود نے اس کے اندر کی کسی کٹھور پرت کو ہولے سے چھو دیا ہو۔ سائرہ نے باران کی زبان کی یہ غیر متوقع نرمی سنی تو خوشی سے پھولے نہ سمائی۔ چہرے پر چمک آ گئی، جیسے دل ہی دل میں خود کو باران کے دل میں جگہ بناتی محسوس کر رہی ہو۔

"مجھے ناشاپنگ پر جانا ہے، تم لے چلو گے؟" سائرہ نے جھجکتے ہوئے مگر انداز میں ناز بھرا۔

زارا، جو اب ڈائننگ ہال کے دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی، ایک دم رک گئی۔ نظریں خود بخود باران کی طرف اٹھیں۔ لاشعوری طور پر، دل کسی معجزے کی امید لگا بیٹھا تھا شاید باران منع کر دے، شاید وہ کوئی اور بات کہہ دے، شاید۔

"ہاں، لے جاؤں گا۔" باران کے اتنے کہنے کی دیر تھی کہ زارا کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ وہ لبالب بھر گئے، آنکھیں نیچے جھکیں، مگر دل کی شکستگی آنکھوں سے چھلک گئی۔ اس نے ایک آخری نظر باران پر ڈالی، ایسی نظر جس میں شکوہ نہیں تھا، مگر سوال بہت تھے اور پھر خاموشی سے، سر جھکائے، ڈائننگ ہال کے دروازے کو پار کر گئی۔ باران کی پیشانی پر ایک دم

بل پڑے۔ زارا کا یوں چپ چاپ چلے جانا، آنکھوں میں وہ نمی، وہ خاموش شکایت یہ سب اس کے دل میں ٹھنڈی چبھن کی طرح اتر گیا۔

"کتنے بجے جائیں گے ہم؟" سائرہ، جو باران کے تاثرات سے یکسر انجان تھی، خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ باران نے اسے اپنی توجہ کا حق دار مان لیا ہے۔ باران نے اس کی طرف ایک کوفت بھری نظر ڈالی۔ ایسی نظر جس میں تحقیر بھی تھی، تھکن بھی، اور بیزاری کا کوئی ٹھنڈا طمانچہ بھی۔

"کبھی نہیں۔" وہ تلخ لہجے میں بولا، شال کو جھٹکتے ہوئے، اور سیدھا ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے، سائرہ جیسے پل بھر کو ساکت ہو گئی۔ اس کے چہرے پر حیرت اور بے عزتی کے آثار اکٹھے جھلکنے لگے۔ کھلے منہ کے ساتھ وہ وہیں کھڑی رہی، دل میں ایک تیز بھڑکتی آگ لیے۔ وہ تو سمجھی تھی کہ باران، زارا کو نیچا دکھانے کے لیے اسے ساتھ لے جانے کی بات کر رہا ہے مگر وہ تو خود سائرہ کو بے وقوف بنا کر زارا کی طرفداری کر گیا تھا! اس نے دانت پیسے،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھوں میں نفرت کی چمک ابھری،اور پیر پٹختی ہوئی غصے میں لاؤنج سے نکل کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

"جلد از جلد اس منحوس کا کچھ کرنا ہو گا!" وہ دل ہی دل میں زارا کے بارے میں زہر بھری سوچیں پالتی،اپنے کمرے میں گھس گئی اور پیچھے،ایک اور کشمکش کا آغاز ہو چکا تھا۔

حرم آملیٹ کی پلیٹ سامنے رکھے بیٹھ گئی تھی،مگر نظریں اس پلیٹ پر تھیں نہ دل اس وقت حاضر۔وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی،جیسے لاشعور میں کوئی پرانا باب کھل گیا ہو۔

پریشے کو دیکھتے ہی،بے ساختہ اس کے ذہن میں چاندنی کا چہرہ ابھر آیا۔کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں،اور حرم انہی یادوں کی دلدل میں ایک بار پھر جا گری تھی۔وہ لمحہ،وہ منظر،سب آنکھوں کے سامنے جیسے پھر سے زندہ ہو گیا۔

"مجھے میرے گھر جانا ہے مجھے جانے دو۔" سرمئی آنکھوں والی وہ لڑکی،ایک کونے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی،سر جھکائے،دونوں ہاتھ گود میں دبائے۔

تبھی ایک عورت،ہاتھ میں زور پکڑے،ایک چھوٹی سی بچی کو گھسیٹتی ہوئی اندر لائی۔وہ بچی چیخ رہی تھی،رو رہی تھی،چلا رہی تھی،اپنے آپ کو چھڑانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی، مگر وہ عورت اپنی گرفت میں فولاد کی سختی رکھتی تھی۔اگلے ہی لمحے،ایک زوردار تھپڑ ہوا میں لہرایا اور اس معصوم کے نازک گال پر ایسا لگا کہ وہ بچی سیدھی منہ کے بل زمین پر گری۔

کونے میں بیٹھی وہ لڑکی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔بھاگ کر اس چھوٹی سی بچی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا،وہ معصوم، بمشکل چھ یا سات سال کی ہو گی۔اس کا پورا جسم سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا،اور وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی،جیسے اس کا دل پھٹنے کو ہو۔لڑکی نے اسے سینے سے لگا لیا، اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرے،مگر اس کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے وہ بھی کمزور تھی،زخمی،مگر اس لمحے اس بچی کا خوف اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"پلیز،اسے چھوڑ دو۔"سرمئی آنکھوں والی لڑکی نے لرزتی آواز میں اس عورت سے درخواست کی،اپنی بانہوں کا حصار مزید سخت کرتے ہوئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"دیکھ، تو پیچھے ہٹ جا! تیرے پچھلے زخم ابھی بھرے نہیں ہیں، ایسا نہ ہو کہ اب نئے زخم دے دوں۔" اس عورت کی زبان میں زہر اور چہرے پر درندگی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس کے الفاظ سن کر وہ لڑکی کانپ گئی، اور غیر ارادی طور پر اپنے جسم پر نظر ڈالی جہاں جگہ جگہ نشان تھے، کچھ پرانے، کچھ تازہ، کچھ ابھی بھی رستے ہوئے۔ اس کے باوجود، اس نے اس ننھی جان کو خود میں چھپا لیا، جیسے اپنی تمام تکلیفوں کے باوجود اسے بچانا ہی مقصد ہو۔

"پلیز اسے چھوڑ دو، میں اسے سمجھاؤں گی وہ شور نہیں کرے گی۔" اس کے جملے رکے رکے، ٹوٹے ٹوٹے، مگر پُراثر تھے۔ عورت چند لمحے اسے پرسوچ انداز میں گھورتی رہی، پھر آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو سختی سے اپنی مٹھی میں جکڑا۔ آنکھوں میں وحشت تھی، اور آواز میں دھمکی۔

"چل ٹھیک ہے، تو رکھ اس کو اپنے پاس لیکن اگر اب کی بار یہ چیخی تو میں تیری چمڑی ادھیڑ دوں گی، سمجھی؟" لڑکی نے تیزی سے سر ہلایا، جیسے جان بچ گئی ہو۔ عورت نے غصے سے اسے جھٹک کر چھوڑا اور کوٹھری نما اس کمرے سے نفرت سے باہر نکل گئی۔

"مجھے گھر۔۔۔"

"شششش۔۔۔بولنا مت،بالکل بھی!" بچی کے لب ہلے ہی تھے کہ لڑکی نے اس کے منہ پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کروادیا۔ خود کی آنکھوں سے بہتے آنسو اب تھم نہیں رہے تھے۔وہ اس ننھی جان کو گلے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ آخر اس معصوم کو کس ظالم نے اس جہنم میں لا پھینکا تھا؟ وہ کیسے برداشت کرے گی یہاں کی اذیتیں؟ اس کے چہرے پر جلا ہوا ایک نشان تھا،جہاں سے ابھی بھی خون رس رہا تھا۔ وہ بچی اسے روتا دیکھ کر مزید سہم گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"حرم!" جبران کی آواز نے اچانک اسے ماضی کی گہری کھائی سے کھینچ کر حال میں واپس لا پھینکا۔

حرم چونک اٹھی، پلکیں تیزی سے جھپکیں،اور اس نے ارد گرد دیکھا۔ سب لوگ اب ناشتہ کر رہے تھے،ماحول میں روزمرہ کی چہل پہل لوٹ آئی تھی، لیکن اس کا دل ابھی بھی بوجھل تھا۔

خالی خالی آنکھوں سے اس نے زرمینے کو باران کے ساتھ بات کرتے دیکھا۔ زرمینے باران کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی، اس کا بازو تھامے کچھ کہہ رہی تھی، اور باران ہر تھوڑی دیر بعد نرمی سے اس کی پیشانی چوم لیتا۔ زرمینے کھلکھلا کر ہنستی، اور باران اسے دیکھ کر مسکرا دیتا۔

حرم نے آنکھیں بند کیں، گہری سانس لی، جیسے خود کو واپس اسی حرم میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہو جو سب کے سامنے تھی، مضبوط، خاموش، برداشت کرتی ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر جبران کی طرف دیکھا، اور ایک ہلکا سا اشارہ کیا، جبران فوراً سمجھ گیا، اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"انکل، مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" جبران نے ہلکی سی کھانسی کے ساتھ گلا کھنکارا، اور اپنے الفاظ کے ذریعے ربان خان کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ربان خان، جو اپنے مخصوص انداز میں سربراہی کرسی پر براجمان تھے، قہوے کا ہلکا گھونٹ لیتے ہوئے رک گئے۔ کپ کو نرمی سے میز پر رکھتے ہوئے، انہوں نے مکمل دھیان جبران کی جانب مبذول کیا۔

"ہاں بولو بچے۔" ان کی آواز میں نرمی تھی، مگر اس کے نیچے ایک فطری وقار چھپا تھا جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔

جبران کے لفظوں نے جیسے فضا میں ہلچل پیدا کر دی۔ سب نگاہیں اس پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ شاہ میر کا چمچ ہوا میں ہی معلق رہ گیا، نوالہ ابھی تک اس کے منہ تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ ساکت بیٹھا، آنکھیں حرم اور جبران کے چہرے پڑھنے کی کوشش میں تھا۔ جبکہ دوسری طرف، حرم، وہ جیسے اس پوری صورتحال سے بے خبر تھی، یا شاید خود کو لاتعلق ظاہر کر رہی تھی۔ سر جھکائے، پوری توجہ ناشتے پر مرکوز تھی، جیسے ناشتہ ہی اس لمحے کی سب سے اہم ضرورت ہو۔ اس کے چہرے پر بے نیازی کی ایک مہارت سے تراشی گئی تہہ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"انکل، دراصل ہم یہاں سے شفٹ ہونا چاہتے ہیں۔" جبران نے ایک نگاہ حرم پر ڈالی، جیسے اس کے چہرے سے تائید یا انکار تلاش کرنا چاہ رہا ہو۔ پھر نظریں ربان خان پر جما دیں۔

ربان خان نے ایک لمحے کو آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ "کیوں؟"

سوال سادہ تھا، لیکن اس کے اندر کئی پرتیں تھیں۔ جیسے وہ صرف مکان کی تبدیلی نہیں، نیت، جذبہ اور ارادے کو جانچنا چاہتے ہوں۔ جبران نے ہلکی سی سانس بھری، پھر قدرے سنجیدگی سے بولا۔

"انکل، ساری زندگی تو یہاں نہیں رہ سکتے نا اور اب تو شاہ میر اور حرم کی منگنی بھی ہونے والی ہے، تو اچھا نہیں لگتا کہ ہم مزید یہاں، اس حویلی میں قیام کریں۔ اسی لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں سے شفٹ ہو جائیں۔" یہ جملہ صرف فیصلہ نہیں، ایک پیغام تھا شاید حرم کا، شاید جبران کا، یا شاید ان دونوں کا مشترکہ دفاعی طریقہ۔ ربان خان نے ایک بار پھر گہری سانس لی، ہونٹوں پر ہلکی سی سوچتی مسکراہٹ آئی۔

"ہمم بات تو ٹھیک ہے تمہاری۔" پھر ایک دم جیسے کچھ طے کر لیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو ایک کام کرتے ہیں منگنی کے بجائے سیدھا نکاح کر دیتے ہیں!" ان کے الفاظ نے کمرے کی فضا کو منجمد کر دیا۔ حرم کا سر، جو جھکا ہوا تھا، جھٹکے سے اوپر اٹھا۔ آنکھوں میں حیرت، شاید خوف، اور یقینی طور پر ایک سخت انکار چمکا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، اور نظریں بے اختیار جبران پر جا ٹکیں۔ جبران خود بھی یکدم سنجیدہ ہو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر الجھن کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر زبان ساتھ نہ دے رہی تھی۔ ربان خان کی نگاہیں بدستور اس پر جمی تھیں، جیسے اس کے جواب کے منتظر ہوں۔

اور اسی لمحے حرم نے جبران کو ایک خاموش اشارہ دیا، صاف، واضح، اور دو ٹوک۔ آنکھوں کی حرکت، پلکوں کی جنبش، اور انکار میں ہلکی سی گردن کی جنبش۔ جبران نے حرم کی آنکھوں کو دیکھا، اور سب کچھ سمجھ گیا۔ یہ اشارے، ان دونوں کے درمیان کسی پرانی زبان کی طرح، برسوں کے بھروسے پر مبنی تھے۔ کسی ایک شخص کی نظر، جو بے حد تیز تھی، اس خاموشی کو، اس آنکھوں کی گفتگو کو، بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ شاید کسی شک نے جنم لے لیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"انکل اچانک سے کیسے؟" جبران کی آواز میں جھجک تھی، حیرت تھی، اور تھوڑا سا خوف بھی۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ اب اس صورتحال سے کیسے نکلے۔ جبکہ حرم مسلسل اسے اشاروں سے انکار کرتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں اضطراب تھا، جیسے وہ کسی بڑے طوفان سے بچنے کی کوشش کر

رہی ہو، اور جبران، اس طوفان کا ایک کنارہ بننے کو تیار نہ تھا۔

"بھئی، اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" حیدر خان نے قہقہہ سا لگا کر ربان خان کی بات کی تائید کی۔ "منگنی کے بجائے سیدھا نکاح کر دیتے ہیں، پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں رہے گا۔" ان کے لہجے میں گویا خوشی تھی، جیسے ایک بوجھ ہٹنے جا رہا ہو، یا جیسے انہوں نے کسی بڑے مسئلے کا نہایت سادہ حل نکال لیا ہو۔ مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ ان کے اس سادہ سے اعلان نے ایک روح کے اندر آگ لگا دی تھی۔

حرم نے ایک لمحے کو آنکھیں میچ لیں۔ ایک سرد سی سانس لی، جیسے اپنے اندر کچھ دباتی ہو۔ اس کے دل کے کسی کونے میں بیٹھی وہ سفاک عورت۔ وہ حرم جو برسوں کے زخموں سے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نکلی تھی،وہ جو مظلوم نہیں،انتقام کی وارث تھی۔اسے چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی،"ابھی کہ ابھی داور خان کا کام تمام کر دو!"مگر وہ حرم نہیں بولی۔وہ نہیں ہلی۔وہ صرف اپنی بہن کی وجہ سے رکی ہوئی تھی۔اسے اپنی بہن ہر حال میں،ہر قیمت پر،ہر حربے سے واپس چاہیے تھی اور اس مقصد کے لیے وہ خود کو وقتی طور پر تھامے بیٹھی تھی۔جبران نے حرم کی آنکھوں کی سرخی دیکھی تو فوراً بات سنبھالی۔

"انکل میں آپ کو شام تک جواب دے دوں گا۔"اس کے لہجے میں جلدی بھی تھی اور بے چینی بھی۔وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ابھی کچھ نہ کہتا تو حرم کے اندر کا طوفان شاید سب کچھ بہالے جاتا۔ربان خان نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے پھر،شام تک ہمیں بتا دینا تاکہ ہم تیاریاں شروع کر دیں۔"یہ کہتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئے۔ان کے ساتھ ہی حیدر خان بھی اٹھے اور ان کے پیچھے پیچھے چل دیے۔داور خان،بہرام خان اور انارہ ابھی تک لمبے سفر کی تھکن سے مدہوش سو رہے تھے۔کسی نے انہیں جگانے کی زحمت نہیں کی،شاید دانستہ،شاید

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نادانستہ، مگر ان کی غیر موجودگی اس لمحے کو مزید بوجھل بنا گئی تھی۔ ایک ایک کر کے باقی مرد بھی اٹھے اور ڈائننگ ہال سے باہر نکلتے چلے گئے۔ ہال اب خالی ہونے لگا تھا، مگر فضا میں ایک غیر مرئی دباؤ باقی تھا۔

جبران نے جاتے جاتے ایک بار پھر حرم کو دیکھا۔ حرم کا چہرہ اب بھی سرخ آنکھوں کے ساتھ سنجیدہ تھا، مگر اس میں وہ خاموش سی تنبیہ، وہ ضبط کی آخری لکیر نمایاں ہو چکی تھی۔

جبران اسے دیکھ کر خاموشی سے اٹھا، اور باہر نکل گیا۔

حرم بھی چند لمحے بعد اپنی کرسی سے اٹھی اور خاموشی سے جبران کے پیچھے، کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی چال میں گہرائی تھی، اور ہر قدم میں کسی فیصلے کا وزن چھپا تھا۔

باران لاؤنج میں کھڑا زرمینے کا انتظار کر رہا تھا جو اپنے کمرے سے بیگ لینے گئی تھی۔ اس کے کانوں میں اچانک اسماہ خانم کی آواز پڑی۔ اس نے سرسری سی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ڈائننگ ہال سے نکلتی ہوئی زارا اور اسماہ خانم اس کے سامنے تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بچے، تمہیں تو بخار ہو رہا ہے، تم کمرے میں جا کر آرام کرو،" اسماہ خانم نے زارا کے ماتھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

"نہیں آنٹی، میں ٹھیک ہوں،" زارا نے مدھم آواز میں جواب دیا، مگر اس کی آواز میں تھکن اور بے بسی جھلک رہی تھی۔

باران کی نظریں زارا پر جم گئیں، اس کے دل میں کچھ خیال اٹھا مگر وہ خود کو قابو میں رکھتے ہوئے بولا، "مورے، بچی نہیں ہے، ہو جائے گی ٹھیک۔" "تم جاؤ گے تو قیامت نہیں آ جائے گی۔" دانت پیستے ہوئے وہ اس کی بے احتیاطی پر ندامت کا اظہار کر رہی تھیں۔

"مورے، میں نے زرمینے کو کالج لے جانا ہے، آپ جانتی ہیں کہ آج کا پورا دن میں اس کے ساتھ گزاروں گا، اور ویسے بھی زارون کا ہسپتال زرمینے کے کالج سے بالکل مخالف سمت میں ہے،" باران نے بہانے بازی کرتے ہوئے کہا۔ زارا نے سر جھکائے ان باتوں کو سنا، اور دل میں ایک بار پھر احساسِ کمتری نے جگہ بنالی۔ کیا وہ واقعی اتنی کمتر تھی کہ اس کے لیے

باران کو ڈاکٹر کے پاس جانا بھی مشکل لگتا تھا؟ وہ اپنی ہچکیوں کو دبا کر، دل بھر کے سوچتی رہی۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ، زارا، بچے کو ارمان لے جائے گا۔" ارمان، جو بائیک کی چابی انگلی پر گھما رہا تھا اور نکلنے کو تیار تھا، اسماء خانم کی بات سن کر رک گیا۔

"ارمان، تم زارا کو ہسپتال لے جاؤ، اسے بہت تیز بخار ہے۔"

"جی جی، میں بالکل لے جاؤں گا، ہماری پیاری سی بھابھی کو،" ارمان نے باران کے سرخ ہوتے چہرے کی طرف شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔

"زارا، تم جاؤ ارمان کے ساتھ،" اسماء خانم بول ہی رہی تھیں کہ باران نے تیزی سے بات کاٹ دی، "مورے، رہنے دیں، میں لے جاؤں گا زرمینے کو کالج ڈراپ کرنے کے بعد۔" اس اچانک بات پر زارا چونک کر باران کو دیکھنے لگی، اور اسماء خانم اور ارمان مسکراہٹ ضبط کیے باران کی جیلسی کا مزہ لے رہے تھے۔ باران کا چہرہ لال انگارے کی طرح ہو چکا تھا۔ اتنے میں زرمینے سیڑھیاں اترتی ہوئی نظر آئی، اس کی بڑی چادر اوڑھے ہوئے، صرف سنہری

آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ سیدھی باران کے پاس آئی، جس نے مسکرا کر بازو پھیلاتے ہوئے اپنی لاڈلی کو اپنے حصار میں لے لیا۔

"باران، تم کو دیر ہو جائے گی، تم جاؤ، ارمان زارا کو لے جائے گا،" اسماہ خانم نے مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ باران نے سنجیدگی سے لب بھینچا، زارا کی کلائی تھامی، جو فوراً چادر سے چہرہ چھپا گئی۔

ایک بازو میں زرمینے کا سہارا اور دوسرے ہاتھ سے زارا کی کلائی پکڑے، باران دونوں کو لے کر باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی اسماہ خانم اور ارمان کی ہنسی نکل گئی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ باران بھی کبھی کبھار کسی سے جیلس ہو سکتا ہے، یہ بات انہیں پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اوپر ریلنگ کے پاس کھڑی سائرہ نے نفرت بھری نظروں سے سب کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا طوفان تھا کہ سب کچھ ہلا کر رکھ دیتا۔

"بھابھی، آپ آگے بیٹھو،" زرمینے نے جلدی سے پیچھے کا گیٹ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ زارا گھبرا کر باران کی طرف دیکھ رہی تھی، جو ڈرائیونگ

سیٹ پر بیٹھ چکا تھا، لیکن اس کی نظریں اس کے دل کی دھڑکن کو سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"لڑکی، جلدی بیٹھو!" باران کا لہجہ سخت اور حکم دینے والا تھا۔ اس کے لہجے میں نرمی کا کوئی شائبہ نہ تھا، جیسے وہ کسی احساس کو چھپانا چاہتا ہو یا خود کو کسی جذباتی کمزوری سے بچا رہا ہو۔ زارا چونک سی گئی، وہ بے اختیار قدم بڑھاتی گاڑی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ آج سے پہلے، اسے کبھی کسی نے یہ مقام نہیں دیا تھا ہمیشہ پیچھے، کنارے، خاموشی سے جیسے اس کی موجودگی بھی غیر ضروری ہو۔ اگلی سیٹ پر بیٹھنے کا احساس اس کے لیے نیا تھا، اجنبی، جیسے وہ کسی نئی دنیا میں قدم رکھ رہی ہو۔ وہ ابھی اپنی جگہ سنبھال ہی رہی تھی کہ باران کی بھاری آواز پھر گونجی،

"سیٹ بیلٹ لگاؤ۔" وہ خود اپنی سیٹ بیلٹ لگا چکا تھا، اور زارا کو ساکت دیکھ کر بولا۔ زارا نے نظریں چراتے ہوئے آہستگی سے کہا،

"وہ مجھے نہیں آتا۔" اس کی آواز اتنی مدھم تھی جیسے وہ ہوا سے بھی شرمندہ ہو، جیسے اس کی لاعلمی اس کی کم مائیگی کی گواہی ہو۔ باران نے ایک گہری سانس لے کر نفی میں سر ہلایا۔ اس

کے چہرے پر ناگواری یا طنز کا کوئی تاثر نہ تھا، بس ایک خفیف سا اکتاہٹ کا عکس، یا شاید افسوس کا۔ وہ اس کی طرف جھکا، اور نرمی سے سیٹ بیلٹ اس کے جسم کے گرد فٹ کر دی۔ زارا کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ ایک دم پیچھے ہوئی، جیسے اس کی قربت سے گھبرا گئی ہو۔ سانس روک کر ساکت بیٹھی رہی، جیسے حرکت کرنے سے اس لمحے کا اثر ٹوٹ جائے گا۔ باران نے ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کو دیکھا، جہاں پسینے کی بوندیں پیشانی پر چمک رہی تھیں خوف، گھبراہٹ، یا شاید نیا پن کی شدت۔ اس نے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کی، جیسے کچھ کہا نہیں مگر سب محسوس کر لیا ہو۔ انجن کی گھن گرج کے ساتھ گاڑی پورچ سے نکل گئی، اور زارا نے آہستگی سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔ ایک گہرا سانس لیا، جیسے اندر کا بوجھ کچھ کم ہوا ہو، گاڑی سڑک پر رواں ہو چکی تھی۔

☆..☆..☆..☆

"حرم، میں نے تم سے کہا تھا یہ مت کرنا لیکن تم ہو کہ کبھی میری بات سننے کی زحمت ہی نہیں کرتیں!" جیک کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر بل اور انگلیوں

کی جنبش صاف بتا رہی تھی کہ وہ کس کرب میں مبتلا ہے۔ وہ مسلسل پیشانی مسل رہا تھا جیسے ذہن میں اٹھتی الجھنوں کو کچلنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ دوسری جانب، حرم صوفے پر بے حسی کی مجسم تصویر بنی بیٹھی تھی۔

اس کی انگلیوں میں تھامی سگریٹ دھیرے دھیرے سلگ رہی تھی، اور وہ کش لینے کے بعد خلا میں جھانکتی جیسے کوئی پرانی یاد، کوئی گہرا دکھ یا شاید کوئی فیصلہ اسے اندر سے جکڑ رہا ہو۔

جیک کی آواز ایک بار پھر کمرے کی فضا چیر گئی، "چپ کیوں ہو؟ بتاؤ، اب کیا ارادہ ہے؟"

لیکن اگلے ہی لمحے جب حرم نے سرد اور گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا، تو جیک کی زبان خود بخود بند ہو گئی۔

"جیک تم کیوں بار بار بھول جاتے ہو کہ میں کون ہوں؟" اس کے لہجے میں ایک ایسی ٹھنڈی برف سی وحشت تھی جو روح میں اتر جائے۔ "کرسٹل کوئین ہوں میں، مافیا کی سفاک ملکہ، وہ عورت جس نے مجتوں کو ہمیشہ اپنی بندوق کی نالی کے نیچے روند ڈالا۔ میری مرضی کے بغیر کوئی مجھ سے کچھ نہیں کروا سکتا اور اب، اب مجھے اپنی بہن چاہیے، اور اس کے لیے اگر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مجھے اپنی جان بھی داؤ پر لگانی پڑی تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی!" وہ لفظ لفظ چبا چبا کر بولی، جیسے ہر جملے میں اپنے حوصلے کی دھار تیز کر رہی ہو۔ جیک نے ایک لمحے کو نظر جھکائی اسے اچانک یوں لگا جیسے وہ حرم سے نہیں، کرسٹل کوئین سے مخاطب ہو۔ ایک ایسی عورت سے جو خونی گلیوں میں پل کر، اپنی آنکھوں کی نمی کو بھی بارود میں بدل چکی تھی۔

"اس کا مطلب تم شاہ میر سے نکاح کر لو گی؟" جیک کی آواز میں شکستہ سا سوال تھا، جیسے وہ جاننا نہیں، بس سننا چاہتا ہو کہ وہ انکار کر دے۔ حرم نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکائے، "بالکل! میں ضرور نکاح کروں گی مسٹر میر سے آخر وہ ہے ہی میرا۔ مجھے اس کی زندگی میں داخل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن تم خود ہی دیکھ لو وہ تو دل تھال میں رکھ کر مجھے پیش کر رہا ہے۔ میں کیا کر سکتی ہوں؟" اس نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور پھر اسے ہوا میں اچھال دیا جیسے دل کے کسی احساس کو بے رحمی سے باہر پھینک دیا ہو۔

"تو مطلب تم اس کی زندگی برباد کر دو گی؟" جیک کے الفاظ جیسے دھماکہ تھے۔ حرم کچھ دیر خاموش رہی، شاید ضبط کے آخری کنارے پر کھڑی تھی۔ پھر ہلکی سانس کھینچ کر بولی، "میں

نہیں چاہتی تھی جیک، میں نے تو صرف نظر انداز کیا اسے، بار بار کیا لیکن وہ ہر بار میرے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ میرے لیے ایک ایسی گرہ بن گیا ہے جو کھلتی ہی نہیں۔" اس کے لب ہلے لیکن آواز دبی تھی، "میں جانتی ہوں کہ میں کسی کی زندگی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں۔ اسی لیے چاہتی تھی کہ تم مجھے روک دو، مجھے سمجھاؤ لیکن تم چپ رہے اور اب، جو کچھ بھی ہو گا، اس میں غلطی میری نہیں، مسٹر میر کی ہو گی۔" اس نے آنکھیں میچ کر حلق میں اترا آنسو ضبط کر لیا، "میں نے کبھی اس سے کچھ چھینا نہیں، لیکن وہ دل لے کر خود بار بار میرے قدموں میں آ گرتا ہے۔" اس کی آنکھیں اب بالکل بے تاثر تھیں، جیسے کسی مشین کی لیکن جیک جانتا تھا یہ صرف چہرہ تھا، روح شاید اب بھی کہیں رو رہی تھی۔

وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گیا۔ اس کی الجھنیں، سوال، اور دکھ سب وہ اپنے ساتھ لیے چلا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم نے اس کے جانے کا کوئی نوٹس نہ لیا یا شاید لینا ہی نہ چاہا۔ وہ بالکنی میں آ کر ٹھنڈی ہوا میں سگریٹ سلگانے لگی۔ نیچے بہتا دریا، اور اس کے اندر بہتی کشمکش ایک جیسی محسوس ہو رہی تھی۔ تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ حرم نے سگریٹ دریا میں پھینک دی۔

"Come in!" اس کی آواز میں وہی کرختگی تھی، مگر اندر کچھ لرز رہا تھا۔ دروازہ کھلا، اور شاہ میر داخل ہوا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ بالکنی میں کھڑی حرم پر پڑی، وہ سیدھا وہیں آ گیا۔

"حرم؟" اس کی آواز میں سوال نہیں، حیرت تھی محبت سے لپٹی حیرت۔ حرم تیزی سے مڑی، جیسے کسی خواب سے نکلی ہو۔ اسے یقین نہ آیا کہ وہ اس لمحے اس کے کمرے میں، اس کے اتنے قریب کھڑا ہے لیکن اگلے ہی پل، اس نے خود کو سنبھالا۔

"مسٹر میر، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" حرم نے بازو سینے پر باندھتے ہوئے آنکھیں نیم وا کیں، اور سپاٹ مگر گرفت لیے لہجے میں کہا۔ اس

کی آواز میں کوئی جذبات نہیں تھے لیکن وہ خالی بھی نہیں تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں بیٹھ سکتا ہوں؟" شاہ میر کے قدم کچھ لمحوں کو رک گئے، پھر وہ آہستہ سے بولا۔ حرم نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، پھر ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے صوفے کی جانب متوجہ کیا، وہ تقریباً شکر گزار سا انداز لیے فوراً بیٹھ گیا، جیسے کسی عدالت میں بیٹھنے کی اجازت ملی ہو۔ کمرے کی خاموش فضا کچھ لمحے گونگی رہی۔

"جی فرمائیے؟" پھر حرم نے بیزاری سے رخ پھیر کر کہا۔

شاہ میر جیسے لفظوں کو ترتیب دینے میں الجھ رہا تھا، وہ جو ہزار بار دل میں rehearse کر چکا تھا، اب زبان پر آتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔

"دراصل میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں سنجیدگی سے زیادہ جھجک تھی، جیسے وہ خود کو سامنے موجود عورت کے وقار کے سامنے بہت دبا ہوا محسوس کر رہا ہو۔

"پلیز آپ یوں نہ دیکھیں، میں اپنی بات بھول جاؤں گا۔" حرم نے ابرو چڑھائے، سوالیہ انداز میں دیکھا تو وہ فوراً بولا، یہ معصومیت، یہ ہلکی سی بے ساختگی ایک لمحے کو حرم کے ہونٹوں پر تبسم نے دستک دی، مگر اس نے خود پر قابو پا لیا، جیسے مسکراہٹ بھی کمزوری ہو۔ "آپ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہاں کیوں دیکھ رہے ہیں؟ میں تو یہاں ہوں!" شاہ میر کا معصوم سا جملہ حرم کے چہرے پر خفیف حیرت لے آیا۔ کیا واقعی ایک مرد، اتنا معصوم، اتنا بے تکلف ہو سکتا ہے؟ شاید محبت کے سامنے بڑے سے بڑا مرد بھی، ایک نادان لڑکا بن جاتا ہے۔

"مسٹر میر، آئی تھنک آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اس لیے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔" حرم کی آواز میں ہلکی چبھن تھی، اور نظر کچھ ایسی کہ جیسے وہ دل کے اندر اٹھتی لہر کو خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ شاہ میر خفیف سا ہنس کر نظریں جھکا گیا۔ پھر آہستگی سے کہنے لگا۔

"اصل میں میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا آپ واقعی اس رشتے سے خوش ہیں؟ کہ کہیں کوئی زبردستی تو نہیں؟"

حرم نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی، آنکھوں میں بجلی سی جھلکی، "مسٹر میر آپ اس غلط فہمی سے باہر نکل آئیں کہ کوئی مجھ سے زبردستی کر سکتا ہے۔ یہ سب میری اپنی مرضی سے ہو رہا ہے، اس رشتے میں میری پوری رضا شامل ہے۔" وہ لفظوں کو چبا چبا کر، نگاہیں اس کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے بولی۔ شاہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میر نے ایک لمحہ بھر کو ساکت ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانکا وہاں سختی تو تھی، مگر کہیں پیچھے ایک مدھم سی روشنی بھی تھی محبت کی ہلکی سی لو، جو ابھی پوری طرح ظاہر ہونے سے گھبرا رہی تھی۔ وہ آہستہ سے اٹھا، جیسے ایک بوجھ دل سے اتر گیا ہو۔

"تو پھر ٹھیک ہے ان شاء اللہ، ہماری اگلی ملاقات محرم بن کر ہو گی۔" شاہ میر کے لبوں پر ہلکی، باوقار سی مسکراہٹ تھی۔ یہ جملہ کسی اعلان کی طرح نہیں، بلکہ کسی دعائے دل کی طرح محسوس ہوا۔

اس کے جاتے ہی حرم صوفے پر بیٹھ گئی۔ کمرے میں سناٹا پھیل چکا تھا، لیکن اس کے اندر جیسے کوئی خوشبو پھیل گئی تھی۔ اس نے صوفے کی

پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں، اور لبوں پر بے ساختہ ایک حسین مسکراہٹ آ گئی۔ ایسی مسکراہٹ جو برسوں بعد کسی پرانی خزاں میں بہار کی پہلی کرن کی طرح اُتری ہو۔ اس کی ٹھوڑی پر ابھرتا وہ مدھم سا گڑھا برسوں سے چھپی ہوئی معصومیت اور نسوانیت

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کی وہ جھلک آج کھل کر سامنے آگئی تھی۔ وہ بھول گئی تھی کہ وہ "کرسٹل کوئین" ہے۔ وہ صرف حرم بن کر مسکرا رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

بالاج اور اشعر کی گاڑی اب سوات کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔ فضا میں خنکی تھی، سڑک کنارے سبز درختوں کی چھاؤں دھوپ سے چھن چھن کر گاڑی کے شیشوں پر پڑ رہی تھی۔ ان کا رخ اب لال حویلی کی جانب تھا، وہی لال حویلی جس کی تاریخ، لوگوں کے دلوں میں ابھی بھی سانس لیتی تھی، مگر اب اب وہ تاریخ بس مٹی میں دفن ہونے والی تھی۔

شیر خان کو دی گئی مہلت ختم ہو چکی تھی۔ حکم تھا "حویلی خالی کرو، مکمل طور پر۔" اور ایسا ہو بھی چکا تھا۔ لال حویلی کی ویران راہداریوں سے اب صرف خاموشی کی بازگشت سنائی دیتی تھی۔ بالاج کے ذہن میں اب صرف ایک خاکہ تھا ایک خوبصورت فارم ہاؤس کا، جہاں صبحیں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے جاگتیں اور شامیں پہاڑی ہواؤں کے سنگ سستانے آتیں۔ اشعر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، اور بالاج نیم دراز، سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے، آنکھیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بند کیے سفر کی خنکی کو محسوس کر رہا تھا، اچانک ایک تیز بریک نے سکوت کو توڑ ڈالا۔ بالاج کی آنکھیں کھلیں، ماتھے پر ہلکی سی تیوری آئی۔

"کیا ہوا اشعر؟ بریک کیوں ماری؟" اس نے سیدھا ہو کر باہر جھانکا۔ سامنے ایک گاڑی سڑک کو بلاک کر رہی تھی۔ اشعر نے اشارہ کرتے بتایا، "وہ سامنے والی گاڑی اچانک موڑ کاٹ کے بیچ میں آ گئی۔" بالاج کی نگاہ سامنے جا ٹھہری اور جیسے لمحہ تھم سا گیا۔ اس کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ایک سیاہ SUV سڑک کراس کر رہی تھی، اتفاق ایسا کہ گاڑی باران کی تھی، جو زارا اور زرمینے کو لے کر آ رہا تھا۔ باران نے جیسے ہی موڑ کاٹا، سامنے آتی گاڑی کو دیکھ کر فوراً بریک لگائی۔ زرمینے کا وجود ہلکے سے جھٹکے سے آگے کو آیا، مگر اگلے ہی لمحے سنبھل گئی۔ زارا بھی سہم کر پیچھے کو جھکی، مگر سیٹ بیلٹ نے حفاظت کی۔

"میری جان، تم ٹھیک ہو ناں؟" باران نے ایک نظر پیچھے مڑ کر زرمینے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی اور فکر تھی۔ زرمینے نے جلدی سے اپنی چادر سنبھالی، "جی لالا جان، میں ٹھیک ہوں۔" باران نے فوراً زارا کی جانب بھی دیکھا اس کا چہرہ خاموش، نظریں جھکی ہوئی، مگر چوٹ کا کوئی نشان نہ تھا۔ اسے اطمینان ہوا، لیکن چہرے پر سختی باقی تھی۔ تبھی سامنے والی گاڑی کا دروازہ کھلا، اور بالاج گاڑی سے باہر آ گیا۔ اس کی مسکراہٹ میں بلا کی خود اعتمادی اور پرانی پہچان کا سا رنگ تھا۔

باران کی آنکھوں میں اچانک ایک سختی کی لہر دوڑ گئی۔ چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ جانتا تھا یہ آمنا سامنا محض اتفاق نہیں، تقدیر کی چال ہے۔ بالاج نے بنا کسی جھجھک کے سیدھا باران کی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے۔ گاڑی کے شیشے پر انگلی کی ہلکی سی ٹک سے دستک دی۔ اسی لمحے باران کے پیچھے آنے والی گارڈز کی گاڑیاں بھی فوراً الرٹ ہو گئیں، اور دو گارڈز تیزی سے بالاج کی طرف لپکے۔ باران نے گہرا سانس لیتے ہوئے، کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور گارڈز کو ہاتھ

کے اشارے سے روک دیا۔ کیونکہ زارا اور زرمینے موجود تھیں ورنہ یہ وہ لمحہ تھا، جب وہ شخص، یہی بالاج باران کی بندوق کا پہلا نشانہ بنتا۔

"کیسے ہیں باران صاحب؟" بالاج نے اپنی مخصوص، چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اس کی نظریں باران کے تپتے ہوئے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے ہر بار کی طرح آج بھی وہ اسے سلگتے دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔ باران کی کنپٹی کی رگیں تن گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں بالاج کی موجودگی زہر کی طرح اتر رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میرے ہاتھ تمہارے چہرے کا نقشہ ہمیشہ کے لیے بدل ڈالیں!" باران کی آواز دھاڑ سے کم نہ تھی۔

بالاج نے بے پروائی سے کان کی لو کو انگلی سے سہلاتے ہوئے بیزاری سے کہا۔ "کیا ہے یار؟ آہستہ بولو، کوئی بیمار جاگ نہ جائے!" اس کے لہجے میں وہی پرانی شوخی تھی، جیسے وہ باران کا بچپن کا ہم جماعت ہو، جو جان بوجھ کر اس کا فیوز اڑانے آیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارا اور زرمینے کی نظریں خوف زدہ تھیں۔ وہ دونوں اندازہ لگا چکی تھیں کہ یہ صرف الفاظ کا تبادلہ نہیں، انا کی چنگاریوں سے بھرا کوئی پرانا حساب تھا۔

"ہیلو زاراڈیئر! کیسی ہو؟" بالاج کی یہ بے باک آواز جیسے بارود پر گرا دیا گیا دیا سلائی کا شعلہ ہو۔ باران کا چہرہ جیسے جلتا ہوا انگارہ بن گیا۔ اگلے ہی لمحے، اس کا مکہ بجلی کی تیزی سے بالاج کی سمت آیا لیکن بالاج نے مہارت سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر وہ وار خالی جانے دیا۔ وہ کوئی عام آدمی تو تھا نہیں، اس کے جسم میں تجربے کی چالاکی دوڑ رہی تھی۔

"او ہو، کیا ہو گیا ہے یار؟" بالاج نے شرارتی انداز میں بچوں کی طرح منہ بنایا۔ باران کے خون میں کھولتا غصہ اور بڑھ گیا۔

"اچھا اچھا، جا رہا ہوں بھائی! ایسا کیا جل گئے ہو؟ jealous مت ہو" بالاج نے ہاتھ بلند کرتے، شرارتی ہتھیار ڈالنے کے انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ باران گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے ہی والا تھا کہ بالاج پھرتی سے واپس اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ ہنوز مسکرا رہا تھا، ایک ایسی مسکراہٹ جو سیدھی باران کے صبر پر چھری کی طرح چل رہی تھی۔ باران نے اس کے جاتے چہرے کو آنکھوں میں جلا کر اتارا، پھر زارا کی جانب رخ موڑا۔ وہ بدستور ساکت بیٹھی تھی، لیکن اس کی آنکھیں اُس طرف دیکھ رہی تھیں جہاں بالاج کی گاڑی جا چکی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟ نیچے کرو نظریں!" باران نے غصے میں اس کا چہرہ تھاما اور اپنی جانب موڑ دیا۔ زارا گھبرا کر نظریں جھکا گئی، دل کی دھڑکن جیسے

رفتار پکڑ چکی تھی۔ اس ساری کشمکش کے درمیان، بالاج کی گاڑی پیچھے ہونے لگی۔ اشعر نے ایک نظر باران کو دیکھا، پھر گاڑی کو مہارت سے موڑا۔

"کیوں چھیڑ رہے تھے اسے؟" اشعر نے گرد اُڑاتے قافلے کو دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

بالاج نے نیم مسکرا کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور کہا۔ "پتا نہیں یار، بس اُسے چھیڑنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ عجیب سا سکون ملتا ہے۔" اشعر نے نفی میں سر ہلاتے ایک نظر بالاج کو دیکھا وہ چست بلیک ٹی شرٹ اور جیکٹ میں ملبوس، بے فکری سے بال ماتھے پر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گرائے بیٹھا تھا۔اس کے ہر انداز میں اک نخوت،اک جیت کا غرور چھپا تھا۔ حسن،طاقت، اور خود اعتمادی سب کچھ اس کے چہرے پر واضح لکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد،ان کی گاڑی لال حویلی کے سامنے آرکی۔بالاج آہستگی سے گاڑی سے اترا،اور ایک نظر پوری حویلی پر دوڑائی۔یہ پرانی، عظمت رسیدہ حویلی اب اس کے قدموں تلے آنے والی تھی۔وہ چاہتا تو اس مٹی سے شان و شوکت پھر سے اٹھا سکتا تھا لیکن اب وہ کچھ اور بنانے آیا تھا۔

ایک فارم ہاؤس ایک نئی سلطنت جو صرف اس کی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

سورج افق کی دہلیز پر آخری سانسیں لے رہا تھا۔پہاڑی راستوں پر شام کا سونا پھیلتا جا رہا تھا، جب بالاج اور اشعر،دن بھر کی مصروفیت کے بعد،بالاج کی زمینوں سے واپس حویلی کی طرف روانہ تھے۔گاڑی پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی سڑک پر خاموشی سے دوڑ رہی تھی، لیکن فضا میں ایک انجانی بے چینی گھلنے لگی تھی،ایسی بے چینی جو تجربہ کار دل فوراً بھانپ

لیتے ہیں۔ بالاج نے چھٹی حس پر بھروسہ کرتے ہوئے بیک ویو مرر پر نگاہ ڈالی، پیچھے تین گاڑیاں تھیں۔ ایک خاص فاصلے پر، ایک جیسے انداز میں حرکت کرتی ہوئی، جیسے ان کا تعاقب کیا جا رہا ہو۔ وہ اچانک نہیں آئیں، وہ چھپی دشمنی کے ساتھ خاموشی سے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

"اشعر..." بالاج نے آہستگی سے کہا، آواز میں وہ سختی تھی جو طوفان سے پہلے خاموشی میں ہوتی ہے۔ اشعر نے گردن موڑی۔ بالاج پہلے ہی ڈیش بورڈ سے ہینڈ گن نکال چکا تھا، گولی لوڈ کرتے ہوئے اُس نے مرر کی طرف اشارہ کیا۔ اشعر نے بغیر کوئی سوال کیے ایک نظر پیچھے ڈالی، اور سب کچھ سمجھ گیا۔

"کتنے ہوں گے؟"

"تین گاڑیاں، ہر گاڑی میں کم از کم چار مسلح افراد۔" بالاج کا انداز حسابی تھا، جیسے میدانِ جنگ کا نقشہ ذہن میں کھینچ چکا ہو۔ راستہ خطرناک تھا۔ دائیں طرف سیدھی کھائی، بائیں طرف چٹانیں۔ لڑنے کی جگہ کم، بھاگنے کا موقع نہ ہونے کے برابر۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تبھی ٹھک! پہلی گولی ان کی گاڑی کے پیچھے شیشے پر لگی۔ اگر گاڑی بلٹ پروف نہ ہوتی تو شاید وہ لمحہ آخری ہوتا۔ اشعر نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی، لیکن دشمنوں کی گاڑیاں اور قریب آ رہی تھیں۔

"ٹائروں پر نشانہ لے رہے ہیں..." بالاج بڑبڑایا، اور جیسے ہی دوسری گولی پیچھے کے ٹائر پر لگی، گاڑی جھٹکے سے لڑکھڑائی۔ پہیے نے ایک تیز چیخ ماری، اور گاڑی سڑک پر ڈولنے لگی۔

بالاج نے خود کو کھڑکی سے باہر نکالتے ہوئے پیچھے والی گاڑی پر فائر کیا، پہلا ہی نشانہ سیدھا ڈرائیور کے ماتھے پر بیٹھا۔ گاڑی تیزی سے ایک طرف لڑھکی اور چٹان سے ٹکرا کر رُک گئی لیکن باقی دشمن اب کھل چکے تھے، اندھا دھند فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ بالاج ایک ماہر شوٹر تھا، اس کی ہر گولی کسی نہ کسی کا اختتام ثابت ہو رہی تھی۔ اشعر بمشکل گاڑی کو قابو میں رکھے ہوئے تھا، لیکن آخری وار انتہائی خطرناک نکلا۔ ایک گاڑی نے پوری رفتار سے ان کی گاڑی کو ٹکر ماری۔ گاڑی توازن کھو بیٹھی، بل کھاتی، لڑھکتی، پلٹتی ہوئی راستے کے کنارے سے نیچے لڑھکنے لگی۔ آخری لمحے پر، بالاج اور اشعر کود گئے۔ زمین سخت تھی، بے رحم تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بالاج کا دایاں بازو رگڑ کھا کر بری طرح زخمی ہو گیا، جبکہ اشعر کا سر ایک نوکیلے پتھر سے ٹکرا گیا۔ لمحے بھر میں اس کی پیشانی سے بہتا خون اس کے چہرے کو سرخ کر چکا تھا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ بالاج نے خون میں لتھڑے اشعر کو دیکھا، اور وقت جیسے تھم گیا۔ اگلے لمحے، اس کی آنکھوں میں وہ جنون اترا، جو صرف وہی لوگ دکھاتے ہیں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا چکے ہوں۔

اس نے گن سنبھالی ہر آنے والے دشمن کو گولی ماری، ایک ایک کو دل، سر، گردن، اس کے نشانے موت سے کم نہ تھے۔ چند منٹ میں لاشیں بکھر چکی تھیں۔ بالاج، جو خود درد سے دہرا ہو رہا تھا، ان سب لاشوں کو گھسیٹ کر کھائی میں پھینکتا گیا۔ وہ صرف دشمن کو نہیں مارتا تھا، وہ ان کا وجود، ان کا نشان مٹا دیتا تھا۔ جب آخری لاش بھی غائب ہوئی، وہ لڑکھڑاتا اشعر کے پاس آیا۔ اشعر کا جسم اب بھی گرم تھا، لیکن وہ مکمل بے ہوش تھا۔ بالاج نے دور ایک عمارت دیکھی شاید تین کلومیٹر دور۔ ہو سکتا ہے وہ اسپتال ہو اور اگر نہ ہوا، تو وقت پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ اس نے اشعر کو زخمی کندھے پر ڈالا۔ درد کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی،

لیکن وہ خاموش رہا۔ اس کی سانسیں بھاری تھیں، خون مسلسل بہہ رہا تھا۔ مگر وہ رکا نہیں۔ قدم قدم پر زمین تھمتی، مگر وہ چلتا رہا اشعر کے لیے، بھائی کے لیے۔

"سر!" وارڈ بوائے دوڑتا ہوا اسٹریچر لیے بالاج کے پاس آیا۔ اشعر کے بازو سے خون بے تحاشا بہہ رہا تھا اور سفید، چمکدار ہسپتال کے فرش پر سرخ دھبے بن رہے تھے۔ اس کے چہرے اور گردن پر ہلکی پھلکی خراشیں بھی تھیں، مگر سب سے بڑا مسئلہ خون کا تیز بہاؤ تھا۔ بالاج نے فوراً اشعر کو اسٹریچر پر لٹایا اور وارڈ بوائے کے ساتھ ایمرجنسی کی طرف بڑھا۔

"سر، آپ کو فوری بینڈیج کی ضرورت ہے، خون روکنا ہوگا۔" ایک ڈاکٹر فوراً اس کے قریب آیا۔ بالاج نے غصے سے اس ڈاکٹر کو گھورا اور فوراً اس کا کالر پکڑ لیا۔

"جا کر اس کا علاج کرو۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے!" بالاج کی آواز میں ایک شدت تھی جو سن کر وہاں موجود لوگ کانپ اٹھے۔

"مسٹر، چھوڑیں انہیں یہ کیا بدتمیزی ہے!" ایک نسوانی، مگر باوقار آواز فضا میں گونجی۔ بالاج نے چونک کر گردن موڑی، آنکھیں سکیڑ کر اس چادر میں لپٹی، نازک سی لڑکی کو دیکھا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس کی شہد رنگ آنکھوں میں غصے کی سختی اور پیشہ ور وقار ایک ساتھ جھلک رہا تھا۔ وہ عام سی لڑکی نہیں لگتی تھی، لیکن انداز میں ایک پروفیشنل اعتماد تھا جو کم کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ بالاج کی نگاہ اس کے چہرے پر کچھ پل کے لیے ٹھہری جو نقاب میں چھپا ہوا تھا، جیسے وہ لمحے بھر کو حیرت میں آ گیا ہو۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنے اصل رنگ میں لوٹا، اور جھٹکے سے ڈاکٹر کا گریبان چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر نے جیسے موقع پایا، فوراً وہاں سے کھسک لیا۔

"کیا مسئلہ ہے آپ کو؟" لڑکی نے سنجیدگی سے، مگر دبے دبے غصے میں پوچھا۔ اس کے لہجے میں وہ ٹھہراؤ تھا جو خود پر قابو رکھنے والے لوگوں میں ہوتا ہے۔ بالاج نے بھنویں چڑھائیں، انداز خاصا بے نیازی بھرا تھا۔

"یہ سوال تم سے نہیں بنتا۔"

وہ اب بھی اسی غصے میں، مگر مہذب انداز میں بولی، "یہی بات میں بھی آپ سے کہہ سکتی ہوں، لیکن یہ ہسپتال ہے، اور یہاں آواز نیچی رکھ کر بات کی جاتی ہے۔ آپ کو سمجھ آنا چاہیے۔" اس نے بات مکمل کی، اور قدرے طنزیہ انداز میں مڑنے لگی لیکن کچھ قدم چل کر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جیسے کچھ یاد آ گیا ہو، وہ اچانک پلٹی اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی، "اور ہاں اگلی بار کسی سے یوں بد تمیزی کرنے سے پہلے یاد رکھیے گا کہ یہاں سب کے اپنے اصول اور حدود ہوتی ہیں، اور ان کا احترام کرنا سیکھنا چاہیے اور اس کی بینڈ یج کروا لیجیے۔ بہت خون بہہ رہا ہے۔" لڑکی نے سپاٹ مگر پروفیشنل لہجے میں کہا اور پلٹ کر اپنے کیبن کی طرف قدم بڑھا دیے۔ بالاج نے اس کے لہجے کی سنجیدگی اور برتاؤ میں چھپی سختی کو محسوس کیا، مگر کچھ کہے بغیر بس اسے جاتے دیکھا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ ایک نرس ہڑبڑاتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔

"ڈاکٹر گل، پلیز ایک بار پیشنٹ کو دیکھ لیں، حالت کافی خراب ہے۔" پری گل نے پیشانی پر بل ڈالے نرس کی طرف دیکھا، پھر بے چینی سے نظریں ایمرجنسی کی سمت دوڑائیں۔

"میل ڈاکٹرز کہاں ہیں؟" اس کی آواز میں ناگواری تھی۔ بالاج، جو تھوڑے فاصلے پر کھڑا سب سن رہا تھا، اب حیرت سے اس چادر میں ملبوس لڑکی کو مزید غور سے دیکھنے لگا۔ اسے اب یقین ہونے لگا تھا کہ وہ صرف ڈاکٹر ہی نہیں، بلکہ اپنی جگہ اصولوں پر سختی سے قائم بھی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نرس نے مدھم آواز میں اطلاع دی، "ڈاکٹر حسن اور ڈاکٹر زارون او ٹی میں مصروف ہیں، ایک اہم سرجری چل رہی ہے، کچھ دیر لگے گی۔"

"شزا یا نشا سے کہیے، آپ جانتی ہیں میں میل پیشنٹس کو ڈیل نہیں کرتی۔" پری گل نے اضطراب سے لب بھینچے، اور جیسے خود کو یاد دلایا۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا، جیسے معاملہ ختم ہو چکا ہو۔

بالاج کا صبر اب لبریز ہونے لگا۔ وہ جو ابھی تک خاموشی سے حالات دیکھ رہا تھا، اب تپ کر اس کے قریب آ گیا۔

"اگر میرے بھائی کو کچھ ہوا تو میں اس ہاسپٹل کو آگ لگا دوں گا، ڈاکٹر!" جبڑے بھینچے، آنکھوں میں دہکتے غصے کے ساتھ وہ گرجا۔ اس کی

دھاڑ پر ارد گرد کھڑے لوگ چونک اٹھے۔ پری گل، جو اپنی نرم مزاجی کے لیے جانی جاتی تھی، اس شدت اور جارحیت پر ٹھٹک گئی۔ ایک لمحہ کے لیے اس کا وجود کانپ سا گیا، مگر فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ وہ پیچھے ہٹنے والی نہیں تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ کیا بے ہودگی ہے؟" وہ اس کے غیر ضروری قریب آنے پر غصے سے بولی، اور پل بھر کو لگا جیسے وہ اس چہرے کو پہچانتی ہو، مگر یادداشت ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"ڈاکٹر اپنی حد میں رہو۔" بالاج کی آواز سرد تھی، دھمکی سی۔

"ورنہ؟" پری گل کی آواز اب بھی مستحکم تھی، آنکھوں میں واضح چیلنج تھا۔

"ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" اس نے شہادت کی انگلی اس کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا، جیسے فیصلہ سنا دیا ہو۔ اسی لمحے ایک نرس لپک کر پری گل کے قریب آئی، اس کے کان میں جھک کر کچھ کہا، جس پر اس نے تھکے ہوئے انداز میں گہرا سانس بھرا۔

"ڈاکٹر، پیشنٹ کی حالت واقعی تشویشناک ہے، پلیز" پری گل پلٹ کر ایک آخری بار بالاج کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی نہیں، فرض کا تقاضا تھا۔ آج اسے اپنا اصول ایک طرف رکھنا پڑ رہا تھا، کیونکہ کسی کی زندگی اب اس کے فیصلے پر منحصر تھی۔ بغیر کچھ کہے وہ ایمرجنسی کی طرف تیز قدموں سے بڑھ گئی۔ مگر جیسے ہی وہ دروازے کی دہلیز پار کرنے لگی،

کسی نے پکارا "ڈاکٹر گل، آپ کہاں جا رہی ہیں؟" زارون، جو ابھی آپریشن تھیٹر سے نکلا تھا، پری گل کو ایمرجنسی کی طرف جاتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکا۔

"شکر ہے زارون، تم آ گئے" اس کے لہجے میں سکون سا اتر آیا۔

"ایک پیشنٹ کی حالت بہت خراب ہے، اور کوئی میل ڈاکٹر موجود نہیں، میں مجبوراً جا رہی تھی۔ پلیز تم ذرا دیکھ لو۔" زارون نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے، میں دیکھ لیتا ہوں۔ آپ کیبن میں واپس جائیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بالاج کی طرف دیکھا، جو تب تک خاموشی سے کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھما ہوا تھا، لیکن ساتھ میں پری گل اور زارون کی بے تکلفی کو بھی ایک خاص نگاہ سے نوٹ کیا تھا۔ پری گل، بنا کچھ کہے، پلٹی اور کیبن کی طرف چلی گئی۔ زارون فوراً ایمرجنسی کی طرف بڑھا، اور وہاں کے عملے کو الرٹ انداز میں ہدایات دینے لگا۔ بالاج کا بازو اب بھی بری طرح زخمی تھا، خون اس کے کپڑوں کو تر کر رہا تھا۔ وہ پاس رکھی بینچ پر جا بیٹھا، گردن پیچھے ٹکا دی، آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تھک گیا تھا جسم سے بھی، اور دل سے بھی۔

اشعر مطلب بالاج اور بالاج مطلب اشعر۔ دونوں ایک دوسرے کا وہ سایہ تھے، جو صرف روشنی میں نہیں، اندھیروں میں بھی ساتھ ہوتا ہے۔ برے دنوں کا ساتھی ہونا، اصل رشتہ ہوتا ہے اور اس وقت وہ اپنے واحد رشتے کو بچانے کے لیے خود کو بھول چکا تھا۔

"پیشنٹ اشعر کے ساتھ کون ہے؟" زارون ایمرجنسی سے نکلتے ہی استقبالیہ کی سمت بلند آواز میں بولا۔ اس کی پیشانی پسینے سے نم تھی، اور

آنکھوں میں تھکن کے ساتھ ایک پیشہ ورانہ سنجیدگی جھلک رہی تھی۔ اس کی آواز سنتے ہی بالاج، جو پاس ہی بنچ پر نیم دراز آنکھیں موندے بیٹھا تھا، فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور چند لمبے قدموں میں اس کے قریب آ گیا۔

"کیسا ہے اشعر؟" اس نے بے قراری سے پوچھا، اس کی آواز میں اضطراب اور آنکھوں میں پریشانی واضح تھی۔

زارون نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا تو پہچان گیا۔ یہ وہی تھا، وہی شخص جو چند دن قبل زارون کی حویلی میں بنا اطلاع داخل ہو گیا تھا۔ زارون کے چہرے پر لمحوں میں ناگواری

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پھیل گئی،اور نظریں سخت ہو گئیں۔بالاج نے اس کے بدلتے تاثرات بھانپ لیے تھے۔ وہ غصے کی بجائے اب فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

"منہ بگاڑنے کا وقت نہیں ہے۔بس اشعر کے بارے میں بتادو،"اس نے نرمی سے لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

"آواز نیچی رکھو،یہ اسپتال ہے۔"زارون نے ہونٹ سختی سے بھینچے اور قدرے جھنجھلاہٹ سے بولا۔

بالاج نے اب کے بار دانت پیس کر آواز مدھم کی،مگر شدت برقرار تھی۔"اشعر کی حالت بتاؤ،بس۔"

زارون نے اس کی آنکھوں میں جھانکا،جہاں غصہ بھی تھا،اور بے بسی بھی۔وہ خاموشی سے گہری سانس لے کر بولا،"اب وہ خطرے سے باہر ہے۔سر پر گہری چوٹ آئی تھی،سولہ ٹانکے آئے ہیں۔دو دن یہاں رکھا جائے گا،پھر ڈسچارج کر سکتے ہو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بالاج نے جیسے ایک لمحے کو شکر کا سانس لیا۔ کندھوں کی سختی کچھ کم ہوئی،اور نگاہوں سے ایک بوجھ سا اترا۔ زارون کی نظریں اب اس کے زخمی بازو پر پڑی،جہاں کپڑے خون میں بھیگے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا تمہیں؟" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔ بالاج نے ایک پل کو اپنا بازو دیکھا،اور ٹھنڈی سانس خارج کی۔

"گولی لگی ہے۔" زارون کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"گولی؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ اور تم اب تک بینڈیج بھی نہیں کروائی؟ تمہیں اندازہ ہے انفیکشن پھیلنے پر بازو کاٹنا بھی پڑ سکتا ہے؟" بالاج نے اس کی جھڑکیاں سن کر محض بے نیازی سے سر ہلایا،جیسے یہ باتیں کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی ہوں۔

"یہ سب کہنے کا فائدہ؟ جو ہونا تھا،ہو چکا۔" زارون نے تپ کر دانت پیسے۔

"ایسا لاپروا انسان میں نے نہیں دیکھا۔ چلو میرے ساتھ،فوراً بینڈیج کرواتے ہیں!" اس بار وہ مزید کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ بازو تھام کر اسے وارڈ کی طرف دھکیلنے لگا۔ بالاج نے

پہلے تو مزاحمت کی، مگر زارون کی سخت نظریں اور ڈاکٹر کی ذمہ داری سے بھری آواز سن کر خاموشی سے اس کے ساتھ چل دیا۔ زارون کے دل میں اب جو غصہ تھا، وہ کم ہو رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ شخص سخت ضرور ہے، مگر اپنے رشتوں کے لیے حد سے گزرنے والا انسان ہے اور شاید غلطی ان کی بھی تو تھی جو کسی کی منگیتر کو زبردستی اپنی حویلی لائے تھے۔

بالاج، جو اپنے اندر سلگتے غصے، بے چینی اور تکلیف کو روکے بیٹھا تھا، اب اشعر کے محفوظ ہونے کی خبر سن کر جیسے تھوڑا ڈھیر ہو گیا تھا۔ اب

اُسے اپنی تکلیف کا احساس ہونے لگا تھا، جو پہلے درد کے آگے دب گئی تھی۔ اس کے قدم بوجھل تھے، اور بازو کی ٹھیس اب پوری شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ دیکھو" زارون نے خاموشی سے بالاج کے سویٹر کی آستین کو کینچی سے چاک کرتے ہوئے بازو پر گہری نظر ڈالی۔ زخم کی جگہ ارد گرد سے نیلا پڑ چکی تھی اور جلد پر سوجن واضح تھی۔

بالاج نے ایک سرسری سی نگاہ اپنے زخم پر ڈالی، پھر نظریں اٹھا کر زارون کی طرف دیکھا، جو اب بڑی مہارت سے گولی والے مقام کے پاس لوکل اینستھیزیا کا انجیکشن لگا رہا تھا۔ وہ

بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا جیسے زخم سے زیادہ کسی شخص کی برداشت کو پرکھ رہا ہو۔ جب اس نے تھوڑا سا دباؤ ڈال کر تسلی کر لی کہ جلد سن ہو چکی ہے، تو مخصوص میڈیکل انسٹرومنٹ سے زخم میں دھنسے فائر کے ٹکڑے کو نکال لیا۔ بالاج نے اپنی آنکھیں حیرت سے کچھ پھیلائیں۔ نہ کوئی چیخ، نہ تکلیف کی لہر کچھ بھی تو محسوس نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس کے زخم کا علاج درد کے بغیر کیا تھا۔ ورنہ وہ اور اشعر، جنگلوں میں یا چھتوں پر، چاقو یا ہتھیار سے خود ہی گولی نکالا کرتے تھے، ہونٹوں کو خون کرنے تک دبا کر۔

زارون اب گولی کو ڈسپوز کر رہا تھا اور antiseptic لگا کر زخم صاف کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم نے پوچھا تک نہیں، گولی کیسے لگی؟" بالاج کی آواز میں نہ جذبات تھے، نہ حیرت بس ایک ہلکی سی تجسس۔ زارون کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ سی ابھری، "یہ سوات ہے، یہاں تو شام کا سورج بھی کبھی کبھار فائرنگ کی آواز کے بغیر غروب نہیں ہوتا۔" پھر تھوڑا توقف کے بعد، قدرے طنزیہ لہجے میں بولا، "اور ویسے بھی، جتنا تمہیں لڑنے کا شوق ہے یہ تو ہونا ہی تھا۔" اشارہ باران سے ہونے والی اس کی لڑائی کی جانب تھا جب وہ دونوں ایک دوسرے کو

بھولنے کے بجائے بگاڑ بیٹھے تھے۔ بالاج نے بے اختیار بھنویں اچکائیں، جیسے زارون کی اس چھپی ہوئی طنزیہ ذہانت کو داد دے رہا ہو۔

زارون نے زخم پر بینڈیج کرتے ہوئے ایک پین کلر اور ساتھ پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔ بالاج نے خاموشی سے دونوں نگل لیے شاید اس خدشے کے تحت کہ کہیں زارون اب لیکچر نہ شروع کر دے۔

"چلو اب کچھ دیر آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو وارڈ بوائے کو کہہ دینا۔" زارون نے کچھ پل اُسے دیکھا، پھر سنجیدگی سے بولا۔ یہ کہہ کر وہ پرسکون انداز میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ اتفاق سے اُس وارڈ میں بالاج کے علاوہ اور کوئی مریض نہیں تھا۔

خاموشی نے کمرے کو گہری گرفت میں لے رکھا تھا۔ دیوار پر لگی دل کی دھڑکن کی لائن ہلکی سی آواز میں زندگی کی موجودگی کا ثبوت دے رہی تھی۔ بالاج نے اپنی پشت بیڈ کے سرہانے سے ٹکائی، آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تھکا ہوا تھا، جسمانی زخموں سے زیادہ ذہنی تھکن سے چُور۔ آج ایک اور دن بچ گیا تھا بس یہی کافی تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

☆..☆..☆..☆

"السلام علیکم" پری گل نے سلام کی آواز پر سر اٹھائے اپنے کیبن میں داخل ہوتے باران کو دیکھا جس کے پیچھے ہی زارا بھی چادر میں لپٹی چلی آ رہی تھی۔ وہ فوراً اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"وعلیکم السلام لالا۔ آپ لوگ یہاں۔ سب خیریت؟" پری گل نے باران کو دیکھتے ہوئے پوچھا جو کرسی پر آرام سے بیٹھ چکا تھا۔ البتہ زارا اب تک سر جھکائے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سب خیریت ہے بچے۔ بخار ہے اسے تو ذرا چیک کر لو۔" باران پرسکون لہجے میں کہتا موبائل میں مصروف ہو گیا تو پری گل نے زارا کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر وہ نروس سی ہوتی بیٹھ گئی۔

"بھابھی آپ کو ایک سو تین بخار ہے، میں آپ کو میڈیسن لکھ کر دے رہی ہوں اسے دودھ کے ساتھ کھا لیجیے گا، ان شاء اللہ کل تک افاقہ ہو جائے گا۔" پری گل نے زارا کا چیک اپ

کرتے کاغذ پر چند سطریں گھسیٹتے ہوئے وہ پرچہ زارا کی جانب بڑھایا جسے وہ ہاتھ بڑھا کر تھام گئی۔

"لالا آپ بتائیں کیا منگواؤں آپ کے لیے؟ چائے، کافی کچھ؟" پری گل نے ریسیور اٹھاتے باران سے پوچھا جس نے موبائل سے سر اٹھاتے زارا کو دیکھا جو پرچے پر لکھی سطر کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"بچے اس کی ضرورت نہیں ہے، ہم بس چلیں گے۔" باران نے کرسی سے کھڑے ہوتے شال کو کندھوں پر جھٹک کر درست کیا۔

"ارے لالا لیکن کچھ تو لیں نہ۔" پری گل نے دوبارہ اصرار کیا۔

"بچے اسے حویلی چھوڑتے مجھے مینے کو کالج سے واپس پک کرنا ہے، ٹائم ہوتا تو ضرور رکتا۔" باران نے نرمی سے کہتے پری گل کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے باہر کا رخ کیا جس کے پیچھے ہی زارا بھی چل پڑی۔ اسی لمحے زارون، جو کسی پیشنٹ کا معائنہ کر کے راہداری سے گزر رہا تھا، ان دونوں پر نظر پڑتے ہی ان کی طرف لپکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے واہ، لالا آپ یہاں؟ اور بھابھی بھی؟ خوش آمدید!" اس کی مسکراہٹ میں شرارت کی جھلک تھی۔

"ہاں، اسے لایا تھا، طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" باران نے حسبِ معمول سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اوہ تو سب خیر ہے؟ یا کوئی خوش خبری؟" زارون نے آنکھ دبائی تو باران نے اس پر ایک گھوری سے نوازا کہ وہ لمحہ بھر کو سنبھل گیا۔ زارا کچھ سمجھی نہیں، وہ کبھی باران کو، کبھی زارون کو دیکھ رہی تھی۔

"تم ادھر آؤ۔" باران نے زارون کو نظر انداز کرتے ہوئے زارا کا ہاتھ تھاما اور اسے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ زارون نے پریشانی سے گردن کھجائی، پھر ارد گرد دیکھا کہ کسی نے اس کی "شرمندگی" تو نہیں دیکھ لی۔ خدا کا شکر کہ راہداری اس وقت تقریباً خالی تھی۔ بے بسی سے سر جھٹکتے وہ بھی اپنے کیبن کی طرف پلٹ گیا، دل میں سوچتا کہ باران کا مزاج برداشت کرنے کے لیے بھی کوئی اسپیشل اعصاب چاہییں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران زارا کا ہاتھ تھامے راہداری عبور کرتا ہوا پارکنگ کی طرف بڑھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر اُس نے فرنٹ دروازہ کھول کر پہلے زارا کو اندر

بٹھایا، پھر اپنی جانب کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے ہی والا تھا کہ زارا نے جھجکتے ہوئے اپنی ہتھیلی میں دبی ہوئی وہ دوائی پرچی باران کی جانب بڑھا دی، جو پری گل نے دی تھی۔

"سائیں، یہ دوا۔"

باران نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا، پھر اس کاغذ کو، جو اب خاصی بے حال حالت میں تھا۔ چند بار تہہ کیا گیا، کچھ سروں سے مڑا ہوا، اور کچھ سلوٹوں سے بھرپور۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ زارا نے اسے سنبھالنے کے بجائے دبائے رکھا تھا۔ زارا، جو خود بھی باران کی نگاہوں کے تعاقب میں تھی، فوراً شرمندہ سی ہوئی اور اس پرچی کو سیدھا کرنے لگی، جیسے خود کو اُس کی نگاہ میں بہتر ثابت کرنا چاہتی ہو۔ باران نے خاموشی سے ایک گہری سانس لی، پھر نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر پرچی اس کی گرفت سے لے لی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لاؤ، میں لے آتا ہوں۔" اس کے لہجے میں وہی شائستگی تھی جو ناراضگی سے جنم لیتی ہے۔ زارا کی کلائی کو چھوتے ہی اُسے اس کے بخار کی شدت کا اندازہ ہو گیا تھا اس لیے اُس کا دل نہ مانا کہ وہ کسی سخت لہجے کا سہارا لے۔ شال دوبارہ کندھوں پر ڈالتے باران گاڑی سے اُترا اور فارمیسی کی طرف بڑھ گیا۔ زارا خاموشی سے اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ وہی شخص، جو اس کی زندگی میں ایک سایے کی طرح چھا گیا تھا، اب اُس کی نظروں سے بھی اوجھل ہو رہا تھا۔

گاڑی کے شیشے دھندلے تھے، باہر کی روشنی کچھ ماند، اندر کا ماحول بوجھل۔ زارا نے چادر تھوڑی سی پیچھے کی، بیک ویو مرر کو نیچے جھکایا، اور اپنا چہرہ بغور دیکھا۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی، آنکھیں بجھی بجھی، اور ان کے نیچے سیاہ حلقے واضح تھے۔ اُس کی نگاہیں خالی تھیں، جیسے کسی انجانی خلا میں جھانک رہی ہوں۔

"میں کیا واقعی اتنی بدصورت ہوں؟" یہ سوال اُس کے ذہن میں گونجا، جیسے کوئی پرانی آواز لوٹ کر آ گئی ہو۔ حبہ خانم کی وہ سخت باتیں، وہ تلخ لہجے، اور وہ خاموش طعنہ زن نظروں نے جیسے اُس کے باطن میں ایک مستقل زخم چھوڑ دیا تھا، جو وقت کے ساتھ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

اب باران اُسے کچھ نہیں کہتا تھا، لیکن یہی خاموشی اُسے اندر سے کھا رہی تھی. جس نرم لہجے میں وہ آج سائرہ سے بات کر رہا تھا، وہ لہجہ زارا کے حصے میں کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے زارا کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس نے چادر کے پلو سے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں، خود کو سنبھالا، اور پھر چہرہ ڈھانپ لیا باران واپس آ رہا تھا۔

"یہ لو۔" باران نے گاڑی کا دروازہ کھولا، اندر بیٹھتے ہوئے دوا کا شاپر زارا کی طرف بڑھایا۔ زارا نے خاموشی سے شاپر تھاما، اور اسے اپنی گود میں رکھ لیا۔ دونوں کے درمیان ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ باران نے گاڑی اسٹارٹ کی، اور وہ ہسپتال کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

گاڑی کا رخ خان حویلی کی جانب تھا۔ باران نے پریشے کو کالج سے لینے کے لیے وقت بچانا تھا، لیکن اُس کا دھیان مسلسل زارا کی طرف کھنچ رہا تھا۔ وہ کافی دیر سے محسوس کر رہا تھا کہ زارا اسے چور نظروں سے دیکھ رہی ہے، جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو، پر لفظ نہیں مل رہے ہوں لیکن باران نے کچھ نہیں کہا، کبھی کبھی خاموشی ہی سب سے بڑا سوال بن جاتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گاڑی آہستگی سے خان حویلی کے پورچ میں داخلی دروازے پر رکی۔ زارا نے شاپر اپنی گود سے اٹھا کر سنبھالا، دروازہ کھولا اور دھیرے سے باہر قدم رکھا۔

"جا کے آرام کرو، دوا وقت پر لینا۔ میں مینے کو لینے جا رہا ہوں۔" باران کا لہجہ نرم مگر مختصر تھا۔ نہ کوئی سوال، نہ کوئی تسلی۔ زارا نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا، وہ پہلے ہی نظروں کا رُخ موڑ چکا تھا۔ اگلے ہی پل گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور سیاہ رنگ کی SUV گیٹ سے باہر نکل گئی۔ زارا وہیں کچھ دیر کھڑی رہی، جیسے اپنی جگہ ساکت ہو گئی ہو۔

کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی گہری خاموشی اسے ایک بار پھر لپٹ گئی۔ وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے تک پہنچی، جیسے ہر زینہ اس کے دل کی حالت کا بوجھ محسوس کر رہا ہو۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے شال اتاری، اور دبے قدموں کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ باہر دھوپ ہلکی تھی، لیکن روشنی آنکھوں کو چبھتی سی لگ رہی تھی۔ اُس کی نگاہیں دور اُس سمت جا ٹکیں جہاں سے ابھی باران گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ میرے قریب ہو کر بھی مجھ سے اتنا دور کیوں ہے؟" ایک سوال نے اُسے اندر سے کچوکے لگائے۔ وہ خود سے لڑنے لگی کبھی خود پر غصہ، کبھی باران سے شکایت، کبھی اپنی تقدیر سے گلہ۔ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی۔ شیشے میں خود کو دیکھا۔

"یہ میں ہوں؟" اسے لگا جیسے وہ چہرہ کسی اور کا ہے جیسے زاراخان کہیں کھو چکی ہو۔ دوا کاشا پر میز پر رکھتے وہ چپ چاپ بستر پر بیٹھ گئی۔ بخار سے بدن تھکا ہوا تھا، لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور۔ دل چاہا، کاش وہ باران سے کچھ کہہ پاتی، کاش وہ ایک بار اسے دیکھ کر پوچھ لیتا کہ وہ کیسی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دوسری طرف، باران کی گاڑی کالج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ گاڑی میں مکمل خاموشی تھی، لیکن باران کا دماغ شور سے بھرا ہوا تھا۔

"یہ لڑکی، اتنی خاموش کیوں ہے؟ آخر اسے کیا کھل رہا ہے؟" اس نے پچھلے کچھ دنوں کے مناظر ذہن میں دُہرائے، زارا کی بجھی ہوئی آنکھیں، اُس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ، اور آج اُس کی نظریں جو بار بار اُسے دیکھ کر جھک جاتی تھیں۔

"میں کچھ غلط تو نہیں کر رہا یا شاید میں کچھ کرنے میں دیر کر رہا ہوں؟" وہ جانتا تھا کہ زارا حساس ہے، معصوم ہے اور کم عمر بھی لیکن اُس کی زندگی اتنے سخت موڑ سے گزری تھی کہ نرمی اس کے لہجے سے چھٹنے لگی تھی۔

"نہ میں اُس سے نفرت کرتا ہوں، نہ محبت کرتا ہوں، سمجھ نہیں آتا کیا ہو رہا ہے۔" وہ خود کو الجھتا محسوس کرنے لگا۔ مینے کو لینے سے پہلے اُس نے ایک لمحے کو گاڑی سڑک کنارے روکی، اور ایک طویل سانس لی۔

"تمہاری خاموشی میرے ضمیر پر بوجھ بنتی جا رہی ہے۔" گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہوئی، لیکن اس بار اُس کی آنکھوں میں ایک خلش، اور دل میں ایک انجان سی فکر جاگ چکی تھی۔

☆..☆..☆..☆

باب چہارم "استقامت"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

استقامت وہ روشنی ہے،

جو اندھیروں کے بیچ بھی جلتی رہتی ہے۔

خاموشی کی گونج میں

کبھی مدھم نہیں پڑتی۔

یہ صبر کی ایک نرم چمک ہے،

جو آنکھوں کے گوشے میں چھپی رہتی ہے

۔دھوپ ہو یا سائے کا ساگر،

کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتی۔

یہ درد کی دیواروں کو سہنے کا ہنر ہے،

ہر زخم پر مسکرا کر جیتنے کی ایک خاموش راہ ہے۔

یہ الفاظ کی نہیں، دل کی زبان ہے،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جو دکھوں میں بھی زندگی کی نرم آواز ہے۔

آؤ سنیں ہم اس استقامت کی کہانی،

جو سنائے حوصلے اور ایمان کی روانی۔

اسماء خانم اور زوبیہ خانم زنان خانے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی باتوں کا موضوع قریبی عزیز کی شادی تھا، مگر ان کی آنکھوں اور آواز میں وہ چمک نہیں تھی جو شادیوں کی باتوں میں ہوتی ہے۔ وہ کسی اور دکھ، کسی اور وقت کے پردے میں لپٹی ہوئی تھیں، جیسے خوشی کا ذکر بھی اب دل پر بوجھ سا بن گیا ہو۔ حویلی میں قدم رکھتے ہی سامنے ایک کشادہ سا لاؤنج آتا تھا۔ پرسکون، پُراسرار، اور خاموشی سے سب کچھ سنتا ہوا سا۔ لاؤنج کے دائیں جانب زنان خانے کا دروازہ تھا، وہ دروازہ جس سے حویلی کی عورتیں آتی جاتی تھیں، جہاں کی دہلیز نے کئی نسلوں کی آہیں، قہقہے اور سسکیاں سن رکھی تھیں۔ اس کے بالمقابل، مردان خانے کا دروازہ تھا۔ حویلی کے مرد عموماً وہی داخلی دروازہ استعمال کرتے تھے، مگر جب کبھی کوئی غیر مرد آتا، تو اسے صحن میں کھلنے والے دروازے سے مردانے میں لے جایا جاتا۔ یہ ایک چھوٹا سا

انتظام تھا، مگر اس میں وقت کی تہذیب، حویلی کے اصول، اور اس خاندانی ساخت کی سنجیدگی جھلکتی تھی۔ یہ روایتیں ایسی تھیں جن پر کسی نے زور نہیں دیا تھا، مگر سب انہیں غیر محسوس طور پر نبھاتے چلے آئے تھے۔ ایسے ہی پُرسکون لمحوں میں زنان خانے کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ انارہ، جو ابھی ابھی نیند سے جاگی تھی، بادلِ نخواستہ قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ بغیر کوئی بات کہے، بغیر رسمی سلام یا اجازت، وہ بس آ کر ان دونوں کے بیچ بیٹھ گئی۔ جیسے یہی اس کی جگہ ہو، جیسے وہ برسوں سے یہی کرتی آئی ہو۔

اس کا بھالو والا کھلا نائٹ سوٹ اس کے لاپرواہ مزاج کی عکاسی کرتا تھا، اور سر پر رکھی اونی ٹوپی میں ایک ایسی سادگی تھی جو دل کو چھو جاتی تھی۔ اس کے بال، جو قدرتی طور پر گھنگریالے تھے، اب نیند کی بے ترتیبی کے ساتھ اور بھی بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں ابھی نیند کی نمی باقی تھی، جیسے وہ ابھی بھی کسی خواب سے پوری طرح باہر نہیں آئی۔ وہ معصوم لگ رہی تھی، اتنی معصوم جیسے وقت نے اسے چھوا ہی نہ ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ماما، بھوک لگی ہے۔ "اس نے آہستگی سے، نیم غنودہ لہجے میں کہتے زوبیہ خانم کے گلے میں بازو ڈالے، ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ لہجہ ایسا کہ کچھ ایسا سچ، جو بنا کسی تاثر کے، سادہ، نرم، مگر دل پر گہرا نقش چھوڑ جائے۔ زوبیہ خانم جیسے پل بھر کے لیے پتھر کی ہو گئیں۔ یہ "ماما" کا لفظ ان کے لیے فقط ایک خطاب نہیں تھا، یہ ایک بھولا ہوا لمس تھا، ایک صدا تھی، جو برسوں سے ان کے کان ترس رہے تھے۔ ان کے سینے میں کوئی گہرا خلا جیسے لمحے بھر کو بھر گیا ہو۔ ")مورے جان ناشتہ دے دیں" شہزاد نے نیند میں ہی ان کے کاندھے پر سر رکھتے ہوئے لاڈ سے کہا، جس پر وہ اس کی پیشانی چوم گئیں) ان کا شہزاد بھی تو یوں ہی کہا کرتا تھا۔

"ہم لگواتے ہیں اپنے بچے کے لیے کھانا۔ "انہوں نے آہستگی سے کہا۔ ان کی آواز میں ممتا کی وہ تڑپ تھی جو ماں بننے کے بعد دفن ہو چکی تھی۔ انہوں نے ایک لمحے کو سب کچھ بھلا دیا تھا۔ یہ بھی کہ انارہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔ وہ تو شاید بس خواب میں ہی انہیں ماں سمجھ بیٹھی تھی، اور زوبیہ خانم کو یہی خواب ہی سچ لگا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ساجدہ !بچے کے لیے کھانا لاؤ "!ان کا لہجہ محبت سے لبریز تھا۔انہوں نے آہستگی سے انارہ کے بالوں کو انگلیوں سے سمیٹا تو انارہ مزید ان کے کندھے میں سر چھپا گئی۔وہ لمحہ،بے ساختہ اور پاکیزہ تھا۔جیسے کوئی لاڈلی بچی پھر سے کسی آغوش میں واپس آ گئی ہو۔اسماہ خانم کچھ دیر خاموشی سے یہ منظر دیکھتی رہیں۔پھر آہستہ سے مسکرا دیں۔

"بھابھی،لگتا ہے تم سے بہت مانوس ہو گئی ہے۔ "ان کے لہجے میں خوشی تھی،شہزاد کی موت کے بعد انہوں نے زوبیہ خانم کے چہرے پر پہلی بار ایسی بے ساختہ مسکراہٹ دیکھی تھی۔زوبیہ خانم نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس ان کی آنکھوں میں ایک روشنی سی جھلکی،اور مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"بی بی،کھانا ٹیبل پر لگا دیا ہے۔ "ساجدہ کی آواز نے لمحہ توڑا۔

"عینا بچہ،اٹھو،کھانا لگ گیا ہے۔ "زوبیہ خانم نے انارہ سے کہا۔انارہ نے نیم خوابی انداز میں آنکھیں کھولیں،مٹھیوں سے آنکھیں مسلیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آنٹی، میرا نام عینا نہیں ہے، انارہ ہے۔ "یہ جملہ، جو بے خبری سے ادا ہوا تھا، زوبیہ خانم کے دل میں جیسے کوئی نوک دار پتھر بن کر گرا۔ ایک لمحے میں وہ حقیقت کے اس سرد کمرے میں واپس آ گئیں، جہاں برسوں سے تنہائی کا راج تھا۔ انہیں یاد آیا کہ وہ انارہ کی ماں نہیں ہیں بلکہ شاید اب تو کسی کی بھی ماں نہیں رہیں۔ مگر وہ زخموں کی عادی عورت تھیں۔ انہوں نے لمحے میں خود کو سنبھال لیا۔

"لیکن ہم تو تم کو عینا ہی پکاریں گے۔ "انہوں نے جیسے ضد سے، جیسے کسی یاد کو زندہ رکھنے کی کوشش میں کہا۔ انارہ نے انہیں غور سے دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، آپ بول لو۔ "پھر وہ آہستہ سے لیٹنے لگی، مگر اسماہ خانم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"بچہ، اب تم لیٹو مت، کھانا لگ گیا ہے، ٹیبل پر آجاؤ۔ "انارہ نے فوراً خود کو سنبھالا، وہ واقعی بہت بھوکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آنٹی، کھانے میں کیا ہے؟" وہ اسماہ خانم کے ساتھ زنان خانے سے باہر نکل گئی۔ انارہ کے جاتے ہی زوبایہ خانم جیسے اپنے اندر کہیں ٹوٹ گئیں۔ انہوں نے ایک گہری، بوجھل سانس لی، اور آنکھوں کے کنارے پر آ کر ٹھہری نمی کو اپنی چادر کے پلو سے آہستگی سے صاف کیا۔ آج پھر انہیں شہزاد کی یاد نے بے آواز آ کر اپنی گرفت میں لے لیا۔ حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ وہ اسے کبھی بھولی ہی نہیں تھیں۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اس ماں کے لیے یہ مان لینا کہ جس اولاد کو سینے سے لگا کر پالا، جو برسوں ان کی دعاؤں کا مرکز رہا، وہ اب فقط زمین کی سرد مٹی میں خاموش سو رہا ہے۔ کچھ صدمات ایسے ہوتے ہیں جن پر صبر ممکن تو ہوتا ہے، مگر مکمل نہیں۔ "صبر، دکھ کی وہ صورت ہے جسے لفظوں میں نہیں، خاموشیوں میں لکھا جاتا ہے۔"

☆..☆..☆..☆

جبران ہاتھ میں لیپ ٹاپ تھامے حرم کے کمرے میں داخل ہوا۔ دروازہ پیچھے سے دھیرے سے بند کرتے ہوئے وہ تیز قدموں کے ساتھ حرم کے پاس آیا، جو صوفے پر نیم دراز سی بیٹھی موبائل کی اسکرین پر نظر جمائے ہوئی تھی۔ لگ رہا تھا کہ وہ جاذب کی میل ہی پڑھ رہی

ہے، مگر اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کچھ اور بھی بتا رہی تھی۔ نارنجی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر کے اوپر سفید کوٹ پہنے، گلے میں موٹے ہرے مفلر کو لپیٹے وہ ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہی تھی مگر آج اس باوقار حرم میں ایک نئی سنجیدگی آ گئی تھی۔ ایک بوجھ، ایک خاموشی، جو عام دنوں میں دکھائی نہ دیتی۔ سوات آنے کے بعد اس نے اپنی ظاہری شخصیت پر خاص توجہ دی تھی۔ یہ کپڑے، یہ رنگ، یہ نفاست سب ایک سوچے سمجھے مقصد کے تحت تھے۔ اسے یہاں ان لوگوں کو اپنا بہترین تاثر دینا تھا، تب تک کہ وہ اپنے مقصد کو پا نہ لے۔

"ہاں، میل پڑھ لی ہے۔ "اس نے موبائل کو ایک طرف رکھتے ہوئے بے چینی سے کہا۔ پیشانی پر آئی ایک لٹ کو بے ساختہ انگلی سے پیچھے کیا، جیسے خیالوں میں الجھی ہو۔ "لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"اس کی آواز میں حیرانی کم اور تشویش زیادہ تھی۔

جبران نے لیپ ٹاپ میز پر رکھا اور سنجیدہ لہجے میں بولا،"مجھے بھی اندازہ نہیں تھا کہ مائیکل جیسا بندہ ایسا کچھ کر سکتا ہے۔ "اس کے دانت

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھنچے ہوئے تھے، چہرے کے عضلات تناؤ میں تھے۔ حرم اب صوفے سے اٹھ چکی تھی۔ وہ کمرے کے وسط میں چکر کاٹنے لگی، جیسے اس ایک لمحے میں کوئی فیصلہ کر لینا ہو۔

"تم فوراً اس میجر سے کال پر بات کرو۔ کہو، فوراً واپس آئے۔ "اس کے لہجے میں حکم نہیں، فکر تھی، گہری، اندر سے اٹھتی ہوئی بے چینی۔ جاذب کی میل واضح تھی، آج میجر خان پر حملہ ہونے والا تھا اور یہ کوئی عام دشمنی نہیں تھی۔ حملہ کرنے والا وہی شخص تھا، جس کے باپ کو چند سال قبل ایک خفیہ آپریشن میں نشانہ بنایا گیا تھا۔ یہ وہی آپریشن تھا جہاں پہلی بار شاہ میر اور حرم کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس آدمی کے باپ کو گولی حرم، یعنی "کرسٹل کوئین" نے ماری تھی۔ مگر دنیا کو یہی دکھایا گیا تھا کہ آپریشن کی قیادت میجر خان نے کی، اور اسی نے دشمن کا خاتمہ کیا۔ زفام گینگ کو، جو کہ انتہائی بے رحم مافیا گروہ تھا، اب اپنا بدلہ لینا تھا اور ان کی روش ہمیشہ خون آلود ہوتی تھی۔ بہت واضح تھا، اس بار نشانہ شاہ میر تھا۔

"ہیلو !ہاں، شاہ میر ! کہاں ہو تم؟" جبران نے کال ملاتے ہی فکر مندی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں موجود اضطراب کو وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن ناکام۔ حرم، جواب

پوری طرح متوجہ ہو چکی تھی، جبران کی جانب بڑھی۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے اسپیکر آن کرنے کو کہا۔ جبران نے فوراً کال اسپیکر پر ڈال دی۔

"یار، کچھ ضروری کام کے لیے نکلا ہوں۔ ان شاء اللہ، رات تک واپس آجاؤں گا۔ "شاہ میر کی پرسکون آواز کمرے میں گونجی، لیکن حرم کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کو تھم گئی۔ وہ حویلی سے باہر تھا۔ وہ خطرے میں تھا۔ ایک انجانا خوف اس کے اندر سرسرانے لگا۔ جس نے زندگی بھر کچھ نہ پایا ہو اسے کھونے کا کیسا ڈر؟ مگر آج، آج پہلی بار اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اگر کچھ کھو دیا تو شاید وہ کبھی سنبھل نہ پائے۔ پسینے کی ننھی بوندیں اس کی پیشانی پر ابھرنے لگیں، جنہیں وہ بار بار ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کر رہی تھی، مگر دل کی بے چینی کو دبا نہیں پا رہی تھی۔

"اسے کہو واپس آئے، فوراً "!وہ جبران سے بولی، مگر آواز دبی ہوئی تھی۔ جیسے چیخنا چاہتی ہو، مگر آواز گلے میں پھنس گئی تھی۔

"شاہ میر، کیا تم واپس آسکتے ہو؟ حرم کو تم سے کچھ کام ہے۔ "جبران نے جلدی سے کہا، جیسے الفاظ کم پڑ رہے ہوں، جیسے وقت نکل رہا ہو۔ مگر اگلے ہی لمحے حرم نے جھنجھلا کر ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"کیا؟ حرم نے مجھ سے بات کرنی ہے؟ واقعی؟ لیکن وہ مجھ سے کیا بات کرے گی؟"شاہ میر کی الجھی، حیرت بھری آواز اسپیکر سے ابھری تو حرم کا ضبط ٹوٹنے کو آیا۔ وہ کچھ لمحے کے لیے اتنی جھنجھلا گئی کہ دل کیا موبائل کے اندر ہاتھ ڈالے اور شاہ میر کا گریبان پکڑ لے۔

"ہاں !تم آسکتے ہو یا نہیں؟ وہ غصے میں ہے "!جبران نے فوراً بات سنبھالتے ہوئے کہا، جیسے کسی مشتعل آتش فشاں کے لاوے کو روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ جانتا تھا، صرف "حرم" کہنا کافی ہو گا اور شاہ میر جو شاید خود کو اب بھی جذبات سے ماورا سمجھتا تھا، دوڑتا چلا آئے گا۔

"ہاں، میں ابھی واپس۔۔۔ دھاااااآآآہہہ "!شاہ میر کی بات ادھوری رہ گئی۔ فون کی گونجتی فریکوئنسی میں ایک بھیانک دھماکے کی آواز ابھری۔ ایسی آواز جس میں صرف بارود کی

گرج نہیں بلکہ انسان کی چیخ بھی دفن تھی۔ حرم کا رنگ لمحے میں زرد پڑ گیا، جبران کی آنکھوں میں حیرت، خوف اور بے یقینی ایک ساتھ تیرنے لگے۔ کمرے کی فضا اچانک ٹھنڈی نہیں، منجمد ہو گئی تھی۔

"شاہ میر؟ ہیلو؟ تمہیں میری آواز آ رہی ہے؟ بولتے کیوں نہیں؟" جبران اب پاگلوں کی طرح فون میں چیخ رہا تھا۔

حرم وہ بے جان قدموں سے صوفے پر گری تھی۔ نہ چیخ، نہ آنسو، بس خالی آنکھیں اور لرزتی ہوئی سانسیں۔ کیا وہ ایک بار پھر اپنی جینے کی وجہ کھو چکی تھی؟ کیا واقعی شاہ میر؟ اس کے اندر ایک سوال، کسی سرد خنجر کی مانند پیوست ہو گیا تھا۔ کیا وہی شخص جسے وہ برسوں سے صرف ایک مشن کا مخالف سمجھتی تھی، کیا وہی اب اس کے دل کی دھڑکن بن چکا تھا؟

جبران نے فون بیڈ پر اچھالا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا، مگر جیسے ہی اس نے نگاہ اٹھائی، وہ چہرہ اس کے سامنے تھا، مگر وہ حرم مرزا نہیں تھی۔ وہ نگاہ، وہ چمک، وہ دہشت، یہ کرسٹل کوئین تھی۔ وہی جو خون سے بھیگی دنیا میں دشمن کے سامنے کبھی پلک نہ جھپکاتی تھی۔ حرم اچانک

اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی چال میں وہی تیز رفتاری، وہی حساب شدہ ٹھہراؤ اور آنکھوں میں وہی خاموش انتقام۔

جبران خاموشی سے اسے الماری تک جاتا دیکھتا رہا۔ اس نے بغیر کچھ کہے اپنا مخصوص سامان نکالا اور ڈریسنگ روم میں داخل ہو گئی۔ کچھ ہی لمحوں بعد وہ نکلی، بلیک پینٹ شرٹ، ہوڈی، لانگ بوٹ، چمکتے گرے لینز، اور چہرے پر فولادی سکوت۔ جیسے کوئی سایہ زندہ ہو گیا ہو۔ اس کے ہاتھ خود کار انداز میں ہتھیاروں کو لباس میں چھپا رہے تھے۔ ایک چمکتا ہوا خنجر، جس کی دھار پر اس نے انگلی پھیرتے لمحے بھر میں اندازہ کر لیا کہ آج ایک اور گردن اڑے گی۔

"جیک، میں جا رہی ہوں۔ تم یہیں رہو گے۔" اس نے ہوڈی کی کیپ سر پر ڈال کر ماسک چہرے پر کھینچا، جیسے جذبات کو بھی چھپا لیا ہو۔

"تم ہوش میں ہو؟ نہیں، تم وہاں اکیلے نہیں جاؤ گی!" جبران بلند آواز میں بولا۔ حکم دینے کے انداز میں۔ حرم نے دھیرے سے، مگر سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ایسی نگاہ جس میں نہ رحم تھا، نہ نرمی۔ بس ایک خاموش دھمکی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کون ہو تم کہ مجھے روک سکو؟" اس کے قدم جبران کی طرف بڑھے اور لہجے میں گرج اتر آئی۔

جبران کے چہرے پر شرمندگی اتر آئی۔ حرم نے گہری سانس بھری، چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا مقصد جبران کو توڑنا نہیں تھا، مگر اسے روکنا بھی ضروری تھا۔ جہاں وہ جا رہی تھی، وہاں واپسی یقینی نہیں تھی۔

"یہ آرڈر ہے۔ تم یہیں رہو گے۔ اگر تم نے حویلی سے ایک قدم بھی نکالا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ جاؤ اور جا کر اپنی بہن کے نکاح کی تیاری کرو۔ ہاں؟" آخر میں اس نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا، مگر وہ نرمی ایک الوداع جیسی تھی، پھر وہ بالکنی کی طرف بڑھی۔

ریلنگ کے ایک کونے سے وہ رسی کھینچ کر لٹک گئی۔ یہی وہ خفیہ راستہ تھا جس کا پتہ صرف وہ جانتی تھی یا جبران، جو اس نے اس حویلی میں

آتے ساتھ ہی بنایا تھا۔اس جگہ کے نیچے جھرنا بہتا تھا۔اوپر اندھیرے میں ایک سایہ اتر رہا تھا۔کرسٹل کوئین اپنے شکار کی تلاش میں۔جبران اس سایے کو جاتا دیکھتا رہا،دل میں صرف ایک دعا لیے۔

"کاش یہ واپسی کا سفر ہو،الوداع نہ ہو۔"

☆..☆..☆..☆

"خانم،آپ لوگوں کی تیاری کہاں تک پہنچی؟"حیدر خان نے نرمی سے پوچھا۔ان کی نظریں اسماہ خانم پر تھیں،جو زوبیہ خانم کے ساتھ بیٹھیں نکاح کے انتظامات پر بات کر رہی تھیں۔جبران اور حرم سب کی نظروں میں شاپنگ کے لیے نکلے ہوئے تھے،جبکہ زارا طبیعت کی ناسازی کے باعث اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی۔

"خان،تقریباً سب تیاری مکمل ہے،بس حرم بچے کے لیے نکاح کا جوڑا لانا باقی ہے۔ "اسماہ خانم نے مسکرا کر جواب دیا تو حیدر خان نے مطمئن سا سر ہلایا۔یہ نکاح کسی چھوٹے پیمانے پر نہیں،ایک بڑے اور بھرپور اجتماع کی صورت میں رکھا گیا تھا،جس میں آس پاس کے

دیہات اور برادریوں سے لوگ مدعو کیے گئے تھے۔ کچھ توقف کے بعد حیدر خان بولے،

"لالا، میں سوچ رہا ہوں شاہ میر کے نکاح کے ساتھ ہی زارون اور باران کا ولیمہ بھی کر دیں۔ "ان کی بات سنتے ہی محفل میں موجود سب کی نظریں ان پر جم گئیں۔ ایک لمحے کے لیے کمرے کی فضا میں سنجیدگی سی پھیل گئی۔ ربان خان، جو ان کے قریب ہی بیٹھے تھے، نرمی مگر قطعی انداز میں کہا،"زارون کے ولیمے کے بارے میں تو سوچا جا سکتا ہے، لیکن فی الحال باران کا ولیمہ رہنے دیں۔"

"خان، مگر باران بڑا ہے، اس کا ولیمہ پہلے ہونا چاہیے نا؟"زوبیہ خانم نے قدرے حیرت اور بے ساختگی سے اعتراض اٹھایا۔ ان کے سوال پر جبہ خانم اور سائرہ کی رنگت فق ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ آنکھوں میں حیرت، دل میں دھڑک۔ کیا زوبیہ خانم بھی زارا کو قبول کر چکی تھیں؟ اگر ایسا تھا تو یہ تو بازی پلٹ دینے والی بات تھی۔

"زوبیہ، ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ "ربان خان نے زوبیہ خانم کی جانب سنجیدہ نظروں سے دیکھا اور دھیرے سے بولے، گویا معاملے کو وہیں روک دیا گیا۔ باران کے

ولیمے کا مطلب تھا زارا کو بہو کے طور پر قبول کرنا اور یہ اعلان تھا کہ "ونی" کا رشتہ اب نکاح میں بدل چکا ہے۔ جب تک سفیر خان کے خلاف ثبوت مکمل نہ ہو جاتے، وہ اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ ربان نے بات کا رخ بدلنے کے لیے نظر بہرام خان کی طرف کی۔

"خاناں، آپ بہت خاموش ہیں آج۔ خیریت ہے؟" بہرام خان، جو کالی شلوار قمیص میں سفید شال اوڑھے، خاموشی سے کسی انجانے خیال میں گم تھے، چونک کر گویا ہوئے۔

"کچھ خاص نہیں، بان۔ " پھر وہ اسماہ خانم کی طرف دیکھ کر نرم لہجے میں بولے۔ "انارہ کہاں ہے؟"

"لالا، وہ اپنے ساتھ ویڈیو گیم لائی ہے۔ بس کمرے میں بیٹھی وہی کھیل رہی ہے۔ " بہرام خان نے مطمئن انداز میں سر ہلا دیا، جیسے دل کے کسی کونے میں سکون سا اتر آیا ہو۔

حیدر خان نے بات بڑھائی، "یہ موسیٰ کہاں ہے؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ پری گل کو ہسپتال سے لینے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا آج فرصت میں ہوں، تو اسے تھوڑا باہر گھما لاؤں۔ " کمرے میں ایک بار پھر ہلکی سی گہری خاموشی چھا گئی۔ سارے رشتے، ساری رسمیں ایک بہت بڑی کہانی کی بنیاد رکھنے جا رہی تھیں۔

"چلو، یہ تو اچھی بات ہے، بچی کا ذرا دل بہل جائے گا۔ ویسے بھی وہ بہت خاموش سی ہو گئی ہے۔ "ریان خان کی نرمی سے کہی گئی بات فضا میں ٹھہر سی گئی تھی، لیکن اس لمحے، جیسے کسی نے سکون سے چلتی سانسوں میں زہر گھول دیا ہو۔

" صحیح کہہ رہی ہو بھابھی، بھلا بیوہ کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟ شوہر کے مرنے کے بعد ایسی لڑکیاں تو جیسے زندگی کے حق سے ہی محروم ہو جاتی ہیں۔ ایک دم بے کار، بوجھ "! جبہ خانم کے اندر چھپی تلخی جب زبان پر آئی تو اس کی کڑواہٹ سب کے چہروں پر صاف محسوس ہونے لگی۔ ان کے الفاظ نے وہ چوٹ دی جو نہ صرف سننے والے کے دل میں اترتی ہے، بلکہ ایک پورے ماضی کو خراش دیتی ہے۔ ابھی کچھ لمحے پہلے تک جو فضا نرم اور پر سکون تھی، وہ اچانک تلخی، شرمندگی اور بے چینی میں ڈھل گئی۔ زوبیہ خانم کے لب لرزنے لگے،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ربان خان کی نگاہیں ایک لمحے کے لیے سلگیں، پھر وہ ضبط کے ساتھ داور خان کی طرف دیکھنے لگے، جیسے سوال کر رہے ہوں کہ کب تک خاموشی اختیار کی جائے گی؟ داور خان کے چہرے پر بھی سختی ابھر آئی تھی۔

"جبہ ! جب کچھ اچھا نہ کہہ سکو تو برا بھی مت بولو۔ "ان کی آواز میں خفگی تھی، مگر جبہ خانم کے چہرے پر بے نیازی اور ضد تھی۔

"لو بھلا ! میں نے کیا غلط کہا؟ سچ ہی تو بولی ہوں۔ "وہ الٹا داور خان پر ہی چڑھ دوڑی، جیسے انا نے دلیل کو ہرا دیا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زوبیہ خانم کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر ربان خان خاموشی سے اٹھے اور نرمی سے انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ دبی دبی سسکیوں کے ساتھ ان کے سینے سے لگی رہیں۔ اس لمحے ربان خان کی آنکھوں میں تکلیف تھی، وہ تکلیف جس کا اظہار اکثر مردوں کی خاموشی کرتی ہے۔

"لالا،ساری زندگی میں وہ دن نہیں بھولوں گا۔ "داور خان نے غصے سے تھر تھراتی آواز میں کہااور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ حیدر خان کو اس وقت خود پر شدید افسوس ہوا۔ انہیں لگا جیسے وہ چچا کی آخری خواہش پوری کرنے کی ضد میں ایک ایسا رشتہ بنا بیٹھے تھے جو شاید وقت سے پہلے وجود میں آیا تھا۔

"ڈیڈ ! آئی ایم ہیئر "!انارہ کے چہکتے ہوئے لہجے نے جیسے کمرے میں تھوڑی روشنی بھر دی۔ وہ سیدھی بہرام خان کی طرف بڑھی، مگر اچانک ہی اس کی نظر زوبیہ خانم پر پڑی جو روتی ہوئی ربان خان کے بازوؤں میں تھیں۔ اس کا چہرہ لمحہ بھر کو سنجیدہ ہوا، قدم خود بخود آہستہ ہو گئے۔

"بلو آئز آنٹی،وائے آر یو کرائنگ؟"(نیلی آنکھوں والی آنٹی، آپ رو کیوں رہی ہیں؟)وہ دھیرے سے چلتے ہوئے زوبیہ خانم کے پاس جا پہنچی۔ زوبیہ خانم نے سسکی روک کر مسکراہٹ کے پردے میں آنکھوں کی نمی چھپانے کی کوشش کی۔

Clubb of Quality Content

"نہیں عینا، ہم نہیں رو رہے، بس آنکھوں میں کچھ آ گیا تھا۔ "ان کی مسکراہٹ میں چھپا درد اس لمحے وہاں موجود ہر فرد نے محسوس کیا۔ ربان خان نے گہری سانس لی، وہ سانس جو دل کی گھٹن سے اٹھتی ہے۔

"بھابھی، اس کا نام انارہ ہے، عینا نہیں۔ "بہرام خان نے دھیرے سے وضاحت دی۔

"ڈیڈ ! میں نے خود پرمیشن دی ہے، یہ مجھے عینا کہہ سکتی ہیں "!انارہ کے لہجے میں وہی چہک تھی جو زندگی کا دوسرا نام ہوا کرتی ہے۔ وہ زوبیہ خانم کے پاس دھپ سے بیٹھ گئی۔ اس کے انداز نے کمرے کی اداسی پر جیسے مرہم رکھ دیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

باران، موسیٰ، زارون اور ارمان اب بھی اسی جگہ موجود تھے جہاں پولیس کی بھاری نفری، بڑی بڑی ٹارچوں کی مدد سے، شاہ میر کی تلاش میں مصروف تھی۔ باران کی بے چینی ہر کسی پر عیاں تھی۔ وہ بار بار اس ڈھلان کے قریب جاتا جہاں سے شاہ میر کی تباہ شدہ گاڑی کو نکالا گیا تھا، اور پھر مایوس واپس پلٹ آتا۔ اس کا چہرہ اضطراب، غصے اور اذیت کا آئینہ بنا ہوا

تھا۔اسی بے چینی میں اس کا فون بجا۔اس نے بنا نمبر دیکھے فوراً کال ریسیو کی،یہ گمان کرتے ہوئے کہ شاید حویلی سے کوئی اطلاع ہو۔مگر جیسے ہی دوسری طرف سے بات سنی،وہ پل بھر کو ساکت رہ گیا۔چند لمحے بعد اس کے چہرے پر بے یقینی،حیرت،غصہ،اور پھر ایسی خوشی ابھری جس نے اس کی آنکھوں میں زندگی بھر دی۔

"مجھے پتہ بتاؤ،میں فوراً آرہا ہوں۔ "وہ بے تاب ہو کر بلند آواز میں بولا۔اس کے بدلتے تاثرات کو سب نے محسوس کیا۔باران نے موسیٰ کو مختصر ہدایت دی،اور پولیس کو فوراً واپس بھیج دیا گیا۔کوئی بھی وزیرِداخلہ کے حکم کو نظرانداز کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔موسیٰ، جو خاندان کے لیے جتنا نرم تھا،ریاستی معاملات میں اتنا ہی سخت اور بااختیار تھا۔رات کے آخری پہر،وہ سب ایک دور افتادہ مقام پر پہنچے۔پتہ ایک جھونپڑی نما کچے سے گھر کا تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک ضعیف شخص باہر آیا،جس کے چہرے پر پرانی شرافت اور فطری سکون جھلک رہا تھا۔

"بابا جی،وہ فون آپ نے کیا تھا؟"باران نے بے چینی اور شائستگی سے پوچھا۔جب کہ اس جیسا حال ہی زارون کا بھی تھا۔

"ہاں بیٹا، آجاؤ اندر۔ "بزرگ نے نرمی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔اندر داخل ہوتے ہی ان کے قدم ٹھٹک گئے۔ایک پرانی سی تپائی پر شاہ میر بے ہوش پڑا تھا،چہرہ زرد،سانسیں مدھم،لیکن زندہ۔باران تیزی سے آگے بڑھا،اور گویا اپنے ہوش کھو بیٹھا۔وہ شاہ میر سے لپٹ کر،اس کے وجود کو محسوس کرتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر ضبط کھو گیا تھا۔اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے کو وہ اس کی گردن میں چہرہ چھپا گیا۔اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو شاہ میر کی گردن میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔یہ وہ چند لمحے تھے جن میں باران نے دل ہی دل میں کئی بار مرنے کا تصور کیا تھا،لیکن اب،اس کا بھائی اس کے سامنے تھا۔زندہ، محفوظ،اور سانس لیتا ہوا۔کچھ دیر بعد اس نے خود کو سنبھالا اور پیچھے ہٹ

گیا۔موسیٰ،ارمان اور زارون بھی شاہ میر کے قریب ہو بیٹھے۔زارون نے شاہ میر کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لالا کے بازو پر گولی کا زخم ہے، اور ماتھے پر بھی چوٹ ہے۔ باقی اللہ کا کرم ہے، سب ٹھیک ہے، لیکن ان کا علاج کس نے کیا؟" زارون نے مشکوک نگاہوں سے اس کچھ عجیب سے دیکھنے والے بزرگ کو دیکھا۔

"بیٹا وہ یہیں پاس میں ایک آدمی رہتا ہے، وہ حکیم کے پاس کام کرتا ہے، بس اسی نے مرہم پٹی کی ہے۔"

"بابا جی، آپ کو شاہ میر کہاں ملا؟ اور آپ نے اطلاع اتنی دیر سے کیوں دی؟" اب کی بار موسیٰ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"بیٹا، یہاں سگنل نہیں آتے۔ یہ بچہ مجھے پچھلی پہاڑی پر زخمی حالت میں ملا، تو میں اسے یہاں لے آیا۔" بوڑھے شخص نے پُرسکون لہجے میں بتایا۔ وہ سردی کے باوجود نہایت سادہ مگر باوقار لباس میں ملبوس تھے۔ کھلے سے جبے اور شال کے ساتھ، ان کی لمبی سفید داڑھی اور متانت ان کے کردار کو اور نکھار رہی تھی۔ ان کی شفیق شخصیت میں ایک روحانی سا وقار تھا۔ بار ان نے شکریہ کے طور پر اپنی جیب میں موجود تمام رقم ان کے ہاتھ میں رکھ دی، اور

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اپنے گارڈ کو ہدایت دی کہ وہ انہیں کسی آرام دہ جگہ منتقل کرے، جہاں ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جاسکے۔ پر انہوں نے صاف انکار کر دیا جس پر انہوں نے مزید مقابل کو فورس کرنا بہتر نہیں سمجھا تھا پر وہ ان کے دل سے شکر گزار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ شخص، جو ابھی تک ان کے لیے اجنبی تھا، پر آج ہمیشہ کے لیے ان کے خاندان کا محسن بن چکا ہے۔

☆..☆..☆..☆

شاہ میر کی آنکھ کھلی تو منظر بالکل مختلف تھا۔ کمرے میں مدھم روشنی تھی، اور ہوا میں ہلکی سی خوشبو تیر رہی تھی۔ ذہن نے جیسے دوبارہ سانس لی ہو، تو پہلا چہرہ جو نظروں میں آیا، وہ اسماء خانم کا تھا، جن کی نم آنکھوں میں زندگی کی رمق لوٹ آئی تھی۔ ان کے ساتھ زوبیہ خانم بھی رو رہی تھیں، اور بار بار اس کے چہرے، پیشانی اور ہاتھوں کو چوم رہی تھیں۔

"میرا بچہ، میری جان! اللہ تجھے ہماری عمر بھی لگا دے۔" اسماء خانم کی آواز میں لرزش تھی، لیکن اس لرزش کے پیچھے ایک ناقابلِ بیان شکر اور محبت کی شدت تھی۔ شاہ میر کچھ سمجھ نہ سکا۔ وہ بے چینی سے اپنے ارد گرد دیکھنے لگا۔ اسے کمرے میں اپنے سارے پیارے نظر

آئے۔ باران، موسیٰ، زارون، ارمان، انارہ، زرمینے، سب موجود تھے، لیکن جو منظر اس کی نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا، وہ یہ تھا کہ اس کے ساتھ ہو رہی بے پناہ محبت کو دیکھ کر باقی سب کے چہرے پر ایک عجیب سا جھنجھناہٹ بھرا تاثر تھا۔ جیسے کہہ رہے ہوں، ہم بھی تو کل سے تڑپ رہے تھے، ہمیں تو کسی نے پوچھا تک نہیں۔

"مورے، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ دونوں اب رونا بند کریں نا۔ "شاہ میر نے نرمی سے ماں کا ہاتھ تھاما اور مدھم لہجے میں کہا، لیکن وہ جملہ مکمل بھی نہ ہو پایا تھا کہ اس کی نگاہ حیدر خان پر پڑی، جو کسی باز کے جیسی تیز تھی۔ انہوں نے بنا کچھ کہے ایک ایسی سخت نظر شاہ میر پر ڈالی کہ وہ تھوڑا سا سٹپٹا گیا۔ اس نے جھجکتے ہوئے نظریں ربان خان کی طرف موڑیں، لیکن وہاں بھی وہی سرد خفگی تھی۔ اس نے بے چینی سے ہونٹوں کو تر کیا اور دل میں سوچا۔ ایسا بھی کیا گناہ ہو گیا مجھ سے کہ سب یوں دیکھ رہے ہیں؟ لیکن وہ ابھی نہیں جانتا تھا کہ ان سب کی خاموشی میں جو تشویش اور خفگی چھپی تھی، وہ کسی معمولی لاپرواہی پر نہیں، بلکہ ان سب لمحوں کا غصہ تھا جو وہ اس کی بے خبری اور زندگی کے خطرے میں گزرے لمحوں کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

درمیان جیتے رہے تھے۔انہوں نے اسے کتنا روکا تھا آرمی میں جانے سے پر وہ کسی کی سنتا کہاں تھا،خاص طور پر جب بات فرض اور وطن پر آجائے۔

باران نے شاہ میر کی پتلی ہوتی حالت کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے بے دھیانی سے کمرے میں نظریں گھمائیں۔وہاں حویلی کا ہر فرد موجود تھا سوائے زارا کے۔اس نے پیشانی مسلتے ہوئے اپنے کمرے کا رخ کیا،وہ کافی تھک چکا تھا اور فریش ہو کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر زارا پر پڑی جو بستر میں دبکی ہوئی تھی۔ایک نگاہ میں ہی اس نے محسوس کر لیا کہ وہ ابھی بھی نیند کی وادی میں ہے۔اس نے کپڑے اٹھا کر واش روم میں بند ہو گیا۔کچھ دیر بعد فریش ہو کر تولیہ سے بالوں کو رگڑتا ہوا باہر نکلا۔اس کی آنکھیں رات کی جاگت کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں اور وہ اس وقت صرف سکون چاہتا تھا۔بے خیالی میں اس کی نظر پھر سے زارا پر گئی جو اب بھی کمبل میں لپٹی ہوئی سو رہی تھی،یہاں تک کہ اس کا چہرہ بھی کمبل میں چھپا تھا۔باران نے تولیے کو ٹیبل پر پھینک کر برش اٹھایا اور بالوں میں پھیرنے لگا،مگر گاہ بگاہ اس کی نظریں زارا پر جا

کر ٹھہر جاتیں۔ اچانک برش کو تیز آواز میں ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکا، مگر زارا کو اس کی کوئی پرواہ نہ ہوئی۔ باران کو زارا کا گہری نیند میں اتنا ڈوب جانا بالکل پسند نہیں آیا۔ شوہر ساری رات پریشانی میں گھر سے باہر تھا اور محترمہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ وہ کڑھ کر سوچنے لگا۔ بیڈ کی طرف بڑھا اور اس کے برابر بیٹھ گیا تاکہ شاید ہلچل سے زارا اٹھ جائے، لیکن وہ نہ اٹھی۔ اب باران کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے آہستہ ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا، تو جب اس کا چہرہ دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ زارا کا چہرہ پسینے سے تر تھا، بند آنکھوں سے آنسو نکل کر کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے۔ اس کا رنگ بے حد سرخ تھا۔ باران نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا، تو جیسے دہکتے کوئلے کو چھو لیا ہو۔ وہ جھٹکے سے ہاتھ پیچھے کھینچ بیٹھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔

"لڑکی آنکھیں کھولو۔ "کچھ سمجھ نہ آنے پر اس نے زارا کے کندھے کو ہلایا، جس کے وجود میں ہلکی سی بھی جنبش محسوس نہ ہونے پر وہ سمجھ گیا کہ وہ بے ہوش ہو چکی ہے۔ اس نے

جلدی سے سائڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور پری گل کو کال ملائی۔ پری گل، جو ہسپتال جانے کے لیے ریڈی ہو رہی تھی، باران کی کال دیکھ کر ناسمجھی سے فون کو دیکھا اور کال اٹھالی۔

"ہیلو گل بچے، کہاں ہو آپ؟"

"لالا، میں اپنے کمرے میں ہوں، بس ہسپتال کے لیے نکلنے والی تھی۔ سب خیریت؟" باران کے پوچھنے پر وہ ذرا فکر مندی سے بولی۔

"ہاں، سب ٹھیک ہے۔ تم ذرا اپنی میڈیکل کٹ لے کر میرے کمرے میں آنا۔" باران نے پیشانی کو مسلتے ہوئے زارا کی طرف دیکھا جو اب بھی غنودگی میں تھی۔

"میں آتی ہوں۔" پری گل نے بنا کسی بحث کے حامی بھر لی۔ باران نے اگر اسے بلایا تھا تو ضرور کوئی ضروری کام ہی ہو سکتا تھا، ورنہ وہ اسے قطعاً اپنے کمرے میں نہ بلاتا، اور اب تو ویسے بھی وہ شادی شدہ تھا۔ کال بند ہوتے ہی پری گل اپنا ایمرجنسی کٹ لیے باران کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

باران نے کمرے کی حالت دیکھتے ہوئے اطمینان کی سانس بھری۔ کمرہ پھر سے پہلے والی حالت میں موجود تھا، ہر ایک چیز ریپلیس کی جا چکی تھی۔ چند منٹوں بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"آجاؤ۔ "باران نے اسے راستہ دیتے ہوئے اندر آنے کی اجازت دی۔ پری گل نے ایک اشتیاق بھری نظر اس کے کمرے پر ڈالی۔ اس کے کمرے میں آنے کی کسی کو اجازت نہیں تھی۔ اسے بے ساختہ اس نازک سی لڑکی پر رشک آیا تھا۔

"بچے، یہ بے ہوش ہیں۔ باقی تم خود چیک کر لو۔ "اضطرابی کیفیت میں بالوں میں ہاتھ پھیرتے وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ باران کی بات سنتے پری گل جلدی سے زارا کے بے ہوش وجود کی طرف بڑھی۔

"لالا، انہیں تو بہت تیز بخار ہے، اور شاید زیادہ وقت بھوکا رہنے کے باعث یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ میں انہیں ڈرپ لگا دیتی ہوں۔ آپ انہیں وقفے وقفے سے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کریں، ان شاء اللہ بہت جلد یہ ہوش میں آجائے گی۔ "پری گل زارا کا ٹریٹمنٹ کرتے

ہوئے باران کو گائیڈ بھی کر رہی تھی۔ باران نے ماتھے پر بل ڈالے زارا کے بے ہوش وجود کو گھورا، جسے اب پری گل ڈرپ لگا رہی تھی (وہ چھوٹی سی گلوکوز کی ڈرپ تھی جو اکثر اس کے پاس ہوا کرتی تھی ایمرجنسی کے لیے)۔ کیا مطلب اب باران حیدر یعنی گاؤں کے سردار کو ان محترمہ کی شان میں خدمات انجام دینی تھیں۔ اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔

"سسّی۔ "زارا کے ہاتھ کی پشت پر جیسے ہی پری گل نے سرنج (سوئی) انجیکٹ کی، وہ بے ہوشی میں بھی سسک اٹھی۔

"بچے، آرام سے۔ "وہ بے ساختہ ہی بول پڑا۔ پری گل نے مسکراہٹ دباتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"چلیں لالا، اب میں چلتی ہوں۔ یہ ڈرپ دس سے پندرہ منٹ میں ختم ہو جائے گی، تب تک آپ انہیں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کریں۔ جیسے ہی یہ ڈرپ ختم ہو اسے آرام سے نکال دیجیے گا۔ یہ سنی پلاس میں نے یہاں رکھ دی ہے، وہ لازمی لگائیں گے۔ ہوش میں آتے ہی کچھ کھلا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پلا کر جو میڈیسن کل میں نے لکھ کر دی تھی،وہ بھی کھلا دیجیے گا۔باقی ان شاءاللہ شام تک یہ کافی بہتر ہو جائے گی۔ "پری گل کی لمبی چوڑی ہدایات سن کر باران نے محض سر ہلایا۔

پری گل کے جانے کے بعد باران نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اسٹڈی میں چلا گیا۔اس کی اسٹڈی میں ایک چھوٹا سا فریج رکھا تھا جو دیکھنے میں بالکل الماری کی طرح لگتا تھا۔اکثر رات کو لیٹ کام کرتے وقت اسے بھوک لگتی تو وہ ہلکے پھلکے سنیکس کھا لیتا تھا۔فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر وہ کمرے میں آیا۔

"اب پانی کس میں ڈالوں اور کپڑا کہاں سے لاؤں؟ کیا مصیبت ہے بھئی۔ "وہ جھنجھلا گیا، کیونکہ پہلے کبھی اس نے ایسے کام نہیں کیے تھے۔پہلی بار کسی صنفِ نازک سے اس کا واسطہ پڑا تھا جو کچھ زیادہ ہی نازک تھی(باران کے مطابق)۔اس نے پانی کی بوتل کو صوفے پر پھینکا اور دیوار پر لگے انٹر کام کی طرف بڑھا۔انٹر کام اٹھاتے ہوئے اس نے کچن کا کوڈ ڈائل کیا، جسے سامنے سے ساجدہ نے اٹھایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پانی ڈالنے کے لیے کوئی بڑا سا برتن لے کر آؤ۔ "وہ ساجدہ کے کچھ کہنے اور پوچھنے سے پہلے ہی سختی سے حکم صادر کرتے انٹر کام واپس رکھ گیا۔ کپڑے کے طور پر اس نے اپنا چھوٹے سائز کا تولیہ رومال نکالا جو اکثر وہ سفر میں ساتھ رکھتا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے زرخان سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک درمیانے سائز کی دیگچی دیکھ کر باران کا دماغ گھوم گیا۔

"یہ کیا ہے؟ اور تم کیوں آئے ہو؟ ساجدہ کہاں ہے؟"وہ بھڑکا۔

"خان سردار، وہ ساجدہ کو کچھ ضروری کام تھا تو اس نے مجھے بھیج دیا۔ "زرخان نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ پہلے وہ باران کو صرف "خان" کہا کرتے تھے، لیکن اب وہ ان کا سردار تھا، اس لیے اب سے "خان سردار" اس کا لقب تھا۔

"یہ کیا ہے؟"باران نے زرخان کی بات کاٹتے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑی دیگچی کی طرف اشارہ کیا اور اسے گھور رہا تھا۔

"وہ جی جو ساجدہ نے دیا میں لے آیا۔"

"زرخان، تمہاری بیوی بہت ہڈ حرام ہوتی جا رہی ہے، قابو کر لو اسے۔ "وہ تپے ہوئے لہجے میں بول کر زرخان کے ہاتھ سے دیگچی جھپٹ کر دروازہ اس کے منہ پر ٹھک سے بند کر گیا۔

باران نے گہرا سانس بھرتے ہوئے بستر پر پڑے وجود کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ میں پکڑی دیگچی کو۔ اب جو بھی تھا، جو آ گیا اسے اسی سے کام چلانا تھا۔ محترمہ کی ڈرپ بھی آدھی ہو چکی تھی۔ وہ سلگتے ہوئے انداز میں صوفے پر پڑی بوتل اٹھا کر ساری دیگچی میں انڈیل گیا۔ وہ تقریباً اپنا ہر کام خود کرنے کا عادی تھا، اسے بالکل پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کی پرائیویسی میں دخل دے، اس لیے اپنے کمرے کی صفائی بھی وہ خود کرتا تھا اور بھلا اپنے کام کرنے میں کیسی شرم؟ وہ پانی سے بھری دیگچی لیے خود بیڈ پر بیٹھ کر اسے زمین پر رکھ گیا۔ تولیہ کو اٹھایا، پانی میں ڈبو کر اچھی طرح نچوڑا اور پھر اسے زارا کے ماتھے پر رکھا، جس نے یک دم کچھ ٹھنڈا محسوس کرتے ہوئے ہاتھ مار کر تولیہ کو ایک طرف پھینک دیا۔

ڈرپ کے باعث وہ اب آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ باران کا بس نہ چلا کہ زارا کے ہاتھ توڑ دے جو بلاوجہ ہی چلتے رہتے تھے۔ اس نے تولیہ کو پکڑ کر دوبارہ اس کے ماتھے پر رکھا،

جسے زارا نے دوبارہ جھٹکنا چاہا لیکن وہ نہ کر سکی کیونکہ سردار صاحب نے تولیہ پر گرفت مضبوط کر لی تھی۔ تولیہ کو بھگو کر نچوڑنا اور پھر زارا کی پیشانی پر رکھنا یہ عمل تقریباً سات سے آٹھ منٹ تک چلتا رہا، جس کے بعد باران نے اس تولیے کو اسی پتیلی میں پھینک دیا کیونکہ زارا کی ڈرپ ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی طرف سے بے حد آرام سے اس کی سرنج نکالی۔ وہ ان کاموں میں بالکل اناڑی تھا۔ یہ پٹی، ڈرپ اس کے کرنے کے کام تھوڑی تھے۔ نیند میں ہی زارا کے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر وہ اپنے ہاتھوں میں مزید نرمی لے آیا۔ ڈرپ کو نکالتے ہوئے اس نے ڈسٹ بن میں پھینکا اور جلدی سے اس کے ہاتھ پر روئی رکھتے ہوئے سنی پلاس لگا دی۔ اپنی کارروائی پر اس نے خود کو داد دیتے ہوئے دیکھا جو گیارہ کا ہندسہ عبور کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند کی شدت سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے ایک نگاہ زارا پر ڈالی جو پرسکون سی سو رہی تھی اور اس کا بخار بھی کافی حد تک اتر گیا تھا۔ اس کا ارادہ اب سونے کا تھا۔ جلدی سے ہاتھ دھو کر وہ واپس آیا اور وہیں اس کے پہلو میں دراز ہوتے

ہوئے سونے لیٹ گیا۔ نیند کی شدت اس قدر تھی کہ اگلے ہی لمحے نیند کے گہرے سمندر نے اسے اپنے اندر سمو لیا۔

کچھ دھندلا سا منظر تھا۔ نرم روشنی میں ایک نوجوان صوفے پر نیم دراز تھا۔ اس کی گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر اس کی لمبی انگلیاں مہارت سے دوڑ رہی تھیں، جیسے کسی خاموش ساز پر کوئی ماہر موسیقار دھن ترتیب دے رہا ہو۔ قریب ہی ایک لڑکی ہچکچاہٹ اور اضطراب کے بیچ کھڑی تھی۔ کچھ پل ٹھہر کر اس کے ہونٹ ہلے۔

"سائیں "!زارا نے جھجکتے ہوئے کہا، نگاہیں اس کی طرف تھیں جو اپنی توجہ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر مرکوز رکھے ہوئے تھا۔

"ہمم۔ "محض ایک بے نیاز سا جواب آیا۔

"ایک بات پوچھوں؟"زارا کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"پوچھو۔ "اس نے سر تو ہلایا مگر نگاہیں اب بھی اسکرین پر تھیں، جیسے اس کی موجودگی سے بے خبر ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟" مدھم سی آواز میں آئے سوال نے لمحے بھر کو کمرے کی فضا منجمد کر دی۔ باران نے پہلی بار اسکرین سے نظریں ہٹائیں۔ سامنے زارا کھڑی تھی سوالیہ آنکھوں اور بے قرار دل کے ساتھ۔

"کیا کرو گی جان کر؟" اس نے ایک آئبرو اٹھائی۔ زارا الجھ گئی، یہ سوال تھا یا طنز، وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

"اچھا، آؤ ادھر۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور زارا کے قریب آیا۔ نرمی یا سختی، کوئی جذبہ چہرے پر نمایاں نہ تھا۔

"یہ دیکھو۔" وہ اسے لیے آئینے کے قریب آیا اور اس کا چہرہ شیشے کی سمت موڑ دیا۔ زارا کی آنکھوں میں حیرت تھی، مگر وہ چپ رہی۔ وہ کہنا کیا چاہتا تھا؟

"اپنی شکل دیکھی ہے تم نے؟ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھے تم سے محبت ہو سکتی ہے؟" اس کی آواز میں تمسخر تھا، سفاکی تھی، زہر گھلا ہوا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ دیکھو، کہاں میں۔ "اس نے اپنی شال ایک جھٹکے سے درست کی، جیسے اپنے وجود پر ناز کر رہا ہو،"اور کہاں تم۔ "وہ اس کی کنپٹی پر انگلی رکھ کر بیزاری سے بولا، جیسے اس کی موجودگی ہی گراں گزر رہی ہو۔

"تمہیں پتا ہے؟ میں بہت جلد سائرہ سے شادی کر رہا ہوں۔ تم تو ویسے بھی ونی میں آئی ہو، ایک سودا، ایک سمجھوتہ۔ کون ہو گا مجھے روکنے

والا؟"وہ زارا کو ایک طرف جھٹکتا، ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ زارا بدحواس کھڑی رہ گئی۔ نگاہیں آئینے میں اپنے عکس پر جم گئیں۔ وہ شخص ٹھیک ہی تو کہہ گیا تھا۔ ایک عام سی لڑکی، عام سی صورت، عام سا وجود۔ جسے اس کے باپ نے اپنے اختیار میں سمجھ کر دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ زندگی جیسے جیتی جاگتی لاش میں ڈھل گئی تھی۔ پہلے آنکھیں بھیگیں، پھر دل اور پھر گھٹنوں کے بل گر کر وہ زور زور سے رونے لگی۔ ایک چیخ تھی جو روح سے نکلی تھی۔

"آہہہہ۔ "یکدم وہ منظر دھندلا ہونے لگا۔ سب کچھ سیاہی میں ڈھلتا گیا۔ خاموشی رہ گئی۔ بس خاموشی۔

☆..☆..☆..☆

آہ! باران کی آنکھ ابھی کچھ لمحے پہلے ہی لگی تھی کہ ایک چیخ نے اس کے وجود کو چونکا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ کمرے میں نیم تاریکی پھیلی تھی، نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑیں اور پھر زارا پر جا ٹھہریں۔

"مورے، مورے!" وہ نیند میں تڑپ رہی تھی، جیسے کسی ان دیکھی اذیت کے شکنجے میں جکڑی ہو۔ آنکھیں بند تھیں، مگر چہرے پر خوف اور دکھ کے سائے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ باران کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

"اے لڑکی، اٹھو! کیا مسئلہ ہے تمہیں؟" اس نے جھنجھلاتے ہوئے زارا کے بازو کو تھاما اور ہلایا۔ اس کی نیند خود ابھی مکمل نہ ہوئی تھی اور اب یہ چیخ و پکار، اس پر ناگواری طاری کر گئی۔ زارا نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ نظر چھت سے الجھی، وہ کچھ لمحے وہیں ٹکی رہی۔ خواب اور

حقیقت کے درمیان کی لکیر جیسے ابھی تک مٹ چکی تھی۔ پھر آہستہ سے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے گہرا سانس لیا۔ خواب کا خوف ابھی بھی اس کی روح سے لپٹا ہوا تھا۔ باران کی موجودگی کا احساس اسے تب ہوا جب اس نے اپنے چہرے کا رخ موڑا۔ وہ اس کے بالکل قریب بیٹھا تھا، چہرے پر الجھن اور آنکھوں میں سوال لیے۔

اس کی موجودگی کا شعور جیسے دفعتاً اس پر نازل ہوا۔ وہ چونک کر پیچھے ہٹی اور چادر کو سنبھالنے لگی، حالانکہ وہ پہلے ہی سلیقے سے اوڑھی ہوئی تھی۔ باران نے بغور اس کی یہ حرکت دیکھی۔ دل میں ایک خلش سی ابھری، آخر وہ اس کا محرم تھا، پھر بھی یہ اجنبیت کی دیوار کیوں؟ زارا نے خاموشی سے لحاف پرے کیا اور بیڈ سے نیچے اترنے لگی مگر ایک پاؤں قالین پر رکھے برتن سے ٹکرایا اور وہ توازن کھو بیٹھی۔ بدن قالین سے آلگا۔ پانی اس کے کپڑوں کو بھگو گیا، اور قالین پر ایک بے ترتیب دھبہ ابھر آیا۔ باران فوراً اٹھا۔ وہ اس کے قریب آیا، اور بنا کچھ کہے، اس کے گرد بازو کا ہلکا سا حصار باندھا۔ دوسرے ہاتھ سے اسے سہارا دیا اور نرمی سے اٹھا کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

زارا، جو اپنے اندر شرمندگی، حیرت اور بے چینی سمیٹے ہوئے تھی، خاموش رہی۔ دل کی دھڑکنیں جیسے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔ وہ جانتی تھی، باران بے حد صفائی پسند تھا، اور اب وہی شخص، اس کی حالت سے بے نیاز، اسے سہارا دے رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے، جیسے کوئی نازک سی روشنی دل کے اندر ٹمٹمائی۔ کوئی امید، کوئی خاموش سا لمس، مگر جیسے ہی اس کی نگاہ آئینے پر گئی، سب کچھ جیسے ماند پڑ گیا۔ اپنی ہی صورت، وہ خواب، وہ تمسخر، وہ اجنبیت، سب کچھ پھر سے تازہ ہو گیا۔ چہرے پر آئی ایک پل کی چمک پھر سے دھند میں لپٹ گئی۔ اس نے خاموشی سے باران کو دیکھا، جو اب انٹر کام پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ نگاہ پھر کمرے میں گھومی۔ زمین پر گرا پانی، تولیہ، خالی ڈرپ، اور ڈسٹ بن کا منظر سب اس واقعے کی گواہی دے رہے تھے۔ زارا کی نگاہ باران کے ہاتھوں پر جا ٹھہری، صاف اور بے داغ۔ پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھا، جن پر سفید سنی پلاس لگی ہوئی تھی۔ ایک پل کو کچھ سوچا، اور پھر جیسے اندر کا سارا شور خاموشی میں بدل گیا۔ اس نے گہرا سانس لیا اور نظریں جھکا دیں۔

"مطلب، جو میں نے ابھی دیکھا، وہ محض خواب تھا؟" زارا نے الجھی نگاہوں سے چھت کی طرف دیکھا، جیسے جواب کسی اور جگہ سے آئے گا، مگر سوال وہیں ٹھہرا رہا۔ "اگر وہ خواب، کل کو حقیقت بن گیا؟ اگر سائیں نے واقعی اس خوبصورت لڑکی سے شادی کر لی تو؟ میری جگہ پھر کہاں بچے گی؟" اس کا دل ایک دم خالی سا ہو گیا تھا۔

"میں کہاں جاؤں گی؟" ایک مدھم سا خیال دل میں ابھرا، "بالاج لالا کے پاس۔" مگر فوراً ہی جیسے کوئی تلخ یاد لوٹ آئی۔ "نہیں، وہ اب مجھے اپنے گھر میں رہنے نہیں دیں گے۔ میں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔" یہ سوچ اس کے اندر ایک ٹھنڈے خلا کی صورت میں اتر گئی۔ دل جیسے بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ ایک گہری محرومی کا احساس، اس کی پلکوں سے ہوتا دل تک پھیل گیا۔ زارا نے سر اٹھایا، باران کی طرف دیکھا، جو اپنے کام میں مگن تھا۔ خاموشی سے قالین اٹھا کر بالکونی میں پھینک چکا تھا، کمرے میں بکھری اشیاء کو سمیٹتے ہوئے وہ اب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ جانتی تھی، باران نے اس کی آنکھوں کی بے زبان گفتگو محسوس کی ہو گی لیکن جیسے ہمیشہ، اس نے کچھ نہیں کہا، بس خاموشی کو برقرار رکھا۔ دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی۔ باران اٹھا، دروازہ کھولا تو سامنے ساجدہ کھانے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ اس نے خاموشی سے ٹرے لی اور اشارے سے اسے رکنے کا کہا۔ ساجدہ نے تجسس سے اندر جھانکنے کی کوشش کی لیکن وہ خود کو نہ روک پائی اور جب باران نے اچانک دروازہ کھولا تو وہ تقریباً لڑکھڑا گئی۔

"تانکا جھانکی کرنے سے بہتر ہے، اپنے کام پر دھیان دو۔" باران نے درشتی سے کہتے ہوئے دیگچی اس کے ہاتھ میں تھمائی اور دروازہ بند کر دیا۔ وہ پلٹا تو زارا بیڈ کے ایک کونے میں سمٹی بیٹھی تھی، جیسے اپنے اندر سکڑ گئی ہو۔

"یہ کھانا کھاؤ، پھر دوا بھی لینی ہے۔" باران اس کے پاس آیا اور نرمی سے کہا۔ زارا نے سر اٹھایا، ایک نگاہ باران پر ڈالی، پھر اپنے سامنے رکھی ٹرے پر۔ خوشبو، گرماہٹ، اور رنگوں سے بھرا کھانا، اتنے دنوں کے بعد کوئی چیز دل کو چھو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لگیں۔ کتنے دن گزرے تھے اسے یہ پکوان کھائے، وہ تو بس باسی روکھے سوکھے پر گزارا کر رہی تھی۔

جبہ خانم کی سخت نظریں اور طعنوں بھرا انداز اس کے حلق میں نوالہ تک نہ اترنے دیتا، اکثر اوقات اسے بھوکے پیٹ سونا پڑتا تھا۔ فریج لاک رہتا، اور زبان شکایت کرنے سے قاصر تھی۔

باران نے اس کی آنکھوں کی نمی، اس کی خاموشی میں دبی بھوک کو محسوس کیا اور پہلی بار اسے یہ سب غیر معمولی لگا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"دیکھ کیا رہی ہو؟ کھاؤ۔" اس کے لہجے میں نرمی تھی مگر انداز اب بھی سپاٹ تھا۔ زارا جیسے خیالوں کے بھنور سے نکلی۔

"یہ میں کھاؤں؟" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ سوال ایسا سادہ اور معصوم تھا کہ باران ایک لمحے کو چپ سا ہو گیا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے نظریں پھیریں۔

"تمہارے لیے منگوایا ہے، تم ہی کھاؤ گی۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" زارا کے چہرے پر ایک دھیمی سی روشنی ابھری۔ شاید یقین کی روشنی یا کسی دیرینہ محرومی کے ہٹ جانے کی۔ اور وہ دی گریٹ باران خان ایک پل کو واقعی کنفیوز ہو گیا۔ زارا نے اجازت ملتے ہی کھانا کھانا شروع کر دیا، جیسے برسوں بعد کسی نے اس کے حق کو پہچان لیا ہو۔ وہ جلدی جلدی نوالے منہ میں ڈال رہی تھی، جیسے وقت کم ہو اور موقع نایاب۔ باران اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آرام سے کھاؤ، کوئی لے کے بھاگ نہیں رہا!" اس کی آواز میں طنز کم اور سنجیدگی زیادہ تھی۔ زارا نے رک کر اسے دیکھا۔ اس نظر میں شکر بھی تھا، حیرت بھی اور شاید کوئی سوال جس کا جواب وقت ہی دے سکتا تھا۔

"سوری۔" بھرے ہوئے منہ سے زارا نے بمشکل اتنا کہا، تو باران کی ہنسی لبوں تک آ کر ٹھہر گئی۔ وہ اس لمحے میں کچھ ایسی معصوم، کچھ ایسی دلکش لگی کہ باران کی نظریں خود بخود اس پر جم گئیں۔ گہری سانولی رنگت، بھرا بھرا سراپا، بڑی سیاہ روشن آنکھیں، درمیانے بھرے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لب، چھوٹی سی ناک، اور نقاہت سے زرد ہوتے بھرے بھرے گال۔ گول سا چہرہ، جس پر سادگی اور معصومیت کی آمیزش تھی، مگر اس کی سب سے نمایاں اور خوبصورت چیز اس کے بال تھے، ریشم جیسے کالے، کمر سے بھی نیچے تک آتے ہوئے جنہیں باران نے فقط ایک بار دیکھا تھا لیکن اس کے بعد وہ منظر اس کی آنکھوں میں گویا نقش ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا ایک بار پھر اس سیاہ آبشار کو دیکھے مگر زارا کی سرد مہری اسے بد مزہ کر دیتی۔ وہ جس طرح خود کو ڈھانپے رکھتی، گویا وہ اس کے لیے کوئی اجنبی ہو۔ مگر پھر بھی اس کا دراز قد (جو باران سے محض پانچ سے چھ انچ کم تھا)، اس کی صورت، سب کچھ باران کی نگاہوں میں بے ساختہ ٹھہرنے لگا تھا۔ زارا نے محسوس کیا کہ باران کی نظریں اس پر مرکوز ہیں۔ اس نے چور نظروں سے جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، اور پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ سٹپٹا گئی، جس پر باران کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

"یہ دوا بھی کھا لو۔" اس نے اسے کھانے سے فارغ ہوتے دیکھا اور سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ زارا نے برا سا منہ بنایا، دوا کو دیکھا اور ناک سکیڑتے ہوئے دودھ کے ساتھ نگل لیا۔

"کھالیا؟"باران کی بھاری آواز فضا میں گونجی۔

"جی۔"زارا نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"ادھر آؤ۔"باران کا لہجہ قدرے حکم دینے والا تھا۔زارا نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ان سنہری آنکھوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ کانپ سی گئی۔رعب،وقار، تحکم،احساسِ ملکیت جیسے کئی جذبات ایک ساتھ ابھر آئے ہوں۔

"کیوں؟"وہ جھجک گئی۔

"جو کہا ہے وہ کرو۔"اب کی بار باران کے لہجے میں سختی در آئی۔مجبوراً،دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی ہوئی،وہ بیڈ سے اتری اور سر جھکائے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"بیٹھو۔"باران نے آہستگی سے کہا۔زارا کے چہرے پر پھیلتی سرخی،نقاہت کے پیچھے چھپی زندگی کی جھلک تھی جسے باران نے باریکی سے دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہارے کان خراب ہیں کیا؟ ایک بات دوبارہ کہنی پڑے؟" اس کے لہجے کی نرمی دھیرے دھیرے غصے میں بدلنے لگی۔ وہ اپنی حد تک برداشت کر چکا تھا۔ زارا اس کے تیور بھانپ کر فوراً صوفے پر تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے، مجھ سے ڈرتی ہو اتنا؟" اس بار باران کے لہجے میں غیر متوقع نرمی تھی۔ زارا نے نظریں اٹھائیں اور پہلی بار باران کی آنکھوں میں کچھ اور بھی پایا، وہی نرمی، جو لفظوں میں نہیں ہوتی، مگر احساس میں گونجتی ہے۔

"آپ سے نہیں، خود سے ڈرتی ہوں، کہیں آپ سے محبت نہ ہو جائے، کیونکہ مجھ جیسے لوگوں کو محبت راس نہیں آتی۔" یہ بات وہ صرف سوچ سکی۔

"لڑکی، میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" زارا کے خاموش رہنے پر باران نے اپنے غصے کو ضبط میں رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے واش روم جانا ہے۔" وہ گھبرا گئی، اور کوئی بہانہ نہ سوجھا تو یہی کہہ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جاؤ اور یہ کپڑے بھی چینج کر لینا۔" اس نے زارا کے سلوٹ زدہ اور معمولی لباس کی طرف اشارہ کیا۔ زارا نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا اور ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ باران نے نفی میں سر ہلایا، وہ جان چکا تھا کہ یہ محض ایک بہانہ تھا، کیونکہ وہ واش روم نہیں، ڈریسنگ روم میں بند ہوئی تھی۔

کچھ دیر بعد زارا لباس بدل کر نکلی۔ سفید پٹھانی فراک، اور اوڑھی ہوئی بڑی چادر میں وہ ایک الگ سی کشش لیے ہوئے تھی۔ باران نے نظریں اٹھائیں اور ایک پل کے لیے جیسے رک سا گیا۔ وہ بہت سادہ، بہت مکمل لگی اور اب اس کی چادر باران کو بری لگنے لگی تھی۔

"بیٹھو، ادھر۔" اس کے اشارے پر زارا خاموشی سے اپنی پرانی جگہ پر بیٹھ گئی اور باران کی خاموش نگاہیں، اس کی طرف اٹھتی ہی رہیں۔

"میری طرف دیکھو۔" باران کی گمبھیر مگر ضبط کی ہوئی آواز سن کر زارا نے الجھے ہوئے انداز میں نظریں اٹھائیں۔ سامنے وہی مرد بیٹھا تھا جس کی شخصیت میں ایک عجیب کشش تھی۔ ماتھے پر بکھرے چند بال، گہرے نقش، اور وہ سنہری آنکھیں، جن کے گرد ایک

خفیف سرخی جیسے کسی مسلسل جاگنے یا ضبط شدہ جذبات کی گواہی دے رہی ہو۔ زارا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ایک لمحے کو جیسے وقت تھم گیا۔ وہ مرد بلاشبہ کسی بھی عورت کا خواب ہو سکتا تھا، مگر وہ؟ وہ تو خود کو ہمیشہ ایک سایے جیسا سمجھتی تھی۔ باران کو اس کی ٹھہری ہوئی، مگر خالی نگاہوں میں کچھ ایسا دکھائی دیا جو لفظوں میں نہیں تھا۔

"پیارا ہوں؟" اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ زارا کا حلق خشک ہوا۔ لب کانپے، نظریں جھک گئیں۔ وہ سوال معمولی سا تھا، لیکن اس کے اندر ایک طوفان اٹھا گیا۔ باران، اس کی خاموشی اور جھجک سے محظوظ ہوتا بے ساختہ اس کی طرف جھکا۔ ایک بازو میں اسے سمیٹتے، اس کے وجود کے گرد ایک حفاظتی دائرہ سا کھینچ لیا۔ زارا کا سانس اندر ہی کہیں اٹک گیا۔ وہ اس لمس سے ناآشنا تھی اور باران کے لیے یہ لمس جیسے سکون کا پیام لے کر آیا ہو۔ شہادت کی انگلی سے باران نے آہستہ سے اس کے چہرے کے خدوخال چھوئے، پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ زارا کی جلد ویسی ہی نرم ہے جیسے وہ خود نرمی سے بولتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سائیں۔"زارا نے بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے ایک ہلکی مزاحمت کی لیکن باران کی نظریں،اس کا رویہ، جیسے کوئی راستہ بند کر رہا ہو۔زارا خاموش ہو گئی۔وہ دھیرے دھیرے اس کے سر سے چادر ہٹاتا،اس کی زلفوں سے اٹھتی مہک کو جیسے اپنی سانسوں میں بسا رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے وہ صرف خاموش رہا،اسے لگا جیسے اس کے سینے کی ساری تھکن،سارا بوجھ اس پل میں تحلیل ہو گیا ہو،پھر وہ دھیرے سے جھکا اور اس کی پیشانی کو چوم کر اس لمبے لمحے کو معتبر بنا گیا۔

باران کا ہاتھ اس کے سر کی طرف بڑھا،جہاں اس کے بال ایک سادہ کلپ میں مقید تھے،گویا کوئی نازک خزانہ جو خود سے بھی چھپایا گیا ہو۔کلپ کھلا تو وہ سیاہ ریشم جیسی زلفیں خاموشی سے بکھر گئیں،جیسے اندھیری رات میں چاندنی خاموشی سے زمین پر اترتی ہو۔باران نے گہرا سانس لیا،اور اس کی پلکیں جیسے ایک لمحے کو بند ہو گئیں۔وہ مہک،وہ نرماہٹ،یہ سب کچھ غیر ارادی طور پر اس کے اندر کہیں گہرا اترنے لگا،پھر وہ جھکا،بہت آہستہ،جیسے وقت کی گردش تھم گئی ہو،اور زارا کی کنپٹی پر نہایت نرمی سے اپنے لب رکھ دیے۔وہ لمحہ مختصر تھا،مگر اس

کی شدت دونوں کے وجود میں اتر چکی تھی۔ زارا جیسے پتھر کی مورت بن گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے قابو سی ہوئیں، جسم پر ایک کپکپی سی دوڑ گئی۔ اس نے خود کو روکنا چاہا، کچھ کہنا چاہا، مگر وہ لمس جیسے کسی دعائے خیر کی طرح اس کے اندر اترتا جا رہا تھا۔ باران کا لمس ناگہانی نہیں تھا مگر غیر متوقع ضرور تھا۔ وہ اس پل میں نہ صرف اپنے جذبات سے، بلکہ خود سے بھی خفا ہوتا محسوس ہوا۔ یہ صرف ایک لمس نہیں تھا، یہ جیسے ایک اعتراف تھا، خاموش لیکن غیر مبہم، لیکن جیسے ہی یہ منظر باران کی نظروں میں مکمل ہوا، اس کے تاثرات بدل گئے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی، چہرہ سختی سے سرخ ہونے لگا۔

"یہ کیا ہے؟" باران کا لہجہ اب خالص خفگی سے لبریز تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا اور تیز نگاہ سے زارا کے کندھوں تک آتے بے ترتیب، جیسے بد سلیقگی سے کاٹے گئے بالوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے تناؤ نے کمرے کی فضا کو بھاری کر دیا۔ آنکھوں میں ایسی چمک، جبڑوں کی سختی، کنپٹی کی نیلی اور ہری ابھری رگیں، جیسے وہ اس لمحے میں ضبط کے آخری کنارے پر

کھڑا تھا۔ زارا کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع نہ تھا، مگر یہ شدت؟ یہ رد عمل؟ وہ کانپ گئی، جیسے وہ کسی بڑے طوفان کے دہانے پر کھڑی ہو۔

"یہ کیا ہے؟" باران کا لہجہ لمحہ بھر میں برف سے شعلہ بن چکا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہ کاٹنے کی؟" اس کے الفاظ میں تلخی اور تاثر، دونوں اپنی انتہا پر تھے۔ اس کا ہاتھ زارا کے بالوں کو گرفت میں لے چکا تھا جہاں سے وہ سیاہ، ریشم جیسے بال اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔ زارا کے لبوں سے ایک دبی چیخ نکل گئی، جیسے اس کی روح تک لرز گئی ہو۔ اس نے تڑپ کر خود کو آزاد کروانے کی کوشش کی، مگر باران کی آنکھوں میں اتنا قہر تھا کہ وہ پل بھر کو ساکت ہو گئی۔ وہ مرد، جس کا لمس کچھ دیر پہلے اُسے تحفظ دے رہا تھا، اب وحشت بن چکا تھا۔

"جواب دو مجھے! ورنہ میں۔۔۔ میں وہ حال کر دوں گا کہ تم ساری عمر یاد رکھو گی!" اس کی آواز گونجی نہیں، بلکہ برسی تھی، جیسے طوفان در و دیوار ہلا دے۔ پختون رواجوں میں عورت کے بالوں کو بلاوجہ کاٹ دینا، خاص کر شادی شدہ عورت کے لیے، نہ صرف معیوب، بلکہ بے

عزتی کی علامت تھا اور اب، اس کی "ملکیت"، اس کا نکاح شدہ رشتہ بغیر اس کی اجازت کے اپنے بال کاٹ چکا تھا، باران کے لیے یہ ناقابلِ برداشت تھا۔ زارا کی آنکھوں سے آنسو دریا کی طرح بہہ نکلے۔ وہ بلک بلک کر رو دی، ضبط کا آخری کنارہ وہ عبور کر چکی تھی۔

"میں نے نہیں کاٹے۔" وہ چیخی، مگر اس چیخ میں بے بسی زیادہ تھی، بغاوت نہیں۔ باران کی گرفت جیسے موم بن کر پگھلنے لگی۔ وہ ٹھٹھک گیا، جیسے پل بھر کے لیے کوئی چٹان گراں ہو چکی ہو اس کے سینے پر۔ اگر زارا نے نہیں کاٹے تو پھر کس نے؟

"پھر کس نے؟" اس کی آواز میں اس بار سوال کم، دھمکی زیادہ تھی۔ وہ جو لمحہ پہلے زارا کے بالوں میں قید تھا، اب صوفے سے اٹھ چکا تھا، جیسے کسی طوفان کا مرکز اپنی جگہ چھوڑ دے۔ زارا خاموش رہی، چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکتی رہی۔ باران کی تپش بڑھتی گئی۔

"لڑکی، چپ نہ رہو۔ مجھے جواب چاہیے! ورنہ، ورنہ شاید میرا ہاتھ اٹھ جائے!" وہ دھاڑا، اور زارا کا وجود مزید سکڑ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ جنہیں آپ کل شاپنگ پر لے کر گئے تھے، انہوں نے۔" اس کی آواز گھٹی ہوئی، رندھی ہوئی، اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی، لیکن ہر لفظ باران کے دماغ پر ضرب بن کر پڑا۔

شاپنگ؟ اسے تو یاد ہی نہ آیا کہ وہ کسی اور کو ساتھ لے کر گیا ہو۔ پھر اس کے ذہن میں جیسے کوئی بجلی کوند گئی، زرمینے؟ نہیں۔ وہ کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتی۔ تو پھر؟ سائرہ! نام دماغ میں آتے ہی اس کی کنپٹیاں تن گئیں، آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں، اور چہرہ تپتے انگارے جیسا سرخ ہو گیا۔ اُس لمحے، جو بھی اُس کے سامنے آتا، شاید سلامت نہ رہتا۔ باران نے نفی میں سر ہلایا، ایک گہرا سانس لیا، اور پھر زارا کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ اس کی چادر درست کی، اور خود پر قابو پاتے ہوئے، لمبے ڈگ بھرتا، اُسے ساتھ لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔ آج باران خان کے قہر سے سائرہ کو کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"پری، آپ نے ناشتہ کر لیا؟" زارون کے کمرے میں داخل ہوتے ہی نظریں پریشے پر جا ٹھہریں، جو اسماہ خانم کی بھیجی گئی اشیاء، جوڑا، جیولری، جوتے اور دیگر ضروری سامان غور

سے دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر کے نکاح کے ساتھ ہی زارون کے ولیمے کی خبر بھی عام ہو چکی تھی، اور زارون کو اس میں کسی قسم کا اعتراض نہ تھا۔ پریشے کی طبیعت میں آہستہ آہستہ بہتری آ رہی تھی، اور یہی اس کے لیے سب سے اہم تھا۔

"جی، کر لیا تھا۔" پریشے نے دھیرے سے سر اٹھا کر زارون کی طرف دیکھا، جو اب اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سامان سمیٹنے لگا تھا۔

"میرے بغیر ہی کر لیا؟" وہ خفگی سے بولا تو پریشے یکدم سٹپٹا گئی۔

"سوری، آئندہ نہیں ہو گا۔ آپ کے بغیر کبھی نہیں کروں گی۔" اس کی جلد بازی پر زارون بے ساختہ مسکرا دیا۔ پھر نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"مجھے مس کیا آپ نے؟" وہ اس کے ہاتھ کی پشت پر نرمی سے انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ پریشے ہچکچاتے ہوئے ہاں میں سر ہلا گئی۔

"کتنا؟"

"تھوڑا سا۔" زارون نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"تھوڑا سا؟ زیادہ کیوں نہیں؟"

"پتا نہیں، جتنا یاد آئے اتنا بتا دیا۔" زارون اس کے معصوم انداز پر ہار مان کر رہ گیا۔

"اور میں تمہیں کب یاد آیا تھوڑا سا؟" لفظوں پر زور دیتے ہوئے وہ بولا تو پریشے نے معصومیت سے کہا، "وہ تو یاد نہیں۔"

زارون نے ایک لمبی سانس بھری۔ کبھی کبھی یہ لڑکی اُسے بے حد الجھا دیتی تھی۔

"خیر، چھوڑو یہ سب باتیں، مجھے کچھ پوچھنا ہے، وعدہ کرو سچ کہو گی؟"

"جی۔" پریشے سنجیدہ ہو گئی۔

"تمہارے چاچا تمہارے ساتھ کیسے تھے؟" سوال سنتے ہی پریشے کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں، پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں، آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

زارون فوراً اس کے چہرے سے پسینہ صاف کرنے لگا۔

"پری، مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہارے ہر مجرم کو سزا دلواؤں گا۔ بس مجھے اپنا ہمراز بنالو۔"

"زار۔" ایک ہچکی کے ساتھ اس کے لبوں سے زارون کا نام نکلا۔

"ہاں جان، بولیں۔ میں سن رہا ہوں۔" زارون نے اسے اپنے حصار میں لے لیا، اس کا کانپتا وجود اپنی بانہوں میں سمیٹ کر، اسے مکمل تحفظ دیا۔

"میرے چاچا اچھے نہیں تھے" اور پھر جیسے برسوں کی روکی ہوئی بارش برس پڑی۔ وہ سسک سسک کر رو دی۔ "انہوں نے مجھے ان حیوانوں کے حوالے کر دیا، میں نے ان سے منتیں کیں، گڑگڑائی لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی۔"

زارون کے لیے یہ لمحہ قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ اسے خود سے لگا کر، اس کی سسکیوں، اس کی کہانی، اور اس کی ٹوٹی ہوئی آواز کو جذب کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ پریشے کے دل سے بہہ جائے، اور وہ ہلکی ہو جائے اور ایسا ہی ہوا۔ کچھ لمحوں بعد، جب آنکھیں تھک گئیں،

دل کا بوجھ اُتر گیا، وہ خاموش ہو گئی۔ زارون نے سر جھکا کر اسے دیکھا۔ وہ اب بھی اس کے سینے سے لگی تھی، گود میں ہاتھ رکھے، خاموش، مگر پر سکون۔

"پری۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے پریشے کو پکارا۔

"جی؟" اب کی بار اس کی آواز میں ایک ٹھہراہوا سکون تھا۔

"تمہارے مجرم اس وقت سلاخوں کے پیچھے ہیں۔" پریشے نے چونک کر سر اٹھایا۔ بے یقینی سے زارون کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں نیند اور ضبط کی سرخی ایک ساتھ تیر رہی تھی۔

"سچ؟"

"بالکل۔ اب تمہاری زندگی میں کوئی کانٹا باقی نہیں رہا۔ تمہارا زار سب چن چکا ہے۔" پریشے کے چہرے پر سکون پھیلنے لگا، مگر پھر ایک اندیشہ آنکھوں میں تیرنے لگا۔

"اب جب میں ٹھیک ہو گئی ہوں، تو کیا آپ مجھے چھوڑ دیں گے؟" زارون کی آنکھیں چند لمحوں کے لیے تھمی ہوئیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا، صرف سوال لوٹا دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں کبھی تمہیں چھوڑ سکتا ہوں؟" پریشے خاموش رہی۔ زارون نے اس کا چہرہ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تمہیں پتہ ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں سورۃ النور، آیت 26 میں کیا فرماتے ہیں؟" اس کا لہجہ پُرسکون، مگر گہرا تھا۔ "ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں، اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے؛ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں، اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔" یہ سنتے ہی پریشے کا دل جیسے لرز اٹھا۔ روح تک جھرجھری سی دوڑ گئی۔ آنکھیں نم، وجود ساکت۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارون نے دھیرے سے پوچھا، "کیا تمہیں لگتا ہے کہ تمہارا زار ناپاک ہے؟" پریشے نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، لیکن اس بار وہ آنسو بوجھ کے نہیں، یقین کے تھے۔ زارون نے نرمی سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تو پھر میری پری بھی پاکیزہ ہے۔ تم میرے لیے اللہ کی ایک خاص نعمت ہو۔" وہ مسکرا دی۔ دل کا بوجھ، برسوں کی خاموشی، سب تحلیل ہو چکا تھا۔

"شکریہ۔"وہ چونکی۔

"کس لیے؟"وہ سر جھکا کر مسکرایا۔

"میری زندگی میں شامل ہونے کے لیے۔"وہ روتے روتے کھلکھلا کر ہنس دی۔کوئی اتنا پیار کیسے کر سکتا ہے۔

"اچھا،اب رونا بند کرو۔اُٹھو اور یہ سامان سمیٹو۔مجھے نیند آ رہی ہے۔"زارون کی شوخی پر وہ مسکراتی ہوئی سر ہلاتے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"ارے ایک بات بتانا تو میں بھول ہی گیا،"زارون جو ڈریسنگ روم کی طرف جا رہا تھا،ایک دم سر پر ہاتھ مارتے ہوئے واپس مڑا۔پریشے نے رک کر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"باباجان نے ہمارا ولیمہ بھی اناؤنس کر دیا ہے۔پرسوں شاہ لالا کے نکاح کے ساتھ ہمارا ولیمہ بھی ہے۔"وہ گہری مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ کر بولا تو وہ جھینپ سی گئی۔

"یہ مورے نے جو سامان بھجوایا ہے، دیکھ لو اگر کچھ کمی لگے یا کچھ پسند نہ آئے تو مجھے بتانا، ہم پھر شاپنگ پر چلیں گے۔" مسکراتا ہوا پریشے کو بے حد پیارا لگا تھا۔

"جی ٹھیک ہے۔" شرمیلی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گئی تو وہ بھی بالوں میں ہاتھ پھیرتے ڈریسنگ روم میں بند ہو گیا۔

پریشے کی زندگی میں اندھیرے کا آغاز اس دن ہوا، جب محض سولہ سال کی عمر میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ وہ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی اور ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔ والد کی موت کے بعد، رشتے داروں کے اصرار پر چچا حبیب نے اُسے اور اس کی بیمار ماں نرما کو اپنے گھر میں سہارا دے دیا۔ چچا کے اپنے دو بیٹے تھے، بڑا بیٹا سعود جو بیرون ملک مقیم تھا جبکہ چھوٹا بیٹا اشرف، جو پریشے سے چار سال بڑا تھا، تعلیم ترک کر کے گلیوں کا آوارہ لڑکا بن چکا تھا۔ ماں شبانہ کی اندھی محبت نے اشرف کو مکمل بگاڑ دیا تھا۔ پریشے کی ماں ہیپاٹائٹس کی مریضہ تھی، اور مناسب علاج نہ ملنے کے سبب وہ جلد ہی چل بسی۔ ماں کی موت کے ساتھ ہی پریشے کی دنیا سے تحفظ کا آخری پردہ بھی ہٹ گیا۔ اب وہ مکمل طور پر چچا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور چچی کے رحم و کرم پر تھی. اشرف کی نظریں اس پر پہلے دن سے ہی ٹھیک نہ تھیں، اور ماں کے گزر جانے کے بعد اس نے موقع ملتے ہی اسے ذہنی اذیت دینا شروع کر دی۔ چچا اور چچی نے پریشے کی وہ دکان، جو اس کے باپ نے اس کے نام کی تھی، اشرف کو دینے کے لیے اس کا رشتہ اس سے طے کر دیا۔ اس کی ہر فریاد کو چچی نے دھمکیوں اور طعنوں میں دبا دیا۔

زندگی دن بہ دن ایک بند گلی میں داخل ہوتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ ایک شام چچا حبیب جوئے میں دس لاکھ روپے ہار آیا۔ اس کی حالت غیر تھی۔ کچھ ہی دیر بعد، گھر کے دروازے پر دھاڑتے قدموں کی چاپ اور چیخ و پکار گونجنے لگی۔ قرض خواہوں کا گروہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوا۔ وہ سب کے سب خونخوار، سفاک چہروں والے لوگ تھے، جن کی نظروں میں رحم کا کوئی عکس نہ تھا۔ حبیب نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنی بھتیجی پریشے کا سودا کر ڈالا۔ اس انسان نما درندے عبید کی نظر پہلے ہی اس حسین، معصوم لڑکی پر تھی، جس کی نیلی آنکھیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خوف میں سہم جاتی تھیں اور اب اسے اپنی ہوس پوری کرنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ پریشے نے رحم کی بھیک مانگی، چچی نے بظاہر مزاحمت کی، اشرف نے وقتی طور پر غیرت دکھائی، مگر آخر کار سب خاموش ہو گئے سوائے اس کے جو سب کچھ برداشت کر رہی تھی۔

عبید اُسے زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ دو مہینے تک اس کے ظلم کا شکار بنی رہی، نہ صرف اس درندے کے ہاتھوں بلکہ اس کے کئی ساتھیوں کے ہاتھوں۔ وہ اسلام آباد منتقل کر دی گئی، جہاں اسے ایک سیاست دان کے لیے جسم فروشی کے کاروبار میں جھونک دیا گیا۔ وہ ایک قید خانے میں بند، اپنی سانسوں کو کوس رہی تھی۔ ایک رات جب سب نشے میں دھت تھے، وہ کال کوٹھری سے نکل کر بھاگ گئی۔ مگر وہ فرار زندگی کے لیے نہ تھا، بلکہ موت کو گلے لگانے کے لیے تھا، لیکن قسمت سے وہ زارون کی گاڑی سے جا ٹکرائی اور تب اس کی کہانی نے نئی کروٹ لی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارون نے اسے سہارا دیا، شفا دی، اعتبار دیا۔ اس نے کبھی سوال نہ کیا، کبھی ماضی کا طعنہ نہ دیا۔ وہ راتوں کو ڈر کر جاگتی، چیختی، کپکپاتی تو زارون اس کے پاس ہوتا۔ اسے دنیا کے ہر مرد سے ڈر لگتا، لیکن زارون نے آہستہ آہستہ اسے یہ احساس دلایا کہ ہر مرد درندہ نہیں ہوتا۔ ماہر ڈاکٹروں سے اس کا علاج کرایا، کاؤنسلنگ کے سیشنز کرائے، اور اپنی خاموش محبت سے اس کے ہر زخم کو بھر دیا۔

پریشے جو کبھی آئینے میں اپنی آنکھوں کے آنسو تک سے شرمندہ ہوتی تھی، آج شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں برش تھا، جو وہ اپنے سامنے کھڑے وجیہہ مرد کے بھیگے بالوں میں پھیر رہی تھی، آنکھوں اور دل میں سکون تھا۔ اُس نے دیکھا وہ شخص، جس کی روح میں روشنی تھی، جس کا وجود درد کا مرہم تھا، مسکرا رہا تھا کیونکہ اب اس کے گرد جمی دھول چھٹ چکی تھی۔ زندگی پھر سے مسکرانے لگی تھی۔

☆..☆..☆..☆

پری گل تیز قدموں سے اپنے کیبن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ نائٹ شفٹ ختم ہونے کو تھی، اور کوریڈور اس وقت حسبِ معمول قدرے سنسان تھا۔ زیادہ تر عملہ اسٹاف روم میں ہوتا یا نئی شفٹ سنبھالنے والے ڈاکٹروں سے بریفنگ لے رہا ہوتا۔ وہ ابھی لفٹ کے قریب پہنچی ہی تھی کہ کسی نے پیچھے سے پکارا، "ڈاکٹر"!

وہ ٹھٹھک کر مڑی، اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھتے ہی لب بھینچ لیے۔ بالاج دراب خانزادہ۔ وہی شخص، جسے وہ کچھ دن پہلے اپنی حویلی میں باران کے ساتھ بحث کرتے دیکھ چکی تھی۔ زارا کا سابقہ منگیتر۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بالاج ہنوز لاپرواہی سے چیونگم چبا رہا تھا اور مسکرا رہا تھا جیسے سب کچھ معمول کا ہو۔ زخمی بازو پر پٹی بندھی تھی جو آدھی آستین کی شرٹ سے جھانک رہی تھی۔

"جی؟ کیوں روکا ہے مجھے؟" پری گل نے سخت لہجے میں پوچھا، بازو سینے پر باندھتے ہوئے۔

"ڈاکٹر صاحبہ! بڑے غصے میں لگ رہی ہیں، سب خیر تو ہے؟" بالاج نے شوخی سے کہا، جیسے پرانی جان پہچان ہو۔

"آپ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے والے؟"اس کا انداز سرد اور سخت تھا۔

"ارے بھئی، آپ کے پیشنٹ ہیں ہم۔ کچھ تو خیال کریں ہمارا!"وہ بینڈ یج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ پری گل نے پلکیں جھپکائیں، جیسے ضبط کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"دیکھیں مسٹر، جس نے یہ بینڈ یج کی ہے، بہتر ہو گا آپ اُسی سے جا کے کہیں کہ وہ آپ کا خیال رکھے۔ یہ میرا کام نہیں ہے!"وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"ویسے نام ہے میرا بالاج۔ بالاج دراب خانزادہ۔"

"دیکھیں"...

"دیکھ رہا ہوں۔"بالاج نے بیچ ہی میں بات کاٹ دی۔ وہ لاپرواہ لگ رہا تھا، مگر آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ کچھ اور بھی جانتا ہے۔ پری گل کا غصہ اور بڑھ گیا۔ ایسے مرد، جو ہر خاتون سے فری ہونے کی کوشش کریں، اسے سخت ناپسند تھے اور بالاج اسے بالکل اسی طرح کا لگا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اپنی حد میں رہیں!" وہ دانت پیس کر بولی۔

"حد؟ وہ کیا ہوتی ہے؟" بالاج نے شوخی سے ابرو اٹھائے۔ پری گل کا پارہ چڑھ گیا۔

"Go to hell!" وہ غصے سے بولی اور اپنے کیبن میں داخل ہو گئی۔ پیچھے سے بالاج کے قہقہے کی آواز گونجی، جس پر اس نے دروازہ زور سے بند کیا اور بیگ صوفے پر پھینکا۔

"لوفر کہیں کا!" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑائی۔

☆..☆..☆..☆

"اے فاقہ زدہ چھپکلی، کتنا کھاتی ہو تم؟" ارمان ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے چونکا، جب اُس کی نگاہ لاؤنج میں بیٹھی انارہ پر پڑی، جو بڑے اطمینان سے نوڈلز کھانے میں مگن تھی۔ اُسے یکدم شرارت سی سوجھی۔

"اے گینڈے! میرے کھانے پر نظر نہ لگاؤ!" جواب میں انارہ بہرام خان نے پلک جھپکائے بغیر کہا۔ مجال ہے جو ذرا بھی گھبراتی ہو۔

"تم کتنی بد تمیز ہو! بات کرنے کی تمیز نہیں ہے!" ارمان نے دانت پیستے ہوئے سخت لہجے میں کہا، جیسے اُسے اُس کی جرأت پر یقین نہ آیا ہو۔

"ہاں، نہیں ہے۔ جاؤ، جو کرنا ہے کر لو!" وہ ہاتھ کو ہوا میں جھلاتے ہوئے بے نیاز انداز میں بولی۔ اُس کے انداز نے ارمان کو منہ کھولنے پر مجبور کر دیا۔ وہ منہ بسورتے ہوئے وہیں پاس والے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ چونکہ اُس کے پیپرز ختم ہو چکے تھے، آج کل وہ فارغ ہی تھا۔

"اے چھپکلی! تم میرے نوڈلز کھا رہی ہو؟" اچانک اُس کی نظر انارہ کے ہاتھ میں موجود اُس کے پسندیدہ کورین نوڈلز پر پڑی، تو وہ صوفے پر ہی اچھل پڑا۔

"ارمان! کیا بد تمیزی ہے؟ کیا ایسے بات کرتے ہیں کسی مہمان سے؟" اسماہ خانم، جو کچن میں سب کے لیے ناشتہ تیار کروا رہی تھیں، آواز سن کر باہر آئیں اور فوراً ارمان کو ڈانٹا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تائی جان، یہ میرے فیورٹ نوڈلز ہیں! میں نے کوریا سے منگوائے تھے، یہاں ملتے بھی نہیں اور آپ اس چوہیا کو میرے نوڈلز کھلا رہی ہیں، جب کہ عمر تو اس کی دودھ پینے کی ہے!" وہ رونی صورت بنا کر اسماہ خانم کے پاس آتے ہوئے بولا۔ جواباً انہوں نے ایک چپت اُس کے سر پر جمادی۔

"ہاں تو کیا تمہاری عمر ہے یہ سب کھانے کی؟ اتنے بڑے ہو کر بھی بچوں جیسی عادتیں نہیں گئیں۔ انارہ بچہ، تم سکون سے کھاؤ، اور اگر کچھ اور چاہیے ہو تو ہم سے کہہ دینا۔" اسماہ خانم نے ارمان کی کلاس لیتے ہوئے محبت سے انارہ کو مخاطب کیا، تو انارہ نے اچھے بچوں کی طرح فوراً سر ہلا دیا۔

"بڑی ماں!" ارمان پیر پٹختا ہوا اپنے کمرے سے نکلتی زوبیہ خانم کی طرف بڑھا۔

"کیا ہوا ہمارے بیٹے کو؟" زوبیہ خانم نے شفقت سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ان کی آواز میں ہلکی سی نقاہت تھی، رات سے طبیعت ذرا خراب تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہیلو، بلو آئی آنٹی!" انارہ نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے گردن گھما کر مسکراتے ہوئے زوبیہ خانم کو ہاتھ ہلایا، تو وہ بھی مسکرا کر اس کے پاس آ گئیں۔ ارمان، جو ابھی اپنا دکھڑا سنانے کے لیے منہ کھولنے والا تھا، وہیں رک گیا۔

"میری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے۔" وہ آہ بھرتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کیوں؟ کس نے لوٹ لی؟" انارہ نے لاپرواہی سے نوڈلز کھاتے ہوئے پوچھا، جیسے واقعی تجسس ہو۔

ارمان، جو غصے سے ناک کے نتھنوں کو پھلائے مردانہ خانے کی طرف جا رہا تھا، اُس کی بات سن کر ٹھٹھک کر رک گیا۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انارہ کو دیکھا، پھر اپنی بڑی ماں اور تائی جان کو، جو منہ پر دوپٹہ رکھے دبی دبی ہنسی ہنس رہی تھیں۔ اُس کا بس نہیں چلا کہ وہ اُس "چھوٹی چوہیا" کی گردن مروڑ دے۔ شرٹ کا کالر کھڑا کیا، انگلی اٹھا کر انارہ کو چیلنجنگ انداز میں دھمکایا، اور مردانہ خانے میں چلتا بنا۔ انارہ نے اُس کی حرکت کو مکمل نظر انداز کرتے

ہوئے محض سر جھٹکا اور نوڈلز (جو دراصل ارمان کے تھے) پر ہاتھ صاف کرنے میں مصروف ہو گئی۔

☆..☆..☆..☆

"خان جی، آپ مجھے لینے کیسے آ گئے؟" زرمینے گل جیسے ہی کالج کے گیٹ سے باہر نکلی، وہ سامنے کھڑے موسیٰ خان کو دیکھ کر چونکی نہیں، خوش ہوئی۔ ایک عجیب سا سرور سا اس کی آنکھوں میں ابھرا۔ وہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ، اپنی مخصوص سنجیدگی اور روایتی وجاہت سمیت، سفید لینڈ کروزر کے ساتھ کھڑا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بس، ایسے ہی۔" موسیٰ نے مختصر جواب دیا اور زرمینے کے لیے گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھولا۔ جیسے کوئی شہزادہ اپنی شہزادی کے لیے در کھولے۔

زرمینے خاموشی سے مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی، جبکہ وہ اپنی طرف آ کر سنجیدگی سے دروازہ بند کرتا ہوا بیٹھ گیا۔

"اچھا۔" زرمینے نے آہستگی سے سر ہلایا، اور چور نظروں سے اُسے دیکھا۔ وہ بھورے رنگ کے سادہ شلوار قمیض میں، کندھے پر کالی کناری والی شال ڈالے، سبز آنکھوں پر بلیک سنگلاسز لگائے کچھ زیادہ ہی دلکش لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ازلی سنجیدگی، اور گھنی داڑھی کے ساتھ وہ تاثر ایسا تاثر تھا جو زرمینے کے دل کو ہمیشہ اپنی گرفت میں لے لیتا۔

"کیا ہوا، زرمینے؟" موسیٰ نے ایک لمحے کو نظریں سڑک سے ہٹا کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا، جہاں وہ بار بار اُسے تکتی جا رہی تھی۔

"کچھ نہیں، خان جی۔" زرمینے جھینپ گئی۔ اپنی نظر اور بے خودی پر شرمندہ سی ہوئی، لہجہ فوراً بدل کر بات گھمانے لگی، "آپ بتائیں، اب اگلے ٹرپ پر کب اور کہاں جائیں گے؟"

موسیٰ نے لبوں پر آتی ہلکی سی مسکراہٹ کو بمشکل روکتے ہوئے نظریں دوبارہ سامنے جما دیں۔

"ابھی کچھ طے نہیں۔" وہ نرم لیکن قطعیت بھرے لہجے میں بولا، "بے فکر رہو، جب بھی جاؤں گا، تمہاری دی ہوئی لسٹ میں سے ہر چیز ضرور لے آؤں گا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زرمینے نے نرمی سے سر ہلایا۔ اُس کے دل کو عجیب سا قرار سا ملا تھا۔ محبت چھپی ہو تو بھی محسوس ضرور ہوتی ہے، اور یہی موسیٰ خان کا کمال تھا۔ باقی راستہ خاموشی سے کٹ گیا۔

زرمینے کی بار بار اٹھتی نظروں کو وہ محسوس کرتا رہا، مگر تاثر میں کسی قسم کی تبدیلی نہ آنے دی۔ اُس کے چہرے پر وہی سنجیدہ وقار، وہی ضبط، وہی خاموشی۔ وہ لڑکی سمجھتی تھی کہ محبت کرنے والی صرف وہ ہے، مگر حقیقت یہ تھی کہ موسیٰ خان اُس سے محبت نہیں کرتا تھا، وہ اُس پر عشق کرتا تھا، مگر اُس نے کبھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ نہ آنکھوں سے، نہ الفاظ سے، کیونکہ وہ چاہتا تھا، جب وہ اپنی محبت کا اعتراف کرے، تو وہ رشتہ صرف "محرم" کے طور پر ہو۔ وہ چاہتا تھا کہ جب وہ "زرمینے گل" کو اپنا کہے، تو دنیا گواہ ہو اور اللہ کی رضا شامل ہو۔

☆..☆..☆..☆

"تو نے میرے میجر پر گولی چلائی، میرے میجر پر!" کمرے کی فضا میں ایک بار پھر وہی الفاظ گونج رہے تھے، جیسے دیواروں میں جذب ہو کر لوٹ آئے ہوں۔ سب لوگ ایک ایک کر کے جا چکے تھے۔ اب وہ تنہا تھا، بالکل تنہا، مگر ذہن میں آوازوں کا شور تھا، سوالوں کا

طوفان تھا۔ وہ اُلجھ گیا تھا، صرف لفظ "میرے میجر" پر۔ میرے؟ آخر وہ کون تھی، جو ہر بار جان پر کھیل کر اُسے بچا لیتی تھی؟ ہر بار وہ آنکھیں چرا لیتا، دل کو سمجھا لیتا مگر اب کی بار بات اتنی معمولی نہیں تھی۔ یہ واقعہ... وہ گولی... اس بار یہ سب نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟ ایک گینگسٹر میرے لیے، تنہا دشمنوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی؟" وہ مسلسل خود سے سوال کرتا رہا اور پھر وہ خوشبو!

وہی مانوس خوشبو... کہیں نہ کہیں، کسی اور لمحے میں اسے وہ مہک پہلے بھی چھو چکی تھی۔ بس یاد نہ آ رہا تھا کہ کہاں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ انہی سوچوں کے بوجھ تلے دبا بیٹھا تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا، آنکھوں میں الجھن ابھی بھی تیر رہی تھی۔

"آجائیے۔" آواز دھیمی مگر شائستہ تھی۔ دروازہ کھلا اور جو منظر اس کے سامنے آیا، اس نے تمام سوالوں، تمام سوچوں پر پردہ ڈال دیا۔ ایک نرم مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کو چھو لیا۔ چہرے کی سختی، آنکھوں کی سرخی — سب جیسے پل میں پگھل گئے۔

وہ جو آئی تھی، اس کا رنگ جامنی تھا، جس کے ہاتھوں میں خوبصورت سے لیونڈر تھے، مگر اس کی آنکھیں سرمئی اور ان آنکھوں میں ایک بے ساختہ الجھن تھی، جب اُس نے محسوس کیا کہ شاہ میر کی نظریں مسلسل اُسے تک رہی تھیں۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی؟" حرم کی نرم آواز نے جیسے اسے حقیقت میں واپس کھینچا۔ شاہ میر نے ایک جھ قا کے میں نظر چرائی۔ اسے اپنا یوں دیکھنا عجیب لگا، کچھ شرمندگی سی بھی محسوس ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں، آپ... آپ تشریف رکھیں۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا، اور وہ آہستہ سے وہاں بیٹھ گئی۔ دل میں کچھ دھڑکنے لگا، نرمی سے، خاموشی سے۔ حرم کو شاہ میر کا یوں نظریں جھکا لینا پسند آیا، آخر حیا کی اصل پہچان تو مرد کی آنکھ ہی ہوتی ہے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ حرم آئی تو صرف اسے دیکھنے تھی، مگر اب، الفاظ جیسے ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ ادھر شاہ میر بھی الجھا ہوا تھا، نہ سمجھ پا رہا تھا کہ اس خاموشی کو توڑے تو کیسے؟ حرم نے ایک لمحے کو نظر اٹھا کر دیکھا، سامنے وہ اولیو گرین شرٹ اور نیوی ٹراؤزر میں ملبوس مرد بیٹھا تھا،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس کی آنکھوں میں ضبط کی سرخی تھی اور کچھ نہ کہے جانے والے جذبے۔ دونوں ہی بولنا چاہتے تھے مگر شاید خاموشی زیادہ کہہ رہی تھی... اور پھر وہ اٹھی اور دو قدم بیڈ کے نزدیک آئی۔

"یہ میں آپ کے لیے لائی ہوں۔" حرم نے اپنے ہاتھوں میں موجود لیونڈر شاہ میر کی جانب بڑھائے۔ اس سے پہلے کہ وہ انہیں تھامتا، اچانک باہر سے آوازیں آنے لگیں۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بیک وقت اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئے... اور وہ پھول، مہکتے ہوئے جامنی پھول، وہیں بیڈ کے کنارے پڑے رہ گئے، کسی ادھوری یاد کی طرح—یا شاید مرجھانے کے لیے۔

☆..☆..☆..☆

"سائرہ! سائرہ!" باران کی آواز میں ایسی سختی اور گونج تھی کہ لاؤنج میں بیٹھی خواتین کے دل دہل گئے۔ اس کی دھاڑ نے جیسے حویلی کی فضا کو چیر ڈالا ہو۔ لمحوں میں ہر کمرے کے دروازے کھلے، سب حیرت و پریشانی کے عالم میں باہر نکل آئے۔ شاہ میر نے اوپر کی منزل

سے ریلنگ کے پار جھانکا۔ نیچے باران کے چہرے پر غصے کی سرخی واضح تھی، اور اسی چہرے کی کشش سے سب کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔

"کیا ہوا، باران؟" اسماہ خانم تیز قدموں سے اس کے قریب آئیں، چہرے پر تشویش گہری تھی۔

"مورے، پلیز!" باران نے آہستگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں التجائی نظروں سے دیکھا، جیسے ان کی مداخلت کو عزت سے روک رہا

ہو۔ اسی پل سائرہ اور جبہ خانم نمودار ہوئیں۔ سائرہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر باران نے زارا کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑا اور چند قدم آگے بڑھا۔ سائرہ کی نظریں بدستور اُس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جیسے اب بھی وہ حسنِ خداداد سے مرعوب ہو۔

"تم نے زارا کے بال کاٹے ہیں؟" باران کی آواز میں سرد ملال اور دبی ہوئی شدت تھی۔

ایسا سکوت تھا کہ ہر لفظ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ رہا تھا۔ سائرہ کا چہرہ یکایک سفید

پڑ گیا۔ اس نے ایک نظر اپنی ماں کی جانب ڈالی، جو خود بھی پریشان کھڑی تھیں۔ لاؤنج کی فضا بوجھل ہو چکی تھی۔ زارا، جواب بھی سر جھکائے کھڑی تھی...

"باران بیٹا، یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" جبہ خانم بیٹی کے دفاع میں سامنے آئیں، مگر باران نے سخت لہجے میں کہا،

"چچی جان، مہربانی فرما کر پیچھے ہو جائیے۔ میں کسی قسم کی بدمزگی نہیں چاہتا۔" یہ پہلا موقع تھا کہ باران کی آواز میں بڑوں کے لیے ایسی سرد مہری تھی، مگر پھر بھی حدِ ادب میں تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں، سائرہ!" باران کا تحمل اب کچے دھاگے پر تھا۔

"وہ... وہ میں نے... وہ—" سائرہ کی زبان لڑکھڑائی، چہرے پر شرمندگی تھی، لیکن غرور نے اسے سچ قبول کرنے سے روکے رکھا۔

"وہ وہ کیا؟ سیدھا جواب دو!" باران کی اگلی دھاڑ اتنی شدید تھی کہ انارہ نے زوبیہ خانم کے پیچھے چھپنے میں ہی عافیت جانی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں! میں نے کاٹے ہیں! اور تم اس ونی میں آئی، دو کوڑی کی لڑکی کے لیے مجھ پر برس رہے ہو؟" سائرہ کی آواز بلند ہوئی تو حویلی کے ماحول پر جیسے زہر بکھر گیا۔ باران نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں، گہری سانس لی، پھر سر موڑ کر زارا کو دیکھا جو اب بھی لرزتی ہچکیوں میں گم تھی۔ ایک پل کو وہ کچھ کہے بغیر رہا، مگر اگلے لمحے — تھپڑ!

باران کا ہاتھ بجلی کی مانند گھوما اور سائرہ کے گال پر ایسی ضرب لگا کہ وہ لڑکھڑاتے ہوئے صوفے پر جا گری۔ لاؤنج میں ایسا سکوت چھایا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ باران... باران حیدر خان نے ہاتھ اٹھایا ہے۔ شاہ میر بے ساختہ اس کی جانب بڑھا۔ اگر دیر کرتا تو شاید دوسرا تھپڑ بھی پڑ چکا ہوتا۔

"باران! ہوش کرو!" شاہ میر کی سخت آواز نے کمرے کی جمی ہوئی فضا کو رواں کیا۔ جبہ خانم تیزی سے اپنی بیٹی کے پاس پہنچیں، جو گال پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی، مگر باران کا چہرہ اب بھی غصے سے سرخ تھا، آنکھوں میں آگ تھی، جیسے وہ ابھی بھی بہت کچھ کہنا چاہتا ہو، بہت کچھ کرنا چاہتا ہو... ان سب کے بیچ، اگر کوئی تھا جو اس ساری ہنگامہ خیزی کو سکون اور مکمل

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اطمینان کے ساتھ دیکھ رہا تھا، تو وہ حرم تھی۔ دیوار سے ٹیک لگائے، وہ پورے منظر کو اس طرح ملاحظہ کر رہی تھی جیسے برسوں پرانی کسی الجھن کا کڑا حساب برابر ہوتے دیکھ رہی ہو۔ سائرہ کا چہرہ، جو ابھی کچھ لمحے قبل غرور کا مسکن تھا، اب باران کے ایک تھپڑ کے بعد شکستہ خاکے میں بدل چکا تھا۔

حرم کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری، جسے اس نے فوراً ہی ضبط کرتے ہوئے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا لیا۔ وہ جانتی تھی سائرہ نے

کب سے ہر ایک کو نفسیاتی اذیت کا نشانہ بنا رکھا ہے، مگر کوئی بھی اس کے غرور کو توڑنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آج پہلی بار، اس کے غرور کا تاج زمین پر گرا تھا۔ اگر باران خود یہ کام نہ کرتا، تو وہ ضرور کرتی—اور شاید اس سے زیادہ بے رحمی سے۔

"باران! یہ کیا حرکت ہے؟ کیا یوں گھر کی بیٹی پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے؟" اسماء خانم کی ناراضی ان کے لہجے میں ڈھل گئی تھی۔ وہ باران کی سختی کو ہضم نہ کر سکیں۔ آخر سائرہ، جیسی بھی تھی، ان کی حویلی کی ہی بیٹی تھی۔ باران نے ان کے اعتراض پر ایک لمحہ کو سائرہ کو ایسی نگاہوں

سے دیکھا کہ جیسے صرف نظریں نہیں، آگ کے شعلے برس رہے ہوں۔ پھر ایک جھٹکے سے سر موڑا، گویا اسے کچھ کہنا ہی فضول لگ رہا ہو۔

"یہاں سے جاؤ۔ سب کے سب!" باران کا حکم سنتے ہی ملازمین نظریں جھکائے فوراً لاؤنج سے کھسک گئے۔

"تم لوگ بھی جاؤ۔" اس بار مخاطب اس کے بھائی تھے۔ ارمان اور زارون نے ایک دوسرے کو دیکھا، سر جھکایا، اور خاموشی سے نکل گئے، لیکن شاہ میر وہیں کھڑا رہا۔

"شاہ، تجھے دعوت نامہ دینا پڑے گا کیا؟" باران کے سرد لہجے میں اب تلخی شامل تھی۔

"دیکھ، باری"—

"شاہ!" شاہ میر کی بات کو درمیان سے کاٹتے ہوئے باران نے اسے دیکھا۔ وہ نظروں کا مفہوم سمجھ گیا اور بغیر کچھ کہے واپس پلٹ گیا۔ اب لاؤنج میں صرف خواتین تھیں۔ سائرہ، جو ابھی تک گال تھامے بیٹھی تھی، باران، اور زارا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران نے زارا کے بازو کو نرمی سے تھامتے ہوئے اسے اپنی مورے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اس کا لہجہ اب گواہی مانگ رہا تھا، فیصلہ نہیں سنا رہا تھا۔

"اب آپ ہی بتائیں، مورے، مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟ اس کے سارے ہی بال یوں بے ترتیب کاٹ کر چھوٹے کر دیے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے زارا کی چادر کو آہستگی سے سمیٹا، اور ایک بے ڈھنگی لٹ کو باہر نکال کر سامنے کیا۔ اسماء خانم کا ہاتھ خود بخود ان کے منہ پر جا پڑا۔ آنکھوں میں حیرت، دل میں دکھ۔ زوبیہ خانم بھی آگے بڑھیں۔ ان کی نظریں زارا کے چادر سے جھلکتے بے ترتیب بالوں پر جمی رہ گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یا اللہ!" ان کے لبوں سے بس یہی نکلا۔ ان کے خاندان کی روایات میں عورت کے بال عزت، حیا اور وقار کی علامت تھے۔ بلاوجہ کاٹنا تو دور، کسی کے بالوں کی بے حرمتی ایک بڑا گناہ شمار ہوتی تھی۔ باران نے آہستگی سے زارا کی چادر کو دوبارہ اس کے سر پر درست انداز میں ڈھک دیا۔ اس کے ہر انداز میں ایک طرح کا احترام، ایک قسم کی حفاظت اور نرمی تھی۔ وہ غصے میں بھی زارا کی عزت کو سرِ عام بے حجاب نہیں ہونے دے سکتا تھا۔

"ہم کو تم سے یہ امید نہیں تھی،سائرہ۔ تم کو شرم نہ آیا یہ حرکت کرتے ہوئے؟"زوبیہ خانم نے ناگواری سے سائرہ کو دیکھا جو جبہ خانم کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

"بھابھی، کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو؟ آپ لوگ ونی میں آئی ایک بدصورت اور بے کار لڑکی کے لیے میری بیٹی کو ذلیل کر رہے ہیں؟اور باران، تم نے بھی تو اسے قبول نہیں کیا تھا، تو اب کیا ہو گیا ہے؟"جبہ خانم سے جب مزید برداشت نہ ہوا تو وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے تیز لہجے میں بولیں۔

"بس چچی، بہت ہو گیا۔ میں ایک لفظ مزید برداشت نہیں کروں گا۔ یہ لڑکی میری بیوی ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں کیا نہیں،اس کا جواب دہ میں کم از کم آپ کو یا آپ کی بیٹی کو تو نہیں ہوں۔"باران جبڑے بھینچے سخت گیر لہجے میں جبہ خانم سے مخاطب ہوا۔ جبہ خانم کو تو مانو پتنگے ہی لگ گئے تھے۔

"اچھا تو یہ تمہاری بیوی ہے۔ لگتا ہے کہ تم بھول رہے ہو کہ اسے تم لوگ ہی شہزاد کے قتل کے بدلے خون بہا میں لائے تھے۔ دیکھ لیا، بھابھی؟ آپ نے؟ان میں سے کسی کو بھی آپ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے بیٹے کے خون سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔یہ سب اپنی زندگیوں میں مگن ہو رہے۔نہ جانے اس معمولی اور عام شکل کی لڑکی نے باران پر کیا جادو کیا ہے کہ وہ سب بھلائے اسے اپنی بیوی کا مقام دے رہا ہے۔" جبہ خانم نے زہر اگلنا شروع کیا تو گویا چپ ہونا بھول ہی گئیں۔جبہ خانم کے الفاظ باران کے خون میں ابال پیدا کرنے کے لیے کافی تھے۔وہ بے قابو ہو کر مزید کوئی پتھر الفاظ ادا کرتا کہ اسماہ خانم بول پڑیں۔

"جبہ،تم کو شرم آتی ہے کہ نہیں؟تم چاہتی کیا ہو؟کیوں تم سے ہمارے بچہ لوگ کی خوشیاں دیکھی کیوں نہیں جاتیں؟تم ہر کسی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہو،پھر وہ زارون کی بیوی ہو یا باران کی۔ایسا لگتا ہے کہ تمہاری زبان کے آگے خندق ہے،جب بھی کھلتی ہے گند ہی نکلتا ہے۔" اسماہ خانم نے تو اگلے پچھلے سارے ہی حساب بے باک کر ڈالے تھے۔جبہ خانم کا اہانت سے سیاہ ہوتا چہرہ دیکھ حرم نے چہرے کا رخ بدلتے ہنسی ضبط کی،جس کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔اس کا دل چاہا کہ وہ زور سے ہنسے لیکن موقع کی نزاکت دیکھ وہ خود پر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کنٹرول کر گئی۔ باران نے ابرو اچکاتے اپنی مورے کو دیکھا جو بولنے پر آئیں تو چپ ہونا ہی بھول گئیں۔

"اسماہ! ہم سے عزت سے بات کرو۔" جبہ خانم اتنی بے عزتی پر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولیں، جس کا ایک پرسنٹ بھی اسماہ خانم پر اثر نہ ہوا۔

"میرے خیال میں اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی، لیکن پھر بھی، ایک بات آپ سب کے لیے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔" باران کی آواز گونجی تو ماحول میں سنجیدگی گہری ہو گئی۔ اس نے آہستگی سے زارا کا بازو تھاما اور اُسے خود کے قریب کرتے ہوئے، اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔ یہ محض ایک حرکت نہیں تھی، بلکہ اعلان تھا— تحفظ کا، تعلق کا، اور اختیار کا۔

"یہ لڑکی میری بیوی ہے۔ باران حیدر خان کی بیوی۔ اس گاؤں کے سردار کی سردارنی۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا، جیسے ہر جملہ کسی پتھر پر نقش ہو رہا ہو۔ بیوی کو عزت دینا، مرد کی عقل، ظرف اور تربیت کا سب سے خوبصورت اظہار ہے۔

"میں اس کے ساتھ جیسا بھی سلوک کروں، وہ میرا معاملہ ہے، لیکن یاد رکھیں، آپ میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ اس سے بدتمیزی کرے

یا اس کے لیے لہجے میں گستاخی لائے۔" باران کے الفاظ سائرہ کے چہرے پر وہ سناٹا چھوڑ گئے جسے اندر کی لرزتی شکست چھپا نہ سکی۔ وہ جو پل بھر پہلے خود کو سب سے بہتر سمجھ رہی تھی، اب زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اسماء خانم اور زوبیہ خانم کی آنکھوں میں چمکتی روشنی، فخر کے آنسو بن گئی۔ جبہ خانم اور سائرہ کی آنکھوں میں وہی پرانی بے یقینی، جیسے انجام ان کے گمان سے بہت مختلف نکلا ہو۔ انارہ کی آنکھوں میں ناسمجھی جھلک رہی تھی، اس معصومیت کے ساتھ جو تماشے دیکھ تو لیتی ہے، سمجھ نہیں پاتی... اور حرم، وہ خاموش مگر مطمئن تھی، جیسے کسی دیرینہ تماشے کا انجام دیکھ لیا ہو۔

زارا وہ کچھ کہہ نہ سکی۔ کاش وہ اپنی آنکھوں سے ہی اپنے دل کی باتیں کہہ سکتی۔ اس کی آنکھوں میں جذبوں کا ہجوم تھا— نمی، وقار، حیرت، دکھ، شکر گزاری، اور نہ جانے کیا کچھ۔ وہ بس باران کو دیکھے جا رہی تھی، جیسے اس کے الفاظ اسے اس کی خاموشی سے چھین لائے ہوں۔

باران اب آہستگی سے زوبیہ خانم کے پاس آیا، جو ہمیشہ کی طرح شہزاد کے نام پر اشک بہاتی رہتی تھیں۔ ان کے پاس جھک کر وہ نرمی سے گویا ہوا،

"تائی جان، آپ فکر نہ کریں، لالا کے خون کا حساب میں لے رہا ہوں، بہت جلد ایسی خبر دوں گا جو آپ کے دل کو قرار دے گی۔" اس نے زوبیہ خانم کے آنسوؤں بھرے چہرے کو دیکھتے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دیا۔ کمرے میں ایک پل کو پھر خاموشی چھا گئی۔ باران نے ایک نظر جبہ خانم اور سائرہ پر ڈالی—وہ نظر وارننگ سے زیادہ، فیصلہ تھی—پھر زارا کا ہاتھ تھام کر وہ سیڑھیاں چڑھ گیا۔ جیسے ایک طوفان سب کچھ بکھیر کر، اپنی ترجیح کو ساتھ لیے بلند ہوتا جا رہا ہو۔ تماشہ ختم ہوا تو حرم نے آنکھیں گھمائیں اور پرسکون قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جیسے کہہ رہی ہو "یہی انجام تھا تم سب کے غرور کا!" اس کے پیچھے انارہ بھی خاموشی سے لپکی۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی، وہ اس حویلی کے ماحول سے بے خبر، بس اپنے ڈیڈ کا انتظار کر رہی تھی، جو صبح سے داور خان کے ساتھ گئے تھے، اور ابھی تک واپس نہ آئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سائرہ نفرت اور حسد سے جلتی نگاہوں سے باران اور زاراکی اوجھل ہوتی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔اس کی آنکھیں انکار اور انتقام سے بھر گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ سب لوگ منتشر ہونے لگے۔اسماہ خانم نے جبہ خانم کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک ملازمہ کو بلایا اور ناشتے کی تیاری کا کہہ دیا، جیسے کہہ رہی ہوں "تماشے اپنی جگہ، مگر زندگی آگے بڑھنی چاہیے۔"

☆..☆..☆..☆

"تم واپس کیوں نہیں جا رہے؟"داور خان جھیل کنارے بیٹھے بہرام خان کو گھور رہا تھا، جو جھیل میں وقفے وقفے سے چھوٹے چھوٹے کنکر پھینکتے ہوئے گہرے خیالات میں گم تھے۔ وہ دونوں شاہ میر کے واپس لوٹنے کے بعد سے ہی حویلی سے نکلے ہوئے تھے۔ حویلی سے چند کلومیٹر دور، ایک بلند و بالا پہاڑ کے ساتھ بہتی ہوئی جھیل کے کنارے دونوں موجود تھے۔

"دل نہیں کر رہا۔" یہی وہی جواب تھا جو پچھلے چار بار پوچھنے کے بعد بھی آرہا تھا۔

"تم جانتے ہو، تم نہ گئے تو ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ بن سکتا ہے۔ اگر انارہ نے کسی کو کچھ بتا دیا تو؟" داور خان اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے ان

کے پاس ہی اونچی نیچی ڈھلان پر بیٹھ گیا۔

"وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی، اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔" بہرام خان خالی خالی آنکھوں سے انہیں ایک نظر دیکھ کر پھر نظریں جھرنے سے گرتی ہوئی آبشار پر مرکوز کر گئے۔

"تم واپس چلے جاؤ نا، پھر کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہے گا۔" داور خان کی بات پھر سے اسی نقطے پر اٹک گئی۔

"داور، بار بار ایک ہی بات مت کرو۔ میرا دل نہیں کرتا۔ اب تو کیا کروں؟ کیا اس جھرنے سے کود کے مر جاؤں؟ سچ بتاؤ، میں واقعی مر جاتا اگر میرے پیچھے کوئی رونے والا نہ ہوتا۔" وہ زخمی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے داور خان کو ساکت کر گئے۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم، لالا! اللہ نہ کرے تم کو کچھ ہو۔" وہ ان کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یقین جانو داور، بس انارہ کی خاطر روز قطرہ قطرہ مر رہا ہوں، ورنہ ایک ہی بار اپنے ہاتھوں سے خود کو ضائع کر لیتا۔" اب ان کی آواز میں نمی کی آمیزش شامل تھی، جسے محسوس کرتے ہوئے داور خان مکمل طور پر خاموش ہو گئے۔ انہیں یہ موضوع شروع کرنے پر افسوس ہوا تھا۔ دو لوگوں کی موجودگی کے باوجود وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی، ایک بہتے جھرنے کا پانی تھا جو اس خاموشی کو توڑ رہا تھا، ورنہ دونوں کے پاس بات کرنے کو کوئی موضوع ہی نہیں تھا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران، زارا کو روتی ہوئی حالت میں کمرے میں لایا اور دروازہ بند کر کے اُسے وہیں چھوڑ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ زارا خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُسے خود سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آنسو اب کیوں بہہ رہے ہیں۔ جب کوئی بے عزتی کرتا تھا، تب یہ آنکھیں روتی تھیں، اور اب جب کوئی عزت دے رہا تھا، تب بھی یہی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ بار بار چادر کے کونے

سے اپنی آنکھیں رگڑتی، مگر ہر بار آنکھیں شدت سے بہہ پڑتیں، جیسے اندر جمع سب کچھ اب باہر آنا چاہتا ہو۔

تقریباً دس منٹ بعد باران فون پر بات کرتا ہوا ڈریسنگ روم سے باہر آیا۔ کال پر مصروف رہتے ہوئے ہی اُس نے زارا کو بازو سے تھام کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کرسی پر بٹھا دیا۔

"جی جی، کنفرم ہے کہ یہ چیزیں کام کریں گی۔ اوکے، گڈ۔ اللہ حافظ۔" چند لمحوں کی بات کے بعد اُس نے کال منقطع کی اور فوراً دوسرا نمبر ڈائل کیا۔ زارا خاموشی سے آئینے میں اُس کی تمام حرکات دیکھ رہی تھی۔ وہ اُسے کرسی پر بٹھا چکا تھا، اور خود نہ جانے کس سے باتوں میں الجھا ہوا تھا۔

"ہاں زرخان، میں نے تمہیں کچھ چیزوں کے نام بھیجے ہیں۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر یہ سب چاہیے مجھے۔" باران نے مختصر مگر واضح لہجے میں کہا، پھر موبائل کی گیلری کھول کر کچھ تصاویر منتخب کیں اور زرخان کو بھیج دیں۔ فون سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا۔ مگر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کمرے کی فضا اب بھی زارا کی نم سانسوں سے بوجھل تھی۔

باران نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس بھری، پھر اس نے پلکیں کھولیں اور شیشے میں نظر آتے وجود کے عکس کو دیکھا، جو ساکت نگاہوں سے اُسی کی جانب تک رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں سیدھی باران کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ گھنی، لمبی پلکوں پر ٹھہری نمی کے آنچل تلے چھپی بڑی بڑی پر کشش سیاہ آنکھوں کے گرد پھیلا ہلکا گلابی پن... چند لمحوں کے لیے باران کو پلکیں جھپکانا بھلا گیا۔ سنہری آنکھوں اور سیاہ آنکھوں کا یہ خاموش تصادم کچھ ایسا تھا کہ باران کی نظروں کا رنگ بدل گیا۔ اُس لمحے اُسے یوں لگا جیسے اس وجود سے زیادہ خوبصورت دنیا میں کچھ نہیں۔

وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ان سیاہ آنکھوں سے زیادہ حسین کوئی آنکھیں نہیں... اور پھر، خوبصورتی رنگ و روپ میں تھوڑی ہوتی ہے۔ خوبصورتی تو دیکھنے والے کی نظر میں چھپی ہوتی ہے۔ باران کی نگاہوں کی تپش ہی کچھ ایسی تھی کہ زارا گھبرا کر نظریں چرا گئی۔ پلکوں کی اوٹ میں چھپتی وہ سیاہ آنکھیں باران کے خیال کا تسلسل توڑ گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران نے تیزی سے ارد گرد نظر دوڑائی، اپنے دل پر طاری ہونے والی کیفیت کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک گہرا سانس بھر کر اُس کے سر پر سے چادر ہٹانے لگا۔ پھر اُس کے بالوں کی بے ترتیبی دیکھنے لگا، جو بکھرے بکھرے سے تھے، جیسے کسی اناڑی نے اُنہیں درست کرنے کی کوشش کی ہو۔

زارا اس اچانک افتاد پر رونا بھی بھول گئی اور پریشانی سے اپنے سائیں کو دیکھنے لگی، جو اب اُس کی طرف دیکھے بغیر بالوں کی لمبائی کا اندازہ لگانے میں مصروف تھا۔ اُس کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر باران کے دل میں پھر سے سائرہ کے لیے غصہ ابھرا۔ اُسے پرواہ نہ تھی کہ وہ سامنے ہوتی تو کیا ہوتا۔ اگر سامنے ہوتی، تو شاید وہ غصے میں اُس کا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر دیتا۔ زارا، باران کے تاثرات میں چھپی سنجیدگی دیکھ کر لب کاٹتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"سر سیدھا رکھو،"وہ نرمی مگر قطعیت سے بولا۔اُس نے بالوں کو ایک سمت سنوارا، کینچی اُٹھائی اور انہیں ترتیب دینا شروع کر دیا۔زارا نے سر جھکایا تو اُس نے سنجیدگی سے اسے دوبارہ سیدھا کیا۔

اب وہ پوری احتیاط سے اُس کے بالوں کو کنگھی سے سنوارتے،ایک ایک نوک کو کتر کر برابر کرنے لگا۔شاید وہ پہلا سردار تھا،جس نے ونی میں آئی ہوئی لڑکی کی خود ہیئر کٹنگ کی تھی۔

"سائیں..."اُسے اپنے کام میں مگن دیکھ کر زارا دھیمی آواز میں پکار بیٹھی۔

"ہمم؟"اُس نے محض ہنکارا بھرا،نظریں ابھی بھی بالوں پر مرکوز تھیں۔

"آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟"سوال جیسے بے اختیار لبوں سے نکل گیا۔وہی سوال جو اکثر زارا اپنے خوابوں میں کرتی تھی،آج حقیقت

میں کر ڈالا تو پسینے سے بھیگ گئی۔باران نے چند لمحے رُک کر اُسے دیکھا،اور پھر ایسا جواب دیا جو زارا کے دل تک پہنچنے سے پہلے ہی اُس کے فہم سے اوپر گزر گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پتہ نہیں۔ تم میری بیوی ہو، میری ملکیت ہو۔ آج نہیں تو کل ہو سکتا ہے تم سے محبت ہو جائے، فی الحال کا مجھے نہیں پتہ۔" جواب بہت سادہ تھا، عام سے لہجے میں کہا گیا، جیسے کوئی حقیقت بیان کی جا رہی ہو۔ زارا اس سادگی میں الجھ سی گئی، جیسے کوئی گتھی سمجھ نہ آئی ہو۔

اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر باران نے ہاتھ روک دیے اور سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ "دیکھو، لڑکی۔" زارا نے فوراً آنکھیں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا، جواب اس کے بالوں کا جائزہ لے کر مطمئن سا لگ رہا تھا۔ پھر وہ اُسے سیدھا کرتے بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا اور نرمی مگر وضاحت سے اپنی بات مکمل کرنے لگا۔

"پہلی بات، کہ آئی ایم سوری۔ تم میری ذمے داری تھی، اور مجھے تمہارا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ میں نے تمہیں اپنی مورے کے حوالے اس لیے کیا تھا کیونکہ میں اپنی ماں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ کبھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتیں، لیکن میرے ذہن سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ اس حویلی میں میری مورے کے علاوہ بھی عورتیں موجود ہیں۔" اُس نے ایک لمحے کو توقف کیا، پھر لہجہ مزید ٹھہرا ہوا ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"دوسری بات، یہ محبت کی باتیں، لمبے لمبے جملے، زمین آسمان ایک کر دینا—یہ سب مجھے نہیں آتا، لیکن میں تمہیں یقین سے ایک بات کہہ سکتا ہوں، تمہیں میری طرف سے یا میرے گھر والوں کی طرف سے کبھی عزت میں کمی محسوس نہیں ہو گی۔ عزت، تحفظ، تمہاری ضرورتیں اور خواہشیں—ان سب چیزوں میں تمہیں میری طرف سے ہمیشہ مکمل احساس ملے گا۔" وہ گہری سانس لے کر تھوڑا آگے جھکا، آواز میں اب شدت شامل ہو چکی تھی۔

"بس اس کے بدلے مجھے تم سے صرف اتنا اطمینان چاہیے کہ تم میری وفادار رہو... اور ایک اور بات، تم میری ملکیت ہو اور میں اپنی کسی بھی چیز میں—خواہ وہ انسان ہو یا شے—کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ اتنا سمجھ لو۔ باقی، میرے ساتھ رہتے رہتے تم آہستہ آہستہ سب سیکھ جاؤ گی۔ ٹھیک ہے؟" باران نے اپنی طرف سے ہر بات کو پوری وضاحت سے بیان کر دیا تھا، مگر زارا کے دل و دماغ میں ابھی بہت سی الجھنیں باقی تھیں۔ وہ خاموش رہی، مگر پھر بھی آہستہ سے سر ہلا گئی، جیسے وہ جواب دے رہی ہو، یا شاید خود کو تسلی دے رہی ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"گڈ۔اب جا کر الماری میں سے اچھے سے کپڑے نکال کر پہنو۔آئندہ میں تمہیں ان بوسیدہ اور بے رونق رنگوں والے کپڑوں میں نہ دیکھوں۔"اُس نے انگلی سے زارا کے پرانے، بوسیدہ سے دکھتے سوٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"ساتھ ہلکی سی جیولری بھی پہننا۔ میں مینے کے لیے کچھ چیزیں لایا تھا تو تمہارے لیے بھی ساتھ لے آیا۔اندر الماری میں سب رکھا ہے۔فریش ہو کر نیچے مورے کے پاس جانا۔میں بھی آتا ہوں...اور ایک بات یاد رکھنا،اب تمہاری حیثیت صرف ایک ونی کی نہیں،اس گھر کی بہو کی ہے۔اس لیے اگر کوئی الٹی بات کرے تو پوری اجازت ہے کہ منہ توڑ جواب دینا۔کچھ بھی ہوا،تو میں ہوں تمہارے پیچھے۔اوکے؟"زارا نے دھیرے سے سر ہلایا تو باران نے اس کے گال کو نرمی سے تھپکا اور واش روم کی طرف بڑھ گیا۔پیچھے زارا اپنے گال پر ہاتھ رکھے اُس کے لمس کو محسوس کرتی ہوئی جھینپ سی گئی۔پھر جلدی سے اُٹھی اور ڈریسنگ روم کی طرف چلی گئی۔

اس نے دیوار گیر الماری کا ایک پٹ کھولا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔وہاں اس کی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ہر چیز کو اشتیاق سے دیکھتے ہوئے اس نے ایک

خوبصورت سا سوٹ نکالا،اسے خود سے لگا کر آئینے میں دیکھا۔ پھر اس کے ساتھ ہلکی سی جیولری اور چوڑیاں منتخب کیں اور الماری بند کر دی۔ کچھ دیر بعد وہ کپڑے تبدیل کیے ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو باران، جو بیڈ کے پاس کھڑا کراؤن سے ٹیک لگائے ہوئے تھا، اُسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ زارا نے ویلوٹ کی نیلی، چونٹوں والی، ہلکے کام سے مزین ایک خوبصورت فراک پہنی تھی، جس کے ساتھ بڑا سا دوپٹہ اس نے سلیقے سے سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ بنا میک اَپ کے اس کا چہرہ معصومیت اور نرمی سے بھرپور لگ رہا تھا۔ کلائیوں میں سجی سلور رنگ کی چوڑیاں اس کی سادگی میں نرمی کا ایسا رنگ بھر رہی تھیں کہ باران کو اُسے تکتے ہوئے کچھ لمحوں کے لیے سب کچھ بھول گیا۔

"گڈ، یہ لگاؤ آ کر۔" وہ ابھی وہیں کھڑا تھا، اور اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیوم کی طرف اشارہ کیا۔ زارا جھجکتے ہوئے قدم اٹھاتی ہوئی میز کے قریب آئی۔ آہستہ سے پرفیوم اُٹھایا، ایک ہلکا سا اسپرے خود پر کیا اور پھر سوالیہ نظروں سے باران کی طرف دیکھا۔ جب اُس نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسے تھوڑا اور لگانے کا کہا، تو زارا نے پیٹ میں اڑتی تتلیوں کو بمشکل قابو میں رکھتے ہوئے کچھ اور سینٹ اپنے گرد چھڑک لیا۔

"بس، چلو اب۔ اچھی سی سمائل چہرے پر سجاؤ اور نیچے مورے کے پاس جا کر ان کی ہیلپ کرواؤ۔" باران کے نرم لہجے میں ہدایت تھی۔ زارا خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اس کی آواز نے قدم روک دیے۔

"ایک منٹ، رکو۔" زارا پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگی۔ باران نے اپنا موبائل سائیڈ پر رکھا اور اٹھ کر اس کے قریب آیا۔ اُس نے نرمی سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور جھک کر اُس کی پیشانی پر عقیدت سے بھرپور بوسہ دیا، اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔

"اب جاؤ۔" وہ نگاہوں میں نرمی سمیٹے گویا ہوا اور کپڑے لے کر ڈریسنگ روم میں بند ہو گیا۔

زارا چند لمحے ساکت کھڑی رہی۔ اُس کے ذہن کو جیسے سمجھ ہی نہ آیا کہ پل بھر میں کیا ہوا۔ پھر جب سب کچھ سمجھ آیا، تو اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا، اور اُس کے گالوں پر یکدم

گلابی رنگ ابھر آیا۔ آنکھوں میں جگنو سے اترے، ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زندگی جیسے آسان ہونے لگی تھی۔ وہ خوشی سے اپنے گال دونوں ہاتھوں سے تھپتھپاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اس کی چوڑیوں کی کھنک کمرے کی خاموش فضا میں گھلتی چلی گئی۔

"السلام علیکم۔" زارا نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے آہستہ سے سلام کیا۔ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ آج معمول سے مختلف لگ رہی تھی۔ زارون اور شاہ میر نے ایک نگاہ اسے دیکھا، پھر نظریں جھکائے ناشتہ کرنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وعلیکم السلام، آؤ بچہ، بیٹھو۔" اسماہ خانم نے زارا کو پہلی بار سنوارا ہوا دیکھا تو اُن کے چہرے پر خوشی جھلکنے لگی۔ زارا جھجکتے ہوئے ان کے ساتھ والی کرسی کی طرف بڑھی ہی تھی کہ باران کی آواز نے اُسے روک لیا۔ اس نے دیکھا، باران ڈائننگ ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ گرے شلوار قمیض میں ملبوس تھا، اور نیلے کناروں والی شال کندھے پر ڈالے اسماہ خانم سے جھک کر دعائیں لے رہا تھا۔ پھر ان سے مختصر حال احوال کرتے ہوئے وہ اپنی کرسی پر آبیٹھا۔

"تم اُٹھو یہاں سے۔ وہاں بیٹھو۔ لڑکی، ادھر آ کر بیٹھو۔" باران نے سائرہ کو اپنے ساتھ والی کرسی پر بیٹھے دیکھ کر سخت سنجیدگی سے کہا۔ صبح والی بے عزتی کے بعد بھی شاید اس کے اندر کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ سب افراد حیرت سے باران کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔

"تمہیں سمجھ نہیں آئی کیا کہا ہے میں نے؟" اُس کی گرجدار آواز پر سائرہ چونک کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ باران نے زارا کی طرف دیکھا اور نرمی سے اپنے پہلو میں پڑی خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

زارا، جو کچھ شرمندہ سی تھی اور اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، خاموشی سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"اب سے تم یہیں بیٹھو گی۔ اگر کوئی اور یہاں آ بیٹھے تو اُس کا بازو پکڑ کر اُٹھا دینا۔ دوبارہ مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔" باران نے سخت نگاہوں سے سائرہ کو گھورتے ہوئے یہ بات زارا کو باور کروائی۔ زارا حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے سر ہلا دیا۔ باران کا یہ بدلتا رویہ دیکھ کر وہاں پر بیٹھے سب لوگ مسکرا دیے تھے۔ وہ تو شروع سے ہی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ونی میں آئی کسی لڑکی پر ظلم کے حق میں نہ تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ وہ خود بھی بیٹی والے ہیں، تو کسی اور کی بیٹی کی آہیں کیوں لیں؟ یہ تو صرف جبہ خانم اور سائرہ تھیں جنہوں نے چپکے سے ظلم کی فضا قائم کی، ورنہ باقی گھرانے والے ہر گز ظالم نہ تھے۔ ونی میں آئی لڑکی کو جانور سمجھنا ضروری تو نہیں۔ ایسا معصوم وجود، جس کی کوئی غلطی ہی نہ ہو، سزا کا حقدار کیوں ٹھہرے؟ جن کا گناہ تھا، ان کو تو برابر کی سزا مل رہی تھی، لیکن جس کا جرم ہی نہ تھا، اُسے کیوں رُلایا جاتا؟

زارا نے پہلی بار محسوس کیا کہ وہ سب کے درمیان، کھل کر اور سکون سے سانس لے رہی ہے۔ ورنہ تو اُس کی سانسیں ہمیشہ اٹکی ہی رہتی تھیں—یہ ڈر لیے کہ کہیں کوئی اُسے رسوا نہ کر دے۔ اُس نے باران کی طرف دیکھا، تشکر بھری نظروں سے، جیسے دل بھر کر "شکریہ" کہنا چاہ رہی ہو۔ باران کی نگاہوں نے وہ خاموش شکریہ محسوس کر لیا، اور اُس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ زارا کی خالی پلیٹ دیکھ کر اُس نے اپنی پلیٹ درمیان میں رکھ دی۔ مطلب بالکل واضح تھا—اس میں سے کھاؤ۔ زارا نے شرم سے چور ہو کر اِدھر اُدھر

دیکھا۔ سب لوگ اپنے ناشتے میں مصروف تھے، کوئی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اُس نے قدرے اطمینان کا سانس لیا، اور پھر آہستہ سے ایک نوالہ توڑ کر اپنے منہ میں رکھا۔ سر جھکائے وہ سادہ پن سے کھانے لگی۔

چند نوالے ہی کھانے کے بعد وہ رک گئی۔ کچھ گھنٹے پہلے ہی وہ ناشتہ کر چکی تھی، اس لیے اب پیٹ میں گنجائش نہیں تھی۔ باران اور شاہ میر آپس میں کسی بات میں مصروف تھے۔ زارون، جس کی رات کی ڈیوٹی تھی، کچھ دیر کے لیے سونے جا چکا تھا۔ ارمان، جیک کو اپنا علاقہ دکھانے کے لیے نکلا ہوا تھا۔ موسیٰ زرمینے کو لینے کالج گیا تھا۔ حرم نے ناشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اب اپنے کمرے کے بجائے لاؤنج میں تھیں، جہاں اسماہ خانم اور زوبیہ خانم زیورات نکالے مصروف بیٹھی تھیں۔ زارون کے ولیمے اور شاہ میر کے نکاح کی تیاریوں کے باعث کام بڑھ چکا تھا، اور گھر میں ایک ہلکی سی خوشیوں بھری گہما گہمی پھیلی ہوئی تھی۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج کا دن بھی تیز بہتے پانی کی دھار کی مانند، لمحہ بہ لمحہ بہتا چلا گیا۔ سورج کے غروب ہوتے ہی آسمان نے سرمئی چادر اوڑھ لی۔ چرند پرند، جو دن بھر رزق کی تلاش میں سرگرداں رہے، اب اپنے آشیانوں کی جانب لوٹ رہے تھے۔ مغرب کی اذان، ڈوبتا سورج، مہکتی ہوئی ٹھنڈی ہوا—یہ سب کچھ ایسا منظر ترتیب دے رہے تھے جو دل کی تہوں تک سکون اتار دیتا ہے۔ سردیوں کی شاموں کی یہی تو خاص بات ہوتی ہے: ٹھنڈی نرم ہوائیں، آسمان پر تیرتے روئی جیسے بادل، اور فضا میں ایک خاموشی جو نہ خالی لگتی ہے نہ بوجھل۔ اگر آنکھیں بند کر کے اس ہوا میں ایک لمبی سانس لی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے روح کو تھپکی دے کر پرسکون کیا جا رہا ہو۔ یہی کیفیت اس وقت حرم کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ بالکنی کے دھانے پر کھڑی، آنکھیں موندے، نرم سرد ہوا میں گہری سانس لے رہی تھی، جیسے اپنی اندرونی کشمکش پر مرہم رکھ رہی ہو۔ وہ جب بھی کسی شدید غصے یا ذہنی دباؤ میں ہوتی، یوں ہی خود کو ہوا کے سپرد کر دیا کرتی۔ اس وقت بھی وہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس، بڑی سی شال اوڑھے، بہتے دریا کی آواز سنتی ہوئی خاموشی سے کھڑی تھی۔ سنہرے ریشمی

دھاگوں جیسے بالوں کو جوڑے میں سمیٹ رکھا تھا، مگر چند لٹیں اس کے سرخ ہوتے گالوں سے شرارتیں کر رہی تھیں۔ اسی لمحے کمرے کے دروازے سے نیلی آنکھوں والا مرد اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لیپ ٹاپ تھا، جس کی اسکرین پر کوئی ویڈیو روک دی گئی تھی۔

"حرم؟" اس نے پکارا۔ سرمئی آنکھیں ایک جھٹکے سے کھلیں۔ حرم نے تیزی سے رخ موڑا اور چھ قدموں کا فاصلہ تین قدموں میں طے کیا۔

"کنفرم ہے؟"

"ہاں، بالکل کنفرم ہے۔" اُس کی آواز میں ٹھوس یقین تھا۔ حرم خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"گڈ۔ اگر ہمارا کام پرسوں تک مکمل ہو گیا تو ہم نکاح سے پہلے ہی نکل جائیں گے۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور سگریٹ باکس نکال کر ایک سگریٹ سلگائی۔ لائٹر کی ہلکی آنچ نے سگریٹ کو روشن کیا تو وہ اسے لبوں میں دبائے دھوئیں کو آہستہ سے فضا میں چھوڑنے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تو کیا تم شاہ میر سے نکاح نہیں کرو گی؟"اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔ میں یہاں نکاح کرنے نہیں آئی۔ مجھے بس اپنا بدلہ لینا ہے۔"اس کا لہجہ قطعی تھا، جیسے کوئی فیصلہ مدتوں پہلے ہو چکا ہو۔

"تو کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی؟"جبران نے یہ کہتے ہوئے دروازہ بند کیا اور سوال کے جواب میں ایک اور سوال رکھ دیا۔ اس کے سوال پر حرم نے کچھ نگلا تھا—شاید آنسوؤں کا گولہ،شاید اندر کی کوئی تکلیف۔ وہ لمحے بھر کو چپ رہی، پھر بولی۔

"جبران،میں محبت کرنے کے لیے پیدا نہیں ہوئی،اور نہ ہی میرا وجود محبت کے لیے تخلیق ہوا ہے۔ حرم کی زندگی میں محبت کا کوئی ذرّہ نہیں۔ مجھے اس سے انس ہے،عقیدت ہے، جنون ہے، لیکن محبت نہیں۔ جانتے ہو کیوں؟"اس نے بولتے بولتے آنکھیں موند لیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جبران اس کی آنکھوں میں چھپا درد پڑھ لے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیوں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ اس کو دیکھ رہا تھا، جیسے کوئی سچائی چپکے سے اس کے دل میں اُتر رہی ہو۔ کون کہتا ہے کہ نصیب کا تعلق حسن سے ہوتا ہے؟

"کیونکہ میرا وجود محبت کے لیے بنایا ہی نہیں گیا۔ محبت تو ایک پاکیزہ جذبہ ہے، اور پاک جذبے ہمیشہ اُن دلوں میں جنم لیتے ہیں جو روشن اور شفاف ہوں۔ میرا دل تو سیاہ ہے، جبران۔ وہاں محبت کی کوئی کونپل نہیں پھوٹ سکتی—اور اگر غلطی سے کبھی پھوٹ بھی گئی تو وہاں کی حبس اور گھٹن اسے پروان چڑھنے سے پہلے ہی مار دے گی۔" وہ آنکھیں بند کیے شاید پہلی بار اپنے دل کا ناسور کھول رہی تھی۔ وہ اس لمحے خود بھی محسوس نہ کر پائی کہ برسوں بعد وہ اپنے زخم کو لفظوں کے ہاتھوں ادھیڑ چکی ہے۔ جبران چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ وہ لڑکی جو خود کو سخت ظاہر کرتی تھی، آج اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ میں کھڑی تھی۔ کمرے میں کئی لمحوں تک صرف خاموشی کی آواز تھی، اور پھر اس سکوت میں جبران کی نرم آواز ابھری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اسے مت پیا کرو۔ یہ انسان کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔" وہ اسے سگریٹ کے کش پر کش لیتے دیکھ کر تاسف سے بولا۔

"اور جو پہلے ہی کھوکھلا ہو، وہ کیا کرے؟" وہ دھواں ہوا کے سپرد کرتے ہوئے طنزیہ بولی، جیسے اس کے جملے کے پیچھے صدیوں کی تھکن چھپی ہو۔

"چھوڑ دو ان باتوں کو، اب تو تمہاری منزل تمہارے بہت قریب ہے۔" جبران کی نظریں ایش ٹرے میں جمع راکھ پر تھیں، جیسے وہاں ماضی کے جھلسے ہوئے لمحے بکھرے ہوں۔

"ہائے، کوئی جا کر بتائے اس منزل کو... کتنا کچھ چھین لیا ہے اس سفر نے مجھ سے۔" اس کی آواز میں ایک ایسا کرب تھا جو لفظوں سے باہر نکل کر دل کی گہرائیوں کو چیر جاتا۔ جبران لاجواب سا بس اسے دیکھتا رہ گیا۔ کاش وہ اس کی زندگی سے ہر زخم، ہر درد، ہر خالی پن کو کھینچ کر باہر پھینک سکتا۔

وہ سگریٹ کو انگلیوں کی پوروں میں تھامے، آنکھیں بند کیے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ پھر منظر بدلا... وقت نے پیچھے پلٹ کر حرم کے ماضی کی ایک کھڑکی کھولی۔ زائرہ بیگم کچن

میں برتن دھو کر رَیک میں رکھ رہی تھیں کہ ایک زوردار چیخ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

گھبراہٹ

میں ان کے ہاتھ سے ان کے جہیز کے سیٹ کا ایک قیمتی گلاس چھوٹ کر ٹوٹ گیا، مگر وہ بغیر رکے چیخ کی سمت دوڑ گئیں۔

"کیا ہوا؟ کون چیخا ہے؟" وہ ہانپتی ہوئیں اندر آئیں۔ سامنے زینب بیڈ پر کھڑی تھی اور کچھ فاصلے پر فاطمہ ساکت کھڑی تھی۔

"ارے کچھ بتاؤ بھی، کیا ہوا ہے؟" انہوں نے غصے میں کہا۔

"ماما، آپّو جان چیخی تھی!" فاطمہ نے جلدی سے زینب کی طرف اشارہ کیا، جو آدھے بال دائیں اور آدھے بائیں کیے، شاید تیل لگاتے ہوئے، کھڑی تھی۔

"کیوں چیخی تھی؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ماما—کاکروچ!"زینب نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔زائرہ بیگم نے پہلے زینب کو دیکھا، پھر فاطمہ کو،اور آخر میں اپنے پاؤں کے قریب رینگتے اس چھوٹے سے کاکروچ کو۔ انہوں نے اپنی چپل اٹھا کر اسے روند ڈالا،اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔یہ دیکھ کر اب کی بار فاطمہ چیخ پڑی۔

"اب تمہیں کیا ہو گیا؟"زائرہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے اسے مار دیا...اس کے گھر والے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے!کیا اس کے بیوی بچے نہیں ہوں گے؟کیا کاکروچ کا دل نہیں ہوتا؟کیا کاکروچ انسان نہیں ہوتے؟" فاطمہ کی آنکھیں نم تھیں،آواز بھرّا گئی تھی۔

"نہیں۔"زینب اور زائرہ بیگم نے یک زبان ہو کر کہا تو وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔

"فاطمہ،اللہ کا واسطہ ہے زینب سے دور رہا کرو۔اس کے ساتھ رہ رہ کر تم بھی پاگل ہو گئی ہو اور اگر میں کچھ دیر اور تم دونوں کے ساتھ رہی تو شاید میں بھی ہو جاؤں گی۔"زائرہ بیگم غصے

سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔اصل افسوس انہیں اپنے گلاس کا تھا،جو شادی کے بیس سال بعد بھی ان کے لیے بیش قیمت تھا۔ آخر کار ماں باپ کی محبت سے ملی واحد نشانی تھی۔

"سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، تمہاری وجہ سے مجھے بھی ڈانٹ پڑی ہے!"زینب نے فاطمہ کو گھورتے ہوئے کہا،جواب بھی کاکروچ کی لاش کے پاس بیٹھی اس کا سوگ منا رہی تھی۔

"ایک تو اس لڑکی کا دل بہت چھوٹا ہے۔ذرا ذرا سی بات پر ڈر جاتی ہے۔"وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی،اور پیچھے فاطمہ معصومیت سے دنیا کے چھوٹے جانداروں کا نوحہ پڑھتی رہ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"حنان کے ابا، سمجھائیں اپنی بیٹیوں کو—بہت تنگ کر رکھا ہے انہوں نے مجھے!"زائرہ بیگم،دوپٹے کو سنبھالتے، کمرے میں داخل ہوتے ہی شکایت بھرے انداز میں بولیں۔

سامنے زینب اور فاطمہ شرمندگی سے سر جھکائے کھڑی تھیں،اور کچھ فاصلے پر چٹائی پر چوکڑی مارے بیٹھے حنان اور منان ان کی "عزت افزائی" سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"یہ کیا سن رہا ہوں میں؟ تم دونوں اپنی ماں کو پریشان کرتی ہو؟" داؤد صاحب نے مصنوعی سختی سے استفسار کیا۔ وہ اولاد سے سخت لہجے میں کم ہی بات کرتے تھے، مگر زائرہ بیگم کے روبرو ایسا کرنا مجبوری بن جاتا تھا۔

"بابا، میں نے تو کچھ نہیں کیا! آپّو جان چیخی تھی!" فاطمہ نے آنکھوں میں نمی بھر لاتے جلدی سے صفائی دی۔

"اچھا؟ تو وہ جو کاکروچ کی لاش پر ماتم ہو رہا تھا، وہ کیا تھا؟" زینب نے اسے گھورتے ہوئے ہونٹ بھینچے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کاکروچ کی لاش؟" حنان اور منان نے بیک وقت دہرایا، اور اگلے ہی لمحے ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔ داؤد صاحب بھی ہنسی نہ روک پائے، مگر زائرہ بیگم کی گھوری دیکھ کر فوراً سنجیدہ ہو گئے۔

"بابا، میری تو کوئی غلطی نہیں! ماما نے اس معصوم کو اپنے پاؤں تلے کچل کر مار دیا۔ اب اس کے امی ابو پریشان ہوں گے نا؟" فاطمہ نے پلکیں جھپکاتے، سادگی اور معصومیت کے

پیکر میں لپٹی بات کہی تو منان اور حنان کی ہنسی مزید تیز ہو گئی۔ زائرہ بیگم کا موڈ بگڑنے سے پہلے داؤد صاحب نے بیٹیوں کو پیار سے سمجھایا، "بیٹا، جاؤ جا کر کھیلو... اور زینب، تم ماں کو یوں تنگ نہ کیا کرو۔"

چاروں بچوں کے چلے جانے کے بعد وہ مسکرا کر زائرہ بیگم کے کندھے پر بازو رکھتے نرم لہجے میں بولے، "کیوں ڈانٹتی ہو میری بیٹیوں کو؟"

زائرہ بیگم نے گہرا سانس لیا، جیسے کسی انجانے بوجھ کو زبان دے رہی ہوں۔

"منان کے ابا، آپ نہیں سمجھتے آج کل کے زمانے کو۔ دنیا آج کل سیدھی سادی، بھولی لڑکیوں کو جینے نہیں دیتی۔ اگر آج سے ہی ان کی تربیت نہ کی تو کل کو کوئی معمولی سختی بھی برداشت نہ کر سکیں گی یہ۔"

"لو بھلا، ایسے کیسے کوئی سختی کرے گا؟ جب تک میں زندہ ہوں، میرے بچوں کو زمانے کی سرد و گرم ہوا چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔ ان کا باپ ان کی ڈھال بن کر ہمیشہ ان کے ساتھ

کھڑا ہو گا۔" وہ پُر عزم لہجے میں بولے۔ زائرہ بیگم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی— ایسی مسکراہٹ، جو دل کو تھوڑی دیر کے لیے مطمئن کر دیتی ہے۔

وقت نے پلٹا کھایا۔ منظر بدل چکا تھا۔ سگریٹ انگلیوں میں دبی ہوئی اب راکھ بن چکی تھی۔

"آہ!" حرم نے جھٹکے سے آنکھیں کھولیں۔ سلگتے سگریٹ نے اس کی انگلی کی پوریں جلا دی تھیں۔ وہ سگریٹ نیچے پھینک کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر گئی۔ جبران اب موجود نہیں تھا، شاید اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

باپ کی باتیں یاد آتے ہی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "جب تک میں زندہ ہوں، میرے بچوں کو زمانے کی سرد و گرم ہوا چھو کر بھی نہیں گزر سکتی۔" وہ سچ کہتے تھے۔ واقعی، جب تک وہ زندہ تھے، کوئی درد، کوئی دکھ، کوئی بے رحم ہوا اس کے قریب نہ پھٹکی تھی... لیکن ان کے بعد، وہی سرد و گرم ہوائیں اسے نوچنے لگیں۔

اب کوئی ڈھال نہ تھی۔ کوئی سایہ نہ تھا۔ کوئی باپ سا بازو، جو کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا، "بیٹا، میں ہوں نا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کیا ماں سے بڑھ کر کوئی مہربان ہوتا ہے؟ کیا باپ سے مضبوط کوئی سائبان ہوتا ہے؟

جواب آیا— نہیں، ہرگز نہیں۔

☆..☆..☆..☆

اس وقت حویلی کے سبھی افراد ڈائننگ ہال میں موجود تھے۔ شہزاد کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب سب ایک ساتھ کھانے کی میز پر جمع ہوئے تھے۔ ہال میں چند مزید کرسیاں لگا دی گئی تھیں تاکہ سب آرام سے بیٹھ سکیں۔ میز پر دیسی کھانوں کے ساتھ ساتھ کچھ غیر ملکی پکوان بھی رکھے گئے تھے: نوڈلز، میکرونی، چائنیز رائس وغیرہ۔ حرم اور انارہ کو روایتی کھانوں سے رغبت نہ تھی۔ پہلے صرف حرم کے لیے یہ الگ پکوان تیار کیے جاتے تھے، اب انارہ بھی اس فہرست میں شامل ہو چکی تھی۔

"ہمم۔" ربان خان نے حیدر خان کے برابر بیٹھے باران کو دیکھ کر گلا کھنکارا، جس پر باران سمیت سب کی نظریں ان کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر براجمان تھے، جہاں سے ان کی بات کا وزن اور بھی گہرا محسوس ہوتا تھا۔

"برخوردار، یہ کیا ماجرا ہے؟ تین دن سے تمہارے کمرے کا سامان مسلسل بدلا جا رہا ہے۔"

ربان خان کی گہری اور قدرے شاکی نگاہوں کو دیکھ کر، زارون کے پہلو میں بیٹھے شاہ میر نے لبوں پر مٹھی رکھ کر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو بمشکل روکا۔ جناب سردار کی کلاس لگنے والی تھی، اس نے شرارت سے سوچا۔ باران نے نوالہ چباتے ہوئے گردن گھما کر سب کی طرف دیکھا۔ تمام نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ کوئی نیا معمہ ہو۔ پھر اس نے ایک نظر اپنی دائیں جانب بیٹھی زارا پر ڈالی، جو یکایک نروس سی دکھائی دینے لگی۔

"وہ، تایا جان، دراصل وہ سامان مجھے پسند نہیں تھا، اس لیے بدلوا دیا۔" باران نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا، جیسے بات میں کچھ خاص پیچیدگی نہ ہو۔

"اچھا؟ پسند نہیں تھا، اس لیے توڑ کر پھینک دیا؟" ان کے یوں اچانک مگر بظاہر تحمل سے ادا کیے گئے جملے نے سب کو چونکا دیا۔ باران کا نوالہ حلق میں ہی اٹک گیا۔ وہ زور زور سے کھانسنے لگا، جیسے سانس اور الفاظ دونوں نے ساتھ چھوڑ دیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"زارا بیٹا، اپنے سائیں کو پانی دو، کہیں اٹیک ہی نہ آجائے اِسے!" ربان خان نے ہکا بکا سی زارا سے کہا۔ جس نے جلدی سے گلاس تھام کر باران کی طرف بڑھایا، جسے اُس نے خونخوار نظروں کے ساتھ لیا اور لبوں سے لگالیا۔ عورتیں اس صورتحال کی تہہ تک نہ پہنچ سکیں اور ناسمجھی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ مگر مرد حضرات معاملہ بھانپ چکے تھے، اسی لیے اپنی ہنسی دبا کر سنجیدگی کا لبادہ اوڑھنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"بابا، میں سوچ رہا تھا کہ آگے بارشوں کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے، تو کیوں نہ شاہ میر کا نکاح تھوڑا آگے بڑھا دیا جائے۔" باران نے یہ بات کہتے ہوئے جان بوجھ کر ربان خان کی طرف دیکھا۔ اسے شاہ میر کی مسکراہٹ سے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ ترکیب اسی کے دماغ کی اختراع تھی، جو اب ربان خان کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ باران نے بھی اپنے شیطانی دماغ کو متحرک کیا اور سوچا کہ شاہ میر کو اسی کے کھودے ہوئے گڑھے میں ہی گرا دینا چاہیے۔ اب کی بار کھانسی کا شدید دورہ شاہ میر کو پڑا، جو منہ پر ہاتھ رکھے بری طرح

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کھانسنے لگا۔اُس کی حالت دیکھ کر،دائیں جانب بیٹھے موسیٰ نے پوری دیانتداری سے اُس کی کمر تھپتھپائی یا شاید توڑ کر رکھ دی۔

"خپل لاسونہ دبدبختہ سړیہ وہ اندړو انہ وساتئ!"(ذلیل،منحوس انسان!ہاتھ تو ہلکا رکھ!)شاہ میر موسیٰ کے بھاری ہاتھوں کے وار سے تڑپ اٹھا اور بے ساختہ پشتو میں صلواتیں سنا دیں۔

"لالا،بہ لکہ ځنډ چې تاسو کې ئ!"(لالا،جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!)ارمان نے نوڈلز سے اپنا باؤل بھرتے ہوئے شاہ میر کو چھیڑا،جیسے بدلہ لے رہا ہو۔اُسے یاد تھا کہ ابھی کچھ دیر قبل شاہ میر نے ہی باران کی شکایت تایا جان سے کی تھی۔

"پاپا،یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟"زرمینے کے پہلو میں بیٹھی،پٹھانی فراک میں ملبوس انارہ نے بہرام خان کی آستین جھنجھلاہٹ سے کھینچتے ہوئے سوال کیا۔

"فاقہ زدہ چھپکلی!انہیں چھوڑو،تم کھانے پر دھیان دو۔ویسے بھی تمہیں اشد ضرورت ہے کھانے کی اور یہاں تیز ہوائیں شروع ہو چکی ہیں،ایسا نہ ہو تم کہیں اُڑ ہی جاؤ۔"انارہ نے غصے سے سرخ ناک کے ساتھ ارمان کو گھورا،جو ندیدوں کی طرح نوڈلز پر ٹوٹ پڑا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شٹ اپ، یو منکی (بندر)۔ میں نے تم سے نہیں، اپنے پاپا سے بات کی ہے!" انارہ کی جھنجھلاہٹ اپنی انتہا پر تھی۔

"حوصلہ کر بچے، حوصلہ!" زارون نے ارمان کو انارہ کو گھورتے دیکھ کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور مصنوعی افسوس جتایا۔ ارمان نے زارون کی دبی دبی مسکراہٹ کو دیکھتے ہی موقع کا بدلہ لیا اور اُس کے پیر پر پیر رکھ کر زور سے کچل دیا۔

"آہ، کمینے! پیر ہٹا میرے پیر سے!" زارون درد سے چلا اٹھا۔ اس کے شور پر اسماہ خانم کے پہلو میں بیٹھی پریشے سہم گئی۔ وہ اب بھی مکمل طور پر نارمل نہ ہوئی تھی، تیز آوازیں اسے ڈرا دیا کرتی تھیں۔

"سوری!" زارون کو جیسے ہی احساس ہوا، فوراً نادم انداز میں پریشے سے معذرت کی۔

"یہ لو! یہ تو تایا جان سے بھی بڑا رن مرید نکلا!" شاہ میر کی زبان پھر سے چل پڑی۔ اس بار اس نے خود سے ہی اعلانِ جنگ کیا تھا جس پر ربان خان نے اسے گھور کر دیکھا۔ اب تو کسی کا بھی قہقہہ ضبط میں نہ رہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باران، تمہاری بات درست ہے۔ شاہ میر کا نکاح اگلے دو ہفتوں کے لیے ملتوی کر دینا چاہیے۔" ربان خان کے مستحکم اور فیصلہ کن لہجے نے شاہ میر کی ہنسی کو پل میں روک دیا۔

باران نے ہلکی سی چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو: لے بیٹا! تیرا ہی کھیل تجھ پر ہی الٹ گیا۔

اب سب کی نظریں باران سے ہٹ کر شاہ میر پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ اس کے چہرے کی ہوائیاں اُڑی ہوئی تھیں، اور وہ بالکل گم صم ہو کر بیٹھا رہ گیا۔ گیم اس کا تھا، اور مات بھی اسے ہی ملی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تایا جان، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" شاہ میر نے حلق تر کرتے ہوئے مدد طلب نظروں سے اپنے والد کی طرف دیکھا، جنہوں نے لاتعلقی سے سر جھٹک دیا۔ پھر اس نے اپنی تائی جان کی طرف دیکھا، آنکھوں میں معصومیت سموئے، مگر سب بے کار تھا۔ ربان خان اگر ایک بار کہہ دیتے کہ نکاح دو ہفتے بعد ہو گا، تو وہ بات پتھر پر لکیر بن جاتی۔ شاہ میر جس کل کا انتظار بے صبری سے کر رہا تھا، اب وہ بھی دُور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

"خان! کیوں تنگ کرتے ہو تم ہمارے شاہ کو؟" زوبیہ خانم فوراً ہی شاہ میر کی معصومیت پر پگھل گئیں۔ ان کی آواز میں وہ مان تھا جو صرف کسی ماں جیسے دل سے نکلتا ہے۔

"ارے خانم، میں تو بس۔۔۔" ربان خان کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ اچانک رک گئے کیونکہ یہ وہ واحد مقام تھا جہاں ربان خان کی بھی نہیں چلتی تھی۔ جبہ خانم نے اُن دونوں کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رخ پھیر لیا۔ کچھ چہروں پر محبت تھی، کچھ پر ہنسی، کچھ پر ناراضگی کی جھلک۔ یوں ہنسی خوشی اور نوک جھوک کے درمیان رات کے کھانے کا اختتام ہوا، لیکن اس پورے ہال میں دو آنکھیں ایسی تھیں جنہیں یہ سب نہ تو خوشی دے سکا، نہ سکون۔ ایک کی آنکھوں میں انتقام تھا، اور دوسرے کی آنکھوں میں پچھتاوا۔

باران نے کھانے کا آخری نوالہ اُٹھایا اور زارا کے چہرے کے قریب کر دیا۔ وہ منظر اسے بچپن سے یاد تھا، جب وہ اکثر اپنے تایا یا بابا کو اپنی بیگم کے منہ میں نوالہ رکھتے دیکھتا تھا۔ ایک انجانی سی خواہش، ایک چھوٹی سی تمنا ہمیشہ دل کے کسی گوشے میں رہی تھی کہ کاش وہ بھی کبھی اپنی شریکِ حیات کے ساتھ ایسی ہی سادگی، اپنائیت اور محبت بھرا لمحہ بانٹے۔ زارا

سٹپٹا گئی۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ باقی سب اپنی باتوں میں مگن تھے، کسی نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا۔ پھر وہ بے یقینی کے عالم میں باران کی طرف دیکھنے لگی، جیسے پوچھ رہی ہو: کیا واقعی؟

باران نے اُسے دیکھ کر دھیرے سے مسکرا کر نوالہ اس کے لبوں تک پہنچا دیا۔ زارا کے دل میں ابھی پچھلی حیرت کی دھڑکن باقی تھی کہ وہ نئی حیرت میں ڈوب گئی۔ باران اُسے مسلسل حیران کر رہا تھا اور زارا خود کو بے بس، بے خبر اور بے قابو محسوس کر رہی تھی۔ یہ چھوٹا سا لمحہ باران کے دل میں عجب سا سکون، ایک بھرپور خاموش خوشی لے آیا۔ وہ مسکرا کر کرسی پیچھے سرکاتا کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے کے ساتھ ہی زارا بھی خاموشی سے اُس کے پیچھے چل دی۔ ان کے جانے کے بعد باقی سب بھی آہستہ آہستہ اپنے کمروں کو لوٹنے لگے۔ کل کا دن سب کے لیے بہت اہم تھا۔ ایک تھکن طاری تھی سب پر، جیسے دل اور ذہن پہلے ہی کل کے انتظار میں جا چکے ہوں۔ بہتر یہی تھا کہ جلد اپنے اپنے کمروں میں چلے جائیں، کیونکہ کل کا دن اس کہانی کو ایک نیا موڑ دینے والا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باری! باہر آجا، لان میں بیٹھتے ہیں۔ برفباری رک گئی ہے۔" شاہ میر کی آواز سیڑھیوں کی طرف آتی باران کے قدم روک گئی۔ وہ رُکا اور ریلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا تو تمام نوجوان لان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ بڑے سب جا چکے تھے، کمرے اپنے مکینوں سے بھرنے لگے تھے۔ باران نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی شال درست کرتے ہوئے پلٹنے لگا اور تب ہی دیکھا، ایک سیڑھی نیچے کھڑی زارا اُسے دیکھ رہی تھی۔

"آجاؤ، لان میں چلتے ہیں۔" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"میں نے عشاء کی نماز ادا کرنی ہے۔" زارا نے دھیمی آواز میں کہا تو باران فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گیا تاکہ وہ سکون سے سیڑھیاں چڑھ سکے۔ زارا کے جانے کے بعد باران لان کی طرف آ گیا۔ وہاں اب تقریباً پوری ینگ جنریشن موجود تھی، سوائے پری گل، حرم اور پریشے کے۔

لان میں کل کے فنکشن کی تیاری کے سلسلے میں ہلکی سی چمک تھی۔ برقی قمقموں کی بھری بھری سی لائٹنگ، کیاریوں کے گرد لگے چھوٹے چھوٹے خوبصورت پھولوں کے گملے ایک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دلکش منظر تخلیق کر رہے تھے۔ شب کی ہلکی ہلکی خنکی، رنگ برنگی روشنیوں کے درمیان، ہوا میں گونجتی باتیں ایک مکمل تصویر سی بن گئی تھی۔

باران لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا لان کے ایک طرف بنے شیڈ کے نیچے آ گیا، جہاں گول دائرے میں کرسیاں لگی تھیں۔ اس نے ایک کرسی کھینچ کر ارمان کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ کیا، جو سر پر اونی ٹوپی پہنے، ہاتھوں پر پھونک مار کر خود کو گرم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ٹھنڈ میں اگرچہ معمولی سی کمی آچکی تھی، لیکن وہ اب بھی خاصی محسوس ہو رہی تھی۔

زارون نے زرمینے سے کافی کی فرمائش کی تو وہ خوشی خوشی اُٹھ کر سب کے لیے کافی بنانے چلی گئی۔ کافی واحد چیز تھی جو وہ نہ صرف شوق سے بلکہ کمال کی بناتی تھی۔

"سنو، سنو! میری بات سنو!" یکدم انارہ بلند آواز میں بولتی ہوئی وہاں چلی آئی۔ اس نے بلیک اینڈ پنک موٹا، بھالو والا نائٹ ڈریس پہن رکھا تھا۔ سر پر بڑی سی گولے دار اونی ٹوپی تھی اور ہاتھ میں ایک ڈائری اور پین۔ وہ خاصی پیاری لگ رہی تھی، خاص طور پر اُس کی ٹھنڈ سے

سرخ ہوتی چھوٹی سی ناک کے ساتھ۔ سب کی توجہ بے اختیار اس کی جانب ہو گئی، جب وہ شاہ میر کے پاس خالی کرسی پر ٹانگیں سمیٹ کر چوکڑی مار کر بیٹھ گئی۔

"جی تو سب میری بات غور سے سنیں۔" وہ پورے اعتماد سے بولی۔ ٹھنڈ کے باعث جب بھی کوئی بولتا تو اُس کے منہ اور ناک سے دھواں سا برآمد ہوتا۔ سردیوں کی ٹھنڈی راتیں یونہی تو دل کو بھاتی ہیں۔ چاند کی روشنی، ہلکی ٹھنڈی ہوا اور اپنے چاہنے والوں کا ساتھ۔

"جی بولیے بچے، ہم سن رہے ہیں۔" موسیٰ اُس کی معصومیت سے محظوظ ہوتے ہوئے نرمی سے بولا۔ انارہ نے نظریں گھما کر ارمان کو دیکھا، جو ہلکی سی آنکھیں سکیڑے اُس کی حرکات کا مشاہدہ کر رہا تھا، شاید دل میں ہنسی دبا رہا تھا۔ انارہ نے ناگواری سے ہونہہ کیا اور منہ موڑ کر موسیٰ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"موسیٰ لالی، میں آپ سب لوگوں کا انٹرویو لوں گی اور اُسے اس ڈائری میں نوٹ ڈاؤن کروں گی۔ تاکہ جب میں یہاں سے جاؤں تو آپ لوگوں کو یاد رکھ سکوں۔" انارہ نے بڑی سنجیدگی اور پیار سے اپنی بات رکھی۔ موسیٰ کے چہرے پر اس وقت حیرت کی ایک لہر دوڑ گئی، جب

اُس نے خود کو "لالی" کہتے سنا۔ "لالا" کی جگہ یہ نیا لقب خاصا چونکانے والا تھا اور ادھر ارمان کو تو جیسے ہنسی کا باقاعدہ دورہ پڑ چکا تھا، جو قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ باقی چاروں نے اپنی ہنسی ضبط کرنے کے لیے کھانسنے کا سہارا لیا، اور یوں سردیوں کی ایک اور رات اپنی خاصی گرمی لیے قہقہوں میں ڈھلنے لگی۔

"انارہ، لالا ہوتا ہے، لالی نہیں!" زرمینے نے کافی کی ٹرے لا کر درمیان میں رکھی چھوٹی سی میز پر رکھتے ہوئے انارہ کی تصحیح کی، جو اپنی غلطی پر جھینپ گئی۔

انارہ نے لب دانتوں میں دبائے اور ہنستے ہوئے جلدی سے اپنا مذکر مؤنث ٹھیک کر لیا۔

"اوہ سوری یار، لالا۔"

"میٹھے یار، بسکٹ بھی لے آؤ۔" زرمینے کرسی کھینچنے ہی لگی تھی کہ ارمان نے شرارتی ہنسی کے ساتھ بتیسی نکال کر اسے دیکھا۔ زرمینے نے وہیں سے دانت پیس کر اسے گھورا اور بنا کچھ بولے پلٹ کر دوبارہ اندر چلی گئی۔ اُس کے قدم جیسے غصے کے ردھم پر چل رہے تھے۔ پیچھے سے موسیٰ نے موقع غنیمت جان کر ارمان کی کمر پر ایک زوردار مکا جڑ دیا۔ ارمان نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چونک کر برا سا منہ بنایا اور موسیٰ کو غصے سے گھورا۔ مگر اگلے ہی لمحے انارہ نے اپنی شعلہ صفت آواز میں محفل کو دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا۔

"چلو، شروع کرتے ہیں ہینڈسم انکل سے!" یہ کہتے ہی وہ شاہ میر کی سمت گھوم گئی۔

"نہیں، پہلے کسی اور سے پوچھو۔" شاہ میر نے ذرا سا نخرہ دکھایا، جیسے انکار کر کے مزہ لے رہا ہو۔

"نہیں، میں پہلے آپ سے ہی پوچھوں گی!" انارہ نے اصرار کیا۔ آواز میں شرارت بھی تھی اور ضد بھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میرا موڈ نہیں ہے۔" شاہ میر تھوڑا اور منہ بسورتے ہوئے بولا، لیکن اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چھپی نہ رہ سکی۔ وہ جانتا تھا انارہ کے سامنے نخرے کا فائدہ نہیں۔

"پلیز نہ، بس دو سوال! صرف دو!" انارہ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھڑی کر کے منت بھرے انداز میں کہا۔ شاہ میر، جو آج کل اپنی ہونے والی شادی کی خوشیوں میں فضاؤں میں اُڑتا پھر رہا تھا، انکار کا ارادہ کب کا چھوڑ چکا تھا۔

"اچھا چلو، پوچھ لو۔ لیکن صرف دو!" اس نے نیم رضامندی سے جواب دیا۔ باقی سب خاموشی سے کافی کے ہلکے ہلکے گھونٹ لے رہے تھے اور محظوظ ہو رہے تھے کہ آج کا شوکس کے نام ہے۔

"پہلا سوال۔ آپ شادی شدہ ہیں؟" انارہ نے ڈرامائی انداز میں سوال پوچھا۔ یہ سوال شاید اُس نے کسی ٹی وی شو یا ڈرامے سے سیکھا تھا، کیونکہ وہ خود بھی جانتی تھی کہ شاہ میر کی شادی ابھی نہیں ہوئی، کل ہونی ہے۔ شاہ میر کے لبوں پر ایک ہلکی، معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔

"نہیں، لیکن ان شاء اللہ کل سے ضرور کہلاؤں گا۔" یہ جواب اُس نے آدھا انارہ سے اور آدھا دل میں دیا تھا، جیسے ایک خاموش عہد ہو، کسی خاص کے لیے۔

"اوکے!" انارہ نے فوراً وہ جواب ڈائری میں نوٹ کیا۔ اس کی سنجیدگی ایسی تھی جیسے یہ کوئی جُرم کی تفتیش ہو، اور ہر لفظ ثبوت کے طور پر درج کیا جا رہا ہو۔

"آپ کے بچے ہیں؟ اگر ہیں، تو کتنے ہیں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شاہ میر نے جو ابھی ابھی کافی کا گھونٹ لیا تھا،اس سوال پر فوراً سب کچھ باہر اُگل دیا۔قہقہے کی ایک تیز لہر فضا میں گونج اٹھی۔باران،جبران اور ارمان بے ساختہ ہنسنے لگے۔

"بچے؟"موسیٰ اور زارون نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا اور پھر وہ بھی اس قہقہے میں شامل ہو گئے۔

"آر یو میڈ؟"شاہ میر ہنسی دباتے،لیکن تھوڑا سا جھنجھلا کر بولا۔"بے وقوف لڑکی،جب شادی نہیں ہوئی تو بچے کہاں سے آئیں گے؟"

انارہ کا چہرہ پریشان ہو گیا۔اُس نے معصومیت سے موسیٰ کی طرف دیکھا،جیسے کہہ رہی ہو:"کیا واقعی میرا سوال غلط تھا؟"موسیٰ نے نرمی سے سر ہلایا،جیسے کہنا چاہتا ہو:کوئی بات نہیں، بچی ہو، سمجھ جائے گی۔

اتنے میں زرمینے ہاتھ میں بسکٹ کا ڈبہ لیے واپس آئی اور اسے لا کر ارمان کے سامنے رکھا۔ اس کی نظر اپنے بھائیوں پر پڑی،جو ابھی بھی ہنسنے کے اثر میں تھے۔وہ ناسمجھی سے ان کی

طرف دیکھتے ہوئے بولی:

"کیا ہوا خان جی؟ آپ لوگ ایسے کیوں ہنس رہے ہیں؟"

لیکن سب یکدم چپ ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ زرمینے ان کی بہن ہے، معصوم، لیکن نادان نہیں۔ وہ سمجھ سکتی تھی۔ وہ پٹھانوں کی اولاد تھی، سیدھی سادی ضرور، مگر بھولی نہیں اور ایسی باتیں اس کے سامنے زیرِ بحث نہیں لائی جا سکتی تھیں۔

"کچھ نہیں بچے، بس ایسے ہی۔" موسیٰ نے نرمی سے بات نمٹادی۔ زرمینے نے ایک لمحہ سوچا اور پھر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ کبھی کبھار خاموشی ہی فہم کی اعلیٰ ترین شکل ہوتی ہے۔

"انکل، میں آپ سے سوال پوچھوں؟" انارہ کا دھیان اب باران کی طرف تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں چمک رہی تھیں، مگر باران کے ماتھے پر ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔ کہیں پھر سے کوئی ایسا سوال نہ پوچھ لے جو اسے دفاعی بنا دے، مگر باران کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ارمان کی شرارتی رگ پھڑک اُٹھی۔

"او چھپکلی! چپ کر کے یہ کھاؤ"!

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انارہ نے خونخوار نظروں سے اُسے گھورا۔ آنکھوں میں باقاعدہ چنگاریاں تھیں۔

"تم خود کھالوہا تھی!" جواب میں اس نے تپ کر کہا،اور پھر دونوں کے درمیان "تو تو، میں میں" شروع ہو گئی۔ ان کی نوک جھوک میں ایسی بے ساختگی تھی کہ سب کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ انارہ انٹرویو کے مقصد کو مکمل بھول چکی تھی۔ وہ اب پوری توجہ سے ارمان کے طنز کا جواب دینے میں مگن تھی۔ شاہ میر نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اُس نے انارہ کی گود میں رکھی ڈائری آہستہ سے اٹھائی اور اُسے باران کی طرف اچھال دی۔ باران نے فوراً کیچ کی اور ڈائری کو اپنی کرسی کی پشت کے پیچھے چھپا دیا۔ کہیں دوبارہ اسے انٹرویو یاد نہ آ جائے۔

یوں باتوں، قہقہوں، شرارتوں اور مسکراہٹوں کے درمیان وقت کب پر لگا کر اُڑ گیا، کسی کو پتہ نہ چلا۔ گھڑی نے چپکے سے ایک بجا دیا تھا۔ باران نے اپنی شال درست کی، نظر دوڑائی، اور نرم لہجے میں سب سے کہا:

"بس اب چلیں، سب تھک گئے ہو گے۔ کل کا دن بہت لمبا ہے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سب نے دھیرے دھیرے رضامندی میں سر ہلایا اور اپنی اپنی راہ لی۔ باران خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اور اس کے ساتھ ہی رات نے اپنی آخری کروٹ لے لی۔ ایک ایسی رات، جس کے بعد کہانی کو ایک نیا موڑ ملنے والا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"تم سوئی نہیں ابھی تک؟" باران کمرے میں داخل ہوا تو زارا کو جاگتے پایا۔ وہ صوفے کی ٹیک پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ ایک لمحے کو وہ ٹھٹھک گیا۔ وہ اس کے سامنے، پیروں تک آتی لال میکسی میں ملبوس، ڈوپٹہ شانوں پر ڈالے، کندھوں تک آتے کھلے سیاہ بالوں کے ساتھ، کسی سادہ سی آرائش کے بغیر تھی۔ کچھ تھا جو اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے گیا تھا۔

"وہ آپ آئے نہیں تھے، تو بس۔۔۔" وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی اور گال پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

"اچھا، میرے کپڑے نکال دو، میں ذرا فریش ہو جاؤں۔" باران نے شال اتارتے ہوئے بیڈ پر پھینکی اور کف لنکس کھول کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

زارا نے فوراً سر ہلایا اور الماری کی طرف بڑھی۔ وہاں سے اُس نے وہی ٹراؤزر اور شرٹ نکالا جو اکثر باران کو پہنے دیکھا تھا۔ جیسے ہی وہ پلٹی، باران کو بالکل پیچھے کھڑا دیکھ کر ایک پل کو گھبرا گئی۔ اس کی آنکھوں میں اترتی ہوئی حیا، باران کے دل کو ایک عجب سا سکون دے گئی۔ اس نے ہاتھ بڑھایا، تو زارا نے بے ساختہ آنکھیں موند لیں۔ باران نے مسکراہٹ دباتے ہوئے الماری کا وہ پٹ بند کیا جو ذرا سا کھلا رہ گیا تھا، پھر نرمی سے اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر واش روم میں چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز پر زارا نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ اس کا سانس بے ترتیب تھا۔ باران کے بدلتے انداز نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ایک الجھن تھی، ایک گھبراہٹ بھی، مگر اس کے ساتھ ایک عجیب سا سکون بھی تھا، جیسے اب وہ جان چکی ہو کہ باران اب اسے کبھی چھوڑے گا نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو زارا بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔ جیسے ہی نظر اس پر پڑی، فوراً کھڑی ہو گئی۔ باران نے تولیہ بالوں پر رگڑ کر ایک طرف ٹانگا اور بیڈ کی اپنی طرف نیم دراز ہو

گیا۔اس نے ہاتھ کے اشارے سے زارا کو قریب بلایا۔وہ لب دباتی، آہستہ آہستہ بیڈ پر چڑھ کر گھٹنوں کے

بل رینگتی ہوئی اس کے پاس آئی، تو باران نے اس کا ہاتھ تھاما اور ہلکا سا جھٹکا دے کر اسے اپنے پہلو میں کھینچ لیا۔

اب منظر بہت سادہ اور پر خلوص تھا۔زارا کا سر اس کے بازو پر تھا۔وہ خاموشی سے اس کے خوشبو بکھیرتے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔زارا کی سانسیں کمرے کی خاموشی میں واضح سنائی دے رہی تھیں۔وہ یک ٹک چھت کو دیکھ رہی تھی،اور باران آنکھیں بند کیے،اس کے بالوں کی جڑوں کو تھامے، جیسے کسی سکون کو محسوس کر رہا ہو۔

☆..☆..☆..☆

زارا نے اپنی نارنجی اور کالی چوڑیوں کو کلائیوں میں بھرتے ہوئے خوشی سے انہیں کھنکھنا کر دیکھا۔نارنجی اور کالے رنگ کے امتزاج سے بنی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس، سر پر بڑے سے دوپٹے کو سنبھالے،اس نے آئینے میں جھانکا تو یوں لگا جیسے وہ شیشوں سے

مزین،نارنجی رنگ میں کھلتا ہوا گیندے کا پھول ہو۔ گالوں پر ٹھہری ہلکی لالی اور بھرے بھرے لبوں پر سجی دلکش مسکراہٹ واقعی دید کے قابل تھی۔اس نے جلدی سے آنکھوں میں باریک سی کاجل کی لکیر کھینچی، پھر ہرے رنگ کا کھسہ نکال کر پہنا،شال سنبھالی،اور دروازے کی طرف بڑھ گئی، مکمل طور پر باہر جانے کے لیے تیار۔

وہ دروازے کی دہلیز پر ہی تھی کہ باران عجلت میں دروازہ کھولتا ہوا اندر داخل ہوا۔وہ صبح والے ہی رف سے حلیے میں تھا،حویلی کے بے شمار کاموں کو نپٹاتے نپٹاتے اُسے خاصا وقت لگ گیا تھا۔ جیسے ہی فراغت ملی،وہ جلدی سے کمرے میں آیا تاکہ خود بھی تیار ہو سکے، لیکن جوں ہی اُس کی نظر زارا پر پڑی،وہ ایک پل کو رک سا گیا،جیسے لمحہ ٹھہر گیا ہو۔

زارا نے اسے دیکھ کر تیزی سے پلکیں جھکا لیں۔باران خاموشی سے قدم قدم اس کے قریب آیا،اور نرمی سے اُسے اپنے سینے سے لگا کر اُس کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ دیا۔ آج وہ واقعی ایک سردار کی بیوی لگ رہی تھی:باوقار،دلنشین،اور بے حد دلربا۔

"سائیں!"وہ نظریں جھکائے،انگلیاں مروڑتے،دھیمی آواز میں بولی۔

"بولو، قربان!" باران نے اس کی رخسار سے جھولتی لٹ کو محبت سے کان کے پیچھے کیا اور دلفریب نرمی سے جواب دیا۔

زارا کے گالوں پر یکدم گلابی رنگ اُمڈ آیا، پلکیں جیسے منوں بوجھ تلے دب گئیں۔ باران نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اُسے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس قدر بلش (blush) کر جائے گی۔ اتنی معصوم شرم دل کو ایک عجیب سا سکون دے گئی۔

"اُف اللہ! یہ لڑکی اتنا کیوں شرماتی ہے؟" وہ زیرِ لب مسکرا کر بولا، پھر اُس کی آنکھوں کو اپنی انگلیوں سے چھو کر جیسے اُس کی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش کی، اور کامیاب بھی ہو گیا۔ زارا کے اندر سب کچھ الجھ سا گیا تھا: دل، دھڑکن اور خاموش جذبے۔

باران نے اُسے شرماتے دیکھ کر گہری سانس بھری اور آہستہ سے خود کو اس سے الگ کیا، ورنہ کوئی شک نہیں تھا کہ محترمہ اگلے ہی لمحے ہوش و حواس سے بیگانہ زمین بوس نظر آتیں۔ اُس کے چھوڑنے کی دیر تھی کہ زارا نے ارد گرد دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی اور پلک جھپکتے ہی کمرے سے باہر نکل بھاگی۔

اُس کی اس پھرتی پر باران کا دلکش، بے ساختہ قہقہہ کمرے کی فضا میں گونج اٹھا۔ کیا واقعی زندگی یوں بھی اچھی گزر سکتی ہے؟

☆..☆..☆..☆

"اومڑا، تم تو بہت پیارا لگ رہا ہے!" موسیٰ کی آواز پر شاہ میر نے اپنی شال درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ ہلکے سبز رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس، سبز کائی جیسی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت لیے وہ اس کے قریب آ کر گلے لگ گیا۔ اتفاق تھا کہ باران سے پہلے موسیٰ ہی اس کے بغل گیر ہوا تھا۔

"تم بس ٹھیک ہی لگ رہے ہو۔"

"ہیں؟ وہ کیوں؟ کیا میں اچھا نہیں لگ رہا؟" وہ شاہ میر سے الگ ہوتے ہوئے آئینے میں خود کو دیکھنے لگا، مگر اسے خود میں کوئی کمی نظر نہ آئی۔

"ارے موسیٰ لالی! دولہا ہم ہیں، تو پیارا بھی تو صرف ہم ہی لگیں گے نا!" وہ فخر سے گردن اکڑاتے، اسی کے انداز میں بولا تو موسیٰ نے "لالی" لفظ پر دانت پیچکچا کر اسے دیکھا، جو زیادہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہی شوخا ہو رہا تھا۔ خیر، اس کا دن تھا تو بخش دیا۔ ویسے لگ تو واقعی ہی بہت پیارا رہا تھا۔ سفید شلوار قمیض اور بھوری شال میں ملبوس وہ شہزادہ لگ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ارمان بھی وہیں آدھمکا، جو لائٹ براؤن شلوار قمیض میں کالی واسکٹ پہنے کافی دلکش لگ رہا تھا۔ پیروں میں پشاوری چپل، ہاتھ میں برانڈڈ گھڑی — آہ! سیاست دان سے زیادہ امیر تو یہ بچہ تھا۔ ان کے لیے تو بچہ ہی تھا۔ موسیٰ نے کڑھتے ہوئے سوچا اور وہیں بیڈ پر براجمان ہو گیا۔

"لالا، ویسے اگر شہزی لالا بھی زندہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا!" ارمان کی اچانک کہی گئی بات نے موسیٰ اور شاہ میر دونوں کو افسردہ کر دیا۔ شاہ میر کو بے ساختہ شہزاد کے ساتھ اپنی آخری ملاقات یاد آ گئی، جو وہ ساری زندگی نہیں بھول سکتا تھا۔

"کمینے منحوس! تو مر جائے گا مجھ سے۔ تجھے پتہ ہے اگلے ہفتے میرا نکاح ہے اور تو مشن پر روانہ ہو رہا ہے۔" شاہ میر اپنے کمرے میں بستر پر ٹانگیں سیدھی کیے لیٹا تھا کہ اچانک شہزاد تن فن کرتا ہوا آ کر اس کی ٹانگوں پر دھپ سے بیٹھ گیا۔

"آہ! میری ٹانگیں!"شاہ میر نے زوردار مکہ اس کے کاندھے پر مارا۔

"ابے،اُتر میری ٹانگوں سے—ہائے!مار ڈالا!"شاہ میر کی آہ وبکا شروع ہوتے دیکھ شہزاد نے ایک زوردار گھونسا اس کے منہ پر جڑ دیا،جس پر کراہتے ہوئے شاہ میر نے بمشکل اسے گھسیٹ کر اپنے سے دور کیا۔فوج کا جوان گاؤں کے سردار کے سامنے کمزور پڑ رہا تھا،جو کہ ناممکن تھا۔

"تیری تو میں—"شاہ میر یکدم اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کو سائیڈ پر پھینکتے ہوئے شہزاد کو گھماتے ہوئے اس کے اوپر چڑھ گیا۔

دونوں ایک دوسرے میں گتھم گتھا تھے کہ اچانک ارمان اچھلتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہوا اور زوردار چیخ مار گیا۔

"نہیں!میں نے کچھ نہیں دیکھا!توبہ توبہ،یہ کیا دیکھنا پڑ رہا ہے؟ہائے اللہ!گل بھابھی،تمہارا تو بھاگ ہی پھوٹ گیا!"ارمان سینے کو دونوں ہاتھوں سے پیٹتے ہوئے،بڑی دادی ماؤں کی طرح دہائیاں دے رہا تھا۔ان دونوں نے ارمان کی بات سن کر ڈھیل کر اسے دیکھا،پھر

اپنی حالت کی طرف نظر دوڑائی اور کرنٹ کھا کر ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ شہزاد کی آدھی سے زیادہ سلیولیس شرٹ پیٹ سے اوپر ہو چکی تھی، اور ٹراؤزر بھی پنڈلیوں سے خاصا اونچا تھا۔ یہی حالت شاہ میر کی بھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اپنی حالت درست کرنے لگے۔

دونوں نے قہر بھری نظر ارمان پر ڈالی، جس کے ابھی بھی بین جاری تھے۔ وہ کبھی ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھتا، تو کبھی سینے کو پیٹتا۔

شہزاد نے کچھ سوچتے ہوئے شاہ میر کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ سمجھایا، جس پر شاہ میر نے دھیرے سے ہاں میں سر ہلایا، پھر اگلے ہی لمحے شاہ میر اور شہزاد نے ارمان کو قابو کیا ہوا تھا، اور ارمان کی چیخیں پوری حویلی میں گونج رہی تھیں، جو یہ ثابت کر رہی تھیں کہ شاہ میر کے کمرے میں پھر کوئی محاذ کھلا ہوا ہے۔

اور باران حویلی میں نہیں تھا، ورنہ ان کی آوازیں حلق سے بھی نہ نکلتیں۔ وجہ: باران کا ڈر اور عزت دونوں تھی۔ وہ جتنا اس سے ڈرتے تھے، اس سے کئی زیادہ اس کی عزت کرتے بھی

تھے۔ڈائننگ ہال میں بیٹھے رات کا کھانا کھاتے افراد نے نفی میں سر ہلایا،گویا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

"ہاں بھئی!ریڈی ہو آپ سب؟"زارون اپنے کوٹ کے کف لنکس لگاتے ہوئے روم میں داخل ہوا تو شاہ میر اپنے افسردہ خیالِ ماضی سے باہر آ گیا۔

اس نے زارون کی طرف دیکھا،جو کالے پینٹ کوٹ میں ملبوس،بالوں کو جیل سے سیٹ کیے،پیروں میں بوٹ پہنے،سب سے الگ تھلگ لگ رہا تھا۔اس کا ولیمہ تھا،تو اسے اس سے بہتر چوائس کچھ اور نہ لگا—اور بھلا ولیمے پر شلوار قمیض کون پہنتا؟

"کیا ہوا؟کچھ ہوا ہے؟"وہ خلافِ توقع خاموشی نوٹ کرتے پوچھنے لگا۔

"ہاں،وہ"—

"نہیں،کچھ نہیں۔تم بتاؤ،تم ریڈی ہو؟"ارمان کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے شاہ میر نے اپنے گلوگیر لہجے پر قابو پاتے ہوئے بولا۔وہ جانتا تھا شہزاد سے سب سے زیادہ زارون قریب تھا اور فی الحال وہ اس کا ذکر کر کے اسے افسردہ نہیں کر سکتا تھا۔

"جی لالا، میں بالکل ریڈی ہوں۔ بتاؤ ذرا، کیسا لگ رہا ہوں؟" زارون نے بازو پھیلائے، بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بہت پیارا۔ اپنے لالا کی جان لے رہا ہے!" شاہ میر نے بنا کچھ سوچے سمجھے آگے بڑھ کر زارون کو سینے سے لگایا اور اسے پیار کیا۔

آج شہزاد کی یاد اس کی سوچوں پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ اس نے بھلا کیا بگاڑا تھا کسی کا جو اسے یوں موت کی نیند سلا دیا گیا۔ وہ لوگ تو کبھی نہ مانتے کہ وہ لاش شہزاد کی ہے، لیکن ڈی این اے رپورٹس اور اس کے پاس سے ملنے والا سامان ضرور ثابت کرتا تھا کہ وہ اس حویلی کے چشم و چراغ کی مسخ شدہ لاش ہے—اور پھر اس کا کچھ چہرہ بھی واضح تھا۔

"لالا، اِز ایوری تھنگ اوکے؟" جب چند لمحے گزرے اور شاہ میر زارون سے الگ نہ ہوا، تو زارون نے سنجیدگی سے استفسار کیا، جس پر وہ جلدی سے آنکھیں بند کر کے نمی کو اندر کی طرف کھینچتے ہوئے ہنستے ہوئے پیچھے ہٹا۔

"ہاں ہاں، سب ٹھیک ہے بس۔ اب تیرا لالا پرایا ہونے والا ہے، تو بس ذرا ایموشنل ہو

گیا۔ "شاہ میر کے اس قدر تیزی سے بات پلٹنے پر موسیٰ اور ارمان مسکرا دیے۔ وہ اس آنکھوں میں چھپا درد دیکھ چکے تھے۔ بس فرق یہ تھا کہ اس درد میں وہ بھی حصہ دار بننا چاہتے تھے، لیکن ابھی موقع محل نہیں تھا۔

"چلو، آجائیں پھر۔ باران لالا بھی پتہ نہیں کہاں رہ گئے، ابھی تک تیار ہو کر نہیں نکلے روم سے۔" زارون سمجھ تو گیا تھا کہ کیا بات ہے، لیکن وہ ابھی ایموشنل ہو کر اپنے لالا کے خاص دن کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے بات کا رخ پلٹ گیا۔

"شاہ، تیرا ایک اور بھائی بھی ہے۔" شاہ میر نے باران کی آواز پر دروازے کی طرف دیکھا، جو عین دروازے کے بیچ و بیچ کھڑا اسے سنہری آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ ہلکے نارنجی رنگ کے سوٹ شلوار میں ملبوس، کندھوں پر کالی کنی والی شال اوڑھے ہوئے تھا۔ تیکھے نقوش پر گھلی سنجیدگی میں بھی شاہ میر واضح جلن کا تاثر دیکھ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بظاہر وہ سنجیدہ نظر آرہا ہے، لیکن اندر ہی اندر وہ اسے زارون کے ساتھ لاڈ کرتے دیکھ کڑھ گیا ہو گا۔

"لالا، میں بھی تو آپ کا بھائی ہوں!" باران نے آنکھیں چھوٹی کیے زارون کو دیکھا، جو چہرے

پر معصومیت سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی باران مدھم سا مسکرایا۔ ہونٹوں کے کونے کھینچتے ہی اس کے گال پر ہلکا سا گڑھا واضح ہوا، جسے دیکھتے ہی ارمان تو "ہائے!" دل پر ہاتھ رکھے بیڈ پر لیٹ گیا— جیسے مانو کتنا بڑا صدمہ لگ گیا ہو۔ اس کی حرکت پر وہ سب ہی ہنس پڑے۔ صدمہ تو واقعی بہت بڑا تھا! باران مسکرایا ہی بہت کم کرتا تھا۔ ارمان کی ڈرامہ بازی شروع ہوتے دیکھ باران کے تاثر پھر سے سنجیدہ ہو گئے، جس پر وہ جلدی سے سیدھا ہو گیا کہ کہیں ڈانٹ ہی نہ پڑ جائے۔

ایسے ہی ہنسی خوشی، قہقہوں کی بھنبھناہٹ میں وہ پانچوں کمرے سے نکل کر مردانے کی طرف چل پڑے۔

☆..☆..☆..☆

"ماشاءاللہ، لالا! آپ تو بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں!" وہ پانچوں مردانے کی طرف جا رہے تھے کہ اچانک زرمینے وہاں چراغ کے جن کی طرح آدھمکی۔

موسیٰ نے ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالی، جو سنہرے رنگ کی فراک میں ملبوس، سر پر

لاپرواہی سے دوپٹہ ٹکائے انتہا کی حسین لگ رہی تھی۔ وہ ایک نظر دیکھ کر ہی نظروں کا زاویہ بدل گیا۔ محبوب کو نظر بھر کر دیکھنے سے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس کی اپنی نظر نہ لگ جائے۔

"لالا کے جگر کا ٹکڑا بھی بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔" شاہ میر نے کھلے دل سے اس کی تعریف کرتے ہوئے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا اور اس کی ہتھیلیوں کو چوما۔ دنیا میں اس کی ماں کے بعد کوئی عورت ایسی نہیں تھی جس کی ہتھیلیاں وہ اس محبت سے چومتا ہو۔ وہ زرمینے ہی تھی۔ زرمینے کے مطابق وہ اس کے جگر کا ٹکڑا تھی، اور اسے یہ خطاب دل سے پسند تھا۔

"ہمم، ہمم— میرا دل کا ٹکڑا نہیں مل رہا، کسی نے دیکھا ہے؟" باران نے گلا کھنکارتے گردو نواح میں نظریں گھمائیں، تو زرمینے کھلکھلاتے ہوئے اس کے بازو سے لگی، جو شاہ میر کے بالکل ساتھ کھڑا تھا۔

موسیٰ نے دل میں ہزار بار اس کی اس کھنکتی ہنسی کے دائمی رہنے کی دعا کی۔ نظریں اب بھی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دیوار پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"ہائے، میرا گردہ! میرا گردہ کہاں گیا؟ ہائے!" ایک عرصے کے بعد زارون کی شرارتی آواز حویلی کی در و دیوار نے سنی تھی۔ اب منظر یوں تھا کہ وہ تینوں بھائیوں کے ساتھ کھڑی اپنی چھوٹی سی گڑیا لگ رہی تھی۔ یہ زرمینے نے طے کیا تھا کہ وہ شاہ میر کا "جگر"، باران کے "دل کا ٹکڑا" اور زارون کا "پورا گردہ" ہے۔ کسی کو بھی اس کی منطق آج تک سمجھ نہیں آسکی تھی، لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ وہ کسی کا پورا دل ہے۔

"کیا اب یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟" موسیٰ کی بیزاری بھری آواز پر زرمینے چونک کر گردن گھما کر اس کی طرف دیکھنے لگی، جس کی سبز آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور وہ سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"تو کیوں جلتے توے پر بیٹھا ہے؟" شاہ میر نے گھور کر موسیٰ کو دیکھا، پھر زرمینے کی طرف متوجہ ہوا جو ہنوز موسیٰ کو دیکھ رہی تھی۔ موسیٰ کے اکھڑے لہجے پر زرمینے کی سنہری آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ وہ اپنی بہن کے جذبات سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ منہ سے بولتی نہیں تھی،

لیکن اس کی آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی تھیں۔ شاہ میر نے زرمینے کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے اندر جانے کے لیے کہا تو وہ نظریں جھکائے چلی گئی۔

باران نے زرمینے کے جاتے ہی ایک زوردار مکا موسیٰ کی کمر پر جڑ دیا—ذلیل انسان نے اس کی گڑیا کو اداس کر دیا تھا۔ موسیٰ ان کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کندھوں پر شال جھٹک کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

اس کے تیور پر وہ دانت پیسنے کے علاوہ فی الحال کچھ نہ کر سکے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

لان میں سجے شامیانے پر لگا بڑا سا اسٹیج مہمانوں کی توجہ اپنی جانب کھینچ لینے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ ہرے اور کالے رنگ کے امتزاج سے مزین جالی دار پردے، لیونڈر جامنی پھولوں میں لپٹی لڑیاں، ٹیولپس اور کنول کے خوشبودار پھولوں سے بنے فانوس، اور اسٹیج کے کناروں پر سجی پتیوں کی بیلیں—یہ سب کسی ماہر کاریگر کے ذوق اور مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔

اسٹیج کے وسط میں لگے صوفوں پر تین واضح گروہ نمایاں تھے۔ سامنے والے صوفے پر قاضی، شاہ میر اور حیدر خان تشریف فرما تھے، اور دائیں طرف ربان خان، بہرام خان اور داور خان، جبکہ بائیں طرف موسیٰ، باران، زارون، جبران اور ارمان خاموشی سے بیٹھے ماحول کا حصہ تھے۔

"سردار صاحب، شروع کریں؟" قاضی صاحب نے کاغذی کارروائی مکمل کر کے ربان خان سے اجازت چاہی، جنہوں نے ہلکے سے سر ہلا کر نکاح پڑھانے کا اذن دے دیا۔

قاضی نے رجسٹر کی جانب دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہنا شروع کیا:

"شاہ میر خان ولدِ حیدر خان، آپ کا نکاح حرم فاطمہ بنتِ داؤد مرزا سے، ایک کروڑ روپے مہر کے عوض، تمام گواہان کی موجودگی میں کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

یہ سنتے ہی وہاں موجود دو افراد پر گویا آسمان ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے بے یقینی سے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر جیسے ذہن میں کسی نے گونجتا ہوا اعلان دوبارہ دہرا دیا۔

"قبول ہے۔" شاہ میر کی آواز خوشی سے لبریز تھی، جیسے اس لمحے کا برسوں سے انتظار تھا۔

قاضی صاحب نے دوبارہ رجسٹر میں دیکھا اور پھر سے اعلان کیا:

"شاہ میر خان ولدِ حیدر خان، آپ کا نکاح حرم فاطمہ بنتِ داؤد مرزا سے، ایک کروڑ روپے مہر کے عوض، تمام گواہان کی موجودگی میں کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

اب جیسے ان دو افراد کے ذہنوں میں ایک جھماکہ سا ہوا۔

"زینب فاطمہ بنتِ داؤد مرزا، آپ کا نکاح بہرام خان ولدِ اعظم خان سے، دو لاکھ روپے مہر کے عوض، تمام گواہان کی موجودگی میں کیا جا رہا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟"

یہ الفاظ سنتے ہی وہ دونوں افراد جیسے پتھر کے ہو گئے۔ بہرام خان کی آنکھوں میں پچھتاوے کا ایک خاموش، گہرا سمندر موجزن تھا جبکہ داور خان اب تک یقین کرنے سے قاصر تھے۔ کیا ماضی ایک بار پھر خود کو دہرا رہا تھا؟ کیا وقت کی ریت ان کے گناہوں کو چھپا نہ سکی تھی؟ جوانی کے جوش میں کیے گئے فیصلوں کی سزا اب وقت انہیں ان ہی کی نظروں کے سامنے دے رہا تھا۔

درد و کرب کا طوفان تھا جو بہرام خان کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ وہ دنیا، جو

دہشت کے کارواں "بلڈی پوائزن" سے ڈرتی تھی—ڈارک ویب کے خونخوار بادشاہ سے—آج اپنے ماضی سے نظریں چرا گیا تھا۔

انہیں ہوش "مبارک ہو" کی صدا پر آیا۔ سب شاہ میر سے گلے مل کر اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ حرم سے نکاح کا قبول و ایجاب وہ پہلے ہی کروا چکے تھے۔

بہرام خان، کسی کی بھی نظر میں آئے بغیر، سرخ ہوتی شہد آنکھوں کو پونچھتے، خاموشی سے حویلی سے نکلتے چلے گئے۔ ان کی گاڑی کا رخ اسلام آباد کی طرف تھا۔

وقت نے ایک زوردار تماچا ان کے منہ پر مارا تھا، اتنی قوت سے کہ وہ آج سے سولہ سال پیچھے جا گرے۔ انہیں آج بھی وہ رات یاد تھی جب زینب ان کے گھر کی دیوار پھلانگ کر بھاگی تھی۔ انہیں آج بھی یاد تھا کہ وہ زینب کو کس طرح زبردستی اس کے گھر سے لائے، اس گھر کو آگ کی نذر کرتے، اپنے گناہ کا ایک ایک ثبوت راکھ کر آئے تھے۔

ہاں، وہ ایک ماضی تھا، جہاں بہرام خان اور زینب مرزا کی درد بھری داستان تھی۔ ماضی ایک بار پھر واضح ہوا، اور پھر دھند ہٹتی چلی گئی۔

☆..☆..☆..☆

دس جون 2009، بروز سوموار؛

چوکیدار نے جیسے ہی بتایا کہ زینب اس کا سر پھاڑ کر گھر سے بھاگ گئی ہے، اس نقاب پوش (بہرام خان) نے جلدی سے داور خان کو کال ملائی، جو نیشنل ہائی وے پر چڑھ چکے تھے۔ وہاں سے واپسی لیتے ہوئے انہیں دو گھنٹے تو لازمی لگنے تھے۔

"ہاں داور، یار، میں تجھے ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں، جلدی سے وہاں پہنچ کر معاملات سنبھال۔ بس کچھ ایسا کر دے کہ وہ دوبارہ بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔" وہ داور خان کے فون اٹھاتے ہی تیزی سے بولے۔

"لیکن خاناں، تمہیں کیسے پتہ کہ وہ وہاں آئے گی؟ اور چلی گئی ہے تو جانے دو، وہ کوئی پہلی اور آخری لڑکی تو نہیں ہے نا۔" داور خان کو پہلے ہی غصہ تھا کہ بہرام خان زینب کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں—یہ جاننے کے باوجود کہ وہ لڑکی سزا کی حقدار ہے۔ اس نے ان کی ٹیم کی ایک اہم ممبر کو جان سے مار دیا، اور وہ ہے کہ اس کے پیچھے پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔

Clubb of Quality Content

"داور، تُو سمجھ نہیں رہا۔ تیرے خاناں کے دل کو بھا گئی ہے وہ لڑکی۔ مجھے ہر حال میں وہ لڑکی اپنی دسترس میں چاہیے!" وہ یوٹرن لیتے ہوئے گاڑی کو فل اسپیڈ سے چلاتے ہوئے چیخے تھے۔

وہ کیسے بتاتے داور خان کو کہ وہ لڑکی پہلی ہی نظر میں ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے؟ بتیس سال کے ہونے کے بعد بھی انہیں کوئی لڑکی نہیں بھائی تھی جو ان کی زندگی میں شامل ہو سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اب تک شادی بھی نہیں کی تھی، لیکن آج جو لڑکی پسند آئی، وہ ان سے تیرہ سال چھوٹی تھی۔ اب تو دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جاتی، لیکن انہیں زینب چاہیے تھی—حالانکہ وہ کوئی اس قدر حسین نہیں تھی؛ مناسب سے نقوش اور عام سی شکل و صورت۔ پھر بھی وہ لڑکی ان کی زندگی بن گئی تھی۔

"خاناں، تم پریشان مت ہو، میں جاتا ہوں!" داور خان کی اسپیکر سے ابھری ہوئی آواز نے ان کے اعصاب کو کچھ پرسکون کر دیا تھا۔

"بس جلدی سے جا،اور ہاں—بات کا خیال رکھنا،اسے تکلیف نہ ہو۔"وہ بول کر کال کٹ کرتے،موبائل ڈیش بورڈ پر پھینک گئے۔

☆..☆..☆..☆

داؤد صاحب اور زائرہ بیگم،بچوں کو کھانا کھلا کر صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھے تھے۔داؤد صاحب کو تو گویا چپ ہی لگ گئی تھی۔زائرہ بیگم بھی زینب کا خیال آتے ہی رو پڑتی تھیں۔ان کی جوان بچی نہ جانے کہاں تھی،کس حال میں تھی—وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔اب بھی وہ نم آنکھوں سے گھر کے دروازے کو تک رہی تھیں،جیسے ابھی زینب چہکتی ہوئی آئے گی اور کہے گی،"ماما جانی،میں آ گئی!"لیکن یہ تو جیسے ایک خواب ہی بن کر رہ گیا تھا۔

داؤد صاحب نے زائرہ بیگم کی سسکی محسوس کی تو چونک کر ان کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھا۔پھر ہاتھ بڑھا کر انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔سہارا پاتے ہی وہ بلک بلک کر رو دی تھیں،جبکہ وہ خاموشی سے بس زمین پر کسی غیر مرکزی نقطے کو گھورتے،ان کی کمر کو نرمی

سے تھپکتے، حوصلہ دے رہے تھے جو ان کے پاس سے بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ان کی بنیادیں ڈھے چکی تھیں، مگر وہ صرف اپنے بچوں کے لیے جی رہے تھے۔

ان تین دنوں میں انہوں نے ایک بار بھی اپنی کسی اولاد کو گھر سے باہر قدم رکھنے نہ دیا تھا، خاص طور پر فاطمہ کو۔ انہیں اللہ نے دو بیٹوں سے نوازا جن کی انہوں نے بہت خوب سیرت تربیت کی، اور انہیں بے حد لاڈ سے پالا۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر انہیں اچھا کھلایا، پلایا، پہنایا، لیکن انہیں اپنی بیٹیوں سے کہیں زیادہ محبت تھی۔

زینب بھلے ہی شرارتی تھی، لیکن دل کی بے پناہ نرم اور خوش اخلاق تھی، جبکہ اس کے برعکس حرم فاطمہ بہت خاموش اور سلجھی ہوئی طبیعت کی تھی۔ وہ تو روتے ہوئے کو ہنسا دینے کا ہنر رکھتی تھی۔ زینب فاطمہ اور حرم فاطمہ — ان دونوں میں ان کی جان بستی تھی۔

داؤد صاحب نے اپنی مرحومہ والدہ "فاطمہ" کے نام کو ملا کر اپنی دونوں بیٹیوں کے نام رکھے تھے۔

فاطمہ کو شروع سے ہی "حرم" کے بجائے "فاطمہ" کے نام سے ہی پکارا جاتا تھا۔ اکثر لوگوں

کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ فاطمہ کا پورا نام "حرم فاطمہ" ہے۔

"فاطمہ کے بابا، آپ نماز پڑھ کر دعا کریں کہ زینب ہمیں مل جائے۔ زندہ یا مردہ، کسی بھی حال میں—بس مل جائے۔" زائرہ بیگم کی بات پر داؤد صاحب دہل کر ان سے ذرا فاصلے پر ہوئے۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں سرخی اور نمی بے وقت اکٹھی ہو گئی تھی۔

"یہ کیا بول رہی ہو، زائرہ؟ اللہ نہ کرے، میری زینب کو کچھ ہو!" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہیں سختی سے بولے۔ ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا زائرہ بیگم کے اس جملے پر۔ وہ کتنی آسانی سے کہہ گئیں!

"میں بھی کوئی شوق سے نہیں بول رہی!" وہ روتے ہوئے بولیں۔

"وہ جوان بیٹی ہے میری—نہ جانے کہاں ہو گی، کس حال میں ہو گی۔ اگر وہ ساری زندگی ایسے ہی لاپتہ رہی تو میں سوچ سوچ کر ہی مر جاؤں گی! لیکن اگر وہ مردہ بھی واپس آ گئی نا تو یقین جانیں، میرے دل کو صبر آ جائے گا! ورنہ یہ دنیا نوچ کھاتی ہے ایک لڑکی کو!" اور ان کے ایک ایک لفظ پر داؤد صاحب کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ یہی وہ واحد سوچ تھی جو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہیں اندر سے مار دینے کے درپے تھی۔

بیٹیاں بوجھ نہیں ہوتیں؛ان کے نصیب بوجھ ہوتے ہیں جو انہیں کہیں کا نہیں چھوڑتے۔

"اللہ نہ کرے،زائرہ—اللہ نہ کرے۔اللہ میری بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے،اس کی عزت و جاں کی حفاظت کرے!"وہ تڑپ کر بولے تھے۔

انہیں اپنے کمرے کی اوٹ سے چھپ کر دیکھتی حرم فاطمہ،ان کے رونے پر خود بھی رو دی تھی۔ تین دن سے گھر پر چھایا سوگ کا ماحول اس کے معصوم ذہن پر بہت گہرا اثر ڈال رہا تھا۔وہ ان نیک بندوں میں سے تھی جنہیں اللہ نے چن لیا ہوتا ہے۔وہ قرآن حفظ کر رہی تھی:اتنی سی عمر میں پانچوں وقت کی نمازی،اور طبیعت میں ایک ایسا ٹھہراؤ کہ اس کی بات میں عجیب سی کشش ہوتی تھی۔جب وہ بات کرتی،تو سامنے والا انسان مبہوت ہو جاتا۔آج تک اس گھر کی دیواروں نے فاطمہ کی بلند آواز نہ سنی تھی،یہی وجہ تھی کہ وہ زینب سے زیادہ سمجھ دار مانی جاتی تھی۔ابھی وہ اپنے ماں باپ کو چھپ کر دیکھ ہی رہی تھی کہ اچانک گھر کے دروازے پر زور زور سے دھڑ دھڑانے کی آواز آئی۔وہ فوراً کمرے کا دروازہ بند کر کے

اندر چلی گئی۔

حنان اور منان کو کھانا کھلا کر زائرہ بیگم سلا چکی تھیں۔ دروازے کی دھاڑ سن کر وہ بھی چونک گئیں۔

"کون ہو تم لوگ؟ اور اندر کیوں گھس رہے ہو؟" زائرہ بیگم کی گھبرائی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

فاطمہ کمرے سے باہر نکلی تو سامنے کا منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

ایک شخص، جس کے چہرے پر سبز رومال بندھا تھا، اس کے بابا کی کنپٹی پر بندوق رکھے کھڑا تھا! اس کی ماما روتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑے، منتیں کر رہی تھیں کہ بندوق ہٹا دو۔ شور سن کر حنان بھی کمرے سے باہر آ گیا جبکہ منان ابھی کمرے میں ہی تھا۔

"زینب کہاں ہے؟ باہر نکالو اسے!" اس نقاب پوش شخص کی بھاری، درشت آواز گونجی۔

داؤد صاحب حیرانی اور خوف سے گنگ ہو گئے۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر ان سرد آنکھوں والے اجنبی کو دیکھا، جو تین اور ہٹے کٹے مردوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

"میری بیٹی زینب؟" وہ زیرِ لب بڑبڑائے۔ "وہ یہاں نہیں ہے — کہاں ہے میری بیٹی؟"

اچانک ان کی آواز میں امید کی سی رمق پیدا ہوئی، ایک امید کہ شاید زینب زندہ ہو، کہیں قریب ہو۔ اسی امید نے ان میں جانے کہاں سے ہمت بھر دی۔ انہوں نے اس نقاب پوش کا گریبان تھام لیا۔

وہ شخص، جس کی آنکھوں میں خون کی پیاس تھی، اس نے سرد نظروں سے داؤد صاحب کے ہاتھوں کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے بے دردی سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا، پھر اس نے بنا کسی لحاظ کے داؤد صاحب کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔

اس تھپڑ کی شدت سے وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہوئے۔ حرم فاطمہ اور زائرہ بیگم کی چیخ بے ساختہ فضا میں گونجی۔ حنان بھاگ کر فوراً داؤد صاحب کی طرف لپکا،

"چھوڑو میرے بابا کو۔ چھوڑو"!

وہ داور خان کے ہاتھوں پر مکہ مارتے اس کے ہاتھ اپنے باپ کے گلے سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کرنے لگا، جس نے بغیر اس معصوم بچے پر رحم کھائے اپنے ہاتھ میں تھامی بندوق سے اس کے ماتھے پر ضرب لگادی۔ وہ چیختے ہوئے زمین پر گرا۔ ماتھے سے پھوٹتا

خون دیکھ کر حرم فاطمہ اور زائرہ بیگم بھاگ کر اس کے قریب آئیں۔ زائرہ بیگم نے اپنے دوپٹے کے کنارے کو حنان کے ماتھے پر رکھ کر خون روکنے کی کوشش کی، جو بہہ بہہ کر گر رہا تھا۔

"حنان!" داؤد صاحب جلدی سے حنان کی جانب بڑھے لیکن داور خان نے ان کی قمیض کا کالر پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

"پہلے جو سوال پوچھا ہے، اس کا جواب دو—ورنہ یہیں گاڑ دوں گا!" وہ سخت لہجے میں غرّائے۔ اس کے آدمی ارد گرد کھڑے اس آشیانے کی بکھرتی دھجیاں دیکھ رہے تھے۔

"مجھے نہیں پتہ—خدارا، کون ہو تم لوگ؟ کیا چاہتے ہو ہم سے؟" وہ حنان کے سر سے بہتے خون کو دیکھتے بے بسی سے بولے۔

"یہ نہیں بولے گا—خیر!" اس سبز رومال والے مرد نے بندوق کی ٹھنڈی نال کو اپنی پیشانی پر ہلکا سا رگڑا اور حنان پر فائر کھول دیا۔

ٹھاہ! ٹھاہ! ٹھاہ!

وہاں لمحوں میں سکوت چھا گیا تھا۔ کوئی نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہوا ہے۔ حنان کا وجود جھٹکا کھا کر ساکت ہو چکا تھا۔ کھلی آنکھیں آسمان کی جانب تھیں جن میں قطرہ قطرہ آنسو نکلتے کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے۔ حنان مرزا ختم ہو چکا تھا—وہ معصوم جس نے ابھی دنیا صحیح سے دیکھی بھی نہیں تھی؛ وہ موت کی آغوش میں جا سویا تھا۔ زائرہ بیگم نے پتھرائی آنکھوں سے حنان کی طرف دیکھا۔ حرم فاطمہ منہ پر ہاتھ رکھے، ایڑھیاں گھسیٹتے دیوار سے جا لگی۔

"حنان—میرے بچے!" زائرہ بیگم نے کپکپاتی انگلیوں کو حنان کے چہرے پر پھیرا، اور اگلے ہی لمحے زائرہ بیگم کی دل دہلا دینے والی چیخوں نے آسمان تک کو ہلا ڈالا۔ وہ حنان کے مردہ وجود کو جھنجھوڑتے اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ داؤد صاحب سانس روکے اسے دیکھتے رہے اور پھر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ انہوں نے کپکپاتے لبوں سے حنان کو پکارا، لیکن آج سامنے سے "جی بابا" کی آواز نہیں آئی۔ وہ مردہ وجود اپنی سانسیں کھو چکا تھا۔

"اب بتاؤ زینب کہاں ہے—ورنہ باقی تم بہتر جانتے ہو۔" وہ دوزانو جھکتے داؤد صاحب کے بازو کو پکڑے بولا۔

ان کے وجود میں یکدم ہی جنبش ہوئی اور پھر وہ گویا داور خان پر ٹوٹ پڑے۔ وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا، اس لیے اوندھے منہ زمین پر گرا۔ گارڈز جلدی سے آگے بڑھتے داؤد صاحب کو داور خان سے الگ کرتے دور پھینک گئے، جو روتے ہوئے زخمی شیر کی طرح پھنکار رہے تھے۔

"تیری اتنی ہمت!" داور خان نے سیدھے ہوتے ہی تیش کے عالم میں زائرہ بیگم کے ماتھے پر فائر کیا۔ سائلنسر لگے ہونے کے باعث فائر کی ذرا آواز نہیں آئی تھی، ورنہ ان سے فاصلے پر موجود گھروں تک ان کی آواز چلی جاتی۔ وہاں ایک آدمی تھا جو اس سارے منظر کو کیمرے کی آنکھ میں ریکارڈ کرتے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"زائرہ—" داؤد صاحب چیختے ہوئے زائرہ بیگم کی طرف بھاگے جو لڑکھڑا کر حنان کے مردہ وجود پر گر چکی تھیں۔ ان کی کھلی آنکھیں صاف واضح کر رہی تھیں کہ وہ اپنا سب کچھ گنوا چکے ہیں۔ وہ سن ہو گئے، رگوں میں خون جمنے لگا۔ حرم فاطمہ کی ہچکی پر داؤد صاحب کے علاوہ داور خان کی نگاہ بھی دیوار کے کونے میں سمائی حرم فاطمہ پر پڑی، جو سرمئی، وحشت زدہ آنکھوں

کو ماں اور بھائی کی لاش پر گاڑے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اسے سانس کا مسئلہ ہو رہا تھا۔

داؤد صاحب کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھتے، لڑکھڑاتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، اسے خود میں چھپا گئے— کچھ اس طرح کہ ان کی پشت ہی صرف داور خان دیکھ سکتا تھا، جبکہ حرم مکمل چھپ چکی تھی۔ داؤد صاحب کی نظر دروازے کے کونے سے نظر آتی دو خوف سے پھیلی آنکھوں پر گئیں۔ انہوں نے اسے آنکھ کے اشارے سے وہاں سے بھاگ جانے کا کہا، لیکن وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ انہوں نے دھیرے سے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ داور خان کی طرف ان کی پشت تھی، اس لیے وہ ان کی حرکات کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔

"اس کو الگ کرو اس لڑکی سے!" داور خان کی بھاری آواز کانوں نے سنی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اب اس دروازے پر وہ دو آنکھیں واضح نہیں تھیں، یعنی وہ ان کی بات مان چکا تھا۔ انہوں نے آنکھیں موند کر گہری سانس بھری، لیکن اگلے ہی لمحے انہیں کھینچ کر اس

معصوم وجود سے جدا کر دیا گیا۔

"زینب کہاں ہے؟" داور خان نے ان کے قریب آتے ان کے بالوں کو مٹھی میں جکڑا۔

داؤد صاحب نے بے بسی سے روتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا—اور بس! وہ بندوق ایک بار پھر چلی؛ سکوت ایک بار پھر چھایا اور ایک باپ کی جان لے گئی۔ ایک باپ ہار گیا تھا—بے درد موت سے۔ انہوں نے بے یقینی سے اپنے دل پر ہاتھ رکھا، اور پھر آنکھوں کے سامنے کیا—وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ ایک زوردار جھٹکا کھاتے ان کا وجود بے جان ہو کر گرتا چلا گیا۔ ان کے چہرے کا رخ حرم فاطمہ کی طرف تھا، جو ہوش کھو رہی تھی۔ ایک بے بسی بھرا آخری آنسو ان کی آنکھ سے نکل کر کنپٹی میں جذب ہوا—اور ختم۔ بس اتنی سی بات تھی اور ایک ہنستا بستا گھر تباہ ہو گیا تھا—لیکن کیا واقعی یہ اتنی سی بات تھی؟

داور خان کروفر سے چلتا حرم کے نزدیک آیا، جو سنہری شلوار قمیض میں ملبوس، سر پر دوپٹہ لپیٹے ہوئے تھی۔ دیوار سے ٹیک لگائے وہ گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔ وہ جھکا اور حرم کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ حرم فاطمہ نے ہوش کھونے سے پہلے آخری بار صرف

اس درندے کی آنکھیں دیکھی تھیں،اور پھر وہ آنکھیں اندھیرے میں ڈوب گئیں۔

"یہ بہت کام کی ہے۔"داور خان نے زمین پر بچھے ہوئے دری پر حرم فاطمہ کے بے ہوش وجود کو لپیٹا اور گھر سے باہر نکلنے لگا۔ایک شخص نے کیمرہ بند کرتے ہوئے پورے منظر کی فوٹیج محفوظ کر لی تھی۔

"یہ لے جاؤ،"داور خان نے دری میں لپٹی حرم فاطمہ کو اپنے آدمیوں کے حوالے کرتے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔جیب سے فون نکال کر بہرام خان کو کال ملائی۔

"ہاں،خاناں—تمہارا کام ہو گیا ہے۔اگر وہ لڑکی یہاں آئے بھی تو اب دوبارہ بھاگنے کی ہمت نہیں کرے گی،"مکروہ ہنسی کے ساتھ پر جوش لہجے میں بولا۔

بہرام خان،جو مین روڈ پر گاڑی چلا رہے تھے،اچانک ٹھہر گئے۔

"کیا مطلب؟کیا کیا ہے تم نے؟"

"ارے،میں نے تو اس کی پوری فیملی ختم کر دی ہے۔تمہیں ویڈیو بھی بھیجی ہے۔یقین جانو، بہت سکون ملا ہے،"ان کے الفاظ شیطانی عمل کے قصے سنا رہے تھے۔

"داور، یار—ایسا کیوں کیا؟" بہرام خان نے کچھ افسوس کے ساتھ پوچھا، حالانکہ جان لینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

"ارے خاناں، میں نے تو تمہارا ہی فائدہ کیا ہے۔ اب وہ لڑکی ساری زندگی پلٹ کر نہیں دیکھے گی۔ بس تم اسے ایک بار اپنے ساتھ لے جاؤ،" داور خان نے کہا۔

بہرام خان نے مطمئن ہوتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"چلو ٹھیک ہے، تم نکلو وہاں—اپنے آدمی چھوڑ آؤ، باقی میں دیکھ لوں گا۔ بس میں پہنچنے ہی والا ہوں،" بہرام خان کی سنجیدہ آواز سن کر داور خان نے کال بند کی اور اپنے آدمیوں کو ہدایت دیتے ہوئے گاڑی واپس موڑ لی۔

بہرام خان اور داور خان کی عمر میں خاصا فرق تھا، لیکن دونوں ایک دوسرے کے بے حد اچھے دوست تھے۔ داور خان اور بہرام خان نے سطحی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شہر آ کر سائبر سیکیورٹی میں ڈگری حاصل کی۔ ان دنوں ڈارک ویب ایک معمولی سی جگہ تھی۔ نوجوانی کے جوش میں وہ دونوں اس دنیا میں قدم رکھ بیٹھے۔ وقت کے ساتھ وہ ڈارک ویب کے

بادشاہ بن گئے—وجہ: ان کا تیز ترین دماغ۔

انسان کی سمجھ داری جب شیطانیت میں بدل جائے تو وہ انسان نہیں، درندہ بن جاتا ہے۔ یہی حال داور خان اور بہرام خان کا تھا۔ ہمیشہ ضروری نہیں کہ ولن مظلوم ہو، اور نہ ہی ضروری ہے کہ مظلوم ولن ہو۔

☆..☆..☆..☆

دسمبر 2025، بروز جمعہ

یکدم سامنے آنے والی گاڑی نے جیسے بہرام خان کو ہوش کی دنیا میں واپس دھکیل دیا۔ وہ شدید جھنجھلاہٹ میں تیزی سے یوٹرن لیتے ہوئے ایک چھوٹے سے فارم ہاؤس کے سامنے آ رکے۔ چوکیدار، جو پہلے ہی دبکا کھڑا تھا، ان کی گاڑی دیکھتے ہی کانپتے قدموں سے لپکا اور فوراً دروازہ کھولا۔ گاڑی آہستگی سے اُس چھوٹے سے پورچ میں داخل ہوئی، جہاں سفید روشنیوں کا عکس اور سرد ہوائیں سناٹے میں لرزتے منظر کو مزید پر ہیبت بنا رہی تھیں۔

بہرام خان کے چہرے پر بندھا کالا رومال ان کی شناخت چھپا رہا تھا، مگر اس رومال کے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پیچھے سے جھانکتی تپش زدہ، سرخ اور اُبلتی ہوئی آنکھیں واضح کر رہی تھیں کہ وہ شدید اشتعال یا غصے کے عالم میں ہیں۔ ان کی آنکھوں میں نہ ہمدردی کی رمق تھی، نہ کسی جذبے کی نرمی— صرف سرد مہری، بے حسی اور دبی ہوئی انتقامی آگ۔

وہ گاڑی سے نکلے اور تیز قدموں سے دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے پورچ عبور کر گئے۔ ان کے قدموں کی چاپ میں جو ٹھہراؤ اور سختی تھی، وہ وہاں موجود نفوس کو آنے والے طوفان کا پیغام دے رہی تھی۔ جیسے ہی وہ درمیانے سائز کے لاؤنج میں داخل ہوئے، وہیں موجود تقریباً تیس سے پینتیس سالہ کیئر ٹیکر، میری، ہڑبڑا کر ان کی طرف بڑھی۔

یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی؛ بہرام خان اکثر رات کے انہی سناٹے بھرے پہروں میں یہاں آتے تھے— لیکن آج ان کی آنکھوں کا رنگ کچھ اور تھا؛ چہرے کا زاویہ، سانسوں کی شدت، چال کی درشتی— سب کچھ مختلف تھا۔ وہ جو روز اُن کے قدموں کی آہٹ پر پرسکون رہتی تھی، آج اُس کے ماتھے پر پسینے کی باریک دھاریں بہنے لگیں۔

اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ وہ جانتی تھی: آج کچھ غلط ہوا ہے۔ کوئی بہت

بڑی آفت اندر سے بھڑک کر باہر آنے کو ہے اور شاید اس بار وہ خود اس آفت کی زد میں ہو۔

"میری، کم ہیئر!" ان کی سرد، گہری اور بھاری آواز لاؤنج کی فضاؤں میں گونجی، جیسے برف سے ڈھکی وادی میں دھماکہ ہو گیا ہو۔ میری نے گھبراہٹ میں اپنی ہتھیلیاں آپس میں رگڑیں، نظریں نیچی کیں اور چند قدم آگے بڑھ کر کچھ فاصلے پر رُک گئی۔ وہ سیدھے اس کے سامنے کھڑے تھے؛ آنکھوں میں ایک بے رحم سکوت اور چہرے پر ایسا سنجیدہ تناؤ جو کسی بھی لمحے طوفان میں بدل سکتا تھا۔

یہ گھر تین کمروں پر مشتمل تھا: ایک درمیانے سائز کا لاؤنج، ایک کھلا کچن، ایک چھوٹا سا پورچ—اور ہر دیوار، ہر پردہ، ہر فرنیچر سفید رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر چیز میں صفائی، ترتیب اور ایک نامکمل سی مکملیت تھی۔ مکمل اس لیے کہ آسائش کی کوئی کمی نہ تھی؛ نامکمل اس لیے کہ یہاں محبت، زندگی یا سکون کا گزر نہیں تھا۔

یہ وہی بہرام خان تھا جس کا اصل محل ڈنمارک میں تھا، مگر یہ وہ جگہ تھی جہاں صرف خاموشی

پلتی تھی۔ وہ اتنی حرام کمائی کر چکے تھے کہ اب اسے رکھنے کو جگہ کم اور خرچنے کو خیال نہ تھا۔ وہ آنکھ بہت قیمتی ہوتی ہے جو باطن دیکھ پاتی ہے، ورنہ لوگ ہمیشہ ظاہر کو ہی اصل سمجھ لیتے ہیں۔

"اینی رِسپانس؟" بہرام خان نے ایک لمحے کو میری کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھ کر دریافت کیا۔ وہ جانتے تھے کہ جواب کیا ہو گا، مگر دل آج عجیب بے چینی کا شکار تھا؛ وہ ہاں سننا چاہتے تھے، مگر جواب خلافِ توقع تھا۔

"نو سر!" میری کی آواز جیسے گلے میں پھنس کر بمشکل لبوں سے نکلی۔ وہ دو لفظ ادا کر پائی ہی تھی کہ اگلے ہی لمحے بہرام خان کا بھاری ہاتھ اس کے چہرے پر پڑا۔

تھپڑ کی آواز نے لاؤنج کی خاموش فضاؤں کو چیر کر رکھ دیا۔ میری، جو نازک سی عورت تھی، اس زوردار ضرب کو برداشت نہ کر سکی اور لڑکھڑاتی ہوئی منہ کے بل صوفے پر جا گری۔

پورے لاؤنج میں وہ آواز گونجی—اتنی کہ باہر کھڑے چوکیدار نے بھی صاف سنی۔ مگر وہ چپ رہا؛ سر جھکا کر اپنی جگہ پر کھڑا رہا، جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ جو ظلم برداشت کرنے

کے عادی ہو جائیں، ان کی مثال ویسے ہی ہے جیسے کان بند ہوں، آنکھیں اندھی ہوں اور دل مر چکا ہو۔ یہ وہ ماحول تھا جہاں آوازیں خاموشیوں سے ٹکرا کر مر جاتی تھیں، اور آنکھیں بند ہونے سے پہلے سچ چھپا لیتیں۔

"جاہل عورت! میں تمہیں کس چیز کے لیے ہر مہینے ایک موٹی رقم دے رہا ہوں؟ اگر تم اِسے ہوش میں نہیں لا سکتیں!" وہ مرد، بیبی بلو شرٹ اور اسکرٹ میں ملبوس میری کے گولڈن بالوں کو مٹھی میں جکڑے دھاڑ رہا تھا۔ اُس کے لہجے میں غصے کے ساتھ ہتک نمایاں تھی۔ ایک سال پہلے ڈاکٹر میری کو اغوا کر کے یہاں لایا گیا تھا۔ زینب کے علاج کے لیے اسے ہر مہینے ایک خطیر رقم ادا کی جا رہی تھی۔ چونکہ ڈاکٹر میری یتیم تھی، اس لیے اُس نے خاموشی سے وہ رقم قبول کر لی اور بخوشی یہاں رہنے پر آمادہ ہو گئی۔ اچھا کھانا، نرم بستر، کوئی اضافی کام نہیں—بس زینب کا علاج۔ ایسی سہولتوں کی دنیا میں پناہ ملے تو کون انکار کرتا ہے؟ میری نے بھی نہ کیا؛ لیکن وہ اس بات سے انجان تھی کہ جس درد کا نہ کوئی نام ہو، نہ دوا—وہاں پیسہ بھی صرف شور مچاتا ہے، سکون نہیں دیتا۔

اس ایک سال کے دوران ڈاکٹر میری کو پڑنے والا یہ دسواں تھپڑ تھا۔ جب بھی بہرام خان زینب کی حالت سے دل برداشتہ ہوتے، وہ ملازمین پر ہاتھ اٹھانے سے گریز نہ کرتے۔

ڈاکٹر میری وہ پہلی ڈاکٹر نہیں تھی جو زینب کے علاج کے لیے لائی گئی ہو۔ اس سے قبل بھی چھ ڈاکٹرز آئیں جنہوں نے کافی وقت تک علاج کیا، لیکن جب کوئی افاقہ نہ ہوا تو بہرام خان نے انہیں ہٹا دیا— مگر وہ ڈاکٹرز اپنے گھروں کو کبھی لوٹ نہ سکیں۔ کوئی نہیں جانتا تھا وہ معصوم ڈاکٹرز آخر کہاں گئیں؟ زمین نے نگل لیا یا آسمان نے؟ یہ راز آج تک دفن ہے۔

"سر، میں کوشش کر رہی ہوں، لیکن میم کوئی ریسپانس ہی نہیں دیتیں۔ شاید وہ جینا ہی نہیں چاہتیں— آہ!" وہ سسکتے ہوئے بول ہی رہی تھی کہ بہرام خان نے اس کے بالوں کو زور سے جھٹکا دیا، جس پر وہ درد سے کراہ اٹھی۔

"کوشش نہیں چاہیے مجھے— رزلٹ چاہیے! ناؤ، یو گیٹ آؤٹ!" وہ ہر لفظ چبا چبا کر، آنکھوں میں سلگتی ہوئی بے رحمی سموئے اُس پر برس پڑے۔ اگلے لمحے اُسے جھٹک کر دور

پھینک دیا۔

ڈاکٹر میری کو جیسے ہی رہائی ملی، وہ گرتی پڑتی اپنے روم میں گھس گئی۔

اس کے جاتے ہی بہرام خان نے قدموں میں شدت پیدا کی اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا—وہاں، جہاں اُس کی متاعِ جاں، زینب، قید تھی۔

☆..☆..☆..☆

داور خان بے چینی سے حویلی کے پچھلی جانب موجود لان میں ٹہل رہے تھے۔ انہیں باہر سے آنے والی فائرنگ کی آوازیں اور لڑکوں کا ہلا گلا بخوبی سنائی دے رہا تھا۔

ایسے کاموں میں ہمیشہ آگے آگے رہنے والے داور خان آج غیر معمولی طور پر خاموش اور الجھن میں گھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جیسے جیسے عمر کی شام ڈھل رہی تھی، گناہوں کا بوجھ کندھوں پر کسی آسیب کی طرح بیٹھنے لگا تھا۔ کمر آہستہ آہستہ جھک رہی تھی، لیکن ان کا انا پرست ذہن آج بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا کہ جو کچھ وہ کرتے آئے، وہ دراصل غلط تھا۔ ان کی نظر میں نہ معصوم لڑکیوں کی عزت کی کوئی حیثیت تھی، نہ بچوں،

بوڑھوں اور عورتوں کی جانوں کی کوئی قیمت۔ یہ سب ان کے لیے ایک بیکار سا بوجھ تھا جسے وہ منٹوں میں مٹا دیتے تھے—ایک انگلی کی جنبش پر۔

انہوں نے نجانے کتنے گھر برباد کیے، کتنے سہاگ اجاڑے، کتنے چہروں سے خوشیاں نوچ لیں—اور یہ سب وہ ایسے انجام دیتے جیسے روزمرہ کا کام ہو۔ کتنی ہی بددعائیں ان کے سر پر موت کے سائے کی مانند منڈلا رہی تھیں، لیکن وہ سب کچھ بھول کر اپنی آسائشوں سے لبریز زندگی کی مستی میں گم تھے۔

موت بانٹنے والوں کو اکثر یاد نہیں رہتا کہ زندگی کتنی قیمتی ہوتی ہے—جب تک ان کی اپنی سانس نہ چھین لی جائے۔ انہیں بچپن سے ہی خون کی خوشبو بے حد پسند تھی۔ آج بھی وہ لمحہ ان کی یادوں میں محفوظ تھا جب انہوں نے اپنی زندگی کا پہلا قتل کیا—حالانکہ وہ قتل کسی انسان کا نہیں، ایک جانور کا تھا۔

ربان خان پندرہ برس کے تھے جب انہیں کتوں سے دلی لگاؤ پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے لیے ایک نہایت خوبصورت مگر خطرناک نسل کے کتے کا انتخاب کیا۔

جہانگیر خان نے بھی فوراً اولاد کی خواہش کو مقدم جانا— پٹھان تھے، اگر اولاد ایسے شوق نہ پالتی تو پھر کیا پالتی؟ لیکن نو سالہ داور خان کو وہ کتا سخت ناپسند تھا؛ کیونکہ وہ کتا ربان کو دیکھتے ہی بھاگ کر ان کے قدموں میں لپٹ جاتا اور داور کو یکسر نظر انداز کر دیتا۔ یہ چیز ان کے اندر کا بغض اور حسد مزید بڑھا دیتی۔

ایک شام، جب ربان خان اپنے والد جہانگیر خان کے ساتھ ڈیرے پر موجود تھے اور حیدر خان نرمین کو اسکول کا کام کروا رہے تھے، تو یکا یک کتے کی خوفناک بھونکنے کی آواز سنائی دی۔

وہ آواز اس قدر دہشت زدہ کر دینے والی تھی کہ نرمین کانپ اٹھی— کیونکہ وہ آواز بالکل ان کے کمرے کی کھڑکی سے آ رہی تھی۔

حیدر خان نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کھڑکی کی طرف قدم بڑھائے۔ جیسے ہی اُنہوں نے باہر لان کا منظر دیکھا، آنکھیں صدمے سے باہر کو نکل آئیں۔

تیرہ سالہ حیدر خان نے مڑ کر سات سالہ نرمین کو دیکھا، جو سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پھر انہوں نے ایک بھاری سانس لی، تھوک نگلا، اور کھڑکی کا پٹ بند کر دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ وہ غلطی تھی جو ان کی زندگی کا پہلا بڑا خاموش گناہ بن گئی— کیونکہ انہوں نے داور خان کے پہلے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا۔

وہ منظر آج بھی ان کی روح میں چبھتا تھا۔ داور خان نے اس کتے کی گردن تیز دھار چھری سے اس بے دردی سے کاٹی تھی کہ وہ جسم سے مکمل جدا ہو گئی—اور پھر اسے پیچھے والے ویران لان میں پھینک دیا گیا جہاں کوئی آتا جاتا نہ تھا۔ اسی شام، جب ربان خان ڈیرے سے واپس لوٹے تو حویلی سر پر اٹھالی، لیکن کتے کا کہیں پتہ نہ چلا۔ حیدر خان اپنے چھوٹے بھائی کے گناہ پر خاموش کھڑے رہے—اور داور خان دل ہی دل میں اپنی کارروائی پر سرشار تھا۔ جب جرم پر پہلی بار پردہ پڑے تو گناہ کو عادت بننے میں دیر نہیں لگتی۔

جبہ خانم ہمیشہ سے ایسی پتھر دل نہ تھیں، مگر وقت، دکھ اور خاندانی اندھیری سیاست نے اُن کے جذبات کو دیمک کی طرح چاٹ لیا تھا۔ وہ جیتے جی بے حس ہو چکی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

"بھئی لالا، جلدی سے آجائیں—اَتن کریں گے!" زارون نے باران کا ہاتھ تھام کر اُسے کھڑا کیا، جو ابھی کچھ دیر پہلے شاہ میر کے پہلو میں آبیٹھا تھا، جو ابھی کرسی سنبھال کر بیٹھا تھا۔

انہوں نے کچھ دیر قبل اتنی فائرنگ کی تھی کہ سارا گاؤں گونج اٹھا تھا۔ اندھیرے آسمان تلے روشنیوں میں نہایا خان حویلی کا آنگن جگمگا رہا تھا، جیسے چاندنی رات کا زمین پر عکس اُتر آیا ہو۔

"ارے نہیں بھئی! یہ میرے بس کا نہیں!" باران نے اسے گھورتے ہوئے انکار کیا—مگر انکار میں بھی ایک جھلکتی مسکراہٹ تھی۔

تقریباً تمام دور دراز سے آئے مہمان واپس روانہ ہو چکے تھے۔ قریبی مردوں کو آرام کے لیے ڈیرے کے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا، جبکہ چند مہمان خواتین زنان خانے کے اندرونی حصے میں آرام پذیر تھیں۔ رات کا ایک بج چکا تھا، مگر خان حویلی کی چمک دمک اب بھی برقرار تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فضا میں قہقہوں کی گونج تھی؛ چراغوں کی لو جیسے دلوں کو گرما رہی ہو— لیکن اس سب کے بیچ بھی کوئی کمی تھی، ایک خلا، جو کسی کی غیر موجودگی سے صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کمی تھی شہزاد خان کی۔ وہ ایک ایسا ستون تھا جس کی غیر موجودگی نے حویلی کی خوشیوں کو ادھورا بنا دیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ بہت قیمتی چھن چکا ہو۔

"ارے شاہ لالا، آپ بھی آئیں یار!" زارون نے دل سے پکارا تو شاہ میر فوراً اپنی شال سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور زارون کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔

زارون اور ارمان ڈھول کی تھاپ پر "اتن" کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ یہ پختونوں کا روایتی رقص ہے، جو خوشی کے مواقع پر مقامی مردوں کا فخر ہوا کرتا ہے۔ ہر علاقے کا اپنا ایک اتن ہوتا ہے، اور ان کے علاقے میں اسے "وزیری اتن" کہا جاتا تھا۔

کچھ ہی دیر پہلے زارون نے بھی شلوار قمیض زیب تن کر لی تھی۔ جب اپنے بھائی روایتی لباس میں ملبوس ہوں تو دل بھی چاہتا ہے کہ اپنی جڑوں سے جڑ جائے۔

"مورے، مورے! وہ دیکھیں— لالا اتن کرنے لگے ہیں!" زرمینے، جو زنان خانے کی کھڑکی

سے پردے کی اوٹ میں چھپ کر موسیٰ کو دیکھ رہی تھی، اچانک جوش میں آ کر اسماہ خانم کو چہکتے ہوئے پکارا۔

زنان خانے میں موجود حویلی کی خواتین فوراً کھڑکی کے پاس آ گئیں—چہروں پر دوپٹہ لیے، آنکھوں میں تجسس لیے۔ پختون مردوں کا یہ روایتی رقص کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا، اور جب موقع ملے تو کون چھوڑتا؟

ڈھول کی دھیمی تھاپ جیسے ہی شروع ہوئی، شاہ میر، زارون اور ارمان نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے تالی بجائی؛ پھر ہاتھوں کو گھماتے، سر جھکاتے پہلو بدلا تو مجمع نعرہ بازی سے گونج اٹھا۔ شاہ میر کے دوست، یار، مہمان—سب جھوم اٹھے۔

بزرگ ایک جانب بیٹھے، پرسکون مسکراہٹوں کے ساتھ اپنے جوانوں کی مستی دیکھ رہے تھے۔ شاہ میر کی خوشی تو آج دیدنی تھی؛ شاید بہت دنوں بعد اس کی آنکھوں میں ایسی چمک دیکھی گئی تھی۔

ادھر اپنے کمرے میں بیٹھی حرم کا موبائل بجا۔ اس نے چونک کر جبران کی ویڈیو کال آتی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دیکھی؛ پھر ایک نظر اپنے ارد گرد بیٹھی شاہ میر کی کزنوں پر ڈالی جو کسی نہ کسی بات پر خوشی سے چہک اٹھتیں، قہقہے لگاتیں۔

اس نے آہستگی سے کال پِک کی اور ساتھ ہی دراز میں سے ایک ایئر پوڈ نکال کر کان میں لگا لیا۔ جیسے ہی آواز اس کے کانوں میں پڑی، دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو گئی۔ آنکھوں میں ایک عجب سا عکس اتر آیا—وہ آنکھیں جو باہر کے شور میں بھی اندر کی خاموشی کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں، اب مسکرا اٹھی تھیں۔

"زَمہ سر دارہ، دہ مینی یارا؛ زَمہ سر دارہ، دہ مینی یارا—تا نہ° زاری گم، ذرا قربان یم؛ بے قرارہ..." ان پختون بولوں کا مطلب وہ نہیں جانتی تھی، لیکن جب شاہ میر کے لبوں سے یہ الفاظ ادا ہوئے تو ان کی تاثیر دل کے نہاں گوشے میں اتر گئی۔ وہ محویت سے اسکرین پر نظر آتے اس کے رقص کرتے وجود کو دیکھ رہی تھی—وہ وجود جو انگ انگ سے خوشی، جذبے اور ایک ناقابلِ بیان سرشاری کو بکھیر رہا تھا۔ شاہ میر کی یہ خوشی صرف چہرے پر نہیں، اس کی روح کی گہرائیوں میں جھلک رہی تھی۔

"باری یار، آجا!" شاہ میر نے کرسی پر بیٹھے باران کو گھورا اور ہنستے ہوئے اسے زبردستی کھینچ کر اٹھالیا۔ باران نے خاموشی سے اپنی پگ حیدر خان کی گود میں رکھ دی — گویا اس لمحے کے احترام میں اپنے سرداری وقار کو ایک طرف رکھ دیا ہو — اور وہ بھی خوشیوں کے اس رقص میں شامل ہو گیا۔ جب اس کی بھاری آواز میں وہی پختون بول گونجے تو زنان خانے میں پردوں کے پیچھے چھپی عورتوں نے بے ساختہ اپنی انگلیاں لبوں پر رکھ لیں۔ وہ بول، وہ رقص، وہ جوش — سب دل کو پگھلانے والا منظر تھا۔

کمرے کی کھڑکی میں کھڑی زارا نے دوپٹے کے کونے کو دانتوں تلے دبایا اور اپنی نگاہیں باران پر مرکوز کر دیں — وہ باران، جو اس کا مغرور سائیں تھا، آج رقص کرتے ہوئے کسی اور ہی جہاں کا لگ رہا تھا۔

باران نے رقص کے دوران جیسے ہی نظر اٹھا کر اپنے کمرے کی کھڑکی کی سمت دیکھا تو وہی چادر میں چھپی خاموش سیاہ آنکھیں نظر آئیں۔ دو ماہ قبل، جب اس نے پہلی بار اسی جگہ سے ان آنکھوں کو جھانکتے دیکھا تھا تو کوئی خاص تاثر نہیں ابھرا تھا — لیکن آج، آج وہ نظروں کا

ٹکراؤ دل میں کہیں ٹھہر گیا تھا۔ ایک فرق محسوس ہوا تھا— گہرا، نرم، مگر بہت واضح۔

نگاہیں ملیں، لمحے بھر کو رکیں—اور پھر وہی پختون بول باران کی زبان سے دوبارہ ادا ہوئے۔ اس بار صرف اس کی آواز نہیں تھی، بلکہ اس کے بھائیوں کی آوازیں بھی شامل ہو چکی تھیں— جیسے سب کے دل ایک دائرے میں بندھے، ایک ہی جذبے میں بھیگے ہوئے ہوں۔ زارا نے پلکیں جھکائیں، اور لبوں پر بے اختیار میٹھی سی مسکراہٹ ابھری— جو شاید صرف عورت ہی سمجھ سکتی ہے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب پنجم: آتشِ زیرِ خاکستر

وہ ایک داستان جو ابھی باقی تھی۔

وہ ایک قرض جو خون سے ادا ہونا تھا۔

وہ ایک صبر جو انتقام میں بدل چکا تھا۔

وہ ایک آگ جو برسوں بعد بھی نہ بجھی تھی۔

وہ ایک زخم جو وقت کے ساتھ نہیں بھرا بلکہ اور گہرا ہوتا گیا۔

وہ ایک بچپن جو خاکستر میں جل کر صرف بدلے میں پروان چڑھا۔

وہ ایک رات جس نے اسے بے حس کر دیا تھا۔

وہ ایک دل جس نے آتش میں جلتے عشق کے بجائے انتقام کو اپنا مسکن بنایا۔

کیونکہ یہ ایک آتشِ زیرِ خاکستر تھا جس کی لپٹوں میں صدیوں کا حساب جلنا تھا۔

بہرام خان روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اس کی نگاہ سیدھی جا ٹکی اُس وجود پر، جو پچھلے چودہ برسوں سے بے سود، بے حس و حرکت، اُسی بستر پر پڑا تھا، جیسے وقت کے پہیے نے اسے وہیں روک دیا ہو۔ وہ وجود، جو بظاہر خاموش تھا، لیکن ہر لمحہ جیسے بہرام کے ضمیر

کو جھنجھوڑتا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا، وہ دروازہ بند کر کے اُس بستر کے قریب آیا اور خاموشی سے پائنتی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحوں تک وہ یونہی اُس کی پلکوں کو تکتا رہا، جو چودہ سال سے بند تھیں۔ اُن آنکھوں میں، جن میں کبھی زندگی کی چمک تھی، اُس نے برسوں اُمید کے دیے جلائے رکھے، لیکن وہ تھیں کہ کھلنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔

کئی لمحوں تک وہ یوں ہی خاموش بیٹھے اُسے دیکھتے رہے، پھر آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اُس کے چہرے کے گرد بکھرے سیاہ بالوں کو سمیٹا۔ وہ بال، جن میں اب وقت کی چاندی اُتر آئی تھی، مگر وہ چہرہ آج بھی اُسی پاکیزگی کا عکس تھا۔ سادہ سے لباس میں ملبوس، وہ بے جان وجود زینب کا تھا۔ اُس کی زینی، اپنے بابا کی شہزادی، جسے کبھی سرد ہوا تک نہ چھو سکی تھی، اور آج زندگی کے تھپیڑوں نے اُسے یوں بے بس کر ڈالا تھا۔

"زینی یار! اب تو اُٹھ جاؤ، کتنا تنگ کرو گی مجھے؟ دیکھو، اب تو تمہارا بہرام بوڑھا ہو گیا ہے۔ بس کچھ سانسوں کا مہمان ہوں، خدا کے لیے ایک

بار، صرف ایک بار آنکھیں کھول کر مجھے دیکھ لو۔" وہ زینب کے ہلکے، جھریوں سے آراستہ ہاتھوں کو تھام کر بولے، جو اُس کے پیٹ پر رکھے ہوئے تھے۔ دائیں ہاتھ میں ڈرپ کے لیے کینولا لگا تھا، جسے وہ آنکھوں سے لگا کر، بھیگی ہوئی آواز میں فریاد کر رہے تھے۔ کیا کوئی تصور کر سکتا تھا کہ یہ وہی بہرام خان ہے، جو کچھ دیر پہلے غصے کی شدت سے قہر بن کر برسا تھا؟ مگر زینب کے سامنے وہ ہمیشہ ایک ٹوٹا ہوا، بے بس انسان بن جاتا تھا۔ آج بھی، اُسے وہ دن یاد تھا، جب وہ داور خان کے نکلتے ہی وہاں آن پہنچا تھا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

10 جون 2009، بروز سوموار، رات کے دو بجے۔

داور خان کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اُسے اپنے ایک آدمی کی کال آئی، جس نے اطلاع دی کہ زینب وہاں آ گئی ہے اور وہ بہت زیادہ چیخ چیخ کر رو رہی ہے۔ یہ سنتے ہی بہرام خان نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی اور زینب کے گھر کا رخ کیا۔ ایک گھنٹے کا فاصلہ اُس نے بیس منٹ میں طے کیا اور تیزی سے گاڑی سے نکل کر اندر کی جانب لپکا۔ اُس کے آدمی، جو

جھاڑیوں میں چھپے اُس کی آمد کے منتظر تھے،اُسے آتا دیکھ کر سامنے نکل آئے۔اُنہیں بخوبی معلوم تھا کہ اُن کے باس کے جانے کے بعد اُنہیں کیا کرنا ہے،اِس لیے وہ خاموشی سے دروازے کے باہر کھڑے اُس کی راہ دیکھتے رہے۔

بہرام خان مضبوط قدم اُٹھاتا اندر داخل ہوا تو صحن کے بیچوں بیچ اُسے زینب دکھائی دی۔ بکھرے سے حلیے میں،بے حال سی،جو بنجر آنکھوں سے اپنے اُجڑے خاندان کو دیکھ رہی تھی،بے جان سی۔کاش وہ ایک لمحے کو غور کر لیتی کہ وہاں اُس کے گھر کے دو افراد غائب ہیں:ایک حرم فاطمہ اور دوسرا منان مرزا،مگر وہ کہاں غور کر سکتی تھی؟وہ تو ابھی تک ماں باپ کے صدمے سے ہی باہر نہ آپائی تھی۔

"زینی!میں نے کہا تھا نا کہ تم اب میری ہو،مجھ سے دور کیوں گئی تم؟دیکھو،تمہارے کیے کی سزا مجھے تمہارے گھر والوں کو دینی پڑی۔"بہرام خان نے جھکتے ہوئے اُس کے بکھرے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔زینب اب بھی سر جھکائے بیٹھی تھی۔بہرام خان نے چند لمحے اُس کے جھکے سر کو دیکھا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ اُسے کھڑا کر گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چلو آؤ چلیں۔" اُس نے زینب کا ہاتھ تھام کر اُسے وہاں سے لے جانا چاہا، لیکن زینب نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور سیدھی داؤد صاحب کے پاس جا پہنچی۔ اُن کا سر اپنی گود میں رکھ کر اُن کے چہرے پر نرمی سے ہاتھ پھیرنے لگی، پھر آہستہ سے جھک کر اُن کے ماتھے پر بوسہ دے گئی۔ بہرام خان نے حیرت اور بے چینی سے اُسے دیکھا، جو جانے اُن بے جان لاشوں سے کیا بڑبڑا رہی تھی۔ ایک دو منٹ تک اُس نے انتظار کیا، مگر پھر جھپٹ کر زینب کو داؤد صاحب سے الگ کر دیا۔ اپنی جیکٹ اُتاری اور اُسے پہنا دی، کیونکہ وہ بغیر آستینوں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ ساکت کھڑی، نظریں جھکائے، جیسے کسی ہوش میں ہی نہ ہو، گویا اُس کے اندر سے سارا احساس ختم ہو چکا ہو۔

جذبات سے خالی، غلافی آنکھیں زمین پر گاڑے وہ خاموشی سے بہرام خان کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی۔ بہرام اُسے لیے گاڑی کی

طرف بڑھا اور ساتھ ہی اپنے ایک آدمی کو مخصوص اشارہ بھی کر دیا۔ جیسے ہی وہ زینب کو گاڑی میں بٹھا کر خود بھی سوار ہوا، پیچھے سے ایک زوردار دھماکے کی آواز گونجی۔ زینب نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بے ساختہ چونک کر گاڑی کے کالے شیشوں سے باہر جھانکا۔ نظر جیسے پتھرا سی گئی، پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی، لب ہولے سے وا ہوئے اور پھر جیسے وہ یکدم ہوش میں آتی، پوری قوت سے چیخی۔

"بابا! میرے بابا جانی! میری ماما! میرے بھائی بہن! چھوڑ دو، ذلیل انسان! میں تمہیں مار ڈالوں گی!" بہرام، جس نے ابھی گاڑی اسٹارٹ ہی کی تھی، اُس کے جملے سن کر یکایک چونک گیا۔ وہ گھور کر زینب کو دیکھنے لگا، جو اب شیشے پر مُکے برسا رہی تھی، جیسے دیوانگی کی آخری حد پر ہو۔ باہر، سامنے اُس کے آشیانے کو آگ نے پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شعلے بلند ہو رہے تھے اور سیاہ دھوئیں کے بادل آسمان سے اُلجھ رہے تھے۔

بہرام نے دیکھا کہ کچھ لوگ گھر سے نکل رہے ہیں تو فوراً گاڑی کو تیزی سے آگے بڑھا دیا۔ اُس کے آدمی پہلے ہی وہاں سے نکل چکے تھے۔ اگر وہ ایک لمحہ بھی مزید رکتا تو کوئی شک نہیں تھا کہ زینب کی چیخیں سب کو متوجہ کر لیتیں اور یہ منظر چھپانا ممکن نہ رہتا۔

زینب نے بے قابو ہو کر اسٹیرنگ ویل بہرام کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی، غصے میں، شدت سے۔ مگر بہرام نے فوراً اُس کے ہاتھ جھٹک دیے اور ایک لمحے میں اُس کی گردن کی وہ مخصوص رگ دبا دی، جس کے دباؤ سے وہ پل میں لہرا کر گری۔ اُس کا سر بہرام کی ٹانگوں پر جا پڑا اور نچلا دھڑ سیٹ پر ڈھلک گیا۔ اُسے بے ہوش ہوتا دیکھ کر بہرام نے طویل سانس خارج کی، جیسے کاندھوں سے کوئی بوجھ ہٹ گیا ہو۔ ایک گہرا سکون اُس کے چہرے پر اُبھرا۔ یقیناً یہ لڑکی اُسے ٹف ٹائم دینے والی ہے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُن کی گاڑی جب کراچی والے فارم ہاؤس کے باہر رکی تو اُنہوں نے ایک نگاہ زینب کی طرف ڈالی، جو نقاہت زدہ سی، بے جان وجود لیے اُن کے پہلو میں موجود تھی۔ آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اُنہوں نے اُس کے چہرے سے بال ہٹائے تو چہرے پر پڑے زخموں کو دیکھ کر لب بھینچ لیے۔ مٹی سے اَٹے چہرے پر وہ نشان نمایاں تھے، وہی نشان، جو اُن کے تھپڑ کی شدت کا نتیجہ تھے۔

پھر اُنہوں نے ایک سرسری نظر زینب کے حلیے پر ڈالی۔ ریڈ، گھٹنوں تک آتی اسکرٹ اور وائٹ پاجامے میں ملبوس، وہ بہرام خان کی دی ہوئی جیکٹ میں مکمل طور پر چھپی ہوئی تھی۔ جیسے کوئی معصوم بچہ ہو، جو ہر خوف سے بے خبر، سر اُن کی گود میں رکھے سویا ہو۔ نظر اُس کے پیروں پر پڑی تو دل جیسے تھم سا گیا۔ شاید وہ اُن کے گھر سے ننگے پاؤں بھاگی تھی۔ پیروں میں گہرے زخم تھے اور تلوؤں پر جما ہوا خون سیاہی میں بدل چکا تھا۔ بہرام خان نے اُسے بچوں کی طرح بازوؤں میں سمیٹا، دروازہ کھولا اور گاڑی سے باہر نکل آئے۔ جیسے ہی وہ گاڑی سے باہر آئے، عین اُسی لمحے داور خان لاؤنج سے باہر نکلے۔ زینب پر نگاہ پڑنے سے پہلے ہی بہرام خان نے اُسے اپنے کسرتی وجود میں اِس طرح چھپا لیا کہ نازک سا وجود مکمل طور پر اوجھل ہو گیا۔ رخ موڑے، گہری سنجیدگی میں وہ بولے۔

"داور! جلدی سے نکاح خواں کا بندوبست کرو۔" داور خان نے بنا ایک نظر زینب پر ڈالے فوراً پلٹ کر اندر کی راہ لی۔ جب اُن کے جانے کا یقین ہو گیا تو بہرام خان تیز قدموں سے

فارم ہاؤس کے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔ اُن کا رخ سیدھا اپنے کمرے کی جانب تھا۔ آہستگی سے زینب کے بے ہوش وجود کو بستر پر لٹایا اور گردن تک کمفرٹر اوڑھا دیا۔

"خان" تھے، اِس لیے غلطی سے بھی کسی غیر کی نگاہ اپنی عورت پر برداشت نہ تھی۔ (ہاں، خون کرنا منظور تھا)۔

کمرے سے نکلتے ہوئے وہ دروازہ لاک کرنا نہیں بھولے۔ کچھ ہی دیر بعد داور خان نے آ کر اطلاع دی کہ نکاح خواں آ چکا ہے اور گواہوں کا بھی انتظام ہو گیا ہے، جس پر بہرام خان نے اثبات میں سر ہلایا اور واپس اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

زینب نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں تو یوں محسوس ہوا جیسے اُس پر منوں بوجھ آ پڑا ہو۔ آنکھیں موندے کچھ دیر وہ ساکت رہی، پھر ایک بار پورا زور لگا کر پلکیں اُٹھائیں تو دھندلے منظر آہستہ آہستہ واضح ہونے لگے۔ نگاہ سیدھی جا کر چھت سے ٹکرائی۔ آسمانی رنگ کی چھت، جسے وہ پلک جھپکائے بغیر تکتی رہی۔ کچھ لمحے یونہی گزرے، پھر اُس نے

آہستگی سے اپنی دونوں کہنیوں پر زور دے کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر جب اُس نے ارد گرد نظر دوڑائی تو حیرت سے اُس کے ہوش اُڑ گئے۔

یہ کوئی عام کمرہ نہ تھا، یہ تو کسی بادشاہ کی رہائش گاہ معلوم ہوتی تھی۔ کشادہ، خوابناک اور ہر شے وہاں کے مالک کے ذوق کی گواہی دے رہی تھی۔ نیلے اور سفید رنگ کے امتزاج سے سجا یہ کمرہ بلاشبہ قابلِ دید تھا، لیکن اگلے ہی لمحے اُس کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر جھلملا گئے۔ خون میں لت پت لاشیں اور چنگاریوں میں دہکتا اُس کا اپنا گھر۔ اُس کا دماغ سنسنا اُٹھا۔

اچانک، اُسے کمرے میں موجود ہر چیز سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے بنا کسی تاخیر کے بیڈ سے اُتر کر بھاگنے کی کوشش کی، مگر ٹھیک اُسی لمحے دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔

دروازے سے اندر آتے ہی بہرام خان کی نگاہ سیدھی زینب پر پڑی، جو بیڈ سے اُترنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ چونکے۔ وہ ہوش میں کب آئی؟ زینب نے فق نگاہوں سے بہرام خان کو دیکھا جو اب بھی اپنے سیاہ لبادے میں ملبوس تھا۔ نقاب پوش چہرہ، مگر اُس

کی شہد رنگ آنکھیں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ یہی سوچ آتے ہی زینب کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا کہ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ، اُس کے کمرے میں تھی! زرد پڑتی رنگت، خوف زدہ آنکھیں، لرزتے وجود کے ساتھ وہ پیچھے کو کھسکنے لگی۔ بہرام خان آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا، آخر کار اُس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں سادہ سا لال جوڑا تھا، جو اُس نے زینب کے سامنے رکھ دیا۔ زینب نے نا سمجھی سے اُس جوڑے کو دیکھا اور پھر سامنے کھڑے بہرام خان کو، جو ہاف سلیو شرٹ میں ملبوس، ہاتھ جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔

"زینی، جلدی سے اُٹھو اور یہ پہنو۔ وہ سامنے واش روم ہے، فریش ہو کر آؤ۔" بہرام کے سرد لہجے پر زینب کی رنگت مزید پھیکی پڑ گئی۔

"میں نہیں پہنوں گی یہ! مجھے میرے بابا جانی کے پاس جانا ہے!" زینب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، بھیگی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے، لرزتی

آواز میں کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بہرام خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس نے زینب کو گھور کر دیکھا، پھر اچانک اُس کا بازو پکڑ کر ایک جھٹکے سے اُسے بیڈ سے کھینچ کر زمین پر کھڑا کر دیا، جس کے باعث اُس کے پیروں میں لگے زخموں سے وہ درد سے سسک اُٹھی۔

"زینی، مجھے اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔ شاباش، جلدی سے یہ ڈریس لو اور جا کر فریش ہو کر آؤ، ورنہ یہ نیک کام میں بھی سرانجام دے سکتا ہوں۔" بہرام خان نے اُس کے کان کے قریب جھکتے ہوئے سرد و بے باک لہجے میں سرگوشی کی تو زینب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔ خوف اور بے بسی کے عالم میں اُس نے اپنا بازو جھٹکے سے چھڑایا، جلدی سے وہ جوڑا اُٹھایا اور واش روم میں خود کو بند کر لیا۔ عزت سے بڑی کمزوری کوئی نہیں ہوتی۔ بہرام خان کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ اُبھری۔ وہ بخوبی سمجھ چکے تھے کہ زینب سے کوئی بات منوانا اتنا مشکل نہیں، آخر عزت کس کو عزیز نہیں ہوتی؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ ہونٹوں کو گول کرتے ہوئے سیٹی کی ہلکی دھن بجاتے بیڈ پر آ کر بیٹھ گئے۔ تقریباً دس منٹ بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اُنہوں نے گردن موڑ کر واش روم کی جانب دیکھا، جہاں سے وہ نکلی تھی۔

وہ لال جوڑے میں ملبوس تھی، دوپٹہ سر پر لپیٹے۔ لباس، بھری ہوئی جسامت کے باوجود ڈھیلا تھا، ارجنٹ حالات میں جو دستیاب تھا، وہی لے آئے تھے۔ رونے کے سبب آنکھیں سرخ، غلافی تھیں اور گال وناک پر وہ سرخی پھیل چکی تھی جو روتے روتے بار بار آنکھیں رگڑنے سے آئی تھی۔ وہ آج بھی وہی تھی، کمزور دل زینب، جو ایک معمولی سی دھمکی پر لرز گئی تھی۔

"گڈ۔ تم بیٹھو، میں نکاح خواں کو لے کر آتا ہوں۔ تم نے اچھے بچوں کی طرح تین بار 'قبول ہے' کہنا ہے اور کچھ نہیں۔ اوکے؟" وہ زینب کے قریب آ کر اُسے ہلکے سے پچکارتے ہوئے بولے۔ زینب کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ اُس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُس درندے کو دیکھا، جس نے اُس کے ماں، باپ، بھائی، بہن کو ختم کر دیا اور

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اب سکون سے اُس کے نکاح کی بات کر رہا تھا! اُس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا، قدم پیچھے لیے۔

"میں نہیں... نہیں کروں گی! تم درندے ہو! تم نے میرے بابا جانی کو مارا! تم نے میری ماما کو... تم وحشی جانور ہو! میں تم سے نفرت کرتی ہوں، شدید نفرت!" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ بہرام خان کی آنکھوں میں ناگواری اُتر آئی۔ وہ آگے بڑھے اور زینب کا ہاتھ دبوچ کر اُس کے عین سامنے کر دیا۔

"لگتا ہے، ایک بار کی سزا بھول گئی ہو، ہے نا؟" اُس کی نگاہ اپنے ہاتھ پر پڑے جلنے کے نشان پر پڑی اور اُس پر ثبت وہ مہر جو شیر کی شکل میں گُدی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں اُٹھتی ٹھیس کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا، مگر اِس بار بہرام خان کا ضبط ٹوٹ چکا تھا، اُس نے ایک زوردار تھپڑ زینب کے چہرے پر مارا۔ وہ لڑکھڑا گئی، مگر گرنے سے پہلے وہ اُسے بازو سے تھام چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آئندہ مجھ سے بکواس کی یا میرا ہاتھ جھٹکا تو یاد رکھنا، تم اب بھی میرے پاس قید ہو۔ میں جا رہا ہوں، ٹھیک دو منٹ بعد آؤں گا۔ اپنا حلیہ درست کرو اور شرافت سے نکاح قبول کرو، ورنہ تم جیسی لڑکیوں کو 'کنیز' بنا کر رکھنا ہمارا پسندیدہ مشغلہ ہے۔" اُنہوں نے اُس کے بازو کو جھنجھوڑ کر سختی سے کہا۔

زینب کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی۔ ٹپ ٹپ بہتے آنسو رخساروں کو بھگو رہے تھے، لیکن وہاں فکر کس کو تھی؟ بہرام خان اُس کی حالت کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔ زینب نے ساکت نگاہوں سے گھڑی کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے دوپٹہ درست کرتے بیڈ کے کنارے پر آ بیٹھی۔ ٹھیک دو منٹ بعد، اپنے کہے مطابق، بہرام خان نکاح خواں اور گواہوں کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئے۔ زینب کو حکم کے مطابق بیٹھا دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں ایک مکروہ سی "فتح" کی چمک جاگی۔

"زینب فاطمہ بنتِ داؤد مرزا، آپ کا نکاح بہرام خان ولد اعظم خان کے ساتھ، پچاس ہزار روپے سکہ رائج الوقت میں کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو یہ نکاح قبول ہے؟" نکاح خواں کے

الفاظ زینب کے کانوں میں پڑے تو اُس نے ایک التجا بھری نظر بہرام خان پر ڈالی، جو اُسے سرد نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

زینب نے سر جھکا لیا۔ "قبول ہے۔" (کانپتے ہونٹوں سے، تین بار)۔

نکاح ہو چکا تھا۔ نکاح خواں اور گواہوں کے جاتے ہی بہرام خان دروازہ بند کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھے۔ وہاں سے فرسٹ ایڈ باکس اُٹھایا اور زینب کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے اُس کے زخمی پاؤں اپنی گود میں رکھ لیے۔ وہ ساکت تھی، جیسے پتھر کی مورت۔

اُنہوں نے آہستہ سے مرہم لگایا اور پٹی باندھی۔ زینب نے ایک سرسری نظر اُن کے چہرے پر ڈالی، جو اب نقاب سے آزاد تھا۔ چمکتی آنکھیں، ہلکی داڑھی، گھنی مونچھیں، سلکی ماتھے پر بکھرے بھورے بال، دراز قد، کسرتی جسامت... اگر وہ اتنا ظالم نہ ہوتا تو شاید کسی لڑکی کا خواب بن سکتا تھا۔ زینب نے نفرت سے نگاہ پھیر لی۔

بہرام خان نے اُس کے قدموں کو سہلاتے ہوئے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا، جو بھیگی آنکھوں سے بس اپنے ہاتھ پر لگے شیر کے نشان کو تک رہی تھی۔ وہ اُٹھے، واش روم گئے،

ہاتھ دھوتے واپس آئے تو زینب ابھی بھی ویسی ہی بیٹھی تھی۔ وہ اُس کے پاس آ کر جھکے اور اُس کا دوپٹہ سر سے سرکاتے، بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اُس کی خوشبو کو اندر اُتارا۔ وہ پہلی عورت تھی، جو اُن کی دسترس میں آئی تھی۔ اُن کے نام سے جڑ چکی تھی۔ دھیرے دھیرے بیتتی رات کے ساتھ وہ مکمل طور پر اُس میں گم ہو چکے تھے، پر چپکے سے زینب کی بند آنکھ سے ایک آنسو بہتا کنپٹی میں جذب ہو گیا۔ یہ شب اُس کی زندگی کی سب سے بدترین یاد تھی کہ وہ اپنے ہی ماں باپ کے قاتل کی پناہوں میں تھی۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ وہ محبت نہیں، ضد تھی، اور جب ضد پوری ہو جائے تو اُس کی ٹکے کی اوقات نہیں رہتی۔

Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

وقت پلٹ چکا تھا۔ ماضی کا سحر جو اُن پر طاری تھا، داور خان کی ایک کال نے توڑ دیا تھا۔ اب وہ لمحہ حال کا تھا اور ماضی کہیں بہت پیچھے چھوٹ چکا تھا، دھندلا، دھیرے دھیرے ختم ہوتا۔

"ہاں، بولو۔" اُنہوں نے نم آنکھیں آستین سے خشک کرتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"خاناں! کہاں ہو تم؟" داور خان کی بے چین آواز اسپیکر سے اُبھری۔

اُنہوں نے زینب کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر آہستہ سے اُس کے ہاتھ پر جما دی، جہاں وہ نشان، شیر کی مہر، وقت کے ساتھ مدھم پڑ چکی تھی، مگر ابھی بھی باقی تھی۔

"وائٹ ہاؤس۔" ایک سرد، مختصر جواب دیا اور بنا مزید کچھ کہے موبائل بند کر کے صوفے پر رکھ دیا۔ وہ اِس وقت کسی کی بھی مداخلت برداشت کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ یہ لمحہ صرف زینی کا تھا، صرف اُن کی زینی کا۔ وہ زینب کو وہ خبر دینا چاہتے تھے کہ اُس کی بہن زندہ ہے، لیکن ڈاکٹرز نے بہت پہلے ہی اُنہیں صاف کہہ دیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ سب سن رہی ہے، ہر آواز، ہر لفظ، ہر خاموشی۔ مگر کوئی بھی گہرا صدمہ، کوئی ایک لمحہ، اُسے ہمیشہ کے لیے آپ سے چھین سکتا ہے۔" اور بہرام خان، جو ہمیشہ ہر فیصلے پر بھاری رہا، آج ایک خاموش جنگ لڑ رہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

فنکشن ختم ہو چکا تھا اور اب پورا ہال جیسے خاموشی کی پناہوں میں جا چکا تھا۔ تھکن سب کے چہروں سے جھلک رہی تھی۔ ایک ایک کر کے سب اپنے کمروں میں لوٹ چکے تھے۔ سردی میں ہلکی سی نمی آچکی تھی۔ آسمان پر بادلوں کی تہہ قدرے چھٹ چکی تھی اور ہوا میں دھیمے خنک جھونکوں کے ساتھ نیند کا سا سکون تھا۔

باران دروازہ کھولتا اپنے کمرے میں داخل ہوا تو قدم خود بخود رک گئے۔ کمرہ خالی تھا۔ ایک سرسری سی نگاہ دیواروں سے ہوتی ہوئی بیڈ، ڈریسنگ اور کھڑکی تک گئی، مگر جس کی تلاش تھی وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔

پیشانی پر ہلکا سا بل اُبھرا۔ اُس نے شال اُتار کر کرسی کی پشت پر ڈالی، پھر کف لنکس کھول کر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں سلیقے سے رکھ دیے۔

ایک ترتیب، ایک قرینہ، جیسے وہ خود زندگی کے ہر معاملے میں چاہتا تھا۔ وقت گزرنے لگا اور کمرے میں بے مقصد ٹہلتے ہوئے اُس کی نظریں بار بار دیوار گیر گھڑی کی سوئیوں پر جا ٹھہرتیں۔ دس منٹ بیت گئے تھے، پر وہ اب تک نہیں آئی تھی۔ پھر اُس نے کچھ سوچ کر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شال دوبارہ اُٹھائی، شانوں پر ڈالی اور قدم باہر کی سمت بڑھا دیے۔ حویلی کی راہداریوں میں اب نیم تاریکی کا راج تھا۔ چمکتی روشنیوں کی جگہ اب ہلکے بلبوں کی مدھم روشنی پھیلی تھی، جو ماحول کو پُرسرار سا حسن دے رہی تھی۔ ملازم اپنا کام مکمل کر کے کوارٹرز میں جا چکے تھے اور پورے آنگن پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے وہ نیچے آیا، تبھی اُسے وہ نظر آئی، کچن سے باہر نکلتی ہوئی۔

زارا کے ہاتھ میں ایک ڈش تھی، جس میں یخنی پلاؤ کی خوشبو بھری پلیٹ، شامی کباب، رائتہ اور سلاد رکھا تھا۔ اُسے اچانک سامنے پا کر وہ ٹھٹھک گئی، جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔ نگاہ باران سے بچانے کی کوشش کی، لیکن باران کی گہری نظریں پہلے ہی اُس پر جم چکی تھیں۔

"یہ سب کیا ہے؟" آواز دھیمی ضرور تھی، مگر اُس میں وہ سنجیدگی تھی جسے زارا بخوبی پہچانتی تھی۔

"اور تم اِس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" نگاہ خود بخود گھڑی کی طرف گئی، رات کا ایک پہر بیت چکا تھا، دوسرا شروع ہو چکا تھا۔

زارا نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری، نظریں جھکائیں اور پھر پلیٹ کی طرف دیکھا۔

"وہ... میں یہ آپ کے لیے لے کر آ رہی تھی۔" جو پہلا بہانہ ذہن میں آیا، بے ساختہ کہہ ڈالا۔ باران نے ایک بھنویں اُٹھائی۔

"میں نے تم سے کب کہا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے؟" سینے پر بازو لپیٹے، وہ ایک قدم اور قریب ہوا۔ زارا کی نگاہیں لاؤنج کے خالی دروازے کی طرف دوڑیں، لیکن وہاں دور دور تک کوئی سایہ بھی نہ تھا۔ اب کی بار، وہ حقیقتاً بوکھلا چکی تھی۔ یہ تو اُس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اُس نے لب کچلے، گہری سانس لی اور اب کوئی بہتر بات سوچنے کی کوشش میں نظریں چرا گئیں، جبکہ باران بغور اُس کے تاثرات دیکھ رہا تھا، ساتھ ہی اُس نے اپنی ہنسی بھی دبائی ہوئی تھی۔

"وہ... میں نے سوچا، آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔ آپ صبح سے کتنے کام کر رہے ہیں اور دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔" وہ جلدی سے اپنے دفاع میں بولی، اِس حقیقت سے انجان کہ سامنے کھڑا خوبرو مرد اُس کی گھبرائی ہوئی حالت سے خاصا لطف اندوز ہو رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران یہ بات بخوبی جانتا تھا کہ محترمہ کو بے وقت بھوک نے رات کے اِس پہر حویلی میں بھٹکنے پر مجبور کیا ہے، لیکن بجائے سیدھی بات کر کے معاملہ سمیٹنے کے، محترمہ الٹا اپنے "چھوٹے سے دماغ" کو پوری طرح استعمال میں لا کر خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"تو تم مجھ پر نظر رکھتی ہو؟" وہ مصنوعی سخت لہجے میں بولا اور ایک قدم اُس کے قریب ہوا۔

زارا نے فوراً نفی میں سر ہلایا اور اپنی آنکھوں میں اُمڈتے آنسو کو روکنے کی کوشش کی۔ وہ اُسے کیسے بتاتی کہ دراصل اُسے بھوک لگی تھی اور اگر باران ڈانٹ دیتا تو... یہی سوچ کر وہ اصل بات بتانے سے ہچکچا رہی تھی، لیکن باران کے سخت لہجے پر وہ یکدم پستی میں چلی گئی۔ وہ ابھی مکمل طور پر اُس پر اعتماد نہیں کر پائی تھی، اِس لیے بے وجہ ہی ہچکچاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ... مجھے آپ کی فکر ہو رہی تھی نا، بس اِسی لیے دیکھا۔ میں... میں آپ پر بالکل نظر نہیں رکھتی۔" وہ ہڑبڑا کر جلدی سے صفائی پیش کرنے لگی، جیسے ڈانٹ سے بچنے کی آخری کوشش ہو۔

"تم مجھ پر نظر نہیں رکھتی؟" وہ دو قدم مزید نزدیک ہوا تو زارا نے گھبرا کر فوراً پیچھے قدم اُٹھائے۔ باران دھیرے سے اُس کے کان کے قریب جھکا تو زارا کی سانس اُسی پل تھم سی گئی۔

"تو رکھا کرو نا نظر، تمہاری ہی پراپرٹی ہوں۔" وہ مدھم، چاشنی سے بھرے لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے پیچھے ہٹا تو زارا نے بے اختیار اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"بے وقوف لڑکی! سانس تو لو۔ میرے پاس اور کوئی بیوی تھوڑی ہے۔" اُسے یوں ہکا بکا سانس روکے کھڑا دیکھ کر باران کو ترس سا آیا، ہلکی سی مسکراہٹ اُس کے لبوں پر پھیل گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُس نے یکدم لمبی سانس کھینچی، جیسے یاد آیا ہو کہ سانس لینا بھی ضروری ہے۔ہاتھ میں پکڑی پلیٹ کو تو وہ بھول ہی چکی تھی۔

"یہ تم میرے لیے لائی ہو؟"سنہری آنکھوں والے مرد کے سوال پر سیاہ آنکھوں والی لڑکی نے اتنی زور سے ہاں میں سر ہلایا کہ ایک پل کو باران کو خدشہ ہوا کہ اُس کی گردن ہی نہ ٹوٹ جائے۔

"تو لاؤ،دو!"اُس نے مضبوط ہاتھ آگے بڑھایا تو مقابل نے پلیٹ کو حسرت سے دیکھتے ہوئے بے دلی سے اُس کی طرف بڑھادیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پلیٹ پکڑتے ہی باران اُس کی رونی صورت دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر دو قدم اور بڑھا، اُسے قریب کیا،نرمی سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آہستگی سے بولا۔

"دو کپ چائے لے آنا،ٹیرس پر بیٹھ کر پیتے ہیں۔"وہ اُس کی ٹھوڑی پر موجود مصنوعی،سیاہ گھنگھورتل کو نرمی سے چوم کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔جاتے جاتے اچانک پلٹا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا،"بے فکر رہو،تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔"

زارا نے حیرت سے ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر خود کو چھوا اور بے اختیار جھرجھری لی۔ لمحے میں وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو چکی تھی۔

"استغفراللہ، کتنے بے شرم ہیں یہ!" وہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتی شرمندگی سے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کچن میں داخل ہو گئی۔

"ایک تو میرا کھانا لے گئے، اوپر سے مجھے کام بھی دے دیا! بھلا کوئی اپنی معصوم بیوی سے اِس وقت کام کرواتا ہے؟ پتہ بھی ہے لڑکیاں جلدی تھک جاتی ہیں!" وہ بڑبڑاتے ہوئے چائے کے لیے پانی میں پتی ڈال رہی تھی، یہ جانے بغیر کہ باران صاحب کچن کے دروازے پر کھڑے، بھنویں چڑھائے اُس کی گوہر افشانیاں سن رہے ہیں۔

"سنو! پتی کم ڈالنا، کہیں غصے میں ساری ہی نہ ڈال دو!" باران نے زور سے کہہ کر ہاتھ جھلایا اور ہنستا ہوا پلٹ گیا۔

زارا کے ہاتھوں سے پتی کا ڈبہ گرتے گرتے بچا، وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگی، مگر باران جا چکا تھا۔

"ہائے اللہ! زارا، تو کتنی پاگل ہے! سائیں نے سن لیا ہو گا تو کیا سوچیں گے!" وہ خود کو کوستی، تیزی سے چائے بناتی بار بار پیچھے دیکھ رہی تھی کہ پتہ چلے وہ پھر آجائیں اور اِسے ہوش تک نہ ہو۔

☆..☆..☆..☆

وہ چائے کے دو کپ سلیقے سے ٹرے میں رکھ کر ٹیرس کی طرف آئی تو موسم میں خنکی کچھ اور بڑھ چکی تھی۔ خنک ہوا میں چیری بلاسم کے

پتے ہولے ہولے جھوم رہے تھے۔ نرم، سفید روشنی ٹیرس پر خواب سا منظر بکھیرے ہوئے تھی۔ سامنے جھولے پر، باران آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ اُس کی سانسیں سکون بھری تھیں، جیسے وہ کسی خیال میں ڈوبا ہو یا شاید نیند اور جاگ کے بیچ کہیں ٹھہرا ہو۔ اُس کی نگاہ جھولے کے سامنے رکھے میز پر پڑی، جہاں اُس کی پلاؤ کی پلیٹ رکھی تھی۔ دل میں ہلکی سی خوشی کی لہر اُٹھی کہ اُس نے واقعی پلیٹ کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ نرمی سے چلتی ہوئی اُس کے پاس پہنچی تو باران نے ایک بازو اُس کی جانب بڑھایا، گویا اُسے علم تھا کہ وہ آچکی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارا نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ کیا اُس نے واقعی بنا دیکھے اُس کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا؟ بغیر کچھ کہے وہ اُس کے ساتھ بیٹھ گئی اور چائے کے کپ میز پر رکھ دیے۔

باران نے آنکھیں کھولتے نرمی سے اپنی شال کا ایک سرا زارا کے پیچھے سے گزار کر اُس کے کاندھے پر رکھا، دوسرا سرا اُس کے اپنے کندھے پر تھا۔ جیسے اِس سرد موسم میں، اُس کے نرم لمس سے بھی زیادہ گرمجوش پناہ دینا چاہتا ہو۔ زارا کے لبوں پر اِک مدھم سی مسکراہٹ اُبھری۔ وہ جھجکی، پر باران کے نرم انداز نے اُسے سکون میں رکھا۔ اُس نے اِس سرد شخص میں چھپی محبت کو پہلی بار محسوس کیا۔

باران نے چائے کا ایک کپ اُٹھایا اور خاموشی سے اُس کی طرف بڑھایا، جسے اُس نے تھام کر لبوں سے لگا لیا، مگر اُس کا دھیان اب بھی میز پر پڑی پلیٹ کی طرف تھا، جسے باران محسوس کیے بنا نہیں رہ سکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اُٹھاؤ، خود بھی کھاؤ اور مجھے بھی کھلاؤ۔" باران نے کہا تو زارا نے خوشی سے کپ رکھ کر جھٹ سے پلیٹ اُٹھائی اور ایک بڑا سا نوالہ منہ میں ڈال لیا، جیسے اُس کی دیدنی خوشی پوری ہوئی ہو۔ باران نے اُسے یوں معصومیت سے بچوں کی طرح کھاتے دیکھا تو ہولے سے مسکرا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ کھانا اور نیند اُس کی کمزوری ہے۔

زارا نے کھاتے کھاتے جب باران کی طرف دیکھا تو وہ بالکل خاموشی سے اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کا نوالہ حلق میں ہی اٹک گیا۔ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی، "یا اللہ! زارا، تیرا کیا ہو گا؟ پھر سے شرمندہ ہو گئی۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران ہلکا سا جھکا، اُس کی کمر پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولا، "سکون سے کھاؤ، میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

زارا کے چہرے پر سکون لوٹ آیا۔ اُس کی بھوک، باران کے لہجے کی نرمی نے اور بڑھا دی تھی۔ باران نے بھی نرمی سے ایک آدھ نوالہ لیا، لیکن زیادہ تر اُسے کھاتے دیکھتا رہا۔

وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ خاموش موسم، جھومتی ہوا، مدھم روشنی اور وہ دونوں ایک ہی شال میں لپٹے، ایک ہی لمحے کو سانجھے کرتے۔

زارا نے چائے کا آخری گھونٹ پیا اور آہستہ سے سر اُس کے کندھے سے ٹکا دیا۔ باران نے شال کو اُس کے گرد مزید لپیٹ دیا اور نرم سا بوسہ اُس کی پیشانی پر دیا۔

"ٹھنڈ لگ رہی ہے؟" اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"آپ کے ساتھ ہوں، بس یہی کافی ہے۔" زارا نے نفی میں سر ہلایا اور دھیرے سے کہا۔

باران کے دل میں جیسے کچھ نرم سا پگھلا۔ وہ خاموش رہا، لیکن اُس کے انداز میں ایک ٹھہراؤ تھا، ایک احساس کہ وہ اُس لڑکی کی ذمہ داری ہی نہیں، اُس کا مان بھی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کمرے کی طرف چل پڑے۔ اُس کے دل میں چھپی ایک عجیب سی راحت، ایک سکون سا بھر چکا تھا۔ وہ اب یقین سے کہہ سکتی تھی، یہ شخص، یہ موسم، یہ حویلی، سب کچھ اپنا سا لگنے لگا ہے۔

اُس کے برعکس باران اُسے سمجھنا چاہتا تھا اور یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ بھی اُسے سمجھے، لیکن پہلے اُس کی نیند اور بھوک کا تو علاج ہو جاتا، پھر بندہ کوئی اور بات سوچتا، لیکن ایک بات وہ سمجھ گیا تھا کہ اِس جھلی لڑکی کے ساتھ اُس کی زندگی واقعی کافی اچھی گزر سکتی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ارمان اور زارون ڈیرے پر گئے تھے تاکہ دیکھ سکیں کہ مہمانوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ الیکشن نزدیک تھے، اِس لیے موسیٰ رات گئے ہی لاہور کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

باران کے جانے کے بعد شاہ میر بھی اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اُس کی نگاہ حرم کے کمرے کے بند دروازے پر پڑی تو دل میں بے ساختہ اُس سے ملنے کی خواہش جاگ اُٹھی۔

اب وہ اُس کی محرم تھی اور ملاقات کی خوبصورتی تو تب ہی نکھرتی ہے جب رشتہ حلال کے دائرے میں داخل ہو چکا ہو۔ کچھ سوچتے ہوئے اُس نے اپنے قدم اُس کے کمرے کی سمت بڑھائے۔ ہاتھ اُٹھاتے ہوئے شاہ میر نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ آج اُس

کے انداز میں ہچکچاہٹ نہیں، بلکہ ایک فطری استحقاق تھا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اندر سے ہیل کی ٹک ٹک کی آواز آئی اور پھر ایک نسوانی آواز اُبھری۔

"کون ہے؟" حرم نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اِس وقت کون ہو سکتا تھا؟

"میں ہوں، شاہ میر۔"

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی میک اپ پوچھتی حرم نے چونک کر تیزی سے گردن گھمائی۔ پہلے دروازے کی سمت دیکھا، پھر ارد گرد دیکھتے وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ آخر اُسے کیا کام ہو سکتا تھا؟ پہلی بار وہ نروس ہوئی تھی، مگر اب وہ اُسے منع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اِس لیے دروازے کی طرف قدم بڑھاتے اُس نے آہستہ سے دروازے کا نوب گھماتے ہوئے دروازہ اندر کی جانب کھولا۔

کلک کی مدھم آواز پر شاہ میر نے اپنے دل کو بمشکل سنبھالا تھا۔ وہ نظریں جھکائے اپنے دونوں بازو پشت پر باندھے ہوئے تھا، جب دروازہ کھلتے ہی اُس کی پہلی نگاہ دوسری جانب سے نمودار ہوتے اُس کے سینڈل میں مقید پیروں پر گئی۔ اُس نے دھیرے سے پلکیں

اُٹھاتے پیروں سے چہرے تک کا سفر پورے حق سے کیا تھا۔ اُس کے انداز میں کوئی جھجک اور ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ جیسے جیسے اُس کی نگاہ اُٹھ رہی تھی، ویسے ویسے اُس کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں اور مقابل اُس کی سحر انگیز شخصیت میں اُلجھ چکی تھی۔ اُسے لگا جیسے اُس نے آج تک اُس سے زیادہ

خوبصورت اور وجیہہ مرد نہیں دیکھا تھا۔

اُس کے چہرے پر نگاہ ٹھہرتے ہی شاہ میر کے لبوں پر ایک حسین مسکراہٹ اُبھری، جس پر سرمئی آنکھوں والی دوشیزہ کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

جامنی رنگ کا لہنگا اُس کی شفاف رنگت پر بہار کی نرم دھوپ کی طرح دمک رہا تھا، سونے کی تاروں سے کاندھے تک آتے بال بکھرے بادلوں کی طرح ہلکے سے کرل ہوئے پشت پر جھول رہے تھے۔ ہلکے مٹے مٹے میک اپ اور دوپٹے سے بے نیاز وجود کے ساتھ وہ اُس کی سانسیں بے ترتیب کر گئی تھی۔ حلال رشتے کی میٹھی سی خوشبو کسی سرگوشی کی طرح کمرے کی فضا کو معطر کر رہی تھی۔

وہ اُس کے چہرے پر نگاہیں جمائے، اُس کی خود پر جمی آنکھوں میں دیکھتا، دو قدم آگے بڑھا اور بنا کچھ کہے اُس کے پہلو میں سمٹے مہندی اور چوڑیوں سے سجے ہاتھوں کو اپنی مضبوط، چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر لیا۔ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے، اُس نے بے اختیار اُس کے ہاتھوں کو اونچا کرتے اُن کی پشت کو لبوں سے چھوا تو وہ ایک پل میں اُس کی آنکھوں میں قید فسوں سے باہر نکلتی، دھڑکتے دل کو تھام کر پلکیں گرا گئی۔

شاہ میر حیدر اگر اُس کی اِس ادا پر فدا نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ وہ اُس کی اِس ادا کے انعام میں جھکتا، اُس کے ماتھے پر نرمی سے بوسہ دے گیا۔ جس پر بے ساختہ حرم نے آنکھیں موند لی تھیں، وہ اِس ایک لمس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر سکتی تھی۔ وہ جنگوں میں جیتنے والی عورت اُس مرد کے لیے اپنا سب کچھ ہار سکتی تھی۔ وہ دیوانی ہی تو تھی اُس میجر کی۔

"ستاوادہ مبارک شہ، میر من شاہ میر" (نکاح مبارک ہو، زوجہ شاہ میر)

وہ سرگوشی نما لہجے میں کہتا، ایک بار پھر اُس کی چمکتی پیشانی پر خراج پیش کر گیا تھا۔

"مطلب؟" وہ اُس کی مخصوص زبان میں کہے جانے والے جملے پر فوراً آنکھیں کھولے، پلکیں اُٹھائے اُس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اِس انسان کا لہجہ کتنا میٹھا تھا، وہ اِس پل بھول چکی تھی کہ وہ کون ہے۔ وہ بس اُس چند انچ کے فاصلے پر کھڑے شخص کو پوری طرح اپنی آنکھوں میں قید کر لینا چاہتی تھی۔

"اِس کا مطلب ہے کہ اب تم آفیشلی شاہ میر حیدر کے نام لکھ دی گئی ہو۔" وہ اُس کے ہاتھ ہنوز تھامے، دروازے کو پاؤں کی ٹھوکر سے بند کرتا، اُسے لیے صوفے پر آبیٹھا۔

"یہ آپ مجھے 'تم' کس خوشی میں کہہ رہے ہیں؟"

"نکاح ہونے کی خوشی میں۔" وہ ابرو اچکاتے ہوئے پوچھنے لگی تو وہ فوراً دوبدو جواب دے کر گہری نظر سے اُسے دیکھنے لگا، گویا سٹپٹانے کا جواز دے رہا ہو۔

"آپ جائیں یہاں سے، اگر کسی نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں لگے گا۔" وہ اُس کے دروازہ بند کرنے پر جیسے ہوش میں آئی تھی۔ اِس لیے اب اُس

کے پہلو سے اُٹھتے ہوئے بولی، مگر وہ اُسے واپس کھینچ کر صوفے پر بٹھا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کسے اچھا نہیں لگے گا؟" بھوری آنکھوں والے مرد نے اُس کے پہلو کو اپنے ایک بازو میں جکڑتے ہوئے مخمور لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ اُس کی محبت کی تپش سہہ نہیں سکتی تھی، اِسی لیے اُس کی گرفت سے نکلنے کی جدوجہد کرنے لگی، جسے شاہ میر نے ناکام بنا دیا۔

"تم نے بتایا نہیں، کسے اچھا نہیں لگے گا؟" ایک ہاتھ سے اُس کے چہرے کے گرد سے بال ہٹاتے ہوئے، ذرا سا جھک کر اُس کے کان کے قریب آہستگی سے بولا۔ حرم کی سانس سینے میں ہی کہیں اٹک گئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ جو دوسروں پر لرزا طاری کر دیتی تھی، وہ خود لرز رہی تھی۔

وجہ سامنے موجود دشمن تھا، لیکن وہ دشمنِ جاں، اُسے جان سے بھی زیادہ پیارا تھا۔

"اچھا، پریشان مت ہو۔ میں جا رہا ہوں، یار!" حرم کو سانس روکے، نظریں جھکائے دیکھ کر شاہ میر اُس سے ذرا فاصلے پر ہو کر، آرام دہ لہجے میں بولا، تاکہ وہ کچھ کمفرٹیبل ہو جائے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جائیں۔" وہ جلدی سے خود کو کمپوز کرتی، سائیڈ سے نکلنے لگی کہ شاہ میر نے اُس کا بازو پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ حرم نے لڑکھڑاتے، بمشکل خود کو شاہ میر سے ٹکرانے سے روکا۔ اُس کا چوڑیوں سے سجا سیدھا ہاتھ اُس کے دل کے مقام پر جا ٹھہرا۔ اُس نے تیزی سے پلکیں اُٹھا کر شاہ میر کی طرف دیکھا تو وہ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ کاجل سے لبریز سرمئی آنکھوں کا تصادم بھوری آنکھوں سے بہت بری طرح ہوا تھا۔ اِس قدر شدید کہ وہ سیدھا شاہ میر کے دل میں جا بھی تھیں۔

اِس سے پہلے کہ وہ کوئی پیش قدمی کرتا، حرم جلدی سے اُس کی گرفت سے خود کو آزاد کرتی چند قدم کے فاصلے پر ہو گئی۔ شاہ میر کا چہرہ اُس کے ہاتھ جھٹکنے پر سرخ ہو گیا، لیکن وہ فی الحال اُسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اُس کا گریز شاید فطری تھا، اور یہ صرف شاہ میر کی سوچ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھا، میں چلتا ہوں۔ تم اپنا خیال رکھنا، فاطمہ۔ اب سے تم میری بیوی ہو اور میں اپنے رشتوں کو لے کر خاصا حساس ہوں۔" وہ فاصلہ قائم رکھتے ہوئے ہی اُس کا گال تھپتھپاتے نرمی سے بولا۔ وہ جلد ٹیمپر لوز کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

ہر رشتے اور تعلق کا ایک مقام ہوتا ہے اور اِس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت سے مراحل طے کرنے ہوتے ہیں، اور وہ اِس بات سے اچھی طرح واقف تھا۔

حرم نے ٹھٹھک کر لفظ "فاطمہ" پر اُسے دیکھا۔ ایک عرصے بعد اُسے اِس نام سے مخاطب کیا گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میر، آپ مجھے حرم ہی کہیں، 'فاطمہ' مجھے کچھ خاص پسند نہیں ہے۔" شاہ میر، جو باہر کی طرف بڑھنے لگا تھا، رُک کر حرم کو اوور دیکھنے لگا۔

"حرم تو سب کہتے ہیں تمہیں، اِس لیے 'فاطمہ' طرزِ تخاطب، میرے لیے۔"

"وہ کیوں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"میں خاص ہوں نا، اِس لیے۔ جیسے تم مجھے سب کی طرح 'شاہ میر' کے بجائے 'میر' کہتی ہو، ویسے ہی میں تمہیں 'حرم' کے بجائے 'فاطمہ' کہوں گا۔ سمپل!" وہ ذرا سا فاصلہ ختم کرتے ہوئے اُس کے ماتھے کو چوم کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ مزید وہاں رک کر اُسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہر رشتے کو وقت دینا بہت ضروری ہوتا ہے۔ آپ کسی کی پرائیویسی میں دخل نہیں دے سکتے، پھر چاہے وہ آپ کا شریکِ حیات ہی کیوں نہ ہو۔

اُس کے جاتے ہی حرم نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا اور اُسی دروازے سے ٹیک لگائے، گہرا سانس بھر کر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پھر گہری مسکراہٹ اُس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ جو دل سے تھی۔ وہ انسان اُس کے دل کی سب سے اونچی، مستند جگہ پر جا بیٹھا تھا، پورے حق سے۔ وقتی خوشیاں واقعی بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔

☆..☆..☆..☆

خوشیوں کے اِس اثنا میں اِس حویلی میں ایک ایسا وجود بھی تھا، جو اپنے کمرے میں بیٹھا بری طرح سسک رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک کانچ کا فریم تھا، جس پر نظر آتے عکس

کو دیکھ کر وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔ سادہ سے شب خوابی کے لباس میں ملبوس، وہ بیڈ کے پاس ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ اُس کی روتی ہوئی آنکھیں اُس کے دل کی تکلیف کی عکاسی کر رہی تھیں۔ وہ کیا کرتی اپنے دل کا، جو اُس مہربان کے جانے کے بعد ایک لمحہ بھی سکون کا نہیں چاہتا تھا۔

اُن کی محبت تو پاک تھی، تو پھر وہ کیوں لاحاصل رہی؟

کہتے ہیں، محبت میں صدق نہ ہو تو وہ نہیں ملتی، لیکن اُس کی محبت تو پاکیزہ تھی، محرم رشتے میں لپٹی ہوئی، تو پھر وہ کیوں خالی ہاتھ رہ گئی تھی؟

وہ ہچکولے کھاتا وجود پری گل کا تھا۔ اُس کی اکثر تنہا راتیں شہزاد کو یاد کرتے گزرتی تھیں۔ آج خوشیوں کے اِس سمے میں اُسے اپنا بیتا وقت یاد آ گیا۔ کتنے خوش تھے وہ لوگ اور یہ کیا ہو گیا تھا؟

اُسے آج بھی اپنی اور شہزاد کی آخری ملاقات یاد تھی، جو نہ صرف بے حد مختصر، بلکہ "آخری" بھی ثابت ہوئی۔ آہستہ آہستہ منظر دھندلا ہوتا، اُسے ماضی میں لے گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ دوپہر نکاح کے پانچویں دن کی تھی۔

خان حویلی کے سبھی مرد اپنے اپنے کاموں کو روانہ ہو چکے تھے۔ عورتیں اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ پری گل چھت پر زرمینے کے پاس بیٹھی تھی۔ نکاح سے دو دن پہلے ہی پری گل کا حویلی سے باہر نکلنا بند ہو گیا تھا۔

اُن کے رواج کے مطابق، نکاح کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر رخصتی کر دی جاتی تھی۔ اِسی لیے سب بڑوں نے مل کر، آج سے ایک ہفتے بعد کی تاریخ، پری گل اور شہزاد کی رخصتی کے لیے طے کر دی تھی۔ وہ دونوں نرم گرم دھوپ کے مزے لیتے، کھٹے میٹھے سنگتروں کو کالے نمک کے ساتھ لگا کر کھا رہی تھیں، چٹخارے بھر بھر کے۔ تھوڑی دیر گزری تو زرمینے اچانک پانی لینے کے لیے نیچے چلی گئی۔ پری گل اُسے روکتی رہ گئی کہ "سنگتروں کے ساتھ پانی نہیں پیتے!" لیکن وہ تھی کہ کان لپیٹے، جلدی سے نیچے اُترتی چلی گئی۔

"ٹھاہ!"

پری گل نے ایک کھٹے سنگترے کے پیس کو نمک لگاتے ہی جیسے منہ میں رکھا، بے ساختہ چٹخارہ لے گئی۔ کھٹے میٹھے سنگتروں کے ساتھ کالے نمک کا کو مبو واقعی کمال تھا۔ وہ اپنے دھیان میں مگن تھی کہ یکدم کسی نے اُسے پیچھے سے بازوؤں میں بھر لیا۔ اِس سے پہلے کہ وہ ڈر کر چیختی، مخصوص کلون کی مہک سونگھتے ہی اُس کی چیخ حلق میں ہی دب گئی، بے ساختہ اُس کے گال لال ہو گئے تھے۔ اُسے شہزاد خان سے اِس طرح کی بے باکی کی توقع تو تھی، لیکن اِس وقت اُس کی موجودگی کی اُمید بالکل نہیں تھی۔

"شہزی؟"

"جی، شہزی کے دل کا ٹکڑا۔" وہ جھکتے ہوئے اُس کے بالوں کو چومتا، اپنا حصار مزید تنگ کر گیا۔

"شہزی... مینے!" وہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو محسوس کرتے ہوئے بولتے بولتے رک گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں آئے گی وہ، آپ کو پتا ہے، وہ میری چچی ہے!" وہ روشن چہرہ لیے، پری گل کا رُخ موڑ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے محظوظ سا بولا۔

"یہ مینے کی بچی مجھ سے مار کھائے گی!" اُس کو وقت نہ لگا یہ سمجھنے میں کہ زر مینے شہزاد خان کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔

اُس نے ایک نگاہ اپنے بے حد خوبصورت شہزادے پر ڈالی، جو اُسے "شہزادی" کہا کرتا تھا۔ ہاں، سچ میں وہ شہزادہ ہی تو تھا جو صرف اُس کا تھا۔

آسمانی کلف لگے شلوار قمیص میں ملبوس، وہ دراز قد مرد، وہ صرف اُسی کا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"کیا بات ہے، شہزادی؟ ہمیں بھی بتائیں، یہ اکیلے اکیلے کیوں مسکرایا جا رہا ہے؟ ہم نے بھی تو مسکرانا ہے!" وہ اُس کی ناک سے ناک مَس کرتے، شرارتی انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا، جو شرم سے دوہری ہو رہی تھی۔ نکاح کی ملاقات کے بعد، اب وہ اُسے دیکھ رہا تھا، کیونکہ اُن کی رسموں کے مطابق، پری گل کار خصتی تک اُس سے پردہ تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اچھا، سُنیں۔"

"جی؟" وہ اُس کی کشادہ پیشانی سے بالوں کو انگلیوں سے چھوتے ہی فوراً بولی۔

"اپنا خیال رکھا کریں، اب آپ شہزاد خان کی امانت ہیں۔ دیکھیے گا، آپ کا شہزی اِس قدر خوبصورت بارات لائے گا کہ پورا گاؤں دیکھے گا کہ گاؤں کا سردار اپنی شہزادی کو رخصت کروا کر لایا ہے۔ آپ جانتی ہیں نا، میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں؟ میرا دل چاہتا ہے کہ میں آپ کا ہر خواب پورا کروں۔ آپ خواہش بعد میں کریں اور میں اُسے پورا پہلے کر دوں!" وہ روانی میں جانے کیوں یہ سب باتیں کر رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ وہ پری گل سے ڈھیروں باتیں کرے، لیکن اِس سے پہلے ہی اُسے کال آ گئی کہ گاؤں کے پرانے پُل کے پاس کوئی مسئلہ ہو گیا ہے اور وہ اُس کی پیشانی پر آخری مہر ثبت کر کے چلا گیا، کبھی نہ واپس آنے کے لیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس کے بعد صرف اُس کی لاش ہی آئی تھی۔ وہ شہزاد خان کو یاد کرتے ہوئے کوئی دیوانی لگ رہی تھی، جو ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ایک اندھیری رات میں وہ تنہا تھی، اپنے "شہزی" کی یادوں کے ساتھ، لیکن کیا وہ واقعی تنہا تھی؟

☆..☆..☆..☆

صبح کا سورج نکلا تو سبھی سستاتے ہوئے اپنے کمروں سے باہر آنے لگے۔ آہستہ آہستہ حویلی میں رونق لگنا شروع ہو گئی تھی۔ اگر سردار کے کمرے کی جانب آیا جائے تو دیکھا جا سکتا ہے کہ بیچاری زارا کی صبح صبح شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ کل رات اپنی دوا کھائے بغیر ہی سو گئی تھی اور اب باران کے ہاتھوں اُس کی کلاس لگی ہوئی تھی، کیونکہ صبح اُٹھتے ہی اُسے پھر سے بخار اور نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ موسم بدلنے کا اثر اُس پر ہمیشہ بہت تیزی سے ہوا کرتا تھا، یہ مسئلہ اُس کے ساتھ بچپن سے تھا۔

اِسی لیے اُس کی 'مورے' اُس کا بہت خیال رکھتی تھیں، لیکن یہاں آ کر وہ خود سے خاصی لاپرواہ ہو گئی تھی، جس کے باعث اب ڈانٹ اُسے ہی پڑ رہی تھی۔

"جب میں نے تم سے کہا تھا کہ میڈیسن کھائے بغیر نہ سونا تو کیوں نہیں کھائی؟" وہ بیڈ کے ہیڈ بورڈ سے ٹیک لگائے، رات کے ہی شب خوابی لباس میں، نیند کے خمار سے سرخ آنکھوں کے ساتھ اُسے گھور رہا تھا، جبکہ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اُس کے پہلو سے لگی، اُس کی گھوریوں پر رونے والی ہو رہی تھی۔

"بھول گئی تھی۔" اُس نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔

"کھانا تو نہیں بھولتی!" وہ اُس کے منمنانے پر طنزیہ لہجے میں بولا اور اب فرسٹ ایڈ باکس سے تھرمامیٹر نکال کر اُس کے منہ میں رکھا۔ پھر اُس کے لیے دودھ لینے چلا گیا، جو اُس کے روم کی فریج میں ہی ایک پیکٹ باکس میں موجود تھا۔ دودھ لے کر واپس آتے ہی وہ دوبارہ اپنی پرانی جگہ پر بیٹھ گیا۔ زارا اب بھی تھرمامیٹر منہ میں دبائے لیٹی ہوئی تھی۔ جب باران نے اُس کے منہ سے تھرمامیٹر نکالا تو بخار ایک سو دو نکلا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ دیکھو! عقل کو ہاتھ مارا کرو، لڑکی!" وہ اِس وقت خاصا چڑ چڑا لگ رہا تھا۔ جب کوئی اُس کی بات نہ مانے تو اُس کا دماغ یوں ہی کھول کر رہ جاتا تھا اور یہ چھٹانک بھر لڑکی، اُس کی بات کو نظر انداز کر گئی تھی۔ غصہ تو بنتا تھا۔

"سائیں، میں کیسے عقل کو ہاتھ ماروں؟" زارا نے حیرت سے باران کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ، جو دودھ کا باکس کھول رہا تھا، رُک کر عجیب نظروں سے اُسے دیکھنے لگا، جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"لڑکی، تم مت مارنا عقل کو ہاتھ، ورنہ جو ذرا سی ہے نہ، وہ بھی گر جائے گی!" وہ اُس کی معصومیت پہ تلملاتے ہوئے گویا ہوا تھا۔ "ایک تو بندے کو شادی نہیں کرنی چاہیے، اچھی خاصی زندگی گزر رہی ہوتی ہے کہ گھر والے شادی کروا کر سارا سکون ختم کر دیتے ہیں۔" وہ اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اُٹھا کر بٹھاتا، منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔ زارا نے نا سمجھی سے اُسے دیکھتے ہوئے اُس کی بات سننے کی کوشش کی تو وہ اُسے ڈانٹ کر، دودھ کو سائیڈ ٹیبل پر رکھے شیشے کے گلاس میں ڈال کر اُس کے ہاتھ میں تھما

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

گیا، پھر میڈیسن اُسے پکڑائی، جسے وہ گندا سا منہ بناتے خاموشی سے نگل گئی۔ جانتی تھی، چوں چرا کی تو وہ اُس کی شامت لا کر رکھ دے گا۔ وہ اب مزے سے دودھ کے سپ لے رہی تھی۔ وہ اُن لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کی دودھ پینے کے نام سے جان جاتی تھی۔ وہ کھانے کے معاملے میں "نو کمپرومائز" کا ٹیگ لگائے گھومنے والوں میں سے تھی۔

باران اُسے خاموشی سے دودھ پیتے دیکھ کر اُٹھ کر وارڈروب کی جانب بڑھا تاکہ اپنا لباس نکال سکے۔ ویسے اب اُس کے تقریباً کام زارا ہی کرتی تھی، اب سے نہیں بلکہ جب سے وہ یہاں آئی تھی، پر آج اُسے خود ہی کرنے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سسسُو!" زارا نے اُسے جاتے دیکھ کر آنکھیں بند کیے، دودھ کا ایک گہرا گھونٹ بھرا اور دودھ کی لذت کو حلق سے گزارا۔ اُس کی اتنی عجیب و غریب حرکت پر باران نے بے ساختہ مڑ کر اُس کی جانب دیکھا، جو آنکھیں بند کیے مزے سے گہرے گہرے سپ لے رہی تھی۔ اپنے چہرے پہ نظروں کی تپش محسوس کرتے ہی اُس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں تو

سامنے باران کو سینے پہ ہاتھ باندھے، اُسے آنکھیں چھوٹی کیے گھورتے دیکھا۔ اُس نے دانت نکو سے۔

"سوری!" وہ ہونٹ پھیلائے جلدی سے بولی۔

"لڑکی! تم سدھر جاؤ، ورنہ..." وہ اُس کا معصوم سا چہرہ دیکھ کر آگے کچھ بول ہی نہ پایا، جو ہونٹوں کو سکوڑتے سر جھکا گئی۔ 'یہ عورتیں کتنی نوٹنکی ہوتی ہیں،' وہ یہ سوچ کر کڑھتا ہوا تن فن کرتا واش روم میں جا بند ہوا۔ 'کوئی اِس کمبخت کو بتائے کہ عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔'

"ہوں ہہ! ناراض ہی رہتے ہیں، میں تو اِن کی کوئی بات نہیں مانوں گی!" باران کے جاتے ہی نہ جانے کہاں سے زارا میں اتنی ہمت آئی کہ وہ ذرا تیز آواز میں بول گئی، یہ سوچ کر کہ وہ واش روم میں ہے، کون سا سن لے گا، لیکن ہائے رے یہ قسمت! وہ جو اپنے کپڑے لے جانا بھول گیا تھا، جیسے ہی باہر آیا، زارا کی بات سنتے ہی تپ گیا۔

"لڑکی!" باران کے دبادبا چیخنے کی دیر تھی کہ وہ خالی گلاس ٹیبل پر رکھ کر جلدی سے کمبل کے اندر دبک کر لیٹ گئی۔ باران نے وقت دیکھا، جو کافی ہو چکا تھا۔

"تمہارا کچھ کرنا پڑے گا!" وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے کپڑے لیے واش روم میں جا گھسا۔

"ہائے اللہ! بچ گئی!" زارا نے واش روم کے دروازے کے بند ہونے کی آواز پر ایک آنکھ سے کمبل باہر نکال کر دیکھا تو شکر کرتی، سانس بھرتے مسکرا دی۔ پیٹ میں تتلیاں اُڑنا کسے کہتے ہیں، یہ اُسے باران کو تنگ کرنے کے بعد پتا چلا تھا۔ ہائے! زارا کی نکی نکی خوشیاں۔

☆..☆..☆..☆

"پری، آپ نے کسی کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لینا۔ اگر کوئی کچھ کہے تو مجھے بتانا ہے۔" یہ زارون کی پانچویں بار دہرائی جانے والی بات تھی جس پر پری گل نے ہر بار کی طرح جلدی سے سر ہلا دیا۔ وہ اُسے بیڈ پر بٹھائے، اُس کے ہاتھوں میں چوڑیاں پہناتے، بار بار اُسے سمجھا رہا تھا کہ وہ کسی بات کی کوئی ٹینشن نہ لے۔

"چلو بھئی، اب میری پری ریڈی ہے!" زارون نے اُس کی چوڑیوں سے بھری کلائیوں کو چومتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ سی گئی۔

وائٹ کرتا پاجامے میں ملبوس، وہ بالکل پری گل کے ساتھ میچنگ کیے ہوئے تھا، جو سفید کلیوں والی فراک میں ملبوس تھی، سر پر روز کی طرح شال اوڑھے، میک اپ سے مبرا چہرہ لیے، وہ عام سے حلیے میں بھی بے حد خاص لگ رہی تھی۔ وجہ زارون کی محبت تھی جو اُس کے چہرے پر پھیلے قوسِ قزح کے رنگوں سے ظاہر ہوتی تھی۔ زارون نے کھڑے ہو کر اپنی گھڑی پہنی اور پھر پری گل کا ہاتھ پکڑے وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆..☆..☆..☆

حرم اپنی شال اوڑھے کمرے سے نکلنے لگی تھی کہ زرمینے تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ادی... میرا مطلب ہے بھابھی! آپ یہیں رکیں، آپ کا ناشتہ یہیں آرہا ہے۔" زرمینے کی بات سنتے ہی حرم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ میں باہر ہی آرہی تھی۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے،اب آپ کا شاہ لالا سے نکاح ہو گیا ہے نہ،اِس لیے اب آپ کا اُن سے رخصتی تک پردہ ہے۔"

"کیا مطلب رخصتی تک؟"وہ سنجیدگی سے استفسار کرنے لگی۔

"ارے! آپ کو نہیں پتا؟ہمارے یہاں رواج ہے کہ نکاح کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر ہم لوگ رخصتی کر دیتے ہیں اور آپ کی رخصتی تو ٹھیک ایک ہفتے بعد ہے،اِس لیے جب تک آپ کی رخصتی نہیں ہوتی،تب تک آپ کا پردہ رہے گا شاہ لالا سے۔"وہ جیسے جیسے بول رہی تھی،ویسے ویسے حرم کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جبران جانتا ہے یہ بات؟"اپنا غصہ قابو کرتے ہوئے اُس نے پوچھا۔

"شاید۔"زرمینے کندھے اچکاتی کمرے سے چلی گئی۔اُس کے جاتے ہی ایک ملازمہ بہترین ناشتے کی ٹرالی سجائے اُس کے کمرے میں لے آئی۔جبران نے ایک بار پھر اُسے دھوکے میں رکھا تھا۔وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

☆..☆..☆..☆

"جیک،اور کتنے دھوکے دینے ہیں تم نے مجھے؟"زرمینے کے جاتے ہی جبران اُس کے کمرے میں آیا تو حرم نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔اِس دفعہ اُس کے لہجے میں غصہ نہیں، تکلیف تھی، جس پر وہ شرمندہ سا سر جھکا گیا۔وہ اُس کے سامنے صوفے پہ بیٹھا تھا،جبکہ وہ خود بیڈ پہ بیٹھی ناشتے کو گھور رہی تھی۔

"حرم،میں تمہارا اچھا چاہتا ہوں۔شاہ میر بہت اچھا ہے،وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔تم اُس کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتی ہو۔"وہ سمجھانے والے انداز میں بولا تو اُس کے چہرے پر زخمی سی مسکراہٹ اُبھری۔وہ بیڈ سے کھڑی ہوتی،دروازہ بند کیے،ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔جیک خاموشی سے اُس کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

اُس نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنے گال پر اپنے ہاتھ کا ہلکا سا ناخن کھرچا تو وہاں سے ایک باریک،پتلی سی سلیکون کی لئیر اُتری،جس کے اُترتے ہی جیک ساکت ہو گیا۔وہ باریک سی شیٹ اُس نے ڈریسنگ ٹیبل پر موجود باکس میں رکھ دی اور پھر جیک کی طرف گھومی۔

"تمہیں لگتا ہے وہ میری اِس بدصورتی کو دیکھنے کے بعد بھی مجھ سے محبت کرے گا؟"وہ اپنے گال پر موجود ترچھے، گہرے جلے ہوئے نشان پر انگلی رکھتے، کرب زدہ آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگی تو وہ ہوش میں آیا اور صوفے سے کھڑا ہوتا، اُس سے چند قدم کے فاصلے پر رکا۔

"تم نے اِس کی سرجری نہیں کروائی تھی؟"وہ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔

"نہیں، میں نے نہیں کروائی۔ جیک، اگر میں کچھ کرتی ہوں تو بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہوں۔"اُس نے گہری سانس بھری،"صرف تمہاری وجہ سے میں ایک ایسے بھنور میں پھنس گئی، جس سے باہر نکلنا ایسا ہے جیسے مکڑی کے جالے میں پھنسا بھنورا۔ تم سے میں نے کہا تھا کہ میں جو کر رہی ہوں، بہت سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں، لیکن تم نہ جانے کیوں میری بات کو سمجھنے کے بجائے اُلٹا میرے ہی فیصلوں کے خلاف چلے جاتے ہو۔"

"مجھے بتاؤ، اب کیا کروں میں؟ یہ لوگ ایک ہفتے بعد میری رخصتی شاہ میر کو دے دیں گے۔ تم نے مجھے بہت بُرا پھنسا دیا ہے جیک، بہت بُرا۔"وہ بے بسی سے بولتی، بیڈ کے

دھانے پہ سر پکڑے بیٹھ گئی۔اُسے اب شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔یہ اُس نے غلط کر دیا تھا،بہت غلط۔ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اُسے۔

"خیر،اب جو ہونا تھا ہو گیا۔ہمارے پاس چند دن کا وقت ہے،جس میں ہم نے جلد از جلد میری بہن کا پتا لگانا ہے،داور کو اُس کے کیے کی سزا دے کر فوراً اٹلی کے لیے روانہ ہونا ہے..."وہ چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو ریلیکس کرتی،اب اُسے آگے کا لائحہ عمل سمجھانے لگی،جس کو اِس بار جیک نے بہت غور سے سنا اور طے کر لیا کہ اپنا پھیلایا ہوا رائتہ وہ خود سمیٹے گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"شکر ہے تُو آج ڈسچارج ہو گیا،ورنہ اگر کچھ دن اور یہاں رہنا پڑتا تو اِن دواؤں کی اسمیل سے میری طبیعت بھی بگڑ جاتی،میں بھی تیرے ساتھ

والے بستر پر پڑا ہوتا۔"

بالاج نے اشعر کی شرٹ اُسے تھماتے ہوئے نفی میں سر ہلایا، جیسے دل سے تنگ آچکا ہو۔

اشعر اُس کی بات پر ہنس دیا۔

"بالاج، کبھی کوئی ایک بات سیدھی زبان میں بھی کہا کر جو سمجھ بھی آجائے۔ تجھے دشمن کے خون کی خوشبو کسی عطر کی مہک سے زیادہ پسند ہے، لیکن دواؤں کی معمولی سی خوشبو سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے؟ ناممکن!" اشعر شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے ہنس کر بولا، اُس کے لہجے میں شرارت واضح تھی۔ یہ سن کر بالاج کے چہرے کے تاثرات جیسے بگڑ گئے۔

وہ، جو براؤن پینٹ اور بلیک ہائی نیک شرٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھا ہلکے گھنگریالے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا، گھور کر اشعر کو دیکھنے لگا۔

"شکر کر، جاہل انسان، تیرا سر پھٹا ہوا ہے، اِس لیے تیرا لحاظ کر گیا، ورنہ یہ جو تیری قینچی جیسی زبان ہے نا، یہ میرے ہاتھوں ایسی دھلائی کھاتی کہ بند ہو جاتی!" وہ اشعر کو سخت نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اشعر اولیو گرین لوز سی شرٹ اور گرے ٹراؤزر میں ملبوس تھا،اپنے زخموں کے باعث خاصا سادہ لگ رہا تھا۔ڈاکٹرز نے اُس کے اچھے خاصے بال کاٹ دیے تھے، جنہیں بالاج نے اپنے ہاتھوں سے تھوڑا سا شیپ دے دیا تھا تاکہ کم از کم انسان لگے،ورنہ بالاج کے مطابق وہ کسی کارٹون سے کم نہ تھا۔

وہ دونوں ابھی اپنی ہنسی مذاق میں مصروف تھے کہ دروازہ کھلا اور زارون اندر داخل ہوا۔ ہمیشہ کی طرح نفاست سے تیار، سفید شرٹ، بلیک پینٹ،اوپر لیب کوٹ اور گردن میں اسٹیتھوسکوپ لٹکائے۔اُس کے پیچھے ایک وارڈ بوائے بھی تھا۔زارون کو آتے دیکھ کر اشعر اور بالاج دونوں ہی چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے۔

بالاج نے نظر گھمائی اور زارون کے سنجیدہ انداز کو دیکھا، جو اِس وقت اشعر کے زخم کا معائنہ کر رہا تھا۔ پھر وہ وارڈ بوائے سے فائل لیتے ہوئے اُسے جانے کا اشارہ دیا۔اب وہ اشعر کی طرف متوجہ ہوا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی تو، مسٹر اشعر! آپ کے زخم میں اب خاصی بہتری آچکی ہے۔ چونکہ زخم گہرا تھا، اِس لیے مکمل ٹھیک ہونے میں ابھی وقت لگے گا۔ جب تک ٹانکے نہیں کھلتے، آپ کو خصوصی احتیاط برتنی ہوگی۔" زارون نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر بات جاری رکھی، "مثلاً زخم کو گندا نہیں ہونے دینا، روزانہ باقاعدگی سے اِس کی پٹی کروانی ہے، زخم صاف کرتے وقت نیم گرم پانی کا استعمال کرنا ہے، ٹانکوں پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالنا اور کنگھی کرتے وقت بھی خاص احتیاط کرنی ہے۔" زارون کی آواز میں ہلکی سی سختی کا احساس جھلک رہا تھا۔ اشعر نے پوری توجہ سے اُس کی بات سنی، جبکہ بالاج نے اشعر کی اتنی "شرافت" دیکھ کر دل میں ہنسی روکی۔

'کمینہ کیسے شریف بن کر اُس کی ہر بات پر 'جی ڈاکٹر' کہہ رہا ہے!' بالاج دل میں سوچ کر اشعر کے معصوم انداز پر حیران تھا۔ اُس کے ذہن میں بس ایک ہی گانا گونج رہا تھا: 'ہر ایک فرینڈ کمینہ ہوتا ہے' اور وہ اُسے زیرِ لب گنگنانے لگا۔

"سمجھ گئے آپ؟" زارون نے بات مکمل کرتے ہوئے اشعر سے پوچھا تو وہ فوراً سر ہلا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اوکے، یہ آپ کی فائل ہے۔ آج سے ٹھیک دس دن بعد آپ نے آنا ہے، تاکہ آپ کے ٹانکے کھولے جا سکیں۔ اِس کے علاوہ اگر دورانِ علاج زخم میں کسی بھی قسم کا درد، خارش یا کھنچاؤ محسوس ہو تو فوراً مجھے آ کر چیک کروائیے گا۔ دیر مت کیجیے گا۔" زارون پلٹنے ہی والا تھا کہ پیچھے سے بالاج کی آواز نے اُسے روک دیا۔

"یہ کیا تم دونوں بھائیوں کا منہ ہر وقت کریلے کی طرح سڑا رہتا ہے؟ تم لوگ مسکراتے کیوں نہیں ہو؟" بالاج کی بات سنتے ہی اشعر نے اُسے گھورا۔ پتا نہیں کون سا کیڑا تھا جو اُسے سکون نہیں لینے دیتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کس کی بات کر رہے ہو تم؟" زارون نے ماتھے پہ بل ڈال کر اُسے دیکھا، جو بے وجہ ہی فرینک ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ارے، زارا کے شوہر کی!" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو زارون کی آنکھوں میں ناگواری اُتری۔ وہ قدم قدم چلتا اُس کے نزدیک آیا اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر بولا۔

"آج تو تم نے بھابھی کا نام لے لیا، وہ بھی میرے سامنے۔ اگر آئندہ تم نے اُن کا نام لیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا اور لالا کے سامنے تو غلطی سے بھی اُن کا نام مت لینا، ورنہ تمہاری ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز پورا گاؤں سنے گا!" زارون شہادت کی انگلی اُٹھا کر سرد لہجے میں تنبیہ کر رہا تھا۔

"اوہ، میں ڈر گیا! دیکھو مجھے پسینہ آ رہا ہے، میرا دل دھڑک دھڑک کر پاگل ہو رہا ہے، اُف! میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں!" وہ اچانک اپنے ماتھے اور دل پر ہاتھ رکھ کر بولتا، اپنے ہاتھ دکھاتے نوٹنکی انداز میں بولا تو اشعر نے بمشکل اُس کی اداکاری پہ ہنسی ضبط کی۔ یہ انسان کم، جوکر زیادہ تھا۔ وہ دل میں خود سے کہتا، زارون کے چہرے کو دیکھنے لگا جہاں وہ لب بھینچ چکا تھا اِس نمونے کی حرکت پر۔

"تم، تم شرافت کے ساتھ دفع ہو جاؤ میرے ہسپتال سے!" وہ غرایا تو بالاج نے ناسمجھی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کون شرافت؟ میں کسی شرافت کو نہیں جانتا!" وہ معصومیت کے سارے ریکارڈ توڑتا، نافہمی سے اُسے دیکھنے لگا تو زارون کو اُس کی دماغی حالت پر شک و شبہ ہوا تھا۔

"سر، وہ قرآن خوانی کروادی ہے، ڈاکٹر معراج آپ کو بلوا رہے ہیں۔" وہ کچھ بھی مزید کہتا کہ ایک وارڈ بوائے وہاں آ کر بولا تو زارون، دانت پیستا، بالاج کو گھور کر چلا گیا، ورنہ تیر و نشتر چلانے میں تو وہ ماہر تھا، دو منٹ میں بالاج کو سیدھا کر دیتا، زارون کے مطابق۔

"اے لڑکے، اِدھر آؤ!" بالاج کی آواز پر وہ کم عمر لڑکا جو وارڈ بوائے تھا، اندر آ گیا۔

"جی صاحب!" بالوں میں بھر کر تیل لگائے، آنکھوں میں تیز سرمہ لگائے، وہ لڑکا پٹھان کم اور پنجابی زیادہ لگ رہا تھا۔

"یہ قرآن خوانی کس لیے؟" اُس نے پوچھا تو اشعر کو بھی تجسس ہوا۔

"ارے صاحب! وہ ہمارے اِس ہسپتال کے مالک کے لیے ہر جمعرات کو یہاں پیچھے جو مدرسہ بنوایا ہے نا، وہاں یتیم بچے قرآن خوانی کرتے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہیں اور اُنہیں ایصالِ ثواب کے طور پر بخشتے ہیں۔" وہ لڑکا آہستہ آواز اور مدھم لہجے میں انتہائی تمیز دہ انداز میں بولا۔

"کون مالک؟"

"صاحب، ہمارے گاؤں کے سردار جی!"

"لیکن وہ تو زندہ ہے، اُس کے لیے کیوں؟" بالاج کو اب تک سمجھ نہیں آئی تھی، وہ تو صرف ایک ہی سردار کو جانتا تھا اور وہ تھا باران، جو کہ اللہ کے کرم و فضل سے صحیح سلامت تھا۔

"توبہ توبہ، صاحب! ہم پہلے سردار کی بات کر رہے ہیں، شہزاد خان کی۔ اللہ ہمارے باران سردار کی عمر دراز کرے!" وہ وارڈ بوائے تو دہل گیا تو اِس بار بالاج کے صحیح معنوں میں ہوش اُڑ گئے۔

"کون شہزاد؟ وہ ڈاکٹر پری گل کا شوہر؟" وہ اچانک ہی چیخ اُٹھا، لیکن پھر ہسپتال کا لحاظ کر گیا۔

"ارے صاحب، شوہر نہیں، صرف نکاح ہوا تھا۔ وہ منکوحہ تھے ڈاکٹر پری گل کے۔ کیسی قسمت ہے ہماری باجی کی! صاحب، اُن کی رخصتی سے ایک ہفتہ پہلے ہی شہزاد خان کو ظالموں نے بے دردی سے قتل کر دیا۔" وہ کم عمر لڑکا بھرے لہجے میں بولا۔ اُس کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہاں کے لوگ شہزاد خان کو کتنا پسند کرتے تھے۔ اُس کے ذکر پر وہ لڑکا آبدیدہ ہو گیا تھا۔

"اِدھر آؤ اور مجھے بیٹھ کر ساری بات بتاؤ، کیا ہوا تھا؟" وہ اِس بات سے انجان تھا کہ زارا کو شہزاد کے قتل کے بدلے ونی میں لیا گیا تھا۔ بالاج کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ کم عمر لڑکا فوراً اُس کے پاس بیٹھ کر اُسے بتانے لگا کہ کیسے سفیر خان نے اُس کے سردار کو قتل کیا اور پھر بھری پنچائیت میں قبول بھی کیا اور پھر اُس کی بہن کو ونی کر دیا گیا۔ یہ سب سنتے ہی بالاج ساکت ہو گیا تھا۔ مطلب، سفیر خان نے جسے قتل کیا تھا وہ یہاں کا سردار تھا، لیکن اُسے تو بتایا گیا تھا کہ وہ خان حویلی کا سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔ اُس کے دماغ میں گتھی اُلجھ گئی تھی۔ اشعر کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر بالاج اِس قدر شاک کیوں ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہارے پاس اُس سردار کی تصویر ہے؟" بالاج نے تیزی سے پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا گیا۔ بالاج کچھ مایوس ہوا، لیکن وہ لڑکا پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"صاحب، ہسپتال کی اینٹرنس پر اُن کی تصویر لگی ہے۔" وہ بولا تو بالاج تیزی سے اُٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گیا، جسے دیکھتے ہی اشعر بھی اُس کے پیچھے نکل گیا، جبکہ وہ لڑکا کاندھے اچکاتے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ بالاج تیز تیز قدموں سے ہسپتال کے داخلی دروازے کے پاس آیا، جہاں سامنے دیوار پر تھوڑی اونچی کر کے شہزاد کی تصویر لگی تھی۔ نیلی چمکتی آنکھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی بالاج کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ وہ اتنے دن سے یہاں تھا، لیکن آتے جاتے اُس کی نظر اِس تصویر پر ایک بار بھی نہیں پڑی تھی۔ اشعر جو اُس کے پیچھے آیا تھا، اُسے ایک جگہ نظریں جمائے کھڑا دیکھ کر اُس نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو وہ بھی اِس بار

چونک گیا۔ اُس کی آنکھوں میں بھی بے یقینی اُبھری تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بے ساختہ ہی بالاج اور اشعر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن دونوں کے لبوں سے بے اختیار ایک لفظ نکلا تھا: "بلو آئی۔"

☆..☆..☆..☆

"مامی جان، مجھے ہاسپٹل جانا ہے، زارون کہاں ہے؟" پری گل نے بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے سیڑھیاں اُترتے ہوئے اسماہ خانم سے پوچھا۔ اسماہ خانم، جو مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد اب دوپہر کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے کچن کی جانب بڑھ رہی تھیں، رُک کر اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ ہمیشہ کی طرح بڑی سی ایرانی چادر اوڑھے، چہرے کو نقاب سے ڈھانپے، وہ اپنی روئی روئی آنکھوں سے ارد گرد نگاہ دوڑا رہی تھی۔

"بچہ، وہ تو صبح ہی ہاسپٹل چلا گیا تھا۔"

"اچھا چلیے، میں لالا سے کہتی ہوں، وہ مجھے ہاسپٹل چھوڑ دیں گے۔" پری گل نے سادہ لہجے میں کہا۔

"بیٹا، موسیٰ تو رات ہی کسی کام سے نکل گیا تھا۔ باران اور شاہ میر بھی خان کے ساتھ جرگے میں گئے ہیں۔ اِس وقت تو حویلی میں کوئی مرد نہیں ہے۔" اسماہ خانم کی بات سنتے ہی اُس کے چہرے پر واضح پریشانی اُبھری۔

"مامی جان، میرا ہاسپٹل جانا بہت ضروری ہے۔" وہ پریشان ہوئی تھی۔ اسماہ خانم نے وقت دیکھا۔ جرگے سے واپسی میں ابھی خاصا وقت باقی تھا۔ اُسی لمحے ارمان، سیٹی بجاتا، بائیک کی چابی انگلی میں گھماتا داخلی دروازے سے داخل ہوا۔

"لو، ارمان آ گیا، تم اُس کے ساتھ چلی جاؤ۔" اسماہ خانم نے کہا۔ ارمان، جو اندر کی جانب بڑھ رہا تھا، اُن کے قریب آ گیا۔

"ہیلو بیوٹی فل لیڈیز! کیا ہوا؟ پریشان لگ رہی ہیں؟" وہ آنکھیں سکیڑ کر شوخ انداز میں بولا تو اسماہ خانم مسکرا دیں۔

"بچہ، گل کو ہاسپٹل جانا ہے اور کوئی نہیں جو اُسے لے جائے، تم چھوڑ دو اُسے۔" اُنہوں نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے نرمی سے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے کیوں نہیں! میں آپ کو چھوڑ دوں گا، ہنی۔" وہ شوخ سا بولا۔ پری گل کی آنکھوں میں ناگواری اُبھری۔

"ارمان، تمہیں کتنی بار کہا ہے مجھے ہنی مت کہا کرو، میں تم سے بڑی ہوں۔ مینے کی طرح 'ادی' کہا کرو۔" اُس کے لہجے میں آج سنجیدگی ہی نہیں، سختی بھی تھی، جو نہ صرف ارمان بلکہ اسماہ خانم نے بھی محسوس کی۔ مگر وہ چپ رہیں۔

"مامی جان، رہنے دیں، میں آج نہیں جاتی۔" وہ بول کر پلٹی۔

"بیٹا، اگر تمہارا کام ضروری ہے تو ارمان کے ساتھ چلی جاؤ۔ اور ارمان، تم گل کو تنگ نہ کیا کرو۔" اُنہوں نے مصنوعی ڈانٹ سے کہا تو ارمان نے سر ہلا دیا۔ اسماہ خانم کی بات کو ٹالنا پری گل کے لیے ممکن نہ تھا، اِس لیے سر جھٹکتی، خاموشی سے ارمان کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ مجبوری تھی، ورنہ وہ ہر گز نہ جاتی۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہیں یاد ہے اشعر؟ یہ وہی ہے؟" بالاج نے کار چلاتے ہوئے اشعر سے پوچھا تو اُس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بالکل، یہ وہی ہے! لیکن ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں کا سردار تھا؟" اشعر بھی خاصا اُلجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے ہاسپٹل سے نکل آئے تھے، لیکن ایک نئی، راز بھری گتھی ساتھ لے کر۔

"اشعر، یہاں جو کچھ باہر سے سیدھا دکھائی دیتا ہے، وہ اندر سے ویسا ہرگز نہیں ہے۔ بہت بڑی گیم کھیلی گئی ہے، جس سے یہ سب لوگ انجان ہیں۔" بالاج کے لہجے میں غیر معمولی سنجیدگی تھی۔ وہ، وہ بالاج نہیں تھا جو سب کو دکھائی دیتا تھا۔

شہزاد خان دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ ایک طرف وہ ایک نرم مزاج، خوش اخلاق، رحم دل سردار تھا جسے سب جانتے تھے اور دوسری طرف وہ نیٹ ورکنگ کی دنیا میں "بلو آئی" کے نام سے مشہور ایک ہیکر تھا۔ کچھ عرصہ پہلے بالاج نے اپنے ایک خاص کام کے لیے شہزاد عرف بلو آئی کو ہائر کیا تھا۔ کام میں ایک بڑی خرابی آ گئی اور شہزاد کو مجبوراً ملائیشیا آ کر بالاج

سے ملنا پڑا۔ ڈی کے ہاؤس میں داخلے کے لیے اُسے اپنا چہرہ دکھانا پڑا تھا، جس کی طرف اُس وقت بالاج نے خاص دھیان نہیں دیا تھا، لیکن آج جب پتا چلا کہ شہزاد مر چکا ہے تو وہ ششدر رہ گیا۔

"اگر وہ مر چکا ہے تو وہ کون ہے جو پچھلے ایک ماہ سے ہمارے لیے کام کر رہا ہے؟" اصل مسئلہ یہ تھا۔

☆..☆..☆..☆

"گل جی، آپ سے ایک بات پوچھوں؟" ارمان نے گاڑی کو ریس دیتے ہوئے پوچھا۔ پری گل جو خاموشی سے باہر دوڑتی سڑک دیکھ رہی تھی، چونک کر اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"پوچھو۔"

"آپ مجھ سے اتنی روڈلی کیوں بات کرتی ہیں؟" پری گل حیرت زدہ رہ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا مطلب؟ میں کب تم سے روڈ ہوئی؟ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، میرا لہجہ ایسا ہی ہے۔ میں سب کزنز سے ایسے ہی بات کرتی ہوں۔" اُسے ارمان کا سوال سمجھ نہیں آیا، مگر اُس کی اگلی بات نے اُس کے چہرے پر غصہ اور ناگواری بھر دی۔

"آپ مجھ سے بھی ویسے ہی بات کیا کریں، جیسے شہزی لالا سے کرتی تھیں، پیار سے۔" وہ اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ پری گل نے بے یقینی سے اُسے دیکھا۔ آخر وہ اُس سے ایسی بات کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا تھا؟

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ بڑے چھوٹے کا لحاظ بھی بھول گئے ہو تم؟" اُس نے سخت لہجے میں کہا، آواز اونچی ہونے سے روک نہ سکی۔

"میں بکواس نہیں کر رہا۔ جو مر چکا ہے، آپ ابھی تک اُسی کا سوگ منا رہی ہیں۔ پتا ہے، رات کو آپ کی رونے کی آوازیں، آپ کی سسکیاں مجھے کتنا دکھ دے رہی تھیں؟" وہ گاڑی کو جھٹکے سے روکتا، اُس کی طرف جھکتا ہوا برہم لہجے میں بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُس کی بات پر پری گل کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُسے یاد تھا، وہ کمرہ لاک کر کے سوئی تھی اور حویلی کے ہر کمرے میں ساؤنڈ پروفنگ تھی، تو پھر یہ کیسے ممکن تھا؟

اُسے بے ساختہ خود کی طرف جھکے ارمان سے خوف محسوس ہوا۔

وہ خوف سے آنکھیں پھیلائے اُسے دیکھ رہی تھی، یا شاید وہ ارمان کا یہ روپ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

"بالاج، مل گئی ویڈیو۔" اشعر کی بات سنتے ہی بالاج نے جھٹکے سے بریک لگا کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ پکڑ لیا۔ جو ویڈیو زارون دو ماہ سے حاصل نہ کر پایا تھا، وہ بالاج نے صرف پانچ منٹ میں نکال لی تھی۔ قتل حویلی کے قریب ہوا تھا اور وہاں ہر جگہ خفیہ کیمرے لگے تھے۔ وہاں سے فوٹیج نکالنا اُس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ بالاج نے جیسے ہی ویڈیو پلے کی، اُس کی آنکھوں میں بے یقینی اُترتی چلی گئی۔ اُس نے اشعر کی طرف دیکھا، جو

خود بھی دنگ تھا، پھر دونوں کی نظریں اُس ویڈیو پر جم گئیں، جہاں 13 دسمبر، بدھ کے دن کا واقعہ پوری وضاحت سے نظر آرہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"یہ کیا بد تمیزی ہے! دور ہو مجھ سے!" پری گل نے دل مضبوط کر کے اُسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔ اتنی کوشش کے باوجود اُس کا لہجہ کانپ گیا، جسے محسوس کرتے ہی ارمان کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ اُس نے آنکھیں سکوڑتے ہوئے، بجائے فاصلہ کرنے کے، اُسے مزید چڑانے کے لیے آہستہ سے اُس کی چادر کے کنارے پر انگلی پھیر دی۔ اُس کی حرکت پر پری گل کا وجود لرز گیا۔ یہ ارمان کا کون سا روپ تھا؟

اُس کا ضبط اِس لمحے ٹوٹ چکا تھا۔ اُس نے پوری قوت سے ارمان کے چہرے پر زوردار تھپڑ جڑ دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ جو ایسی کسی حرکت کی اُمید ہرگز نہیں رکھتا تھا، شاک کی حالت میں گال پر ہاتھ رکھے، بے یقینی سے اُسے دیکھنے لگا۔ پری گل کی شہد رنگ آنکھوں میں غصہ، آنسو، نفرت، ناگواری، سب کچھ ایک ساتھ اُمڈ آیا تھا۔ وہ اپنی چادر کو مضبوطی سے تھامے، اُسے سلگا کر رہ گئی تھی۔

"چلیں کوئی نہیں، آپ نے تھپڑ مارا، مگر کم از کم چھوا تو سہی!" وہ مسکرا کر بولا اور پری گل ٹھٹھک گئی۔ وہ اُس کے شدید ردعمل کی توقع رکھتی تھی، لیکن یہ... یہ تو جنون تھا۔

اُس نے غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن ارمان نے ڈیش بورڈ پر موجود بٹن دبا دیا۔ سینسر کی آوازوں کے ساتھ ہی دروازے لاک ہو گئے۔ پری گل کو پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر چکی ہے۔ اُس کا وجود دروازے کے ساتھ لگ کر مزید سمٹ گیا جس پر ارمان ہنس دیا۔

"ارے یار، کچھ نہیں کروں گا، بس ایک سوال ہے جس کا جواب صرف ہاں میں چاہیے۔ بس، اور کچھ نہیں۔" پری گل، جو چپکے سے اپنے

پرس سے پیپر اسپرے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی، چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شادی کرو گی مجھ سے؟" یہ سوال نہیں تھا، یہ گویا تیزاب تھا جو اُس کے کانوں میں انڈیلا گیا ہو۔ وہ ششدر رہ گئی۔ اُسے ارمان سے اِس بات کی قطعاً توقع نہیں تھی۔ اُسے آج سمجھ آیا کہ چہرے کبھی بھی بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔

"میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی اور تم شادی کی بات کر رہے ہو؟" وہ غصے سے چیخی، اُس کے چہرے پر نفرت چھلک رہی تھی۔ ارمان کا چہرہ اِس وقت دنیا کا سب سے مکروہ چہرہ لگ رہا تھا۔

"ہنی، کیوں تنگ کر رہی ہو؟ دیکھو، تمہارے شہزی سے زیادہ ہینڈسم ہوں، زیادہ پیارا ہوں۔" وہ بازو پھیلا کر خود کی طرف اشارہ کرتا، سرد لہجے میں بولا۔ یہ جملہ پری گل کو اندر تک تڑپا گیا۔ شہزاد کے لیے اُس کے دل میں عزت، محبت اور عقیدت تھی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"خبردار! جو میرے شوہر کے بارے میں ایک لفظ بھی مزید بولا تو!"

"مر چکا ہے تمہارا شوہر!" ارمان نے اُس کی بات کاٹ کر دھاڑتے ہوئے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں نے خود اپنے ہاتھوں سے مارا ہے اُسے! اب شہزی نہیں، ارمان کہنا سیکھو!" اُس کے الفاظ گاڑی میں گونجے اور فضا سناٹے میں ڈوب گئی۔ پری گل کی آنکھیں نم ہو گئیں اور وجود ساکت۔ یہ کون سا راز تھا جو کھلا تھا؟ یہ صرف راز نہیں، تباہی تھی۔

ارمان کو اپنی زبان سے نکلے الفاظ کا احساس ہو چکا تھا، لیکن مجال ہے کہ کوئی پچھتاوا اُس کے چہرے پر ظاہر ہوا ہو۔

"تم... تم نے میرے شہزی کو؟ نہیں... نہیں، یہ ممکن نہیں۔" وہ نقاب سے ڈھکے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے، کانپتی آواز میں بولی۔ وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی، جیسے چاہتی ہو کہ کوئی آ کر اُسے جگا دے اور یہ بھیانک خواب ٹوٹ جائے، مگر یہ خواب نہ تھا، یہ حقیقت تھی۔

"دیکھ لو، تمہاری محبت نے مجھے قاتل بنا دیا۔" وہ سرد لہجے میں بولا، "بچپن سے تمہیں پسند کرتا ہوں، مگر تم صرف شہزی لالا کو دیکھتی تھیں۔ خان بابا نے تمہارا رشتہ اُن سے بچپن میں ہی طے کر دیا، ورنہ تم مجھے یوں اگنور نہ کرتیں۔ اِس دن چھت پر جب تم دونوں کو ساتھ دیکھا

تو مجھ میں ایسی آگ لگی کہ ایک دن کا بھی انتظار نہ کر سکا۔ اُسی دن مار دیا اُسے!" وہ گویا ہوا اور آخر میں ڈرامائی انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیرتے، جبڑے بھینچ گیا۔

دو ماہ پہلے

"اے مینے، اِدھر آؤ!" شہزاد نے زرمینے کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ زرمینے جو کتابوں میں اُلجھی بیٹھی تھی، فوراً دوپٹہ سنبھالتی دروازہ کھولنے آئی۔

"ارے شہزی لالا، آپ آئیں نا اندر!" وہ راستہ دیتے ہوئے بولی، مگر شہزاد نے منع کر دیا۔ وہ اکثر زرمینے کے کمرے میں آ کر پڑھاتا تھا اور دونوں کی دوستی سب کو معلوم تھی۔ شہزاد، زرمینے کا کزن ہونے کے ساتھ رضاعی بھائی بھی تھا۔

"ارے چھوڑو، مجھے تم سے ایک کام ہے۔ جلدی سے کر دو، میری پیاری بہن!" وہ اِدھر اُدھر دیکھتا، پیار سے مکھن لگا رہا تھا۔ زرمینے فوراً سمجھ گئی کہ کوئی کام ہے، اِس لیے ذرا نخرے سے بولی، "پہلے بتائیں، کیا کام ہے؟ سائنس کا پروجیکٹ بنانا ہے میرا!"

"ٹھیک ہے، مت کرو! میں بابا سے کہتا ہوں کل ہی موسیٰ کا رشتہ کہیں اور طے کر دیں!" وہ مصنوعی غصے میں پلٹا تو زرمینے فوراً بازو سے لپٹ گئی۔

"ارے ارے، آپ تو ناراض ہی ہو گئے، توبہ توبہ!" وہ میسنی ہنسی کے ساتھ معصومیت سے اُسے دیکھنے لگی۔

شہزاد جانتا تھا، زرمینے موسیٰ کو پسند کرتی ہے۔ وہ اُس کی آنکھوں کی چمک کو ہمیشہ بھانپ جاتا تھا۔ آخر وہ اُس کی بیسٹی تھی۔

"اچھا سنو اب، دھیان سے۔" شہزاد نے اُسے پلان بتایا اور جیسے جیسے سمجھایا، زرمینے نے اُسی انداز میں عمل کیا۔

دس منٹ بعد، وہ پری گل کو سنگترے کھلانے اور دھوپ کا مزہ لینے کے بہانے چھت پر لے گئی۔ کچھ دیر بعد، پانی کا بہانہ بنا کر نیچے آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سیڑھیوں پر کھڑے شہزاد کو تھمبزاپ کا سائن دیا تو شہزاد نے اُسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا اور خود چھت کی طرف بڑھ گیا، جبکہ وہ شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ سیڑھیوں پر پہرہ دینے کھڑی ہو گئی۔

☆..☆..☆..☆

ارمان چھت کی بیک سائیڈ پر موجود ایک کمرے میں بیٹھا، کسی انٹرنیشنل میٹنگ میں مصروف تھا۔ وہ اپنے ایئر پوڈز کانوں میں لگائے، گہری سنجیدگی سے کسی پریزینٹیشن پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ جب میٹنگ اختتام کو پہنچی تو اُس نے سکون سے سانس لی، لیپ ٹاپ بند کیا اور دھیرے قدموں سے کمرے سے باہر نکلا۔ چھت پر موجود درمیانی سی راہداری سے گزرتے ہوئے، اچانک اُسے وہاں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

یہ حصہ عام طور پر خواتین کے لیے مخصوص تھا، جہاں بے پردگی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ماربل سے چمکتا، چمچماتا فرش اور دیواروں پر لگے اونچے اونچے شیڈز، اِس انداز میں بنے تھے کہ دھوپ چھنی چھنی سی پڑتی اور ماحول کو روشن و پُرسکون بناتی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ارمان نے محتاط انداز میں دیوار کے پیچھے سے جھانکا تو منظر دیکھ کر اُس کے قدم جیسے زمین میں دھنس گئے۔ سامنے شہزاد اور پری گل ساتھ کھڑے تھے، ایک دوسرے کے اتنے قریب، جیسے اُن کے درمیان پوری دنیا ختم ہو گئی ہو۔

ارمان کی آنکھیں لال انگاروں کی مانند دہکنے لگیں۔ حسد کا لاوا اُس کی رگوں میں جیسے پگھلتا ہوا دوڑ گیا۔ وہ اِس شہد رنگ آنکھوں والی لڑکی کو ہمیشہ سے پسند کرتا تھا اور کب یہ پسند محبت میں ڈھلی، اُسے خود بھی خبر نہ ہوئی۔ اُس نے جب بھی پری گل کو دیکھا، چادر میں لپٹا، باحیا اور

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باوقار پایا، لیکن آج اُسے شہزاد کے ساتھ یوں بے تکلف دیکھ کر وہ جل کر راکھ ہونے کو تھا۔

جو چال وہ چند روز بعد کھیلنے والا تھا، اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ آج، اُسی وقت، اُسے انجام تک پہنچائے گا۔ اُس نے جیب سے فون نکالا اور شہزاد کا نمبر ڈائل کیا۔ چند ہی سیکنڈ میں شہزاد

نے کال ریسیو کر لی۔ "لالا! پرانے پل کے قریب بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔ فوراً آجائیں!" ارمان نے پریشانی بھرے لہجے میں کہا۔

شہزاد نے بنا کوئی سوال کیے فوراً وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ جاتے جاتے، وہ پری گل کی پیشانی چوم گیا۔ یہ منظر ارمان کے دل میں ایسی آگ لگا گیا، جس نے ساری انسانیت، ساری محبت، سارے رشتے راکھ کر دیے۔ پری گل بھی شہزاد کے پیچھے ہی واپس پلٹی۔

راستہ خالی ہوا تو ارمان جھٹ سے سیڑھیاں اُترتا حویلی کی بیک سائیڈ سے پرانے پل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن بن چکا تھا اور یہ منظر دیکھ کر کائنات کا ذرّہ ذرّہ کانپ اُٹھا۔

☆..☆..☆..☆

شہزاد کی گاڑی دھول اُڑاتی پرانے پل کے قریب پہنچی تو وہاں کا سناٹا اور ویرانی دیکھ کر وہ حیران ہوا۔ ارمان نے تو کہا تھا کہ یہاں کوئی ہنگامی صورت حال ہے، مگر یہاں تو خاموشی

چھائی ہوئی تھی۔ ابھی وہ صورتحال کا اندازہ ہی لگا رہا تھا کہ ایک بلیک بی ایم ڈبلیو وہاں آ کر رکی۔

دروازہ کھلا اور اُس میں سے اولیو گرین ہاف سلیوٹی شرٹ، نیوڈ پینٹ اور گلے میں باریک کانچ کے لاکٹ پہنے ارمان باہر نکلا۔ اُس نے بلیک جوگرز میں مقید قدم باہر رکھا اور تیز قدموں سے شہزاد کے قریب آیا۔ شہزاد نے آنکھیں سکیڑے ارمان کو دیکھا، آج وہ کچھ بدلا بدلا سا لگا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی کی ایسی پرچھائیں تھیں جو عام دنوں میں کم ہی نظر آتی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ارمان! تم تو کہہ رہے تھے یہاں بڑا جھگڑا ہوا ہے، لیکن یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

شہزاد نے کندھوں پر شال درست کرتے ہوئے، قدرے حیرانی سے کہا۔ اُس کی نیلی آنکھیں ماحول کا گہرا جائزہ لے رہی تھیں، جیسے کوئی اندیشہ، کوئی وہم، اُسے چپکے چپکے ڈس رہا ہو۔

ارمان مسکرا دیا۔

"لالا، میں نے جھوٹ بولا تھا، مجھے آپ سے کچھ مانگنا ہے۔ اِسی لیے بلایا ہے۔" شہزاد پہلے تو چونکا، پھر ہنسا۔ وہ ارمان کے قریب آیا اور ہمیشہ کی طرح پیار سے بازو پھیلا کر کہا۔

"بول میرے بچے، کیا چاہیے؟ تُو نے تو ایسے ڈرامائی انداز میں بات کی کہ دل ہی دہل گیا!" ارمان اکثر ایسی فرمائشیں شہزاد سے کیا کرتا، جو تایا جان منع کر دیا کرتے تھے۔

دو دن پہلے بھی شہزاد نے اُسے لاکھوں کی نئی سپورٹس بائیک لے کر دی تھی، ہمیشہ کی طرح دل سے۔

"لالا! آپ کو یاد ہے بچپن میں اگر مجھے آپ کی کوئی چیز پسند آتی تو آپ بنا کسی اعتراض کے مجھے دے دیتے تھے؟ چاہے وہ چیز آپ کی کتنی ہی محبوب کیوں نہ ہو؟" شہزاد نے مسکرا کر سر ہلایا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ اور تیز ہوائیں رُوح کو چھو رہی تھیں۔ فضا میں سکوت تھا۔ سوائے اُن دونوں کے، وہاں کوئی نہ تھا۔ یہ پرانا پل تھا، برسوں سے تنازع کا شکار، سناٹا ہی اِس کا مقدر بن چکا تھا۔

"تو اگر آج میں آپ سے آپ کی ایک چیز مانگوں، کیا آپ دیں گے؟" شہزاد کے چہرے پر ہنسی بدستور قائم تھی، لیکن دل کے کسی کونے میں کوئی خلا پیدا ہونے لگا تھا۔ شاید ارمان کا بار بار یہ بات دہرانا اُسے عجیب لگ رہا تھا۔

"ارمان، میرا بیٹا ہے تُو۔ جو چاہیے مانگ لے، یہ تمہید کیوں باندھ رہا ہے؟"

"مجھے پری گل چاہیے!" شہزاد کی ارمان کے بالوں میں چلتی انگلیاں تھم گئیں۔ ہوائیں جیسے رک گئیں۔ وقت جیسے تھم گیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ اُس کی آنکھوں میں بے یقینی اُبھرنے لگی، جو لمحوں میں ناگواری اور پھر تیز غصے میں بدل گئیں۔ اُس کی نیلی آنکھوں کے گرد سختی کی لکیریں اُبھر آئیں۔

"ارمان! تجھے پتا ہے مجھے ایسے مذاق بالکل پسند نہیں۔ مذاق کی بھی ایک حد ہوتی ہے! آئندہ ایسی بکواس مت کرنا!" شہزاد کے بھینچے لب اور چبھتے الفاظ واضح کر رہے تھے کہ وہ خود پر بمشکل قابو رکھے کھڑا ہے۔ ارمان نے آنکھیں بند کیں، گہری سانس لی، پھر آنکھیں کھول کر شہزاد کے گلے لگ گیا۔ وہ جو غصے سے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا، ایک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پل کو تذبذب میں آ گیا۔ اُسے خود پہ ضبط رکھنا پڑا۔ ورنہ، کسی بھی غیرت مند شخص کے لیے یہ بات برداشت کرنا ناممکن تھا۔ اُس نے ارمان کو خود سے الگ کرنے کی کوشش کی، لیکن ارمان اُس سے پوری طرح لپٹ گیا اور اِس بار شہزاد اُسے جھٹک نہ سکا۔

"شہزی لالا، مجھے معاف کر دے۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن آپ نے مجھے مجبور کر دیا۔ مجھے بس اتنا یاد رکھنا کہ میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں۔" ارمان کے یہ الفاظ شہزاد خان کے دل میں ایک خطرے کی گھنٹی کی طرح بج اُٹھے۔ وہ ابھی کچھ سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ اچانک فضا میں گولی کی تیز آواز گونج اُٹھی۔

Clubb of Quality Content

شہزاد کے وجود کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ ایسا لگا جیسے اُس کے سینے میں کوئی تپتا ہوا لوہا گھس گیا ہو، اِس درد کی شدت بیان سے باہر تھی۔ رگ و جاں میں ایک ایسی لہر دوڑ گئی جو ہر ذرے کو جلا رہی تھی۔ آنکھوں میں درد کی سرخی چھا گئی اور پانی بھر آیا۔

ارمان نے اپنی گرفت ڈھیلی چھوڑ دی اور اُسی پل شہزاد اپنا توازن کھوتا گھٹنوں کے بل زمین پر گر پڑا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک بے یقینی کی زخمی چمک تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے

بغیر ارمان کو دیکھ رہا تھا، جو پھر سے اپنی بندوق لوڈ کر رہا تھا، پھر اُس نے سر جھکایا اور اپنے دل کے مقام کو دیکھا، جہاں سے گاڑھا، چپچپا خون کا ایک فوارہ پھوٹ رہا تھا۔ کانپتے ہوئے ہاتھ کو اُٹھا کر اُس نے اپنے دل پر رکھا، جو فوراً خون سے رنگین ہو گیا۔

آج تک سوات کی فضاؤں نے بھائی کے لیے بھائی کو جان دیتے دیکھا تھا، لیکن آج اُنہی فضاؤں نے ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی جان لیتے

دیکھا، وہ بھی اتنی شدت اور غم کے ساتھ کہ بارش کے پہلے قطرے کی طرح آنسوؤں کی صورت برس پڑی۔ شہزاد کی آنکھ سے نکلنے والا تکلیف کا پہلا آنسو زمین بوس ہو گیا۔ اُسے ایسا لگا جیسے اُس کی تمام طاقت ختم ہو گئی ہے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، ارمان سے پوچھنا چاہتا تھا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا؟ اُس کے لرزتے عنابی ہونٹ خود بخود بند ہو گئے۔ ارمان کی آنکھوں میں بے رحمی کی آگ نے شہزاد کے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ بارش کے پانی نے شہزاد کے آنسوؤں کو بہنے سے روک لیا تھا، لیکن اُس کی زخمی آنکھیں، دل کی درد بھری داستان سنا رہی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ارمان دو قدم آگے بڑھا اور گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"ارمان، ایسا کیوں کیا؟" اُس نے بمشکل کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کہا تھا نا مجھے پری گل دے دو، لیکن آپ نے نہیں دی، تو بس یہی راستہ بچا تھا میرے لیے، اور میں نے وہ راستہ چنا۔" شہزاد جو دانتوں سے ہونٹوں کو زور سے کاٹ رہا تھا اور درد سہہ رہا تھا، اچانک اُس نے ارمان پر جھپٹ پڑا۔

"خبردار! جو تم نے میری بیوی کا نام بھی لیا، زندہ زمین میں گاڑ دوں گا! وہ صرف شہزاد خان کی تھی، ہے اور رہے گی!" وہ چیختا ہوا ارمان کے چہرے پر بے دریغ مُکے برسا رہا تھا۔

ارمان، جو اِس حملے کے لیے تیار نہیں تھا، لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ شہزاد اُس پر جھکا اور مسلسل گھونسے مارتا رہا۔ اُس کے خون سے بھرا ہوا سینہ ارمان کے چہرے کو رنگین کر رہا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر گن لوڈ کی اور بنا سوچے سمجھے ایک اور گولی شہزاد کی ٹانگ میں ماری۔ وہ درد سے چیخ کر زمین پر گر پڑا۔ جس پر وہ منہ میں آیا خون تھوکتا، اُٹھ کھڑا ہوا،

اپنے بھیگے بالوں کو ہاتھ مار کر پیچھے ہٹایا اور انتہائی سفاکیت سے اُس خون میں لت پت وجود کو دیکھا۔

"پری گل صرف میری ہے، لالا۔ وہ میرے لیے ہی آئی ہے اِس دنیا میں اور جو اُسے مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا، میں اُس کا آپ جیسا ہی حال کروں گا۔" وہ پاگلوں کی طرح اپنی مٹھی میں شہزاد کے بال پکڑ کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بول رہا تھا۔

یہ شہزاد کی بدقسمتی تھی یا ارمان کی خوش قسمتی، حویلی والوں میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ شہزاد کہاں اور کس سے ملنے جا رہا تھا۔ شہزاد چیخنا چاہتا تھا، ارمان کا گریبان پکڑ کر اُسے جھنجھوڑنا چاہتا تھا، لیکن وہ نہیں کر سکا۔ اُس کے جسم سے نکلتا قطرہ قطرہ خون بتا رہا تھا کہ اب وہ کبھی اپنی مورے سے نہیں مل پائے گا۔ کبھی اپنی شہزادی کو نہیں دیکھ سکے گا۔ یک لخت بجلی زور سے کڑکی، حویلی میں بیٹھی زوبیہ بیگم دہل گئیں۔ ایسا طوفان ہزارہ میں بہت دنوں بعد آیا تھا، لیکن وہ نہیں جانتی تھیں کہ اِس طوفان میں وہ اپنا سب کچھ گوا بیٹھیں گی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارمان، تم جانتے ہو نا... میں... میں پری گل سے بہت محبت کرتا ہوں۔ ابھی تو ہم نے اپنی زندگی جینی ہے، ہم نے ساتھ رہنا ہے۔ خدارا ایسا مت کرو۔" وہ مضبوط مرد آج رو رہا تھا، لیکن بارش کی بوندوں نے اُس کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی تھی۔

"وہ نہیں رہ سکتی میرے بغیر، ارمان، پلیز۔" اُس کی بھرائی ہوئی آواز کو بادلوں کی گرج چمک نے اپنے اندر سما لیا تھا، لیکن سامنے بیٹھے شخص کو

رحم نہ آیا۔ شہزاد نے گہری سانس لی، بارش کا پانی اُس کے حلق میں اُتر گیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے پرانا منظر گھومنے لگا۔

"یہ لے میرے بچے، یہ نائن ایم ایم ہے۔ ایک ہی گولی سے سامنے والا کام تمام۔ کوئی بھی تیرے پر حملہ کرے تو بنا سوچے سمجھے اُس کے دل میں یہ گولی اُتار دینا۔ باقی تیرا لاڈلا دیکھ لے گا۔" وہ شہزاد تھا جو ارمان کو یہ نئی گن اور اُس کا لائسنس تھما رہا تھا، ارمان خوشی سے اچھل کر اُس کے سینے سے لگا تھا۔ شہزاد نے آنکھیں میچ کر خون سے بھری ایک زوردار ہچکی لی، نہیں جانتا تھا کہ اُس کا دیا ہوا تحفہ آج اُس کے ہی خلاف استعمال ہو گا۔ ارمان خاموشی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے، سکون سے اُس کو دیکھ رہا تھا، جو گہری سانسیں لے رہا تھا۔ اُسے یہ صورت حال پسند نہیں آ رہی تھی کہ اُس کا لالا اِس قدر تکلیف میں ہے، اپنی موت کے قریب ہے۔ ارمان نے گن لوڈ کی اور ایک گولی مزید اُس کے سینے میں داغ دی۔

اُس تڑپتے جسم نے ایک زوردار جھٹکا کھایا اور پھر بے جان ہو گیا۔ اُس کی کھلی آنکھیں آسمان کی طرف تھیں، جن میں بارش کے قطرے گر رہے تھے، مگر اُن کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اُس کی آنکھوں میں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات تیزی سے گھوم رہے تھے۔

"باباجان، دیکھیں! میں آپ جیسا بن گیا ہوں۔" وہ سردار بنا، ربان خان کے سینے سے لگا خوشی سے بول رہا تھا۔

"مورے، آپ تو میری جان ہیں۔" وہ اُس عورت کی آنکھوں کا تارہ تھا۔

"شاہ تو مر جائے گا میرے ہاتھوں سے۔" وہ اپنے شاہ کا جگر تھا۔

"اے باری، یہ دیکھ، زارون کو، یہ پاگل ہو گیا ہے۔" وہ اپنے بھائیوں کی جان تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مینے، تم سدھر جاؤ ورنہ مار کھاؤ گی مجھ سے۔" وہ اپنی بہن کا محافظ تھا۔

"آپ شہزادی کی جان ہیں، اُس کی شہزادی۔ میری زندگی کا ایک انمول تحفہ۔" وہ اپنی شہزادی کی زندگی تھا۔

اُس کے ذہن میں اُبھرنے والا آخری چہرہ اُس کی ماں کا تھا۔ اُس کی آنکھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی پل کو ریوائنڈ کیا، لیکن اُن میں ارمان نہیں تھا اور پھر وہ زندگی اور شرارت سے بھرپور آنکھیں ہمیشہ کے لیے تاریکی میں ڈوب گئیں۔ وہ سب کو ہنسانے والا آج سب کو رونے کا جواز دے گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ارمان نے جھک کر شہزادی کی ناک کے سامنے انگلی رکھی، جب اُسے کچھ محسوس نہ ہوا تو اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر اُنہیں قیامت تک کے لیے بند کر دیا اور زیرِ لب بولا، "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔"

بارش کی نرم بوندیں شہزاد کے مردہ جسم کو بھگو رہی تھیں۔ خون پانی میں شامل ہوتا بہتا جا رہا تھا۔ وہ اپنوں کے ہاتھوں تباہ ہوا وجود تھا جس نے آخری سانس لیتے اپنی سانسیں گنوادی تھیں۔

ارمان ایک جھٹکے سے اُٹھا، جیب سے فون نکالا اور کسی کو کال ملائی۔

"ہاں، جلدی لے آؤ۔" مختصر سا جملہ ادا کر کے اُس نے کال کاٹ دی۔ موبائل فون کو بے دھیانی سے فرنٹ سیٹ پر رکھا، جیسے وہ بھی اب

اِس منظر کا حصہ نہ رہا ہو۔ بارش اب اپنی پوری قوت سے برسنے لگی تھی۔ ہوا میں نمی کے ساتھ دھوکے اور خون کی تیز بو تیر رہی تھی۔ آسمان پر چھائے سیاہ بادل گویا فضا کے جرم پر گواہ تھے۔ کچھ ہی لمحوں بعد، اُس کے آدمی ایک بے ہوش شخص کو اُٹھا لائے اور زمین پر اِس بے دردی سے پھینکا کہ وہ تڑپ کر ایک طرف لڑھک گیا۔ وہ سفیر خان تھا۔ نشے میں دھت، ہوش و حواس سے بیگانہ۔

ارمان نے ایک گہری سانس لی، جیسے اپنے اندر چھپے کسی خوف یا پچھتاوے کو زبردستی دبانے کی کوشش کر رہا ہو۔ آدمیوں نے خاموشی سے، کسی سوال کے بغیر، اپنا کام شروع کر دیا۔ ٹھوس، بے رحم اور نپا تلا۔ شہزاد خان اور سفیر خان کے کپڑوں کو اِس انداز میں چاک کیا گیا کہ لگتا تھا جیسے لمحہ بھر قبل اِن دونوں کے درمیان جھگڑا ہوا ہو۔ ٹوٹے ہوئے بٹن، چاک کالر اور خراش زدہ چہرے۔

ارمان نے چند قدم پیچھے ہٹ کر منظر کا ایک بار پھر جائزہ لیا، پھر آہستہ سے جیب سے بالکل ویسی ہی گن نکالی جیسی شہزاد کے پاس ہوتی تھی۔ جعلی شواہد کا آخری ٹکڑا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سفیر خان کے بے جان ہاتھ میں وہ گن رکھ کر اُس کی مٹھی بند کی۔ اِس سے قبل وہ گن سے تین گولیاں نکال چکا تھا، ایک ایسا حساب جو صرف وہی جانتا تھا۔ پھر اُن لوگوں نے شہزاد کے مردہ وجود کو اُٹھا کر اُس کی گاڑی میں ڈالا اور گاڑی کو کھائی میں دھکیل دیا، کچھ اِس طرح کہ جو بھی دیکھتا یہی سمجھتا کہ گاڑی بے قابو ہو کر کھائی میں جا گری ہے۔ اِس لائحہ عمل کے بعد اُس کے آدمی جس خاموشی سے آئے تھے، اُسی خاموشی سے واپس چلے گئے۔

اُس نے سینہ تان کر اپنے جھوٹے بیانیے کی آخری اینٹ رکھی، جیسے یہ مکمل منظر اب اُس کے مکروہ ذہن کی مکمل تصویر بن چکا ہو، پھر وہ پلٹا، گاڑی کی طرف بڑھا، فرنٹ سیٹ سے موبائل اُٹھایا اور واپس آ کر سفیر خان کے سر پر ایک زوردار لات سے وار کیا۔ ایک کمزور کراہ سنائی دی، مگر ہوش کا نام و نشان نہ تھا۔ اب صرف آخری منظر باقی تھا۔

"شہزی لالا! یہ کیا ہو گیا!" ایک چیخ، جو اندر کا سارا بوجھ لیے ہوئے تھی، فضا میں گونجی۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے باران کا نمبر ملانے لگا۔ اُس کی آواز میں ایسا خوف، ایسا دکھ اور ایسی بے بسی تھی کہ سننے والا لمحے بھر کو اپنا آپ بھول جائے۔ اگر وہ اداکار ہوتا تو کمال کا ہوتا۔

باران، مسجد سے حویلی کی طرف جا رہا تھا، اُس کے موبائل کی اسکرین پر ارمان کا نام چمکا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے اُس نے کال اٹینڈ کی، مگر اگلے ہی لمحے اُس کے چہرے سے رنگ اُڑ گیا۔

"لالا!" ارمان کی چیخ بھری آواز گونجی۔ باران نے جھٹکے سے بریک ماری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارمان! کیا ہوا؟ تم رو کیوں رہے ہو؟ سب ٹھیک ہے نہ؟" اُس کے دل میں انجانے خدشات جاگ اُٹھے تھے۔

"لالا... شہزی لالا..." ارمان کا گلا رندھ گیا۔

"کیا ہوا شہزاد کو؟" اُس کی آواز دھاڑ میں بدل گئی۔

"لالا... سفیر خان نے شہزی لالا کو... قتل کر دیا!" اِس ایک جملے نے باران کے وجود کی بنیادیں ہلا دیں۔ قدموں تلے زمین نکلنے کا مطلب آج اُس پر کھلا۔ لمحہ بھر کے لیے وہ پتھر کا ہو گیا، پھر جیسے ہوش سنبھالتے ہی چیخ اُٹھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ کہاں ہو تم لوگ؟" گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کرتے ہوئے اُس کی رگوں میں خون ابلنے لگا تھا۔

"لالا، پرانے پل کے پاس..." ارمان ہانپتے ہوئے بولا۔ باران نے گاڑی کا رخ بجلی کی سی تیزی سے پرانے پل کی طرف موڑا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اللہ کی قسم، ارمان! اگر یہ مذاق ہوا تو تمہیں ختم کر دوں گا!" وہ غرایا، آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ اُس کی گاڑی کی رفتار دیکھ کر گاؤں کے لوگوں کے قدم خود بخود رک نہ سکے، وہ اُس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ یہ پہلی بار تھا کہ باران آبادی والے علاقے میں بے قابو ڈرائیونگ کر رہا تھا، یقیناً کوئی غیر معمولی آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ بھاگتے ہوئے ایک شخص نے زرخان کو خبر دی۔ زرخان عجلت میں جرگے میں گھس آیا، جہاں زمین کے تنازع کی شنوائی ہو رہی تھی۔ یہ خبر سنتے ہی آدھا گاؤں پرانے پل کی سمت دوڑ پڑا تھا۔ پرانا پل گاؤں کے لیے ایک دہشت کا نشان تھا۔ سنسان، خطرناک اور پُراسرار۔ وہاں جانے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، لیکن سوال یہ تھا... باران وہاں کیوں گیا؟

☆..☆..☆..☆

باران کی گاڑی اچانک ایک جھٹکے سے رکی۔ دروازہ کھول کر وہ تیز قدموں سے ارمان کے قریب پہنچا، جو آنکھوں میں وحشت لیے بری طرح رو رہا تھا۔ وہاں شہزاد خان کی گاڑی کا نشان تک نہ تھا، صرف ارمان کی اور سفیر خان کی گاڑیاں موجود تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارمان! تم نے مجھ سے جھوٹ بولا! کہاں ہے شہزاد؟" باران نے آتے ہی اُس کے کندھے جھنجھوڑ ڈالے۔ اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کھائی کی طرف اشارہ کیا۔

"لالا، میں جب یہاں پہنچا تو سفیر خان نے شہزی لالا کی ٹانگ میں گولی مار دی تھی۔ دونوں گتھم گتھا تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے لالا کو الگ کر کے گاڑی میں بٹھایا، مگر جیسے ہی گاڑی اسٹارٹ ہوئی، سفیر خان نے دو گولیاں لالا کے سینے میں اُتار دیں۔ گاڑی کھائی کے کنارے پر تھی، بیلنس بگڑتے ہی نیچے جا گری۔ میں نے سفیر خان کو مار کر بے ہوش کر دیا... لالا، میں بہت ڈر گیا تھا!"

باران ایک پل کو سکتے میں آ گیا۔ اتنے میں گاؤں کے کئی لوگ وہاں پہنچ گئے۔ ارمان جانتا تھا کہ گاؤں سے اِس جگہ تک پہنچنے میں کم از کم پندرہ بیس منٹ لگتے ہیں، مگر باران صرف دس منٹ میں پہنچ گیا تھا۔ اِسی لیے اُس نے جھٹ سے کہانی گھڑ دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران نے اُسے پیچھے کرتے ہوئے کھائی کی طرف قدم بڑھایا۔ کھائی زیادہ گہری نہ تھی۔ دل لرزتا ہوا نیچے جھانکا تو تباہ شدہ گاڑی نظر آئی اور اُس لمحے اُس کا سانس تھم سا گیا۔ وہ کچھ سوچے بغیر نیچے اُترنے لگا۔ گاؤں کے لوگ اُسے روکنے کو لپکے، مگر وہ کافی نیچے پہنچ چکا تھا۔ راستے میں اُس کی شال کندھوں سے گر کر جھاڑیوں میں اٹک گئی، قمیض کی آستین رگڑ سے پھٹ گئی، مگر اُس نے پروانہ کی۔ پہاڑی اُترنے کے ماہر چند لوگ بھی اُس کے پیچھے اُتر آئے۔ باران نے گاڑی کا مڑا ہوا دروازہ کھولا تو ایک بے جان جسم اُس کی گود میں ڈھلک آیا۔ آدھا چہرہ مسخ تھا، مگر پہچاننا ممکن تھا۔ باران کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ کپکپاتی انگلیوں سے اُس چہرے کو چھوا اور اگلے ہی لمحے اُس کی دھاڑ پہاڑوں میں گونج اُٹھی۔ یہ چیخ اتنی گہری تھی کہ اوپر پہنچنے والے حیدر خان اور ربان خان کے قدم ڈگمگا گئے۔ اُن کے دل میں شدید خدشہ جاگا کہ کوئی ناقابلِ تلافی سانحہ پیش آچکا ہے۔ باران اور چند لوگوں نے بڑی مشکل سے شہزاد خان کو اُٹھا کر اوپر پہنچایا۔ زمین پر لٹاتے ہی باران کا ضبط ٹوٹ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شہزاد! آنکھیں کھول، یار!" وہ چیخا، مگر سننے والا جا چکا تھا۔ تایا جان اپنے لختِ جگر کو دیکھتے ہی وہیں گر پڑے۔ گاؤں والوں نے اُنہیں سہارا دیا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ سب جانتے تھے کہ آج اُنہوں نے ایک قیمتی ہیرا کھو دیا ہے۔

یہ خبر گاؤں میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اِس خبر نے گویا زارون کو پاگل کر دیا تھا۔ سفیر خان کے بے ہوش جسم کو لوگ گھسیٹتے ہوئے قید خانے میں ڈال آئے۔ جو سنتا کہ گاؤں کے سردار کا قتل ہو گیا ہے، وہ اپنا سینہ پیٹ کر رونے لگتا۔ کسی نے یہ نہ سوچا کہ ارمان وہاں کیوں آیا، کس نے بلایا۔ یہ اُن کی سب سے بڑی غفلت تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جب سفیر خان کو ہوش آیا تو اُسے بتایا گیا کہ وہ نشے میں گاؤں کے سردار کا قتل کر بیٹھا ہے۔ اُسے کچھ یاد نہ تھا، سو الزام قبول کر بیٹھا۔ اُس کے خلاف فوراً جرگہ بٹھا دیا گیا۔ شیر خان پر یہ خبر ایسے گری جیسے زلزلہ آجائے، اُن کے اکلوتے بیٹے پر قتل کا الزام لگ چکا تھا۔

☆..☆..☆..☆

زوبیہ خانم اور اسماہ خانم، زوبیہ خانم کے کمرے میں بیٹھی شادی کے لیے زیورات دیکھنے میں مصروف تھیں کہ اچانک اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے کہیں قریب کوئی رو رہا ہو۔ ساتھ ہی ایک عجیب سی بھگدڑ کا سا احساس پیدا ہوا۔ دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور فوراً اُٹھ کر باہر آ گئیں مگر باہر کا منظر دیکھ کر اُن کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ خان حویلی کے صحن میں ملازم بلند آواز میں بین ڈال رہے تھے، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حویلی کے مرد کچھ اُٹھائے اندر آ رہے تھے، ایک بے جان وجود، جو سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا۔

"ہائے اللہ! ہم برباد ہو گئے! ہمارا سردار مار ڈالا! ہائے مار ڈالا!" ایک بوڑھی ملازمہ زمین پر بیٹھ کر ماتم کر رہی تھی۔ اُسی لمحے پری گل کمرے سے باہر نکلی۔ اُس نے ملازمہ کی رونے کی آواز اور اِس جملے کو سنا (گاؤں میں جب سردار کا انتقال ہوتا ہے تو عورتیں یوں ہی بین ڈالتی ہیں)۔ اِس جملے نے اُس کے وجود میں لرزہ طاری کر دیا۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ لپکتی ہوئی نیچے کی طرف دوڑی۔ ڈوپٹہ اُس کے کندھے پر سرک گیا، بال کھل کر بکھر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گئے۔ حویلی کے ملازموں نے پہلی بار اُسے بغیر حجاب کے دیکھا، فوراً نظریں جھکا لیں۔

سیڑھیاں پھلانگتی وہ صحن میں پہنچی تو سامنے رکھی لاش دیکھ کر اُس کے قدم جیسے زنجیروں میں جکڑ گئے۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔

زوبیہ خانم تو شہزاد کی لاش دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑی تھیں۔

"شہزااااد!" پری گل نے قریب آ کر کانپتے ہاتھوں سے سفید چادر کا کنارہ اُٹھایا۔ ایک لمحے میں اُس کی گونجتی ہوئی چیخ حویلی کی در و دیوار کو چیر

گئی۔ یہ چیخ ایسی تھی کہ اِس کے زہر نے فضا کو سُن کر دیا۔ یہ چیخ ارمان کے سینے کو بھی چیر گئی تھی، وہ جو اِس کہانی کا اصل سیاہ کردار تھا۔

وہ خاموش تھا اور پری گل کی حالت ناقابلِ بیاں تھی۔ وہ سسکی تک نہیں لے رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں صرف ایک عکس تھا: شہزاد خان کا۔ یہ منظر ارمان کو اندر سے جلا کر خاک کر رہا تھا۔ بھائی کا خون کرنے کے بعد وہ کتنا مطمئن تھا، مگر کیا یہ سکون مستقل رہ سکتا تھا؟

پری گل، جیسے پتھر کا مجسمہ بن گئی تھی۔ یہ کیسا سچ تھا جو اُس پر آشکار ہوا تھا؟ ایسا بھیانک کہ دیکھنے سے بھی ڈر لگے۔ اُس کی خاموشی اُس کے بہتے آنسوؤں کی ہم زبان تھی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسو اُس کے حجاب میں جذب ہو رہے تھے۔ اُس کے شہزی نے آخری لمحوں میں کتنی تکلیف سہی ہو گی؟ کیا زیادہ تکلیف بھائی کے ہاتھوں اعتبار ٹوٹنے کی تھی؟ یا جسم میں پیوست گرم سلاخوں جیسی گولیوں کی؟ یا پھر سانس کی ڈور ٹوٹنے کا وہ لمحہ؟ ایک قطرہ آنسو تیزاب کی طرح اُس کے دل پہ جا گرا تھا۔

ارمان، اُس کی سسکی سن کر، بے اختیار آگے بڑھا اور اُس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی، مگر پری گل نے ایسے جھٹکا جیسے کوئی اچھوت چھو گیا ہو۔

"تم نے میرے شہزی کو مار دیا... ارمان، تمہارے دل میں ذرا سا بھی رحم نہ آیا؟... تم انسان نہیں... درندے ہو... مردار کھانے والے درندے!" وہ ہچکیوں کے درمیان رو رہی تھی اور زہر خند نگاہوں سے اُسے گھور رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ارمان نے بھنویں سکیڑ کر پری گل کو دیکھا، پھر اچانک اُسے کھینچ کر اپنے قریب کر لیا۔ پری گل بری طرح تڑپی، مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی دہکتی بھٹی میں جا گری ہو۔ ایک نامحرم کا لمس اُس کے لیے بچھو کے ڈنک جیسا تھا، جو اُس کے وجود کو کاٹ رہا تھا۔

ارمان نے اُس کی مزاحمت کو یکسر نظر انداز کیا اور اُس کے سر کے قریب آ کر اپنی پیشانی اُس کی پیشانی سے ٹکائی، پھر ایک گہرا سانس بھرا۔

"آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں...؟ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں... اور آپ ہیں کہ..." وہ سرگوشی میں کہہ کر ذرا پیچھے ہوا، مگر اِس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہہ پاتا، پری گل نے فوراً اپنے پرس سے پیپر اسپرے نکالا اور سیدھا اُس کی آنکھوں میں اسپرے کر دیا۔

ارمان تڑپ کر چیخ مارتا آنکھوں پر ہاتھ رکھ گیا۔ اتنی دیر میں پری گل نے بدحواسی میں اسٹیئرنگ کے پاس والا بٹن دبایا اور لمحہ بھر میں گاڑی کا لاک کھل گیا۔ وہ اپنا پرس اُٹھا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ آنکھوں میں جلتی ہوئی سرخی اور پانی لانے کی تگ و دو میں، ہاتھ پھیلائے پری گل کی سیٹ کی طرف بڑھا، مگر وہ جگہ خالی پا کر جھنجھلا اُٹھا۔

"آہ... گل! واپس آؤ!" وہ غصے اور جنون میں دھاڑا۔

سڑک پر دوڑتی پری گل کے قدم اُس آواز پر لمحہ بھر کو لڑکھڑائے، مگر اُس نے خود کو سنبھالا اور دوڑتی رہی۔ یہ سڑک عام دنوں میں خاصی پر ہجوم ہوتی تھی کیونکہ یہ اسکول کے راستے سے جڑی تھی، لیکن آج اتوار کا دن اور دوپہر کا وقت تھا، اِس لیے سڑک خاصی سنسان تھی۔

ارمان نے جلدی سے بیک سیٹ سے پانی کی بوتل اُٹھائی اور چھینٹے آنکھوں میں مارے۔ جب آنکھیں کچھ کھلنے کے قابل ہوئیں تو وہ گاڑی سے نکل کر سیدھا پری گل کی طرف لپکا۔ ریورس کرنے میں وقت ضائع ہو جاتا، اِس لیے وہ دوڑ کر ہی اُس کے پیچھے پہنچنے کی کوشش کرنے

لگا۔ چادر میں لپٹی وہ لڑکی اُس کے سامنے بھاگ رہی تھی کہ اچانک ارمان کے قدم رک گئے۔

"پلیز! ہیلپ! میری مدد کریں!" پری گل نے سامنے سے آتی ایک گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اُس کی طرف دوڑ پڑی۔ اُس لمحے اُسے ارمان کے سوا دنیا کا ہر انسان محافظ محسوس ہو رہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"جیک، یہ والی ڈیل فائنل کر دو اور میری کل کی میٹنگ بھی ارینج کر دو۔" کرسٹل کے حکم پر جیک نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ دونوں اِس وقت حویلی سے باہر لنچ کے لیے آئے تھے۔ کئی دنوں سے جیک چاہ رہا تھا کہ ڈیل کے بارے میں تفصیل سے بات ہو، مگر حویلی میں اُنہیں وہ پرائیویسی میسر نہیں تھی جو ضروری تھی۔ پہلے نکاح کی تیاریوں اور پھر رخصتی کی مصروفیات کی وجہ سے۔

کرسٹل کا ذہن بھی پچھلے دنوں کسی اور طرف مائل تھا۔ وہ شاہ میر کی نظروں سے کچھ وقت کے لیے دور رہنا چاہتی تھی۔ دل کی زمین پر محبت کی ایک کونپل پھوٹ رہی تھی اور اُسے ڈر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھا کہ کہیں یہ جلد ہی مرجھا کر ختم نہ ہو جائے،اِس لیے وہ اُسے پروان ہی نہیں چڑھانا چاہتی تھی۔

"کرسٹل،جاذب کہہ رہا تھا کہ ڈینیئل تمہاری جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔پہلے تم نے اُس کے باپ کو مارا،پھر اُس کے بھائی کو...اب وہ تمہارے خون کا پیاسا ہے۔"جیک کی بات پر کرسٹل نے بے نیازی سے سر جھٹکا۔

"دفع کرو!جہاں پچھلوں کو پہنچایا ہے،وہاں ایک اور سہی۔"وہ اطمینان سے بولی تو جیک ہنس پڑا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کرسٹل نے اُسے گھورا تو وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا بتاؤ،چائنیز کھاؤ گی یا اٹالین؟"اُس کے سوال پر کرسٹل کی بھنویں تن گئیں۔

"جیک،تمہارے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا تو نہیں ہو گیا جو اتنے فضول سوال کر رہے ہو؟"اُس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا تو وہ منہ بنا گیا۔

"ایسی کوئی نہیں۔ الحمدللہ سب پیچ ٹائٹ ہیں۔ میرا مطلب ہے، دماغ بالکل صحیح ہے۔ بس نوٹ کیا کہ آج تم زیادہ مسکرا رہی ہو، تو سوچا..." کرسٹل ایک لمحے کو چونکی۔ اُس نے بے ساختہ گاڑی کے فرنٹ مرر میں خود کو دیکھا۔ واقعی اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ وہ فوراً خود کو سنبھال کر اپنے پرانے خول میں سمٹ گئی۔ جیک کو افسوس ہوا کہ اُس نے یہ بات کہہ دی، ورنہ وہ بہت نارمل لگ رہی تھی۔ اُسی دوران جیک نے جیسے ہی سڑک کا موڑ کاٹا، اُسے سامنے سے ایک لڑکی بھاگتی نظر آئی۔

"کرسٹل!" اُس نے فوراً پکارا۔ کرسٹل نے پہلے جیک کی طرف دیکھا، پھر سامنے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کا اصرار کرتی لڑکی کو۔

"جیک، بریک لگاؤ!" کرسٹل اچانک چیخی۔

جیک نے ایمرجنسی بریک لگائی تو گاڑی بے قابو ہو کر گھوم گئی۔ پری گل، جو اُن تک پہنچنے ہی والی تھی، گاڑی کے اِس جھٹکے اور پھسلتی سڑک کے باعث چیخ مار کر پہاڑی سے جا لگی۔ سڑک ہلکی برفباری سے گیلی تھی اور وہ ون وے روڈ پر تھے، اِس لیے سامنے سے کسی گاڑی کا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنا ممکن نہیں تھا۔ نہ جانے یہ لڑکی اچانک کہاں سے آ نکلی۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ جیک اور کرسٹل نے بیلٹ لگا رکھی تھی، اِس لیے وہ سر کو ٹکرانے سے بچ گئے۔ طوفان آیا اور تھم گیا۔

کرسٹل نے ڈیش بورڈ سے سر اُٹھایا، گہری سانس لی اور جیک کی طرف دیکھا۔ وہ محفوظ تھا۔ اگلے ہی لمحے کرسٹل کا غصہ بھڑک اُٹھا۔ اُس نے ایک جھٹکے سے بیلٹ کھولا، دروازہ کھول کر باہر نکلی اور زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے پری گل کی طرف بڑھی، جو منہ پر ہاتھ رکھے کانپ رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جاہل لڑکی، یہ کیا حرکت ہے؟ تم اندھی ہو کیا؟ نظر نہیں آ رہا کہ سامنے سے گاڑی آ رہی ہے؟" وہ غصے سے پھولتی سانسوں کے بیچ دھاڑی۔

پری گل نے اِس مانوس آواز پر چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ اُس کی نظر سامنے کھڑی لڑکی پر جا ٹھہری۔ ریڈ اور وائٹ شرٹ اور ٹراؤزر، اوپر نیوی بلو شال اوڑھے، وہ حرم تھی۔ حرم کا چہرہ

غصے سے سرخ تھا، مگر جیسے ہی اُس نے پری گل کو پہچانا، اُس کے ہونٹ خاموشی کی لپیٹ میں آ گئے۔

وہ بھلا سامنے کھڑی اِس لڑکی کو کیسے نہ پہچانتی؟ دو ماہ سے وہ اِن ہی لوگوں کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اگرچہ پری گل نے نقاب کیا ہوا تھا، مگر آنکھوں کی پہچان کسی پردے کی محتاج نہیں ہوتی۔ حرم کے چہرے پر اب غصے کی بجائے حیرت چھا چکی تھی۔

حرم کو یوں خاموش دیکھ کر جبران، جو اُس کے پیچھے گاڑی میں تھا، تیزی سے باہر نکلا کہ کہیں وہ اُس لڑکی پر ہاتھ نہ اُٹھا دے۔ مگر حرم کو خاموش دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔ اِس علاقے کے مزاج کو وہ خوب جانتا تھا، یہاں تو معمولی بات بھی قتل و غارت کا پیش خیمہ بن جاتی۔ جبران کو یہ معلوم نہ تھا کہ سامنے کھڑی یہ لڑکی پری گل ہے۔ اُس نے کبھی اُن کی عورتوں کو اتنی باریکی سے دیکھا ہی نہیں تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حرم بھابھی! مجھے پلیز حویلی تک چھوڑ دیں۔" پری گل کی کپکپاتی آواز سن کر حرم کی حیرت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ لڑکی جو ہمیشہ مضبوط لہجے میں بات کرتی تھی، آج بیچ سڑک پر روتی اور بے بس لگ رہی تھی۔ اُسی لمحے ارمان وہاں آ گیا، سانس پھولے ہوئے۔

"اوہ! تھینک گاڈ، بھابھی آپ آ گئیں۔ آگے ہماری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ یہ تو ایسے ہی پریشان ہو گئی۔ میں سمجھاتا رہا، مگر یہ کسی کی سنتی ہی کہاں ہے۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ مگر سامنے کھڑی حرم کوئی عام عورت نہ تھی۔ مافیا کی ملکہ تھی۔ وہ ارمان کی آنکھوں میں جھلکتا جھوٹ پڑھ چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

پری گل کا نقاب آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ آنکھیں رونے کے باعث سرخ اور متورم تھیں، جنہیں دیکھ کر حرم کا شک اور گہرا ہو گیا۔

"اگر گاڑی خراب ہو گئی تھی تو تم نے حویلی کال کیوں نہیں کی؟ اور یہ گل رو کیوں رہی ہے؟" حرم کے سوال پر ارمان کا رنگ لمحے بھر کو پھیکا پڑا، جو اُس کی گہری نگاہ سے چھپ نہ سکا۔

"وہ... موبائل میں سگنل نہیں آ رہے تھے... اور یہ پریشان ہو گئی، اِسی لیے رونے لگی۔"

ارمان نے پلک جھپکتے میں نیا بہانہ گھڑ ڈالا، مگر یہی عجلت حرم کے شک کو یقین میں بدل گئی۔

حرم نے اپنے تاثرات سنبھالتے ہوئے کہا، "اچھا، کوئی بات نہیں۔ تم ہماری گاڑی میں آجاؤ اور اپنی گاڑی ٹھیک کروالینا۔ گل میرے ساتھ حویلی جا رہی ہے۔" ارمان لمحے بھر کو متذبذب ہوا۔ وہ پری گل کو اکیلے اُن کے ساتھ بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

اِس لیے جلدی سے بولا، "نہیں، آپ فکر نہ کریں۔ میں اُنہیں باحفاظت ہسپتال پہنچا دوں گا۔"

حرم جو گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی، پلٹ کر اُسے دیکھنے لگی۔ اُسی لمحے پری گل نے چادر کے نیچے سے نامحسوس انداز میں اُس کا ہاتھ تھام لیا، جو ارمان کی نظروں سے اوجھل رہا۔

"نہیں، اِس کی ضرورت نہیں۔ گل میرے ساتھ جا رہی ہے، ہے نا گل؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جی، بھابھی۔" پری گل نے فوراً سر ہلا دیا۔ ارمان نے خونخوار نظروں سے اُسے گھورا اور جھک کر اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

"اگر تم نے کسی کو کچھ بتایا تو اگلا جنازہ تمہارے لالا جان کا ہو گا۔" پری گل کا دل جیسے بیٹھ گیا۔ حرم نے اُسے اپنی جگہ ساکت دیکھ کر پلٹ کر دیکھا۔ اُس کا ہاتھ اب بھی حرم کے ہاتھ میں جکڑا ہوا تھا۔ ارمان جا چکا تھا۔

"گل! اینی پرابلم؟" حرم کی آواز پر وہ چونکی اور نفی میں سر ہلایا۔ حرم اُسے لیے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ جبران نے اُسے دیکھ کر ایک ابرو اچکا دی۔

"میری کزن ہے۔" یہ کہتے ہوئے حرم فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ پری گل پیچھے بیٹھ گئی۔ جبران نے گاڑی ریورس کرتے ہوئے حویلی کی طرف موڑنا چاہا مگر حرم بولی، "ریسٹورنٹ چلو۔"

"نہیں بھابھی، ہم حویلی چلتے ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پہلے کھانا کھائیں گے، پھر حویلی جائیں گے۔" حرم کے لہجے میں فیصلہ کن سختی تھی۔ پری گل خاموش ہو گئی۔ وہ اب بھی گہرے شاک میں تھی، دماغ بالکل سُن ہو چکا تھا۔ حرم نے ڈیش بورڈ سے اپنے سن گلاسز اُٹھا کر پہنے اور جبران کو اشارہ کیا۔ گاڑی ریسٹورنٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ راستے میں حرم نے غور سے سڑک کو دیکھا، وہاں ارمان کی گاڑی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ مطلب وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ حرم کے لبوں پر ایک پُراسرار مسکراہٹ اُبھری۔ 'اب مزہ آئے گا چھپن چھپائی کے کھیل میں۔' اُس نے سوچتے ہوئے فرنٹ مرر میں سر جھکائے بیٹھی پری گل کو دیکھا۔ کھیل شروع ہو چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

شاہ میر کچھ دیر پہلے ہی ہیڈ کوارٹر سے آیا تھا۔ اِس وقت کھانا کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں آرام کی غرض سے جا چکے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے حرم کے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، اِس لیے کسی نے اُسے نہیں دیکھا۔

وہ متوازن قدم لیتا ہوا حرم کے کمرے کے بند دروازے کے پاس آیا۔ ہاتھ بڑھا کر ناک کیا، لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ جب دو تین بار دستک دینے پر بھی خاموشی رہی تو شاہ میر نے دروازے کا نوب گھمایا، لیکن دروازہ لاک تھا۔ شاید وہ سو رہی تھی۔

اُس نے لب کچلتے ہوئے اپنے ہونٹ کاٹے اور پھر جبران کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

آج موسم شدید خوشگوار تھا، اُس نے سوچا کیوں نہ جبران کے ساتھ پہاڑوں پر جایا جائے۔ ویسے بھی آج کل ہر طرف ہریالی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتی تھی۔ اُس نے جیسے ہی جبران کے کمرے کا نوب گھمایا تو وہ بھی لاک تھا۔ اُسے حیرت ہوئی کہ وہ تو اپنے کمرے کو لاک نہیں کرتا، پھر آج کیوں؟ یہی سوچتے ہوئے اُس نے جیب سے موبائل نکال کر جبران کا نمبر ڈائل کیا۔ اِس وقت وہ مرون ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس تھا، جو وہ اکثر حویلی میں پہنا کرتا تھا۔

عام سے سلیپر میں مقید پیروں کو وہ مسلسل ہلا رہا تھا کہ جبران نے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم، جبران کہاں ہو تم؟" شاہ میر نے تیزی سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یار، میں حرم کو لے کر ڈنر کے لیے باہر نکلا ہوں، کیوں؟ کوئی کام تھا کیا؟" جبران کی آواز اسپیکر سے اُبھری تو شاہ میر نے سکون کا سانس لیا۔ اُس کا رخ اب اپنے کمرے کی سمت تھا۔

"ہاں، وہ میں سوچ رہا تھا موسم اچھا ہے تو پہاڑوں پر چلتے، لیکن تم... خیر، اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" شاہ میر نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ بند کیا اور بیڈ پر سیدھا لیٹ گیا۔ اُس کے سیدھے ہاتھ میں فون تھا جبکہ دوسرے ہاتھ کو وہ اپنے بالوں میں پھیر رہا تھا۔

"اوہ! چلو، ایسا کوئی مسئلہ نہیں، میں ایک آدھ گھنٹے میں آجاؤں گا، پھر چلتے ہیں۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ جب واپس آجاؤ تو مجھے کال کر دینا۔" شاہ میر کو جبران کی تجویز مناسب لگی، اِس لیے وہ چند اور باتیں کر کے فون بند کر گیا۔

جبران نے فون بند کر کے موبائل جیب میں رکھا۔ وہ اِس وقت فرنٹیئر ریسٹورنٹ، جو کہ ہزارہ کا مشہور ہوٹل تھا، کے سامنے پارکنگ ایریا میں کھڑا تھا۔ حرم، پری گل کے ساتھ اندر چلی گئی تھی اور اُسے یہ کہہ کر رکنے کو بول گئی کہ وہ جلدی آجائے گی۔ یوں اُس کے شاندار

لنچ کے پروگرام کی ایسی تیسی ہو گئی۔ وہ پچھلے دس منٹ سے بھیک منگوں کی طرح کھڑا تھا۔ بھوک سے اُس کی حالت خراب ہو رہی تھی، لیکن میڈم تو جیسے اندر جا کر بیٹھ ہی گئی تھی۔

"سنگدل عورت!" وہ پیٹ میں ناچتے چوہوں کو برداشت کرتا، دل ہی دل میں حرم کو نیا خطاب دے چکا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"کھاؤ!" حرم نے پاستا کا باؤل پری گل کی جانب سرکایا۔ اپنے لیے وہ نکال چکی تھی۔ پری گل کو نگاہیں جھکائے، کسی بھی ردعمل کے بغیر بیٹھے دیکھ کر حرم نے چمچ ذرا زور سے اپنی پلیٹ میں بجایا تو وہ چونک کر ہوش میں آئی۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اُس نے سامنے بیٹھی حرم کو دیکھا۔

حرم نے بخوبی اُس کی آنکھوں میں وہ خوف محسوس کیا، جو اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مدھم پڑ گیا تھا۔

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔" پری گل نے نرمی سے انکار کیا تو حرم نے دوبارہ اُسے کھانے کو نہ کہا۔ بے فکری سے کندھے اچکاتے، وہ اپنے کھانے میں مصروف ہو گئی۔ البتہ وقتاً فوقتاً ایک نظر پری گل پر ڈال لیتی، جو اضطراب کے عالم میں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں اُلجھائے بیٹھی تھی۔

"ہمم... ہمم..." حرم نے اپنا لنچ ختم کر کے گلا کھنکارا تا کہ پری گل متوجہ ہو۔ اب وہ پوری توجہ کے ساتھ اُس پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"کیا بات ہے؟ اتنی اُلجھی ہوئی کیوں ہو؟" بغیر بات کو گھمائے، وہ سیدھا اصل مدعے پر آئی۔

"نہیں بھابھی، ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" پری گل کے لہجے کی کمزوری حرم سے چھپی نہ رہی۔

ریسٹورنٹ میں اِس وقت اکا دُکا لوگ موجود تھے۔ ٹیبلز کے بیچ مناسب فاصلہ تھا، اِس لیے وہ سکون سے اُس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ چکی تھی کہ پری گل کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہے اور وہ معلومات اُس کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آر یو شیور؟" وہ اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی جو اپنی پیشانی مسل رہی تھی۔

"بھابھی، پلیز! میں کہہ رہی ہوں نا، ایسا کچھ نہیں..."

"گل! مجھے جھوٹ بولنے والوں سے سخت نفرت ہے اور مجھے یقین ہے تم نہیں چاہو گی کہ کوئی تم سے نفرت کرے۔" پری گل، بے بسی کے عالم میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حرم نے اُس کی بات کاٹ دی۔ حرم کے سخت لہجے پر وہ کپکپا گئی۔

اُس کی آنکھوں میں نمی جمع ہونے لگی۔ اُس نے ایک نظر حرم کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر وہ سب کچھ کہہ ڈالا جو اُس کے دل میں چھپا تھا۔ پہلی بار، حرم کا دل کسی کے آنسوؤں پر سکڑ کر پھیل گیا۔ اُس کی اپنی آنکھیں بھی تیزی سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے بس اُسے سن رہی تھی۔ پری گل، چادر منہ پر رکھے، سسکیاں دباتی، درد سے بھرپور لہجے میں ایک ایک بات بتا رہی تھی۔ وہ جیسے کسی سہارے کی تلاش میں تھی اور جب حرم کی تھوڑی سی ہمدردی ملی تو اُس نے اپنا دل اُس کے سامنے کھول دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بھابھی! اُس نے بولا ہے کہ وہ لالا کو نقصان پہنچائے گا۔" وہ بات مکمل کر کے خاموش ہو گئی۔

حرم نے طویل سانس کھینچی۔ پری گل کے الفاظ کچھ ایسے تھے کہ حرم کو محسوس ہوا جیسے اُس نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا ہو، جس میں ایک بے قصور، رحم کا طلبگار، زندگی کے ایک لمحے کا منتظر تھا۔ حرم نے آنکھیں جھپکیں اور اُن میں اُتری جلن پر قابو پایا۔ پری گل اب دونوں ہاتھ منہ پر رکھے بری طرح رو رہی تھی۔

"گل، تم پریشان مت ہو، تمہارے لالا کو کچھ نہیں ہو گا... اور رہی بات ارمان کی تو دیکھنا، شہزاد کو انصاف ضرور ملے گا۔" وہ اُسے تسلی دیتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔ پری گل نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر، نم، سرخ آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

"بھابھی، ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے، کوئی بھی ہماری بات کا یقین نہیں کرے گا۔ آپ کو نہیں پتا، ارمان حویلی کے ہر فرد کا لاڈلا ہے۔ میرے پاس تو کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔" وہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تو حرم نے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور دھیمے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"گل، سب بہتر ہو جائے گا۔" بس اتنا ہی کہا۔

"بھابھی، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر ارمان نے میرا ہاتھ مانگا تو بڑے بخوشی مجھے اُس کے حوالے کر دیں گے... اور اِس معاملے میں میں کچھ کہہ بھی نہیں پاؤں گی۔ ہمارے خاندانوں میں عمر کو بھی نہیں دیکھا جاتا۔" پری گل نے آنکھیں رگڑتے ہوئے اپنا نیا خدشہ ظاہر کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حرم چونکی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ وہ تمہارا رشتہ مانگے گا؟ اگر ابھی تک نہیں مانگا تو ہو سکتا ہے آگے بھی اتنی جلدی نہ کرے۔" حرم کے کہنے پر پری گل نے نفی میں سر ہلایا۔

"بھابھی، پہلے میں اُس کے سچ سے واقف نہیں تھی لیکن اب ہوں۔ وہ اب کچھ بھی کر سکتا ہے۔" حرم نے اپنے دماغ کو کھنگالا، وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ارمان جیسے شخص کا کوئی بھروسہ نہیں۔

"بے غیرت! ماں باپ، بہن بھائی، سارا خاندان ہی فسادی ہے۔" حرم نے زیرِ لب، داور خان کے گھر والوں کو برا بھلا کہا۔

"تم فکر مت کرو۔ ایسا کچھ نہیں ہو گا... اور موسیٰ اپنی حفاظت کر سکتا ہے، اُس کی طرف سے فکر مند مت ہو۔" سارا معاملہ جیک سے ڈسکس کرنے کا سوچ کر وہ پری گل کو حوصلہ دے گئی۔

خان حویلی میں، اِسی ایک لڑکی کے مضبوط لہجے نے اُسے قائل کیا تھا۔ وہ ایک مضبوط لڑکی کو کمزور نہیں ہونے دے سکتی تھی۔ حرم کی باتوں سے پری گل کو کچھ حوصلہ ملا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُس نے ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اُٹھایا اور نقاب کے نیچے سے لبوں سے لگا کر چند گھونٹ بھرے۔ اب اُسے گیلے نقاب سے الجھن ہو رہی تھی اور وہ کاجل کے ساتھ ساتھ سیاہ ہو چکا تھا۔

"بھابھی، میں ذرا واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔" پری گل نے پرس اُٹھاتے ہوئے کہا تو حرم نے سر ہلا دیا۔ پری گل کے جاتے ہی حرم فون میں مصروف ہو گئی۔

اِدھر پری گل، واش روم سے نکل کر نقاب درست کرتے راہداری میں آگے بڑھی تو اچانک سامنے سے آتے ایک مرد سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہ دہل کر قدم پیچھے ہٹانے لگی اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اُس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

☆..☆..☆..☆

"بالاج، یہ تو بہت بڑی گیم نکلی، مطلب یہ ہم سے جھوٹی پہچان کے ذریعے کافی معلومات لے چکا ہے۔" اشعر نے ویڈیو ختم ہوتے ہی لیپ

ٹاپ اُٹھا کر بیک سیٹ پر رکھتے متغیر لہجے میں کہا تو بالاج بھی کچھ متذبذب ہوا۔ یہ تو بہت بڑا مسئلہ بن گیا تھا، کیونکہ شہزاد کی جگہ ارمان اُن سے دھوکے سے بات کر کے کافی معلومات حاصل کر چکا تھا۔

"یعنی زارا کا ونی میں جانا کوئی معنی نہیں رکھتا اور سفیر بے قصور ہے۔" بالاج کو بے ساختہ سفیر اور زارا کا خیال آیا۔ زارا تو پھر بھی محفوظ تھی، لیکن سفیر؟

سفیر کا تو خان برادرز مل کر بہت برا حال کر چکے تھے۔ یہ بات اُسے اپنے ذرائع سے معلوم ہو چکی تھی۔ جو بھی تھا، وہ انسان بے گناہ تھا۔ وہ اچھا تھا یا برا، اِس سے بالاج کو مطلب نہ تھا۔ اُسے صرف اتنا پتا تھا کہ وہ بے گناہ ہے اور وہ اِس قدر اذیت کا حقدار نہیں تھا۔

"بالاج، تم کیا سوچ رہے ہو؟" اشعر نے اُسے سوچوں میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"میں سوچ رہا ہوں، جرگہ بٹھانا چاہیے۔ سفیر کی بے گناہی کا ثبوت ہے ہمارے پاس، وہ آرام سے آزاد ہو جائے گا۔"

"بالاج، ایسا نہیں ہو سکتا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیوں؟"وہ متعجب ہوا۔

"اگر ہم سفیر کو آزاد کرواتے ہیں تو جرگے کے اصول کے مطابق باران کو زارا کو ونی سے آزاد کرنا ہو گا، یعنی سیدھا طلاق...اور تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ باران سے بہتر زارا کے لیے کوئی نہیں ہے۔"اشعر کی بات پر بالاج فکر مند ہوا۔

واقعی، جرگہ ایک لمحہ نہ لگاتا باران اور زارا کی طلاق کروانے میں، لیکن شاید یہ بالاج کی خوش فہمی تھی کہ باران کے اثر و رسوخ کچھ کام آئیں گے۔

"میں کرتا ہوں اِس کا کچھ۔فی الحال ہم گھر چلتے ہیں، تمہیں اِس وقت ریسٹ کی ضرورت ہے۔"بالاج نے گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔یہ نازک معاملہ تھا، جسے بہت احتیاط سے سنبھالنا تھا۔جلد بازی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"ہاں چلو، مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔"بالاج کو گاڑی اسٹارٹ کرتے دیکھ کر اشعر نے پشت سیٹ سے لگتے ہوئے کہا تو بالاج کے حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔

"وہ میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ خانسامہ چھٹی پر ہے،اِس وقت گھر پر کچھ بھی کھانے کو نہیں ہو گا۔"بالاج لب گول کرتے،اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولا تو اشعر کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"یہ تم اب بتا رہے ہو؟ تمہیں پتا ہے میں نے صبح بس اُس بدذائقہ سوپ کے دو چار گھونٹ بھرے تھے اور اب میرا بھوک سے برا حال ہے۔"اشعر،اُس بدذائقہ سوپ کو یاد کرتے برا سا منہ بناتا بولا تو بالاج آنکھیں چھوٹی کرتے اُسے گھورنے لگا۔

"کمینہ!پورا پیالہ سوپ کا پی گیا اور اب کہہ رہا ہے چار گھونٹ۔"بالاج کا دل کیا ایک زور دار مُکا اُس کے پیٹ پر مارے،جو ہمیشہ بھوک سے بے حال ہی رہتا تھا۔

"چل،مر کیوں رہا ہے؟ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ چلتے ہیں،ابھی لنچ میں کافی وقت ہے۔"اشعر کو منہ بسورتے دیکھ کر بالاج بے ڈھنگے انداز میں بولتا گاڑی ریورس کر گیا۔اب اُن کا رُخ کسی قریبی ریسٹورنٹ کی سمت تھا۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اُف گل، یہ کیا کر دیا آپ نے! واقعی عورت خود اپنی دشمن ہوتی ہے۔" ارمان، کان سے ایئر پیس نکال کر بیڈ پر پھینکتے، نفی میں سر ہلاتے پُر اسرار انداز میں خود سے بولا اور قہقہہ لگایا۔

اُسے حرم کے ساتھ جاتے دیکھ کر پہلے ہی شک ہو گیا تھا کہ کہیں نہ کہیں وہ ہر بات اُسے بتا دے گی، اِس لیے وہ چپکے سے اُس کے نقاب میں مائیکرو چپ لگا چکا تھا۔ اُس کا شک صحیح ثابت ہوا تھا۔ پری گل نے ہر بات حرم کے گوش گزار کر دی تھی، جس پر وہ 'عام سی لڑکی' اُسے تسلیاں دے رہی تھی۔ کاش ارمان کو پتا ہوتا کہ وہ عام سی لڑکی نہیں ہے، وہ زہر کو رگ وجاں میں انڈیلنے میں ماہر ہے۔ ارمان نے یکدم قہقہہ روکا، پاس پڑا موبائل اُٹھایا اور نمبر ملایا۔

"ہاں مجیب، میں تمہیں ایک گاڑی کا نمبر سینڈ کر رہا ہوں۔ شام تک اُس پہ ایسا حملہ کرواؤ کہ گاڑی تباہ ہو جائے لیکن جانی نقصان نہ ہو۔ ہو سکے تو ایک دو گولیاں بھی مار دینا، لیکن بازو یا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ٹانگ میں۔گُڈ۔"ارمان نے سرد لہجے میں آرڈر دیتے ہوئے کال کٹ کی اور موسیٰ کی گاڑی کا نمبر مجیب کو سینڈ کر دیا۔

"آپ نے مجھے بے وقوف سمجھ لیا تھا گل؟خیر،میں دیکھتا ہوں آپ اور آپ کی وہ بھابھی میرا کیا بگاڑ لیں گی۔"ارمان نے موبائل سائیڈ پر رکھتے اوندھے منہ کروٹ لی اور آنکھیں موند لیں۔

☆..☆..☆..☆

اشعر اور بالاج کی گاڑی ہزارہ کے خوبصورت ریسٹورنٹ کے باہر رکی۔اِس وقت قریب یہی ہوٹل پڑا تھا۔وہ دونوں ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہوئے تو وہاں کا انٹیریئر دیکھ کر اشعر کافی امپریس ہوا۔

"تم جا کر ٹیبل ریزرو کرو،میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔"بالاج کے کہنے پر اشعر سر ہلاتا ایک خالی ٹیبل کی سمت بڑھ گیا۔وہ کرسی گھسیٹ کر جیسے ہی بیٹھا،فوراً ایک ویٹر اُس کا آرڈر لینے چلا آیا۔

بالاج اپنی شرٹ کی آستینیں درست کرتا جیسے ہی واش روم کی طرف جانے کے لیے راہداری میں داخل ہوا تو سامنے سے آتی صنفِ نازک کو دیکھ کر رک گیا۔ پری گل نے آنکھیں پھیلائے اپنے سامنے کھڑے بالاج کو دیکھا اور پھر جلدی سے نظر انداز کرتے اُس کے برابر سے گزرنے لگی تو بالاج کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"زہے نصیب، زہے نصیب! آپ یہاں کیسے، ڈاکٹر؟" وہ اُس کی سرخ، متورم آنکھوں کو بغور دیکھتا ہوا بولا تو وہ نظر انداز کرتی جانے لگی کہ بالاج پھر سے اُس کا راستہ روک گیا۔

"ڈاکٹر! تم رو رہی تھیں؟"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مسٹر! آپ سے مطلب؟ آپ اپنی حد میں رہا کریں۔" وہ ناگوار انداز میں بولتی بالاج کو آنکھیں سمیٹنے پر مجبور کر گئی۔ اُس کے لہجے میں آج وہ مضبوطی نہیں تھی جو ہوا کرتی تھی اور یہ چیز بالاج کو بری طرح چبھ گئی۔ وہ وہاں سے جا چکی تھی، لیکن وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا اور پھر واش روم جانے کے بجائے واپس پلٹ گیا۔

☆..☆..☆..☆

اشعر نے اپنا آرڈر لکھواتے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ وہ ہوٹل کچھ چھوٹا تھا، لیکن کافی خوبصورتی سے بنا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بمشکل سات سے آٹھ ٹیبلز ہی تھے۔ دیواروں پر لگی پھولوں اور لائٹوں کی بیلیں، زمین پر رکھے چھوٹے چھوٹے گملے، ٹمٹماتے آرٹیفیشل شو پیسز۔ اچانک اُس کی نگاہ ایک ٹیبل پر جا رکی، جہاں ایک لڑکی سنہرے بالوں کا جوڑا باندھے، سر جھکائے موبائل میں مصروف تھی۔ اُسے دیکھ کر اشعر کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ اُس نے جھٹکنا چاہا، لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی پھر اپنی نظریں اُس پر مرکوز کر گیا۔

حرم نے خود پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرتے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ دائیں جانب ٹیبل پر ایک لڑکا ٹکٹکی باندھے گھور رہا ہے۔ اُس کی پیشانی پر بل پڑے۔ اُس نے تیکھی نظروں سے اُسے دیکھا، لیکن جب چند لمحوں تک بھی اُس نے نظریں نہ ہٹائیں تو وہ ٹیبل پر ہاتھ مارتے اُٹھ کر اُس کے قریب آئی۔

اشعر اُس لڑکی کو اپنی جانب آتے دیکھ کر کچھ گڑبڑایا۔ اتنی دیر میں حرم اُس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

"اپنی نظروں کو لگام دو، ورنہ آنکھیں نکالنے کا ہنر آتا ہے مجھے!" وہ برہمی سے بولی تو اشعر سٹپٹا گیا۔

"نہیں... وہ میں آپ کو تو نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"تو کیا وہاں کوئی جوکر کا شو چل رہا ہے جو آنکھیں وہاں چپک گئی تھیں؟" وہ سخت، کرخت بھرے لہجے میں بولتی اشعر کو شرمندہ کر گئی۔

"بھابھی، کیا ہوا؟ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟" پری گل واش روم سے واپس آئی تو اُسے اپنی جگہ نہ پا کر اُس کے قریب آ گئی۔

"کچھ نہیں، کچھ لوگوں کو اُن کی حد یاد دلا رہی تھی۔ آئندہ کسی بھی عورت کو گھورنے سے پہلے اپنی ماں بہن کو دیکھ لینا!" وہ غصے سے بول کر جانے لگی کہ اشعر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی آنکھیں تیزی سے غصے کی سرخی میں ڈھلنے لگیں۔

"میڈم، اپنی حد میں رہیں آپ! خبردار، اگر میری ماں بہن کے بارے میں کچھ کہا تو!" اشعر کا لہجہ خاصا بدلحاظ ہو چکا تھا۔ اتنے میں بالاج بھی آ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"واہ! تم عورتوں کو گھور گھور کر دیکھو اور کوئی تمہیں سچ بھی نہ بتائے؟" وہ پلٹ کر غرائی تو بالاج کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔ وہ جلدی سے

اشعر کے قریب آتے اُس کا بازو تھام کر چپ کروانے لگا۔ وہاں بیٹھے سب لوگ اُن کی طرف ہی متوجہ تھے۔ ریسٹورنٹ کا اسٹاف بھی وہاں جمع ہونے لگا تھا۔

"سر، پلیز اُنہیں چپ کروائیں۔" بات بڑھتے دیکھ کر مینیجر بالاج سے دو ٹوک انداز میں بولا تو اُس کی بھنوئیں تن گئیں۔

'کمینہ کہیں کا، ہر جگہ ذلیل کرواتا ہے،' وہ کڑھتا، منہ میں بڑبڑایا۔

"بھابھی، پلیز! لوگ جمع ہو رہے ہیں..." پری گل، حرم کا بازو پکڑے آہستگی سے بولی تو بالاج چونک گیا۔ یعنی یہ لڑکی پری گل کی بھابھی تھی؟ اُف! اشعر بھی کہاں پنگا لے بیٹھا تھا۔

"آئندہ کسی بھی لڑکی کو آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو یاد رکھنا، اُس کا بدلہ تمہارے اپنے گھر سے نکلے گا۔" وہ انگلی اُٹھا کر بولی تو بالاج نے بغور اُس لڑکی کی بہادری کو دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

'خان حویلی کی عورتیں خاصی خطرناک تھیں۔' بالاج نے حرم اور پری گل کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

حرم، پری گل کا لحاظ کرتے واپسی کی راہ لیتی تن فن کرتی باہر آئی، جس کے پیچھے پیچھے پری گل بھی تھی۔ جبران، بیٹھ کر برگر کھا رہا تھا، جب اُس کی نظر حرم پر پڑی جو فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تھی۔ اُس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ جبران نے ایک نگاہ پیچھے جلدی سے بیٹھتی پری گل پر ڈالی جو خاصی پریشان لگ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ تشویش سے بولا۔

"تم برگر ٹھونسو بس!" وہ اُسے کاٹ کھانے کو دوڑی تو جبران کا منہ لٹک گیا۔ اُس نے برگر کا آخری بائٹ لیتے گاڑی اسٹارٹ کی اور مجال تھی کہ دوبارہ اُسے مخاطب کیا ہو۔ وہ اِس وقت غصے میں تھی۔ وہ کچھ پوچھ کر اپنی شامت نہیں لا سکتا تھا۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انارہ کے روم میں داخل ہوتے ہی بہرام خان نے دروازہ بند کیا تو بیڈ پر بیٹھی گیم کھیلتی انارہ نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ سامنے بہرام خان کو دیکھتے ہی وہ خوش ہو گئی۔ جلدی سے ویڈیو گیم کا ریموٹ وہیں پھینکتے وہ اُٹھ کر بہرام خان کے پاس آئی، جنہوں نے اُس کے آتے ہی بازو کھول کر اُسے اپنے حصار میں لے لیا اور جھک کر اُس کی پیشانی چومی۔ وہ آج تین دن بعد اُس سے مل رہے تھے۔ تین دن سے وہ حویلی نہیں آئے تھے، اِس لیے اب وہ سیدھا اُس کے کمرے میں ہی آ گئے تھے۔ وہ جانتے تھے، انارہ اُنہیں مس کر رہی ہو گی۔

"ڈیڈ، آپ کتنے دنوں بعد آئے! میں آپ کو بہت مس کر رہی تھی!" وہ نارنجی رنگ کی شرٹ اور گرے ٹراؤزر میں ملبوس، بالوں کو ہائی پونی میں باندھے، بہرام خان کی سوچ کے مطابق معصومیت سے بولی تو وہ مسکرا دیئے۔ وہ اِس وقت سادہ سبز شلوار قمیص میں ملبوس، نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

"بیٹا، کچھ کام کی وجہ سے نہیں آ سکا۔ تم بتاؤ، یہاں دل لگ گیا ہے نا؟" وہ اُسے لیے صوفے کی جانب بڑھتے ہوئے نرمی سے پوچھنے لگے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں ڈیڈ، میرا بالکل بھی دل نہیں لگ رہا یہاں۔ یہاں پر سب اپنے اپنے کاموں میں بزی ہیں۔ مجھ سے تو کوئی بیٹھ کر بات بھی نہیں کرتا۔" وہ اپنے تئیں بہت سلجھے ہوئے انداز میں بولی۔ اُنہوں نے گہرا سانس بھر کر اُس کی طرف دیکھا۔

"بیٹا، اب آپ یہاں رہنے کی عادت ڈالو، اب آپ نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔"

"کیا مطلب ڈیڈ؟ کیا ہم واپس مما کے پاس نہیں جائیں گے؟" اُس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"شش... آج آپ کے منہ سے یہ بات نکلی ہے، آئندہ نہ نکلے۔ آپ بس یہ یاد رکھو کہ آپ کی کوئی ماں نہیں ہے اور نہ ہی آپ اُسے جانتی ہو۔ Got it?" بہرام خان نے شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھتے، سخت لہجے میں اُسے گویا باور کروایا تھا تو وہ لمحے بھر کو کانپ گئی۔ فوراً سر جھکا گئی۔

"میں نے پوچھا، آپ کو میری بات سمجھ آگئی ہے نا؟" اُسے خاموش دیکھ کر وہ اُس کا جبڑا نرمی سے تھام کر یقین دہانی کے انداز میں بولے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انارہ نے بھیگی آنکھوں سے اُنہیں دیکھتے ہوئے تیزی سے سر ہلا دیا۔

اُس کی فرمانبرداری پر بہرام خان مسکراتے ہوئے اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے اُسے اپنے ساتھ لگا گئے۔

انارہ خاموشی سے نظریں جھکائے اُن کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ اُس نے تیزی سے ایک آنسو کا گولہ حلق میں اُتار لیا۔ وہ کوئی شرارتی بچی نہیں تھی۔ وہ صرف بننے کی کوشش کرتی تھی، اِس لیے بہت دفعہ کرنج بھی لگتی تھی، لیکن یہ اُس کی مجبوری تھی کیونکہ یہ بھی بہرام خان کا آرڈر تھا۔ وہ شرارتی نہ تھی، لیکن معصوم ضرور تھی۔ اُسے اِس وقت صرف اپنی ماں چاہیے تھی جو اُسے سمجھ سکتی، لیکن وہ تو اُس کے پاس ہو کر بھی نہ تھی۔

بہرام خان تو پہلے بھی اُسے زینب کے پاس جانے نہیں دیتے تھے، پر وہ چھپ کر زینب کو دیکھ لیا کرتی تھی، لیکن اب تو وہ بھی آسرا نہیں تھا۔ اُس نے کہنی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ بہرام خان اُٹھ کر جا چکے تھے۔ وہ وہیں گم صم بیٹھی، زمین کو گھورتی رہی۔ آج تک

اپنی ماں کی آغوش کو اُس نے محسوس نہیں کیا تھا، پر وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ دل برداشتہ سی گھٹنوں کو فولڈ کرتے، چہرہ اُن میں چھپا گئی۔

☆..☆..☆..☆

حرم، جبران اور پری گل آگے پیچھے ہی حویلی میں داخل ہوئے۔ پری گل اور جبران اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ حرم نے اپنے کمرے کا رخ کرنے کی بجائے حویلی کی پچھلی سائیڈ پر موجود باغیچے کا رخ کیا۔ اُس کا دل تھا کہ کچھ دیر اکیلی بیٹھے، تنہا اور پُر سکون۔ اُس نے لاؤنج میں نظر دوڑائی جہاں خاصی خاموشی تھی۔ ملازم بھی کام سے فارغ ہو کر اپنے کوارٹرز میں جا چکے تھے۔ رات کا کھانا بنانے کے لیے وہ لوگ پانچ بجے واپس آتے اور اِس وقت چار بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

وہ تیز قدموں سے لان میں چلی آئی۔ سیڑھیوں سے اُترتی ہی، جیسے ہی نیچے پہنچی تو اُسے وہاں سیڑھیوں پر بیٹھا کوئی سگریٹ پیتا دکھائی دیا۔ اُسے لمحہ بھی نہیں لگا یہ پہچاننے میں کہ وہ شاہ میر ہے۔ فی الحال وہ اُس سے ملنا نہیں چاہتی تھی، اِس لیے وہیں سے واپس پلٹنے لگی، لیکن

بد قسمتی سے میجر صاحب قدموں کی آہٹ محسوس کر چکے تھے۔ جلدی سے سگریٹ پھینکتے، گردن موڑ کر دیکھا تو وہ حرم ہی تھی جو تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔

"فاطمہ!" اُس کے دوسرے سٹیپ پہ قدم رکھتے ہی اُس کے پیر کو بریک لگی۔ اُس نے آنکھیں میچ کر زبان دانتوں تلے دبائی۔ وہ جس چیز سے جتنا بھاگتی تھی، وہ اُسے اتنی ہی شدت سے اپنے حصار میں لے لیتی تھی۔

"کیا وہیں کھڑی رہو گی؟ آجاؤ یار، اب تو میرے پاس پرمٹ ہے آپ سے ملاقات کا!" شاہ میر کے شگفتہ لہجے نے حرم کو پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے ترچھی نظر سے شاہ میر کو دیکھا، جو صرف اُسے دیکھ رہا تھا۔ لبوں کو دانتوں سے کچلتے ہوئے، آہستہ آہستہ سیڑھیاں اُترتی، وہ شاہ میر سے ایک سٹیپ پہلے رک گئی۔

سیڑھیاں زیادہ چوڑی نہ تھیں، بمشکل ہی دو لوگ گزر سکتے تھے، لیکن بیٹھا جا سکتا تھا، وہ بھی بغیر فاصلے کے۔ شاہ میر نے ہاتھ بڑھایا۔ حرم نے پل بھر کے لیے سرمئی آنکھیں اُس پر جمائیں اور گہرا سانس بھر کر، اپنے مخروطی انگلیوں والا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ شاہ میر نے

مسکراتے ہوئے اُس کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں قید کیا اور تھوڑا سا کھسک کر بیٹھنے کی جگہ دی۔ حرم اپنی شور مچاتی دھڑکنوں کو قابو کرتے، دو سٹیپ مزید نیچے اُتر کر اُس کے ساتھ سیڑھی پر بیٹھ گئی۔

شاہ میر کے کندھے سے اُس کا کندھا مَس ہوا تو وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔ بھلے وہ مافیا ورلڈ کی ہو، لیکن آج تک اُس نے کسی غیر مرد سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ اُس کو شہرت اُس کی خوبصورتی کی وجہ سے نہیں، بلکہ اُس کی سفاکیت کی بنیاد پر ملی تھی۔

شاہ میر نے اُس کا لرزنا بخوبی محسوس کیا تھا، اِس لیے اپنے دائیں بازو کو آہستہ سے اُس کے سر کے پیچھے سے گزار کر دائیں کندھے پر رکھ دیا۔ یوں، اب وہ پوری طرح اُس کے حصار میں تھی۔ حرم نے اُس کا ہاتھ جھٹکنا چاہا، پر وہ نہ کر سکی۔ آج انجانے میں پھر سے اُس کے دل میں خواہش جاگی تھی کہ کاش وہ ایک عام سی لڑکی ہوتی تو شاہ میر کی محبت پہ سرشار ہو جاتی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا ہوا فاطمہ؟ اتنی نروس کیوں ہو رہی ہو؟"شاہ میر نے عام سے انداز میں کہتے ہوئے اُس کی پسینے سے تر پیشانی پر انگلی پھیری۔ چہرے پر گلابی گلال سا بکھرا تھا، جس سے وہ خود بھی انجان تھی۔ حرم نے بے یقینی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تو واقعی ہی پیشانی شبنم سے تر تھی۔

"نہیں تو...بالکل نہیں...میں ٹھیک ہوں۔"وہ جلدی سے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ آج پہلی بار اُس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ آئی تھی۔

شاہ میر نے اُسے اُٹھنے کی کوشش کرتے دیکھ کر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ حرم نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں محبت کے دیے جل رہے تھے۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی۔

شاہ میر نے اُسے اتنا نروس ہوتے دیکھ اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے اُسے اپنے حصار سے آزاد کر دیا اور اُٹھ کر ایک سٹیپ نیچے بیٹھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم نے بے ساختہ ایک پُر سکون سانس لی۔ اب وہ ذرا ریلیکس ہو گئی تھی۔ ایک ہاتھ اُس کا اب بھی شاہ میر کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ کیا ہے؟ میں نے نوٹ کیا ہے کہ آپ اِسے اُتارتی نہیں ہو۔" شاہ میر نے اُس کی گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ گول گلے والی قمیض سے کالی رنگ کی ڈوری جھانک رہی تھی۔

حرم نے جلدی سے سر جھکایا۔ اپنے گلے میں موجود ڈوری کو دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ شاہ میر نے گہری نگاہوں سے اُس کے ہونٹوں پر پھیلتی مسکان کو دیکھا۔

"آپ مجھے اِس کے بغیر دیکھو گے بھی نہیں۔"

"کیوں؟ ایسا بھی کیا ہے اِس میں؟" وہ تھوڑا جیلس ہو گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ کسی نے بہت محبت سے میرے گلے میں باندھی تھی جسے میں مرتے دم تک نہیں اُتار سکتی۔" وہ نم آنکھوں سے زمین کو دیکھتی، ڈوری پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ شاہ میر، اُس کی پلکیں جھکی ہونے کے باعث اُس کی آنکھوں میں بکھرے تاثرات نہ دیکھ سکا۔

"آخر کون ہے وہ؟" شاہ میر کا تجسس بڑھا۔

"میری جنت نے۔" دھیمی آواز میں، مختصر مگر خوبصورت جواب دیتے ہوئے وہ ماضی میں جا پہنچی تھی۔

"زینب، فاطمہ کہاں ہو تم دونوں؟" زائرہ بیگم نے گھر میں داخل ہوتے دروازے کو کنڈی لگاتے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ ڈرائنگ روم میں آتے اُنہوں نے خود پہ اوڑھی بڑی سی چادر کو اُتار کر صوفے پہ رکھتے زینب اور فاطمہ کو آواز دی۔

"جی ماما۔" زائرہ بیگم کی آواز پہ زینب اور فاطمہ آگے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

"زینب، جاؤ پانی لے کر آؤ۔" زینب سر ہلاتی جلدی سے کچن میں چلی گئی۔ زائرہ بیگم نے اپنے ہاتھ میں موجود بٹوے کو کھولتے اُس میں سے دو کالے رنگ کی ڈوریاں نکالیں۔ اتنے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میں زینب ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر آ گئی۔ زائرہ بیگم نے اُس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے گٹا گٹ پانی اپنے حلق میں انڈیلا۔ گرمی کی شدت سے اُن کا حلق تک سوکھ گیا تھا۔ پانی پی کر وہ کچھ رام ہوئیں تو زینب اور فاطمہ کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں آ کر زمین پہ بچھی چٹائی پہ بیٹھ گئیں۔

"زینب، آگے آؤ۔" زینب کھسک کر آگے ہوئی تو زائرہ بیگم نے جھک کر اُس کے گلے میں وہ کالی ڈوری ڈھیلی سی باندھ دی، پھر فاطمہ کے گلے میں بھی باندھی۔

"ماما جانی، یہ کیا ہے؟" زینب نے ناک سکوڑتے اُس ڈوری کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ سادہ اور بے حد معمولی۔

"یہ میں شاہ غازی کے مزار سے لے کر آئی ہوں۔ اِس کو کبھی اُتارنا مت، دیکھنا۔ اِس سے تم لوگ بری نظر سے بچو گی۔ ماشاءاللہ سے میری بیٹیاں ہیں بھی تو کتنی پیاری۔ اِس کو اُتارنا مت، سمجھی؟" وہ نرم لہجے میں بولتی آخری جملے پہ سختی سے تنبیہ کرتیں بولیں تو وہ دونوں تیزی سے اثبات میں سر ہلا گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شام کو جب منان اور حنان ٹیوشن سے آئے تو اُنہیں بھی زائرہ بیگم نے وہی کالی ڈوریاں باندھ دی تھیں۔

"فاطمہ، کہاں کھو گئی ہو؟"شاہ میر کی آواز نے اُسے ماضی سے باہر نکالا۔

اُس نے پلکیں جھپکیں، آنکھیں بند کیں اور ذہن سے یادوں کو جھٹک کر شاہ میر کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کہیں نہیں... آپ سمو کنگ کر رہے تھے؟"شاہ میر اچانک اُس کے سوال پر گڑبڑا گیا۔

"نہیں، میں تو بس دھوئیں کا ٹیسٹ لے رہا تھا۔"وہ جو منہ میں آیا بول گیا۔"سوری، بہت گندا جوک تھا۔"وہ کچھ خفت زدہ ہوا تھا اُسے سنجیدہ دیکھ کر۔ حرم نے اُسے تیکھی نظروں سے گھورا۔

"پلیز، تم ایسے مت دیکھا کرو۔"وہ مچلا۔

"کیوں؟ کیوں نہ دیکھوں؟"وہ اُسے ہنوز گھور رہی تھی۔

"وہ مجھے شرم آتی ہے۔" وہ جلدی میں بول گیا اور حرم شاک میں چلی گئی۔ اُس نے آنکھیں پھیلائیں، پھر گردن پیچھے پھینک کر زور سے ہنس دی۔

شاہ میر بس مبہوت سا اُسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اِس قدر ہنس رہی تھی کہ اُس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ بالوں کی دو لٹ دائیں گال پر جھول رہی تھیں۔ شاہ میر بس اُس کے ٹھوڑی پر پڑنے والے گڑھے کو دیکھ رہا تھا، جو بالکل مدھم سا تھا، لیکن چمک اُس کی سفید روشنی کی مانند تھی۔

کاش وہ اِن پلوں کو ہمیشہ کے لیے روک لیتا۔ اُس نے بے ساختہ ہاتھ بڑھایا اور شہادت کی انگلی سے اُس گڑھے کو چھوا۔ حرم کی کھنکنے والی ہنسی رک گئی۔ وہ آنکھیں نیچے کیے اپنی ٹھوڑی پر شاہ میر کی انگلی کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے دباؤ بڑھا کر دیکھا تو تھوڑا سا وہ گڑھا پھر سے واضح ہو گیا، لیکن یہ اُسے بالکل بھی پسند نہیں آیا۔

"فاطمہ، ایک بار پھر سے مسکراؤ۔" شاہ میر نے نرم لہجے میں کہا، لیکن حرم سُن سی بیٹھی رہی، اُس کے دل میں گھنے اور اُلجھے ہوئے خیالات کا طوفان تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آخر وہ اُٹھ کر اوپر کی طرف دوڑی۔ وہ مزید وہاں رکتی تو شاید اپنی پہچان ہی کھو بیٹھتی۔ شاہ میر نے مسکراتے ہوئے اُس کی پشت کو دیکھا جو لمحوں میں غائب ہو گئی۔ وہ دل کھول کر قہقہہ لگا دیا۔ آخر وہ ایک مشرقی لڑکی ہی تھی جس کا دل اپنے میر کے نام پہ دھڑکنے لگا تھا۔ شاہ میر نے مسکراتے ہوئے اپنی شہادت کی انگلی کو اپنے دل کے مقام پر رکھا، جہاں اب بھی اُس سرمئی آنکھوں والی لڑکی کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

زارون آج دوپہر ہی کو حویلی آ گیا تھا۔ اُس کا پلان پریشے کو آؤٹنگ کروانے کا تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی، دوبارہ باہر نہیں نکلی تھی۔ زارون کمرے میں داخل ہوا تو اُس کی نظر کمفرٹر میں دبک کر سوتی پریشے پر پڑی۔ بھورے بال تکیے پر پھیلے ہوئے تھے، ایک ہاتھ گال کے نیچے اور دوسرا بیڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ اُسے خاصی بے ترتیب انداز میں سونے کی عادت تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زارون نے اپنا اوورکوٹ اُتار کر دیوار پر لگے اسٹینڈ پر ٹانگا اور آہستگی سے اُس کے قریب آیا۔ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھتے ہی اُس نے پریشے کا نیچے لٹکتا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ مجال تھی جو اُس کی نیند میں ذرا سا بھی خلل آیا ہو۔ اُس کے ہاتھ پر لگی مہندی کے نقش و نگار ابھی بھی خاصے واضح تھے اور ساتھ کلائی میں پہنی گلابی چوڑیاں۔ زارون نے بے ساختہ اُس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر بوسہ دیا۔ تھوڑا آگے کھسکتے ہوئے اُس نے پریشے کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ نیند میں کسمسا گئی۔

"پری... پری اُٹھو یار، شام کے پانچ بج رہے ہیں۔" وہ دھیرے دھیرے اُس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔

پریشے نے مندی مندی آنکھیں کھول کر زارون کی طرف دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گال کے نیچے رکھ کر دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ اُسے پھر سے نیند میں جاتا دیکھ کر زارون نے دوبارہ پکارا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پری، اُٹھ جاؤ شاپنگ پہ چلتے ہیں... اور دیکھو، واپسی پہ تمہاری پسند کی ونیلا فلیور آئس کریم بھی کھائیں گے۔" آئس کریم کا نام سننا تھا کہ پریشے کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ وہ جھٹکے سے کمفرٹر ہٹا کر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ بالوں کو جلدی سے جوڑے میں لپیٹتے ہوئے وہ فوراً سیدھی ہو گئی۔

"چلیں زار!" وہ بولی تو زارون نے حیرت سے اُس کی پھرتی دیکھی۔ ابھی تو وہ اُٹھ ہی نہیں رہی تھی اور اب اچانک نیند سے بوجھل آنکھوں سمیت وہ آئس کریم کھانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"اُف! اِن لڑکیوں کا آئس کریم سے اوبسیشن!" زارون نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا کر خود سے کہا۔

"ہاں، چلو۔ جلدی سے جا کر تیار ہو جاؤ اور پلیز، چادر ضرور اوڑھ لینا۔ نقاب نہ سہی، کم از کم چادر ہی سہی۔" وہ نرم لہجے میں بولا تو پریشے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ڈریسنگ روم کی طرف

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

چلی گئی۔ زارون بھی وارڈروب سے بھوری شلوار قمیص نکال کر واش روم میں چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں دونوں باہر جانے کے لیے بالکل تیار تھے۔

زارون نے بھوری شلوار سوٹ پہنے، مخملی کنی والی نیوڈ شال اوڑھ رکھی تھی اور ہاتھ میں گھڑی پہن رہا تھا۔ پریشے لائٹ گرین شلوار قمیص پہنے، بڑی سی بوٹل گرین پشیمہ شال اوڑھے، مکمل تیار کھڑی تھی۔ مسکراتے ہوئے دونوں کمرے سے باہر نکلے۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی زارون کی نظر اسماہ خانم، زوبیہ خانم اور زارا پر پڑی، جو رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ زارون، پریشے کا ہاتھ تھامے، اسماہ خانم کے قریب آیا۔

"مورے، میں اور پریشے باہر جا رہے ہیں۔ رات کا کھانا ہم باہر ہی کھائیں گے۔" زارون نے مؤدبانہ انداز میں اطلاع دی۔ اسماہ خانم نے محبت سے سر ہلاتے، دونوں کے سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تو وہ دونوں باہر کی جانب بڑھ گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارا نے اُنہیں جاتے دیکھا تو سوچا کہ آج وہ باران سے کہے گی کہ اُسے بھی کہیں گھمانے لے چلے۔ وہ ویسے بھی کبھی کہیں نہیں گئی تھی، حالانکہ گھومنے کا شوق بہت تھا۔ زیرِ لب مسکراتے، وہ اپنی سوچ پر خود کو داد دینے لگی۔ اسماہ خانم نے زارا کو مسکراتے دیکھا تو بے ساختہ اپنے بچوں کے لیے دعا کرنے لگیں۔ "یارب، اِن کی خوشیاں قائم رہیں، دائم رہیں۔"

☆..☆..☆..☆

"میں دو کون کھاؤں گی... نہیں بلکہ تین!" پریشے کی کھنکتی آواز پر زارون، جو گاڑی سے اُتر کر آئس کریم پارلر کی طرف جا رہا تھا، رک گیا۔ اُس نے پلٹ کر گھور کر اُسے دیکھا۔

"تین؟ تین کھاؤ گی تو صبح تک حلق سے آواز بھی نہیں نکلے گی۔ شرافت سے ایک ہی کھاؤ، پرسوں میں تمہیں دوبارہ لے آؤں گا۔" وہ بولا تو پریشے نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، میں نے تین کھانی ہیں۔ بھئی، ایک آئس کریم کون کھاتا ہے؟"

"میں کھاتا ہوں، وہ بھی ایک! اِس لیے ایک کھاؤ۔"

"نہیں، تین!" وہ ضدی انداز میں بولی، لیکن سامنے بھی ضد کا بادشاہ بیٹھا تھا۔

"ایک۔"

"تین!"

"ایک۔"

"اچھا، نہ آپ کی، نہ میری۔ دو! بس، بات ختم!" وہ زارون کو مانتا نہ دیکھ کر، عقلمندی سے فیصلہ سنا گئی۔

زارون نے مزید بحث مناسب نہ سمجھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو ہاتھ میں تین آئس کریم کون تھیں۔ ایک اپنے لیے، دو پریشے کے لیے... کم از کم یہی ارادہ تھا، لیکن آئس کریم کی شوقین وہ نیلی آنکھوں والی لڑکی، "چیک کر رہی ہوں، چیک کر رہی ہوں" کہتے کہتے اُس کی آئس کریم بھی نپٹا گئی!

زارون نے بے یقینی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا، جس میں اب صرف خالی کون رہ گئی تھی۔

"پری، میں اِس خالی کون کا کیا کروں؟"زارون کی بے یقینی بھری آواز پر، پریشے نے لبوں پر زبان پھیرتے کندھے اچکائے۔ اُس نے خالی کون سے نظریں ہٹا کر اُس کی طرف دیکھا، جو اب مزے لے لے کر اپنی آئس کریم کھا رہی تھی۔ اُسے اپنی جانب تکتا پا کر، وہ ہلکا سا رخ ترچھا کر گئی، تاکہ اُس کی آئس کریم چھپ جائے۔ زارون نے بے بسی سے ہاتھ میں پکڑی خالی کون کو دیکھا، پھر وہی کھالی۔

خیر اُس کی پری نے کھائی یا اُس نے، فرق ہی کیا تھا؟(پتا نہیں خان حویلی کی بہوئیں اتنی چٹوری کیوں تھیں؟)وہ مسکرایا۔

شاپنگ ہو چکی تھی، آئس کریم بھی ختم، اب رخ تھا ایک ریسٹورنٹ کا۔ پریشے کے کہنے پر پہلے آئس کریم پارلر آ گئے تھے، لیکن زارون کو کیا خبر تھی کہ وہ صرف آئس کریم سے ہی پیٹ بھر لے گی۔ اُس نے ایک نگاہ اپنی خوش باش پری پر ڈالی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ڈنر کے بعد اُنہیں سیدھا حویلی جانا تھا، کیونکہ رات کے کالے سائے پھیل چکے تھے اور زیادہ دیر حویلی سے باہر ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"خانم، آج حویلی میں کافی خاموشی ہے، باقی سب کہاں ہیں؟" ربان خان نے کھانے کی میز پر خالی کرسیاں دیکھتے ہوئے زوبیہ خانم کی طرف دیکھا۔

"خان، زارون اپنی بیوی کو لے کر باہر گیا ہے، موسیٰ کام سے گیا ہے، باران کا بھی میٹنگ تھا، وہ بھی نکلا ہوا ہے۔ ارمان اپنے کمرے میں ہے، انارہ جلدی سو گئی، بہرام لالا اور داور لالا بھی حویلی میں نہیں۔ اِسی لیے تمہیں سناٹا لگ رہا ہے۔" زوبیہ خانم نے خالی کرسیوں پر نظر دوڑاتے ہوئے تفصیل سے بتایا تو ربان خان سر ہلا کر رہ گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کچھ دیر بعد زرمینے اور پری گل بھی آ گئیں، زارا زوبیہ خانم کے ساتھ والی کرسی پر جا بیٹھی، ربان خان سربراہی کرسی پر جبکہ حیدر خان اُن کے دائیں جانب موجود تھے۔ سب مل کر کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے بعد جب سب لاؤنج میں آ بیٹھے تو زارون اور پریشے کی آمد ہوئی۔ دونوں سیدھے لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔

زارون نے اپنے برابر میں پریشے کو بٹھایا اور خود شاہ میر کی طرف جھکا۔

"لالا، فوٹیج کے بارے میں کچھ پتا چلا؟ کب تک ملے گی؟" اُس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

"کوشش کر رہا ہوں، مگر تم جانتے ہو، کیمرے جس علاقے میں لگے ہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ اِس لیے مشکل ہو رہی ہے۔" شاہ میر نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

زارون نے بھنویں اُچکائیں۔ "کون؟"

"بالاج... بالاج دراب خان۔"

"آپ پریشان نہ ہوں، میں کوشش کرتا ہوں، شاید مجھے رسائی دے دیں۔" زارون نے اعتماد سے کہا تو شاہ میر نے اثبات میں سر ہلایا۔ یہ اُن سب کا اصول تھا، کسی کے علاقے میں اجازت کے بغیر دخل اندازی نہیں کی جاتی۔ اگر باران ہوتا تو کہاں اصول؟ وہ تو سیدھا اُس کی حویلی جا

گھستا۔ وہ ابھی باتوں میں تھے کہ زارون کا فون بج اُٹھا۔

"لالا،ایک منٹ..."زارون نے فون جیب سے نکال کر کال ریسیو کی۔اسکرین پر ان نون نمبر تھا۔اُس نے اُلجھتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"ہیلو؟جی؟لیکن آپ کون؟کیا؟"زارون کی آواز اچانک چیخ میں بدل گئی اور وہ جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔سب چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔اُسی لمحے ارمان بھی سیڑھیاں اُترتا ہوا نیچے آرہا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم؟کہاں سے بات کر رہے ہو؟ایڈریس دو،میں آرہا ہوں!"اُس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔شاہ میر نے فوراً اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا ہوا؟"اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

"لالا...موسیٰ لالا کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے...اور...اور گاڑی پر گولیاں بھی چلیں!"زارون کے لہجے میں ہانپتی ہوئی بے بسی تھی۔

Clubb of Quality Content

پری گل نے چونک کر گردن موڑ کر ارمان کو دیکھا۔ وہ ترچھی مسکراہٹ کے ساتھ اُسی کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا سانس جیسے سینے میں اٹک کر رہ گیا۔ وہ غصے سے بھری، تن فن کرتی ہوئی سیدھی ارمان کے پاس گئی اور جاتے ہی اُس کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ اگر میرے لالا کو کچھ ہوا تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی!" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔ ارمان گڑبڑا گیا، سب لوگ حیرت سے پری گل کو دیکھنے لگے، جو اُس کا گریبان جھنجھوڑ رہی تھی۔

"گل بیٹا، یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ایسا کچھ نہیں ہے، چھوڑو ارمان کو۔" ربان خان فوراً اُس کے قریب آئے اور نرمی سے ارمان کا گریبان اُس کے ہاتھوں سے چھڑایا۔

شاہ میر نے عجیب نظروں سے پری گل کو دیکھا، وہ آخر کیا کہہ رہی تھی؟

"تایا جان! آپ کو نہیں پتا، اِسی نے کیا ہے یہ سب! میرے لالا کو مارنے کی کوشش اِسی نے کی ہے! اور اِسی نے ش...!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"خان بابا، شاید گل کی طبیعت ٹھیک نہیں، اِسی لیے ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔" ارمان نے فوراً بات کاٹی۔

حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ پہلی بار گل کو بھابھی کے بجائے صرف "گل" کہہ رہا تھا، مگر اِس پہ کسی نے دھیان نہ دیا۔ زارا اسماہ خانم کے پاس کھڑی تھی، حیرانی سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ شور سن کر حرم اور جبران بھی اپنے کمروں سے نکل آئے۔

"لالا، پلیز، چلیے۔" زارون نے شاہ میر کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ فوراً سا تھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں تیزی سے باہر نکلنے لگے، مگر باہر سے آتے موسیٰ کو دیکھ کر جیسے سب کی سانسیں تھم گئیں۔ وہ نیوی بلو پینٹ کوٹ میں ملبوس، بالکل سلامت سامنے کھڑا تھا۔

"لالا!" پری گل اُسے دیکھتے ہی دوڑ کر اُس کے سینے سے جا لگی۔ موسیٰ نے پریشان ہو کر اُس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھا، پھر باقی سب کو، جو اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

ارمان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ حرم نے اُسے قہر بھری نظروں سے گھورا۔

"کیا ہوا ہے؟ آپ سب مجھے اِس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟ اور گل، تمہیں کیا ہوا میرے بچے؟" موسیٰ نے پری گل کو بانہوں میں لیتے ہوئے زارون اور شاہ میر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"شکر ہے اللہ کا، لالا، آپ ٹھیک ہیں۔ مجھے ایک ان نون نمبر سے کال آئی تھی، ایک آدمی نے کہا کہ آپ کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور اُس پر فائرنگ بھی ہوئی!" زارون تیزی سے بولتا اُس کے قریب آ گیا۔

"ہاں، ہم سب تو بہت ڈر گئے تھے۔ شاید کسی نے پرینک کال کی ہو۔" شاہ میر نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ مگر موسیٰ کے چہرے کا رنگ اُڑ چکا تھا۔

"لیکن میری گاڑی تو باران لے کر گیا ہے۔" اُس کے یہ الفاظ سن کر جیسے پوری خان حویلی میں زلزلہ آ گیا ہو۔ حیدر خان لڑکھڑا کر رہ گئے۔ اسماء خانم، جو ابھی تک کھڑی تھیں، دھپ سے صوفے پر گر گئیں۔ شاہ میر کی سانس جیسے رک گئی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو موسیٰ؟!" وہ غصے اور خوف سے لرزتے ہوئے موسیٰ کے پاس آیا۔

"ہاں شاہ۔ باران کی گاڑی خراب ہو گئی تھی، اُسے ضروری کام تھا اِس لیے وہ میری گاڑی لے کر گیا ہے۔" وہ بولا تو سب ہی بدحواس ہو گئے۔ وہ جو لمحے کا سکون بھرا سانس لیا گیا تھا، وہ جان کا یکدم ہی وبال بن گیا۔

زارا کے کان سائیں سائیں کرنے لگے، اُسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک تیز درد کی لہر سر میں اُٹھی اور وہ اچانک ہی لہرا کر زمین پر گری۔ شور کی آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا تو زارا کا بے ہوش وجود زمین پر پڑا تھا۔ اُسی پل زارون، شاہ میر، موسیٰ اور حیدر خان حویلی سے نکل گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ارمان بس بے یقینی سا کھڑا رہا، پھر عجلت میں اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"زارا... زارا بچے، آنکھیں کھولو!" اسماہ خانم رونا بھول کر زارا کی طرف بڑھیں جو بے جان سی زمین پر پڑی تھی۔ مرد وہاں سے جا چکے تھے۔ پری گل اور زرمینے زارا کو سہارا دے کر اُس کے کمرے میں لے گئیں۔ حرم اپنی پیشانی کو دو انگلیوں سے مسلتے ہوئے اپنے

کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جبران بھی شاہ میر کے پیچھے چلا گیا تھا۔ جبہ خانم، سائرہ کے ساتھ اپنی بہن کی طرف گئی ہوئی تھیں، اگر وہ یہاں ہوتیں تو الگ ہی واویلا مچ جاتا۔ زوبیہ خانم اور اسماہ خانم لاؤنج میں ہی بیٹھی روتے ہوئے تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ اُن کی جان گویا حلق میں اٹکی تھی۔ وہ مزید کوئی بڑا نقصان سہنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

ارمان تیزی سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ لاک کر دیا۔ پھر سائیڈ ٹیبل کی طرف بڑھا۔ دراز کھول کر وہاں سے ایک چھوٹا سا بٹنوں والا موبائل نکالا جو سوئچ آف تھا۔ اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے جلدی سے اُسے آن کیا۔ پیشانی پسینے سے تر تھی، جسے وہ بائیں ہاتھ کی پشت سے بار بار پونچھ رہا تھا۔ موبائل آن ہوتے ہی اُس نے چمکتی اسکرین پر مضطرب آنکھیں گاڑے کسی نمبر پر کال ملائی، جو پہلی بیل پر ہی اُٹھا لی گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مجھے بس اتنا بتاؤ، کتنی گولیاں ماری ہیں؟"سامنے والے کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ارمان دھیمی آواز میں غرایا۔اُس کی سانسیں دھونکنی کی مانند چل رہی تھیں۔باران سے وہ بے حد محبت کرتا تھا،اُسے نقصان پہنچانے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اِس حویلی میں اُسے صرف دو لوگوں سے غرض تھی:ایک پری گل اور دوسرا باران۔باران نے آج تک اُس کی ہر چھوٹی بڑی خواہش کو پورا کیا تھا۔وہ زیادہ اُس کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔

"باس، تین گولیاں ماری تھیں۔"ابھی اسپیکر سے بس اتنی ہی آواز اُبھری تھی کہ اُس کے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا۔ہڑبڑا کر اُس نے بات پوری سنے بغیر ہی موبائل آف کر کے بیڈ کے نیچے پھینک دیا۔وہ نوکیا کا موبائل تھا،ٹوٹنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس نے جلدی سے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیرتے ہوئے اپنی بدحواسی چھپانے کی کوشش کی، پھر گہرا سانس لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ کھولا تو سامنے پری گل لال انگار بنی آنکھوں سے کھڑی تھی۔

اندر داخل ہوتے ہی اُس نے ایک زوردار تھپڑ ارمان کے منہ پر دے مارا۔ چٹاخ کی آواز نے ارمان کے ہوش سلب کر دیے۔ یہ ایک ہی دن میں اُسی انسان سے پڑنے والا دوسرا تھپڑ تھا۔ اُس کی مجبوری تھی کہ پلٹ کر وار نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے زرا سا چہرہ ترچھا کیا اور اُن آگ برساتی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی نقاب کیے ہوئے تھی۔

وہ حویلی میں شاہ میر، باران اور زارون سے بھی پردہ کرتی تھی، جن کا لحاظ کرتے وہ اُس کی طرف نگاہ تک نہیں اُٹھاتے تھے، لیکن ارمان تو اُس کی آنکھوں پر دل ہار بیٹھا تھا۔ شہزاد کے قتل پر جب وہ بے حجاب اُس کے سامنے آئی تو وہ اپنے دل سے ہر اختیار کھو بیٹھا تھا۔ اُس نے چپکے سے پری گل کے کمرے کی بالکنی کی چابی چرا لی تھی، جس سے وہ اکثر اُس کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سونے کے بعد بالکنی سے کمرے میں آ کر اُسے نہارا کرتا تھا، جو کہ ایک نازیبا اور گری ہوئی حرکت تھی۔

"بے غیرت انسان! تم مر کیوں نہیں جاتے؟ تم نے میرے... میرے لالا پر حملہ کروایا! تمہیں شرم نہیں آئی؟ تم اُنہیں لالا کہتے ہو اور اُسی لالا کو مارنے چلے تھے، خبیث انسان!" پری گل نے اُس کا گریبان جکڑ کر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھاڑ ماردی۔ وہ یہ سوچ سوچ کر مرنے کو تھی کہ اگر گاڑی میں موسیٰ ہوتا تو... اُس کے آگے وہ سانس لینا بھول جاتی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"گل، آرام سے بات کریں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ پری گل کا بازو تھامتے ہوئے بولا تو پری گل نے اُس کا ہاتھ کسی اچھوت کی طرح جھٹک دیا۔ اُس کا یوں جھٹکنا ارمان کے اندر اشتعال بھر گیا۔

"طبیعت مائے فٹ! تم دیکھنا، ابھی میں جا کر سب کو بتاتی ہوں اور دیکھنا، پھر سب تمہیں مار مار کر پولیس کے حوالے کریں گے!" وہ پاگل ہونے کو تھی۔ چٹکی بجا کر کہتی جانے کے لیے پلٹی تو ارمان نے تیزی سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور پری گل جھٹکا کھا کر مڑی۔

"گل، سوچنا بھی مت۔ پہلے ہی آپ ایک فرد کو بتا چکی ہیں اور اُس کا نتیجہ بھی دیکھ چکی ہیں۔ آگے آپ کوئی اور نقصان سہہ نہیں سکیں گی۔" وہ تاریک لہجے میں بولا۔ پری گل کی رنگت فق ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے کیسے پتا چلا، پر اگلے ہی پل اُس کی حیرت دور کر دی گئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ کے کپڑوں میں مائیکرو چپ لگی ہے۔ آپ کے کمرے، ڈریسنگ روم اور جو جو جگہ آپ کے زیرِ استعمال ہے، وہاں ایک چپ موجود ہے۔ آپ کسی سے کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ یاد رکھنا، میرے کان اور آنکھیں ہر وقت آپ کی حرکات پر جمی ہوئی ہیں۔" یہ وارخاصا خطرناک تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کس مصیبت میں پھنس گئی تھی؟

اُس کا اعتماد پل بھر میں ڈگمگا گیا، لیکن پھر خود کو مضبوط رکھتے ہوئے بولی، "میں پھر بھی سب کو بتاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے، جائیے۔ جا کر بتائیے... لیکن ایک منٹ! آپ کی بات کو مانے گا کون؟ آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیا کوئی یقین کرے گا؟ چلیں، ساری باتیں چھوڑیں، ابھی میں سب کو آواز دے کر یہاں بلا لوں تو آپ کیا جواب دیں گی کہ رات کے اِس پہر آپ میرے کمرے میں کیا کر رہی ہیں؟" وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی افسوس کرتے ہوئے بولا اور پری گل کی نظروں سے مکمل گر گیا۔ وہ اُس کے کردار پر انگلی اُٹھا سکتا تھا۔ اصل خوف اب پری گل پر طاری ہوا۔ اُس نے بغیر اُس کی طرف دیکھے باہر بڑھنا چاہا، لیکن وہ اُس کا راستہ روک گیا۔

"جواب دے کر جائیے پہلے!" وہ سنجیدگی سے بولا اور بازو حائل کر گیا۔

یہ وقت سمجھداری کا تھا، بے وقوفی کا نہیں۔ وہ جلد بازی سے سب برباد نہیں کرنا چاہتی تھی... اور واقعی، کس کو اُس کی بات کا یقین آتا؟ بغیر کسی ثبوت کے؟ اُس کا دماغ تیزی

سے تانے بانے بن رہا تھا۔ ارمان نے اُسے سوچوں میں گم دیکھ کر چٹکی بجائی تو وہ جھٹ سے ہوش میں آ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پھر حلق تر کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، لیکن اب تم میرے لالا کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔" ارمان کے لبوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ اُس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا تو وہ ایک حقارت بھری نگاہ اُس پر ڈالتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

ارمان کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں آنے تک اُس کے دماغ میں بس یہ چل رہا تھا کہ کسی بھی طرح وہ ارمان کو سچ کے سامنے لائے گی۔ کمرے میں آتے ہی اُس نے پورے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ ارمان سے اُسے کچھ بعید نہیں تھا کہ شاید اُس نے کیمرہ بھی لگا رکھا ہو، اِس لیے وہ اپنے کمرے میں رکنے کے بجائے زرمینے کے روم کی سمت بڑھ گئی۔ زرمینے نیچے اسماہ خانم کے پاس تھی، اِس لیے وہ سکون سے اُس کے کمرے میں آ بیٹھی۔ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا جتنا اُس نے سوچا تھا۔ چہرے سے نقاب ہٹاتے ہوئے اُس نے گہرا سانس بھرا اور خود کو پُرسکون کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے اِس بارے میں حرم ادی سے بات کرنی چاہیے، لیکن نہیں، وہ کیا کر سکتی ہے؟ وہ تو ایک عام سی لڑکی ہے اور ویسے بھی ابھی ابھی اُن کا نکاح ہوا ہے۔ میری وجہ سے وہ کسی پریشانی میں پھنس سکتی ہے۔ پھر شاہ لالا سے...ہاں، مجھے اُن سے بات کرنی چاہیے۔ وہ ضرور میری بات کو سمجھیں گے۔ لالا کو بھی تو بتا سکتی ہوں، لیکن میرے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے، کوئی بھی اتنی بڑی بات پر یقین نہیں کرے گا...اور پتا نہیں باران لالا کیسے ہوں گے۔" اُس کا دماغ پوری طرح اُلجھ چکا تھا...اور پھر باران کی بھی کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ وہ بری طرح ارمان کے لفظوں کے جال میں پھنس چکی تھی۔

Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

شاہ میر، زارون اور حیدر خان تیزی سے بھاگتے ہوئے ہاسپٹل کے کوریڈور میں پہنچے۔ حیدر خان کی رنگت زرد پڑ چکی تھی، بار بار چلتے ہوئے اُن کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ زارون نے اُنہیں تھمنے کو کہا اور خود ریسپشن کی طرف بڑھا۔

"ایکسکیوز می، ابھی کچھ دیر پہلے ایک ایکسیڈنٹ کیس آیا ہے، بتا سکتی ہیں کون سے روم میں ہے؟" زارون کی آواز میں ایسی عجلت تھی کہ نرس خود گھبرا گئی۔

"ویٹ سر، میں چیک کر کے بتاتی ہوں۔" نرس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر حرکت کرنے لگیں۔ اُس نے رک کر زارون کی طرف دیکھا۔

"سر، پیشنٹ نیم؟"

"باران... باران حیدر خان۔"

زارون کے جواب پر نرس نے اثبات میں سر ہلایا اور نظریں اسکرین پر گاڑھ دیں۔

"سر، روم نمبر 156۔" وہ بول ہی رہی تھی کہ زارون فوراً پلٹا اور حیدر خان اور شاہ میر کی طرف بڑھا۔ اُنہیں ساتھ لیے وہ فرسٹ فلور پر آیا۔ جیسے ہی وہ روم نمبر 156 کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، وہاں موجود ڈاکٹر اور نرس چونک گئے۔

"ایک منٹ، آپ لوگ کون ہیں؟" ڈاکٹر حیرت سے بولا۔

"ڈاکٹر، یہ میری فیملی ہے۔"

باران کی آواز سن کر حیدر خان جلدی سے اُس کے قریب آئے۔ بیڈ کے سامنے ڈاکٹر کے کھڑے ہونے کی وجہ سے وہ اُسے دیکھ نہیں سکے تھے، لیکن جیسے ہی باران کو صحیح سلامت دیکھا، اُن کی جان میں جان آئی۔ وہ اِس وقت گرے پینٹ اور سینڈو میں ملبوس تھا۔ ایک سفید شرٹ بیڈ کے سائیڈ پر رکھی تھی، جس پر خون کے نمایاں دھبے تھے۔ گولی اُس کے کندھے کو چھو کر گزری تھی۔ شاہ میر اور زارون خاموشی سے وہیں کھڑے تھے، جبکہ ڈاکٹر اُس کے بازو کی ڈریسنگ کر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"گولی صرف کندھے کو چھو کر گزری ہے، اِس لیے فکر کی کوئی بات نہیں۔ اب یہ گھر جا سکتے ہیں۔" ڈاکٹر نے ہدایت دے کر کمرہ چھوڑ دیا۔

شاہ میر اور زارون فوراً باران کے قریب آئے، جو بیڈ کی ٹیک سے پشت لگا کر بیٹھا تھا۔ اُس کے بازو کے علاوہ پیشانی، گال، ہاتھ اور گردن پر بھی خراشیں آئی تھیں۔ اگرچہ گولی سطحی لگی تھی، مگر زخم گہرا تھا، اِس لیے احتیاط ضروری تھی۔

"لالا، آپ کو زیادہ درد تو نہیں ہو رہا نا؟"زارون کی آواز رندھ گئی۔باران نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔انستھیزیا کی وجہ سے وہ فوری طور پر درد محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"باری، یہ سب کیسے ہوا؟اور تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"شاہ میر نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

حیدر خان وہیں کرسی پر بیٹھے خاموشی سے اُن تینوں کو تکے جا رہے تھے۔اچانک کسی کے گلا کھنکارنے کی آواز پر وہ تینوں کمرے کے ایک کونے کی جانب متوجہ ہوئے،جہاں دو افراد سکون سے بیٹھے کافی نوش کر رہے تھے۔

شاہ میر،زارون اور حیدر خان نے پہلے باران کو دیکھا،پھر بالاج اور اشعر کی طرف چونک کر نگاہ کی،جو بے فکری سے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"زارون غصے سے دھاڑا اور بالاج کی طرف بڑھا۔اُسے گمان تھا کہ باران پر حملہ بالاج نے ہی کروایا ہو گا،لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ حملہ باران پر نہیں،موسیٰ پر ہونا تھا اور باران محض اتفاقاً موسیٰ کی گاڑی میں موجود تھا۔

"ہاتھ مت اُٹھانا۔تمہیں تو میرے ہاتھ چوم کر میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ میں نے تمہارے سڑے کریلے لالا کو بچا لیا!"بالاج نے انگلی اُٹھا کر خبردار کرتے ہوئے کہا۔زارون کے قدم رک گئے،شاہ میر اور حیدر خان بھی حیران تھے۔

"کیا مطلب؟تم؟"شاہ میر نے حیرت سے پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

رات کی تاریکی ابھی مکمل نہیں چھائی تھی،مگر چونکہ ٹھنڈ کا موسم اور ہائی وے کا سنسان ماحول تھا تو سناٹا طاری تھا۔وقتاً فوقتاً تیز رفتار گاڑیاں گزرتیں،جو سناٹے میں خلل ڈال جاتیں۔اُنہی میں ایک سفید پراڈو گاڑی باران ڈرائیو کر رہا تھا۔گرے کوٹ فرنٹ سیٹ پر

رکھا تھا، سفید ٹی شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئی تھیں، سنہری آنکھیں فرنٹ مرر پر گاڑے، وہ برق رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اُسے جلد از جلد حویلی پہنچنا تھا۔

سارا دن میٹنگز کی تھکن اُسے بے حال کر چکی تھی، اب بس وہ نرم بستر میں کمبل اوڑھ کر سو جانا چاہتا تھا۔ زارا سے تھوڑا خفا بھی تھا، صبح سے وہ باہر تھا اور رات ہو چکی تھی، لیکن اُس نے ایک بار بھی فون کر کے خیریت نہیں پوچھی تھی۔ اگرچہ وہ سطحی ذہنیت کا مالک نہیں تھا، لیکن اُسے بااعتماد لڑکیاں پسند تھیں۔ قسمت سے ایک وجود اُس کی زندگی سے جُڑ چکا تھا اور اب وہ اُسے اپنی پسند کے مطابق نکھارنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا زارا ایسی لڑکی بنے جو اپنے حق کے لیے ڈٹ کر بات کرے، نہ کہ چھوئی موئی سی ڈری سہمی شخصیت ہو۔

اِنہی سوچوں میں گم وہ اسٹیرنگ سنبھالے ہوئے تھا کہ اچانک کسی نے اُس کی گاڑی کو پیچھے سے زور سے ٹکر مار دی۔ وہ چونک کر ہوشیار ہوا۔ فوری طور پر اُس نے بیک کیمرے کا بٹن دبایا، اسکرین پر ایک بلیک وین نظر آئی، جو پھر سے گاڑی کو ٹکر مار گئی۔ باران نے بمشکل گاڑی کو قابو میں رکھا۔ سڑک صاف تھی، مگر دونوں طرف جھاڑیاں تھیں۔ اگر گاڑی بے

قابو ہوتی تو سیدھی سڑک سے نیچے جا گرتی۔ اُس نے جلدی سے گیئر بدلا اور اسپیڈ بڑھا دی۔ اب وہ جان بوجھ کر گاڑی کو زگ زیگ چلا رہا تھا تاکہ پیچھے والے کنفیوز ہو جائیں۔ تبھی وین کی کھڑکی سے ایک شخص نے فائر کیا، جو گاڑی کے بیک مرر پر لگا۔ خوش قسمتی سے یہ موسیٰ کی گاڑی تھی، بلٹ پروف۔

باران نے فوراً جھک کر اپنے بوٹ سے پستول نکالا، سائیڈ کا شیشہ تھوڑا نیچے کیا اور فائرنگ شروع کر دی۔ اُس کے ایک فائر نے دشمن کا فرنٹ مرر چکنا چور کر دیا اور ساتھ ہی ڈرائیور بھی مارا گیا۔ یہ سب کچھ گاڑی کے بیک کیمرے میں ریکارڈ ہو رہا تھا۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ جھاڑیوں سے ایک اور گاڑی نکل کر سامنے سے آ گئی اور زوردار ٹکر کے ساتھ باران کی گاڑی کو اُلٹ دیا۔ گاڑی کے ایئر بیگ کھلنے سے وہ بچ گیا، لیکن پھر بھی خاصی خراشیں آئیں۔ جب وہ بمشکل گاڑی سے نکلا تو وین دوبارہ سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اُس کے پاس اسلحہ نہ تھا، موبائل بھی گاڑی میں رہ گیا تھا۔ وہ ابھی صورتحال سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ نقاب پوش نے اُس کے بازو پر گولی چلا دی۔

باران نے دانت پیستے، خون بہتے، تکلیف سے سُن پڑتے بازو کے ساتھ حملہ آور پر جھپٹنے کی کوشش کی، مگر اِس سے پہلے کہ مزید کچھ ہوتا، عقب سے کسی نے حملہ آور کو دھکیل کر زمین بوس کر دیا۔ وہ بالاج تھا، جو مسلسل اُس پر مُکے برسا رہا تھا اور اشعر خاموشی سے گاڑی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اُن آدمیوں کو ٹھکانے لگاتے بالاج نے ہانپتے ہوئے لاپرواہی سے پوچھا، جیسے معمول کی بات ہو۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور مجھے بچانے کا مطلب؟" باران نے براہِ راست سوال کیا، مگر اُس نے بات گول کر دی۔

"چلو، ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔" وہ اُس کا سوال نظر انداز کرتا اب بھی لاپروائی سے بولا اور باران کو گاڑی میں بٹھا کر قریبی ہسپتال لے آیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران کی بات سنتے ہی سب نے سکھ کا سانس لیا۔ شکر تھا کہ بالاج وہاں پہنچ گیا، ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔ گولی کے زخم سے کہیں زیادہ خطرناک وہ لمحے تھے جن میں دشمن کا ارادہ واضح ہو چکا تھا۔

"بیٹا، تمہارا بہت شکریہ۔ تم نے ہمارے مشکل وقت میں جو مدد کی ہے، ہم یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔" حیدر خان کا لہجہ تشکر آمیز اور دلی تھا۔ بالاج نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکایا۔ کچھ ہی دیر میں باران کو ڈسچارج کر دیا گیا۔ وہ جانے کے لیے اُٹھا ہی تھا کہ بالاج کی آواز نے اُسے روک دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سنو۔" سب کی نظریں بیک وقت بالاج پر مرکوز ہو گئیں۔

"زارا میری بہنوں جیسی ہے۔ میں نے صرف اُس کے لالچی باپ سے بچانے کے لیے اُسے اپنی منگیتر کہا تھا۔ میرے لیے وہ ہمیشہ عزت کا

درجہ رکھتی ہے۔ تمہارے دل میں جو بھی غلط فہمی یا نفرت ہے، بہتر ہے اُسے ختم کر دو۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا، مگر کمرے میں کچھ پل کے لیے سناٹا چھا گیا۔

"ہمم..." باران نے مختصر سا ہونٹوں میں سے نکالا اور بغیر کوئی واضح ردِ عمل دیے کمرے سے باہر نکل گیا۔ شاہ میر بھی اُس کے پیچھے چل دیا۔

حیدر خان نے بالاج کے پاس آتے ہوئے نرمی سے اُس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ایک بار پھر شکریہ اور یاد رکھنا، خان حویلی کے دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ جب چاہو آسکتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے وہ آہستگی سے باہر نکل گئے۔

"کل میرے ہاسپٹل آنا، مجھے تم سے کچھ کام ہے۔" زارون نے جاتے جاتے بلند آواز میں کہا تو بالاج نے خفگی سے اُسے گھورا۔

"جسے کام ہو، وہ خود آئے۔" یہ سن کر زارون گہری سانس بھرتے تیز قدموں سے لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

نیچے پارکنگ لاٹ میں باقی سب اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ موسیٰ اور ربان خان، جو پولیس انکوائری مکمل کروا چکے تھے، پہلے ہی حویلی واپس جا چکے تھے۔ اب اُن کا بھی رخ حویلی کی

Clubb of Quality Content

جانب تھا۔ باران نے جیسے ہی گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو زارون نے فوراً دروازہ کھولا اور اُسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ اُس کی بچکانہ حرکت پہ باران سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

شاہ میر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔ گاڑی کے اندر خاموشی تھی، مگر وہ خاموشی باران کے محفوظ ہونے کے اطمینان سے لبریز تھی۔

یہ رات کئی راز کھول گئی تھی اور کئی دلوں کی گرہیں کھولنے کا پیش خیمہ بننے والی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مورے... مورے! وہ لالا کا فون آیا تھا، باران لالا بالکل ٹھیک ہیں، وہ لوگ بس آ ہی رہے ہیں!" زرمینے بھاگتی ہوئی آئی اور اسماہ خانم سے خوشی سے چہکتے ہوئے بولی۔ اُس کا سانس پھولا ہوا تھا، مگر خوشی چہرے پر چھلک رہی تھی۔

"یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر!" اسماہ خانم نے بے اختیار چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اُن کی آنکھوں میں سکون کا رنگ اُتر آیا تھا۔ زوبیہ خانم نے بھی نم آنکھوں کو صاف

کرتے ہوئے اُن کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھا۔ وہ دونوں کچھ دیر پہلے تک رو رہی تھیں اور اب خوشی سے ایک جگہ بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ رات کے گیارہ بجنے والے تھے، لیکن حویلی کا ماحول دن کی طرح چہل پہل بھرا ہوا تھا۔ زرمینے نے باران کی خیریت کی خبر حویلی میں اِس رفتار سے پھیلائی جیسے کوئی کبوتر سندیسہ لے کر آیا ہو۔ حرم، جبران اور پری گل بھی لاؤنج میں آچکے تھے۔ چونکہ رات خاصی ہو چکی تھی اور حرم کا شاہ میر سے پردہ تھا، اسماہ خانم نے اُسے آرام کرنے کا کہا۔ حرم نے بھی اُن کی بات مناسب سمجھی اور اپنے کمرے کی راہ لی۔ البتہ جبران، جو اُن کے ساتھ جانا چاہتا تھا، شاہ میر نے اُسے یہ کہہ کر روک لیا کہ وہ خود ابھی اپنے

کام سے تھکا ہارا آیا ہے، اِس لیے وہ حویلی میں ہی رکے۔

اِدھر ارمان کو جب باران کے خیریت سے ہونے کی خبر ملی تو جیسے دل میں سکون کا پہلا سانس اُترا۔ وہ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اپنی بدحواسی چھپاتا نیچے آیا، جہاں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسماہ خانم بار بار بے صبری سے دروازے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ باقی سب صوفے پر بیٹھے آپس میں باتوں میں مشغول تھے۔ اچانک اسماہ خانم کو کچھ یاد آیا۔

"گل بچہ، تم نے زاراکو دیکھ لیا تھانا؟ وہ ٹھیک ہے؟" اُنہیں فکر تھی کہ کہیں باران یہ نہ سمجھے کہ اُس کی غیر موجودگی میں اُس کی بیوی کا خیال نہیں رکھا گیا۔

"جی ممانی، میں نے چیک کر لیا تھا، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ بس اچانک ملنے والے اسٹریس کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی، میں اُسے انجیکشن لگا آئی ہوں، کچھ وقت میں ہوش آجائے گا۔" پری گل کے جواب پر اسماہ خانم نے سکون کا سانس لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ارمان سیڑھیوں کی ریلنگ سے پشت ٹکائے، سینے پر بازو باندھے پری گل کو دیکھ رہا تھا، جو زرمینے کے پاس بیٹھی کچھ کہہ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد جیسے ہی گاڑی کے ہارن کی آواز گونجی، سب کھڑے ہو گئے۔ اسماہ خانم تو بے اختیار دروازے کی جانب لپکنے کو ہوئیں۔ اگلے لمحے، سب ایک ساتھ اندر داخل ہوئے اور اسماہ خانم باران کے قریب پہنچتے ہی اُس کا چہرہ چومنے لگیں۔ اُن کی آنکھیں پل بھر میں نم ہو گئی تھیں۔ آج اُنہیں زوبیہ خانم کا درد پوری شدت سے

محسوس ہوا تھا۔ اولاد کھونے کا خوف... مگر زوبیہ کا درد اِس سے بھی بھاری تھا، کیونکہ وہ یہ صدمہ جھیل چکی تھیں۔

باران نے ماں کو روتا دیکھ کر بائیں بازو کو اُن کے گرد لپیٹا، اُنہیں اپنے ساتھ لگایا اور نرمی سے اُن کی ہتھیلیاں تھام کر چوم لیں۔

"امارا بچہ! ماں صدقے، یہ کیا ہوا ہے؟" اسماہ خانم نے اُس کی شرٹ پر خون کے دھبے دیکھ کر بے اختیار تڑپتے ہوئے کہا۔

"مورے، کچھ نہیں ہے، بس کچھ خراشیں ہیں اور کچھ نہیں۔ وہ دیکھیں، وہ دونوں جل بھن رہے ہیں۔" باران نے اُن کا دھیان ہٹانے کے لیے ہنستے ہوئے شاہ میر اور زارون کی طرف اشارہ کیا، جو صوفے پر براجمان، آنکھیں سکیڑے ماں بیٹے کا پیار دیکھ رہے تھے۔ اسماہ خانم نے اُن کی طرف دیکھا تو دونوں نے مصنوعی منہ بسور لیے۔

"مورے! اتنا تو آپ تب نہیں روئی تھیں جب میرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور اِس کے لیے آپ کے آنسو رک نہیں رہے!" شاہ میر نے خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ٹھیک کہہ رہے لالا، لگتا ہے ہمیں ایدھی کے جھولے سے اُٹھایا گیا ہے!" زارون نے بھی اپنی طرف سے لقمہ دیا تو حیدر خان نے گھور کر دونوں کو دیکھا۔ ربان خان، حیدر خان کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر اپنی ہنسی دبا گئے۔ محض لمحے بھر میں تناؤ کا ماحول خوشگوار ہو چکا تھا۔

"گدھے کی اولاد! اِدھر آؤ تم دونوں، میں بتاتا ہوں کہ کہاں سے اُٹھایا ہے تمہیں!" حیدر خان کے غرانے کی دیر تھی، وہ دونوں سیدھے ہو گئے۔ بھول ہی گئے تھے کہ باپ بھی یہیں موجود ہے۔

"تایا جان، دیکھ لیں، میں نے تو بابا کو کچھ نہیں کہا، یہ خود ہی مجھے کہہ رہے تھے، اب میں کیا کروں؟" شاہ میر معصومیت سے پلکیں جھپکاتا بولا۔ پہلے تو کسی کو اُس کی بات کی سمجھ نہ آئی، جب آئی، تب تک وہ فرار ہو چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"منحوس انسان! واپس آ، تجھے بتاتا ہوں!" حیدر خان اُس کے پیچھے دھاڑے لیکن شاہ میر اپنے کمرے میں غائب ہو چکا تھا۔ باران نے نگاہ دوڑائی تو اُسے سب نظر آئے، سوائے اُس کے جسے سب سے پہلے وہاں ہونا چاہیے تھا۔

"چلو اب اپنے کمرے جاؤ، بہت رات ہو گئی ہے۔ زوبیہ، آؤ۔" ربان خان نے باران کو اِدھر اُدھر دیکھتے پایا تو اُٹھ کر سب کو کمرے جانے کا کہا اور زوبیہ خانم کو آواز دی۔ باران نے زرمینے کی پیشانی چومتے ہوئے اُٹھنے کی تیاری کی، جو اُس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"مورے، وہ کہاں ہے؟" باران نے سادہ لہجے میں پوچھا۔ شاید اُسے زارا کا نام لینا عادت نہ تھی۔

"وہ بچہ اپنے کمرے میں ہے، بے ہوش ہو گیا تھا پر اب ٹھیک ہے، باقی تم خود دیکھ لو۔" اسماہ خانم اُسے بتاتی ہوئیں حیدر خان کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

زارون اور موسیٰ تو شاہ میر کے پیچھے ہی اپنے کمروں کو جا چکے تھے اور جبران بھی مہمان خانے کی طرف چلا گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بے ہوش؟"باران نے حیرت سے پری گل کو دیکھا تو اُس نے زارا کی حالت کے بارے میں مکمل تفصیل دے دی۔ پری گل کی بات سن کر باران نے گہرا سانس لیا اور ہلکے سے سر ہلاتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ اب صرف پری گل، زرمینے اور ارمان ہی لاؤنج میں باقی رہ گئے تھے۔

"مینے!"زرمینے کو جاتے دیکھ کر پری گل نے اُسے روکا۔

"جی دیدہ؟"

"میں آج تمہارے ساتھ سو جاؤں؟ میرے کمرے میں کاکروچ ہے۔"

"جی دیدہ، آجائیں۔"زرمینے جانتی تھی کہ دیدہ کو کاکروچ سے ڈر لگتا ہے، اِس لیے اُس نے بلا سوال خوش دلی سے اجازت دی۔

ارمان نے ترچھی مسکراہٹ سے اُن دونوں کو دیکھا۔ وہ اُس سے ڈر چکی تھی۔ تنفر سے لبریز سوچ کے ساتھ اُس نے سر جھٹکا اور چھت کا رخ کیا۔ اُسے آج ایک اہم میٹنگ کرنی تھی۔

بہت جلد وہ داور اور بہرام خان کی کرسی سنبھالنے والا تھا اور پھر وہ ڈارک ویب کا بے تاج بادشاہ بننے والا تھا اور تب، کوئی اُس کا کچھ نہ بگاڑ پاتا۔ اُس پل صرف تباہی ہونی تھی۔

☆..☆..☆..☆

باران نے کمرے کا دروازہ کھولا تو نگاہ سب سے پہلے بیڈ پر چت لیٹی زارا پر پڑی۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تھی، چہرے پہ بے قراری اور تھکن

نمایاں تھی۔ باران بے اختیار اُس کی جانب بڑھا لیکن پھر رُک گیا۔ اُس کی نگاہ اپنی خون آلود شرٹ پر پڑی۔ ایک لمحہ خود پر نگاہ ڈالنے کے بعد وہ الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے واش روم کی جانب بڑھ گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ واپس آیا، تولیہ بالوں میں پھیرتے، فریش اور صاف لباس میں ملبوس۔ اُس نے چوٹ کی وجہ سے صرف اسپنج باتھ لیا تھا۔ وہ شخص جسے صفائی اور ترتیب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اب وہ آہستہ قدموں سے زارا کے قریب آیا، بیڈ پر اُس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔

اب بھی اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے مدھم نشانات باقی تھے۔ آنکھوں کے نیچے ہلکی سرخی اور ناک و گالوں پر بھی سوجن کا سا ہلکا اثر تھا۔ باران نے گہری سانس لی اور نرمی سے اُس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں، جو تھوڑے اُلجھے ہوئے تھے، پھر جھک کر آہستہ سے اُس کی پیشانی پر لب رکھے۔ ایک ایسا لمس جو صرف اپنائیت اور تحفظ دے سکتا تھا۔ آج وہ پورے یقین سے کہہ سکتا تھا، یہ لڑکی اُس کا سکون تھی۔

لمس کے اثر سے زارا نے کسمساتے ہوئے پلکیں کھولیں اور فوراً ہی بند کر لیں۔ باران نے دیکھا، اُس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔ وہ ہوش میں آ رہی تھی۔ زارا نے دوبارہ آہستگی سے پلکیں اُٹھائیں۔ نگاہیں جیسے ہی سامنے پڑیں، وہ سیدھی سنہری آنکھوں میں جا ٹھہریں... وہ آنکھیں جو صرف اُسے دیکھ رہی تھیں۔

"سائیں..." وہ زیرِ لب سرگوشی کرتے ہوئے بولی اور اپنا ہاتھ اُٹھا کر باران کے گال پر رکھا۔

باران کو لمحہ بھر نہ لگا یہ سمجھنے میں کہ وہ اب بھی نیم بے ہوش ہے۔

"جی،سائیں کی جان۔"باران نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔زارا کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔اُس نے بے یقینی سے باران کو دیکھا... کیا واقعی وہ یہاں ہے؟یہ خواب نہیں؟

اچانک وہ اُٹھ بیٹھی اور پوری قوت سے اُس کے سینے سے لپٹ گئی،جیسے صدیوں بعد ملی ہو۔ اونچی آواز میں روتی زارا کو باران نے پلک جھپکنے میں اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔چوٹ کا درد اب بھی موجود تھا،لیکن اِس پل میں وہ سب بھول گیا۔اُس کے بالوں سے اُٹھتی مہک، اُس کے آنسو،اُس کی کپکپاہٹ... سب باران کے دل میں اُتر رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سائیں... سائیں... میں ڈر گئی تھی۔مجھے لگا... آپ... آپ..."وہ ہچکیاں لیتی،بے ربط جملے بولتی رو رہی تھی۔

"لڑکی،میں ٹھیک ہوں۔دیکھو،بالکل ٹھیک ہوں۔"باران نے اُس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو وہ دوبارہ اُس کے کندھے پر سر رکھ گئی،لیکن اِس بار وہ دایاں کندھا

تھا،جہاں گولی لگی تھی۔باران کے اندر درد کی ایک تیز لہر اُٹھی، لیکن اُس نے بمشکل اپنے لب بھینچ کر کراہ کو روکا۔

"جب اُنہوں نے کہا... کہ آپ پر گولیاں چلی ہیں تو جیسے میری سانس رک گئی ہو... میرا دل... کسی نے پیروں تلے روند ڈالا ہو..." وہ اِس پل میں مکمل طور پر کھل گئی تھی،بنا کسی خوف کے،صرف اپنے دل کی آواز بولتی ہوئی۔باران، جو کبھی اُسے بے وقوف،جذباتی اور نادان سمجھتا

تھا،اب اُس کے لفظوں میں کھو گیا تھا۔یہ وہی لڑکی تھی جسے وہ ہمیشہ کمزور سمجھتا رہا اور آج وہ اُس کے دل کی گہرائی سن رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں... اور پلیز،رونا بند کرو... میری شرٹ گیلی ہو گئی ہے۔" باران کی بات پر زارا نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔وہ رو رہی تھی... اور اُسے اپنی شرٹ کی فکر تھی؟ اُس کے ہونق چہرے کو دیکھ کر باران نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔دل تو کر رہا تھا کہ کھل کر ہنسے،لیکن خود پر قابو رکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سائیں! آپ کو... اپنی شرٹ کی فکر ہے؟" زارا نے صدمے میں ڈوبی آواز میں پوچھا۔

باران نے مظلوم سی صورت بنا کر ہاں میں سر ہلایا۔ زارا کی آنکھوں میں غصہ اُبھرا، اُس نے کمفرٹر ہٹایا اور جلدی سے بیڈ سے اُتر گئی۔

"میں روتی رہ گئی، کھانا بھی نہیں کھایا، کہ یہ آئیں گے تو ساتھ کھاؤں گی... اور اُنہیں تو میری فکر ہی نہیں! بھوک کے مارے بی پی لو ہو گیا اور یہاں... کسی کو پرواہ ہی نہیں!" وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی شال اُٹھا رہی تھی۔

باران کچھ سمجھ نہ پایا، پھر اُس کی بڑبڑاہٹ سن کر بے اختیار ہنس دیا۔

زارا نے پلٹ کر دیکھا، باران قہقہہ لگا رہا تھا۔ اُس کا خون کھول گیا۔ شال اوڑھی اور بنا کچھ کہے دروازہ کھول کر چلی گئی۔

باران "ارے رکو" کہتا رہ گیا، مگر وہ جا چکی تھی۔ شاید واقعی بھوک لگی تھی، ورنہ اتنے وقت وہ کبھی باہر نہ جاتی۔ باران نے سائیڈ ٹیبل سے کتاب اُٹھائی، بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائی اور

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مطالعہ شروع کیا ہی تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ فوراً کتاب چہرے پر رکھ کر یوں لیٹ گیا جیسے گہری نیند میں ہو۔

زارا ہاتھ میں کھانے کی ٹرے لیے اندر آئی۔ ڈش صوفے کے قریب میز پر رکھی اور بیڈ کے پاس آئی، جہاں باران سویا ہوا تھا۔ کیا واقعی سو گئے؟ وہ بے یقین سی اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خود ناراض ہو کر گئی تھی، لیکن اُسے منانے کے بجائے وہ سو گیا؟ اُس کی آنکھوں میں نمی اُبھری۔ شاید وہ اپنی حیثیت سے زیادہ توقعات باندھ بیٹھی تھی۔

(احساسِ کمتری انسان کو بہت کمزور بناتی ہے۔ ایسے لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ زارا بھی اُنہی میں سے تھی۔ اُنہیں ٹاکسک نہیں، بلکہ بے حد معصوم کہا جا سکتا ہے۔) وہ لب کچلتے، بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

اُس کے ہاتھ سے کتاب ہٹائی، وہ اب بھی سو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سوتے ہوئے کتنے پیارے لگتے ہیں، بالکل شہزادوں کی طرح..." زارا نے نرمی سے اُس کی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور باران کا دل دھڑک اُٹھا، لیکن وہ اب بھی چہرے پر کوئی تاثر نہ لایا۔

"اِن کی پلکیں کتنی لمبی ہیں... میری تو اتنی بھی نہیں۔" وہ اُس کی پلکوں کو انگلی سے چھوتے ہوئے بولی۔ وہ اندر ہی اندر مسکرا رہا تھا، لیکن اگلی بات نے اُسے ساکت کر دیا۔

"آپ کو پتا ہے... جب مجھے پتا چلا کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے... تو دل ایسے دھڑکا کہ لگا باہر آجائے گا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔ آپ کے سوا میرا ہے ہی کون؟ کسی کو میری پرواہ ہی نہیں... بابا کو لالا سے محبت تھی، اِس لیے مجھے چھوڑ کر اُسے بچایا... مورے کو بابا کی فکر تھی، اِس لیے مجھے جانے دیا... سب کو اپنی فکر تھی۔ پر میری... کسی نے بھی کبھی نہیں کی۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا، 'فکر' کیا ہوتی ہے، پھر آپ ملے۔ آپ ہی تھے جس نے مجھے احساس دیا۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اُنہیں مجھ سے محبت ہو جائے؟ نہیں... کبھی نہیں۔" یہ کہتے ہوئے وہ خود ہی ہنس دی، وہ ہنسی جس میں دکھ گھلا ہوا تھا۔ باران سے ضبط نہ ہوا تو اُس نے یکدم اُسے کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

زارا چونک گئی۔ کیا مطلب... وہ جاگ رہا تھا؟

"سائیں کی جان، محبت تم سے خاک کرنی ہے... بھوک تو تمہاری ختم ہی نہیں ہوتی!" باران نے آنکھیں کھولتے، اُس کے گال کو چھوتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ زارا کا دل یکدم پگھل گیا۔ شکر کہ اُس نے بقیہ باتیں نہیں سنیں... یا شاید... باران نے جان بوجھ کر یہ ظاہر کیا کہ وہ سو رہا تھا، تاکہ زارا شرمندہ نہ ہو۔

"ہاں تو انسان کو بھوک لگے تو وہ کھانا بھی نہ کھائے؟" زارا نے خفگی سے کہا۔

"یہ بتا دو، تمہیں کب بھوک نہیں لگتی؟ تب میں محبت کر لوں گا۔" باران نے آنکھیں سکوڑیں، زارا نے معصومیت سے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چلو آؤ، کھانا کھائیں۔ پھر میں تمہارا علاج کرتا ہوں۔" باران نے کہا تو زارا کان کی لُو تک سرخ پڑتی، نظریں چرا گئی۔ اُس کی معصومیت پر باران کے قہقہے سے کمرے کی فضا گونج اُٹھی تھی۔

☆..☆..☆..☆

اگلے دن رات کے کھانے کے بعد سب اپنے کمروں میں جا چکے تھے اور شاہ میرا کیلا لان میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اپنے کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے، سر جھکا کر دھیمے قدموں سے ٹہل رہا تھا، جیسے کسی گہری سوچ میں کھویا ہو۔ آج دوپہر کو چیف نے اُسے ہیڈ کوارٹر بلایا تھا اور ایک نئے مشن کے لیے تعینات کیا تھا۔ وہ مشن اُس کا سب سے اہم اور خطرناک مشن تھا۔ اُسے کرسٹل کوئین کو پکڑنا تھا۔ کرسٹل کوئین مافیا کی دنیا میں ایک معروف اور خوفناک نام تھا۔

اِس کیس پر کسی پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں تھا۔ اِس سے پہلے بھی تین ٹیمیں اُسے پکڑنے کے لیے لگائی گئی تھیں، مگر وہ سب ناکام رہیں۔ اب ایک خاص اور تجربہ کار آئی ایس آئی کی ٹیم

بنائی گئی تھی، جس کی قیادت شاہ میر کو سونپی گئی تھی۔ یہ کیس جتنا آسان دکھتا تھا، حقیقت میں اتنا مشکل تھا۔ پہلی ٹیم کا ایک اہلکار کرسٹل کے کرسٹل ہاؤس میں ملازم بن کر جاسوسی کرتا رہا، مگر ہاتھ کچھ نہ آیا۔ وہ کرسٹل کوئین کا اصلی چہرہ تک نہیں دیکھ پایا تھا۔ وہ ایک قابل اور تربیت یافتہ افسر تھا، لیکن پھر بھی پکڑا گیا۔ حیران کن بات یہ تھی کہ کرسٹل کوئین نے اُسے زندہ سلامت

واپس بھیج دیا تھا، ساتھ میں ایک خط بھی تھا، جس پر لکھا تھا۔

"کرسٹل کسی بے گناہ کو نہیں مارتی۔ اگر آئندہ کسی کو میری جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تو اُس کی لاش آٹھ ٹکڑوں میں لوٹائی جائے گی۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے قابل افسران کے بچے یتیم ہوں۔ والسلام، کرسٹل کوئین۔"

یہ خط جب پڑھ کر سنایا گیا تو سب حیرت زدہ رہ گئے۔ اٹلی مافیا کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی اور وہ بھی ایک مسلم لڑکی! یہ اُن کے لیے سب سے بڑا جھٹکا تھا۔ اُس نے اُن پر حملہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کرنے کے بجائے سلامتی بھیجی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ پہلے کسی افسر نے جاسوسی نہیں کی تھی، لیکن پکڑے جانے پر اُنہیں شہید کر دیا گیا تھا۔

شاہ میر کا دماغ اُلجھا ہوا تھا۔ کرسٹل کوئین نے کبھی کسی بے گناہ کو نقصان نہیں پہنچایا، مگر وہ ایک خطرناک ڈرگ ڈیلر تھی۔ اُس نے بڑے بڑے مافیا مین کے قتل کیے تھے، جن کے سر پر کروڑوں کے انعامات تھے۔ وہ اتنی طاقتور تھی کہ مافیا کا نقشہ اپنی مرضی سے بدل دیتی تھی۔

چیف نے اُسے ایک خاص ہدایت دی تھی۔

"شاہ میر، میں چاہتا ہوں کہ تم اُسے سرنڈر کرنے پر مجبور کرو۔ ہم اُسے چند سال قید میں رکھیں گے اور پھر اپنے ایک آئی ایس آئی ایجنٹ کے طور پر استعمال کریں گے۔ وہ لڑکی ہر فن میں ماہر ہے۔ جو قتل اُس نے کیے ہیں، وہ فوراً معاف ہو جائیں گے کیونکہ وہ مجرم تھے، لیکن اُس کی ڈرگ ڈیلنگ کی جڑیں بہت گہری اور خطرناک ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے کام کرے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ باتیں یاد کرتے ہوئے شاہ میر بے حد پریشان تھا۔اُنہیں اُس کی ٹارچر کی کہانیاں معلوم تھیں اور وہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی کتنی بڑی آزمائش سے گزرے گی اور پھر ہر بار اُس کا اُسے بچانا...وہ اِسی سوچ میں گم تھا کہ اچانک جبران تیزی سے اُس کی سمت آتا نظر آیا۔

"جبران، سب ٹھیک ہے؟ تم ابھی تک کیوں جاگے ہو؟"شاہ میر نے اُسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"شاہ، ہمیں ابھی یونان کے لیے نکلنا ہو گا۔ میری کمپنی میں بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔"

"ہم؟"شاہ میر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں، حرم میرے ساتھ جائے گی۔ آدھا کاروبار اُس کے نام پر ہے، اُسے وہاں ہونا ضروری ہے۔"یہ سن کر شاہ میر کچھ دیر کے لیے خاموش رہا، پھر اُمید سے بھرے لہجے میں پوچھا،"کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ نہ جائے؟"جبران نے غور سے شاہ میر کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں ایک عجیب تاثر تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں، اُس کے بغیر کام ممکن نہیں ہے۔" شاہ میر نے سوچا، آج سے چھ دن بعد اُس کی شادی تھی، پھر وہ مکمل اُس کی دسترس میں آجائے گی۔ کل ہی وہ مشن کے لیے نکلنے والا تھا اور واپسی شادی سے دو دن پہلے ہو گی۔ سب کچھ منصوبہ بندی کے مطابق تھا۔

"ٹھیک ہے، تم لوگ چلے جاؤ۔ میں باقی سب کو بتا دوں گا... لیکن اِس بار کام مکمل کر کے آنا۔ میں دوبارہ فاطمہ کو اکیلے نہیں جانے دوں گا، وہ

جب بھی جائے گی، میرے ساتھ ہی جائے گی۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا۔

جبران نے گہری سانس لیتے ہوئے سر ہلایا اور اندر چلا گیا، جس کے پیچھے شاہ میر بھی تھا۔

جبران کے مہمان خانے میں بنے کمرے میں پہنچ کر شاہ میر نے حرم فاطمہ کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ بغیر دروازہ کھٹکھٹائے اندر داخل ہوا تو حرم بیگ کی زپ بند کر رہی تھی۔ جینز اور ٹاپ میں ملبوس، اوپر ہیوی جیکٹ پہنے ہوئے، کیونکہ باہر پھر سردی زوروں پر تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر کچھ نہ کہہ سکا، پلٹا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ ہاتھ میں شاپنگ بیگ لیے واپس آیا۔

وہ اپنا بیگ زمین پر رکھے اور اپنا پرس دیکھ رہی تھی کہ اچانک کسی کا سایہ دیکھ کر رک گئی۔ نظریں اُٹھائیں تو شاہ میر سامنے کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ حرم کے دل میں کچھ چُبھ گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں محبت اور اعتماد تھا، جسے وہ کئی بار روند چکی تھی۔ وہ اُس کی سرمئی آنکھوں میں دیکھتا ہوا دھیمے قدموں سے قریب آیا۔

"جا رہی ہو؟" اُس نے سوال کیا۔ حرم نے ہلکے سے سر ہلایا، جیسے گلے میں کچھ اٹک گیا ہو۔

"مجھے یاد کرے گی؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ حرم نے بے ساختہ سر ہلایا، جس پر شاہ میر کے لبوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ آئی۔

"واپس آئے گی؟" یہ وہ سوال تھا، جس کا حرم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ نظریں چرا گئی۔ وہ یہ کہہ نہ سکی کہ اُس کی زندگی کا کوئی پتا نہیں ہوتا کب ختم ہو جائے۔

شاہ میر نے خاموشی سے اُس کا نظریں ہٹانا دیکھا، لیکن کچھ نہ کہا۔ خاموشی سے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپنگ بیگ کھولا اور ایک خوبصورت سی شال نکالی۔ دو قدم اور قریب آ کر اُس کے گرد ہاتھ پھیلایا اور شال اُس کے کندھوں پر اُڑھا دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم بے اختیار آنکھیں بند کر کے اُس کی خوشبو میں گہری سانس کھینچ گئی، جیسے ایک طویل سانس لے کر اُسے اپنی رگ و پے میں قید کرنا چاہتی ہو۔

"زیادہ کچھ نہیں مانگوں گا، بس اتنا خیال رکھنا کہ تم میری عزت ہو اور اِس سے بڑھ کر اعتبار۔ میں لوگوں کو اعتبار کی ڈور تھماتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ ٹوٹ نہ جائے۔ بس اِس ڈر کو کبھی سچ مت ہونے دینا۔" وہ اُس کے سر پر چادر اوڑھاتے، اُس کا چہرہ ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا، پھر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

حرم کے آنسو گرے تھے، باہر نہیں، اندر، سیدھے دل پر، جیسے تیزاب برس گیا ہو۔ وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بہت بڑی غلطی کر چکی ہے، وہ جانے انجانے میں اِس سچے انسان کے جذبات کے ساتھ کھیل گئی تھی۔

شاہ میر نے اُس کے چہرے کو دیکھا، جہاں صرف کرب تھا اور وہ کرب وہ سمجھ نہ سکا۔ لہٰذا دھیرے سے اُس کے گرد ہاتھ رکھ کر اُس کا سر اپنے سینے پر رکھ دیا۔ حرم سختی سے لب بھینچ کر اُس کے ساتھ لگ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لمحے گزرے، ایک، دو، تین... اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دونوں فوراً پیچھے ہوئے اور دروازے کی طرف دیکھا جہاں پر جبران کھڑا تھا، نظریں نیچی کیے۔

شاہ میر مسکرا دیا، پھر اُنہیں پورچ تک چھوڑ کر گیا۔ جبران گاڑی میں بیٹھنے لگا تو شاہ میر نے اُسے روک کر کہا، "اُس کا دھیان رکھنا۔ میرا دل تمہاری بہن کے ساتھ جا رہا ہے، اُسے کچھ ہونے مت دینا۔" شاہ میر کی بات جبران کو دہلا گئی۔ وہ کچھ نہ کہے، گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی زن سے خان حویلی کے دروازے کو عبور کرتی چلی گئی۔ شاہ میر بے تاثر آنکھوں سے اُس اوجھل ہوتی گاڑی کو دیکھتا رہا، ایسا محسوس ہوا جیسے وہ گئی تو دل خالی ہو گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

حرم نے چوپر میں بیٹھتے ہی سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔ جیک، جازب کے پاس چلا گیا تھا۔ وہ اِس وقت اپنے پرائیویٹ کیبن میں تنہا بیٹھی تھی۔ آنکھوں پر وہ مخملی شال رکھے، خود کو اندر سے بالکل خالی محسوس کر رہی تھی۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ تو ہمیشہ سے آدم بیزار تھی، درد سے شناسا، دکھوں سے ہم آغوش، مگر اب، ایک انوکھا خلا تھا جو اُس کے اندر جنم لے رہا تھا۔ چوپر فضا میں بلند ہوتا ہوا اٹلی کی سمت رواں تھا۔ کل کا دن اُس کی زندگی کا سب سے اہم دن تھا۔ کل وہ داور خان کو ختم کرنے والی تھی۔ اُسی داور خان کو، جو اُس کی بربادی کا سبب بنا تھا۔

کل وہ ڈارک ویب کے بادشاہ "بلڈی پوائزن" سے ملاقات کرنے والی تھی، جسے وہ داور خان سمجھ رہی تھی، جبکہ اصل میں وہ بہرام خان تھا... اور اِس حقیقت سے کرسٹل کوئین اب تک ناواقف تھی۔ کل کا دن صرف فیصلہ کن نہیں بلکہ تباہ کن بھی تھا۔ ایسی تباہی جو ہر سمت آگ پھیلا دے گی، روح کو جھلسا دینے والی آگ۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ پھر کبھی شاہ میر سے مل پائے گی یا نہیں؟ کیا وہ اُسے دوبارہ دیکھ سکے گی؟ کیا وہ دوبارہ جیے گی؟ وہ موت کے کھیل میں قدم رکھ چکی تھی۔ ایسا کھیل جہاں ہر موڑ پر زندگی کی بازی لگتی ہے۔ کیا کل کا دن کہانی میں کوئی نیا موڑ لائے گا؟ کچھ معلوم نہیں۔ ہاں،

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بس اتنا معلوم ہے کہ اُس کی آنکھوں پر رکھی شال بھیگ چکی تھی، جو صاف ظاہر کرتا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

"چیک کرو، زندہ ہے یا مر گیا؟" ارمان نے اپنے ملازم سے کہا اور خود کرسی گھسیٹ کر اُس پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

ملازم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے زمین پر بے ہوش پڑے سفیر خان کے وجود کو ہلایا۔ سفیر ہلکا سا کسمسایا اور آنکھیں کھولیں۔ سامنے ارمان کو دیکھتے ہی اُس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ ایڑیوں کے بل سرکتا ہوا دیوار سے جا لگا۔ ارمان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے غور سے دیکھا۔ پھٹا پرانا لباس، گرد آلود بال، کمزور وجود۔ سفیر کی آنکھوں میں صرف خوف تھا اور وہ خوف بجا تھا۔

شاہ میر، باران اور زارون نے بھی اُسے مارا تھا، لیکن اُن کی مار میں ایک اصول، ایک مقصد تھا۔ ارمان کی مار... وہ خالص درندگی تھی۔ وہ سچ میں بھیڑیا تھا... نوچ کھانے والا بھیڑیا۔

"ڈرو مت، کچھ نہیں کہتا۔" ارمان نے نرمی سے کہا، پھر اپنے ملازم کو پکارا، "ازم، جا کر اِس کے لیے کھانا لاؤ۔" ملازم فوراً باہر چلا گیا۔ سفیر کے گلے میں گلٹی اُبھری اور ہونٹ کپکپائے۔

"پلیز... مجھے جانے دو... میں مزید تکلیف نہیں سہہ سکتا۔" اُس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا، جو اُس کی داڑھی میں جذب ہو گیا۔ وہ مرد تھا، مگر اب ٹوٹ چکا تھا۔

"اوہ... میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کتنی تکلیف دے دی تمہیں... اب اور دے کر گناہ گار نہیں بننا چاہتا۔" ارمان نے جیب سے ایک چھوٹی سی پسٹل نکالی اور اُس کی نال اپنے ہونٹوں سے لگا کر بے تاثر لہجے میں بولا۔ یہ بے تاثر لہجہ سفیر کو ہلا گیا۔ اُس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکنے لگی۔

"نہیں... یہ... یہ کیا... پلیز..."

"شش..." ارمان جھک کر اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا، "مجھے بزدل لوگوں سے نفرت ہے۔ تم میرے لیے خطرہ ہو۔ آج نہیں تو کل تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ تم نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شہزاد کو نہیں مارا۔ تو میں کیا کروں گا؟" پھر وہ یکدم رکا، سفیر کی آنکھوں میں جھانکا جہاں صرف آنسو تھے۔ وہ جھکا، کرسی کے پاس رکھا کانچ کا گلاس اُٹھایا اور اُسے زمین پر دے مارا۔

گلاس چھن سے ٹوٹا، اُس نے ایک بڑا سا ٹکڑا اُٹھایا اور بنا کسی تامل کے سفیر کی گردن کو چیر دیا۔

سفیر کی آنکھیں پھیل گئیں، وہ کچھ سمجھ بھی نہ پایا۔ گردن سے نکلتا فوارے کی مانند خون اور پھر وہ سر کے بل دائیں جانب گر گیا۔ ارمان نے وہی شیشہ سفیر کی قمیض سے صاف کیا اور اُس کے ہاتھ میں تھما دیا، پھر تیزی سے ملازم کو آواز دی۔ ملازم بدحواس اندر آیا، مگر خون بہتا دیکھ کر ساکت رہ گیا۔

"یہ کانچ کا گلاس یہاں کس نے رکھا تھا؟ اِس نے خودکشی کر لی ہے!" ارمان نے پریشان لہجے میں کہا۔

"صاحب! ہم کو نہیں معلوم! ہم نے کچھ نہیں کیا!" ملازم کپکپاتا ہوا بولا۔ ارمان نے اُسے نظر انداز کیا اور فوراً جیب سے فون نکال کر باہر چلا گیا۔

"ہیلو... لالا... میں آج ڈیرے پر آیا تھا اور یہاں سفیر خان نے... خود کشی کر لی ہے۔ پلیز، آجائیں!" ارمان کی آواز کانپ رہی تھی، جیسے وہ اِس واقعے سے شدید خوفزدہ ہو۔

کچھ دیر بعد ملازموں کا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ کوئی جانتا تک نہ تھا کہ اصل میں کیا ہوا ہے، لیکن ارمان نے اتنے زور سے واویلا کیا کہ سب جمع ہو گئے۔ بے شک یہ جھوٹ تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ... اگلا دن خان حویلی پر بہت بھاری ہونے والا تھا۔

☆..☆..☆..☆

صبح کا اجالا ایک نیا طوفان لے کر آیا تھا۔ پورے گاؤں میں خبر آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ سفیر خان نے خود کشی کر لی ہے۔ مگر سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ خان سردار کے ڈیرے پر کیا کر رہا تھا؟ گاؤں والے تو یہی سمجھتے تھے کہ سفیر کسی دوسرے ملک فرار

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہو چکا ہے۔جہاں گاؤں بھر میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں،وہیں خان حویلی میں ایک الگ بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔اِس وقت ربان خان کا نشانہ شاہ میر،ارمان اور باران تھے۔

"مجھے بس اتنا بتادو کہ یہ خبر باہر کیسے نکلی؟"ربان خان سرخ چہرے کے ساتھ دھاڑ اُٹھے۔

اگلے ایک گھنٹے میں جرگہ بیٹھنے والا تھا اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جرگہ کتنے سخت فیصلے لیتا ہے۔

"تایا جان!مجھے معلوم نہیں،جب میں ارمان کے کہنے پر وہاں پہنچا تو وہاں پہلے سے ہی سب ملازم جمع تھے،بلکہ کچھ گاؤں کے لوگ بھی موجود تھے۔میں نے بات سنبھالنے کی پوری کوشش کی تھی،مگر ارمان کے ڈرنے سب بگاڑ دیا۔"شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا اور ایک سخت نگاہ ارمان پر ڈالی،جو شرمندگی سے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

ساری عورتیں ایک جانب پریشان کھڑی تھیں،جبکہ حیدر خان سر پکڑے صوفے پر بیٹھے تھے۔ربان خان کی غضب ناک نظریں اب ارمان پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارمان! یہ کیا حرکت ہے؟ تم جانتے ہو، تم نے ہمیں کتنی بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے؟"

وہ ارمان پر غرائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اُن کی ساکھ، اُن کی عزت داؤ پر لگ چکی تھی۔

"خان بابا... میں... میں ڈر گیا تھا۔"

"لعنت ہو تمہاری بزدلی پر، ارمان! لعنت!" ربان خان کا لہجہ بلند ہوا، "ہماری ہی غلطی ہے کہ تمہیں لاڈ پیار سے بزدل بنا دیا۔ سب ہماری غلطی ہے!" اُن کے الفاظ سن کر وہاں موجود ہر فرد کانپ گیا۔

زارا تو جیسے سکتے میں کھڑی تھی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ سفیر خان نے خودکشی کر لی؟ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

"لالا، بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ جرگہ ہم سے جواب مانگے گا اور ہمارے پاس اِس وقت کوئی جواب موجود نہیں۔ وہ 'ونی' کا قصاص واپس مانگیں گے۔" حیدر خان نے سر تھام کر کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران نے چونک کر اُن کی جانب دیکھا، پھر زارا کی طرف نگاہ دوڑائی، جو وحشت زدہ ماحول سے خائف، کپکپا رہی تھی۔ اُس کی یہ حالت باران کو طیش دلانے لگی۔

'کیا وہ خود کو کبھی مضبوط نہیں کر سکتی؟' اُس نے غصے سے سوچا۔

"بابا، میں اپنی بیوی کو خود سے دور نہیں کروں گا!" باران نے جبڑے بھینچتے ہوئے کہا۔ اُس کی آواز میں سختی تھی۔ حیدر خان نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔

"اگر تم نے اُن کی بات نہ مانی تو وہ تم سے سرداری چھین لیں گے!"

"تو لے لیں! مجھے کوئی شوق نہیں ہے سردار بن کر اُن کے سروں پر مسلط ہونے کا۔ وہ میری بیوی ہے... اور اُس کے لیے سرداری چھوڑ دینا میرے لیے گھاٹے کا سودا نہیں!" باران کی آواز گونجی۔ پھر وہ زارا کو اشارہ کرتے ہوئے بولا، "کمرے میں آؤ تم۔"

زارا نے شرمندہ نظروں سے سب کو دیکھا اور تیزی سے اپنے قدموں کو اپنے کمرے کی جانب موڑ لیا۔ باران شال کندھوں پر جھٹکتا ہوا اپنے کمرے کی سمت بڑھ چکا تھا۔ ربان خان اور حیدر خان ضبط کے گھونٹ بھرتے، اُس کی پشت کو دیکھتے رہ گئے۔

سائرہ اور حبہ خانم، جو صبح ہی پشاور سے لوٹی تھیں، خان حویلی میں لگے اِس تماشے کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔

شاہ میر نے فکر مندی سے وقت دیکھا اور پیشانی کو انگلیوں سے رگڑا۔ اُسے ایک بجے تک یہاں سے نکلنا تھا، مگر اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ اب وہ چیف کو کال کرنے کا ارادہ کر چکا تھا، کیونکہ فرض اور رشتے، دونوں ہی اُسے جان سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ اب تک سمجھ نہیں پایا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ حیران و پریشان سا وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑا۔ جلد از جلد کچھ نہ کچھ انتظام کرنا ضروری تھا۔

ربان خان اور حیدر خان، ارمان کو گھورتے ہوئے حویلی سے باہر نکل گئے۔ اب جو جگہ کوئی عام جگہ نہ تھا، بلکہ وہ جگہ تھا جہاں سرداروں کے فیصلے ہوتے تھے اور چونکہ ڈیرہ باران کی دسترس میں تھا، لہٰذا اب ہر آنکھ اُس کی طرف اُٹھ چکی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارا کمرے میں داخل ہوئی تو اُسے باران بے چینی سے ٹہلتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ دروازہ بند کرتے ہی جیسے آگے بڑھی، باران تیزی سے اُس کے قریب آیا اور اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اُس کے گرد بازوؤں کا حصار تنگ کرتے ہوئے وہ جیسے اُسے اپنی ذات میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔ زارا کو باران کی گرفت میں اپنی پسلیاں دبتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"اِدھر دیکھو زارا، بتاؤ کس کی ہو تم؟" وہ اُس کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے عجلت سے پوچھ رہا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ جس قدر ظلم زارا پر اِس حویلی میں ہوا، کہیں وہ اپنے باپ کے حق میں فیصلہ نہ کر دے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زارا تو بس اُس کے لبوں سے اپنا نام سنتے ہی سُن سی ہو گئی۔ یہ شاید پہلی بار تھا کہ اُسے اپنا نام اچھا لگا تھا۔ وہ یک ٹک اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جو اِس وقت اُس کا چہرہ ہتھیلیوں میں تھامے کھڑا تھا۔ باران اُسے یوں خاموش دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ کیا وہ اب بھی اُس پر یقین نہیں کرتی؟

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں، زارا!" اُس کی آواز میں بے بسی تھی۔ زارا کو لمحہ نہ لگا ہوش میں آنے میں۔

"میں آپ کی ہوں، سائیں۔" وہ مسکرا کر بولی اور نرمی سے اُس کے گال پر ہاتھ رکھ دیا۔

باران نے تھکے ہوئے انداز میں اپنی پیشانی اُس کے سر پر ٹکا دی۔

"مجھ سے کوئی شکایت ہے تو کر لو۔ پھر کبھی تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔" وہ اُس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"آپ نے مجھے تھپڑ مارا تھا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی۔

"تم نے بھی تو مارا تھا۔" باران نے جواباً نرمی سے کہا۔

"لیکن جب آپ نے مارا، میں نے غصہ نہیں کیا تھا... لیکن جب میں نے غلطی سے مارا تو آپ نے بہت غصہ کیا تھا۔" وہ صاف گوئی سے کہتی شرمندہ کر گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اچھا، چلو، تم ابھی مار لو۔ حساب برابر ہو جائے گا۔ ٹھیک ہے؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ اِس لڑکی کے لیے وہ سب کچھ ہار سکتا تھا۔ ایسی شریکِ حیات نصیب والوں کو ملتی ہے اور وہ اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"اللہ! اللہ! میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں اگر میں آپ کو ماروں!" زارا جلدی سے پیچھے ہوتی، اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے بولی۔ باران ایک بار پھر ہنس پڑا اور پھر سے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔

"سائیں کی جان ہو تم۔ تم دو بھی مارو گی تو اُف نہیں کروں گا۔ بس میں لینے اور دینے پر یقین رکھتا ہوں۔" وہ شرارت سے بولا تو زارا نا سمجھی سے اُسے دیکھنے لگی مگر بات سمجھ آتے ہی وہ غصے سے لال پیلی ہو گئی۔

"ہٹیں آپ پیچھے! مجھ سے بات مت کریں! ایسے بولتے ہیں کسی معصوم سی لڑکی کو؟" وہ اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ دونوں اِس وقت سب کچھ بھول چکے تھے کہ وہ کس مصیبت میں گھرے ہیں۔ وہ بس اُس لمحے کو جینا چاہتے تھے۔

"توبہ کرو لڑکی! تم جیسے معصوم دو چار اور آ گئے نہ تو دنیا میں کچھ باقی نہیں بچے گا!" باران کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ زارا کی کانوں کی لُو سرخ ہو چکی تھی، ناک الگ لال تھی۔ 'یہ لڑکی ہر لمحہ رنگ بدلتی ہے، گرگٹ نہ ہو تو!' یہ باران کی طرف سے زارا کو دیا گیا چوتھا لقب تھا۔

وہ بس اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، جو پٹ پٹ بولتی ہر بات بھلا چکی تھی کہ ابھی ایک بڑا طوفان اُن کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ وہ دھیمی سانس چھوڑتے ہوئے پھر سے اُسے اپنے حصار میں لے گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"مجھے کچھ کرنا چاہیے! مجھے پورا یقین ہے کہ یہ سب اُسی بے غیرت ارمان کا کیا دھرا ہے!" پری گل ہاتھ مَلتی، فکر مند سی کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ "مجھے لالا سے بات کرنی چاہیے، اِس سے پہلے کہ دیر ہو جائے۔" وہ اپنا نقاب درست کرتی باران کے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔

دروازے پر ہونے والی دستک پر باران نے اپنی شال درست کی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ زارا بھی دوپٹہ سنبھالتی ڈریسنگ ٹیبل کے پاس

کھڑی ہو گئی۔ دروازہ کھولتے ہی سامنے پری گل کو پایا۔

"گل بچے، تم یہاں؟ کوئی کام تھا؟" باران نے اُسے انگلیاں چٹخاتے دیکھا تو سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"لالا، میں اندر آجاؤں؟" پری گل نے زارا کو وہیں موجود دیکھ کر اجازت چاہی۔ باران نے راستہ دیتے ہوئے اُسے اندر آنے دیا۔ زارا بھی پریشان نگاہوں سے پری گل کو دیکھ رہی تھی، جو بہت گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" باران نے زارا کی طرف دیکھتے ہوئے پری گل سے کہا تو وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"لالا، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" اُس نے گلا کھنکارتے ہوئے بات شروع کی۔ آج اُس نے زرمینے کا کرتا پاجامہ پہنا تھا۔ اب تو وہ اپنے کپڑوں سے بھی ڈرنے لگی تھی۔ نجانے کون سے کپڑوں میں کون سی خاموشی چھپی ہے۔

"ہاں، بولو۔" وہ بیڈ کی سائیڈ پر بیٹھا، زارا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ دیا، جو پری گل کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"لالا، یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے، یہ سب ارمان کر رہا ہے!" پری گل نے لرزتی آواز میں کہا۔

باران نے اُلجھ کر اُسے دیکھا۔

"مطلب؟"

"لالا! یہ جو سفیر خان کی 'خودکشی' ہوئی ہے، مجھے یقین ہے یہ خودکشی نہیں، قتل ہے! اور یہ قتل ارمان نے کیا ہے!" پری گل نے ہمت کر کے بات مکمل کی۔ باران کا چہرہ حیرت اور بے یقینی کا عکس بن گیا۔ زارا بھی حیرت زدہ رہ گئی۔

"گل، تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟" باران نے تحمل سے پوچھا، اگرچہ اُس کا دماغ سُن ہو چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لالا! حویلی میں جتنی بھی مصیبتیں آئیں، سب ارمان نے کیں! اُسی نے آپ پر حملہ کروایا، اُسی نے شہزی کو قتل کیا۔" اُس کی آواز لرزنے لگی۔ وہ شاید اب اُس صدمے سے کبھی بھی باہر نہ نکل پائے گی۔

باران تو پری گل کی بات سنتے ہی جیسے پتھر کا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر ایک کے بعد ایک سایہ لہرا گیا۔ دل کہہ رہا تھا، 'نہیں! وہ ایسا نہیں کر سکتا!' دماغ کہہ رہا تھا، 'پری گل جھوٹ نہیں بول رہی!' دل اور دماغ کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

"گل! تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو کہ ارمان نے شہزاد اور سفیر کا قتل...؟" باران کی زبان جیسے ساتھ چھوڑنے لگی۔

"لالا! اُس نے میرے سامنے اعتراف کیا ہے..." پری گل نے روتے ہوئے کل کی ساری گفتگو باران کو سنا دی۔ آنسوؤں کی لڑی اُس کے نقاب کو بھگو رہی تھی۔

باران کے کندھے ڈھلک گئے۔ دل جیسے کسی نے کچل دیا ہو۔ آنکھوں کے کنارے لال ہو چکے تھے۔ اُس کا مان ٹوٹ چکا تھا، اپنے لاڈلے کا مان! زارا تو سُن ہو کر رہ گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پری گل بری طرح روتی ہوئی چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ زارا نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ زارا سے لپٹ کر رونے لگی۔ اُسے لگ رہا تھا یہ سب اُس کی وجہ سے ہوا تھا۔

باران، سرخ آنکھوں سے زمین کو گھورتا، خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر اُس نے طویل سانس لی، چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"گل! کوئی ثبوت؟" اُس کی آواز قابو میں تھی، لیکن دل بے قابو۔ پری گل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ باران نے آنکھیں میچ لیں۔

زارا تڑپ کر رہ گئی، باران کی یہ حالت دیکھ کر۔ وہ آج پہلی بار اُسے ٹوٹتا ہوا دیکھ رہی تھی یا شاید دوسری بار۔ اچانک باران خاموشی سے اُٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ارمان، جو پری گل کو باران کے کمرے کی طرف جاتا دیکھ چکا تھا، اب باران کو باہر آتے دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر سرخی خاموش گواہی دے رہی تھی کہ وہ سب جان چکا ہے۔

باران، بنا ارمان کی طرف دیکھے، اپنی چادر درست کرتا جرگے کی طرف روانہ ہو گیا۔ سب جا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چکے تھے، صرف ارمان اور باران باقی تھے، لیکن اب باران جا چکا تھا اور ارمان کو پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ ارمان نے آنکھیں بند کر کے گردن کو دائیں بائیں جھٹکا دیا، جس سے کڑک کی آواز آئی۔ پھر جب آنکھیں کھولیں تو اُن میں محض سفاکیت تھی؛ چیر دینے والی تیزی اور دل دہلا دینے والی حیوانیت۔

☆...☆...☆...☆

حرم اور جبران تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جاذب اور اُس کی ٹیم پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ کرسٹل پہلے اپنے بنگلے میں گئی تھی، اُسے وہاں سے کئی کام نپٹانے تھے۔ اِسی لیے اُسے اور جیک کو اپنے گروپ تک پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی۔ پورے مافیا کی ملکہ اپنے مقصد کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔ چہرہ ماسک سے چھپائے، وہ سفاکیت کی جیتی جاگتی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اپنے چوپر میں سوار وہ لندن کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ لندن کی سرزمین بھی خون میں رنگنے کو بے تاب تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُنہیں وہاں پہنچنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ وہ لوگ ڈارک ہب کی اونچی دیواروں کے گرد پھیل چکے تھے۔ کرسٹل نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے مقصد کے جذبے کو اُبھارا، اور پھر اگلے ہی لمحے وہ ڈارک ہب کی اونچی سیاہ دیواروں پر رسی کی مدد سے چڑھنے لگے۔

☆...☆...☆...☆

"سب تیاریاں مکمل ہیں نا؟ کل کوئی کمی نہیں رہنی چاہیے!" داور خان، یعنی بلڈی پوائزن کے رائٹ ہینڈ نے اپنے سامنے کھڑے سیاہ فام شخص سے افریقی زبان میں بات کرتے ہوئے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

"ہمم، اور ریڈ رومز کی کیا صورتِ حال ہے؟" اُس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔ (ریڈ روم، جہاں غیر قانونی کاموں اور ٹارچر کی لائیو ریکارڈنگ کی جاتی تھی۔)

"سر، آج تو ملین ڈالر کا کام ہوا ہے۔" اپنے آدمی کی بات سن کر داور خان کی خوشی میں اضافہ ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جس چیز کی سب سے زیادہ ڈیمانڈ ہے، اُسی پر کام کرو۔" اُس کے کہنے پر وہ فرمانبرداری سے سر ہلا گیا۔

"سر، اِس وقت سب سے زیادہ ڈیمانڈ گرلز ٹارچر کی ہے۔"

"ہاں تو بڑھاؤ اِس کام کو۔ جتنا مال سامنے والی پارٹی مانگتی ہے، دو۔ نقصان نہیں ہونا چاہیے!" داور خان سختی سے کہتے ہوئے اپنے کمرے کے اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد وہ باہر نکلا تو بلیک پینٹ، بلیک شرٹ اور ماسک سے چھپے چہرے کے ساتھ، اُس کا رخ ریڈ روم کی طرف تھا، جہاں اُس نے کسی کو ٹارچر کرنے کی ٹریننگ دینی تھی۔ وہ روم میں داخل ہوا تو وہاں چھ مرد موجود تھے، اور ایک عورت کرسی پر رسیوں سے بندھی ہوئی تھی، جو خوف سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

وہ عورت کوئی اور نہیں، ماہی تھی۔ زینب کو موت کے منہ میں دھکیلنے والی ماہی۔ اُس کی عمر بڑھ چکی تھی، اِس لیے اب وہ اُن کے "کام" کی نہیں رہی تھی۔ تو سوچا گیا کہ کیوں نہ اُسی پر ہاتھ صاف کر کے نئے آدمیوں کو ٹریننگ دی جائے۔

داور خان نے ایک گرائنڈر اُٹھا کر اُسے آن کیا تو اُس کا بلیڈ تیزی سے گول گول گھومنے لگا۔ وہاں موجود افراد داور خان کی ہر حرکت کو بغور دیکھ رہے تھے، لیکن کسی کو کوئی سوال پوچھنے کی اجازت نہ تھی، اور نہ ہی کچھ بولنے کی۔

داور خان آہستہ آہستہ ماہی کے قریب آیا۔ اُس کی نظریں ماہی کی آنکھوں میں گڑی ہوئی تھیں، جہاں خوف، بے یقینی اور ماضی کا سارا بوجھ لرزتا دکھائی دے رہا تھا۔ لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد، فضا میں ایک سرد سا احساس پھیل گیا۔ کچھ ایسا ہوا، جو ناقابلِ بیان تھا اور جس کا انجام صرف خاموشی کی زبان بولتا ہے۔ ماہی کی آنکھیں یکدم بجھ گئیں۔ تکلیف، جس کا نام لیے بغیر ہی وہ ہر زاویے سے محسوس ہو رہی تھی، اُس کے چہرے پر لکھی جا چکی تھی۔ داور خان نے اپنے مخصوص انداز میں اپنا عمل مکمل کیا۔ کمرے کی فضا میں ایک بوجھل سناٹا چھا گیا تھا۔ دیواریں، فرش، اور ہوا، سب کچھ جیسے کسی خاموش گواہ میں بدل چکے تھے۔

ماہی کا وجود اب زندگی کے کنارے سے سرک چکا تھا۔ گردن ایک طرف کو جھکی ہوئی، آنکھوں میں وہ پچھتاوا جھلک رہا تھا جو شاید وقت کے کسی موڑ پر کسی اور کے لیے ہوتا، مگر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج اُس کی اپنی ذات کے لیے تھا۔ پھر ایک جھٹکا اور وہ خاموشی ہمیشہ کے لیے اُس کے ساتھ چلی گئی۔

روح، جو جانے کب سے اِس قید سے رہائی کی منتظر تھی، آخر کار آزاد ہو گئی۔ یہ وہی ماہی تھی، جس نے کبھی زینب کی زندگی چھینی تھی اور آج وہ خود اپنے انجام کو پہنچ چکی تھی۔

وہ پلٹا، ہاتھ میں پکڑے آلے کو بند کیا، اور سائیڈ پر موجود ٹیبل پر رکھ دیا، پھر ایک نظر اُن افراد پر ڈالی جو دیوار کے ساتھ قطار میں کھڑے تھے؛ چہرے سپاٹ، جذبات سے عاری۔ یہی اُن کا اصول تھا۔ احساسات دکھانا کمزوری تھی۔ مگر ایک چہرہ ایسا تھا، جو مکمل طور پر اِس اصول پر پورا نہیں اُتر رہا تھا۔ وہ چپ تھا، لیکن اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

داور خان نے اُس پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ بغیر کچھ کہے، اُس کے کان میں لگے آلے پر ایک لفظ بولا، "بلیک۔"

Clubb of Quality Content

اگلے ہی لمحے ریڈ روم کا دروازہ کھلا۔ ایک بلند قامت، چوڑے شانے والا سیاہ فام شخص اندر داخل ہوا۔ وہ سیدھا آ کر داور خان کے سامنے کھڑا ہو گیا، سر جھکائے، جیسے وہ حکم کا انتظار کر رہا ہو۔

"اِسے یہاں سے لے جاؤ، یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔" داور خان کی کوڈ میں کہی بات پر وہ سیاہ فام سر ہلاتا ہوا اُس آدمی کی جانب بڑھا، جس کے چہرے پر اب کچھ مزید بدحواسی کا اضافہ ہو چکا تھا۔ بزدل لوگ داور کی نظر میں کیڑے مکوڑے تھے، جنہیں اپنے پیروں تلے کچلنا اُس کا پسندیدہ شوق تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اِز دیٹ کلیئر؟"

وہ سیاہ فام شخص اُس آدمی کو کھینچتا ہوا لے جا چکا تھا، پر وہ ذرا بھی چیخ نہ سکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کام کرنے والے لوگوں کی زبان کاٹی جاتی تھی۔ یہ پہلا اصول تھا۔ جو بھی اِس ہب میں کام کرنے کے لیے آئے گا، اُس کی پہلے زبان کاٹی جائے گی۔ اِس کے بعد اُن کی ٹریننگ

شروع ہوتی تھی۔ وہاں موجود لوگوں نے محض پلکیں جھپک کر مثبت جواب دیا، تو داور خان جیسے آیا تھا، ویسے ہی پلٹ گیا۔

اُس ٹھنڈے یخ روم سے نکلتے ہوئے داور نے جھرجھری لی۔ اندر اور باہر کے ماحول میں حد سے زیادہ فرق تھا۔ کمرے میں درجہ حرارت منفی تک تھا، لیکن باہر کا ٹمپریچر نارمل تھا۔ وہ لال نگینوں سے چمکتی راہداری سے گزرتے ہوئے اپنے پرسنل روم کی جانب بڑھ رہا تھا، جب اُسے کچھ گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اُس کے قدم ٹھٹک گئے۔ اُس راہداری میں سے ایک گارڈ کم تھا۔ وہ پلٹا۔ تیز نظروں سے وہاں مامور افراد پر نگاہ دوڑائی، لیکن اب کی بار گنتی پوری تھی۔ داور کو جیسے اپنے ہی دماغ پر شک ہونے لگا۔ کبھی کبھار طاقتور دماغوں کو بھی وہم اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرتا ہے، اور یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جہاں سے محتاط افراد نئی چال چلتے ہیں۔

وہ سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اُس حیوان کی پشت آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی، گارڈ کے لباس میں ملبوس جیک نے پرسکون سانس خارج کی۔ گارڈ کو ٹھکانے لگاتے لگاتے وہ

دس سیکنڈ کی دیر کر چکا تھا۔ مزید ایک لمحے کی تاخیر اُسے جان سے ہاتھ دھونے پر مجبور کر سکتی تھی۔ صد شکر کہ وہ سی سی ٹی وی بلاک کر چکا تھا۔ اُس راہداری میں اب صرف اُس کے ہی آدمی، گارڈ کے روپ میں تھے۔ بلاک بی پر وہ قبضہ پا چکا تھا۔ بلاک سی پر کرسٹل اپنی ٹیم کے ساتھ موجود تھی، اور وہیں جاذب بلاک اے پر اپنی ٹیم کے ساتھ موجود تھا۔

☆...☆...☆...☆

کرسٹل، جیک اور جاذب، تینوں نے ہب کو تینوں جانب سے اپنی ٹیموں کے ذریعے کور کر لیا تھا۔ یہ ہب کچھ عجیب تھا یا شاید زیادہ عجیب، کیونکہ یہ ہب چار دیواری پر مشتمل نہیں تھا، بلکہ اِس کی بناوٹ تکونی تھی۔ اِس ہب کے چار نہیں، محض تین کونے تھے۔ شیشے کی طرح چمکتی سیاہ دیواریں رات کی تاریکی کا حصہ لگتی تھیں۔ چاند کا عکس جب اِن دیواروں پر پڑتا تو وہ جیسے مزید چمک اُٹھتی تھیں۔ جس سے ایک بات تو معلوم ہوتی تھی کہ ہر چمکتی چیز ہیرا نہیں ہوتی۔ جی جی، سونا نہیں، ہیرا، کیونکہ اِن دیواروں میں زہر بھرا تھا، جسے ایک بار کوئی چکھ لیتا تو دوبارہ کھل کر سانس نہ لے پاتا۔ اونچی اونچی دیواروں پر لگی لوہے کی سلاخیں، جنہیں پار

کرنا بچوں کا کیا، بڑوں کا بھی کھیل نہ تھا۔ کرسٹل خود کو مکمل سیاہ لبادے میں چھپائے ہوئے تھی۔ یہ یہاں کا دوسرا اصول تھا۔ وہ لوگ سیاہ لباس کے علاوہ کوئی رنگ نہیں پہن سکتے تھے۔ اُس سیاہ عمارت میں موجود، سیاہ لباس میں ملبوس لوگوں کے دل بھی سیاہ تھے۔

دھیمے اور محتاط قدم اُٹھاتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اُس کی ٹیم آہستہ آہستہ ہب میں پھیل رہی تھی۔ اُس ایک وار کی تیاری، اُس کا پلان بنانے میں، اُس کی زندگی کے سات سال لگے تھے۔ اُس نے اپنی ٹیم کے ایک ایک فرد کو خود ٹرین کیا تھا۔ اُس کے دل کو لمحہ لمحہ ہر آہٹ پر دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ یہ اُس کی زندگی کا مقصد تھا۔ یہ مقصد، اُس کا جنون تھا جس کے آگے اب صرف موت تھی۔ سیاہی جیسی موت۔

"جیک، کیا سب ہمارے کنٹرول میں ہے؟" کرسٹل نے ہاتھ میں پکڑے وائی ٹائی کو ہونٹوں کے قریب کرتے ہوئے دھیمی آواز میں پوچھا۔ اِس ہب کا تیسرا اور خاص اصول تھا، کوئی یہاں اپنا فون نہیں لے کر جا سکتا تھا۔ ہب کے ہر چپے چپے پر چیمبر لگے تھے۔ یہاں صرف انٹر کام یا وائی ٹائی استعمال کی جا سکتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یس، یہاں سب انڈر کنٹرول ہے۔"

"ہمم، گڈ۔ جازب، تمہاری کیا اپڈیٹ ہے؟" جیک کی جانب سے مطمئن جواب سنتے ہی کرسٹل نے جازب سے سوال کیا۔

"یہاں بھی سب انڈر کنٹرول ہے۔" کرسٹل کے کانوں میں جازب کی آواز گونجی تو جیسے سینے میں اٹکا ہوا سانس بحال ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، میرے 'ڈن' کہتے ہی اٹیک کر دینا۔" کرسٹل نے کہتے ہوئے ارد گرد نظریں دوڑائیں اور پھر ایک جھٹکے سے ٹرانسفارمر کو توڑ ڈالا، اور ساتھ ہی 'ڈن' کہا تو پورا ہب اندھیرے میں نہا گیا۔

اپنے کمرے میں لیٹے، ریڈ لائٹ روم کے ہولناک نظاروں کو دلچسپی سے دیکھتا اور ہڑبڑا کر اُٹھا۔ اچانک ہی فائر الارم بجا۔ ایک ایک کر کے سب ہی ریڈ رومز سے باہر کی طرف نکلنے لگے۔ ہب میں صرف اُن لوگوں کے قدموں کی چاپ کا شور تھا۔ کرسٹل کی ٹیم کے افراد تیزی سے وہاں رومز سے نکلنے والے لوگوں کی گردنیں جھٹکے سے موڑتے اُن کا کام تمام کر

رہے تھے۔اُسی سناٹے میں کڑاک کی آوازیں گونج رہی تھیں۔اِس دل چیر دینے والی ہیبت ناک خاموشی میں یک لخت داور کی آواز گونجی۔

"کہاں ہو سب؟یہ کیسی آوازیں آ رہی ہیں؟ بلیک، جمی، کہاں مر گئے ہو سب؟یہ لائٹ کیوں بند ہے؟"داور کی آواز ہب کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔وہ شاید بھول گیا تھا کہ یہاں موجود اُس کے لوگوں کے منہ میں زبانیں نہیں تھیں،اور بلیک، جس کی زبان صرف داور کے کام کے لیے چھوڑی گئی تھی،وہ جیک کے ایک وار سے ہی ڈھیر ہو چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

داور کے دل میں پہلی بار کوئی خوف اجاگر ہوا تھا۔وہ جلدی سے الٹے قدموں بھاگتے ہوئے ایمرجنسی روم کی سمت بڑھا۔اُسے جلد از جلد بہرام کو معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنا تھا۔وہ تیزی سے بھاگ ہی رہا تھا کہ اچانک ہب اجالے سے جگمگا اُٹھا۔اُس نے یکدم روشنی سے چندھیاتی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چبھن کو روکا تھا۔

اگلے لمحے آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا،اور جو منظر آنکھوں نے دیکھا وہ اُسے دہلا کر رکھ گیا۔ ہب کا مین ہال پورا لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اُن بے جان وجودوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پیچھے کی جانب قدم بڑھانے لگا،پر کسی نے پھرتی سے اُس کے بازوؤں کو پیچھے سے پکڑتے ہوئے قابو کر لیا تھا۔ پلوں میں فسوں ٹوٹا تھا۔

"کون ہو تم؟ چھوڑو مجھے!" وہ بری طرح جھٹپٹانے لگا۔ اُس کی چیخ نے ہب کی دیواروں تک کو ہلا ڈالا تھا۔ ایک موت کے تماشائی کا جب تماشہ بننے لگا تو دیواروں نے بھی دم سادھ لیا تھا۔ شاید وہ اُسی وقت کے انتظار میں تھیں۔ نجانے اُس نے کتنی بے بس چیخوں کو خود میں سمو رکھا تھا۔

جیک نے اُسے چھوڑنے کے بجائے اپنی گرفت مزید مضبوط کر دی تھی۔ کرسٹل ایک طرف کھڑی اپنی سرخ آنکھوں کو داور پر جمائے اپنی زندگی کے ہر وہ لمحے یاد کر رہی تھی جس میں اُس نے اِس انسان یا شاید حیوان سے نفرت کی تھی۔ اُس کا دل گویا خون کے اُبلتے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فوارے کی مانند دھڑک رہا تھا۔اُس کے آدمی اُن لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف تھے۔

جازب اور جیک داور کو پکڑے کھڑے تھے۔وہ انسان اُس وقت ایک بپھرا ہوا بھیڑیا لگ رہا تھا جو اپنی پوری طاقت آزماتے اُن دونوں کے قابو سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن وہ بھی دو جوان مرد تھے جن کی گرفت سے نکلنا ناممکن تھا۔گارڈز لاشوں کو ٹھکانے لگاتے وہاں سے جا چکے تھے۔

اُن کے جانے کے بعد کرسٹل قدم قدم چلتی اُن کے نزدیک آئی۔وہ جو ہذیانی ہو رہا تھا،اُس کے دائیں گال پر کھینچ کر تھپڑ دے مارا۔چٹاخ کی آواز کے ساتھ وہاں ایک بار پھر سے سناٹا چھا گیا۔بائیں جانب چہرہ جھکائے وہ ہکا بکا سا سنسناتے گال اور بے یقینی سے پھٹی آنکھوں سے زمین کو گھورتا رہا۔زندگی میں پہلی بار کسی نے اُس کے منہ پر طمانچہ مارا تھا،اور یہ بات اُس کے وجود میں تہلکہ مچا گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اُٹھانے کی!" ایک دم گردن سیدھی کرتے ہوئے وہ زور سے دھاڑا۔ کرسٹل نے بنا وقت ضائع کیے ایک اور تھپڑ اُس کے دوسرے گال پر دے مارا، اور پھر وہ رکی نہیں تھی۔ اُس کے ایک کے بعد ایک پڑنے والے تماچوں نے اُس کے گالوں کو لہو رنگ دیا تھا۔

وہ دیوانی سی ہو گئی تھی۔ اتنے سالوں کا غبار باہر آیا تو گویا نفرت کا طوفان ہی آ گیا تھا۔ وہ مارتے مارتے تھک گئی تھی، لیکن جنون ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ ہانپتی ہوئی پیچھے ہوئی۔ وہاں اب صرف وہ چاروں تھے، اور کوئی نہیں۔ داور جیسے سُن پڑ گیا تھا۔ اُس کے ہر ایک تھپڑ میں پہلے سے زیادہ قوت اور نفرت تھی۔ کرسٹل نے ایک جھٹکے سے اپنے لینز نکال کر پھینکے۔ چہرے پر بندھا ماسک اُتار کر زمین بوس کیا۔

داور کی آنکھوں میں نا سمجھی اُبھری، اور پھر گویا شناسائی چمکی۔ یہ آنکھیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ چہرے سے پہلے آنکھوں کو پہچانا گیا تھا۔ اُس کے دل میں خیال اُبھرا کہ کاش وہ

پہلے حرم پر غور کر لیتے۔ ارمان نے اُن سے کتنا کہا تھا کہ وہ ایک بار حرم اور اُس کے بھائی کا ریکارڈ نکلوا

لے، لیکن وہ نظر انداز کر گئے۔

"یاد ہوں میں یا بھول گئے؟" وہ اُس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر چیخی تھی۔ بے ساختہ اُس کے لب لرز گئے تھے۔ وہ شاید مرتے دم تک اپنا ماضی نہیں بھول سکتی تھی۔

"بھول گئے ہو گے؟ یاد کرواتی ہوں نا!" وہ پھیکا ہنس کر اپنے گال سے باریک سی شیٹ نوچ گئی جہاں بد نما سا داغ تھا۔ وقت نے کروٹ پلٹی اور وقت سترہ سال پہلے کا شروع ہو گیا، جہاں سے اُس کی بربادی کی داستان شروع ہوئی تھی۔

زینب کو لے جانے سے پہلے ہی وہ آدمی حرم فاطمہ کو ایک چکا چوند کرتے ہوئے علاقے میں لے آیا تھا۔ کارپٹ میں لپٹا ہوا نازک وجود اپنی بربادی کی شروع ہونے والی داستان سے بالکل ناواقف تھا۔ بے ہنگم قہقہے، مختصر لباس میں پھرتی تتلیوں کی مانند لڑکیاں، ہری، لال، گلابی جلتی بتیاں، پان چباتے سیلن زدہ چہروں والے مرد، اور نامحرم کے گلے کا ہار بنتی

حسینائیں۔ آج تو بازارِ حسن میں جیسے عید کا سماں تھا، لیکن کیا وہ اُسے یہاں صرف جسم فروشی کے لیے لایا تھا؟ نہیں، بالکل نہیں۔ وہ تو ایک ننھی کلی کو امربیل کے حوالے کرنے آیا تھا۔ وہ اُس محض دس سالہ پھول کو بکھیر دینے آیا تھا۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا تو اُس کے کانوں میں ڈھولک کی تھاپ سنائی دی، جس پر وہ خباثت سے مسکرا دیا۔ موتیوں سے بنی لڑیوں کو، جو دروازے پر پردے کی مانند لگی تھیں، پیچھے کرتے وہ اندر داخل ہوا تو وہاں محفل عروج پر تھی۔ وہ سیدھا تخت پر کہنی کے بل لیٹی عورت کے پاس گیا، جو ساڑھی میں ملبوس وہاں موجود لڑکیوں میں اِس عمر میں بھی حسن کی دیوی لگ رہی تھی۔ اُس کا منہ تیزی سے دانتوں تلے کچلتے ہوئے پان اُس کی موجودگی دیکھ کر تھم گیا تھا۔ آنکھوں میں الوہی چمک اُبھری۔ وہ آیا تھا، یعنی کوئی شاہکار ہی لایا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اے شمو جا، کچھ ٹھنڈے کا انتظام کر، بابر آیا ہے، کوئی نیا ہیرا لے کر!" جہاں آراں کی للچاتی نگاہ اُس کارپٹ پر تھی، جس میں سے ایک دودھیا ہاتھ واضح ہو رہا تھا۔ جہاں آراں کی آواز پر وہ عورت نما خواجہ سرا تیزی سے سر ہلاتا گیا اور ایک ٹھنڈے ٹھار جوس کا گلاس لے آیا۔

"یہ کیا، آپا؟ بس ایک جوس کا گلاس؟" وہ گلاس پکڑتے شکوہ کناں ہو کر رقص کرتی طوائف کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے تو فکر کیوں کرتا ہے، پہلے اِس چاند کا نظارہ تو کروا۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں؟" وہ گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے نیچے جھکا اور اُس زمین پر پڑے کارپٹ کو ایک جھٹکے سے کھولا۔ وہاں موجود لوگ اُس گلابی سی بچی کو دیکھتے ہی رہ گئے۔

"کیا چاند کا ٹکڑا لایا ہے تو بابر، واہ بھئی واہ، دل خوش کر دیا!" جہاں آراں نے پر جوش ہو کر اُس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اُسے شاباشی دی۔

"آپا، یہ تو ایسی ہے کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو جائے، اف!" شمو نے اُس کے ہاتھ کی پشت کو دو انگلیوں سے چھوتے ہی ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھا، تو وہ زور سے ہنس دی۔

"دل خوش کر دیا تو نے۔ جا،صاحب کو بول،اتنی قیمت بھیجوں گی کہ گنتے گنتے تھک جائے!"

جہاں آراں نے خوش ہوتے ہوئے کہا، تو بابر نے دانت نکالے۔

"اے شمو،اِسے اُٹھا اور نیچے تہہ خانے میں لے جا۔ اب وہی کالی کال کوٹھری اِس کی قسمت ہے۔"جہاں آراں نے شمو کو کہا۔ وہ حرم فاطمہ کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر لے گیا۔

اور پھر یہاں سے شروع ہوا اُس کی بربادی کا باب۔ اُس نے جب آنکھیں کھولیں تو خود کو ایک ایسے گندے اور بھیانک اندھیرے میں پایا کہ وہ سکتے میں چلی گئی۔ باپ، بھائی،ماں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے گھومیں، تو وہ اِس قدر چیخی اور روئی کہ اُس بازار کی گلیاں تک تڑپ اُٹھیں، لیکن وہاں کے لوگوں کے کانوں پر جیسے جوں تک نہ رینگی۔ اُس دن جہاں آراں نے اُسے بہت مارا،مار مار کر اُس کے جسم پر نیل ڈال دیے۔ اُس کی چیخیں آہستہ آہستہ اُس تہہ خانے میں دبتی گئیں۔ اُس نے چار سال کا عرصہ روتے سسکتے گزارا۔

اندھیرے گھپ تہہ خانے میں اُس کی تلاوت کی آواز گونجتی، تو سننے والے کا دل تڑپ جاتا۔ وہ تھی صرف شمو، لیکن وہ اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ دن سے رات،رات سے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دن گزرنے لگے۔ جب وہ پندرہ سال کی ہوئی تو اُس کا ایک گردہ نکال لیا گیا۔ جہاں آراں کے اڈے کا اصول تھا کہ اٹھارہ سال سے ایک دن بھی کم لڑکی وہ سامنے نہیں لاتی تھی۔ اِس لیے اُس نے اُس کا گردہ نکال کر فروخت کر دیا۔ ایک دن، بہت ہمت کر کے اُس نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، تو اُس کے ساتھ وہ ہوا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جہاں آراں کے خاص آدمی نے اُس کا گال سرخ بھٹی میں سے نکلے سلاخ سے داغ ڈالا، اور غضب یہ کہ اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا تھا کہ وہ چاہ کر بھی چیخ نہ سکی۔ وہ کراہنا چاہتی تھی، پر کراہ نہ سکی۔ وہ جھٹپٹانا چاہتی تھی، پر جھٹپٹا بھی نہ سکی۔ پہلی بار اُس کی آنکھ سے ایک ننھا سا خون کا قطرہ نکلا تھا، ایک خون کا آنسو۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے؟ نہیں۔ تو کبھی مت دیکھنا، ورنہ تمہارا دل پھٹ جائے گا۔ سفاکی کی حد پار کرتے وہ آنسو اپنی انگلی کی پور پہ چنتے اُسے دکھایا بھی گیا تھا۔

کبھی کبھی درد اتنا گہرا ہوتا ہے کہ آنکھیں بھی خاموش رہنا سیکھ جاتی ہیں اور یہ خون کے آنسو، شاید دنیا کی سب سے بے بس زبان ہوتی ہے۔

یہ بات جب جہاں آراں کو پتا چلی تو اُس نے اپنے خاص آدمی کا حشر کر دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ آنے والے وقت میں وہ اُس کی گدی سنبھالے، لیکن اب وہ اتنی بد صورت لگنے لگی تھی کہ لوگ اُسے ہاتھ ملتے رہ گئے۔ وہ ایک گوری، بے رونق، مدھم سی ہو گئی تھی۔ اُس کا نازک وجود مانو مرجھا گیا تھا۔ وہ سارا وقت سسکتی رہتی، پھر اچانک اونچی آواز میں تلاوت شروع کر دیتی لیکن ذہنی انتشار کے باعث وہ کلام بھولنے لگی تھی۔ پڑھتے پڑھتے رُک جاتی، پھر زور سے رونے لگتی۔

وہ بھول رہی تھی۔ وہ بھولنا نہیں چاہتی تھی، پر یادداشت کا دامن چھوٹتا جا رہا تھا۔

ایک دن ایک بچی آئی، چاندنی۔ وہ جیسے حرم کی تنہائی کا ساتھی بن گئی۔ حرم نے اُسے اپنی آغوش میں چھپا لیا، لیکن پھر اُسے بھی بیچ دیا گیا۔ حرم چاہتی تھی کہ وہ اُسے خود میں چھپا لے، پر وہ لے گئے۔ اُس دن اُس نے ایک بار پھر بے پناہ رونا شروع کر دیا۔ چند دن بعد شمو کے ذریعے پتا چلا کہ وہ ننھی سی بچی زیادتی کا شکار ہو کر مر گئی، اور اُس دن وہ بے حس ہو گئی۔ اُس کا ایک خریدار آیا، لیکن اُس نے اُس آدمی کا سر پھاڑ دیا۔ جہاں آراں نے اُسے اُس دن

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بہت مارا۔ وہ چاہتی تھی کہ اب وہ سترہ سال کی ہو چکی ہے، اُسے کوئی خریدار مل جائے، لیکن کوئی بھی اُس کی بدصورتی کی وجہ سے اُس کا سودا نہیں کر رہا تھا۔ اُسے جسم فروشی کے لیے اُکسایا گیا، لیکن وہ نہ مانی، تو ایک بار پھر اُس پہ چابک چلا دیا گیا۔

اُس دن کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔ کوئی بھی آتا، اُسے پیٹتا اور چلا جاتا۔ وہاں کی عورتیں خود کو بہت فٹ رکھتی تھیں، کیونکہ اگر اُن میں سے کوئی کام کی نہ رہتی تو اُسے ہب بھیج دیا جاتا جہاں اُسے اذیت ناک موت حاصل ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ حرم فاطمہ ایک قید چڑیا بن گئی۔

اُس شام جب شمو معمول کے مطابق اُسے کھانا دینے آئی تو وہ خاموشی سے زمین پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ آج تلاوت نہیں کر رہی تھی، بلکہ مکمل خاموش تھی۔

"اے، تو آج اپنی میٹھی آواز میں وہ کیوں نہیں پڑھ رہی جو تو پڑھتی ہے؟" شمو، چونکہ ہندو تھی، نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا پڑھتی ہے، لیکن جب وہ چپکے چپکے سنتی تھی تو اُس کی روح کانپ جاتی تھی۔ ایک عجیب سا سکون اُسے ملتا تھا۔ جو سکون وہ ڈھول کی تھاپ میں ڈھونڈتی تھی،

وہ اُسے اُس کی آواز میں ادا ہوتے لفظوں میں ملنے لگا تھا۔ اب اُسے کوفت ہوتی تھی اُن سُروں سے۔ وہ شدید بے چین تھی، اُسے چپ دیکھ کر۔

"میں نے کوشش کی تھی، پر مجھے وہ یاد ہی نہیں آتا۔" وہ جالی لگی چھت کو دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ شمو دھک سے رہ گئی۔

"کیا مطلب؟ تو تو اُسے آنکھیں بند کر کے پڑھتی تھی نا؟ کر، بند آنکھیں پھر پڑھ۔"

"میں نے بہت کوشش کی ہے، پر جیسے ہی آنکھیں بند کرتی ہوں، بس اندھیرا نظر آتا ہے۔ ذہن بھی خالی ہو گیا ہے۔ کچھ یاد ہی نہیں آتا۔" وہ شدید بے بسی سے بولتے ہوئے، پھپھک کر روئی۔

یہ کیسی بے بسی تھی کہ اُسے اپنے اللہ کا کلام بھول گیا تھا۔ وہ بلک رہی تھی۔ شمو نے بے اختیار اُس کے سر پر ہاتھ رکھا، تو وہ اُس کے ہاتھ آنکھوں پر رکھے، بری طرح رونے لگی۔ اُس کا اپنے اللہ سے رابطہ ٹوٹ رہا تھا، یہی اُس کی سوچ تھی جو اُسے پتھر دل کر گئی تھی۔

اُس دن کے بعد شمو نے اُسے روتے نہیں دیکھا۔ اُس کی آنکھیں جیسے پتھر بنتی جا رہی تھیں۔ اتنے سال وہ تنہا نہیں تھی، اُس کے ساتھ اُس کے قرآن کا علم تھا، جو اندھیرے میں بھی اُسے روشنی دکھاتا تھا لیکن اب، جب اُس کے نقش دھندلے ہو گئے، تو وہ بالکل پتھر بن گئی۔ جس دل سے اللہ کی یاد مٹ جائے، وہ دل بنجر ہو جاتا ہے۔

بہت جلد شمو کو اُس کے بھولنے کی وجہ پتا چل گئی۔ جہاں آراں نے اُسے ڈرگ دینا شروع کر دیا تھا، جس سے وہ اپنی یادداشت کھو رہی تھی۔ پر عجب یہ تھا کہ وہ اپنے دماغ پر قابو پا رہی تھی۔ وہ جیسے ہی اٹھارہ سال کی ہوئی، اُسے تہہ خانے سے نکال لیا گیا۔ آٹھ سال بعد اُس نے کھلی فضا میں سانس لیا تھا۔ آٹھ سال بعد اُس نے سورج کی نرم گرم دھوپ دیکھی تھی۔

آج اُس کی بولی لگنی تھی۔ اُسے خوب سجایا گیا تھا، تاکہ اُس کے چہرے پر موجود پژمردگی اور جلے کے نشان چھپ جائیں۔ وہ اتنی حسین لگ

رہی تھی کہ جہاں آراں کو اپنے فیصلے پر فخر ہوتا تھا لیکن حرم فاطمہ کی آنکھیں خالی تھیں، بالکل کورے کاغذ کی مانند۔ وہ سوچ چکی تھی کہ اب اُسے کیا کرنا ہے۔

محفل اپنے عروج پر تھی۔ اُسے ایک کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ کچھ دیر میں اُس کی بولی لگنے والی تھی۔ وہ اُٹھی اور اپنا گھاگھرا چولی بدل کر وہاں رکھا ایک سادہ سا سوٹ پہنا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اُس کرتے کے بھی بازو نہیں تھے، پر وہ اُس لباس سے بہتر تھا جو اُس نے پہلے پہنا تھا۔ پھر اُس نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں کہ کوئی اور کپڑا مل جائے، خود پہ اوڑھنے کے لیے، لیکن کوئی نہ تھا۔ وقت نہیں تھا کہ وہ ڈھونڈنے بیٹھے، اِس لیے تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔

گانوں کی آواز اور نین تارا (جہاں آراں کی خاص) کے رقص نے ہر ایک کو مدہوش کر رکھا تھا۔ وہ بنا وقت ضائع کیے اپنی پوری قوت سے بھاگتی باہر کی جانب بڑھی۔ چونکہ آج محفل خاص تھی، شہر کے رئیس زادے آرہے تھے، اِس لیے وہاں کا بڑا دروازہ کھلا رکھا تھا۔ وہ بمشکل دروازے تک پہنچی تھی کہ اچانک وہاں کے ایک آدمی سے ٹکرا گئی۔

"ابے کون ہے تُو، اور کہاں بھاگ رہی ہے؟" وہ آدمی شاید وہیں کام کرنے والوں میں سے تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم فاطمہ بدحواس سی ہوئی، دل و دماغ میں صرف ایک جملہ گونج رہا تھا، "واپس نہیں جانا... کبھی نہیں!..." اُس نے جھٹ سے اُسے دھکا دیا اور دروازہ عبور کر گئی اور یہی، اُس کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔

آدمی کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ بھاگنے کی کوشش میں ہے۔ پیچھے سے شور اُٹھا، گالیوں کی بوچھاڑ کے ساتھ مردوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ اندھا دھند دوڑ رہی تھی، ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ ایک گرم، تھرتھراتی سلاخ اُس کی پنڈلی کے گوشت کو چیرتی ہوئی آر پار ہو گئی۔ بارش نے پہلے چند بوندوں سے آمد کی خبر دی، اور اگلے ہی پل آسمان پھٹ گیا۔ پانی، خون، مٹی اور درد کا ایک بدترین امتزاج وجود کو بھگو رہا تھا۔

"امی... امیی... آآہ..." وہ چیخی، گری، زمین پر تڑپی۔ تکلیف، جیسے بدن میں نہیں، روح میں اُتر گئی ہو، لیکن وہ جانتی تھی۔

"مرجانا قبول ہے، مگر واپس نہیں جانا۔" وہ بمشکل اُٹھی۔ ایک قدم آگے بڑھاتی، چیخ کی شدت سے ہونٹ کاٹ لیتی۔ پھر بھی، قدم اُٹھایا اور پھر ایک اور... دھند، بارش، بجلی کی کڑک، اور تیز طوفانی ہوا نے رات کو خوفناک کر دیا تھا۔ وہ جنگل کی طرف بھاگتی جا رہی تھی۔ پاؤں زخمی، سانس پھولا ہوا، دل خوف سے لرزتا ہوا، مگر عزم پہاڑ جیسا۔ اچانک پاؤں جھاڑیوں میں اُلجھا، اور وہ منہ کے بل گری۔ چیخ، ایسی نکلی جیسے پوری کائنات نے سنی ہو۔

"بس بس اللہ، ہمت دے دے۔" وہ روتی، بلکتی، درد کو نگلتی، دوبارہ اُٹھنے لگی۔ قدموں کی آہٹیں تیز ہو گئیں۔ وہ لوگ قریب آ رہے تھے۔ اُس کے پیچھے۔ اُس کے سامنے گہری کھائی تھی اور پیچھے وہ خبیث مرد، جن کے چہروں پر حیوانی ہوس بھری مسکراہٹ تھی۔

ایک لمحے کے لیے، وقت تھم گیا۔ سامنے کھائی کی اتھاہ گہرائی، پیچھے عذاب کی آگ۔ وہ پس و پیش میں تھی، ایک سانس کا وقفہ، ایک سوچ کا لمحہ، پھر اُس کی آنکھوں میں فیصلہ جھلکا۔

"عزت یا موت؟" وہ چیخی نہیں، تڑپی نہیں، بس، چھلانگ لگا دی۔ وہ گہری کھائی میں غائب ہو گئی۔ پیچھے سے وہ آدمی لپکا، پر دیر ہو چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ابے یار، آپا کو پتا چلا تو شامت آجائے گی!" ایک آدمی گھبرا کر بولا۔

"اب کیا کریں، چل واپس۔" دوسرا آدمی بے بسی سے بولا اور دونوں ہاتھ ملتے واپس پلٹ گئے۔

بارش تھم گئی تھی۔ ہوا بھی کچھ لمحوں کو ساکت ہو گئی۔ جیسے فطرت نے خود بھی لمحہ بھر کو رُک کر ایک باعزت موت کو سلام کیا ہو اور وہ معصوم بچی، بابا کی فاطمہ، اپنی عزت کی چادر اوڑھ کر، ہمیشہ کے لیے اُس جہنم سے آزاد ہو گئی۔

☆...☆...☆...☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

صبح کی روشنی، شبنم جیسی خنکی لیے، دھیرے دھیرے کمرے میں اُتر رہی تھی۔ جیسے کسی ہلکے مزاج مہربان نے کمرے کی سانسوں میں لمس گھول دیا ہو۔ پردے ہلکی ہوا سے لرز رہے تھے، اور ہوا میں کسی قیمتی عطر کی مہک تیر رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں، جن پر صدیوں کی نیند کا بوجھ تھا، ہلکی سی جنبش کے ساتھ لرزیں۔ اُن پلکوں پر جیسے درد اور تھکن کا بوجھ تھا، مانو آنکھیں کسی اندھیرے غار سے دھیرے دھیرے روشنی کی طرف آ رہی تھیں۔

پہلے صرف روشنی کی ایک مدھم دھار دکھائی دی، جیسے ایک کرن نے پلکوں سے جھانک کر اندر آنے کی اجازت مانگی ہو، پھر آنکھیں کچھ اور کھلیں، تو منظر دھندلا سا لگا۔ روشنی، سفیدی، گداز سا بستر، اور چمکتی ہوا، لیکن دماغ ابھی بھی سُن تھا، جسم کسی اور جہاں سے لوٹا تھا، اور دل؟ وہ تو ابھی بھی خوف کے پاتال میں قید تھا۔ اُس نے تھوڑا سا اُٹھنے کی کوشش کی، جیسے کمر میں جان نہ ہو، لیکن اُسی لمحے، بستر پر ہاتھ ٹکا کر اُٹھتے ہی ایک ہلکا سا درد سینے سے اُٹھا اور جسم میں پھیل گیا اور وہ تڑپ کر گر گری۔

"آہہ۔" اُس کی کراہ مدھم تھی، جیسے کسی نے صدیوں بعد لب کھولے ہوں۔ سانس پھولی ہوئی، آنکھیں اب پوری طرح کھلی تھیں اور اُن میں حیرت، خوف، اُلجھن، اور یادداشت کا سیلاب بھر رہا تھا۔

"یہ کہاں ہوں میں؟" سفید دبیز پردے ہوا سے اُٹھ رہے تھے۔ سامنے کی دیوار پر ایک قیمتی پینٹنگ تھی۔ کمرہ سجا ہوا تھا جیسے کسی بادشاہ کا ہو، مگر دل کی دھڑکن چیخ رہی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا!" وہ جیسے کسی موت سے واپس لوٹی روح تھی، جسے یاد آرہا ہو کہ اُس نے خود کو موت کے حوالے کیا تھا، پھر بھی زندہ تھی۔

وہ ہانپتی ہوئی، پسینے سے بھیگتی، اپنے آس پاس دیکھنے لگی۔ ایک طرف ڈریسنگ، دوسری طرف کھڑکی، تیسری طرف کرسی پہ رکھی دوائیں، اور اپنے ہاتھ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک گئی۔ سفید پٹیاں، کینولا، نیلی رگیں۔

"تو میں مری نہیں؟" اُس کی سانسیں پھولنے لگیں، دماغ نے انکار کیا، دل نے ماننے سے انکار کیا۔ کیا سب کچھ خواب تھا؟ یا کیا یہ خواب ہے؟ پھر جیسے اچانک پوری یادداشت واپس آئی۔ تہہ خانے کی سڑاند، جنگل کی سرسراہٹ، شمو کی خاموشی، جہاں آراں کا قہقہہ، اور وہ خوفناک کھائی، جہاں اُس نے خود کو گرا دیا تھا۔

"میں تو مر چکی تھی!" وہ چلّائی۔ کانپتے ہونٹوں سے، لرزتی آواز میں۔

"تو پھر یہ کہاں ہوں؟ میں تو مر چکی تھی نا؟" اُس کی چیخیں پاگلوں جیسی تھیں۔ "کلمہ پڑھ لیا تھا میں نے، پھر یہ سب کیوں؟" اچانک دروازہ کھلا۔ وہ سہم کر پیچھے سرک گئی۔ دروازے

میں کھڑا شخص، گرے پینٹ شرٹ میں ملبوس، گرے بالوں کو سیٹ کیے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود جاذبِ نظر تھا۔ ساٹھ سے اوپر کی عمر، مگر ایک پل کی نظر میں ہی پتا چل جاتا تھا یہ آدمی معمولی نہیں۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا آیا۔ سگار نکالا، سلگایا، اور ہوا میں دھواں چھوڑ کر بولا:

"کام کروگی میرے لیے؟" سیدھی، خشک، فیصلہ کن پیشکش۔ فاطمہ کا دل دھڑکنا بھول گیا۔ اُس کی زبان پر قفل تھا، پر دماغ سوالوں سے بھر گیا۔

"حیران مت ہو، تمہارے بارے میں سب جانتا ہوں۔ جہلم کے دریا کنارے ملی تھی، ایک سال پہلے۔ کومہ میں تھی تم، اور اب؟ تم روم میں ہو۔ میرے گھر میں۔"

"روم؟" یہ لفظ اُس کے وجود پر قفل بن گیا۔ تو کیا وہ ایک سال سے مرنے اور جینے کے بیچ کسی خلا میں قید تھی۔ اُس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ چہرہ زرد، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے، ہونٹوں پہ زندگی کی نمی نہیں۔ ایک زندہ لاش، لیکن سانسیں اب بھی ساتھ تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میرے لیے کام کرو گی، تو اپنے گھر والوں کی موت کا بدلہ لے سکو گی۔" وہ مرد اب اور قریب آیا۔ اُس کی طرف جھکا، اور گویا ہوا۔ بس یہی ایک جملہ تھا۔ وہ جملہ نہیں چنگاری تھی۔ فاطمہ کی آنکھوں میں پہلی بار روشنی جھلکی۔ ہونٹوں نے کچھ نہیں کہا، پر گردن ہل گئی۔ یوں ہی فاطمہ، فاطمہ نہ رہی، وہ کرسٹل کوئین بن گئی۔

جونس روبو نے اُسے اپنی پناہ دی، تربیت دی، اور پھر مافیا کی دنیا میں ایک نئی شکل میں پیش کیا۔ مارشل آرٹس، اسلحے کا استعمال، نفسیاتی کنٹرول، اور معلوماتی جنگ کی تربیت۔ وہ سب کچھ جو ایک قاتل، ایک حکمت عملی ساز، اور ایک محافظ کو درکار ہوتا ہے۔ پھر ایک دن اُسے گلی کے کچرے کے ڈھیر پر ایک بچہ ملا۔ کمزور، دھتکارا ہوا، شاید کسی کے گناہ کا ثبوت۔

گیارہ سالہ اِس بچے میں اُسے اپنی شبیہ نظر آئی۔ وہ اُسے اپنے ساتھ لے آئی، اور جونس روبو نے بھی اُسے منع نہ کیا۔ اِس بچے کی آنکھیں ہو بہو چاندنی جیسی تھیں۔ حرم کو اُس سے ماں جیسی محبت ہو گئی تھی۔ اُس کا کوئی نام نہیں تھا۔ کوئی اُسے "چھوٹو" کہتا، تو کوئی "منا"، لیکن

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس نے اُس کا نام رکھا جازب داؤد مرزا، اپنے باپ کا نام وہ اُسے دیتی، اور خود اُس کی ماں بن گئی تھی۔

یوں ہی وقت گزرا، اور جب وہ بیس سال کی ہوئی تو جونس بیمار رہنے لگا۔ اِس لیے آہستہ آہستہ مافیا کی دوڑ اُس کے ہاتھ میں آنے لگی۔ جونس کوئی بہت بڑا گینگسٹر نہیں تھا، اُس کی گینگ بھی بس معمولی سی تھی۔ اُس کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، اور بیوی پندرہ سال پہلے مر چکی تھی۔ چند ہی ماہ بعد جونس کی موت ہو گئی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے، بس اتنا پتا تھا کہ اُسے ٹریننگ جونس روبو نے دی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

گزرے دنوں میں اُسے ایک لڑکا ملا جو تقریباً اُس سے ایک سال بڑا تھا۔ اُس کا نام جبران تھا۔ اُس کے ساتھ بھی دھوکہ ہوا تھا، اور اُس کی فیملی بھی بدلے کی آگ میں ختم کر دی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ اُس کی گینگ مضبوط ہوتی گئی، پھر اُسے معلوم ہوا کہ اُس کی بہن زندہ ہے اور بلڈی پوائزن کے قبضے میں ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ فوراً اُسے چھڑا لے، لیکن اُسے جونس کی نصیحت یاد تھی۔

"وہ لوگ بہت طاقت ور ہیں، اُن پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں۔" اِس ایک سے ڈیڑھ سال میں، اُس نے کئی لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، لیکن مارتے وقت اُس کے ہاتھ ذرا نہیں کانپتے تھے۔ پر وہ کسی بے گناہ کو نہیں مارتی تھی۔ یہ اُس کا اصول تھا۔ اصل دھاک اُس کی مافیا میں تب بیٹھی جب اُس نے مافیا کے مین لیڈر ریمبو کو پوری ٹیم کے سامنے ایک جھٹکے سے مار ڈالا۔

"ارے یہ کون ہے؟ اِس کی صحت سے لگتا ہے یہ تو کچھ کر ہی نہیں سکتی، چل یہ لے، مجھے مار کر دکھا۔" ریمبو نے اُس کا مذاق اُڑاتے ہوئے اُس کے سامنے گن پھینکی اور تنزیہ کہا۔ وہاں موجود سب لوگ ہنس رہے تھے، لیکن اُس نے لمحہ نہ لگایا۔ گن اُٹھائی، اور سیدھا اُس کی کنپٹی پر گولی چلا دی۔ کمرے میں سکوت چھا گیا۔

ریمبو پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ زمین بوس ہو چکا تھا اور اُسی دن اُسے مافیا کی ملکہ کہا جانے لگا۔ چھبیس سال کی عمر میں اُس نے مافیا میں خود کو منوا لیا تھا۔ جیک اُس کا خاص آدمی تھا، وہ اُسے اپنی بہنوں کی طرح بات کرتا تھا، جس پر اُس نے کبھی اُسے نہیں ٹوکا۔

اُس کے گال پر موجود نشان کا اُس نے کبھی علاج کروایا ہی نہیں تھا۔ وہ نشان اُسے اُس کے مقصد کا جذبہ جگانے کا ہنر رکھتا تھا۔ جب وہ ایک ڈیل کے دوران شاہ میر سے ملی، تو لاشعوری طور پر اُسے سوچنے لگی لیکن پھر وہ بدنما داغ اُسے اُس کا اصل جزو یاد دلا دیتا۔ اُس نے واپس حال میں قدم رکھا، ماضی کی دردناک تلخیوں کو یاد کرتے وہ اُس پر سلگتی نگاہ گاڑے کھڑی تھی، جو سامنے والے کا خون خشک کر گئی تھی۔ جیک نے بے ساختہ اپنی انگلی کی پور سے اپنے آنسو صاف کیے جبکہ جازب تو باقاعدہ رو رہا تھا۔ مگر وہاں ایک اور انسان بھی موجود تھا، جو یہ سب سنتے سکتے میں جا چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆...☆...☆...☆

رات ہی بالاج کو اپنے آدمی سے پیغام موصول ہوا تھا، جو کہ بہت حیران کن تھا۔ اُس نے اشعر کو بتایا کہ اُس کی تلاش مکمل ہو چکی تھی۔ وہ تو ویسے بھی اپنا سب کچھ وائنڈ اپ کر کے یہاں آئے تھے۔ بالاج اب ساری زندگی اپنی ماں کے گھر میں گزارنا چاہتا تھا۔ وہ کوئی اتنا

بڑا مافیا نہیں تھا جس کے جانے سے کسی کو فرق پڑتا۔ وہ ایک معمولی سا گینگسٹر تھا، اور وہ بھی اپنوں کی سازشوں کے باعث ہی بنا تھا۔

اُس کے بابا دراب خان، شیر خان کے خالہ زاد بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھے دوست بھی تھے۔ اُن دونوں نے مل کر کچھ زمینیں خریدیں، نیا کاروبار شروع کیا، جوانی کا دور تھا، دوستی اپنے عروج پر تھی۔ بالاج کی ماں، سمینہ خاتون، اور زارا کی والدہ، زرینہ خاتون، دونوں سگی بہنیں تھیں، اِس لیے اُن کے درمیان مراسم مزید گہرے ہو گئے، لیکن کہتے ہیں نا، ہر چیز کو زوال ہوتا ہے، ایسے ہی اُن کی دوستی کو بھی زوال ہونا تھا۔ اُن کا شروع کیا کاروبار دن دگنی، رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔ اِس وقت بالاج محض پندرہ سال کا تھا جب پہلی بار شیر خان کے دل میں لالچ اُبھرا۔ چونکہ کاروبار میں زیادہ پیسہ دراب خان کا لگا ہوا تھا، اِس لیے منافع بھی زیادہ اُن کے حصے میں آتا تھا، جو کہ اُن کا حق تھا، مگر یہ بات شیر خان کو خاصا چبھ رہی تھی، پر وہ خاموش رہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آہستہ آہستہ دراب خان کو محسوس ہونے لگا کہ شیر خان کی نیت میں کھوٹ پیدا ہو رہی ہے۔ اِسی دوران بالاج ٹرپ پر پشاور گیا ہوا تھا، جب دراب خان نے خاموشی سے اپنا حصہ بیچ کر لال حویلی خرید لی، لیکن ایک زمین ایسی تھی کہ جس کی وجہ سے خان حویلی والوں سے اختلاف شروع ہو گئے، جو محض زبانی کلامی تنازعات تک محدود رہے۔ خیر، شیر خان کو اِس سب کا کوئی لینا دینا نہیں تھا، وہ تو بس لوگوں کے سامنے اپنی اہمیت کا تاثر قائم رکھتا رہتا تھا۔ وقت گزرتا گیا، بالاج اٹھارہ سال کا ہوا تو دراب خان نے اُسے بہترین تعلیم کے لیے ملائیشیا بھیج دیا، اور یہاں چال باز کو اپنی چال چلنے کا موقع مل گیا۔

ایک رات، شیر خان نے اپنے کسی پولیس دوست کے ساتھ مل کر، دراب خان کے اخروٹ کے کارخانے میں ریڈ ڈلوایا، یہ کہہ کر کہ وہاں منشیات کا کاروبار ہو رہا ہے۔ در حقیقت، وہ ایک دن پہلے ہی وہاں موجود اخروٹ کے کارٹن میں منشیات بھری تھیلیاں چھپا چکے تھے، جو ریڈ تفتیش پر برآمد ہوئیں۔ دراب خان لاکھ چیختے رہے، لیکن پولیس اُنہیں پکڑ کر لے گئی، کارخانہ صرف دراب خان کے نام تھا، اِس لیے شیر خان کو معاملے سے دور رکھا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چند دن بعد ضمانت پر وہ رہا ہو گئے، لیکن تب تک اُن کی بدنامی ہو چکی تھی، اور اُن کا کارخانہ ضبط کر لیا گیا تھا۔ بالاج کو سب سے لاعلم رکھا گیا تھا؛ وہ جذباتی تھا، معاملہ بڑھ سکتا تھا۔ دراب خان اِس سب کو سہہ نہیں سکے، اور برین ہیمرج ہوا، اور اُن کی موت ہو گئی۔

اِس خبر نے بالاج کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ بھاگا بھاگا واپس آیا، اور اپنے باپ کی میت کے ساتھ لپٹ کر بے تحاشہ رویا۔ سمینہ خاتون بھی اپنے ہمسفر کی موت کا صدمہ نہ سہہ سکیں اور ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئیں۔ بالاج کی دنیا پل میں اُجڑ گئی تھی۔

چالیسویں تک تو شیر خان نے ظاہری طور پر اُس کی دلجوئی کی، تاہم جیسے ہی لوگوں کا دھیان اُن سے ہٹا، وہ اُس سے بالکل لاپرواہ ہو چکے تھے۔ بالاج کو گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ اُس کا باپ کیسے مرا، وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ یہ جھوٹ ہے۔

وہ مزید یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اُس نے لال حویلی بیچ کر واپس جانا چاہا، لیکن شیر خان نے کہا کہ "دراب خان نے یہ حویلی اُنہیں بیچ دی ہے"۔ وہ سمجھدار تو بہت تھا، پر اتنا نہیں کہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شیر خان جیسی مکروہ سوچ کو پڑھ پاتا۔ اُس کا اب یہاں کچھ نہیں تھا، اِس لیے وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔

لیکن اب حالات ویسے نہیں تھے، وہ ایک ایک پائی کا محتاج تھا۔ کالج کی فیس دینے کے لیے وہ ریسٹورنٹ میں ویٹر کی نوکری کرنے لگا۔

اِسی دوران، ایک بچہ ملا، جسے پاکستان سے اغوا کر کے یہاں بیچا گیا تھا، اور کچھ دن پہلے مالک کے مرنے پر خاندان نے گھر سے نکال دیا تھا۔ تیرہ سالہ وہ بچہ سڑکیں پھرتا، بھیک مانگ کر زندگی گزارنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جیسے ہی اُس کی ملاقات اِس دیارِ غیر میں ایک ایسے انسان سے ہوئی، جس کے ماں، باپ یا کوئی رشتہ نہیں تھا، اُسے جیسے جینے کا ایک مقصد مل گیا۔

بالاج نے اُس کا نام پیار سے اشعر رکھا کیونکہ اُس کے بچپن کا ایک دوست تھا جس کا نام اشعر تھا، پر وہ مر چکا تھا، جبکہ اصل نام اُس بچے کا منان تھا۔ وہ دونوں ہی ساتھ رہنے لگے تھے؛ دو اجنبی، جو تقدیر کے ہاتھوں ایک دوسرے کے لیے پناہ بن چکے تھے۔ وہی ہوٹل

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جہاں بالاج پہلے ویٹر کی نوکری کرتا تھا،اب اشعر بھی وہیں اُس کا ساتھی تھا،مگر اِس معمولی سی نوکری سے اُن کا اِس مہنگے دیار میں گزارا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

اشعر کے پاس پاسپورٹ نہیں تھا،اِس لیے اُس کی حیثیت وہاں غیر قانونی تھی۔کسی بھی وقت،کسی بھی کونے سے خطرہ بر آمد ہو سکتا تھا،لیکن پھر بھی وہ دونوں دن بھر محنت کرتے،رات کو تھکن سے چور ہو کر ایک چھوٹے سے کرائے کے اپارٹمنٹ میں سو جاتے۔ یہ زندگی حسین نہیں تھی،لیکن اُن دونوں کے لیے یہی سب کچھ تھا۔

بالاج نے اپنا O-Level مکمل کر لیا تھا،وہ پڑھائی کو ترک نہیں کرنا چاہتا تھا۔وہ جانتا تھا کہ وہ اِس راستے سے نکلنے کے لیے تعلیم کو واحد کنجی سمجھتا ہے۔زندگی اپنے شکن آلود رخ پر چل رہی تھی،پھر ایک دن ایسا آیا،جس نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔

دسمبر کا مہینہ تھا۔ملائیشیا کی خنک ہوائیں جیسے ہڈیوں کے آر پار ہو رہی تھیں۔ایسی سردی، جو صرف جسم ہی نہیں،روح کو بھی جکڑ لیتی ہے۔بالاج سخت بخار میں مبتلا تھا،بستر سے اُٹھنا بھی محال تھا۔اشعر،جو ہمیشہ اُس کا خیال رکھتا تھا،آج اکیلا کام پر چلا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بس تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گا بھائی، تم فکر نہ کرنا۔" یہ اُس کے جانے سے پہلے کے آخری الفاظ تھے۔ رات کا آخری پہر بیت چکا تھا۔ سورج نکلنے سے پہلے کی گہری خاموشی ہر طرف طاری تھی، لیکن اشعر واپس نہیں آیا۔

بالاج، بخار سے ٹوٹتے وجود کو لیے، اُس ایک کمرے کے اپارٹمنٹ سے باہر نکلا۔ نقاہت نے اُس کے قدم کمزور کر دیے تھے، مگر اشعر کی غیر حاضری کا خیال اُسے سڑکوں پر کھینچ لایا تھا۔ ٹھٹھرتی سردی، ملائیشیا کی خاموش سڑکیں، اور خالی رات سب اُس کی بے بسی کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ اُس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا، وہ پہلے بھی سختیاں دیکھ چکا تھا، لیکن اب جیسے اندر ہی اندر کچھ ٹوٹ چکا تھا۔ اِن چند دنوں میں اشعر نہ صرف اُس کا ہمسفر، بلکہ اُس کی تکلیف کا مداوا بن چکا تھا۔ اُس کی موجودگی جیسے اُجڑے دنوں میں ایک مانوس سا سکون تھی۔

بالاج تھک ہار کر اُسی ہوٹل کے سامنے ایک سنسان فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا، سر ہاتھوں میں تھامے۔ پولیس کے پاس جانا ممکن نہیں تھا، اشعر کی حیثیت وہاں غیر قانونی تھی۔ تب ہی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اُس کی نگاہ سامنے رکھے ایک بڑے سے ڈسٹبن پر پڑی۔ اُس نے نظریں پھیر لیں، لیکن پھر کچھ تھا جو پلٹنے پر مجبور کر گیا۔ ایک انسانی ہاتھ، جو کوڑے سے باہر نکلا ہوا تھا۔ ہاتھ کی انگلی میں بندھی وہ باریک چاندی کی تار... وہی جو اشعر پہنتا تھا۔

اُس کا دل حلق میں آ گیا، وہ گرتے پڑتے، پاگلوں کی طرح اُس ڈسٹبن کی طرف لپکا۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے، آنکھیں اشک بار تھیں۔ وہ کچرا، جو گیلا اور سڑتا ہوا تھا، اُسے اپنے ہاتھوں سے ہٹا رہا تھا، جیسے کسی قیمتی خزانے کی تلاش میں ہو، اور پھر وہ دکھائی دیا۔ اشعر۔

پھٹے ہونٹ، بند سرخ آنکھیں، کمزور، برہنہ وجود، اور درندگی کی اذیت ناک داستان اُس کے جسم پر رقم تھی۔ بالاج کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی، وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں خوف تھا، دل میں تیز دھڑکن، اور وجود میں لرزہ۔ کچھ دیر سکتے کی حالت میں بیٹھا رہا، پھر یکدم اُٹھا، اپنی جیکٹ اور شرٹ اُتار کر اشعر کے نحیف جسم کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی۔ کچرے کی بدبو اُسے ایک لمحے کو بھی محسوس نہ ہوئی، وہ صرف اُسے دنیا سے چھپانا چاہتا تھا، اُن درندوں سے، جو اِس معصوم جان کو نوچ گئے تھے۔

اُس لمحے وہ پوری شدت سے رویا۔ باپ کا سایہ، ماں کی آغوش، اور اب اپنے بھائی جیسے دوست پر ٹوٹا ظلم۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ دنیا معصوموں کی دشمن ہے۔ وہ بھی تو ایک لاوارث تھا۔ آج اشعر کے ساتھ یہ ہوا تھا، کل یہ اُس کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا۔ اُس رات بالاج کے اندر کا درندہ جاگ اُٹھا، ایک ایسا درندہ، جو صرف اُن درندوں کو مارتا تھا، جو انسانیت کے دشمن تھے۔

اشعر کو خود کو سنبھالنے میں وقت لگا، بہت وقت، لیکن وہ سنبھل گیا۔ لڑکیاں سہہ جاتی ہیں، یہ معاشرہ کہتا ہے۔ وہ لڑکا تھا، وہ بھی سہہ گیا، لیکن جو ہر طرح سے ٹوٹ چکا تھا، اُسے صرف ایک سہارا تھا، بالاج، جس نے اُسے اپنی چھوٹی سی دنیا میں ایک بھائی کا درجہ دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا خاندان بن چکے تھے۔

بالاج کو تب تک یہ نہیں معلوم تھا کہ اشعر کے ماضی میں کیا درد چھپا تھا، لیکن ایک دن، جب اشعر نے اپنا ہر زخم لفظوں کی شکل میں اُس کے سامنے رکھ دیا، بالاج کو لگا جیسے اُس

کے اپنے زخم ہلکے ہو گئے ہوں۔ وقت دونوں کے زخموں پر مرہم بنتا گیا۔ بالاج نے اپنا مستقبل برباد نہیں ہونے دیا۔

غیر قانونی دنیا میں قدم ضرور رکھا، لیکن تعلیم کے دروازے بند نہ کیے۔ اُس نے قانون کی اعلیٰ تعلیم مکمل کی، اور پاکستان کے کئی معروف کیسز میں حصہ لے کر خود کو منوایا۔ جب دولت ہاتھ آئی، تو اُس نے فوراً وطن واپسی کی تیاری کی۔ اِن برسوں میں شیر خان سے کوئی رابطہ نہ رکھا، لیکن زرینہ خاتون سے گاہے بگاہے بات ہو جایا کرتی تھی۔ اُن کے سامنے کبھی اپنی حالتِ زار کا ذکر نہ کیا؛ دراب خان کا بیٹا تھا، اپنی ٹوٹ پھوٹ کو دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اُس کی فطرت میں نہ تھا۔

زارا سے برسوں سے کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ بس اتنا جانتا تھا کہ وہ اُس کی منگ ہے، لیکن دل میں کوئی جذبہ پیدا نہ ہو سکا۔ شاید وہ پتھر بن چکا تھا۔ اب اُس کے دل میں صرف زرینہ خاتون کے لیے احترام تھا، اور باقی سب کے لیے خاموشی۔ اب بالاج کے پاس اتنی طاقت، وسائل اور سمجھ آ چکی تھی کہ وہ سچائی تک پہنچ سکے۔ اُسے اِس بات پر مرتے دم تک یقین نہ آتا کہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دراب خان جیسے دیانت دار انسان کو، جو اُس کا باپ تھا، منشیات جیسے مکروہ دھندے میں ملوث کیا جا سکتا ہے، لیکن اب وہ بچہ نہیں رہا تھا، جو آنکھ بند کر کے دوسروں پر اعتبار کر لیتا۔ اب وہ قانون کا

طالبِ علم، ایک زیرک انسان اور ایک بدلے کی آگ میں جلتا ہوا بیٹا تھا۔

اُس نے اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے وہ تمام دستاویزات اور شواہد نکلوا لیے جو اُس وقت پولیس نے چھپائے یا بدلے تھے۔ سچ ہمیشہ چھپتا ہے، لیکن دفن نہیں ہوتا، اور جب سچ اُبھرتا ہے تو وہ سب کچھ بہا لے جاتا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شیر خان سے اُسے اب شدید نفرت ہو چکی تھی۔ وہ شخص، جس نے دراب خان جیسے سچے دوست کی پیٹھ میں چھرا گھونپا، اب اُسی چال کا شکار ہونے والا تھا۔ ابتدا میں بالاج کا خیال تھا کہ وہ زارا سے اُس کا بدلہ لے گا، لیکن جب حقیقت سامنے آئی، تو پتا چلا کہ زارا خود حالات کی چکی میں پس چکی ہے۔ اُسے تو ونی کر دیا گیا تھا۔ سفیر خان بھی کم ظالم نہ تھا، مگر وہ سزاوار نہیں تھا اُس جرم کا جو شیر خان نے کیا تھا۔ کہیں نہ کہیں، دراب خان کی دیانت اور سمینہ

خاتون کی پرورش نے بالاج کے اندر کا انسان ابھی زندہ رکھا تھا۔اِسی لیے اُس نے شیر خان سے وہی کھیل کھیلا جو اُس نے اُس کے باپ کے ساتھ کھیلا تھا:چالاکی، ثبوت، قانون اور انتقام۔

یوں،اپنی وہ تمام زمینیں وہ قانونی طور پر واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔

ملائیشیا،اُس کی تلخ یادیں،اشعر کے کچرے میں پڑے وجود کا وہ لمحہ،اور درد کے وہ سارے دن،سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔اب اُس کا"مورے"اُس کا وطن تھا۔اب وہاں وہ تھا،اشعر تھا،اور اپنے والدین کی بے آواز یادیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اشعر کو جب یہ معلوم ہوا کہ اُس کی بہن زندہ ہے، تو وہ کسی دیوانے کی طرح راتوں رات لندن روانہ ہو گیا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ زینب کو دو ماہ قبل ہی پاکستان منتقل کر دیا گیا تھا۔ اُس کے پاس جو اطلاعات تھیں،اُن کے مطابق زینب کا سراغ صرف"ڈارک ہب"سے ہی مل سکتا تھا۔

وہ مسلسل کوششوں کے بعد بالآخر وہاں پہنچا مگر جو کچھ اُس نے وہاں دیکھا،سنا،اور محسوس کیا،وہ اُس کے وجود کو جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی تھا۔

وہ منظر...

وہ چہرہ...

وہ آواز...

وہ تو فاطمہ تھی۔فاطمہ...اُس کی بہن،اُس کی فاطمہ،اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

(یہ تو ناانصافی ہوئی نا،ہر کسی کو زینب چاہیے،ہر زبان پر صرف زینب کا ذکر،کیا کسی کو فاطمہ نہیں چاہیے؟)

"فاطمہ..."

بس یہی پکار تھی،جس نے سب کو جیسے ساکت کر دیا۔یہ پکار سن کر وہ ٹھٹھک گئی۔جیک اور جازب بھی چونک کر اُس سمت پلٹے۔ہال کے ایک کونے میں کھڑا ایک نوجوان،جس کے

چہرے پر ماسک تھا، آنکھوں میں نمی لیے، صرف فاطمہ کو دیکھے جا رہا تھا۔ فاطمہ اُسے پہچان نہ

سکی۔ جازب فوراً الرٹ ہوا، اُس نے داور کو چھوڑ کر اُس نوجوان پر گن تان دی۔

"یہ ضرور داور خان کا آدمی ہے۔" اُسے یہی لگا، مگر پھر...

"جازب، رُکو!" یہ حرم کی آواز تھی، جو بے اختیار تھی۔

اشعر نے پلکیں جھپکیں، اور ایک آنسو، جو ضبط توڑ چکا تھا، اُس کے گال پر بہہ نکلا۔ فاطمہ کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ وہ پلٹ کر اُس کی سمت قدم بڑھانے ہی والی تھی جب جیک نے فکر مندی سے اُس کا بازو تھاما۔ "حرم، مت جانا! ہو سکتا ہے یہ کسی چال کا حصہ ہو!"

"شُش!" حرم نے جیک کو محض ایک اشارہ کیا اور آگے بڑھ گئی۔ ہر قدم، جو وہ اشعر کی سمت اُٹھا رہی تھی، اشعر کے دل پر گویا ہتھوڑے برسا رہا تھا۔ وہ اُس کے سامنے تھی۔ برسوں بعد، اُس کے خوابوں کی پرچھائیں، اُس کی معصوم فاطمہ۔ مگر یہ وہ فاطمہ نہیں تھی۔ اُس کے چہرے پر پڑا گہرا زخم اشعر کی روح کو چِیر گیا۔ وہ زخم صرف اُس کی جلد پر نہیں

تھا،وہ اُس کے بچپن کی یادوں پر تھا،اُس کی امیدوں پر تھا۔وہ تو ہمیشہ سے شفاف، معصوم، نرم،اور نازک رہی تھی، مگر آج،وہی لڑکی، جسے وہ اپنی چھوٹی سی گڑیا سمجھتا تھا،خون سے رنگے ہاتھ لیے اُس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کون ہو تم؟"حرم فاطمہ نے سخت لہجے میں کہا،اور اُس کی پیشانی پر گن کی نال رکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔اشعر کی آنکھوں سے بہتا ہوا آنسو،اُس کے اندر کسی گہری شناخت کی گواہی دے رہا تھا،مگر حرم کو وسوسوں نے جکڑ رکھا تھا۔وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی،دل اور دماغ کی جنگ چل رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میری فاطمہ... میری بہن... میں ہوں، تمہارا بھائی منان!"اشعر نے جلدی سے ماسک اُتارا،اور ہذیانی کیفیت میں لرزتی آواز کے ساتھ بولا۔اُس کی زبان میں کپکپاہٹ تھی، آنکھوں میں وہ پہچان، جو صرف ایک بھائی کی آنکھوں میں ہو سکتی ہے۔حرم فاطمہ کا وجود گویا زلزلے کی زد میں آ گیا۔وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ہال میں ایک لمحے کے لیے ایسا سکوت چھا گیا کہ سانسوں کی آواز بھی تیز لگنے لگی۔

پیچھے کھڑا داور خان، جو سب کو آپس میں مگن دیکھ رہا تھا، اِس خاموشی کو موقع سمجھتے ہوئے آہستہ سے اپنی کمر کے پیچھے ہاتھ لے گیا تاکہ بندھی ہوئی گن نکال سکے مگر جیک کی باندھی ہوئی رسی نے اُس کے ارادے کو فی الحال ناکام بنا دیا۔

حرم کے ہاتھوں میں لرزش آچکی تھی۔ وہ اندر سے مکمل طور پر مفلوج ہو چکی تھی جیسے اُس کے ذہن نے کام کرنا بند کر دیا ہو۔ اُس کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر زمین پر گری اور جیسے ہی وہ دھات فرش سے ٹکرائی، اُس گونج نے ہال میں پھیلے سکوت کو توڑ ڈالا۔ اُس کی ناک سے بہتا خون اُس کے ہونٹوں کو رنگین کر رہا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی، لیکن آنکھیں پھر بھی اشعر پر جمی ہوئی تھیں۔

"حرم فاطمہ!" یہ پکار صرف اشعر کی نہیں تھی، جاذب، جیک کی بھی آوازیں گونجنے لگیں لیکن وہ، جو برسوں سے زخم سہتی آ رہی تھی، جو اندھیروں کی عادی ہو چکی تھی، آج بھی... ہاں، آج بھی وہ خود کو سنبھال گئی۔ اشعر اور جاذب تیزی سے اُس کی طرف بڑھے۔ جیک نے بھی داور کو چھوڑ کر اُس کی جانب قدم بڑھایا، مگر وہ، صرف دو قدم پہلے، جیک کو ہاتھ کے اشارے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سے رُکنے کا کہہ چکی تھی۔ محض دو قدم کا فاصلہ، لیکن داور کے لیے یہ دو قدم بھی کسی انعام کی مانند ثابت ہو سکتے تھے۔

"فاطمہ، تم ٹھیک ہو نا؟" اشعر نے اُس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے، اُس کے گال پر بنے نشان کو نم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ جازب اُس کے پاس پہنچ کر بھی نہیں پہنچ سکا تھا، اشعر اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا، وہ دل برداشتہ ہوتے نظریں جھکائے اپنے قدم پیچھے لے گیا تھا۔ سامنے کھڑے مرد سے اُس کا خون کا رشتہ تھا اور اِس سے صرف نام کا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اشعر اُس سے کچھ کہہ رہا تھا پر حرم تو یک ٹک اُس کے گلے میں بندھی ڈوری کو دیکھ رہی تھی، جو ہو بہو اُس کے گلے میں بھی موجود تھی۔ اشعر اب اپنے ہاتھ سے اُس کے ناک سے بہہ کر ٹھوڑی تک پہنچتے خون کو پونچھ رہا تھا، پر خون تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا۔

"یہ رک کیوں نہیں رہا؟" اشعر نے بچوں کی طرح روتے ہوئے اُس کے ناک کے پاس ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ حرم اب بھی اُس کے گلے کو دیکھ رہی تھی، آنکھوں پر دھند بڑھتی

جا رہی تھی،شاید سالوں پرانے ناسور پر مرہم رکھنے کا وقت آ گیا تھا،وہ خود کو تیار کر رہی تھی کہ ابھی وہ پوچھے گا،"فاطمہ تم کہاں تھی؟ کیسی تھی؟اب کیسی ہو؟"ایک کندھا جو اُسے آج تک نہیں ملا تھا،آخر ملنے والا تھا،جس میں چہرہ چھپا کر وہ اپنا ہر غم بھلا دیتی۔

"جازب!"

اشعر کی آواز پر جیک نے جازب کو پکارا،جو سر جھکائے کھڑا تھا۔ کیا اُسے حرم کی حالت نظر نہیں آ رہی تھی جو وہ یوں بت بن کے کھڑا تھا؟ جیک کی دھاڑ پر جازب ہڑبڑا کر ہوش میں آیا،پھر جیک کی طرف دیکھا جو سرخی اُتری آنکھوں سے غضب ناک انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔

"جی بھائی؟"

"تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ تکلیف میں ہے، کتنا خون بہہ رہا ہے اور تم یہاں سکتے میں کھڑے ہو!"جیک خود آگے نہیں بڑھ سکتا تھا،ورنہ وہ لمحہ نہ لگاتا اُس کی دوا اُس کے منہ میں ڈالنے میں۔

حرم جیک کی آواز پر بھیگا سا ہنس دی، آہ، وہ اِس انسان کو کیسے بھول سکتی تھی، وہ مجبور نہ ہوتا تو سب سے پہلے سر جھکائے اُس کے آگے کھڑا ہوتا۔

"سوری بھائی!" جازب جلدی سے باہر کی سمت بھاگا اور اگلے ہی لمحے دوائیوں کا باکس پکڑے اندر آیا، ایک ایمرجنسی باکس ہمیشہ وہ ساتھ رکھتے تھے۔

"یہ پکڑو آکر!" جازب کو باکس کھول کرنا سمجھی سے دوائیں الٹ پلٹ کرتے دیکھ جیک نے اُس سے کہا، جس پر وہ اگلے ہی لمحے نزدیک آتے داور کو قابو کر گیا، جبکہ نیلی آنکھوں والا نوجوان تیزی سے سرمئی آنکھوں والی لڑکی کی جانب بڑھتا، باکس میں سے میڈیسن نکالتا، اُس کے منہ

میں ڈال گیا۔ حرم کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے، وہ چاہ کر بھی خود دوا نہیں لے سکتی تھی (یہ بھی ایک الگ ہی بے بسی تھی)۔

اِس سارے ثانیے میں اشعر خاموش، اُس سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا، اُسے بے ساختہ جیک سے جیلسی ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم اب ٹھیک ہو نا؟"

"ہاں، میں ٹھیک ہوں۔"

حرم جیک کو جواب دیتی جلدی سے اشعر کے پاس آئی۔

"بھائی!"

اُس کے لہجے میں کیا کچھ نہیں تھا۔ خوشی، احساس، محبت۔ ہاں، ایک بہن کی محبت۔ وہ جھلمل کرتی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی، اشعر نے آگے بڑھتے اُسے ساتھ لگالیا۔ وہ انتظار میں تھی کہ اب وہ پوچھے گا، "فاطمہ، میری بہن، کیسی ہو تم؟" پر اُس کے لبوں سے تو کچھ اور ہی لفظ ادا ہوئے تھے۔

"فاطمہ، تمہیں پتا ہے مجھے آپی کا پتا چل گیا ہے؟ تمہیں پتا ہے، اُنہوں نے کتنی مشکلیں دیکھی ہیں؟ اور اب بھی وہ کوما میں ہیں، میں نے اُنہیں ڈھونڈ لیا ہے!" وہ بنا رکے ایک ہی سانس میں کہے جا رہا تھا، اور فاطمہ... وہ تو وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اُس کے جواب زبان پر آنے سے پہلے ہی ذہن میں دم توڑ گئے۔ وہ جو خوشی اُس نے محسوس کرنا شروع کی تھی، وہ

تو جیسے دب سی گئی تھی۔ آنکھ میں اُمڈتے جذبات نے دم توڑ دیا تھا۔ کیا وہ کچھ نہیں تھی؟ اُس کا دل بھرا آنے لگا۔ وہ اُس کے سینے سے لگی تھی، پر وہ اُس کا نہیں زینب کا حال بیان کر رہا تھا۔ وہ جیسے سنبھلنے سے پہلے ہی بکھر گئی تھی۔

"اور آپی..."

"بس!" وہ مزید کچھ کہتا، کہ اُس سے دور ہوتی تیز آواز میں چیخی۔ اشعر، جو پُر جوش سا بول رہا تھا، اُس کی زبان گنگ ہو گئی۔

"آپ کے سامنے میں ہوں، زینب نہیں۔ کسی کو میرا درد کیوں نظر نہیں آتا؟ آپ نے دیکھا کہ زینب نے کیا سہا، کیا آپ جانتے ہیں میں نے کیا سہا ہے؟ ارے کوئی یہ کیوں نہیں دیکھتا کہ حرم فاطمہ نے کیا کچھ فیس کیا ہے؟" وہ اپنے بال بری طرح نوچتی حلق کے بل چیخ رہی تھی۔ اُس کی آواز میں کرب محسوس کرتے اشعر سُن پڑ گیا۔ جیک اور جازب اپنی جگہ ساکت رہ گئے، داور خان نے بیزاری سے یہ سب دیکھا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ کو پتا ہے، ہر انسان اپنی کہانی خود لکھتا ہے اور اُس میں خود کو ہیرو لکھنا پسند کرتا ہے لیکن میں، میں یہ بات قبول کرتی ہوں کہ اپنی کہانی کا سب سے منحوس کردار تو میں ہوں، حرم فاطمہ۔ ایک کردار نہیں، نحوست ہے!" وہ اپنے اندر کے ناسور پر مرہم رکھنا چاہتی تھی، پر اب وہ اُسے نوچ رہی تھی۔

"سب کو حرم فاطمہ کب چاہیے ہوتی ہے؟ تب جب کسی کو اُس سے کوئی کام ہوتا ہے۔" وہ آنکھیں میچتی کرب سے ہنسی تھی۔

"کوئی ایک بار، صرف ایک بار مجھ سے پوچھو کہ میں کیا سہہ کر، کیا کھو کر یہاں تک پہنچی ہوں۔" وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرتی، روتی ہوئی، مدھم آواز میں بولی۔ اشعر کے قدم زنجیر ہو چکے تھے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اُس کی بات پر یوں ری ایکٹ کرے گی۔ پتا ہوتا، تو کبھی زینب کا ذکر نہ کرتا۔ وہ اُسے منہ کے بل گرا چکی تھی۔ کیا وہ واقعی غلط کر چکا تھا؟

"آپ کو پتا ہے، میری روح پر لگے زخم بہت گہرے ہیں۔ میں نے اُنہیں سینچ سینچ کر رکھا ہے۔ میں نے کسی کو کہا تھا، 'زخم ہیں، جلد ٹھیک ہو جائیں گے'۔ تو آپ کو پتا ہے اُس نے

مجھے کیا کہا؟" وہ اُٹھ کر کھڑی ہوئی، اُس کے نزدیک آ کر اُس کے سینے پر گال ٹکا گئی۔

"اُس نے کہا، 'زخم تو ٹھیک ہو جاتے ہیں، پر داغ تو رہ جاتے ہیں، جو ہمیں ہمارے حصے میں آئے خسارے یاد دلاتے ہیں'۔ میں نے اُس کی بات پر غور نہیں کیا تھا، پر مجھے آج اُس کی بات کا مطلب سمجھ آیا ہے۔" وہ اپنے گال پر ہاتھ رکھے بلکتے ہوئے بولی۔

دفعتاً فضا میں گولی کی آواز نے اشتعال پیدا کیا، کوئی کچھ سمجھ پاتا، کہ ایک گرم سلاخ سیدھی سیاہ لباس میں ملبوس لڑکی کی پشت میں آ کر پیوست ہوئی، اُس کے وجود نے ایک زوردار جھٹکا کھایا۔ اشعر نے آنکھیں پھاڑے اُس کی جانب دیکھا، جو آہستہ آہستہ پھسلتی ڈھیر ہو چکی تھی۔

لمحہ لگا تھا سب بکھرنے میں۔ جیک نے داور کے ہاتھ سے ایک جھٹکے سے گن کھینچی، ورنہ وہ اگلا فائر اُس پر کر دیتا۔ وہ جھٹپٹایا، پر جیک اُس کے سر پر گن کی نال مار کر اُسے بے ہوش کر چکا تھا۔ جازب پلر کے ساتھ ہی لگا زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔

"فاطمہ!!!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اشعر جلدی سے پیروں پر دباؤ دیے، زمین پر دھپ سے بیٹھا۔ وہ بنا کسی سسکی اور کراہ کے، آنکھیں موند چکی تھی۔ شاید وہ اِس زندگی سے رہائی پانے کی منتظر تھی لیکن کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ کوئی اُس کے پلٹنے کے انتظار میں اپنی پوری عمر گزار سکتا ہے؟

☆...☆...☆...☆

سوات، ہزارہ۔

وسیع و عریض میدان میں ایک بار پھر سال کا دوسرا بڑا جرگہ بیٹھ چکا تھا۔ عدالت لگ چکی تھی۔ چونکہ باران چالیس گاؤں کا سردار تھا، اِس لیے اُس کے خلاف بیٹھنے والے جرگے میں دوسرے بڑے بڑے گاؤں کے سرداران کو بلایا گیا تھا۔ لال حویلی سے محض شیر خان اور دلشیر ہی آئے تھے۔ شیر خان یوں جھکے کندھوں کے ساتھ بیٹھے تھے جیسے سب کچھ ہار چکے ہوں۔ جس بیٹے کے لیے دولت داؤ پر لگائی تھی، بیٹی کو ونی کیا تھا، اُس بیٹے کا خون میں لت پت چہرہ دیکھ کر وہ گویا صدمے میں جا چکے تھے۔ مَلجھا لباس، بڑھی داڑھی، سفیدی اُترے بال... وہ جیسے آج اپنا سب کچھ گنوا کر خالی ہاتھ رہ گئے تھے۔

وہاں موجود کرسیاں یکا یک بھرتی جا رہی تھیں۔ اتنا بڑا اجر گہ گاؤں میں دوسری بار لگ رہا تھا۔ اِس سے پہلے یہ جر گہ شہزاد خان کے قتل پر بیٹھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں دھول اُڑاتی گاڑیاں وہاں آ کر رکیں۔ قطار میں ایک کے بعد ایک لگتی سیاہ پراڈو کو دیکھ کر وہاں موجود تمام لوگ اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

خاموشی کا سماں بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ اُن سیاہ پراڈو سے ایک ایک کر کے تمام خان حویلی کے مرد باہر نکلے۔ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ اپنی نشستوں پر براجمان ہوتے ربان خان نے حیدر خان کی طرف دیکھا۔ موسیٰ اور زارون بھی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے تھے۔ سب نے اچنبھے سے اُن کی جانب دیکھا۔ شاہ میر کو جہاں جانا تھا، وہ جا چکا تھا۔ اُس نے چیف سے بات کی تھی، پر چیف نہیں مانے، اِس لیے مجبوراً اُسے جانا پڑا۔ آج پہلی بار حیدر خان کو شاہ میر کے کام پر طیش آیا تھا۔ وہ اِس وقت سخت پریشان تھے لیکن چہرے کے تاثرات کو حدِ امکان تک نارمل رکھے ہوئے تھے۔ فکر مند تو حویلی کا ہر فرد تھا۔ بات چھوٹی ہر گز نہ تھی۔ اگر وہ ڈیرہ باران کے علاوہ خان حویلی کے کسی بھی فرد کی دسترس میں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوتا تو مسئلہ اتنا بڑا نہ بنتا۔ وہ جانتے تھے، جرگہ پہلی ڈیمانڈ ہی قصاص کی واپسی کا کرے گا، جو کہ باران کبھی بھی نہیں مانے گا، اور یہی سب سے بڑی فکر مندی کی بات تھی اور ایک طرح سے یہ بات صحیح بھی تھی، پر فی الحال اُن کی سمجھ سے باہر تھی۔

"ہمم۔ جرگہ شروع کیا جائے۔" حاجی حفیظ الرحمن کی آواز پر سب اُن کی جانب متوجہ ہوئے۔

"حاجی صاحب، لیکن ابھی خان سردار نہیں آیا۔" وہاں بیٹھے ایک معزز آدمی کی بات پر حفیظ الرحمن نے سوالیہ نگاہوں سے ربان خان اور حیدر خان کی طرف دیکھا، جیسے باران کی غیر موجودگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہوں۔

"وہ آرہا ہے، آپ جرگہ شروع کریں۔" ربان خان سنجیدگی سے بولے تو جرگے کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔

"آج سے دو ماہ پہلے، اکتوبر 13، بروز بدھ، دوپہر ایک بجے، شہزاد خان کی لاش مجرم اور چشم دید گواہ سمیت پرانے پل کے قریب برآمد ہوئی۔ لاش کے پاس سفیر خان نیم بے ہوشی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور نشے کی حالت میں ہتھیار سمیت پائے گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد سفیر خان نے قبول کیا کہ یہ قتل اُنہی کے ہاتھوں ہوا ہے، اور چشم دید گواہ ارمان داور خان نے بھی گواہی دی کہ قتل ہوتے اُنہوں نے خود دیکھا ہے۔ اِسی معاملے کو مدِ نظر رکھتے جرگے نے شیر خان سے خون بہا طلب کیا، صورتِ ونی یا خون کے بدلے خون، جس میں شیر خان نے ونی کو چنا اور اپنی بیٹی زارا شیر خان..."

"زارا شیر خان نہیں، زارا باران حیدر خان!" واقعہ بیان کرتے منیم کی بات باران حیدر کی بھاری آواز نے کاٹی۔

سب نے بے ساختہ میدان میں داخل ہوتے باران کو دیکھا، جو کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس، کندھوں پر سیاہ شال اوڑھے، اپنے پورے جاہ و جلال سے قدم اُٹھاتا آیا اور اپنی مخصوص نشست، یعنی سردار کے تخت پر جا بیٹھا۔ اُس کے آنے پر ہر فرد کھڑا ہوا تھا اور اُس کے بیٹھتے ہی سب بیٹھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"منیم جی، آئندہ خیال رکھیے گا۔ وہ زار اشیر خان نہیں، زار اباران حیدر ہے۔ آگے بڑھیے۔"

باران کے سختی سے کہنے پر اُنہوں نے سر ہلا کر ادب سے اُس کی بات کی تائید کی، اور پھر اپنی بات وہیں سے جاری کی، جہاں سے کاٹی گئی تھی۔

"زارا، باران خان یعنی خان سردار کے نکاح میں دے دی گئی، اور سفیر کو آزاد کر دیا گیا۔"

تمام حاضرین دم سادھے اُس کی بات سن رہے تھے۔ "لیکن کل رات تین بجے، خان ڈیرہ سے جو کہ سردار کی مکمل دسترس میں ہے، وہاں سے سفیر خان کی لاش برآمد ہوئی ہے۔ حلیے سے صاف ظاہر ہے کہ اُن پر سخت تشدد کیا گیا ہے۔" منیم یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

حاجی صاحب نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور ایک گہری نگاہ باران پر ڈالی، جو سر پر دستار باندھے، چہرے پر کسی قسم کا تاثر سجائے بغیر بیٹھا تھا۔

"اِس کا حل بتائیے۔" اُنہوں نے سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"حل بہت آسان ہے، اگر سردار ونی واپس لوٹا دیں، تو خون کے بدلے خون کا قانون نافذ ہو گا۔ یعنی، شہزادخان کے بدلے سفیر خان کا خون۔" منیم کی بات سن کر، مجلس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ خان قتل قبول کر لیتے ہیں، مگر نکاح میں دی گئی عورت کو واپس نہیں کرتے۔

حیدر خان نے بے ساختہ ربان خان کی طرف دیکھا، جس بات کا خدشہ تھا، وہی ہو چکا تھا۔

زارون اور موسیٰ نے بیک وقت باران کی طرف دیکھا، جو کسی غیر مرکزی نقطے پر نظریں جمائے بے حس بیٹھا تھا۔ یہ لمحہ حفیظ الرحمن کے لیے بھی پریشان کن تھا۔

"کوئی اور حل؟" حاجی صاحب نے پھر سے استفسار کیا۔ وہ بزرگ تھے، اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے کوئی مداخلت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

"جی، وہ..." منیم نے گلا صاف کرتے ہوئے سب پر نگاہ ڈالی۔

"منیم، ہم نے حل مانگا ہے!" کافی ناگواری سے اُسے گھورا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”سردار کو سرداری سے برخاست کر دیا جائے۔“ یہ الفاظ ادا ہوتے ہی محفل میں موجود ہر شخص گویا پتھر کا ہو گیا۔ یہ کیسا کٹھن امتحان تھا؟ سب کی نگاہیں باران پر مرکوز ہو گئیں؛ فیصلہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ گدی یا عورت؟ فضا دم سادھے اُس کے فیصلے کی منتظر تھی۔

زارون نے موسیٰ کو دیکھا، نظروں ہی نظروں میں سوال کیا، ”اب کیا ہو گا؟“ پھر ربان خان کی طرف نگاہ دوڑائی، جن کا چہرہ ضبط سے سرخ تھا، اُن کی آنکھوں سے خون بس ٹپک رہا تھا۔ وہ سرداری کے لیے نہ صرف جان دے سکتے تھے، بلکہ جان لے بھی سکتے تھے، کیونکہ اُن کے نزدیک زندگی سے زیادہ قیمتی شے عزت تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

”سردار باران حیدر، جواب دیجیے، گدی یا عورت؟“ حفیظ الرحمن کی آواز میں ٹھہراہوا جلال تھا۔ باران نے سرخ گوشوں والی آنکھوں سے اپنے باپ اور تایا کو دیکھا، دونوں نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

”حاجی صاحب، کیا کوئی اور راستہ ہے؟“ باران کے لب کھلنے سے پہلے ہی حیدر خان بول پڑے۔

حفیظ الرحمن نے اُن کی طرف دیکھا، وہ بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ باران، اُن کا مان رکھنے والا بیٹا تھا، سو وہ یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب تھے۔

"منیم؟" اُنہوں نے ایک اور موقع دیا۔

"ونی کے بدلے ونی، یعنی سردار کی بہن کو شیر خان کے اہلِ خانہ کے حوالے کر دیا جائے۔"

منیم نے سر جھکائے، حلق تر کرتے ہوئے الفاظ ادا کیے۔ وہ جانتا تھا، یہ بات بہت بڑی ہے۔ اُس کی شامت بھی آسکتی ہے۔ مگر جرگے کے فیصلے تو اکثر ظالمانہ ہی ہوتے ہیں۔

موسیٰ پر جیسے تیزاب کا بے رحم سیال انڈیل دیا گیا ہو۔ وہ تڑپ اُٹھا تھا اپنی زر کا نام سن کر۔ وہ اُٹھنے ہی والا تھا کہ زارون نے فوراً اُس کا بازو تھام لیا۔ سبز آنکھوں والے مرد نے غصے میں گردن موڑ کر سیاہ آنکھوں والے مرد کو دیکھا، جو خود بھی ضبط کے کٹھن مرحلے سے گزر رہا تھا۔ زارون نے نفی میں سر ہلا کر موسیٰ کو خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔ معاملہ ویسے ہی نازک تھا، موسیٰ کا کوئی بھی ردِ عمل مزید بگاڑ پیدا کر سکتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بس!" باران اپنی کرسی سے کھڑا ہوا اور گرجا، "خبردار! اگر کسی نے اب کسی عورت کا نام اِس جرگے میں لیا۔ وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے، میری بہن ہے! اور میری کیا، یہاں کی ہر عورت ہمارے لیے قابلِ احترام ہے۔ بہتر ہو گا اب کسی عورت کا ذکر نہ کیا جائے!" باران کی تنبیہ بھری آواز پر حاجی صاحب مسکرائے۔ واقعی، وہ سرداری کے تخت پر بیٹھنے کے اہل تھا۔

"سردار صاحب، شاید آپ بھول رہے ہیں، شروعات تو آپ ہی کے گھر سے ہوئی تھی۔" دلشیر کی تلخ بات نے زارون کو زمین میں گڑھنے پر مجبور کر دیا۔ یہ ایک ایسی غلطی تھی جس پر وہ آج بھی نادم تھا۔ زبان اکثر انسان کو زندگی میں ایک بار ضرور شرمندہ کرتی ہے اور وہ شرمندگی تمام عمر ساتھ رہتی ہے۔

"دلشیر! ہم یہاں موجود ہیں!" حفیظ الرحمن کی آواز میں سختی تھی۔

"باران حیدر، ہم آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”میں اپنا فیصلہ کر چکا ہوں۔“ باران نے عاجزی سے حاجی صاحب کی طرف دیکھا۔ مجلس میں سناٹا چھا گیا۔

”میں، سردار باران حیدر خان، فرزندِ حیدر خان، سرداری سے برخاست ہوتا ہوں۔ میں اپنی عورت کے لیے یہ گدی، یہ سرداری چھوڑتا ہوں۔ میرے لیے میری شریکِ حیات سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں۔ مجھے امید ہے، مجھ سے بہتر انسان اِس گدی کو سنبھالے گا اور جو میں نے گاؤں میں اسکول کی بنیاد رکھی ہے، اور پرانے پل کو توڑ کر نیا بنانے کا کام شروع کیا ہے، وہ سب جاری رہے گا۔ میں جیسے اپنے لوگوں کی خدمت کر رہا تھا، کرتا رہوں گا۔“ باران نے بلند آواز میں اپنا حتمی فیصلہ سنایا، پھر اپنی دستار اُتار کر، اونچی مسند کرسی پر رکھ دی۔

یہ تاریخ میں پہلی بار ہوا تھا کہ کسی سردار نے اپنی عورت کے لیے سرداری چھوڑ دی تھی۔

ہزارہ کی فضائیں کتنی ہی دیر ساکت سی خاموشی سے اُن سب کی جانب دیکھتی رہیں، شاید وہ اُن کے ردِ عمل کی منتظر تھیں اور پھر اُن خاموش فضاؤں نے باران کو اپنی پگڑی وہیں چھوڑتے،

نیچے کی جانب قدم بڑھاتے دیکھا۔ وہ سیدھا چلتا ہوا حاجی صاحب کے سامنے آ کھڑا ہوا، پھر جھک کر اُن کا ہاتھ عقیدت سے چوما۔ وہ اُس کے دادا کی عمر کے تھے، وہ اُن کی بے تحاشہ عزت کرتا تھا۔

حفیظ الرحمن نے مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اُن کی مسکراہٹ میں مثبت اثرات دیکھ کر اُس کا دل پر سکون ہوا یعنی وہ اُس کے فیصلے پر مطمئن تھے۔ اُس نے غلطی سے بھی ربان خان یا حیدر خان کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتا تھا، وہ غصے میں ہیں اور اُن کا غصہ بجا ہے، اگر وہ اپنی جگہ صحیح تھا تو وہ لوگ بھی اپنی جگہ درست تھے۔ دل اُس کا بھی دکھا تھا کہ وہ اپنے باپ اور تایا کی خواہشوں پر پورا نہ اُتر سکا، لیکن وہ اپنی بیوی کو کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

اُس نے اللہ کو گواہ بنا کر اُسے اپنی دسترس میں لیا تھا۔ پہلے وہ بے شک اُس سے نفرت کا دعوے دار تھا، لیکن کبھی بھی اُس سے دستبردار نہیں ہو سکا۔ ہاں، اُس نے اُس پر ہاتھ اُٹھایا تھا، جس پر شاید وہ ساری زندگی پشیمان رہے گا۔

پتا نہیں کیوں، لیکن آج وہ بہت دل برداشتہ ہو رہا تھا، پھر اُس نے ترچھی نگاہ سے اپنے بھائیوں کو دیکھا، زارون اور موسیٰ اُسے دیکھ کر ہلکا سا سر خم کر گئے۔ وہ یکدم سرشار ہوا۔ آہ! اُس کے بھائی اُس کے ساتھ تھے۔ کیا بھائیوں سے بڑی بھی کوئی طاقت ہوتی ہے؟

حفیظ الرحمن نے حیدر خان اور ربان خان کی جانب دیکھا، جہاں حیدر خان آنکھوں میں افسوس اور غصہ لیے باران کو دیکھ رہے تھے، وہیں ربان خان خاموش، سپاٹ چہرہ لیے، نگاہیں زمین پر گاڑے بیٹھے تھے۔ اُن کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اُن کی آنکھیں زمین کو گھور رہی تھیں، اِس لیے وہ اُن کی آنکھوں کا حال جاننے سے قاصر رہے۔

ماحول کی سنگینی دیکھتے ہوئے، اُنہیں فی الحال جرگے کو یہیں برخاست کرنا مناسب لگا۔ اُنہوں نے اپنی شال جھٹکی، اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کھڑے ہو گئے۔ اُنہیں کھڑا ہوتا دیکھ سب ہی اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔ پھر گلا کھنکار کر اپنی بات شروع کی۔

"جیسا کہ واضح ہے کہ باران حیدر اپنی گدی چھوڑ چکے ہیں..." اِس ایک جملے پر ایک پانی کا قطرہ، جو خان کی آنکھ سے نکلا، خشک زمین میں جذب ہو گیا۔ سب کھڑے ہو چکے تھے، پر وہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بیٹھے تھے، اُسی حالت میں۔ حاجی صاحب نے اُنہیں کچھ نہ کہا، حالانکہ یہ خلافِ ادب تھا، لیکن معاملہ بہت نازک تھا، اُنہیں چھیڑنا مناسب نہ تھا۔

"اِس لیے یہ گدی خالی ہو چکی ہے۔ یہ کب، کس کو دی جائے گی، اِس کا فیصلہ بعد میں ہو گا، لیکن بے فکر رہیں، جو اِس کا حق دار ہو گا، یہ اُسے ہی ملے گی، اور چونکہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے، ہم اِس جرگے کو برخاست کرتے ہیں۔" حفیظ الرحمن کی خالص پشتو میں کہی گئی بات کو سب نے بغور سنا۔

دلشیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا سر دیوار سے دے مارے۔ یہ کیا ہو گیا تھا؟ اُس نے تو کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔ سوچ یہ تھی کہ زار اواپس مل جائے، جسے وہ بالاج کے حوالے کر کے اپنی زمینیں حاصل کر لے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو چکا تھا۔ شیر خان نے کئی بار بیچ میں کچھ کہنا چاہا، پر دلشیر نے اُنہیں بولنے ہی نہ دیا۔ اب اُن کے کچھ کہنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں رہا تھا۔ جرگے کے فیصلے واقعی بہت ظالم ہوتے ہیں، لیکن کیا واقعی؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"رکیے، حاجی صاحب! آپ نے سب کا فیصلہ کر دیا، اب ذرا مجھ پر بھی نظرِ ثانی کر دیجیے۔" حفظ الرحمن کی بات اختتام پذیر ہوتے ہی وہاں کسی کی پُر سوز آواز گونجی۔ اِسی آواز پر سب ٹھٹھک گئے، حتیٰ کہ باران، جو اب باہر جانے ہی والا تھا، وہ بھی رک گیا۔ سب ہی اُس آواز کی جانب متوجہ ہوئے، یہ آواز اُس بھیڑ سے آئی تھی جو جرگے کا فیصلہ سننے کے لیے گاؤں کے لوگ آئے تھے۔

اُس بھیڑ کو چیرتا ہوا ایک نوجوان نمودار ہوا۔ سفید ٹی شرٹ، لیونڈر رنگ کی پینٹ میں ملبوس وہ نوجوان بہت منفرد نظر آرہا تھا۔ بفی (padded) جیکٹ، سٹائلش بال، ذہین آنکھیں، اور ہلکی بیئرڈ۔ واقعی یہ علاقے کے مردوں سے بہت مختلف تھا۔

وہ سنجیدگی سے چلتا ہوا حفیظ الرحمن کے سامنے آ کھڑا ہوا، جو اُسے اپنی تھوڑی سی اونچی مسند سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ کی آنکھوں میں اُس کے لیے شناسائی تھی، کچھ کی میں اجنبیت نے جگہ لی۔ باران، زارون اور موسیٰ بھی حیران نظروں سے اُس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ یہ یہاں کیوں آیا ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لڑکے، تم کون ہو؟ اور یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" یہ سوال سب کی آنکھوں میں تھا، لیکن حفیظ الرحمن کی زبان سے نکلا تھا۔

"پہچان میں کیا رکھا ہے، حاجی صاحب؟ وہ بعد میں کروادوں گا۔ پہلے میرا مسئلہ سنیے۔" نوجوان نے سکون سے کہا۔

"بتاؤ، ایسا کیا مسئلہ ہے تمہارا، جو تم نے بیچ جرگے میں دخل اندازی کی؟"

نوجوان سنجیدگی سے بولا، "میرا فیصلہ حق کے ساتھ ہوگا، کیا اِس کی گواہی آپ دیں گے؟" یہ سوال تھا یا کوئی چیلنج؟ حاجی صاحب کے چہرے پر ناگواری کا تاثر آیا۔ واقعی اُنہوں نے اِس سوال کو ایک چیلنج کے طور پر لیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی نشست پر تنبیہ سے گرفت قابو کی، باقی لوگوں کو بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ جرگہ ایک بار پھر، اب کچھ نئے انداز میں شروع ہو چکا تھا، سب کی سوچ کے خلاف۔

"میرا نام بالاج ہے، دراب خان کا بیٹا اور زمیر خان کا پوتا۔" وہ بولتے بولتے رکا اور سوالیہ نگاہوں سے سب کو دیکھا، "دراب خان اور زمیر خان کو جانتے ہیں نہ؟" یہ سن کر حفظ الرحمن کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات اُبھرے، اور اُنہوں نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔

(زمیر خان، حفظ الرحمن اور جہانگیر خان بچپن کے دوست تھے، لیکن شادیوں کے بعد سب اپنی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے۔ حفظ الرحمن کے والد کسی دوسرے گاؤں کے سردار تھے، وہ وہاں سرداری کے وارث بنے، جبکہ ہزارہ میں یہ مقام جہانگیر خان کو ملا۔ اگر یہ دستار جہانگیر خان کو نہ ملتی، تو شاید زمیر خان کو مل سکتی تھی، لیکن اُنہیں سرداری میں کوئی دلچسپی نہ تھی، تو یہ دستار اُن کے خاندان میں نسل در نسل چلنے لگی۔)

بالاج نے اُن کے سر ہلانے پر سر خم کیا اور اپنی بات جاری کی، "اگر آپ کو یاد ہو، تو جہانگیر خان نے وصیت کی تھی کہ اگر کبھی اُن کے خاندان کو اِس دستار یا گدی سے دستبردار ہونا پڑا، تو اِسے زمیر خان کے خاندان کو سونپ دیا جائے، اگر وہ اِس کے اہل ہوں۔" یہ سن کر محفل میں خاموشی چھا گئی، ہر ایک نے آپس میں سرگوشیاں شروع کر دیں۔

باران کو اُس کی بات کی منطق سمجھ آچکی تھی، مگر وہ حیرت میں تھا۔ ایسا کیسے ممکن ہے؟ وہ زارون اور موسیٰ کے ساتھ نشست پر موجود تھا، جب اچانک ٹھٹھکا۔ ربان خان اور حیدر خان وہاں موجود نہیں تھے! اُس کی پیشانی پر تشویش کی لکیریں اُبھریں۔ وہ کہاں گئے؟ کیا وہ حویلی چلے گئے؟ (اف! اف!) وہ تیزی سے اُٹھا، موسیٰ اور زارون بھی اُس کے پیچھے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُس کے قدموں نے باہر کا رُخ کیا۔

ہاں، وہ یقیناً حویلی گئے تھے اور ربان خان کے غصے سے کون ناواقف تھا؟ اگر حیدر خان پانی تھے، تو ربان خان آگ تھے۔ ایسی آگ جس میں بھڑکتی چنگاری آج سے پینتیس سال پہلے خان حویلی والوں نے دیکھی تھی، جب جہانگیر خان نے ربان خان کی پسند کو رد کر دیا تھا۔

(جبہ خانم اور ربان خان کا رشتہ بچپن سے طے تھا۔ وہ ربان خان کی منگیتر تھیں لیکن جب رشتے کی بات کھلی، تو ربان خان نے صاف انکار کر دیا۔ وہ تو پہلے ہی اپنی تایا زاد زوبیہ خانم کو پسند کرتے تھے۔ اُس وقت جبہ کی عمر بیس سال، اور زوبیہ کی سولہ تھی۔ جب یہ خبر جہانگیر خان تک پہنچی تو وہ بھڑک اُٹھے۔ وہ کیسے اپنے چھوٹے بھائی کی بیٹی کو چھوڑ کر بڑے بھائی کی

بیٹی کو مانگ سکتے تھے؟ لیکن ربان خان اُس وقت کہاں کچھ سمجھنے والے تھے۔ یہ بات جبہ خانم تک پہنچی تو وہ ہتک کے احساس سے بلبلا اُٹھیں۔ اُنہیں تو بچپن سے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ ربان خان کی دلہن بن کر گاؤں کی سردارنی کہلائیں گی۔ اُن دنوں حویلی میں بہت ہنگامے ہوئے، لیکن ربان خان نے سب مخالفتوں کو روندتے ہوئے زوبیہ خانم کو اپنا لیا۔ آخر کار جہانگیر خان نے بھی ہار مان لی۔ وہ زوبیہ خانم کے ساتھ برا سلوک کرتے تو نہیں کر سکتے تھے، بہر حال وہ بھی تو اُن کے بڑے بھائی کی بیٹی تھی۔ اُن دنوں جہانگیر خان کے چھوٹے بھائی، یعنی جبہ خانم کے والد، اُن سے بد ظن ہو چکے تھے۔ اِسی لیے اُنہوں نے جبہ خانم کا نکاح سترہ سالہ داور خان سے کر دیا، حالانکہ جبہ بیس سال کی تھیں۔ حیدر خان تو پہلے ہی اُن کی بہن کی بیٹی کے منگیتر تھے۔ جبہ خانم نے احتجاج کرنا چاہا، مگر باپ کے جُڑے ہوئے ہاتھوں نے اُن کی زبان روک دی۔ یوں وہ داور خان کے نکاح میں آ گئیں، مگر مسئلہ یہ تھا کہ داور خان کو وہ بالکل پسند نہیں تھیں، کیونکہ وہ اُن سے بڑی تھیں۔ شادی کے پانچ سال بعد بھی اُنہوں نے رخصتی نہیں لی۔ ایک ہی حویلی میں رہتے، وہ دن رات زوبیہ خانم اور ربان خان کو دیکھتی

رہتیں اور کڑھتی رہتیں۔ پہلے احساسِ کمتری، پھر حسد اور آخر کار نفرت نے اُنہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جہانگیر خان کی وفات کے بعد، جب داور کے چچا پر آخری وقت آیا، تو مجبوراً وہ رخصتی پر آمادہ ہوئے۔ کچھ حیدر خان کے سمجھانے کا اثر تھا کہ وہ مان گئے، لیکن رخصتی کے بعد بھی اُن کا رویہ نہ بدلا۔ حبہ خانم کے اندر کی ساری خواہشات اور خواب خاک ہو چکے تھے۔ وہ اپنے باپ کے ایک غلط فیصلے پر جیتی اور روز مرتی تھیں۔ وہ صاحبِ اولاد ہو چکی تھیں، لیکن داور خان کے خون سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ سائرہ سے انس رکھتی تھیں، کیونکہ اُس میں اُنہیں اپنی جوانی دکھتی تھی، جسے خاندان کی روایات نے روند ڈالا تھا۔ وہ خود سے اکثر پوچھتیں، کیا ربان خان دنیا کے آخری مرد تھے کہ اُن کے انکار پر اُنہیں کسی کے بھی ساتھ باندھ دیا گیا؟ اُنہوں نے ہر وہ چیز زارا پر آزمائی جو کبھی داور خان نے اُن کے ساتھ کی تھی۔ حقیقی معنوں میں وہ ایک وکٹم تھیں، مگر وقت بیت چکا تھا۔ اب وہ صرف ایک حاسد عورت رہ گئی تھیں)۔ خیر، اگر ہم ایک بار پھر میدانِ جرگہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ باران وہاں سے نکل چکا ہے۔ موسیٰ اور زارون بھی اُس کے ساتھ روانہ ہو چکے ہیں۔

مگر ”ٹھیک ہے، ہم سمجھ گئے تم کون ہو، اب بتاؤ ہم سے کیا چاہتے ہو؟“ حفیظ الرحمن، بالاج کی پہچان جاننے کے بعد سوالیہ انداز میں گویا ہوئے۔ وہ بچے نہیں تھے کہ اُس کا مقصد نہ سمجھ پاتے، مگر اُس کی زبان سے سننا ضروری تھا۔

”سیدھی بات ہے حاجی صاحب، خان حویلی والے اِس گدی سے دستبردار ہو چکے ہیں، اِس لیے اب آفیشلی اِس گدی کا حق دار میں ہوں۔“ ذہین اور زیرک آنکھوں والے اُس نوجوان کی بات، وہاں بیٹھے کئی لوگوں کو برچھی کی طرح چبھی، خاص طور پر دلشیر کو۔

”لڑکے، تم بھول رہے ہو، تمہارا باپ ایک فراڈ آدمی تھا، جس کی کوئی عزت نہیں تھی۔ نہ اُس کے پاس ایسی زمین تھی کہ تمہیں اِس گدی کے لیے حسب نسب کے قابل سمجھا جا سکے!“ یہ بات وہاں موجود بلال نامی آدمی نے کہی، جو دوسرے گاؤں کا سردار تھا۔

بالاج سب کچھ سن سکتا تھا، پر اپنے باپ کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں۔ اُس کا خون کھول اُٹھا، آنکھیں تیزی سے سرخ ہوئیں۔ وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"زبان کو لگام دو، بلال قیصر خان، ورنہ یہی زبان حلق سے کھینچ کر گدی پہ لپیٹ دوں گا!" اُس کی کاٹ دار آواز خاصی اونچی تھی۔ ایک لمحے کو بلال گڑبڑا گیا، لیکن وہ بھی سردار تھا، خاموش کہاں رہ سکتا تھا؟ مگر مسئلہ یہ تھا کہ حفیظ الرحمن کی سخت، تنبیہ کرتی نظروں کو وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، اِس لیے خاموش ہو گیا۔

"حاجی صاحب، سمجھا دیں اُنہیں، جب تک آپ اور میں ہم کلام ہیں، کوئی بھی اپنی ٹانگ بیچ میں نہ اڑائے، ورنہ خون مجھ میں بھی خانوں کا ہے!" وہ دھیمے لہجے میں مگر الفاظ چبا چبا کر کہہ رہا تھا، جیسے اپنے اصل مدعے سے ہٹنے کو تیار نہ ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شیر خان خاموش تماشائی بنے بیٹھے تھے۔ وقت نے اُنہیں بری طرح مارا تھا۔ اُن کے گناہوں کی سزا اُن کی اُس اولاد کو ملی تھی، جس سے وہ بے پناہ محبت کرتے تھے۔

"لڑکے، تم اپنی بات مکمل کرو۔" حفیظ الرحمن نے سنجیدگی سے کہا، تو بالاج نے گہرا سانس بھرا اور سر ہلایا۔ خان حویلی کا ہر فرد وہاں سے جا چکا تھا، جنہیں روکنا کسی نے بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔

"حاجی صاحب، اِس گدی کا حق دار میں ہوں۔ زمینیں الحمدللہ میرے پاس ہیں، وہ بھی میرے اپنے باپ کی۔ میری اپنی پہچان بھی ہے؛ میں ایک قابل وکیل ہوں، ہر طرح کے داؤ پیچ سے واقف، اور مجھے نہیں لگتا کہ آپ لوگوں کو اِس پر کوئی اعتراض ہونا چاہیے۔"

بالاج نے پُر اعتماد

انداز میں کہا، اور آخر میں سوالیہ نگاہیں سب پر گاڑھ دیں۔

حفیظ الرحمن نے پر سوچ نظروں سے بالاج کو دیکھا، وہ نوجوان جو اتنے لوگوں کے سامنے بے جھجھک اپنے حق کا دعویٰ کر رہا تھا۔ سب کچھ خاموشی سے دیکھتے ہوئے، عبدالرحمن نے اپنی نشست سے اُٹھ کر حاجی صاحب کے کان کے قریب آ کر آہستہ سے پشتو میں کچھ کہا۔

"اباجی، میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ دراب خان نے کیا تھا، کیا اُس کے بعد بھی یہ لڑکا گدی کا حق دار بن سکتا ہے؟" گاؤں کی گدی کوئی عام زمین نہ تھی، جو کوئی بھی یوں حق کا دعویٰ کر کے حاصل کر لیتا۔ حفیظ الرحمن نے بھی ایک نظر اپنے بیٹے پر ڈالی، پھر بالاج پر۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سردار کی گدی کی حیثیت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج تک اُنہوں نے اپنی جگہ اپنے بیٹے کو نہیں دی تھی، کیونکہ اُن کے مطابق وہ اُس میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔

"لڑکے، دراب خان کی اصلیت جانتے ہو؟" جس طرح وہ اپنے باپ کے لیے لڑنے مرنے کو تیار تھا، اُس سے یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ شاید وہ ماضی سے ناواقف ہے۔ بالاج کے چہرے پر سخت برہمی کے آثار تھے، جیسے وہ خود پر قابو پا رہا ہو۔

"جی، بالکل جانتا ہوں اور بے فکر رہیں، ابھی اِسی وقت، میں اپنے بابا کے نام پر لگا وہ برسوں پرانا داغ صاف کر دوں گا، جس کی بنیاد پر آپ سب نے اُن پر حقارت بھری نظریں ڈالیں!"

بالاج کی اِس بات نے سب کو چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے فوری طور پر اپنے فون سے کسی کا نمبر ملایا۔

"لے آؤ۔"

مختصر الفاظ میں کہہ کر اُس نے کال منقطع کی اور سب کی طرف دیکھا، جو حیرانی سے اُسے دیکھ رہے تھے، خاص طور پر شیر خان۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ ایک وردی میں ملبوس، درمیانی عمر کا شخص، ایک تقریباً چالیس سالہ آدمی کو ہتھکڑیاں لگائے گھسیٹتا ہوا میدان کے بیچ لایا، اور زمین پر پھینک دیا۔ بالاج کی نظریں شیر خان پر ٹک گئیں جن کا رنگ سفید پڑ چکا تھا، وہ ایک مردہ جسم کی مانند لگ رہے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اُس آدمی کو پہچانتے ہوں۔ بالاج نے اُن کی جانب سے نظریں ہٹا کر اپنی نشست چھوڑی اور اُس آدمی کے قریب پہنچا۔ اُس کے بالوں میں ہاتھ ڈال کر ایک جھٹکے سے اُسے کھڑا کر دیا۔ اُس شخص کی کراہ بے ساختہ نکلی۔

"تم منہ کھولو گے؟ یا میں کھلواؤں؟" وہ برہمی سے بولا اور اُس کے بالوں پر گرفت مضبوط کر لی۔

حفیظ الرحمن نے ناگواری سے اُس کی یہ حرکت دیکھی، یہ کسی سے سوال کرنے کا طریقہ نہ تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے، اُس رمیض نامی آدمی کی آواز گونجی، اور ایسا انکشاف ہوا کہ صرف وہی نہیں، ہر فرد حیرت و بے یقینی سے کھڑا ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرا کوئی قصور نہیں ہے! مجھے دراب خان کے کارخانے میں وہ اخروٹ کے باکس رکھنے کا شیر خان نے کہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اُن اخروٹ سے بھری پیٹی میں منشیات بھرے اخروٹ ہیں۔ دراب خان نے کچھ نہیں کیا تھا، وہ تو بہت اچھے تھے، اُنہیں شیر خان نے برباد کر دیا،

لیکن میرا... میرا اِس سب سے کوئی لینا دینا نہیں... میرا کوئی قصور نہیں تھا... میرا..." وہ تیزی سے اپنی مقامی زبان میں بول رہا تھا۔

اُس کی آواز، اُس کا لہجہ، اور آنکھوں میں تیرتا خوف، یہ سب کچھ صرف ایک ہی بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ خود کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتا تھا۔ یکدم وہاں کی فضا میں گھٹن پھیل گئی۔ چہ میگوئیاں بڑھنے لگیں، لوگ ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ شیر خان کا حال ایسا تھا جیسے کاٹو تو لہو نہیں۔

حفیظ الرحمن کی آنکھوں میں، اور وہاں موجود ہر فرد کی آنکھوں میں ایک ہی سوال تھا، "کیا یہ سچ ہے؟ کیا جو ابھی سنا، وہ واقعی سچ ہے؟ کیا دراب خان واقعی بے گناہ تھے؟" سب کی بولتی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نگاہیں، خاموش اور پژمردہ چہرہ لیے شیر خان پر جمی ہوئی تھیں، جو گلے پر ہاتھ رکھے، اِس گھٹن بھری فضا میں سانس لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اِس وقت وہ ایسا محسوس کر رہے تھے، جیسے کسی نے اُن کی گردن پر پاؤں رکھ دیا ہو؛ سانس رُکی ہوئی، زبان گنگ، آنکھوں میں شرمندگی کی ایک دبیز تہہ۔

شیر خان کی حالت نے سب کچھ واضح کر دیا۔ اُن کے تتر بتر ہوتے وجود کو الفاظ کی ضرورت نہیں رہی تھی اور پھر... سچ تو چھپتا ہی نہیں! اب سرگوشیاں بلند ہو رہی تھیں، سچ خود بخود کھلنے لگا تھا۔ دلشیر نے جب دیکھا کہ اب شیر خان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، تو وہ بھی دو قدم پیچھے ہٹ کر اُن کے خلاف کھڑا ہو گیا۔

ذہین آنکھوں والا نوجوان بس ایک طرف کھڑا اُس شخص کی ذلت دیکھ رہا تھا، جس نے اُس کے باپ کی عزت خاک میں ملائی تھی۔ آج اُس نے اپنے باپ کی عزت کا بدلہ لے لیا تھا۔ جب عزت پر وار ہو تو سامنے والے کو چِیر دینا حق بن جاتا ہے۔ اب ماہان کو سولی پر چڑھانے کا وقت آ چکا تھا۔ اِس کہانی کا ایک اور سیاہ کردار اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

(آہ! جرگے کے فیصلے واقعی بہت سخت ہوتے ہیں)۔

☆...☆...☆...☆

باران کی گاڑی خان حویلی کے وسیع پورچ میں تیزی سے آ کر رکی۔ اُس کے پیچھے ہی زارون اور موسیٰ کی گاڑی کے ٹائروں کی چرچراہٹ گونجی۔ باران دروازہ کھول کر برق رفتاری سے باہر نکلا۔ اُس کے قدموں میں بے تحاشا عجلت تھی۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر داخل ہوا تو اُس کی سوچ کے عین مطابق حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا۔

"لو، آ گیا تمہارا لاڈلا! پوچھو اِس سے، کیا گُل کھلا کے آیا ہے!" ربان خان غصے سے لاؤنج میں موجود ایک ایک چیز اُٹھا کر پھینک رہے تھے، اور جب باران کو دیکھا تو دہاڑ پڑے۔ اُن کی آواز حویلی کی در و دیوار کو ہلا رہی تھی۔ اسماہ خانم، زوبیہ خانم، حتیٰ کہ حبہ خانم تک سہمی ہوئی تھیں۔

ربان خان کے غصے سے کون واقف نہ تھا؟ زارا کو تو اسماہ خانم نے فوراً کمرے میں بھیج دیا تھا۔

پری گل، زرمینے، اور سائرہ کا بھی حال الگ نہ تھا، جیسے اُن کے سانس خشک ہو چکے ہوں۔

ارمان ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے خاموشی

سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا؛ بظاہر وہ بھی ڈرا ہوا تھا۔

"تایا جان، میری بات سمجھنے کی کوشش کریں..." باران سب کو نظر انداز کرتے ہوئے ربان خان کی طرف بڑھا اور نرمی سے مخاطب ہوا، لیکن اگلے ہی پل ایک غیر متوقع واقعہ رونما ہوا۔

ربان خان کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا، اور چٹاخ کی آواز کے ساتھ باران کے دائیں گال پر جا لگا۔ سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ باران کے گال پر سرخی ابھری، اور اس کا چہرہ آہستہ آہستہ گلابی سے سرخ ہونے لگا، لیکن اس کی آنکھوں میں ربان خان کے لیے نہ غصہ تھا، نہ نفرت، نہ ہی کوئی احتجاج، صرف ملامت تھی۔ وہ ربان خان کی سرخ، نم آنکھوں کو دیکھتا پلکیں جھکا گیا۔ اس کی تربیت ایسی تھی کہ وہ اپنے بڑوں سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا چاہے جان چلی جائے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حیدر خان جلدی سے آگے بڑھے، ربان خان کے کندھے پر ہاتھ رکھا، ان کی پیٹھ سہلائی، تاکہ غصے کی آگ کچھ سرد ہو اور واقعی، باران کی خاموشی نے بھی جلتی پر پانی کا کام کیا تھا، لیکن اسی پل، ایک وجود دوڑتا ہوا باران کے کندھے سے آلگا۔ سیاہ بال، آنکھوں میں آنسو، کپکپاتی سانسیں۔

"آپ نے میرے سائیں پہ ہاتھ کیوں اٹھایا؟!" زارا کی بھرائی آواز میں ایک تیکھا پن تھا، جو لمحوں میں ربان خان کے بجھتے غصے کو پھر سے بھڑکا گیا۔

"تم اندر جاؤ!" باران نے اسے سخت نظروں سے دیکھ کر اشارہ کیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔

"تم۔۔ تم مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟!" ربان خان کی آواز میں گرج تھی، جو زارا کو لرزا گئی۔ "تم ہوتی کون ہو بیچ میں بولنے والی؟ ایک کم عقل اور بدصورت لڑکی!" وہ طیش و الم چیخے، ان کے الفاظ خنجر بن کر زارا کے دل میں پیوست ہو گئے۔ باران کی مٹھیاں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بھنچ گئیں،اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔یہ وہ لمحہ تھا جب صبر اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا۔زارا نے آنسو بھری نگاہوں سے سب کو دیکھا،پھر باران کی طرف،جو خاموش کھڑا تھا۔

"تمہاری اتنی اوقات ہے کہ ہمارے سامنے زبان کھولو؟!"ربان خان کا ہر لفظ زہر سے بھرا ہوا تھا۔

باران نے آنکھیں کھولیں،لمحہ بھر کو سانس کھینچا،پھر آہستہ لیکن مضبوط لہجے میں بولا،"تایا جان بس"!

یہ الفاظ نہیں،اعلانِ جنگ تھا۔ربان خان کی زبان رک گئی۔اسماہ خانم نے گھبرا کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔حیدر خان کا چہرہ تفکر سے بھر گیا۔باران نے ایک قدم آگے بڑھا۔

"تایا جان،پلیز اب میری بیوی کو کچھ مت کہیے گا۔مجھے اگر تھپڑ مارنے ہیں،تو مار لیں لیکن اس معصوم لڑکی کو مزید کچھ نہ کہیں۔میں مانتا ہوں،اسے آپ کے سامنے نہیں بولنا چاہیے تھا،لیکن وہ جذبات میں آگئی تھی۔"اس کا لہجہ اٹل تھا،وہ زارا کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پیچھے کر چکا

تھا۔ محافظ بن کر۔ ربان خان کا چہرہ اب غصے سے تمتما رہا تھا۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ باران آج ان کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے! تمہیں یہ لڑکی ہم سے زیادہ عزیز ہے نہ؟ تو ابھی اسی وقت اسے لے کر یہاں سے دفع ہو جاؤ! یہ حویلی چھوڑ دو میں تمہیں جائیداد سے عاق کرتا ہوں!" ربان خان جذبات میں آکر بہت بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ حیدر خان کے قدم لڑکھڑائے، لیکن زارون نے فوراً آگے بڑھ کر انہیں سنبھال لیا۔

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر حیدر خان نے سخت نظروں سے تنبیہ کی، "خاموش رہو۔"

باران نے نگاہ اٹھا کر ربان خان کی آنکھوں میں دیکھا، پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ نے بالکل درست کہا۔ تایا جان۔ یہ لڑکی واقعی مجھے بہت عزیز ہے یہ میری بیوی ہے، جسے میں نے اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنی زندگی کا ساتھی بنایا ہے۔ میں نے اس کے حق میں پہلے بہت کوتاہیاں کی ہیں، لیکن اب میں اسے کسی بھی تپتی دھوپ کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔" وہ تھوڑا رکا، گہرے سانس بھر کر پھر گویا ہوا، "اور آپ نے کہا کہ وہ بدصورت ہے؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نہیں،وہ بدصورت نہیں ہے بلکہ وہ میرے لیے اس دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔ جسے اگر مجھے شریکِ حیات کے طور پہ ہزار بار بھی چننا پڑے، تو ہر بار اُسی کو چنوں گا۔" وہ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کر رہا تھا،اور وہ لفظ زارا کے دل کی زمین پہ سنہری حروف سے نقش ہو رہے تھے۔ وہ باران حیدر کے الفاظوں کے حصار میں قید ہو چکی تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب ایک بیوی اپنے شوہر کے ایک جملے پر اپنی ساری عمر قربان کرنے کا عہد کر سکتی ہے۔

باران نے زارا کا ہاتھ تھاما اور کمرے کی طرف بڑھ گیا جہاں اسے اپنی کچھ چیزیں لینی تھیں۔ وہ چیزیں جو وراثت میں نہیں، بلکہ اس کی اپنی محنت سے کمائی گئی تھیں۔

"ہمم صحیح،جاؤ!" ربان خان کی آواز پھر گونجی،"لیکن جانے سے پہلے ایک اور فیصلہ سن لو جو میں اور تمہارے باپ نے مل کر کیا ہے۔" باران کے قدم تھم گئے۔ سیاہ کرتا پہنے وہ نوجوان آہستہ سے پلٹا،زارا کو کمرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا،اور وہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ "سب کان کھول کر سن لیں! ہم نے،حیدر اور داور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شاہ میر

کی رخصتی کے ساتھ ہی، زرمینے اور ارمان کا نکاح بھی کر دیا جائے گا اور ہم تم سے یہ حق چھینتے ہیں کہ تم اپنی اکلوتی بہن کی شادی میں شریک نہیں ہو گے! ہم چاہتے تھے کہ یہ خوشی کا موقع سرپرائز ہو، مگر ابیہی تمہارے لیے سزا ہے!" ربان خان کے الفاظ نے سب کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ باران، زرمینے، ارمان، موسیٰ، سب جیسے سن ہو گئے۔

زرمینے کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ صرف چند لوگ ہی جانتے تھے کہ موسیٰ اور زرمینے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ باران، اسماہ خانم، پری گل، زارون، اور شاہ میر، ان کے علاوہ کوئی نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زرمینے چند قدم آگے بڑھی، ربان خان کے قریب جا کر کچھ کہنا چاہا لیکن وہ پہلے ہی بول پڑے۔

"بیٹا، یہ فیصلہ ہم نے تمہارے بھلے کے لیے کیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تم ہمارے خلاف نہیں جاؤ گی۔ ہم داور خان کو زبان دے چکے ہیں۔"

وہ نرمی سے بول رہے تھے،اور زرمینے کا دل جیسے چیخ کر رہ گیا۔وہ خاموش رہ گئی۔اس نے ایک نگاہ موسیٰ کی طرف ڈالی،جو زمین کو گھور رہا تھا۔

کیوں وہ کچھ نہیں کہہ رہا؟ کیا وہ محبت نہیں کرتا؟ کیا میں ہی احمق تھی...؟اس کی نظریں لمحے بھر کو موسیٰ پر جمی رہیں،پھر وہ سر جھکا گئی۔وہ اپنے باپ کا جھکا ہوا سر نہیں دیکھ سکتی تھی۔فیصلہ ہو چکا تھا۔بازی پلٹ چکی تھی۔اس کے خواب،اس کی خواہشات،وقت کی زمین پر داؤ پر لگ چکی تھیں۔لاڈلوں کو وقت کا تھپڑ ہمیشہ زور سے پڑتا ہے،دیر سے پڑتا ہے،پر پڑتا ضرور ہے اور جب پڑتا ہے،تو روح تک کو ویران کر دیتا ہے۔زرمینے کی آنکھیں ساکت تھیں۔الفاظ اس کے حلق میں پھنس چکے تھے۔دل اور خواب خون آلود ہو چکے تھے۔وہ پوچھنا چاہتی تھی،"کیوں؟ کیوں ہمیشہ بیٹیوں کے خوابوں کو ہی حرام کیا جاتا ہے؟" مگر وہ پوچھ نہ سکی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

موسیٰ کب گیا،باران کب رخصت ہوا،اسماہ خانم کیا کہہ رہی تھیں،پری گل کب اسے سینے سے لگائے کمرے میں لے گئی،سب کچھ دھند میں گم ہو چکا تھا۔زرمینے صرف اپنی قسمت کی بے رحمی پر شکوہ کناں تھی۔

☆..☆..☆..☆

اٹلی،روم(جیملی اسپتال)

سفید چمکتے فرش پر سیاہ لباس میں ملبوس ایک نوجوان بے چینی سے راہداری میں ٹہل رہا تھا۔پاس ہی ایک اور وجود بینچ پر بیٹھا تھا،جس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سر تھام رکھا تھا۔چہرہ جھکا ہوا تھا اور وہ مسلسل اپنا دایاں پیر ہلا رہا تھا۔اگرچہ وہاں دو انسان موجود تھے، مگر فضا میں ایسی خاموشی تھی جیسے سب کچھ رک سا گیا ہو۔ایک کی آنکھوں میں فکر تھی تو دوسرے کی نگاہیں پچھتاوے سے لبریز تھیں۔دونوں کی نظروں کا مرکز وہی تھا۔دیوار پہ لگی اونچی لال بتی اور اس کے نیچے وہ بلر شیشے والے دروازے جہاں پچھلے دو گھنٹوں سے ایک

قیمتی وجود، زندگی اور موت کے بیچ جھول رہا تھا۔ گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک اس خاموشی کو مزید بے چین بنا رہی تھی۔

اچانک شیشے کا دروازہ کھلا۔ نیوی بلیو رنگ کا لباس پہنے دراز قد لڑکی باہر آئی۔ جیک فوراً اس کے قریب آیا۔ اشعر نے بھی چونک کر نظریں اٹھائیں وہ ڈاکٹر اب اپنے ہاتھ سے گلووز اتار رہی تھی، چہرے سے ماسک بھی ہٹا چکی تھی۔

"How is she, Catherine? Has she regained consciousness? Does she need blood? Answer me, silly girl!"

(وہ کیسی ہے کیتھرین؟ ہوش آیا؟ خون کی ضرورت ہے؟ بولتی کیوں نہیں، بے وقوف لڑکی!) جیک بنا رکے، ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔ کیتھرین نے اسے گھور کر دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

“Shut up! Absolutely shut up! Give me a chance to speak! I don’t understand how you and I are going to survive together!”

(چپ! بالکل چپ! بولنے تو دو! مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ ہمارا گزارا کیسے چلے گا!) جیک فوراً خاموش ہوا۔

"I am sorry."بس اتنا کہنا تھا کہ کیتھرین کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ جانتی تھی، جیک کے لیے معذرت کرنا آسان نہ تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کیتھرین فرینڈز، روم میں مقیم ایک باصلاحیت سرجن، جو جیک کی ہم عمر اور منگیتر تھی۔ نیلی پرسکون آنکھیں، کھڑی ناک، دبلی پتلی جسامت، اور جاذبِ نظر سراپا۔ وہ بھی کرسٹل کے ادارے سے وابستہ تھی، لیکن بالکل لیگل طریقے سے۔ جیک اور کیتھرین کی ملاقات دو سال قبل ہوئی، پروپوز کیتھرین نے کیا اور جیک نے خوش دلی سے قبول کر لیا۔ وہ اپنی چھوٹی بہن اور ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ چونکہ وہ اپنے گھر کی سرپرست تھی، اس لیے چاہتی تھی کہ

پہلے بہن کی شادی ہو جائے، پھر اپنی زندگی سنوارے۔ اب، جب بہن کی منگنی ہو چکی تھی، تو وہ اپنی زندگی کی جانب مطمئن نظر آتی تھیاور شاید بہت جلد جیک اور کیتھی، سب کے سامنے ایک مکمل، خوش باش جوڑے کے طور پر سامنے آتے۔ اشعر کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ میری بہن کیسی ہے اب؟" اس کی آواز میں بیزاری تھی، یا شاید تھکن۔ جیک نے نظروں سے کیتھی کو اشارہ کیا، جس پر وہ فوراً سنجیدہ ہو گئی۔

"She is completely fine now. The bullet hit her back, above the kidney. Thankfully, there is no internal damage. But complete bed rest for a week is a must. Otherwise the wound may worsen."

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

(اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ گولی کمر میں گردے سے اوپر لگی تھی، خوش قسمتی سے اندرونی نقصان نہیں ہوا۔ مگر ایک ہفتے کا مکمل بیڈ ریسٹ لازمی ہے، ورنہ زخم خراب ہو سکتا ہے۔) کیتھرین نے مکمل پروفیشنل انداز میں کہا، مگر وہ جیک کی بدلتی حالت بھانپ چکی تھی۔

"Is everything okay?"

(کیا سب ٹھیک ہے؟) اس نے نرمی سے پوچھا، اور جیک کی آنکھوں میں چھپے اضطراب کو پڑھنے کی کوشش کی۔

جیک نے گہری سانس بھری، پھر آہستگی سے کہا۔

"Crystal's wedding is in a week. We have to return as soon as possible."

(کرسٹل کی شادی ایک ہفتے میں ہے ہمیں جلد از جلد واپس جانا ہو گا۔) یہ جملہ گویا اشعر پر بم بن کر گرا۔ اس نے بے یقینی سے جیک کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جیک اب کیتھرین کو وہ سب بتا رہا تھا، کیسے وہ شاہ میر سے ملی، اور پھر اشعر کا دل اندر سے جیسے گھٹ کر رہ گیا۔

جیک اور کیتھی ہنستے مسکراتے اس کے پاس سے گزرتے چلے گئے، اور اشعر؟ وہ اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا۔ تنہا۔ دل کے تہہ خانوں میں بند ماضی کی اذیتیں، ایک ایک کر کے باہر آ رہی تھیں۔

"کاش میں بھی حنان کی طرح ابدی نیند سو گیا ہوتا..." اس کے لب ہولے سے لرزے۔ حنان وہ معصوم بچہ، جو اب جنت کے باغوں میں کھیل رہا ہو گا، اور وہ؟ وہ زندہ لاش، جو انسانوں کی بھیڑ میں درندوں سے الجھ رہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے لڑھک کر فرش پہ گرے، چمکتا ہوا سفید فرش جو اب ایک ٹوٹے دل کے قیمتی آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ مرد کے آنسو بہت قیمتی ہوتے ہیں کم بہتے ہیں، مگر جب بہتے ہیں تو دل چیر کر رکھ دیتے ہیں۔ اشعر کے آنسو اب بے آواز فریاد بن چکے تھے، ایک ایسی زبان، جسے سمجھنے کا ہنر صرف چُنے ہوئے دلوں کے پاس ہوتا ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

☆..☆..☆..☆

رات کے سیاہ آنچل نے ہر راز کو اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا۔ آسمان پہ چاند، شاید کچھ خفا، کچھ شرمیلا، بادلوں کے پیچھے چُھپ گیا تھا۔ ہوا میں

خنکی تھی، مگر سکون بھی۔ وہ بے آواز، بے خوف چلتی ہوا جیسے کائنات کی واحد سلطانہ ہو۔

ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کی بالکنی میں، گرے

نائٹ سوٹ میں ملبوس ایک نوجوان تنہا کھڑا تھا۔ ہاتھ میں کافی کا کپ، اور ذہن میں بے شمار خیال۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

چہرے پر بالکنی میں لگی روشن لال ٹینوں کی روشنی پڑتی تھیں، جن کی مدھم روشنی اس کے گہرے سنہری آنکھوں کو اور بھی پر سوز بناتی تھی۔ وہ آنکھیں جو کسی ٹوٹے اعتماد کی کرچیوں سے چھلنی ہو چکی تھیں۔

"آپ کی کافی ٹھنڈی ہو جائے گی..." ایک نرم، ہچکچاتی نسوانی آواز نے اس کی سوچوں کا تسلسل توڑا۔ وہ پلٹا۔ مٹیالے رنگ کا گرم گاؤن، بار بار سر کتا دوپٹہ، نم الجھے بال، اور وہی جھجک۔

"کچھ کہا تم نے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی، وہ آپ کی کافی۔" اس کی آواز میں شرمندگی تھی۔ باران نے کپ کی طرف دیکھا، بھاپ اب مدھم ہو چکی تھی۔

"ہاں، واقعی ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" اس نے گہری سانس لی، جیسے کچھ چھوڑنے کی کوشش کی ہو۔

زارا اب بھی چپ کھڑی تھی۔ باران نے کپ منڈیر پر رکھا اور خاموشی سے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ زارا جھجکی، مگر پھر ہاتھ تھام لیا۔ اگلے ہی لمحے وہ باران کے حصار میں تھی۔ اس کے کندھے پر باران کی ٹھوڑی ٹکی، اور خاموشی میں دھڑکنوں کی آواز گونجنے لگی۔

"حیران کیوں ہوا تنی؟" باران نے سرگوشی کی، جیسے دل میں چلتی طوفان کو بھانپ گیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ ناراض نہیں ہیں؟"

"میں کیوں ناراض ہوں گا؟"

"میری وجہ سے سب بگڑ گیا..." زارا کی آواز میں ندامت تھی۔

"جو ہونا تھا، ہو گیا اب پریشانی بے فائدہ ہے۔"

"لیکن مجھے یوں بولنا نہیں چاہیے تھا..." باران چپ رہا۔ یہ چپ، زارا کو کھا رہی تھی۔

"ہمم" اب بھی وہ کچھ نہ بولا۔

"مجھے وقت دیں میں آہستہ آہستہ سمجھ جاؤں گی سب کچھ۔" اب کی بار وہ بولی، مگر لہجہ پختہ تھا۔ باران نے آنکھیں کھولیں، گرفت میں نرمی لائی، اور زارا کی آنکھوں میں جھانکا۔

"پوری زندگی تو دے دی ہے، اور کتنا وقت چاہیے..." زارا کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ جملہ جیسے دل کے اندر کہیں ہمیشہ کے لیے رقم ہو گیا۔ باران نے اسے پھر سے اپنے قریب کر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیا۔چاند نے بادلوں کے پردے سے ایک لمحہ جھانک کر ان دونوں کو دیکھا اور مسکرا کر پھر چھپ گیا۔چلو کوئی تو مطمئن ہے اپنی زندگی میں۔

☆..☆..☆..☆

تاریک کمرے میں،دیوار سے ٹیک لگائے وہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی تھی۔اس کی ٹانگیں سکڑی ہوئیں، گھٹنے سینے سے لگے ہوئے،اور ٹھوڑی انہی پر ٹکی ہوئی تھی۔وہ یوں بیٹھی تھی جیسے پوری دنیا کا بوجھ اس کے کندھوں پر ہو،اور وہ اسے اپنے اندر سمیٹنے کی ناکام کوشش کر رہی ہو۔اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، جنہیں وہ بار بار اپنی ہتھیلیوں سے پونچھنے کی کوشش کر رہی تھی۔مگر وہ آنسو کسی صورت رکنے کا نام ہی نہ لے رہے ہوں۔بار بار چہرے پر ہاتھ رگڑنے سے اس کے نرم گال سرخ ہو چکے تھے، جیسے اندر کا درد باہر آ کر رنگ اختیار کر چکا ہو۔مگر پھر بھی،وہ آنسو تھے کہ خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ رات، شاید صرف اس کے لیے نہیں، ہر ایک کی آنکھ میں کٹی تھی۔ کائنات جیسے خاموشی کی چادر اوڑھے، اس کے اضطراب کی گواہ بن چکی تھی۔ وہ خود کو بہت زیادہ کمزور محسوس کر رہی تھی، حد سے زیادہ نڈھال، جیسے اب خود سے بھی لڑنے کی سکت باقی نہ رہی ہو، اور پھر شیطان تو اسی لمحے کے انتظار میں ہوتا ہے نا؟

جب انسان کا نفس کمزور پڑ جائے، وہ ٹوٹنے کے قریب ہو، اور دل کے دروازے پر موجود دربان غفلت کی جھپکی لے رہا ہو۔ وہ لمحہ، وہی لمحہ تھا جہاں وہ لڑکھڑا رہی تھی۔ روتے روتے، بے مقصد ارد گرد نظریں دوڑاتے، اس کی نظر اچانک ٹیبل پر جا پڑی۔ وہاں ایک فروٹ باسکٹ رکھی تھی، جس کے کنارے پر ایک چمکتی ہوئی دھار دار چھری بے حسی سے پڑی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اسے خالی، ویران نگاہوں سے گھورتی رہی۔ پھر جیسے کوئی اور اس کے اندر سے اٹھا، وہ دھیرے دھیرے، چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس میز تک بڑھی۔ جھکی، اور چھری کو اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ جیسے وہ کسی غیر معمولی کام کے لیے جا رہی ہو، مگر درحقیقت وہ زندگی اور موت کے سنگم پر کھڑی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چھری اس کے ہاتھ میں آتے ہی اس کی انگلیاں لرزنے لگیں،اور یہ لرزش آہستہ آہستہ پورے وجود میں پھیل گئی۔وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔جیسے اس کے اندر موجود زندگی اسے روکنے کی کوشش کر رہی ہو،اور باہر موجود خاموشی اسے دھکیل رہی ہو۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے چھری اپنی کلائی پر رکھی۔دل تیزی سے دھڑک رہا تھا،جیسے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہو۔

"نہیں!رُک جاؤ!"اس نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔دماغ پر شیطان کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔وہ اب کسی اور کی آواز سننے کی حالت میں نہیں تھی،مگر اس سے پہلے کہ وہ تیز دھار چھری اپنی کلائی پر چلاتی،اور اپنی آخرت کی بنیادوں کو خود اپنے ہاتھوں سے مسمار کرتی، مؤذن کی آواز بلند ہوئی۔

اذان کی پہلی صدا اس کے کانوں سے ٹکرائی،"اللہ اکبر"اور وہ جیسے چونک کر ہوش کی دنیا میں واپس آ گئی۔اس کے جسم میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں کھولیں،سر جھکا کر کانپتے ہاتھوں کو دیکھا اور وہیں ساکت رہ گئی۔اس کی کلائی پر چھری کی

دھار لگ چکی تھی۔ ہلکی سی خراش، مگر اس سے بہتا ہوا چند قطرے خون، سفید قالین پر گر کر اسے داغدار کر چکے تھے۔

مؤذن کی آواز دوبارہ کانوں میں گونجی۔ "اشہد ان لاالہ الااللہ" اور وہ آواز، جیسے اس کی رگوں میں رواں خون کو جما گئی ہو۔ اندر ایک سناٹا پھیل

گیا۔ وہ لرز گئی، پورے وجود کے ساتھ۔ وہ پوری شدت سے کانپ گئی۔ ایک جھٹکے سے اس نے ہاتھ میں پکڑی چھری دور پھینک دی۔ اسے خود سے خوف محسوس ہوا۔ فجر کی اذانوں کی گونج بڑھتی جا رہی تھی۔ چونکہ اس کے کمرے سے مسجد نظر آتی تھی، تو ممکن تھا کہ آواز زیادہ واضح اور بلند بانگ اس کے کانوں میں رس گھولتی ہو۔

"اللہ! یہ میں کیا کرنے لگی تھی؟" وہ اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ گئی۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا میرا ایمان اتنا کمزور ہے کہ شیطان یوں مجھ پر حاوی ہو گیا؟"

اس کے آنسو خوف کے باعث بہتے جا رہے تھے، لڑیوں کی صورت، موتیوں کی مانند۔ اسے خود سے گھن آ رہی تھی۔ وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی کیسے سکتی تھی؟ وہ چہرہ ہاتھوں میں

چھپائے بلک بلک کر رونے لگی۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی، وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ اس کا چہرہ مکمل بھیگ چکا تھا۔

"اللہ! مجھے معاف کر دے، میں ایک نامحرم کی خاطر اپنی آخرت تباہ کرنے چلی تھی!" وہ سجدے میں گری، اپنی حرکت پر خود کو ملامت کر رہی تھی۔ اس کے رونے کی آواز کمرے کے در و دیوار میں گونج رہی تھی۔

اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں میں کیا کچھ نہیں تھا۔ ملامت، شرمندگی، بے یقینی۔ وہ نہ جانے کتنی دیر وہیں پڑی روتی رہی۔ اذانیں مکمل ہو چکی تھیں، پر وہ یونہی سسکتی رہی۔ کچھ وقت مزید گزرا تو اس کے کمرے کے بند دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا، اگر کسی کو اس بارے میں پتا چل گیا تو؟ رہی سہی کسر اسماء خانم کی آواز نے پوری کر دی۔

"مینے ، مینے دروازہ کھولو، بیٹا! فجر قضا ہو جائے گی۔" کمرے کے دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ اس کا دل سہم سا گیا۔ اس نے جلدی سے دیوار پر لگے آتشی پردے کے

کنارے کو پکڑ کر اپنی زخمی کلائی کو رگڑ ڈالا تاکہ وہاں موجود خون کے دھبے صاف ہو سکیں۔ تکلیف کی لہر میں اس نے ہونٹوں کو دانتوں تلے کچل کر سسکی روکی، پھر چہرے کو رگڑ کر صاف کیا، اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا، انہیں درست کیا، پھر بیڈ پر پڑا اپنا دوپٹہ اٹھا کر سر پر طریقے سے اوڑھتے ہوئے وہ دروازے کی سمت بڑھی۔ اس نے گہری سانس لی اور دروازہ کھول دیا۔

"مینے، ہم کب سے دروازہ کھٹکھٹا رہے ہیں، تم..." اسماء خانم اندر داخل ہوتی بولتے بولتے رکیں۔ انہوں نے مڑ کر زرمینے کو دیکھا جو ایک سائیڈ ہو کر سر جھکائے کھڑی تھی۔ وہ اس کے نزدیک آئیں، اس کی سوجی آنکھوں کے پپوٹے کو چھوا، تو زرمینے کرنٹ کھا کر سیدھی ہو گئی۔

"مینے تم روئی ہو؟ ایسا حیران کیوں ہو رہی ہو؟ ہم تمہارے مورے ہیں۔ ہم تمہاری آنکھوں میں چھپا درد نہ دیکھیں گے، تو کون دیکھے گا؟" اسماء خانم اس کی حیرت سے پھیلی

آنکھوں کو نرمی سے چھوتے سادہ سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔اپنی ماں کا سہارا پاتے ہی زرمینے ان سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انہوں نے بہت محبت اور شفقت سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا،اپنی آغوش میں چھپا لیا۔وہ بچوں کی طرح ان کے سینے سے لگی رو رہی تھی،جس کا سر وہ آہستہ آہستہ نرمی سے تھپک رہی تھیں۔جب وہ ڈھیر سارا رو کر دل ہلکا کر چکی تو اسماء خانم نے اسے پیچھے کیا،اس کے بھیگے چہرے پر چپکے بالوں کو آہستہ سے پیچھے کیا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لے لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیوں رو رہا اتنا؟"

"مورے آپ جانتی ہیں،پھر بھی پوچھ رہی ہیں؟"وہ رونے کے باعث بھاری زکام زدہ سانس کھینچتی ہوئی بولی تو اسماء خانم مسکرا دیں۔

"تم اس انسان کے لیے رو رہی ہو جس نے وقت آنے پر تمہیں تنہا چھوڑ دیا؟"اسماء خانم کی کہی بات پر وہ ساکت ہو گئی۔

"مورے، آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ یقیناً مجبور ہوں گے۔" اس کی زبان نہ چاہتے ہوئے بھی لڑکھڑا گئی تھی۔ وہ تلخی سے مسکرائیں۔

"مینے، تم ہماری ایک بات ذہن نشین کر لو، مرد مجبور نہیں ہوتا، کوئی اسے مجبور نہیں کر سکتا، سوائے اس کے اپنے ضمیر کے۔ اگر موسیٰ چاہتا، تو پورے خاندان کے سامنے ڈٹ جاتا، پر تمہیں کسی اور کا ہونے دینے کی بات سننا بھی گوارا نہ کرتا۔ اس لیے یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو کہ مرد مجبور ہوتا ہے۔" ماں کی اس قدر گہری بات نے اس کے دماغ کو سن کر دیا تھا، لیکن جب محبت دل و دماغ پر حاوی ہو جائے تو کوئی عقل کی بات اثر نہیں کرتی۔ وہ اچانک ہی ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں جکڑ گئی۔ وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے رک گئیں۔

"مورے، آپ آپ بابا جان سے بات کریں ناں۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں، وہ آپ کی مان لیں گے!" اس کے انداز میں تکلیف ناقابلِ بیاں تھی۔ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہوئیں۔ اسماہ خانم نے ایک نگاہ اس کے ہاتھوں پر ڈالی، جو ہلکے ہلکے کپکپا رہے تھے،

پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا،جہاں بے چینی، کرب،اور محبت چھن جانے کا خوف سمندر کی لہروں کی مانند ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"ہم نے کوشش کی تھی خان کو باتوں ہی باتوں میں سمجھانے کا،لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ داور کو زبان دے چکا ہے۔"اسماہ خانم کی بات سننے کی دیر تھی، آنسوؤں کی برسات ایک بار پھر جاری ہو گئی۔وہ اسماہ خانم کے ہاتھوں پر چہرہ جمائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔اتنا کہ اس کی ہچکیاں

بلند ہونے لگیں، جنہیں اسماہ خانم نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبایا۔دروازہ کھلا تھا، کسی بھی لمحے کوئی بھی وہاں سے گزر سکتا تھا۔

ملگجے سے حلیے والی لڑکی نے بھیگی پلکیں اٹھا کر سامنے بیٹھی اپنی ماں کو دیکھا، پھر اپنے لبوں پر دھرے ان کے ہاتھ کو اور پھر آنسوؤں کا گولا نگلتے اپنی سسکیاں دبا لیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مینے،ایسا مت کرو۔اب کچھ نہیں ہو سکتا۔تمہارا باپ مر جائے گا،لیکن اپنی زبان سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔"وہ بولیں تو زر مینے کا سر جھکتا سینے سے جا لگا۔اس کے کاندھے بہت بھاری ہو چکے تھے،باپ کی عزت کو محفوظ رکھنے کا بوجھ بیٹیوں کے کاندھے جھکا دیتا ہے۔

بیٹی کی حالت دیکھتے ہوئے اسماہ خانم نے اپنی آنکھوں کو بھیگنے سے پہلے ہی خشک کر لیا تھا، اولاد کے غم کو ہلکا کیا جاتا ہے،بڑھایا نہیں جاتا۔

"اُم جا رہا ہے اٹھ کر نماز پڑھ لو،دل کو سکون مل جائے گا۔"وہ کہتی رکی نہیں تھیں۔

زر مینے وہیں بستر پر اوندھے منہ گرتی،بے آواز روتی چلی گئی۔اس کے دلِ زار کی حالت اس کا رب جانتا تھا،اور کوئی نہیں وہ خود بھی نہیں۔

☆..☆..☆..☆

زارون اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آیا،تو وہاں ربان خان،حیدر خان اور ارمان پہلے سے ہی مسجد جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران کو وہاں نہ پا کر اُس نے بے ساختہ نظریں اُس کے کمرے کے بند دروازے کی جانب اُٹھائیں۔ دل کو جیسے کچوکا سا لگا۔ کیسے وہ سب بکھر گئے تھے۔ پہلے شہزاد، اب باران اور شاہ میر اُس کا تو کل سے کوئی اتا پتا ہی نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بھی پلٹ کر حویلی فون کر کے اپنی خیر خبر نہیں دی تھی۔ اس کی سوچوں کا تسلسل مزید گہرا ہوتا، اس سے پہلے ہی حیدر خان نے اُسے مخاطب کیا۔

"زارون، موسیٰ کہاں ہے؟" وہ اُس کی نظریں باران کے کمرے پر مرکوز دیکھ چکے تھے۔ ربان خان نے بھی اُس کی جانب دیکھا، جس کی آنکھیں بوجھل سی لگ رہی تھیں جیسے وہ رویا ہو۔ وہ نظریں چرا گئے۔

"پتا نہیں بابا جان۔" وہ حیدر خان کو تھکے تھکے لہجے میں کہتا باہر کی سمت بڑھ گیا۔ وہ دونوں بھی اُس کے پیچھے پیچھے باہر نکل گئے۔

سفید کرتا اور جینز پہنے ارمان نے ارد گرد نگاہ دوڑائی کہ کہیں گُل نظر آجائے، مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ وہ بھی سر جھٹکتا ہوا باہر کی سمت چل پڑا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دنیا کو دکھاوے کے لیے نماز ضروری تھی، ورنہ دل تو بیزار تھا۔ ایسی نماز کا کیا فائدہ جو اللہ کے لیے نہیں، لوگوں کے لیے پڑھی جائے!۔

☆..☆..☆..☆

سورج کی روشنی آہستہ آہستہ سیاہ آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی، اُسے سرمئی بناتی ہوئی۔ سرد ہوائیں ایک بار پھر اپنے زور پر تھیں۔ رات کو کچھ ہلکی پھلکی برف باری بھی ہوئی تھی۔ اس قدر موہ لینے والے موسم میں بھی وہ ایک کے بعد ایک سگریٹ پھونکے جا رہا تھا۔ وہ اپنا دل جلا رہا تھا یا فضا کو آلودہ، اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کف کھلے ہوئے تھے، جو آڑے ترچھے کہنیوں تک فولڈ کیے گئے تھے۔ گریبان کے بٹن تقریباً سارے ہی کھلے ہوئے تھے۔ گرم چادر پاس ہی پڑی، اپنی ناقدری پر ماتم کناں تھی۔ سلوٹ زدہ لباس میں وہ خود سے بے حد لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں رت جگے کی سرخی واضح تھی۔

"کیوں اس زہر کو پھونک رہا ہے؟" اچانک کسی نے اُس کے ہاتھ سے سگریٹ کھینچ لی۔ وہ ہڑبڑا کر گویا ہوش کی دنیا میں واپس آیا۔ جھٹکے سے گردن موڑی، اور اپنے ساتھ بیٹھے نگینوں

سی آنکھوں والے مرد کو دیکھا، جو اُسے گھور رہا تھا۔ موسیٰ نے اُسے وہاں دیکھ کر حیرت سے لب بھینچے۔

"وہ یہاں کیسے؟ وہ تو اس وقت اپنے ڈیرے پر تھا۔" یہ خان حویلی کا ڈیرہ نہیں تھا، یہ اُس کا ذاتی ڈیرہ تھا جو اس کے والد نے بہت شوق سے بنوایا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟ تم آنے سے پہلے کال تو کر دیتے!" موسیٰ نے خود کو سنبھالتے ہوئے اُس کی جانب دیکھا، جو پیچ شرٹ، وائٹ پینٹ اور براؤن لیدر جیکٹ زیب تن کیے بیٹھا تھا۔ وہ اپنی عمر سے کچھ سال چھوٹا لگتا تھا، لیکن اُس کی رعب دار شخصیت اُسے جاذبِ نظر بناتی تھی۔

"تبریز سکندر کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے!" وہ اٹھ کر سامنے بچھی چارپائی پر لیٹ گیا، کچھ یوں کہ اُس کی ٹانگیں چارپائی سے نیچے لٹک رہی تھیں۔ اُس کے سنیکرز میں قید پاؤں زمین کو چھو رہے تھے۔

موسیٰ نے اُس کے الٹے جواب پر نفی میں سر ہلایا، پھر اُسے دیکھا، جو ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ ڈیرہ چھوٹا سا تھا لیکن نہایت خوبصورت تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا اصطبل تھا، جو فی

الحال خالی تھا کیونکہ موسیٰ کو گھوڑے پسند نہیں تھے۔ درمیان میں ایک بڑی سی تختہ نما چارپائی بچھی تھی، جس پر تبریز بے فکری سے لیٹا ہوا تھا۔ چارپائی ہلکی سی نم تھی، رات بھر پڑنے والی اوس کے باعث۔ اس کے عین سامنے چار کرسیاں اور ایک میز تھی، جن میں سے ایک پر موسیٰ بیٹھا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں، کب آئے؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی پہنچا ہوں۔ کچھ ضروری کام تھا یہاں۔ جنید کو فارم ہاؤس بھیج کر میں یہاں آ گیا۔ ویسے، تمہارا گاؤں بہت پیارا ہے۔" تبریز نے عام سے لہجے میں کہا، اور آخر میں ستائشی نظروں سے اُسے دیکھا، جس پر موسیٰ پھیکا سا مسکرا دیا۔ تبریز اور موسیٰ کی ملاقات کچھ ماہ پہلے ایک اجلاس میں ہوئی تھی۔ ان کے مزاج آپس میں بہت ملتے تھے، اسی لیے ان کی اچھی دوستی ہو گئی۔ یہ موسیٰ کی تبریز سے ہونے والی چھٹی ملاقات تھی۔ وہ جب بھی کراچی جاتا، تبریز سے ضرور ملتا۔ آخری بار وہ اُس سے ایک ماہ پہلے اُس کی بیٹی عشاہ کی سالگرہ پر ملا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہمم صحیح۔ گھر میں سب ٹھیک ہے۔ نومی (تبریز کا بیٹا نوریز) کو بھی ساتھ لے آتے۔" موسیٰ نے بات بدلنے کی کوشش کی، اپنی نظریں ہٹاتے ہوئے جو تبریز کی گہری آنکھوں میں گم ہو رہی تھیں۔ وہ بے چینی سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں درست کرنے لگا، پھر چہرے پر ہاتھ پھیرا جو ستا ہوا لگ رہا تھا۔ تبریز نہایت غور سے اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

"ہار بہت یاد کر رہا تھا تمہیں، کہہ رہا تھا "گرین ڈریگن نہیں آیا ملنے، بہت وقت ہو گیا ہے"۔" تبریز نے بات کا مطلب ہی خراب کر دیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ہے یار؟ ایسا کیوں دیکھ رہا ہے؟" موسیٰ اُس کی تیز نگاہوں پر جھنجھلا گیا۔

"کیا ہوا ہے تجھے؟ کیوں مجنوں کی لیلیٰ بنا بیٹھا ہے؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے، چھوٹے۔" تبریز نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"میں چھوٹا نہیں ہوں، الحمد للہ پورے سائیس کا ہوں!" تبریز کی توقع کے مطابق وہ فوراً چڑ گیا۔

"اور میں سینتیس کا۔ تجھ سے زیادہ تجربہ ہے مجھے۔ چل، شاباش، جلدی بتا کیا مسئلہ ہے؟" اب کی بار وہ خاصا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

موسیٰ نے چند لمحے اسے دیکھا، جو اُسے کھوجتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، پھر گہرا سانس لیتے ہوئے وہ کل کے واقعے کی مکمل روداد سنا گیا۔

تبریز نے خاموشی سے، پورے تحمل کے ساتھ سب کچھ سنا۔ جب موسیٰ چپ ہوا، تو تبریز سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ موسیٰ کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنا درد چھپا رہا ہے۔

"سٹینڈ کیوں نہیں لیا؟" تبریز نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنساتے ہوئے اُس کی طرف جھک کر سوال کیا۔

"مجبور تھا۔" موسیٰ نے پلکیں اٹھائیں، اُسے دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا مطلب؟ کیا کسی نے تمہاری گردن پر پاؤں رکھ دیا تھا؟ یا تمہاری کوئی قیمتی چیز اپنے قبضے میں لے لی تھی؟ اگر ان میں سے کچھ نہیں تھا، تو تم نے سٹینڈ کیوں نہیں لیا؟" وہ پیشانی پر شکنیں لیے، سادہ مگر چبھتے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

موسیٰ کو اس کے الفاظ لوہے کے جوتے کی مانند محسوس ہوئے۔ اندر کہیں لاوا سا پھٹ پڑا۔ وہ غصے سے کانپ اٹھا۔ یہ شخص سمجھنے کے بجائے اُسے طعنے دے رہا تھا؟ یہ بات اُسے آرے کی طرح چیر گئی۔

"تم ایسے کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم کیا جانو وہ انسان اندر سے کتنا ٹوٹا ہوا ہو گا جس نے بچپن میں ہی اپنے ماں باپ کو کھو دیا ہو۔ جنہیں والدین کا پیار نہیں ملا، وہ کتنے ان سیکیور ہوتے ہیں۔ بن ماں باپ کے پلنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنے اپنے ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی ماں باپ کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں، میں نے اپنی بہت سی خواہشات مار دی ہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ میرے ماموں وہ پوری نہیں کر سکتے تھے بلکہ مجھ میں ہی ہمت نہیں تھی۔ جنہوں نے مجھے اپنی اولاد کی طرح سینے سے لگا کر پالا، وہ مجھے دیکھ رہے تھے، خاموش رہنے کا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اشارہ کر رہے تھے۔ان کی آنکھوں میں التجا تھی کہ میں کچھ نہ کہوں۔وہ میری محبت سے واقف ہیں، تبریز۔اب سے نہیں، کئی سالوں سے لیکن وہ بھی مجبور ہو گئے،بڑے ماموں کے سامنے۔"موسیٰ رُکا۔سانس پھول چکا تھا بولتے بولتے۔تبریز اُسے خالی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا،کچھ نہیں بولا۔(ماں باپ کے بغیر زندگی کیسی ہوتی ہے،یہ بات تبریز سے بہتر کون جان سکتا تھا)۔

جب موسیٰ کا سانس بحال ہوا،تو وہ پھر گویا ہوا۔"میں نے بہت پہلے ہی اُنہیں اپنی پسند کا بتا دیا تھا،کہ میں زر کے لیے سنجیدہ ہوں۔انہوں نے کہا،وہ زر کے لیے مجھے ہی منتخب کریں گے،لیکن پھر بھی انہوں نے ایسا کیا۔وہ رات کو میرے پاس آئے،میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔کہتے ہیں،'مجھے معاف کر دو۔میں نہیں جانتا تھا کہ لالا(ربان خان)نے کب داور کو زبان دے دی۔یقین جانو،اگر مجھے پہلے علم ہوتا تو میں کبھی بھی ایسا نہ ہونے دیتا۔جب لالا نے مجھے یہ بتایا،تو گویا اپنا فیصلہ سنا دیا اور میں اُن سے بہت محبت کرتا ہوں۔میں اپنے بھائیوں کے لیے جان دے سکتا ہوں اور اولاد کے لیے بھی'۔"موسیٰ چپ ہو چکا تھا۔اُس کا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

گلا رندھ چکا تھا۔ وہ اس وقت اذیت کی انتہا پر تھا۔ چہرہ ضبط کی شدت سے سرخ ہو چکا تھا۔ وہ اپنے اندر کا سارا غبار نکال چکا تھا۔ تبریز جو چاہتا تھا، وہی ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ موسیٰ اپنی اندر کی کھولن باہر نکالے، ورنہ خاموش دل کی باتیں اندر ہی اندر ایسے گہرے زخم کرتی ہیں، جو پھر کبھی نہیں بھرتے۔

"تمہیں چاہیے کہ اب سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔" کچھ لمحوں بعد تبریز کی سنجیدہ آواز گونجی۔

تبریز نے اسے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ زرمینے کو اغوا کر کے نکاح کر لے۔ یا بھاگ جائے۔ یا سب کے سامنے ڈٹ کر حیدر خان کی عزت خاک میں ملا دو۔ یا زہر کھا کر جان دے دو۔ نہیں، یہ سب حقیقت سے بہت پرے کی باتیں تھیں۔ اور جہاں ہوتا ہے، وہاں صرف رسوائی ہی حصے میں آتی ہے۔

موسیٰ نے تبریز کی طرف دیکھا، جو زمین پر کسی غیر مرکزی نقطے کو گھور رہا تھا۔ اس کو یکدم ملال نے آگھیرا۔ اُسے اندازہ ہوا کہ وہ کس قدر بدتمیزی سے مخاطب ہوا تھا، کسی ایسے انسان سے، جو اُس کی تکلیف کو پوری شدت سے سمجھتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آئی ایم سوری تبریز مجھے تم سے یوں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔" موسیٰ کی شرمندہ سی آواز پر تبریز نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

"کوئی بات نہیں دوست کے ساتھ دل نہیں کھولو گے، تو اوزاروں کے ساتھ کھولنا پڑے گا۔" تبریز نے ہاتھ میں پہنی گھڑی پر نگاہ ڈالی، وقت پورے چھ بجا رہا تھا۔ اس کے جانے کا وقت ہو چکا تھا، جنید اس کا منتظر تھا۔

"چلو، میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے ایسے کیسے؟ کچھ دیر بیٹھو، ناشتہ وغیرہ کر کے جانا!" موسیٰ نے اس کے جانے کے ارادے پر خفگی سے کہا۔ اب وہ خود کو خاصا بہتر محسوس کر رہا تھا۔ دوست اگر ہمدرد بن جائے، تو آدھی تکلیف تو یوں ہی ختم ہو جاتی ہے۔

"نہیں یار، تیری بھابھی کو فون کرنا ہے۔ اسے بتاؤں کہ میں خیریت سے پہنچ گیا ہوں۔" ایشال کو یاد کرتے ہوئے اس کے دل نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

"اچھا، پھر کب آئے گا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم یاد کرو گے، تو میں آجاؤں گا۔" تبریز ہنسا تو موسیٰ بھی مسکرا دیا۔ موسیٰ آگے بڑھ کر اس کے گلے لگا تو تبریز نے زور سے اس کی کمر تھپتھپائی اور سرگوشی میں کہا۔ "اپنی عورتوں کا خیال رکھا کرو، نقب گھر سے بھی لگ سکتی ہے اور واقعی ماں باپ کے بغیر زندگی بہت مشکل ہوتی ہے۔" وہ کہتے ہی تیزی سے پیچھے ہٹا اور نکلتا چلا گیا۔

موسیٰ کو اس کی بات کا مطلب پوری طرح سمجھ نہیں آیا۔ تبریز نے دو مختلف باتیں اکٹھی کہی تھیں، لیکن وہ دونوں ہی اُس کی سمجھ سے باہر تھیں۔ وہ جس خاموشی سے آیا تھا، اسی خاموشی سے رخصت ہو گیا۔ تبریز سکندر واقعی ایک پہیلی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

آج ناشتے کی میز پر تقریباً سبھی اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے۔ کسی کا بھی دھیان اُن لوازمات سے سجی میز پر نہیں تھا۔ انہیں جیسے کسی اور ہی ذائقے کی عادت ہو چکی تھی، ایک ایسا ذائقہ جو اب اس حویلی میں موجود نہ تھا، کیونکہ وہ سانولی سلونی، جس کے ہاتھ کا ذائقہ سب کی زبان کو لگ چکا تھا، اب یہاں سے بے عزت کر کے نکال دی گئی تھی۔

وہاں سوائے چمچوں اور پلیٹوں کے ٹکرانے کی آوازوں کے، کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ہاں، دو نفوس ایسے ضرور تھے، جو بنا کسی کو خاطر میں لائے اپنے ناشتے میں اس طرح مگن تھے جیسے اس سے اہم کام اس دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔

ایک تھے ربان خان، جو زوبیہ خانم کی ملامتی نگاہوں کو محسوس کرنے کے باوجود چپ چاپ ناشتہ کر رہے تھے۔ اور دوسری تھی انارہ، جو سر جھکائے، بنا کسی ردِ عمل کے، خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی۔ بہرام کو گئے تین سے چار دن ہو چکے تھے۔ وہ کہاں تھا، کسی کو معلوم نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سب اپنے آپ میں اتنے مگن تھے کہ اس کی غیر موجودگی کا خیال تک کسی کے ذہن سے نہیں گزرا۔ اور داور خان؟ سب کو معلوم تھا کہ وہ تو ویسے بھی مہینے کے بیس دن بیرونِ ملک گزارتے ہیں۔

حیدر خان؟ وہ تو جیسے بالکل خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔ اب وہ بھی اسماہ خانم اور زوبیہ خانم کی طرح اپنی خالی پلیٹ میں چمچ گھما رہے تھے۔

ارمان کا یونیورسٹی کا آخری سمسٹر شروع ہونے والا تھا،اس لیے وہ فارم بھرنے گیا ہوا تھا۔ زارون اور پری گل بھی صبح ہوتے ہی اسپتال کے لیے نکل چکے تھے۔

آج زارون، پریشے کو بھی ساتھ لے کر گیا تھا۔ایک تو حویلی کا ماحول جو اس کے ذہن پر اثر انداز ہو رہا تھا،اور دوسرا پریشے کا روٹین چیک اپ، جو وہ ہمیشہ ڈاکٹر شزا سے کرواتی تھی، کیونکہ پریشے شزا کے ساتھ کافی کمفرٹیبل محسوس کرتی تھی اور رہی بات زرمینے کی، تو وہ صبح سے ہی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔اگر ہم دوبارہ ڈائننگ ہال کی جانب نظرِ ثانی کریں تو صاف ظاہر ہے کہ اسماہ خانم خاصی بے چین ہیں۔وہ بار بار پہلو بدل رہی تھیں، ہر تھوڑی دیر بعد ایک گلٹی ان کے حلق میں ابھر کر معدوم ہو جاتی تھی۔

"حیدر!"ربان خان نے ناشتہ مکمل کر کے نیپکن سے ہونٹ تھپتھپاتے ہوئے حیدر خان کو پکارا۔

"جی لالا؟"وہ فوراً تایا جان کی جانب متوجہ ہوئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ جو بچہ ہے کیا نام ہے اس کا ہاں، جبران! وہ کل سے نظر نہیں آرہا۔ تم نے دیکھا ہے اسے؟" ربان خان کی سوالیہ نگاہیں حیدر خان پر مرکوز ہوئیں، تو اسماء خانم کا حلق خشک ہو گیا۔

"نہیں لالا، میں نے بھی نہیں دیکھا۔ اسماء، تمہیں کچھ معلوم ہے اس بارے میں؟" حیدر خان نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے گردن موڑ کر اسماء خانم سے دریافت کیا۔ وہ تیزی سے نفی میں سر ہلا گئیں۔

"آپ اس لڑکے کی بات کر رہے ہیں، میں نے تو کل سے اس لڑکی کو بھی نہیں دیکھا۔ ساجدہ بتا رہی تھی کہ کل بھی وہ کئی بار کھانے کا پوچھنے

اس کے کمرے تک گئی اور دروازے پر دستک دے دے کر واپس آگئی، پر مجال ہے جو اس لڑکی نے دروازہ کھولا ہو۔ عجیب لڑکی ہے!" جبہ خانم کی بات پر جہاں ربان خان نے آنکھیں سکوڑیں، وہیں اسماء خانم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔

"کیا مطلب؟ وہ بچی کل سے کمرے سے باہر ہی نہیں آئی؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں لالا۔"

"اسماہ!"اب ان کا رخ سیدھا اسماہ خانم کی جانب ہوا۔ اچانک مخاطب کیے جانے پر وہ گڑبڑا گئیں۔

"میں یہ کیا سن رہا ہوں؟ سچ سچ بتاؤ، وہ دونوں بہن بھائی کہاں ہیں؟"ربان خان ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے الرٹ ہو چکے تھے۔ سب کی نگاہیں خود پر مرکوز محسوس کر کے اسماہ خانم بری طرح گھبرا گئیں۔

"لالا، ہم نہیں جانتے وہ دونوں کہاں ہیں۔ کل کا دن اتنا مصروف گزرا کہ ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ آج صبح ملازمہ نے مجھے بتایا تو میں نے فوراً ماسٹر کی سے دروازہ کھول کر دیکھا، تو اندر کوئی نہیں تھا، نہ کوئی سامان اور یہی حال جبران کے کمرے کا بھی تھا۔ میں خود بہت پریشان ہوں کہ وہ دونوں ہم سب کو بتائے بغیر کہاں چلے گئے!"اسماہ خانم نے مختصراً سارا معاملہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر سب اچانک نئی ٹینشن میں مبتلا ہو گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ سب کیا ہے حیدر؟ ہم نے پہلے ہی کہا تھا اس لڑکی کے اگلے پچھلوں کی ساری رپورٹ نکلوالو لیکن تمہیں تو اپنی اولاد پر خود سے بڑھ کر بھروسہ تھا، 'وہ جو کریں گے صحیح کریں گے'۔ لو اب دیکھ لو، آج اُس لڑکی کو مایوں بٹھانا تھا، اب بتاؤ برادری میں کیا منہ دکھائیں گے؟ کیا عزت چھوڑی ہے تمہاری اولاد نے ہماری؟ ایک سڑک سے لڑکی اٹھا لایا، دوسرا ونی میں آئی لڑکی کو ہم پر فوقیت دے گیا"!۔

سائرہ نے بوکھلا کر تایا جان کی جانب دیکھا، جو منٹ سے پہلے ہی جلال میں آچکے تھے۔ انہوں نے کرسی گھسیٹی اور کھڑے ہوتے ہی حیدر خان پر برس پڑے۔ ان کی باتیں سراسر دل دہلا دینے والی تھیں۔ انارہ نے تند ہی سے ان کی بلند آواز کو سنا۔ اسے وہ اس لمحے دنیا کے سب سے برے انسان محسوس ہو رہے تھے۔ کل جو سلوک انہوں نے باران اور زارا کے ساتھ کیا تھا، اس کے بعد وہ ان سے مزید بدظن ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ ابھی تک پوری حقیقت سے آشنا نہیں تھی۔ اس نے بیزار نگاہ ان پر ڈالی اور پھر اسماہ خانم کی جانب دیکھا جن کی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رنگت ہلکی گلابی ہو چکی تھی، آنکھوں میں آنسو اوپری سطح تک بھرے تھے، جنہیں وہ بہنے سے روک رہی تھیں۔

انارہ کے دل کو کچھ کا سا لگا۔ وہ ان کی آنکھوں میں آنسو پہلی بار دیکھ رہی تھی، اور یہ بات اسے بے حد چبھ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ زوبیہ خانم انہیں چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں، لیکن ربان خان انہیں بھی ڈپٹ چکے تھے۔ اس نے ایک نظر حبہ خانم اور سائرہ پر ڈالی، جو تمسخرانہ انداز میں اس تماشے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ اس کے سر کی دائیں جانب ہلکی ہلکی درد کی ٹھیسیں اٹھنے لگیں، جنہیں اس نے دو انگلیوں کے دباؤ سے دبانے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہی۔ اسے پیدائشی مائیگرین کی پرابلم تھی۔ وہ ایک اسپیشل چائلڈ تھی، جو اپنے مقررہ وقت سے پہلے ہی دنیا میں آ گئی تھی۔ چند ہیلتھ ایشوز تھے، جن میں ایک یہ مائیگرین کا مسئلہ بھی تھا۔ اس کی نگاہیں اسماہ خانم کی آنسو بھری آنکھوں پر جم گئیں۔ درد شدت اختیار کر گیا، مگر وہ خاموش رہی۔ وقت گزرتا رہا، ربان خان چپ نہ ہوئے۔ اب وہ حیدر خان کی تربیت پر سوال اٹھا رہے تھے۔ واقعی،

غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔ ہم اپنے پیاروں کو تکلیف دے جاتے ہیں، بعض اوقات بے رحمانہ حد تک۔ اچانک، اسماہ خانم کی آنکھ سے ایک موتی بہک کر رخسار پر آ گرا۔ بس! یہی وہ لمحہ تھا جہاں انارہ کا ضبط جواب دے گیا۔

"پلیز بس کریں! اتنا کافی ہے! میرے دماغ کی رگیں درد سے پھٹنے والی ہیں! خدارا بس کریں! وہ رو رہی ہیں، آپ کے الفاظ انہیں تکلیف دے رہے ہیں۔ پلیز چپ ہو جائیں۔ ایسے الفاظ مت کہیں جو اپنوں کے دل توڑ دیں۔ اپنوں کو دیے زخموں کا ازالہ نہیں ہوتا پلیز خان انکل! ایسا مت کریں!" وہ اپنی پلیٹ میں کانٹا اور چمچ پٹختے ہوئے چیخ پڑی، لیکن آہستہ آہستہ اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ چہرہ گیلا ہونے لگا، آنکھیں شدت سے برس گئیں۔

ڈائننگ ہال میں جیسے سکتہ چھا گیا۔ وہ روتے ہوئے اپنا چہرہ ٹیبل پر رکھ کر بازوؤں میں چھپا لیا اور بری طرح رونے لگی۔

ربان خان کی زبان گویا تالو سے جا چپکی۔ وہ حیران نگاہوں سے اس کے ہچکولے کھاتے وجود کو دیکھ رہے تھے جس کی سسکیاں ہال میں گونج رہی تھیں۔ اس کی آواز میں ایک تھکن تھی،

جیسے وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک چکی ہو۔ حیدر خان عجلت میں اٹھے اور وہاں سے نکل گئے۔

اسماہ خانم، جو اب تک خود پر قابو پائے ہوئے تھیں، جیسے اپنے دل کو ہلکا کرنے کا بہانہ پا گئیں۔ وہ بھی اٹھیں اور حیدر خان کے پیچھے چلی گئیں۔ وہ جانتی تھیں، وہ شخص کتنا حساس دل کا مالک ہے اور ایسے وقت میں وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتیں۔ جبہ خانم اور سائرہ دنگ سی ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں۔ اس چھوٹی سی لڑکی کے الفاظ ان کے دل پر لگے تھے۔ الفاظ سے زیادہ اس کا ٹوٹا ہوا لہجہ دل کو لرزا گیا تھا۔

ریان خان اب تک شاک کی کیفیت میں تھے۔ یہ وہ انارہ تو نہیں تھی جو اتنے عرصے سے ان کے ساتھ تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی لڑکی تھی جس کے انداز میں بچپنا نہیں، بلکہ پختگی اور سمجھداری پوری آب و تاب سے جھلک رہی تھی۔ وہ جیسے کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے الفاظ پر غور کیا، جو انہوں نے حیدر خان کے لیے کہے تھے اور ان پر گویا گریہ برسا تھا۔ زوبیہ خانم تیزی سے اس کے پاس آئیں اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا، جو ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"مورے مجھے میری ماما کے پاس جانا ہے میرا دل،دل نہیں ہو رہا یہاں رہنے کا مورے"

وہ بے ربط جملے کہتی،بلند آواز میں رونے لگی۔

وہ ٹوٹ چکی تھی۔اسے ماں کا لمس چاہیے تھا،جو اسے کبھی ملا ہی نہیں تھا لیکن کم از کم وہ اسے چھو تو سکتی تھی،لیکن اب وہ اتنے تکلیف دہ لہجے میں بولی کہ جبہ خانم کانپ گئیں۔وہ لمحوں میں وہاں سے اٹھیں اور اپنے کمرے کی سمت بھاگ گئیں۔ہاں،ان کی بھی ماں نہیں تھی، اگر ان کی ماں ہوتی،تو شاید ان کی زندگی یوں برباد نہ ہوتی۔انہیں شدید نفرت نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا،وہ نفرت جسے انہوں نے کبھی چھوڑا نہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سائرہ نے پریشانی سے ماں کو جاتے دیکھا تو فکر مند ہو کر ان کے پیچھے ہو لی۔اب وہاں صرف ربان خان تھے،زوبیہ خانم تھیں اور سسکتی انارہ،جسے وہ چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن وہ جیسے آج اپنا سارا درد دل سے بہا رہی تھی۔

اس کی حالت دیکھتے ہی ربان خان کو شدید ملال نے آ گھیرا۔ وہ دھیمے قدموں سے انارہ کے پاس آئے، کچھ لمحے اس کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ زوبیہ خانم کے سینے میں چھپا ہوا تھا، اور پھر آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے وہ بنا کچھ کہے وہاں سے پلٹ گئے۔

☆..☆..☆..☆

لال حویلی کو گرا کر وہاں ایک نئے، خوبصورت اور جدید گھر کی تعمیر جاری تھی۔ اسی لیے بالاج آج کل اپنی حویلی کی انیکسی میں رہ رہا تھا۔ وہ اکیلا انسان تھا، اسے بھلا کتنے بڑے گھر کی ضرورت تھی؟ ویسے بھی، وہ انیکسی کسی خوبصورت مکان سے کم نہ تھی۔ دو کشادہ کمرے، اوپن کچن، اور تین کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل، جس پر وہ اس وقت بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ سے ناشتہ کرتا، دوسرے ہاتھ سے چمکتی اسکرین والے موبائل پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ براؤن لوز شرٹ اور سادہ ٹراؤزر میں اس کا انداز بہت سادہ اور پر کشش تھا۔ کل سے اس کی اسلام آباد سپریم کورٹ میں باقاعدہ ہیرنگز شروع تھیں۔ اب وہ اپنی زندگی کا زیادہ وقت اپنے کریئر کو

دینا چاہتا تھا۔ وہ کب سے اشعر کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تفکر کے واضح آثار تھے۔

اشعر پرسوں سے گیا ہوا تھا، نہ کوئی اپڈیٹ، نہ خیر خبر۔ اپنے آدمیوں کی وہ پہلے ہی چھٹی کرا چکا تھا۔

"اشعر، سب ٹھیک ہے نا؟ کوئی ریپلائی دے یار، میں پریشان ہو رہا ہوں!" جب کافی دیر کی کوشش کے باوجود بھی اشعر نے فون نہ اٹھایا، تو بالاج نے مجبوراً اسے واٹس نوٹ بھیج دیا۔ وہ ایسا ہی تھا، جن سے محبت کرتا تھا، اس کا اظہار برملا کرتا تھا۔ اس کی محبت، اس کی فکر ہمیشہ خالص ہوتی تھی۔ ناشتہ وہ بیچ میں ہی چھوڑ چکا تھا۔ دو چار دن میں سرداری کا فیصلہ بھی آنا تھا۔ نوے فیصد امکانات تھے کہ وہی ہزارہ کا اگلا سردار کہلائے گا۔ شیر خان نے اپنا جرم قبول کر لیا تھا، جس کے باعث پولیس نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ اپنا نیا گھر مکمل ہوتے ہی وہ زرینہ خاتون کو اپنے ساتھ لے آنا چاہتا تھا۔ وہ جیسی بھی تھیں، اس کی خالہ تھیں جنہیں وہ دل سے اپنا سمجھتا تھا۔ اسے ان سے کوئی شکوہ نہیں تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا، شیر خان جیسے انسان

کے سامنے زرینہ چاہتیں بھی تو کچھ نہیں کر پاتیں۔ اب اسے کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ بس، وہ ایک چھوٹا سا گھر چاہتا تھا جہاں اس کی اپنی فیملی ہو اور یہ فیملی کس سے ہونی ہے؟ یہ بھی وہ طے کر چکا تھا۔

وہ اب اپنے نئے گھر کی طرف جا رہا تھا، یہ دیکھنے کے لیے کہ مزدوروں کو جو ہدایات اس نے دی تھیں، کیا وہ ان کے مطابق کام کر رہے ہیں یا نہیں لیکن اس سے پہلے اس نے ایک اہم کام کیا تھا۔ ایک خاکی لفافہ اپنے ڈرائیور کے ہاتھ ایک مخصوص پتے پر بھجوا دیا جو اس کہانی کے اختتام کے لیے انتہائی ضروری تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

"زار، آپ کا آفس بہت پیارا ہے! میں یہیں بیٹھ جاؤں؟" پریشے زارون کے آفس میں اس کا انتظار کر رہی تھی اور ہر طرف گھوم گھوم کر کیبن کا جائزہ لے رہی تھی۔ جیسے ہی زارون اندر داخل ہوا، وہ فوراً بول پڑی۔ زارون نے چونک کر اسے دیکھا، جو اس کی کرسی کو خوشی خوشی

گھور رہی تھی۔ اسے ہنستے چہرے کے ساتھ یوں خوش دیکھ کر، زارون بھی دل سے مسکرا دیا۔

"ہاں، بیٹھ جاؤ۔ بھلا آپ کو مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت؟ بلکہ رُکو۔" زارون نے کھلے دل سے اجازت دیتے ہوئے اپنا اوور آل کوٹ اتارا اور اس کے قریب آ کر اسے پہنایا، پھر اپنا چشمہ نکال کر اس کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ چشمہ چونکہ 0.25 نمبر کا تھا، تو پریشے کو کوئی خاص دِقت محسوس نہ ہوئی۔

"بس اب! اب تو آپ بالکل لگ رہی ہیں ڈاکٹر!" زارون نے دور ہو کر اس کا جائزہ لیا۔ پنک شلوار قمیض، ہلکا پیلا دوپٹہ، اور اب سفید کوٹ کے ساتھ چشمہ، وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

پریشے جو خوشی سے چہک رہی تھی، اچانک رک گئی۔ "ڈاکٹر؟ نرس کیوں نہیں؟"

"آپ نرس بننا چاہتی تھیں؟" زارون نے حیرانی سے پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"جی! مجھے تو بچپن سے ہی نرس بننے کا شوق تھا تاکہ بڑی ہو کر سب کو انجیکشن لگا سکوں!" وہ معصومانہ انداز میں ہنستے ہوئے زارون کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ زارون اس کی بات سن کر زور سے ہنس پڑا۔

"سچ میں؟ صرف انجیکشن لگانے کے لیے؟"

"ہاں نا! جب میں چھوٹی تھی، تو ابا سے ضد کر کے ایک انجیکشن منگوایا تھا۔ ابا نے اس کی سوئی نکال دی، اور وہ مجھے دے دیا۔ میں اس میں پانی بھر کر محلے کے بچوں کو لگاتی تھی۔ قسم سے، بڑا مزہ آتا تھا!" زارون بے اختیار ہنستا جا رہا تھا۔ اس کی ساری دن کی تھکن اس لڑکی کی باتوں سے ختم ہو گئی تھی۔ یہ لنچ ٹائم تھا، زارون کچھ دیر کے لیے فارغ تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک پیون آ کر زارون کا آرڈر کیا ہوا لنچ دے گیا۔ وہ دونوں کھانے ہی لگے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"اب کون ہو گا؟" پریشے نے چونک کر پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم کھانا شروع کرو، میں دیکھتا ہوں۔" زارون نے دروازہ تھوڑا سا کھولا تو سلیم، اس کا ذاتی پیون، کھڑا تھا۔

"کیا ہوا سلیم؟"

"سر، ایک آدمی آیا تھا، یہ لفافہ دے کر گیا ہے۔" زارون نے خاکی لفافہ تھام لیا اور دروازہ بند کر کے پریشے کے پاس واپس آ بیٹھا۔

"یہ کیا ہے، زار؟" پری نے لفافے سے نکلی یو ایس بی کو اشتیاق سے دیکھ کر پوچھا۔

"آہ کچھ خاص نہیں۔ تم کھانا کھاؤ، میں بس آتا ہوں۔" زارون یو ایس بی لیے کمپیوٹر کی جانب بڑھا۔ جیسے ہی یو ایس بی لگائی، چند بٹن دبائے، تو ایک ویڈیو ریکارڈنگ چلنے لگی۔

اسے دیکھ کر زارون کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں کی سیاہ پتلیاں ساکت ہو گئیں۔ سانسوں کی رفتار تیز ہو گئی۔ ہر لمحہ دل بس ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔ وقت تمام ہوا۔

خاموشی کبھی کبھی وہ سوال پوچھ لیتی ہے، جن کا جواب الفاظ میں ممکن نہیں ہوتا۔

☆..☆..☆..☆

شام کے سرمئی سائے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ خان حویلی میں معمول سے ہٹ کر ہلکی سی چہل قدمی شروع ہوئی، مگر ماحول میں ایک گہری سوگواری کا رنگ تھا، جیسے ہر کوئی اندر ہی اندر کسی خاموش جنگ میں مبتلا ہو۔ اسی اثنا میں موسیٰ حویلی میں داخل ہوا اور مردانے سے ہوتے ہوئے سیدھا اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر زرمینے، کچے پیلے رنگ کے سادہ جوڑے میں ملبوس، اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی تھی۔ آج سے اسے اور سائرہ کو مایوں کی رسم کے لیے مخصوص لباس میں رکھا گیا تھا۔ گاؤں کی چند عزیز خواتین آئی تھیں، دعائیں دیں اور چلی گئیں۔ اب پورے پانچ دن وہ اسی لباس میں ملبوس رہیں گی، جو وہاں کا رواج تھا۔

جہاں زرمینے چہرے پر اداسی لیے بیٹھی تھی، تین کمرے بعد چوتھے کمرے میں سائرہ خوشی اور اطمینان کی چمک لیے بیٹھی تھی۔ ہلکا ہلکا میک اپ اور دمکتا ہوا پیلا جوڑا اس کے نقوش کو نکھار رہا تھا۔ جبہ خانم خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ موسیٰ کوئی عام انسان نہ تھا۔

دولت مند، خوبرو، اور جائیداد کا مالک۔ نہ ساس کا بوجھ، نہ سسر کی سختی۔ یقیناً ان کی بیٹی کی زندگی میں خوشیوں کا راج تھا۔

"سنو!" اچانک زرمینے نے اپنے کمرے کو سمیٹتی ہوئی ملازمہ کو آواز دی۔

"جی بی بی؟"

"خان جی آگئے ہیں؟"

"جی، ابھی ابھی آئے ہیں، اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ۔"

"بی بی جی، یہ میں لے جاؤں؟" ملازمہ نے چند نئے جوڑے اٹھائے جو زرمینے نے چند بار ہی پہنے تھے۔

"ہاں لے لو، اور اگر اور بھی لینے ہوں تو لے جاؤ۔ جب تک میں نہ بلاؤں، اندر مت آنا۔" ملازمہ خوشی سے سر ہلاتی ہوئی چلی گئی۔

Clubb of Quality Content

زرمینے نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ بند کیا، کمرے کو اندر سے لاک کیا، پھر اپنی بالکنی کا شیشے کا دروازہ کھولا۔ وہاں سے ایک لمبی پتلی راہداری نکلتی تھی جو گھپ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ جلدی سے جوتے پہن کر اس راہداری میں سے گزری۔ بیچ میں چند دروازے لاک تھے، جو ہر کمرے کی بالکنی کے لیے بنے تھے تاکہ کوئی ہنگامی صورتِ حال پیش آئے تو انہیں استعمال کیا جاسکے۔

وہ تیزی سے موسیٰ کے کمرے کے دروازے کے پاس پہنچ کر دھیرے دھیرے دستک دینے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

موسیٰ، جو ابھی نہا کر تازہ دم ہو کر نکلا تھا، اس دھیمی سرگوشی کو سن کر ٹھٹھک گیا۔ اس کی نگاہ اس بالکنی کے بند دروازے پر جا ٹکی جہاں دستک دی جارہی تھی۔ وہ منٹ بھر بھی ضائع کیے بغیر دروازے کے پاس آیا اور کھولا۔

سامنے وہی تھی، پسینے سے تر، سانس چڑھی ہوئی، آنکھوں میں ایک عجیب اضطراب لیے۔ وہ تیزی سے اندر آگئی۔

موسیٰ نے اسے گہرے سانس بھرتے دیکھا تو فوراً آگے بڑھ کر پانی کا گلاس بھرا اور اس کے ہاتھوں میں تھمادیا، جسے وہ جلدی سے لبوں سے لگا گئی۔ چند گھونٹ پیتے ہی سانس کسی حد تک بحال ہوئی تو گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُس نے نظریں اس کی جانب اٹھائیں جو سینے پر بازو لپیٹے، چپ چاپ اُسی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چھپی سرخی، زرمینے کے اندر ایک انجانی بے چینی بھر گئی۔

"اس وقت، اس حالت میں یہاں آنے کا مطلب؟" موسیٰ کے سرد لہجے نے زرمینے کے حوصلے توڑنے میں کچھ لمحے ہی لیے۔ اُس کی نگاہیں اُس کے مایوں کے لباس کی طرف واضح اشارہ تھیں۔

"خان جی"

"ہمم"

"آپ پلیز، کچھ کریں" وہ اُس کی سرد آنکھوں میں دیکھنے کی تاب نہ لاسکی، اسی لیے نگاہیں جھکائے، سر جھکائے، دھیمی آواز میں گویا ہوئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا مطلب؟ کس بارے میں بات کر رہی ہو تم؟" وہ مکمل انجان بن بیٹھا۔ زرمینے نے تیزی سے پلکیں اٹھائیں، آنکھوں میں حیرت، درد اور بے یقینی کا طوفان۔ آنسو پلکوں کی دہلیز پر لرزنے لگے، موسیٰ نے نظر چرائی جیسے وہ اس بہتے سیلاب کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

"خان جی، میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں پلیز، اس شادی کو رکوائیں" وہ اپنی انا کی چادر اتار پھینک کر، محبت کی دہلیز پر نم لہجے میں ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

"زرمینے، تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟ میں تمہیں صرف اپنی کزن مانتا ہوں، اور کچھ نہیں۔" موسیٰ کے لہجے میں ایسی حیرت تھی کہ لمحے بھر کو اُسے خود اپنی اداکاری پر شک ہوا۔

زرمینے کے لب سلے رہ گئے۔ اُسے لگا، شاید سُننے میں غلطی ہوئی ہے۔ کیا واقعی یہ محبت یک طرفہ تھی؟ حلق میں کڑوا سا آنسوؤں کا گولہ اٹک گیا، جسے نگلنا بھی اذیت بنا۔ پھر بھی، جب اُس نے زبان کھولی، تو آواز میں نمی بول اُٹھی۔

Clubb of Quality Content

"خان جی میں میں ارمان سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ سمجھیں، پلیز۔" یہ کہتے ہوئے وہ ہزار بار مر چکی تھی۔ کسی سے اپنی محبت کا اظہار کرنا، اور پھر انکار سننا، ذلت کی وہ انتہا ہے جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

"زرمینے، جاؤ یہاں سے!" موسیٰ کی سخت آواز نے اُس کے دل کے ٹکڑے کر دیے۔

"خان جی، میں میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی" یہ ایک آخری کوشش تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کل جب وقت ہاتھ سے نکل جائے، تو کم از کم پچھتاوا نہ ہو کہ کوشش نہیں کی تھی۔

"بس! مزید فضول باتیں مت کرو۔ خاموشی سے یہاں سے چلی جاؤ۔ اگر کسی نے تمہیں یہاں دیکھ لیا تو میرا نام بے وجہ بدنام ہو گا۔" وہ سفاکیت سے گویا ہوا۔ یہ آخری چوٹ تھی، جو زرمینے کے دل کے شیش محل کو چکنا چور کر گئی۔ وہ اب مزید ٹھہرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ خاموشی سے پلٹی، اور جس راہ سے آئی تھی، اسی راہ واپس لوٹ گئی۔

موسیٰ لمبے قدم بھرتا بالکنی تک آیا۔ وہاں سے ایک دھندلا سا ہیولا بھاگتے دیکھا۔ پتھریلی آنکھوں سے وہ اسے جاتا دیکھتا رہا۔ لمحہ ہی گزرا تھا کہ وہی پتھریلی آنکھیں نم ہو گئیں۔ بوند

بوند آنسو،اُس کی داڑھی کو بھگو رہے تھے،اور وہ کچھ نہ کر سکا۔وہ تڑپ گیا تھا اس کے "مرنے" کی بات سن کر،لیکن اب وقت،حالات،جذبات سب کچھ اُس نے تقدیر کے سپرد کر دیا تھا۔

☆..☆..☆..☆

کچھ ہی دیر بعد،سائرہ اور زرمینے کو گھونگٹ نکال کر مایوں کی رسم کے لیے بٹھا دیا گیا۔پری گل ان دونوں کو گم سم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ لالا کی شادی پر خوش ہو یا اُداس۔آج وہ نقاب میں نہیں تھی۔ہرے رنگ کے چوڑی دار قمیض اور کلیوں والے فراک کے ساتھ پیلے رنگ کا حجاب اوڑھے،وہ خود میں مگن سی تھی۔

زنان خانے میں چھوٹی سی تقریب چل رہی تھی۔کم عمر لڑکیاں علاقائی گیت گا رہی تھیں۔سائرہ بھی کبھی کبھی مسکرا کر ساتھ دے رہی تھی۔زرمینے ایک پتھر کا بت بنی،سپاٹ چہرے کے ساتھ،خاموش بیٹھی تھی۔کچھ بزرگ خواتین نے رسمِ حنا کے طور پر ہلکی ہلدی اس کے

چہرے اور ہاتھ پر لگائی، بے شمار دعائیں دیں۔ پری گل زرمینے کے دل کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھی، لیکن خود بھی بے بس تھی۔

باران کی جانب سے مکمل خاموشی تھی، اور حرم کہیں اوجھل تھی۔ پری گل اس وقت گیسٹ روم میں رہ رہی تھی۔ جب بھی کسی نے پوچھا،

وہ کہہ دیتی کہ اُس کے کمرے میں کاکروچ ہو گئے ہیں، اور اسماہ خانم نے آج سپرے کروانے کا کہہ دیا تھا جس پر اس نے کوئی برملا اظہار نہیں کیا۔ کئی عورتوں نے شاہ میر کی دلہن کی غیر موجودگی پر حیرانی ظاہر کی تھی، لیکن زوبیہ اور اسماہ خانم نے بات کو سنبھال لیا تھا۔ اس بار جبہ خانم نے بھی کوئی طنز نہیں کیا۔ وہ سائرہ کی خوشیوں میں خلل نہیں ڈالنا چاہتی تھیں۔

"گل بچے، وہ مہندی کا تھال کمرے میں رہ گیا ہے، ذرا لے آؤ۔" زوبیہ خانم کے کہنے پر وہ فوراً اٹھی، سر ہلاتی ہوئی زنان خانے سے باہر نکلی۔

وہ زوبیہ خانم کے کمرے پہنچی،سائیڈ ٹیبل پر پڑا مخملی لال کپڑے میں لپٹا تھال اٹھایا،جس میں مہندی کی کونیں اور ہلدی کا پیالہ رکھا تھا۔دوپٹہ درست کرتی جیسے ہی راہداری میں داخل ہوئی،کسی نے جھٹکے سے اسے کھینچ کر دیوار سے لگا دیا۔وہ ایک پل کو گڑبڑا گئی جبکہ تھال ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

نظر اٹھائی تو خون میں آگ بھڑک اٹھی۔کچے پیلے رنگ کے کُرتے میں ملبوس،سفید پاجامہ،آستینیں چڑھی ہوئی،بالوں میں ہلکا سا پف بنائے وہ کوئی اور نہیں،ارمان کھڑا تھا۔نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

نوولز کلب
Clubb of Quality Content

"بے غیرت انسان!تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی؟اپنی غلیظ نظریں ہٹاؤ!"پری گل کی آنکھوں میں نفرت تھی،آواز میں زہر۔ارمان کے چہرے پر ڈھیٹ مسکراہٹ ابھری۔وہ جیسے اس ردِ عمل سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔اس نے اُس کی کلائی پکڑ لی۔

"ارے یار، دیدارِ یار تو کرنے دو۔" وہ اُس کی کلائی کو اپنی ناک کے قریب لے جا کر، گجروں کی خوشبو اندر کھینچتا، گہری مسکراہٹ سے بولا تو پری گل نے اسی ہاتھ سے ناخن اس کے چہرے پر مار دیے۔ وہ ایک دم سٹپٹا کر پیچھے ہٹا، گال پر جلن سی محسوس ہوئی۔ دانت پیستے ہوئے وہ اسے گھورتا رہ گیا جبکہ پری گل تیزی سے دوپٹے سے اپنا چہرہ چھپا چکی تھی۔

"آئندہ مجھے ہاتھ لگایا، تو تمہارا منہ نوچ لوں گی ذلیل درندے!" اس کی آنکھوں میں شہزی کے قتل کی چمکدار یاد تھی۔ یہ وہ ظلم تھا جو وہ کبھی فراموش نہ کر پاتی۔

"یار، آپ کیا کر رہی ہیں؟ کیوں میرے اندر چھپے اُس جانور کو جگانا چاہتی ہیں؟" ارمان نے ایک پراسرار انداز میں کہا، جس کی آواز میں ایسی کشش تھی کہ پری گل کو اپنی رگوں میں بہتے خون کا جلتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ لمحے کی دیر کیے بنا پلٹی اور زنان خانے کے دروازے کو عبور کرتی چلی گئی۔

"میں نے کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں شہزادی۔" ارمان نے اس کی پشت کو عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا، پھر ہنس پڑا، ایک خوفناک ہنسی، جو کسی نئی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

☆..☆..☆..☆

بہرام خان اس وقت ویل چیئر پر بیٹھی زینب کے بالوں میں آہستہ آہستہ کنگھی کر رہے تھے جب اچانک پاس پڑا فون زور سے بجا تو انہوں نے آہستگی سے زینب کے بال چھوڑے اور فون اٹھایا، یہ دیکھنے کی جرأت کی کون تھا جو ان کی اجازت کے بغیر انہیں پریشان کر رہا تھا۔

اسکرین پر "انارہ کالنگ" چمک رہا تھا۔ انہوں نے گہری سانس لی اور کال ریسیو کر لی، پھر فون کان سے لگایا۔

"یس، مائی ڈاٹر۔"

"ڈیڈ" انارہ کی بھیگی آواز سن کر بہرام خان سیدھے ہو گئے۔

"کیا ہوا انارہ؟ تم رو رہی ہو؟" ان کی آواز میں سختی تھی، کیونکہ وہ اپنی بیٹی اور بیوی کے معاملات میں ہمیشہ بہت محتاط رہتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ڈیڈ، مجھے یہاں نہیں رہنا، یہاں سب بہت برے ہیں، پلیز مجھے یہاں سے لے جائیں۔" انارہ نے سسکیاں لیتے کہا، جس سے بہرام خان کے ماتھے پر سیاہ لکیریں مزید گہری ہو گئیں۔

ایک ہاتھ فون پر تھا، دوسرے سے وہ مسلسل زینب کے بالوں کی جڑوں کو سہلا رہے تھے۔

وہ بالکنی میں کرسی پر آرام دہ لباس میں بیٹھے تھے، سامنے ویل چیئر میں زینب کا بے جان جسم تھا، جس کے سر کے پیچھے فوم لگایا گیا تھا تاکہ سر حرکت نہ کرے۔ اس کے لمبے، کمزور بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے، جن میں بہرام خان کی انگلیاں نرم انداز میں پھسلی ہوئی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا مطلب؟ کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟ مجھے بتاؤ۔" انہوں نے اپنے کام سے منسلک نمبر آف کر رکھا تھا، اس لیے وہ داور سے بھی کافی عرصے سے بات نہیں کر سکے تھے۔ ان کو ابھی تک حویلی میں ہونے والے واقعے کی پوری خبر نہیں تھی۔

"ڈیڈ، خان انکل" انارہ نے آہستہ آہستہ ہر بات بتانا شروع کی، روتی رہی۔ اس کا سر درد بڑھ رہا تھا اور چہرہ درد کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا، مگر اس وقت اسے صرف ایک مہربان کاندھے کی ضرورت تھی۔

"بیٹا، یہ ان کے گھر کے مسائل ہیں، ان سب باتوں کو دل پر مت لو۔ بس چِل کرو۔" بہرام خان نے ریلیکس انداز میں بات کی، جانتے ہوئے کہ انارہ اس وقت دباؤ میں ہے، جو اس کے لیے بہت نقصان دہ تھا۔

"ڈیڈ، آپ کو اس سب سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟" انارہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

"نہیں مائی ڈاٹر، انسان کی اپنی زندگی میں اتنی ٹینشنیں ہوتی ہیں، کیا اب وہ دوسروں کی بھی تکلیفیں برداشت کرے۔" بہرام خان نے لاپرواہی سے جواب دیا، جس سے انارہ کچھ نہ بول سکی۔

"بس، اب رونا بند کرو اور اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر لو، جلدی کرو۔"

"کیوں؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کوئی بحث نہیں، جو کہا وہ کرو۔" انارہ نے سر ہلا کر حکم مانا، اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

"ڈیڈ، ہو گیا۔"

"اچھا، میں تمہیں ویڈیو کال کرتا ہوں، اسے اٹھانا۔" بہرام خان نے کہا۔ انارہ نے ویڈیو کال اٹینڈ کی تو موبائل کی اسکرین پر بہرام خان کا چہرہ

نظر آیا، جسے دیکھتے ہی وہ دوبارہ آبدیدہ ہو گئی۔

"انارہ،" بہرام خان کی سخت تنبیہ پر اس نے فوراً آنسو پونچھ لیے۔

"گڈ گرل، یہ دیکھو، تمہاری ماما" بہرام خان نے کیمرہ زینب کی طرف موڑا۔ اسکرین پر زینب کا پرسکون، بند آنکھوں والا چہرہ واضح ہوا تو انارہ ہچکیاں لیتے رونے لگی۔

"ماما، ماما، یہاں دیکھو، پلیز آنکھیں کھولو نہ! ماما پلیز اٹھ جاؤ، میرا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر۔ دیکھیں نا" انارہ مسلسل زینب کو پکار رہی تھی۔

بہرام خان کچھ دیر اس کی تڑپتی ہوئی آواز سنتے رہے، پھر جب ان کا صبر جواب دے گیا تو انہوں نے کال کاٹ دی۔

"ماما،ماما!" انارہ کال کٹتے ہی انہیں پکارتی رہی۔ اس نے کئی بار نمبر ڈائل کیا مگر کوئی جواب نہ آیا تو اس نے غصے میں آکر موبائل زمین پر پھینک دیا، مگر قالین پر گرنے کی وجہ سے موبائل بچ گیا۔ وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی۔

بہرام خان نے گہرا سانس بھرتے اپنا سر زینب کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ انارہ کو خود سے دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے، کیونکہ اگر وہ ان کے ساتھ رہتی تو اپنی پوری زندگی خوف کے سائے میں گزار دیتی۔ موت ہر وقت ان کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ جوانی کے جوش میں کیے گئے گناہ ان کی زندگی کا بوجھ بن چکے تھے۔ بہرام خان جانتے تھے کہ حویلی کے لوگ ان کی بیٹی کا خیال رکھیں گے، اگر وہ ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو بھی گئے تو بھی انارہ کو سنبھال لیا جائے گا۔ وہ یوں ہی زینب کے کندھے پر سر رکھے بیٹھے رہے، اس بات سے بے خبر کہ زینب کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں اور ایک آنسو اس کے گال پر بہہ چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی انگلیوں کی کپکپاہٹ بڑھ رہی تھی۔ سیاہ پلکیں زرد گالوں پر بچھی ہوئی تھیں جن میں جنبش ہونے لگی تھی۔ اس کے سر میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں، اس کی بند آنکھوں کے پیچھے صرف گہرا اندھیرا تھا۔ پھر دھندلا سا منظر ابھرا، ایک سیاہ ہیولا آہستہ آہستہ شکل اختیار کر رہا تھا۔

اب منظر پہلے سے واضح تھا۔ اندھیرا مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا اور ذہن کے پردے پر ایک فلم کی مانند ہر سین واضح ہو رہا تھا۔ ایک سفید لباس میں چمکتا وجود آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ ریشمی بالوں کی گیلی چند لٹیں اس کے گالوں پر چپکی تھیں۔ ننگے پاؤں ٹھنڈے ماربل کے فرش پر چلتے وہ آگے بڑھی، جہاں ایک مرد بوٹل گرین رنگ کی شرٹ اور نیوی ٹراؤزر پہنے، بڑی مہارت سے کٹنگ بورڈ پر پڑی تازہ سبزیاں کاٹ

رہا تھا۔ پاس ہی اسٹین لیس ساس پین میں کچھ ابل رہا تھا، جس کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دفعتاً وہ مرد پلٹا، اس کی شہد جیسی آنکھوں میں ہلکی حیرت کے ساتھ چمک ابھری۔ اس کا چلتا ہاتھ رکا۔ وہ چھری کو کٹنگ بورڈ پر رکھ کر دو قدم اس کی طرف بڑھا، تو وہ سہم کر چار قدم دور ہو گئی۔

"میری زینی، تم اٹھ گئی؟ یہ دیکھو، میں تمہارے لیے بنا رہا ہوں۔" وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے، دنیا کا سب سے بد صورت انسان لگ رہا تھا۔

اس کی آواز اسے کراہت بھری، سب سے بھیانک آواز لگ رہی تھی۔ اس کے وجود سے، حتیٰ کہ اپنے وجود سے بھی وہ گھن محسوس کر رہی تھی۔ وہ حیوان اس کے بازو پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے اس ابلتے ہوئے سوپ کے پاس لے گیا۔

"زینی، چلو جلدی سے اسے ٹیسٹ کر کے بتاؤ کیسا بنا ہے، میں نے پہلی بار تمہارے لیے یا یوں کہو کسی عورت کے لیے لکنگ کی ہے۔" وہ بولتے بولتے اب ایک چمچے میں ذرا سا سوپ بھر کے اس کے لبوں کے قریب کر چکا تھا۔ زینب اب بھی بے تاثر آنکھیں لیے اس کے

چہرے پہ شرمندگی کے آثار ڈھونڈ رہی تھی، لیکن وہاں سوائے تازگی اور سرشاری کے کچھ نہ تھا۔

"زینی،" وہ اسے خالی خالی آنکھوں سے خود کو تکتا پا کر اس کے بازو پہ گرفت مضبوط کر گیا تو زینب چونک کر ہوش کی دنیا میں لوٹی۔

"میں کچھ کہہ رہا ہوں، تمہارا دھیان کدھر ہے؟" وہ اس کا جبڑا اپنے ہاتھ میں تھام کر سرد لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ زینب نے تیزی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سر جھکا دیا تو بہرام نے ایک جھٹکے سے اس کا سر واپس اوپر کیا اور اس کا منہ کھول کر وہ چمچ میں بھرا محلول اس کے منہ کے اندر انڈیل دیا۔ کچھ نمکین، کچھ کھٹا سا ذائقہ محسوس کرتے وہ فوراً اسے نگل گئی۔ کل صبح کے بعد جو اس نے کچھ کھایا تھا، وہ اب یہ وہ سوپ کا چمچ تھا جو اس کے حلق میں اترا تھا۔

"کیسا بنا ہے؟" وہ اس کے چہرے پہ چپکی گیلی لٹیں اپنی انگلی پہ لپیٹتے پوچھ رہا تھا۔ زینب نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ کل رات کی درندگی بھولی نہیں تھی، وہ اس کے ماں

باپ کو کل کس طرح ختم کر کے آیا تھا، کیسے اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا، کس قدر حیوانیت کے نشاں اس کے وجود پہ چھوڑے تھے۔ وہ ایک بھوکا درندہ تھا جس نے اسے کسی ربڑ کی گڑیا کی مانند توڑ مروڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر بنے زخم کو دیکھ بہرام نے اس کی ٹھوڑی کو چھوا، جس پہ اس نے بمشکل اپنی سسکی روکی۔

"یہ کیسی لگی؟ اوہ، کل دیوار پھلانگتے ہوئے لگ گئی ہو گی۔ کوئی نہیں، میں داور سے کہتا ہوں کہ میری زینی کے لیے وہاں سیڑھیاں لگوا دے تاکہ اگر اگلی بار بھاگنے کی کوشش کرے تو کم از کم چوٹ تو نہ لگے، پر..." وہ بولتے ہوئے رکا، اس کے چہرے پہ گرفت مضبوط کی، اسے اپنا جبڑا ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ "پر پھر میرے لیے ایک تیز دھار چھری کا انتظام کر دے، جس سے میں تمہاری ٹانگیں جڑ سے با آسانی کاٹ سکوں۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے، اس قدر سفاکیت سے کہہ رہا تھا کہ زینب کو اپنے پیروں میں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کا دل یک بارہی خوف سے دھڑکا تھا۔ وہ جتنا اسے جان چکی تھی اتنا تو یقین سے کہہ سکتی تھی کہ جو وہ کہہ رہا ہے، وہ کر بھی گزرے گا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے ارے، مذاق کر رہا ہوں۔ بھلا میری زینی مجھے اب چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہے اور کہاں جا سکتی ہے؟" وہ اس کی سفید پڑتی رنگت کو دیکھ ہنس کر بولا۔ زینب کو اس کی ہنسی کسی ماتم کے تازیانے سے کم نہ لگی تھی۔ اس کی آواز اس قدر اس کے کانوں میں چبھ رہی تھی، مانو ابھی خون نکل آئے گا۔ اس قدر اذیت ناک۔

"چلو آؤ، تم بہت تھک گئی ہو گی نہ، کل کا دن تمہارے لیے بہت مشکل تھا۔ یہاں بیٹھو، میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتا

ہوں۔" بہرام اسے معنی خیزی سے کہتا، اب ڈائننگ کے گرد لگی تین کرسیوں میں سے ایک کرسی پہ بٹھا چکا تھا۔ وہ اس کے پلٹ کر کچن میں جاتے ہی اپنے ہاتھوں کو بے دردی سے رگڑنے لگی۔ اس کے ہاتھ کی نرم جلد سرخ ہو چکی تھی، پر وہ پھر بھی اسے یوں رگڑ رہی تھی، مانو اپنے ہاتھ کی وہ کھال ہی اتار دینا چاہتی ہو جس پہ ابھی اس نے چھوا تھا۔ وہ کتنے گھنٹے لگا کر رگڑ رگڑ کر اپنے وجود کو دھو کر آئی تھی۔ وہ بس اس پُر تپش لمس سے نجات چاہتی تھی جس میں اس کے پیاروں کے خون کی بو شامل تھی۔ بہرام کو ہاتھ میں ڈش تھامے لاتے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دیکھ،اس نے جلدی سے اپنے ہاتھوں کی حرکت روکی اور سر جھکائے ضبط کے گھونٹ بھرتی رہی۔

"ہمم،شاباش۔یہ لے، کھاؤ اور یہ پیو۔"بہرام نے اس کے سامنے رشین سلاد کی پلیٹ اور سوپ کا باؤل رکھتے ہوئے کہا۔زینب نے ایک نظر کھانے پہ ڈالی اور دوسری اس مرد پہ جو اب اس کے ساتھ والی کرسی کو گھسیٹ کر اس پہ بیٹھ چکا تھا۔اس کی نظروں کی تپش تھی یا نفرت کی آگ، جو بہرام نے چونک کر سر گھما کر اس کی جانب دیکھا، جس قدر تیزی سے بہرام نے اس کی طرف دیکھا تھا،اسی تیزی سے وہ اپنی نظریں پھیر چکی تھی۔بہرام نے اسے اپنی جانب متوجہ نہ پا کر اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹکا،اب وہ چھوٹے چھوٹے لقمے زبردستی اس کے منہ میں ڈال رہا تھا۔

"بس!"وہ جو بمشکل ایک کے بعد ایک نوالہ نگل رہی تھی،اپنا حلق جام ہوتا محسوس کر کے فوراً ہاتھ منہ کے آگے کر کے اسے رکنے کا کہہ گئی۔بہرام نے ایک سرد نگاہ اس کے ہاتھ پہ ڈالی جو اس کے کام میں خلل ڈال گیا تھا۔

"زینی جان، شرافت سے ہاتھ ہٹاؤ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ یک دم تند ہی سے بھرپور لہجے میں کہتا، زینب کو خوفزدہ کر گیا تھا۔ اس نے بے ساختہ اپنے ہونٹوں کے آگے سے ہاتھ ہٹایا تو بہرام نے بنا لمحے کی دیری کیے اس کے منہ میں سلاد کا بڑا سا نوالہ ٹھونس دیا۔ وہ سلاد اسے بے انتہا بدذائقہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس میں موجود زیتون اور مشروم اس کے منہ کو کڑوا کر چکے تھے کیونکہ اس نے کبھی انہیں چکھا تک نہ تھا۔ وہ یوں ہی اس کے منہ نوالے پہ نوالہ ڈال رہا تھا، اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ کھانا اس کے حلق میں بار بار اٹک رہا ہے، وہ بری طرح کھانس رہی ہے یا نہیں۔ وہ بس اپنی مرضی کر رہا تھا۔

"گڈ۔" آخری نوالہ اس کے حلق سے اتارتے وہ محظوظ سا مسکرایا۔

"بہت طاقت کی ضرورت ہے تمہیں، میری زینی۔ تم نے ابھی بہت کچھ سہنا ہے۔ میری قید سے آزاد ہونے کی کوشش کی تھی، نہ، دیکھو تم پر تمہاری سانسیں ہی تنگ نہ کر دی ہوں، تو کہنا۔" وہ پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگائے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اس کی مسکراتے لہجے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میں کہی بات پہ ساکن ہوئی تو کیا وہ صرف ایک انتقام تھی؟اور اگر ہاں تو یہ زندگی جلد اس کے لیے آزمائش بننے والی تھی۔

☆..☆..☆..☆

دن یوں ہی پرندوں سی اڑان بھرنے لگے، لیکن زینب کی زندگی لمحہ بہ لمحہ ایک عذاب بنتی جا رہی تھی۔ایک قاتل کی بے رحم پناہ گاہ اسے روز

مرنے پہ مجبور کرتی تھی۔بہرام کے ساتھ رہتے وہ اتنا تو سمجھ چکی تھی کہ وہ ایک نفسیاتی انسان ہے۔اس کے سینے میں سچ میں دل نہیں، پتھر ہے۔وہ اس بڑی سی سفید عمارت میں گویا قید ہو چکی تھی۔وہ عمارت اس قدر حسین تھی کہ دیکھنے والا اس محل میں رہنے والے کو خوش نصیب سمجھتا،اس سے انجان کہ یہ عمارت، جو کہ سفید محل کے نام سے مشہور تھی،اپنے اندر کس قدر بدصورتی قید کیے ہوئے تھی۔وہ اس عمارت میں تن تنہا ہوتی یا تاریکی کے پہر بہرام ہوتا، جو اسی سیاہی میں رفتہ رفتہ زینب کے وجود کو روندتا تھا۔اسے یہاں آئے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا۔وہ اس وقت لاؤنج کے پاس بنے پول میں پیر ڈبوئے بیٹھی تھی،

اس کے لمبے بال پشت پہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ مخملی لباس میں ملبوس وہ اپنے ہاتھ پہ موجود بینڈیج کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے پچھلے کچھ عرصے میں سیاہ اور سفید کے سوا کوئی لباس نہیں پہنا تھا۔ صرف اس لیے کہ بہرام کو پسند نہیں تھا، اور یہی وجہ تھی کہ اس عمارت کی ہر چیز سیاہ یا سفید تھی۔ اس کے پاس ان دو رنگوں کے سوا کوئی جوڑا نہیں تھا۔ وہ کیا کھائے گی؟ کب کھائے گی؟ کتنا کھائے گی؟ یہ سب بہرام طے کرتا تھا۔ وہ کب سوئے گی، کب جاگے گی؟ یہ بھی وہ طے کرتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اس کے مسکرانے پہ بھی پابندی لگا چکا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جب وہ اس کے پاس ہو تو وہ محض تب ہی مسکرائے۔ وہ اس کی زندگی تنگ کر چکا تھا، اور پھر جب بھی کہتا، تو صرف اتنا۔

"زینی، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔" وہ اب بھی اپنے ہاتھ کو دیکھتی، سوچوں میں گم تھی۔ آج صبح کا واقع اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا تو اس کی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

(”زینی، تم مجھ سے محبت کرتی ہو نا؟“سیاہ نائٹ گاؤن زیب تن کیے، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے رکھے سٹول پر بیٹھی اپنے بالوں میں کنگھا کر رہی تھی۔ اچانک بہرام بیڈ سے اٹھا اور اس کے پاس آ گیا۔ زینب نے اپنا ہاتھ روکا، سپاٹ چہرہ لیے اس کی جانب دیکھا، جو بلیک سینڈ وا اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا، اور شاید کچھ سوچ کر اس سے یہ سوال کر رہا تھا۔ سیاہ لباس میں ملبوس لڑکی نے کوئی جواب دینے کی بجائے سرخ گوشوں والی آنکھیں لیے سامنے لگے آئینے پر ٹکا دیں۔ اس کی نگاہوں کے سامنے شہد رنگ آنکھوں نے بھی اس کا تعاقب کیا، جہاں وہ اپنی گردن پر گہرے زخم دیکھ رہی تھی۔ وہ زخم نیلے پڑ چکے تھے اور ارد گرد کی جلد حد درجہ سرخ تھی۔

یہ تو محض معمولی سا زخم تھا جو پورے جسم پر تھا، مگر اس کی تکلیف ناقابلِ بیان تھی۔ بہرام نے فوراً اس درد کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کا جبڑا نرمی سے اپنے رگوں ابھرے ہوئے ہاتھ کی چوڑی ہتھیلی میں جکڑ لیا اور اس کے چہرے کا رخ اپنی جانب کیا۔ اب ان دونوں کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چہرے بہت قریب تھے، اور وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے، جہاں ایک کی آنکھوں میں سوال تھا، وہیں دوسری آنکھیں مکمل طور پر خالی اور بے احساس تھیں۔

"زینی، میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے نا؟ اچھی بیویوں کی طرح جواب دو۔" اس کا لہجہ جتنا نرم تھا، آنکھیں اتنی ہی سرد اور بے جان تھیں، جیسے مردے کی۔ زینب چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر ہلکا سا مسکائی، جس سے اس کے ہونٹ کے پاس ٹھہرا زخم چمک اٹھا۔

"میں تم سے اپنی ہر آتی جاتی سانس سے بھی زیادہ نفرت کرتی ہوں۔" وہ اس کی شہد جیسی آنکھوں میں اپنی غلافی آنکھیں گاڑھ کر لفظ لفظ آہستہ آہستہ بولی، اور اس کی آنکھوں میں اشتعال برپا کر دیا۔

بہرام چند لمحے بغیر پلک جھپکائے اس نفرت کی آگ کو دیکھتا رہا، پھر آنکھیں بند کر کے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ زینب کا جبڑا اب تک اس کے ہاتھ میں تھا، جس پر اچانک اس کی گرفت سخت ہو گئی، اتنی کہ زینب کو جبڑے کی دونوں طرف کی ہڈیاں ایک

دوسرے میں جڑ جانے کا احساس ہوا۔ اس کی آنکھیں درد سے پھیل گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا بکواس کر رہی ہو کہ مجھ سے نفرت کرتی ہو؟" اس نے اتنی زوردار آواز میں چلایا کہ زینب کے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ وہ پلکیں جھکاتی اور آنکھیں میچ گئی۔

"ہاں! نفرت کرتی ہوں میں تم سے۔ تم، تم ایک جانور ہو، ایک گدھ جو میرے خاندان کو تباہ کر گیا۔ تم برباد ہو، تم" وہ اپنے الفاظ مکمل کیے بغیر چیخ اُٹھی، منہ درد سے جھنجھنا اٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بات ختم کرتی، بہرام کے زوردار تھپڑ نے اسے کئی لمحوں تک ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ اس کا چہرہ بائیں طرف لڑھک گیا، بال بہرام کے ہاتھ کے شکنجے میں تھے، وہ درد میں کچھ بھی کہہ نہ سکی۔ اس کے چہرے پر موجود زخموں کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

"بکواس بند کرو، ذلیل عورت! اگر تم نے مزید ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ تم میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو۔" بہرام نے اس کے بالوں کو سختی سے پکڑ کر کھینچا، اس کا چہرہ اپنے قریب لایا، اور دھمکی دی، "کیا کہا مجھ سے؟ مجھ سے نفرت کرتی ہو؟ تمہارا وہ حال کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔" پھر اچانک اس نے اپنی جیب میں ہاتھ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ڈال کر ایک چھوٹا سا کی چین نکال کر زور سے جھٹکا، جس میں سے ساڑھے تین انچ کی تیز دھار چھری نما بلیڈ باہر نکلی، چمکتی ہوئی۔

زینب کا دل لمحے بھر کے لیے سکڑ گیا، وہ بے اختیار اپنے ہاتھ پر لگے خنجر کے نشان کو یاد کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں گھبراہٹ اور خوف بھر گیا، جو بہرام کو اندر سے بے حد سکون فراہم کر رہا تھا۔ ایک لمحہ، دوسرا لمحہ، دل دھڑکتا رہا، ہاتھ مزاحمت کرتے رہے، اور پھر اگلے ہی پل زینب کی چیخیں پورے سفید محل میں گونج اٹھیں۔ وہ بے رحمی سے اس کے ہاتھ کی کلائی پر تیز دھار چاقو سے اپنا نام لکھتا گیا، چمکتے ہوئے سفید فرش کو داغدار کرتا چلا گیا۔ اس کی سسکیاں، آہیں اس سنسان مکان میں گونج رہی تھیں۔ کوئی دل رکھنے والا ہوتا تو تڑپ اٹھتا، لیکن وہ تو پتھر دل تھا۔

"دیکھو، تمہارے ہاتھ میں لکھا میرا نام کتنا حسین لگ رہا ہے۔ دیکھو۔" وہ زینب کے لرزتے وجود کو بازوؤں میں بھر کر بیڈ پر بٹھاتا، تنگ نظر مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ زینب نے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تڑپ کر اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کی، لیکن تکلیف کی شدت ایسی تھی کہ کوئی بھی اسے سمجھا سکتا تھا کہ یہ موت کے برابر ہے۔

کون کہتا ہے کہ ولن جب پیار کرتا ہے تو لوگ رشک کرتے ہیں؟ نہیں، ولن جب پیار کرتا ہے تو سامنے والے کی روح بلبلا جاتی ہے کیونکہ اس کا پیار بھی اس جیسا ہی ہوتا ہے، سفاک اور بے رحم۔

اس کی کلائی خون آلود تھی، سرخ چپچپے دھبوں سے مزین، گہرے زخموں سے بھری۔ اس کے ہاتھ پر لکھے اس وحشی مرد کے نام کے درمیان اس کا پھٹا ہوا سرخ گوشت نظر آرہا تھا، جسے وہ ٹھیک سے دیکھ بھی نہ پائی اور پھپھک کر رونے لگی۔ وہ گھٹنوں پہ سر رکھ کر چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ سن محسوس کر رہی تھی۔

"بہت درد ہو رہی ہے اللہ جی!" وہ دل میں اپنے رب سے فریاد کرتی تڑپ رہی تھی۔

بہرام اس کے رونے پر ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور جب کچھ وقت بعد آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کا ڈبہ تھا۔ وہ بیڈ کے پاس بیٹھتے ہی زینب کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچنے

لگا۔ زینب کی چیخ بے اختیار نکلی،ایک نئے سرے سے تکلیف نے اسے آ گھیرا تھا۔ وہ خوف زدہ نگاہوں سے اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھنے لگی جو اس باکس میں سے ٹانکے لگانے کا سامان نکال رہا تھا۔ وہ لرز گئی کیونکہ وہ اب نڈل اس کے بازو پہ فکس کر کے اس کے ہاتھ پر ٹانکے لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"نہیں، نہیں بہرام، رحم کرو، مجھے بہت درد ہو رہا ہے، پلیز یہ نہیں، تمہیں اللہ کا واسطہ، تمہیں اپنے ماں باپ کی قسم، پلیز پلیز اسے دور کرو۔" وہ اپنا ہاتھ کھینچتی اور اس کے سامنے گڑگڑانے لگی۔ بہرام نے اس کے منہ سے اپنا نام سنتے ہی پل بھر کے لیے رک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر جھک کر اس کے چہرے کو پیار سے چھوا، جس پر وہ کانپ گئی۔ اس کے آگ جیسے لمس پر وہ سسکی۔

"بالکل درد نہیں ہو گی، میں بہت پیار سے اپنی جان کے زخموں پہ مرہم رکھوں گا۔ آئی پرومس۔" وہ نرمی سے بولا۔ زینب نے نفی میں سر ہلایا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتا رہا اور اس

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے کٹ پر ٹانکے لگانے لگا۔ سامنے بیٹھا ہوا وجود کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح کھینچ لی گئی ہو۔ وہ سوائے تڑپنے کے کچھ نہ کر سکی۔

"میری جان، مجھے غصہ مت دلایا کرو، میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ بس تم مجھ سے یوں روڈ بی ہیو کرتی ہو، اس لیے میں تھوڑا سا ٹیمپر لوز کر جاتا ہوں۔ تم نہ بس مجھ سے نرم لہجے میں، آہستہ آواز میں بات کیا کرو۔" وہ اس کے رونے کو کسی خاطر میں نہ لایا، بس اپنی ہی باتیں کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ بڑی مہارت سے اس کے زخموں کو سی رہے تھے۔ اس کے لیے یہ بہت معمولی سا زخم تھا، لیکن مقابل کے لیے یہ کسی موت کے کالے سائے سے کم نہیں تھا۔ اس کی برداشت کی یہ حد تھی کہ اسے لگ رہا تھا کہ بس کسی بھی وقت موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کر لے گا۔ اسے یاد تھا کہ گھر میں کام کرتے ہوئے اگر اس کی انگلی پہ ایک کٹ بھی لگ جاتا تھا تو وہ رو رو کر اپنا برا حال کر لیا کرتی اور پھر زائرہ بیگم بھی اسے کئی دنوں تک کچن کا کوئی کام نہ کہتی۔ زائرہ بیگم کو یاد کرتے

ہوئے وہ ایک بار پھر جیسے بے موت مر گئی تھی)۔وہ اپنی سوچوں میں اتنی گم تھی کہ جان ہی نہ سکی کہ کوئی اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا ہے۔

"آہ، براؤن بیوٹی۔"اچانک کان کے پاس سرگوشی سن کر وہ اچھل کر سیدھی ہو گئی۔ کھڑے ہوتے ہوئے اپنے پیچھے دیکھا،جہاں نیوی تھری پیس میں ایک لمبا چوڑا مرد کھڑا تھا جس کی تیز آنکھیں اس کے اوپر جمی ہوئی تھیں۔وجہ اس کی کشش نہیں بلکہ اس کے چہرے پہ موجود بے پناہ نشان تھے۔

"تم کون ہو؟"وہ بہرام کے علاوہ کسی اور مرد کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔اس کی تیز،اندر تک اترتی ہوئی نظروں پر زینب نے جلدی سے اپنے دوپٹے سے اپنا وجود اپنے ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کی۔اس کے بکھرے بال بار بار اس کے چہرے پہ آ رہے تھے جنہیں وہ کپکپاتے ہاتھوں سے تھام کر دو حصوں میں بانٹ کر آگے کی جانب لا کر اپنے سینے پر پھیلا چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

داور نے بڑی دلچسپی سے اس سنہری رنگت والی لڑکی کو دیکھا جو اب اسے خونخوار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ اس نے گہری مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے اس لڑکی کا جائزہ لیا۔

"آہ لالا نے کیا حال کیا ہے اس نازک لڑکی کا۔ کوئی نہیں، اس بار میں یہ سب جبہ پر ٹرائی کروں گا۔ کمبخت کی بہت زبان چلتی ہے۔" وہ اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے پختون لہجے میں پشتو میں بڑبڑایا، پھر زینب کی سمت دیکھا جو تیزی سے اوپر کی جانب بھاگ رہی تھی۔ اس کی نظریں اس کے زخم زدہ پیروں پر تھیں جن پر سگریٹ سے جلے ہوئے نشان تھے۔ "اف، اس قدر اذیت!" وہ سوچا، "کیا اس کے بعد بھی کوئی لڑکی مافیا مین کی منظورِ نظر بننا چاہے گی؟"

"ارے چھوٹے، تم یہاں؟" بہرام کی بھاری آواز پر داور چونک کر پلٹا اور پھر مسکرا کر اس کے قریب آ گیا۔

"بس لالا، ابھی آیا ہوں۔ ویسے خیریت ہے؟ بہت چمک رہے ہو۔" وہ بہرام کے خوبصورت چہرے کو کھوجتی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے شہزادے، بس حلال کی چمک ہے۔ واقعی لذت حلال میں ہی ہے، ورنہ حرام نے تو دل ہی بھر دیا تھا۔" وہ معنی خیزی سے بولا اور قہقہہ لگایا، جس میں داور کی ہنسی بھی شامل تھی۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اب ڈرائنگ روم میں جا چکے تھے، اور اوپر ریلنگ کے پاس کھڑی زینب، وہ پتھر کا بت بن چکی تھی۔ اس کے آنسو اب خشک ہو چکے تھے، لب لرز رہے تھے۔

"یا اللہ، مجھ سے ایسا کیا گناہ ہو گیا جو ایک زانی مرد میرا نصیب بن گیا۔" اس کے لبوں نے زیرِ لب پہلی بار اپنے اللہ سے شکوہ کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ اپنی نادانی میں اپنی زندگی تباہ کر بیٹھی تھی۔ اسے اپنی وہ دعا یاد آئی جو اکثر نماز کے بعد کیا کرتی تھی، "یا اللہ، پلیز مجھے ایک گینگسٹر مل جائے جو مجھے اس دنیا سے بہت دور لے جائے، مجھ سے ڈھیر ساری محبت کرے، جیسے ناولز کے ولن اپنی ہیروئنز سے کرتے ہیں، نہ ویسی والی، پلیز بس ایک مافیا مین، اور کچھ نہیں۔"

اس کے کانوں میں اپنے ہی الفاظ گونجے تو دل چاہا اپنا منہ تھپڑوں سے لال کر دے۔ وہ جب ناولز میں کسی ہیروئن کو ولن کی جنونی محبت

ٹھکراتا ہوا پڑھتی تو اسے بہت غصہ آتا، اس کا دل کرتا کہ کاش اس ہیروئن کی جگہ وہ ہوتی، پر آج اسے اپنی سوچ پر شرم آ رہی تھی۔ وہ کیسے ان لکھاریوں کے لفظوں کے جال میں الجھ جاتی تھی۔ وہ اس قدر تکلیف اور ظلم کو کس قدر خوبصورت لکھتے تھے کہ لڑکیاں نہ چاہتے ہوئے بھی اس درندہ نما ہیرو کی خواہش کرنے لگتی تھیں۔ وہ اپنی قیمتی دعاؤں میں کیا مانگ بیٹھی تھی، نہ جانے وہ کون سی قبولیت کی گھڑی تھی جس میں اس کی دعا اس کے لیے بددعا بن کر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے آنسو تیزی سے گر رہے تھے مگر باہر نہیں، اندر، اس کے درد سے پھٹتے دل پر۔

☆..☆..☆..☆

ایک دو سال کا وقت مزید گزرا، اسی طرح تڑپتے سسکتے، پر آج اس کی طبیعت میں عجیب سی بیزاری امڈنے لگی۔ وہ صبح سے قے کر کر کے بے حال ہو رہی تھی۔ بھری سی جسامت جو

کبھی اس کی ہوا کرتی تھی، وہ اب سوکھے ڈھانچے جیسی ہو چکی تھی۔ چہرے پر اندر کے حال بیان کرتی زردی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ بہرام کل رات واپس نہیں آیا تھا۔ ویسے تو وہ دن بھر غائب رہتا اور رات کی چادر تلے واپس آتا، لیکن وہ کل رات نہیں آیا تھا۔ صبح کے نو بج رہے تھے، بھوک سے اس کا حال بے حال تھا، لیکن کچن میں پڑا اسلاد اس کے جی کو متلا رہا تھا۔ اس کے سوا گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا، اور جو تھا وہ فریج میں لاک تھا۔

وہ اب بھی سفید میلا سا لباس پہنے، بکھرے بالوں کے ساتھ بیسن کے پاس کھڑی تھی، سلیب کو مٹھیوں میں جکڑے ہوئے گہرے گہرے سانس بھرتی، آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں تلے ہلکے سے تھکن کو واضح کرنے والے حلقے تھے۔ وہ اپنے چکراتے سر کو تھامے اس ٹھنڈے، یخ بستہ کمرے کے کشادہ واش روم میں موجود تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھل کر بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ ہلکا سا مڑی تو واش روم کے دروازے کے پار بہرام اسے اپنی جانب آتا نظر آیا، جو آتے ہی اس کی حالت کو نظر انداز کرتا اس کے کمر میں بازو لپیٹ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیسی ہے میری زینی جان؟ بریک فاسٹ کیا میری جان نے؟" وہ اس کے گال پہ ناک رگڑتا ہوا پوچھ رہا تھا، مگر زینب کی نگاہیں تو اس کی

خون آلود شرٹ پر ٹک چکی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کے کپڑوں کو دیکھ رہی تھی۔ خون کی بو سے ایک بار پھر اس کا دل بری طرح متلایا اور وہ بہرام کو پرے جھٹکتی ہوئی بیسن پر جھک گئی۔ وہ جو اس کے بالوں میں منہ چھپائے ہوئے تھا، اس کے یکدم جھٹکنے پر ایک قدم پیچھے ہوا اور غضب ناک نظروں سے اس کی پشت کو گھورنے لگا جو بیسن پر جھکی مسلسل الٹیاں کر رہی تھی۔ زینب منہ صاف کر کے پلٹی اور بہرام کی طرف دیکھا جو اسے جان لیوا انداز میں دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کا غصہ نہیں سہہ سکتی تھی، اس میں فی الحال بالکل طاقت نہیں تھی، اس لیے دھیمی آواز میں صفائی دیتے ہوئے بولی، "بہرام، میری طبیعت بہت خراب ہے اس لیے" اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی کہ بہرام کے ایک زناٹے دار تھپڑ نے اس کے حواس سلب کر دیے۔ وہ جو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پہلے ہی مرنے کو تھی،اس تھپڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے اوندھے منہ زمین پر گری۔

"جب میں نے تم سے کہا ہے کہ مجھے دور مت جھٹکاؤ تو کیا تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟"وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے بالوں کو ہاتھ پہ لپیٹ کر جھٹکے سے کھینچتا بولا، نہیں بلکہ دھاڑا تھا کہ نیم بے ہوشی کی حالت میں زینب تڑپ کر رہ گئی۔

"جواب دو مجھے فولش گرل!"وہ اس کے منہ پہ پھنکارتا اتنی زور سے چیخا کہ مقابل کو اپنا دماغ شل ہوتا محسوس ہوا،اور اسی پل وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتی اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔اس کے بے جان ہوتے وجود کو دیکھ کر بہرام کی پیشانی پہ موجود بل غائب ہو گئے۔

"زینی،میری زینی جان، کیا ہوا؟"وہ اس کا چہرہ تھپتھپاتا فکر مند لگ رہا تھا،اس انسان سے بالکل مختلف جو کچھ دیر پہلے وہ تھا۔وہ زینب کو ہوش میں نہ آتے دیکھ جلدی سے اسے بازوؤں میں بھرتا کمرے میں لے آیا، پھر بیڈ پر آرام سے لٹاتے ہوئے اپنا فون سائیڈ ٹیبل سے اٹھایا۔

"ہیلو داور، جیسیکا کو بھیجو، جلدی۔" وہ کہتے ہوئے کال کاٹ دی اور اب زینب کے پیروں کو ہاتھ میں لیے نرمی سے سہلا رہا تھا، ان پر موجود تازہ سگریٹ سے جلے نشانوں کو چھوتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بچہ تو نہیں تھا جو اس کی حالت نہ سمجھ پاتا۔ اس نے اس نازک وجود کی طرف دیکھا جو دھیمی دھیمی سانسیں بھر رہی تھی۔

تقریباً بیس منٹ بعد اس کمرے میں ایک اور فرد کا اضافہ ہو چکا تھا۔ جیسیکا، سپاٹ چہرہ لیے زینب پر جھکی، اس کا معائنہ کر رہی تھی جبکہ بہرام پاس ہی کھڑا جیسیکا کے بولنے کا منتظر تھا، اس کے چہرے پر بے چینی واضح تھی۔

"از ایوریتھنگ آل رائٹ؟" وہ اسے پیچھے ہٹتے دیکھ سوالیہ انداز میں اس کی جانب بڑھا۔

"شی از ٹو ویک، پریگننٹ باس۔" وہ آہستگی سے کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی، اسے وہاں زیادہ رکنے کی اجازت نہ تھی۔ بہرام کتنی ہی دیر سکتے کے عالم میں کھڑا بیڈ کی جانب دیکھتا رہا، جہاں زینب کا ساکت وجود ہولے ہولے سانسیں بھرتا ایک نئی زندگی کو پروان چڑھانے کی ابتداء کر چکا تھا۔ کئی پل گزر گئے پر وہ وہیں ساکت تھا، اس کے قدم تو شاید زمین نے جکڑ

لیے تھے،اور پھر اگلے پل ہی اس کے چہرے پہ بڑی گہری اور خوبصورت مسکراہٹ ابھری،اور پھر یکا یک اس کی کھنکتی گھمبیر ہنسی سے کمرے کی فضا گونج اٹھی۔وہ اپنی گردن پہ ہاتھ پھیرے مسلسل ہنس رہا تھا،یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا،چہرہ ہنسی کی شدت سے سرخ پڑنے لگا،اس کا چہرہ انجانے سے احساس کے تحت چمک رہا تھا۔اس قدر تیز آواز پہ نیم بے ہوشی میں بیڈ پہ پڑا انا تواں وجود کسمسایا۔بہرام کے مسکراتے لب تھمے،اس نے زینب کے چہرے کو نظروں کے حصار میں لیے قدم اس کی سمت بڑھائے، متوازن چال چلتے وہ اس کے سرہانے آبیٹھا۔وہ اسے چھونے کے لیے ہاتھ بڑھاتا کہ اسے اپنے سفید ہاتھ کی پشت پہ خون کے دھبے نظر آئے۔اس نے ٹھٹھک کر سر جھکا کر اپنے کپڑوں کو دیکھا جو خون آلود تھے۔اس نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور تیزی سے اٹھتے ہوئے واش روم کا رخ کیا،محض پانچ منٹ بعد ہی واش روم سے فریش سا باہر آیا۔

سفید شرٹ جو اس کے توانا وجود سے چپکی ہوئی تھی اسے بے حد سوبر دکھا رہی تھی۔پر کہتے ہیں نہ،ظاہری شخصیت سے انسان کی پہچان

نہیں کرنی چاہیے، کیا معلوم اس کا باطن کیا ہے۔ بھورے نچڑتے ہوئے بالوں میں انگلیاں پھیر کر انہیں پیچھے کی جانب جھٹکتے، شہد رنگ آنکھوں میں چمک لیے وہ اس کے پاس جا کر دھپ سے بیٹھ گیا۔ اس نے زینب کا اپنے پہلو میں پڑا ہاتھ اٹھا کر اپنی چوڑی ہتھیلی میں رکھ لیا، وہ اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کیے غور سے دیکھ رہا تھا۔

اس کے ہاتھ چپی تھے، چھوٹے چھوٹے ناخن، صاف پشت جن کی چھوٹی انگلی کے پاس گہرا نیل کا نشان تھا جو اس کی سنہری رنگت پہ بہت واضح تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ دیکھا؛ لمبی لمبی انگلیوں والے، سرخ و سفید رنگت کے مائل سبز ابھری رگوں والے، جن کے تراشے ہوئے ناخن ہلکے گلابی تھے، پشت کلائی پہ موجود ہلکے بھورے بال جو کلائی سے نیچے جاتے جاتے مزید گھنے ہو جاتے۔ اس کے ہاتھ بے حد خوبصورت تھے پر وہ اسے بالکل خوبصورت نہ لگے، اسے تو وہ سنہرے ہلکے موٹے ہاتھ پیارے لگے تھے۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست زینب کے ہاتھ کو ہلکا سا دبایا، وہ نرم تھے کسی بھی مشقت سے پاک، ایسے جیسے کبھی

ان پہ سختی کی ہی نہ گئی ہو جبکہ اس کے ہاتھ بے حد سخت تھے،اتنے کہ اس نے زینب کے ہاتھ کو دبایا تو وہ سرخ پڑ گئے،اس کے ہلکے سفیدی والے چمکدار ناخن بھی گلابی ہو گئے۔وہ نا جانے کتنی دیر تک بیٹھا اس کے اپنے ہاتھوں کا موازنہ کرتا،اس کے ہاتھ کو دبا کر چھوڑنے کا عمل جاری رکھے رہا۔اسے یہ کرنے میں لطف آرہا تھا۔اس نے اس کی پوروں کو باری باری لبوں سے لگاتے ہوئے چوما اور پھر اٹھ کر چلا گیا۔جیسیکا اسے سکون کا انجیکشن لگا کر گئی تھی اس لیے اسے ہوش میں آنے میں ابھی ایک دو گھنٹے لگ سکتے تھے،اس لیے وہ اپنا کام مکمل کرنے نکل گیا تھا جو اسے اس کے ہوش میں آنے سے پہلے کرنا تھا۔

Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

وہ کتنی دیر سے اکڑوں بیٹھی بے یقینی سے زمین کو گھور رہی تھی،شاور سے نکلتا ٹھنڈا پانی مسلسل اس کے سر سے بہتا فرش پہ پھیل رہا تھا،میلا سا ملبوس لباس گیلا ہونے کے باعث اس کے سراپے کو واضح کر رہا تھا،بھیگے بالوں کی موٹی موٹی لٹیں اس کی گردن اور چہرے

کے اطراف بکھری ہوئی تھیں۔اس کے کانوں میں بار بار اس بے رحم کے کہے الفاظ گونجتے اس کو منجمد کر رہے تھے۔

"زینی وی آر بکَم موم ڈیڈ، ہم دونوں کی اولاد ہو گی زینی، میرا وارث ہو گا۔""میں تمہاری سانسیں تم پہ تنگ کر دوں گا۔"زینی وی آر بکَم موم ڈیڈ۔"بکواس بند کرو جاہل عورت۔"ہم دونوں کی اولاد، میرا وارث ہو گا۔"اس کا کہا ہر ایک جملہ اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہا تھا،اس کا سانس تیزی سے پھولنے لگا، آنکھیں سرخ ہونے لگیں،سانس پھولتے ساتھ اکھڑ بھی رہا تھا،اسے یہ جملے چیخوں کی صورت سنائی دے رہے تھے،اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے ماں باپ کی لاشیں گھومنے لگیں۔'نہیں، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔'وہ منہ میں بڑبڑاتی ان آوازوں سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی پر وہ آوازیں مسلسل بڑھتی جا رہی تھیں۔

"چپ، چپ، چپ!۔۔میں پاگل ہو جاؤں گی!۔۔۔کوئی میری بینائی چھین لے تاکہ میں روز اس ذلیل انسان کا چہرہ نہ دیکھ سکوں!۔۔۔کوئی

مجھ سے سوچنے کی صلاحیت چھین لے!۔۔۔۔میں مزید اپنے ماں باپ کی لاشیں اپنے تصور میں نہیں دیکھنا چاہتی!۔۔۔میری دوستی میرے گھر کو کھا گئی!خدارا کوئی تو رحم کرو!۔۔۔۔میں اس درندے کی اولاد کو اپنے خون سے نہیں سینچنا چاہتی!"وہ اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑے ہذیانی انداز میں چیخ کر کہتی اپنے اندر پنپتے زخم کو ناسور کر رہی تھی۔

اس کی چیخوں کی آواز سن کر بیڈ پہ لیٹا بہرام ہڑبڑا کر اٹھا۔وہ اٹھ کر تیزی سے واش روم کی سمت بھاگا جہاں سے چیخ و پکار کی آواز اس کے حواس سلب کر رہی تھی،پہلے وہ عورت اکیلی تھی پر اب اس کے اندر ایک نیا وجود یعنی اس کی اولاد اپنا وجود تعمیر کرنے والی تھی۔

"میں ایسا کبھی نہیں کروں گی،میں اس گھٹیا شخص کے خون کو اپنے وجود سے نوچ کر پھینک دوں گی۔"وہ اپنے حواس کھوتی باتھ ٹب میں سے اٹھ کر بچڑتی ہوئی دیوار پہ نصب تانبے رنگ کی چھوٹی سی الماری کی سمت بھاگی،اس نے اپنے بھیگے ہوئے ہاتھوں سے جلدی سے وہ الماری کا پٹ کھولا اور سامان الٹ پلٹ کرنے لگی،وہ بے حد عجلت میں کچھ تلاش کر رہی تھی اور پھر آخر کار اسے اپنی تلاش کردہ شے مل گئی جسے اس نے جھپٹ کر اس سامان

میں سے اٹھایا،وہ ایک قینچی تھی درمیانے سائز کی سرخ ہینڈل والی قینچی جس کو اس نے اپنے دونوں کپکپاتے ہاتھوں سے تھام کر نوک کا رخ اپنی سمت کرتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور تیزی سے اسے اپنے پیٹ کے نچلے حصے کی جانب کھینچا۔اس سے پہلے کہ وہ نوک اس کے جسم کے گوشت میں گھس کر کسی بڑے نقصان کا باعث بنتی،کسی نے ایک ہی جست میں اس کے ہاتھ سے وہ قینچی چھین لی۔اس سے پہلے کہ آنکھیں میچیں زینب کچھ سمجھ پاتی،ایک بھاری ہاتھ تھا جو اس کے گال پہ ثبت ہوا تھا۔وہ اس ایک وار سے ڈگمگا کر بہرام کے چٹانی سینے پہ گری۔اس کی آنکھوں کے سامنے گویا تارے ٹمٹمانے لگے تھے،وہ کسی خلاء میں پہنچی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی کہ مقابل نے پل میں اس کے دونوں بازوؤں کو اپنی ہتھیلیوں کے دباؤ سے پیچھے کی جانب کھینچا۔

"یہ کیا کرنے والی تھی تم؟"وہ اس کے بازوؤں کو جھنجھوڑ کر پوچھتا شدتِ گریہ سے چلایا، اس کا سینے پہ دھرے ہاتھ کے تلے زینب کو بخوبی اس کی تیز دھڑکنیں محسوس ہو رہی تھیں،وہ سرخ آنکھوں سے سوجے گال والا چہرہ لیے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے

کھڑی تھی۔اس کا دل خوف سے کانپ رہا تھا،انگلیوں میں لرزاہٹ واضح تھی،پہلی بار کچھ کھونے کا ڈر اس کے ذہن پہ حاوی ہوا تھا،وہ یہ سوچ کر اب تک پاگل ہو رہا تھا کہ اگر وہ اس کے آنے سے پہلے کچھ کر دیتی تو؟اس 'تو' کے آگے صرف وحشت تھی،دہشت کی وحشت۔

"میں پوچھ رہا ہوں،جواب دو مجھے!"وہ اسے پتھر کا بت بنے اپنی آنکھوں میں دیکھتا پا کر بلند آواز میں بولا تو وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔اس کی آنکھوں میں کچھ عجب تھا،کوئی انجانا سا تاثر تھا۔

"مجھے یہ اولاد نہیں چاہیے۔"دھیما مگر چبھتا ہوا لہجہ۔

"میں تمہیں جان سے مار دوں گا اگر یہ لفظ دوبارہ تمہارے منہ سے نکلا۔"وہ اس کی سوچ کے عین مطابق تیش میں آ گیا تھا اور یہاں زینب کی مسکراہٹ گہری سے گہری ہوتی چلی گئی اور اس کی مسکراہٹ بہرام کو چوکنا ہونے پہ مجبور کر رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بہرام کی کمزوری زینب کو مل چکی تھی،اس کی اولاد اس کی کمزوری تھی، جو اس کی مٹھی میں قید تھی اور اس دن کے بعد اس نے اس کمزوری پہ وار کرنا شروع کر دیا،وہ جان بوجھ کر خود کو تکلیف دیتی اور اسے تکلیف میں دیکھ کر بہرام کا حلق تک سوکھ جاتا،وہ کھانا اور میڈیسن تو اس پہ رعب جما کر کھلا سکتا تھا لیکن اس کی عجیب و غریب حرکتوں کو وہ چال باز مرد سمجھ نہیں پا رہا تھا، کبھی وہ اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیتی، کبھی وہ جان بوجھ کر تیزی سے سیڑھیاں اترتی، کبھی اپنے پیٹ پہ مکے مارنے لگتی تو کبھی اس قدر بد تمیزی کرتی کہ بہرام اپنے آپے سے باہر ہو کر اس پہ ہاتھ اٹھا دیا کرتا،اور ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ مار کھانے پہ رونے یا سسکنے کے بجائے پاگلوں کی طرح ہنسنے لگتی اور اسے یوں پاگلوں کی طرح حرکتیں کرتے دیکھ بہرام دنگ رہ جاتا۔

دیکھنے کو تو یہ باتیں بہت ہی معمولی سی تھیں لیکن زینب کے لیے یہ سب خطرہ تھا،ڈاکٹر کے مطابق وہ بہت کمزور تھی،پل کی غفلت کسی بڑے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ آٹھ ماہ تو گویا بجلی کی تیزی سے گزر چکے تھے،اس وقت بہرام کسی کام کے باعث سخت تناؤ میں تھا،

اس سے کچھ فاصلے پہ صوفے پہ زینب بیٹھی تھی جو بال پین کے بٹن کو بار بار پریس کر رہی تھی جس سے کمرے میں ٹک ٹک کی آواز گونج رہی تھی، کھلے سے بلیک اینڈ وائٹ سکرٹ میں ملبوس وہ اپنے عمل میں مگن تھی۔ وہ جانتی تھی بہرام کو ان چیزوں سے سخت چڑ ہے پر وہ جان کے بار بار یہ حرکت کر رہی تھی، بہرام تپا سا بیٹھا تھا، وہ صرف اس کی حالت کا لحاظ کر رہا تھا جو بہت کمزور تھی، اس کے چہرے پہ ابھرے گال کہیں غائب ہو چکے تھے، گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں، غلافی سادہ سی آنکھیں مزید ابھری ہوئی لگ رہی تھیں۔

"زینی جان، اسے بند کرو میں بہت ڈسٹرب ہو رہا ہوں۔" وہ اسے رکتے نہ دیکھ کر اپنے لہجے میں قابو پاتے ہوئے نرمی سے بولا پر سامنے بھی وہ تھی جس نے اس انسان کے ساتھ کئی ماہ و سال گزارے تھے، وہ اپنی انگلیوں کی حرکت مزید بڑھا گئی۔ آسمانی ٹو پیس کو زیب تن کیے مرد نے اپنی بات دو سے تین بار دہرائی پر اس کے کان پہ جوں تک نہ رینگی۔ ایک منٹ، دو منٹ، تین، چار اور پھر دس منٹ۔ آخر کار ایک انسان اپنی فطرت سے کب تک پیچھا چھڑا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سکتا تھا،بالکل بہرام خان کی طرح۔اس نے زینب کے ہاتھ سے بال پین ایک جھٹکے سے چھینا اور اسے دور

پھینک دیا۔

"جب میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اسے بند کرو تو کیا تمہیں سنائی نہیں دے رہا؟"وہ غصہ بھری آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑ گیا۔

"نہیں،مجھے بالکل سنائی نہیں دے رہا۔"سوال جس قدر آگ تھا،جواب اس سے بڑھ کر مٹی کے تیل کی طرح تھا،جس نے بہرام کے جلتے دماغ پہ مزید ہوا دینے کا کام کیا تھا۔وہ پچھلے ایک ماہ سے زینب پہ ہاتھ اٹھانا،اسے ڈانٹنا چھوڑ چکا تھا،وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی اولاد پہ کسی قسم کا خطرہ ہو۔پر آج وہ اپنے ازلی انداز میں لوٹ آیا تھا۔

"تم نے مجھے پاگل سمجھا ہوا ہے؟تم جان کر یہ حرکتیں کر رہی ہو نہ تاکہ مجھے پریشان کر سکو؟"وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"ہاں میں چاہتی ہوں تم اتنے پریشان ہو کہ تمہارے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں، تم مر جاؤ، تمہاری لاش پہ کتے منہ ماریں، تمہارا جسم گل سڑ جائے، تمہیں کفن نصیب نہ ہو اور" وہ اس کے سامنے کھڑی ہوتی ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہہ رہی تھی کہ بہرام نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، تم ایک پاگل عورت ہو، میں تمہارا گلا اپنے ہاتھوں سے دباؤں گا اگر اب تم ایک لفظ بھی مزید بولیں۔" وہ اس کی گردن کو ہاتھ کے شکنجے میں لیتا غرایا پر زینب کے اطمینان میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

"میں بولوں گی، میں جو بولوں گی تمہیں سننا پڑے گا، تم ایک بے غیرت مرد ہو، ایک ایسا حیوان جس نے میرے گھر والوں کو قبر تک نصیب نہ ہونے دی، انہیں کفن تک نہ نصیب ہوا، یہ سب کرنے کے بعد تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ ایک نارمل لائف گزاروں، تم ایک خبیث مرد ہو۔" وہ نفرت سے ڈوبے لہجے میں کہتی بہرام کو بے یقینی کی گہرائیوں میں دھکیل گئی، اس کے ہاتھ کی گرفت اس کی گردن پہ ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ وہ شہد رنگ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھوں کو بنا جھپکائے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے حقارت دیکھ رہا تھا،اچانک اس کی آنکھوں میں نمی چمکی،اور اگلے ہی پل وہ زینب کو دور جھٹکتا بنا مڑے وہاں سے نکلتا چلا گیا، کمرے کا دروازہ بند ہو گیا تھا،وہ کمرہ ساؤنڈ پروف تھا اس لیے وہ دلدوز چیخیں اس کے کانوں میں نہ پڑ سکیں،وہ جس اولاد کے لیے خود کو بدلنا چاہتا تھا وہ اس کی ہی جان خطرے میں ڈال کر جا چکا تھا۔

☆..☆..☆..☆

وہ صبح کا نکلا تھا،سورج نے اونگھ بھری اور بادلوں کے سائے میں چھپتا چاند کو واضح کر گیا، یوں وہ چاند اپنی جھلک دکھلا کر دوبارہ بادلوں میں جا چھپا اور سورج آسماں پہ چھا گیا۔اس سفید محل میں چھائی خاموشی کو بائیس گھنٹے ہو چکے تھے،سفید اونچی اونچی کھڑی دیواریں کسی کی سرگوشی تک کی منتظر تھیں،وہ دیواریں ٹکر ٹکر وہاں چھائی ویرانی کو دیکھ رہی تھیں،یہ خاموشی کہیں موت کی چیخ سے پہلے کی تو نہیں تھی،کہیں صور تو نہیں پھونکا جانے والا تھا۔دو گھنٹے مزید گزرے تو ان دیواروں نے مایوسی اختیار کر لی پر اسی پل کچھ ہلچل ہوئی،داخلی

دروازہ کھلا تھا جہاں سے سلوٹوں بھرے ملبوسات میں ایک مرد چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اندر کی جانب آرہا تھا، ماتھے پہ بے فکری سے بکھرے بال اسے مزید وجیہہ بنا رہے تھے، لالی بھری آنکھیں لیے وہ مرے مرے قدم اٹھاتا سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ کل زینب کے کہے جملے اس کے دل میں کسی تیر کی مانند پیوست ہوئے تھے، وہ اتنا خوبصورت تھا تو کیوں اسے اس سے محبت نہیں ہوتی تھی، یہ کل سے بار بار اس کے ذہن میں امڈنے والا سوال تھا، شاید وہ اپنے اعمال پہ نظرِ ثانی کرنا بھول گیا تھا ورنہ کبھی یہ سوال سوچنے کی ہمت بھی نہ کرتا۔ وہ تھکے سے قدم لیے اپنے کمرے کے دروازے کے پاس آیا، ہینڈل گھما کر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، اس کی نظریں زمین پہ مرکوز تھیں پر اچانک وہ تھکی سی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ کیا اس کے بھاری بوٹ سرخ جمے ہوئے محلول پر تھے؟ اس کی آنکھیں دھیرے دھیرے اس خون کے بہاؤ کے تعاقب میں گئیں تو اسے لگا وہ اپنی بینائی کھو بیٹھا، اس کے قدم لڑکھڑائے، سانسیں مدھم پڑیں اور اس کے بعد پورے محل نے بہرام خان کی دردناک چیخیں سنی تھیں۔ وہ گرتے پڑتے اس خون سے نچڑے وجود کی جانب

بھاگا،اس کا پیر پھسلا اور دھپ سے زمین پہ اس کے بے جان وجود کے پاس گرا،اس کی آسمانی شرٹ خون آلود ہو گئی۔سامنے وہ تھی جس نے اس مضبوط مرد کو گرنے پہ مجبور کر دیا،لہو سے تر بتر لباس میں داہنی کروٹ پڑی وہ شاید اپنی سانسیں کھو چکی تھی۔

"زینب"!!!!!

بہرام نے جلدی سے اٹھتے کانپتے ہاتھوں سے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا اور اس دن کے بعد اس نے اس کی غلافی آنکھوں کو کھلا ہوا نہ دیکھا۔وہ رو رہا تھا،آنسوؤں سے،ہچکیوں سے،پر ایک امید کی روشنی نے اس کی آنکھوں میں چمک بیدار کر دی تھی۔وہ جلدی سے اٹھا اور اس کے ٹھنڈے پڑتے وجود کو باہوں میں بھرے بھاگا،پوری قوت سے،وہ کتنی بار ہی ٹھوکر کھا کر گرنے کو ہوا پر پھر خود کو سنبھال گیا۔وہ ہاسپٹل پہنچا،زینب کو ڈاکٹرز کے حوالے کیا،کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر نے گلابی کمبل میں لپٹا پھول سا وجود لا کر اس کے ہاتھوں میں تھما دیا پر ساتھ ہی زینب کے کوما میں جانے کی خبر بھی سنا دی گئی،اور اس دن واشنگٹن کے باسیوں نے ایک مضبوط مرد کو گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتے روتے ہوئے دیکھا تھا،

وہ اس ننھے پھول کو سینے سے لگائے بلند آواز میں رو رہا تھا، کچھ دیر بعد نرس آ کر اس نومولود بچی کو لے گئی، اسے انڈر آبزرویشن رکھا جانا تھا، معجزہ تھا کہ وہ دونوں بچ گئی تھیں پر بچی چونکہ پری میچور بے بی تھی اس لیے اس کی ساری زندگی مائیگرین کے درد میں گزرنی تھی اور وہ جو اپنی آنکھیں میچ چکی تھی اس کی زندگی کا کوئی آسرا نہیں تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اس بچی کے لیے سنبھل گیا پر پھر اس دن کے بعد نہ اس سفید محل نے اس بہرام خان کو دیکھا اور نہ ہی اس زخموں کی ماری کی آواز سنی، وہ سفید محل اپنے اندر گہرے راز چھپائے ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہر ایک چیز چھٹ گئی تھی۔ یادوں کا ہجوم جو دل کے دریچوں میں شور مچایا کرتا تھا، اب کہیں گم ہو چکا تھا۔ آنکھوں پہ ٹھہری دھند، جو مدتوں سے سوچوں کو دھندلا رکھتی تھی، اب دھیرے دھیرے چھٹنے لگی تھی، جیسے کسی طویل رات کے بعد، سورج کی پہلی کرن خاموشی سے زمین کو چھونے لگی ہو۔ اب سامنے کچھ دھندلا نہیں تھا، سب کچھ صاف تھا، بے حد خاموش، لیکن بے حد واضح۔ دور دور تک سناٹے پھیل چکے تھے، ایسے سناٹے جو چیخوں سے

زیادہ بولتے ہیں، جو ہر شے کو، ہر یاد کو ساکت بنا دیتے ہیں۔ ہوا میں وہی بوجھل پن تھا، جیسے برسوں کی تھکن ہو، اور وقت جیسے ٹھہر گیا ہو، نہ آگے نہ پیچھے۔ سانسیں سمندر کی لہروں کی مانند بڑھتی جا رہی تھیں، ہر سانس جیسے اندر کہیں کچھ ڈھونڈ رہی ہو، جیسے دل کی گہرائیوں میں کچھ باقی رہ گیا ہو کوئی نامکمل سوال، کوئی ادھورا جواب۔ ایسا لگتا تھا جیسے زندگی ایک نئے موڑ پر آن کھڑی ہوئی ہو۔ جہاں نہ شور تھا، نہ گلہ، نہ شکایت۔ بس خاموشی اور اس خاموشی میں چھپی ایک عجیب سی تسکین، جیسے طوفان کے بعد ٹوٹی کشتی کے ملبے پر بیٹھا مسافر سمندر کی وسعت میں اپنے ہونے کا مطلب ڈھونڈ رہا ہو۔

نرم انگلیاں دھیرے دھیرے لرز رہی تھیں، جیسے تھکن نہیں، کوئی ان دیکھے زخم چھپائے بیٹھی ہوں۔ پلکیں یوں جھکی تھیں جیسے صدیوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو نہ صرف آنکھوں پر، بلکہ روح پر۔ وہ بوجھ آنسوؤں کا تھا، تلخ یادوں کا تھا، ان لمحوں کا تھا جنہیں جینا نہ جینا برابر ہو چکا تھا۔ وہ ہار چکی تھی اپنے آپ سے، اپنی ذات سے، اپنے خوابوں سے۔ وہ قسمت جو کبھی آسمان چھونے کا حوصلہ رکھتی تھی، اب اندھیرے کی چادر اوڑھے زمین سے بھی نیچے دب

چکی تھی۔ ماضی نے اسے روند ڈالا تھا ایسے جیسے طوفان کسی کمزور جھونپڑی کو، بغیر پچھتاوے کے، راکھ بنا دیتا ہے اور اب، جب نہ روشنی تھی، نہ سمت، نہ آواز، تو بھی ایک لفظ تھا ایک تنہا، بازگشت کرتا ہوا لفظ، جو بار بار اس کے کانوں میں گونجتا، اور اسے یقین دلاتا کہ وہ اب بھی زندہ ہے۔ وہ لفظ تھا۔ "ماں"۔

نہ جانے کیوں اسی ایک لفظ میں وہ ہر چیز دوبارہ پا لیتی تھی جیسے ماں کہنا ہی کافی ہو، سنبھلنے کے لیے، جینے کے لیے، اور ٹوٹے وجود کو جوڑنے کے لیے۔ دفعتاً اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ آواز دھیمی تھی، پر چبھتی ہوئی مانوس بھی، اور ناپسندیدہ بھی۔ وہی آواز تھی جس سے وہ ہمیشہ نفرت کرتی تھی، مگر آج وہی صدا اس کے ٹھہرے ہوئے وجود کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ کسی کی سخت انگلیاں، جو پہلے زخم چھوڑتی تھیں، اب نرمی سے اُس کے چہرے پر تھپکیاں دے رہی تھیں۔ وہی ہاتھ اس کے بالوں کو چھو رہا تھا، جیسے برسوں بعد کوئی اجنبی لمس واپس لوٹ آیا ہو، لیکن اس بار وہ لمس زہر جیسا نہیں تھا، بس غیر متوقع اور دھندلاسا۔ احساسات کی ایک نئی لہر اس کے اندر دوڑ گئی انجانے، مگر کہیں نہ کہیں جانے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پہچانے۔ وہ احساس جو دل کی گہرائی میں دبا ہوتا ہے، اور جب جاگتا ہے تو روح پر دستک دیتا ہے۔

ان آوازوں کی ضربیں اس کی روح پر لگ رہی تھیں، جیسے ہر ایک سرگوشی اس کی ماضی کی کسی یاد کو نوچ رہی ہو۔ وہ آنکھیں کھولنا چاہتی تھی، پورے وجود سے، جیسے اندھیرے کو چیر کر باہر آنا چاہتی ہو۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، چیخنا، یا شاید بس ایک لفظ ادا کرنا مگر لب جیسے کسی نے سی دیے ہوں۔ وہ بے بس تھی، مکمل طور پر۔ اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ اب زمین سے نہیں جُڑی، جیسے اُس کا جسم ہوا میں معلق ہو، کوئی نادیدہ طاقت اسے دھیرے دھیرے کسی اور سمت لے جا رہی ہو۔ اس کا وجود ہلکا ہوتا جا رہا تھا، بوجھ جیسے کہیں پیچھے رہ گیا ہو، اور وہ خود بس ہوا کے دوش پر لہرا رہی تھی بے اختیار، بے سمت اور پھر، وہ لمحہ آیا جب سب کچھ دوبارہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ آوازیں، احساس، لمس، سب کچھ بس ایک سناٹا، اور وہ پھر سے کھو گئی۔

☆..☆..☆..☆

بلو اینڈ کریم تھیم کی نرم روشنیوں میں ڈوبا ہوا وہ اسپتال کا کمرہ عجیب سا سکون اور تھکن سمیٹے ہوئے تھا۔ کمرے کی دیواریں خاموش تھیں، مگر

اُن کے بیچ وہ دو وجود جیسے ایک کہانی مکمل کر رہے تھے۔ بستر پر لیٹا ہوا وہ کمزور سا وجود جس کی زرد پڑ چکی رنگت ابھی بھی زندگی کے آخری کنارے پر کھڑی لگ رہی تھی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں سے بہتے آنسو چھپا نہیں پایا۔ وہ رو رہی تھی، بہت دھیرے، بہت نرم انداز میں جیسے روح کی گہرائیوں سے کوئی دکھ پگھل رہا ہو۔ سامنے بینچ پر بیٹھا اشعر، اُس کا بھائی، گم صم اور تھکا ہوا، ایک ہی جملہ کئی بار دہرا چکا تھا۔ "مجھے معاف کر دو، پلیز۔"

اس کے ہاتھ میں اپنی بہن کا ہاتھ تھا، سرد مگر زندہ۔ اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ بہن کی ہتھیلی پر ہلکی سی جنبش کر رہی تھیں، جیسے ماضی کے

زخموں پر مرہم رکھ رہے ہوں۔ اشعر کی آنکھیں پانی سے لبریز تھیں، آنسو مسلسل پپوٹوں سے ٹکرانے کو بے تاب، لیکن اُس نے خود کو روکے رکھا کیونکہ اس وقت اُسے رونا نہیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھا، بلکہ ایک کاندھا بننا تھا۔ ایک ایسا کاندھا جو بکھرتی ہوئی بہن کو سہارا دے، جو اس کے اندر کے طوفان کو جذب کرے۔ وہ صرف ایک بھائی نہیں تھا، وہ اُس لمحے اُس کا محافظ تھا، اُس کی پناہ، اُس کی بقا کی علامت۔

وہ جانتا تھا کہ الفاظ کبھی کافی نہیں ہوتے، اور معافی کبھی ایک جملے میں پوری نہیں ہوتی مگر وہ اپنی پوری سچائی کے ساتھ صرف ایک بات دہرا رہا تھا، بار بار، بغیر وقفے کے۔ "مجھے معاف کر دو" جیسے یہ الفاظ اُس کے دل کے کونے کونے سے نکل کر اُس کی بہن کی رگوں میں امید بن کر بہہ جائیں اور کمرے میں، خاموشی کے بیچ، صرف سانسوں کی آواز اور وہ جذبوں سے بھری سرگوشیاں باقی رہ گئی تھیں۔

"ایسا مت کہیں مان بھائی" وہ ہر بار یہی جواب دیتی، دھیمی، کپکپاتی ہوئی آواز میں، جیسے الفاظ بھی اُس کی سانسوں سے الجھتے ہوں۔ اُس کی آواز میں نہ کوئی شکایت تھی، نہ کوئی غصہ، بس ایک التجا تھی کہ وہ خود کو اس طرح ٹوٹا ہوا نہ دیکھے اور اشعر، ہر بار اُس کی یہ نرمی سن کر تھوڑا اور ہارنے لگتا۔ اُس کے دل میں پچھتاوے کی دیواریں اور بلند ہو جاتیں، جیسے وہ معافی کا

نہیں، سزا کا حقدار ہو۔ وہ پل بھر کو خاموش ہو جاتا، نگاہیں جھکا لیتا، اور بہن کے کمزور ہاتھ کو تھام کر ایک نظر اُس کے چہرے پر ڈالتا جہاں زردی کے باوجود محبت باقی تھی، اور آنکھوں کی نمی کے پیچھے وہی رشتہ چھپا تھا جسے وقت، حادثات، یا خاموشیاں مٹا نہ سکیں۔

وہ جانتا تھا کہ اُس نے وقت پر وہ سب نہیں کیا جو اُسے کرنا چاہیے تھا۔ شاید وہ وہاں موجود ہوتا تو شاید سب کچھ مختلف ہوتا لیکن اب، وہ پچھتاوے کے بوجھ سے نکل کر صرف ایک کام کرنا چاہتا تھا؛ اپنی بہن کے زخموں کو لفظوں سے نہیں، ساتھ سے بھرنا اور وہ، جو زندگی اور موت کی کشمکش سے گزر کر لوٹی تھی، اُس کا ہر لمس، ہر جملہ، صرف یہی کہہ رہا تھا کہ رشتے اگر دل سے جُڑ جائیں، تو معافی کی ضرورت نہیں رہتی، صرف موجودگی کافی ہوتی ہے۔

"نہیں، میری غلطی ہے مجھے تمہاری حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ چھوٹا تھا تو کیا ہوا؟ میں تمہارا بڑا بھائی تھا، محافظ تھا۔ مجھے اپنی جان دے کر بھی تمہیں بچانا چاہیے تھا۔ پلیز، اپنے مان بھائی کو اس کی خطاؤں کے لیے معاف کر دو" اشعر کا لہجہ ٹوٹ چکا تھا۔ اُس کی آواز رندھ گئی تھی، اور آنکھوں سے بہتے آنسو اب روکنے کے دائرے سے باہر تھے۔ وہ سر نفی میں ہلاتا رہا،

جیسے اپنے ہی الفاظ پر یقین نہ آرہا ہو، جیسے وہ خود کو سزا دے رہا ہو۔ اُس نے یہ بھلا دیا تھا کہ اس نے خود کتنے زخم سہے ہیں، کہ کیسے وہ خود ایک خاموش جنگ کا سپاہی رہا، جن درندوں نے اس کی بہن کی روح نوچی، وہ خود بھی اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا تھا۔ مگر آج، وہ صرف بھائی تھا ٹوٹا، پچھتاتا ہوا، مگر بہن کی محبت سے جڑنے کو بے تاب۔

فاطمہ، جو کمزور وجود لیے بستر پر پڑی تھی، اُس کی آنکھوں میں نمی تھی، پر شکوہ نہیں۔ اُس کے لبوں پر اب بھی وہی دھیما سا تبسم تھا جو صرف بے انتہا دکھ سہنے والے لوگوں کے حصے میں آتا ہے، معاف کر دینے والا، درد کو جذب کر لینے والا۔ وہ ہولے سے بھائی کے ہاتھ پر اپنی

انگلیوں کی لرزتی ہوئی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کرتی ہے، جیسے کہنا چاہ رہی ہو۔

"میں اب بھی تم پر بھروسا کرتی ہوں، مان بھائی۔"

کمرے کی دیواریں خاموشی سے یہ سب دیکھ رہی تھیں، جیسے وہ ان جذبات کی گواہ ہوں جنہیں دنیا کبھی سمجھ نہیں سکتی۔ اسپتال کے سرد فرش پر بہن بھائی کا رشتہ آج پھر سے زندہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہو رہا تھا دکھ اور پچھتاوے سے نہیں، بلکہ اس لمحے کی بے شک لفظوں سے خالی، مگر دل کو چھو لینے والی موجودگی سے۔

کمرے میں ہلکی روشنی تھی، اور کمرے کے کونے میں چلتی آکسیجن مشین کی ہلکی سی آواز پس منظر میں گونج رہی تھی، جیسے وقت بھی رک رک کر سانس لے رہا ہو۔ فاطمہ نے دھیرے سے اپنا کمزور ہاتھ اُٹھا کر اشعر کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو چھوا۔ اس لمس میں لرزش تھی، مگر ایک عجیب سا سکون بھی۔ اشعر کی پلکیں بھاری ہو چکی تھیں، جیسے برسوں کا تھکاوٹ بھرا سفر اب ختم ہونے کو ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مان بھائی" فاطمہ کی آواز سانسوں میں لپٹی ہوئی تھی، نرم اور ٹوٹتی ہوئی، "مجھے تم سے کبھی شکوہ نہیں رہا، سچ کہوں تو بس تمہاری خاموشی سے ڈر لگ رہا تھا۔"

اشعر نے حیرت سے بہن کی طرف دیکھا، جیسے پہلی بار سنا ہو کہ وہ کیا محسوس کرتی تھی۔ اُس نے آہستہ سے فاطمہ کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے ماتھے سے لگا لیا۔ "میں تم سے نظریں نہیں ملا سکا فاطی، کیونکہ میں خود کو اسقابل نہیں سمجھتا تھا۔" فاطمہ کی آنکھوں سے دو

آنسو نکل کر تکیے پر گرے، پر اس بار وہ آنسو کمزوری کے نہیں، کسی بوجھ کے اترنے کے تھے۔ "تم میرا مان ہو وہ مان جو ہمیشہ ایک بہن کے دل میں اپنے بھائی کے لیے محفوظ رہتا ہے۔ میں آج بھی وہی فاطمہ ہوں جو تمہارے پیچھے بھاگتی تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر شکایت کرتی تھی، تمہارے لیے آخری نوالہ بچا کر رکھتی تھی"

اشعر کی آنکھوں میں ایک ٹوٹا سا قہقہہ اُبھرا، اور وہ تھوڑا سا ہنسا، تھوڑا اور رویا۔ وہ فاطمہ کے ماتھے پر جھک آیا اور نرم لہجے میں بولا، "اگر وقت کو لوٹا سکتا، تو ہر پل تمہارے گرد ایک دیوار بن کر کھڑا رہتا، ہر درد سے پہلے تم تک پہنچتا" فاطمہ نے دھیرے سے اس کے گال پر ہاتھ رکھا، "وقت واپس نہیں آتا مان بھائی، پر رشتے اگر سچے ہوں تو وقت کے آگے جھک جاتے ہیں۔"

اس لمحے، اُن کے بیچ جو بھی تلخیاں، دوریاں اور چُپ کی دراڑیں تھیں، سب بہہ گئیں۔ اشعر نے فاطمہ کو آہستہ سے بانہوں میں لے لیا، نرمی سے، جیسے ٹوٹے ہوئے پرزے سنبھال رہا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہو۔ وہ کچھ دیر یوں ہی ایک دوسرے کے وجود کو محسوس کرتے رہے۔ ایک خاموشی جو کسی وضاحت کی محتاج نہیں تھی، ایک لمس جو برسوں کی خلیج کو پاٹ چکا تھا۔

وہ لمحہ صرف دو بہن بھائی کا نہیں تھا، وہ ایک رشتہ تھا جو وقت، زخم، اور جدائی کے باوجود اپنی اصل پہ واپس لوٹ آیا تھا مکمل، بے لوث، اور غیر مشروط۔

وہ بار بار اس کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا، جیسے ہر بوسہ اس کے دل کی معافی ہو، جیسے وہ اُن انگلیوں سے برسوں کی دوری، بے بسی اور غفلت کا کفارہ

ادا کر رہا ہو۔ اس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں، اور ہونٹ لرزتے ہوئے اُس کی بہن کے زخموں پر نرمی سے جا رکے۔ وہ بار بار اس کے چہرے کے اُس نشان کو سہلا رہا تھا، ایک گہرا، خاموش سا نشان، جو شاید وقت کے کسی سیاہ لمحے کا گواہ تھا۔ وہ نشان نہ صرف فاطمہ کی جلد پر تھا، بلکہ اشعر کی روح پر بھی کندہ ہو چکا تھا۔ ہر بار جب اُس کے ہاتھ کا لمس اس نشان سے گزرتا، وہ اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا جیسے ہر چھوٹی رگ چیخ اُٹھتی ہو۔ "تم کہاں تھے، بھائی؟"

مگر آج وہ وہاں تھا، پوری موجودگی کے ساتھ، آنکھوں، دل اور جذبوں سمیت۔ اس کا ہر لمس، ہر بوسہ، ہر نگاہ جیسے بہن کی تکلیف کو اپنی ذات میں جذب کر لینے کی کوشش تھی۔ وہ فاطمہ کے چہرے کو اس نرمی سے چھو رہا تھا جیسے وہ کوئی ٹوٹا ہوا آئینہ ہو اور وہ خود کو اس میں دیکھ رہا ہو، بکھرا ہوا، نادم، اور پھر بھی محبت سے لبریز۔ وہ صرف بہن کا دکھ محسوس نہیں کر رہا تھا، وہ خود وہ دکھ بن چکا تھا۔

فاطمہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کچھ نہیں بولی، کیونکہ اُسے معلوم تھا، اس لمحے اشعر کے الفاظ کی نہیں، اس کی خاموشی کی ضرورت ہے۔ وہ خاموشی جو رو رہی تھی، جو معاف بھی کر رہی تھی، اور جو کہہ رہی تھی۔ "تم ہو اور یہی کافی ہے۔"

وہ دونوں کتنی ہی دیر ایک دوسرے کے شکوے اور شکایتوں کو دل سے نکال کر لفظوں میں ڈھالتے رہے۔ جیسے برسوں کی خاموشی آج زبان پا گئی ہو، جیسے دل کے بند کمرے آج کھل گئے ہوں۔ کوئی گلہ ایسا نہ رہا جس کی گونج دوسرے کے دل میں پہلے سے نہ ہو، اور کوئی آنسو ایسا نہ گرا جو دل کا بوجھ ہلکا نہ کرے۔ وہ دونوں بے قصور تھے، حقیقت یہی تھی۔ اگر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

قصوروار کوئی تھا، تو وہ وقت تھا، جو کبھی دوریاں لے آیا، کبھی خاموشیاں، کبھی مجبوریاں اور اگر مرہم کوئی تھا، تو وہ بھی وقت ہی تھا، جس نے آخر کار اُن کے دلوں کے دروازے کھول دیے۔

وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ کر روئے، پھر مسکرائے، اور پھر ایک ایسا سکون آیا جیسے طوفان تھم چکا ہو۔ دل، جو برسوں سے الجھے ہوئے تھے، اب سادہ ہو چکے تھے۔ اُن کے درمیان اب کوئی پردہ باقی نہ رہا نہ شرمندگی، نہ جھجک، نہ وہ تلخی جو کبھی الفاظ سے بڑھ کر خاموشی میں بولتی تھی۔ وہ اپنے دلوں کو اپنے آنسوؤں سے دھو چکے تھے، اور اُن آنسوؤں میں وہ سب بہا لائے تھے جو اُن کے بیچ دیوار بن چکا تھا۔ اب بس ایک رشتہ بچا تھا؛ سچا، مضبوط اور نیا۔ ایک رشتہ جو شاید پہلے سے بھی زیادہ خالص تھا۔

"اگر تم دونوں کے شکوے شکایت پورے ہو گئے ہوں، تو کیا ہم اندر آسکتے ہیں؟"

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی، اور اگلے لمحے دو مانوس آوازیں کمرے میں گونجیں۔

جیک اور جازب، حرم فاطمہ کے قریبی ساتھی، وہ رفیق جو اس کے ہر زخم، ہر خاموشی، ہر چیخ

کے گواہ بنے تھے۔ دروازے کی نیم شفاف کھڑکی کے پار سے ان دونوں کے چہرے نظر آئے، جن پر ہلکی مسکراہٹ تھی، لیکن آنکھوں میں ایک گہری تشویش بھی چھپی ہوئی تھی۔

فاطمہ جیسے اچانک ماضی سے حال میں لوٹ آئی۔ اس کے چہرے پر ایک روشن سی مسکراہٹ پھیل گئی، وہ مسکراہٹ جو ان دونوں چہروں سے جڑی کئی یادوں، کئی جنگوں اور کئی ہار جیت کی گواہی رکھتی تھی۔ وہ جانتی تھی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اس کی خاموش چیخیں سنی تھیں،

جنہوں نے اسے ٹوٹنے سے پہلے تھاما تھا، اور اب جب وہ سب سے بڑی ٹوٹ پھوٹ سے نکل رہی تھی، تب بھی یہی موجود تھے۔

مگر اشعر، جس کے لیے فاطمہ صرف ایک بہن نہیں، اب ایک زدہ ذمہ داری بھی بن چکی تھی، ان دونوں کی آمد پر چونک گیا۔ اُس کے چہرے پر ناگواری چھلکنے لگی۔ جیسے اُسے اس لمحے کی خلوت ٹوٹنے پر غصہ آرہا ہو، یا شاید اس کا دل اب بھی ان دونوں پر مکمل اعتبار کرنے کے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

لیے تیار نہیں تھا۔اُس نے سخت لہجے میں کہا،"تم لوگ یہاں کیوں آئے؟ابھی وقت نہیں ہے مذاق یا سوالوں کا۔"

جیک نے آہستہ قدم آگے بڑھایا،نگاہ سیدھی اشعر کی آنکھوں میں رکھتے ہوئے کہا،"ہم یہاں مذاق کے لیے نہیں آئے،اشعر۔ہم یہاں اُس کے لیے ہیں،ہمیشہ سے۔"جازب نے سر ہلایا،اور حرم فاطمہ کی طرف دیکھ کر صرف اتنا کہا،"بس یہ دیکھنے کہ آپ ٹھیک ہیں۔"

حرم فاطمہ نے آہستہ سے سر ہلایا،اور اشعر کا بازو تھام کر نرمی سے کہا،"یہ میرے لوگ ہیں، مان بھائی میرے ساتھ جُڑے ہوئے۔جس طرح تم ہو،اُسی طرح یہ بھی ہیں۔"

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی،مگر وہ خاموشی اس بار بوجھ نہیں بنی۔وہ ایک نیا رشتہ تشکیل دے رہی تھی ایک دائرہ،جس کے مرکز میں اب صرف دکھ یا الزام نہیں،بلکہ قبولیت،سچائی،اور تحفظ تھا۔

"فاطمہ"اشعر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ جیک نے فوراً بیچ میں ٹوکا۔اُس کی آواز میں شوخی بھی تھی،اور ایک عجیب سی گہری ملکیت کا تاثر بھی۔"فاطمہ مت کہو اُسے

فاطمہ کہنے کا حق صرف اُس کے میر کو ہے!" جیک نے جیسے دانستہ اُسے چھیڑا، ایک ایسی بات کہی جو صرف مذاق نہیں، ایک راز کا دروازہ کھول رہی تھی۔

اشعر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ وہ پل بھر کے لیے بالکل خاموش ہو گیا، جیسے لفظوں نے بھی پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ پھر اُس نے نگاہ فاطمہ پر جمائی؛ حیرت، الجھن اور تھوڑا سا اندیشہ لیے ہوئے۔ "کون میر؟" اُس کا سوال آہستہ تھا، مگر لہجے میں وہ فکر تھی جو ایک بڑے بھائی کی فطرت میں ہوتی ہے، خاص طور پر جب معاملہ اُس کی بہن کے دل سے جُڑا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فاطمہ کی نظریں ایک لمحے کو جھک گئیں، شاید فطری حیا تھی۔ اُس کی پلکیں ہولے سے لرزیں۔

"میر شاہ میر حیدر۔۔۔ میرا شوہر ہے۔" یہ چار لفظ تھے، لیکن اشعر کے دل پر جیسے کسی نے نرمی سے ہاتھ رکھ دیا ہو۔ وہ ٹھٹھک سا گیا، جیسے ساکت ہو گیا ہو۔ اگلے ہی لمحے اس کے اندر ایک عجیب سی راحت اُترنے لگی جیسے برسوں سے جس حفاظت، جس سہارے، جس تحفظ کی

خواہش تھی اپنی بہن کے لیے، وہ کسی اور نے پہلے ہی اُسے عطا کر دی ہو۔ فاطمہ کی آواز میں وہی نرمی تھی جو محبت سے آتی ہے، اور آنکھوں میں وہ چمک جو صرف کسی محفوظ رشتے کے ہونے سے جاگتی ہے۔

"میرا میر۔ میرا منتظر ہو گا، اپنی فاطمہ کا۔ دل و جاں سے۔" اس سوچ نے ہی اسے گدگدانے پہ مجبور کر دیا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی، پورے دل سے، اور اس کی اس مسکراہٹ پہ وہ تینوں اس کے عزیز ماشاءاللہ کہے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگلا دن ایک خوبصورت مایوں کی تقریب کے لیے مخصوص تھا۔ کل ایک مختصر سی رسم کے ذریعے گاؤں والوں کو باقاعدہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ خان حویلی میں شادی کی تقریبات کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہر کوئی ان نئے جوڑوں پہ خوش اور حیران تھا، سوائے ان لوگوں کے جن کے لیے یہ خوشی دراصل دکھ کا باعث تھی۔ ہلکے پیلے گلابوں، گیندوں اور بیلوں سے سجی وہ سادہ سی مگر دل کو چھو لینے والی حویلی، اس وقت مہندی کی خوشبو میں بسی ہوئی تھی۔ لاؤنج

میں بچھی دریوں، کشنوں اور پیلے رنگ کی چادروں نے منظر کو گویا کسی خواب میں بدل دیا تھا۔ نرم ہنسیوں، ہلدی سے رنگی ہتھیلیوں اور روایتی گیتوں کی مدھم لے نے ماحول کو روایتی مگر جذباتی سا بنا دیا تھا۔

گاؤں کی عورتیں، جن کے قہقہے ابھی کچھ لمحے پہلے آسمان کو چھو رہے تھے، رسم ادا کر کے واپس جا چکی تھیں۔ اب صرف خاندان کی قریبی عورتیں رہ گئی تھیں۔ زرمینے اور سائرہ کے گالوں پر ہلدی کا پیلا رنگ مہک رہا تھا، اور ساتھ ہی اسما خانم کی پلکوں پر نمی کی چمک اتر آئی تھی۔ وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں ظاہری طور پر مسکراتے، مگر اندر ہی اندر کسی انجانی اداسی سے گھری ہوئیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں چُھپی بے قراری کو لفظوں کے بغیر بھی پڑھ سکتی تھیں۔

کوئی تھا جس کی آنکھیں اپنے شوہر کی محبت سے سرشار تھیں؛ وہ خاموش، گہری اور مطمئن نگاہیں جو الفاظ کی محتاج نہیں ہوتیں۔ زارون کی موجودگی، اس کی قربت، اس کی چھوٹی چھوٹی توجہ پریشے کے لیے وہ سکون بن چکی تھی جس کا خواب ہر لڑکی اپنے دل کے کسی

کونے میں چھپا کر رکھتی ہے۔ اس منظر میں وہ گہرے سبز فراک اور چوڑی دار میں، چاندی کے جھمکے کانوں میں ڈالے، کمر پہ مہندی کی کمر بند کے ساتھ، ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ موجود تھی۔

رسم میں شریک عورتیں زارا اور باران کی غیر موجودگی پر حیرت کا اظہار کر چکی تھیں اور رسموں کے بیچ وہ چبھتے ہوئے سوال بھی اڑتے پھرتے تھے۔ ہر زبان رک گئی، جب یہی جواب دیا گیا کہ زارا کی طبیعت ناساز ہے، اُسے باران شہر لے گیا ہے لیکن کسی کے لہجے میں شک، کسی کے چہرے پر سوال، اور کچھ آنکھوں میں تجسس تھا، جو خاموشی سے اپنے جوابات تلاش کر رہا تھا۔

ایسے لمحوں میں روایات رسموں سے زیادہ دلوں کی چھپی کہانیوں کو چھونے لگتی ہیں۔ حویلی روشنیوں سے جگمگا رہی تھی، لیکن کہیں نہ کہیں وہ روشنی چند آنکھوں کے سچ کو چھپانے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

وہ اپنے انہی خیالوں میں گم، خاموش مسکراہٹ کے ساتھ قہوے کی پیالی زوبیہ خانم کے سامنے رکھتے ہوئے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک حویلی میں شور کی ایک لہر سی اٹھی۔ لمحے بھر میں پورا ماحول ٹھٹھک گیا۔ باتوں کی نرم روانی جیسے کسی نے موقوف کر دی ہو۔ ہنسی کی سرگوشیاں اور چائے کی چسکیاں ایک دم تھم گئیں۔ شور تھا، مگر عجیب سا، جیسے کسی بڑے حادثے کی پیشگی آہٹ ہو۔

مردانے کی جانب سے آتی آوازوں نے سب کو چونکا دیا۔ اسما خانم، زوبیہ خانم اور حبہ خانم جو دری پر آرام دہ کشنوں کے ساتھ نیم دراز تھیں، فوراً

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کھڑی ہو گئیں۔ ان کے چہروں پر حیرانی اور ایک انجانی تشویش در آئی تھی۔ دروازے کی جانب سب کی نظریں جا ٹھہریں اور تب دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا، اور دروازے کے چوکھٹے سے دو سائے اندر داخل ہوئے۔ ایک، سفید شلوار قمیص میں ملبوس باران حیدر تھا، اس کے چہرے پہ سختی اور آنکھوں میں ایک گہرا اضطراب جھلک رہا تھا، جبکہ ساتھ ہی کیژوئل لباس پہنے، تھکن زدہ سا نوجوان زارون بھی تھا جس کی آنکھیں سرخ تھیں، جیسے رات بھر جاگنے یا

کسی صدمے سے بھر گئی ہوں۔ ان دونوں کی چال میں ہی ایک عزم تھا۔ باران کو دیکھتے ہی اسما خانم کے قدم بے اختیار اس کی جانب بڑھے۔ انہوں نے کچھ پوچھنے کی بجائے بس اُسے خود سے لپٹا لیا، باران نے بھی ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر خود کو ان کی آغوش میں دے دیا جیسے اب ضبط کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔

پریشے نے زارون کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں جیسے روشنی لوٹ آئی۔ ایک سکون، ایک گہری سانس اس کی نظر زارون کے چہرے پہ ٹھہری اور لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ مسکراہٹ سمٹ گئی۔ کچھ تھا زارون کی آنکھوں میں، شاید ایک خاموشی، ایک پکار، جو پریشے کے دل کو دہلا گئی تھی، پر وہ کچھ کہہ نہ سکی۔

باران، جو اب تک اسما خانم کو تسلی دیتا رہا تھا، نرمی سے خود کو ان کے بازوؤں سے نکالتا، تیز قدموں سے زرمینے کی جانب بڑھا۔ وہ ابھی تک اپنے مقام پر ساکت کھڑی، اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔ باران اس کے قریب رکا، اور خاموشی سے اسے خود سے لگا کر اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا۔ اس لمحے ہم رنگ آنکھوں میں تھرتھراہٹ سی دوڑ گئی، جیسے کوئی پلکوں

کی دہلیز پر ٹھہری آنسو کی بوند گرنے ہی والی ہو۔ دل کی بھاری دھڑکن نے زرمینے کو مجبور کیا کہ وہ نظر جھکا لے، تاکہ کوئی اس کی کیفیت نہ پڑھ سکے۔

کمرے کی فضا گمبھیر ہوتی جا رہی تھی۔ پری گل کی نگاہیں باران اور زارون کے چہروں پر مرکوز تھیں، جہاں کسی طوفان کا پیش خیمہ واضح تھا۔ ان کے سخت اور سنجیدہ تاثرات میں کچھ ایسا تھا کہ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ سائرہ نے آہستگی سے جبہ خانم کی طرف دیکھا، جن کے چہرے پر پریشانی کی گہری لکیر تھی۔ اگلا لمحہ جیسے وقت کے پردے کو چاک کر گیا۔

باران نے زرمینے کے سر پر موجود دوپٹے پر نظریں جمائیں، جس پر ارمان کے نام کی روایتی چنی سجی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد، اس نے وہ چنی آہستگی سے اتاری، اور بنا کچھ کہے اچانک، اسے جھٹکے سے زمین پر پھینک دیا۔ فضا ساکت ہو گئی۔ اسما خانم، جو دل تھامے کھڑی تھیں، دہل کر آگے بڑھیں، ان کے چہرے پر شدید پریشانی اور خاندانی روایت کے ٹوٹنے کا دکھ واضح تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باران! یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ یہ بہت بڑا بد شگونی ہے!" ان کا لہجہ لرز گیا۔ "مایوں کی دلہن کے سر سے چنی یوں اتار کر پھینک دینا یہ تم جانتے ہو ہمارے ہاں کیا معنی رکھتا ہے؟"

زرمینے اب بھی نظریں جھکائے کھڑی تھی، مگر باران کے چہرے پر ضبط اور اشتعال کی ملی جلی سرخی اسے تکلیف دے رہی تھی۔ پری گل کا دل جیسے اندر سے کپکپا گیا۔ اب کی بار صرف بات جذبات کی نہیں، عزتوں کی، رسموں اور رشتوں کی بھی تھی۔ اور یہ سب اچانک نہیں تھا، کچھ تو بہت گہرا ہوا تھا۔ پھر جیسے مکالمے کی شدت بڑھ گئی۔

"یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے!" ربان خان مردانے سے اندر آتے ہی دھاڑے، ان کے چہرے پر خفگی اور غیر یقینی کی شدید آمیزش تھی۔ "باہر پولیس کی بھاری نفری کیوں موجود ہے؟ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ابھی ان کے سوال کا جواب بنتا کہ اچانک زارون نے دو قدم بڑھا کر ارمان کے قریب آتے ہی ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کیا۔

حویلی کی دیواروں میں جیسے گونج سی جاگ اٹھی ہو۔ وقت ساکت ہو گیا۔ خاموشی ایسی تھی کہ سانسوں کی آواز تک سنائی دے۔ ارمان کی نظریں، بے یقینی سے زارون کے چہرے پر جمی

رہ گئیں، جیسے سمجھ ہی نہ پایا ہو کہ لمحوں میں سب کچھ یوں بدل کیسے گیا اور یہ تھپڑ خان حویلی کے ساکنوں کے لیے صرف ایک طمانچہ نہیں تھا، بلکہ ایک اعلان تھا، کسی چھپی ہوئی حقیقت کا، جو شاید اب مزید چھپی نہیں رہنے والی تھی۔

سب سے پہلے جو سکتے کی حالت سے نکلے، وہ حیدر خان تھے۔ اُن کے چہرے پہ حیرت، غصے اور بے یقینی کی آمیزش تھی۔ وہ تیز قدموں سے زارون کی طرف بڑھے، جو اس لمحے ارمان پر اپنی نگاہوں کے تیروں سے برس رہا تھا۔ اُس کی سیاہ آنکھوں میں ایک ایسا کرب، ایسا زہر بھرا دکھ تھا، جو وہاں موجود ہر شخص کے لیے ناقابلِ فہم تھا۔ زارون کا سینہ تیز سانس لینے کے باعث بھاری ہو رہا تھا، جیسے اندر کی آگ اُسے جلا رہی ہو، اور آنکھیں گویا کسی ایسی بھٹی کی مانند دہک رہی تھیں جو برسوں سے سلگ رہی ہو۔

ارمان اب بھی گال پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اُس کے چہرے پر حیرت اور ہلکی سی بے بسی تھی۔ تھپڑ کی جلن اُس کے چہرے سے اندر تک اُتر گئی تھی۔ وہ کبھی زارون کو دیکھتا، کبھی چاروں طرف موجود چہروں کو، جیسے سوال کر رہا ہو۔ یہ میرے ساتھ کیا ہوا؟

یہ پہلا موقع تھا جب جبہ خانم کی پیشانی پر گہرے بل اُبھرے تھے۔ وہ جو ہمیشہ ارمان کی کسی بھی حرکت پر لاتعلق رہا کرتی تھیں، آج اُن کی آنکھوں میں بے چینی، پریشانی اور شاید خفت سی تھی۔ اُن کے لب بھنچ چکے تھے۔ باقی تمام افراد بس ششدر تھے۔ ساکت، بے حرکت، جیسے کسی جادو نے انہیں پتھر بنا دیا ہو۔ ایک پل کے لیے پورا کمرہ ایک خاموش مجسمہ لگ رہا تھا۔

"بے غیرت! تجھے شرم نہیں آئی؟ تو مر کیوں نہیں گیا؟!" اچانک زارون کی بھاری آواز فضا میں گونجی، جواب غصے سے بوجھل ہو چکی تھی اور اگلے ہی لمحے، دوسرا زوردار تھپڑ ارمان کے چہرے پر پڑا۔ اس بار تھپڑ کی گونج صرف دیواروں میں نہیں، دلوں میں سنائی دی۔ وہ ایسا لمحہ تھا کہ جیسے وقت تھم گیا، پھر ایک ساتھ دھماکے سے ٹوٹ پڑا۔ حیدر خان فوراً لپکے، اُن کا ہاتھ زارون کے دائیں بازو پر سختی سے پڑا۔ اُن کی انگلیوں کی گرفت فولاد کی مانند تھی۔ ایک باپ اپنے بپھرے بیٹے کو پیچھے کی جانب کھینچ رہا تھا، جیسے جانتا ہو کہ اگلا قدم خطرناک ہو سکتا ہے۔

زارون پلٹ کر اُنہیں دیکھنے بھی نہ رکا۔ اُس کی مٹھیاں بھنچی تھیں اور سانسیں بے قابو تھیں۔ وہ صرف چیخ نہیں رہا تھا، وہ اپنے اندر کے دبے دکھ کو لفظوں اور ہاتھوں سے باہر نکال رہا تھا۔

ارمان کا رنگ اُڑ چکا تھا۔ وہ واضح طور پر گھبرا چکا تھا۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ خطرے کی گھنٹیاں اُس کے گرد پوری شدت سے بجنے لگی ہیں، جیسے اُس کی محفوظ دنیا کسی زلزلے کی زد میں آ گئی ہو اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ باران، حیدر خان کا دوسرا سپوت، ایک طوفان کی مانند

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آگے بڑھا۔ زارون کے غصے کی حد تھی مگر باران وہ جیسے کسی بے قابو آندھی میں بدل چکا تھا۔

"تُو انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں رہا، ارمان!" اس کے ہاتھ بجلی کی تیزی سے حرکت میں آئے۔ تھپڑ، مکے، دھکے، باران کا ہر وار زخم نہ صرف جسم پر، بلکہ روح پر بھی چھوڑ رہا تھا۔

کمرہ اب مکمل خاموش نہ رہا، وہاں مار کی آوازوں میں ارمان کی سسکیاں، التجائیں اور بے بسی شامل ہو چکی تھیں۔

"لالالالایہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" ارمان کی آواز بھرّا گئی، جیسے حلق سے بمشکل نکل رہی ہو۔ اُس کی آنکھوں میں ایک بے یقینی، ایک معصومیت سی تھی، شاید جھوٹی، شاید اصل، مگر اس لمحے اُس کی یہی معصومیت باران کے غصے کو مزید بھڑکا گئی۔

"اب معصوم بن رہا ہے؟!" باران دھاڑا، "جب عزتیں پامال کر رہا تھا تب کہاں تھی یہ معصومیت؟"!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جبہ خانم کی آنکھوں سے آنسو نکل چکے تھے، مگر وہ آنسو خاموش تھے، شرمندہ تھے۔ ان کے چہرے پہ پہلی بار بے بسی کا عکس ابھرا تھا۔

آج وہ اپنوں کے درمیان، جنہوں نے اسے لاڈوں سے پالا، وہ ان سب کے درمیان آج اپنی حقیقت کے ساتھ برہنہ کھڑا تھا۔

"چھوڑو اسے! کیا کیا ہے اس نے؟" حیدر خان کی گرفت میں جھٹپٹاتا زارون پوری شدت سے ارمان کو گالیاں دے رہا تھا۔ اس کے جسم میں طوفان تھا، سانسیں بپھری ہوئی، اور آنکھوں میں وہ آگ تھی جو صرف دھوکہ کھائے جانے پر جلتی ہے۔ دوسری طرف باران، مکمل ہوش کھو چکا تھا، ہر وار جیسے ایک نئی اذیت کا اظہار تھا۔ وہ مار رہا تھا صرف جسم پر نہیں، برسوں کی بے خبری، برسوں کی چھپی ہوئی نفرت اب ہاتھوں سے نکل رہی تھی۔

حویلی کی فضا جیسے اپنے معنی کھو چکی تھی۔ ہر کوئی ساکت، گم سُم، دم بخود۔ ربّان خان نے دیکھا اور فوراً قدم بڑھائے۔ عجلت سے بھرے قدم وہ باران کے قریب پہنچے اور ایک جھٹکے سے اسے ارمان سے الگ کیا۔ ہاتھ کے ایک زور سے باران کو پیچھے دھکیلا۔ باران کے قدم لڑکھڑائے، وہ دو قدم پیچھے ہوا، مگر اپنے اندر کے طوفان کو روکا نہیں جا سکا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں، جیسے خون اُبل رہا ہو لیکن ان آنکھوں میں نمی بھی تھی۔ وہ ایک لمحے کو ساکت ہو گئے، جیسے وقت تھم گیا ہو۔ ایک نوجوان مرد کی آنکھوں میں یہ آنسو یہ منظر آج شاید

دوسری بار دیکھا گیا تھا۔ پہلی بار، شہزاد کی موت پہ۔ پورے گاؤں نے باران کو روتے دیکھا تھا، ایک بھائی کی موت پہ ٹوٹتا ہوا بھائی۔

اور آج؟ آج ایسا کیا ہوا تھا جو اس کی روح سے رستا ہوا دکھ، یوں آنکھوں سے بہہ نکلا تھا؟ شاید وہ پھر ٹوٹا نہیں تھا وہ آج مکمل بکھر چکا تھا۔

ربّان خان کا دل لرز اٹھا۔ کسی انہونی کی آہٹ نے ان کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر دوڑا دی۔

ارمان، اب ان کے پیچھے چھپ چکا تھا، جیسے وہ واحد ڈھال ہوں جو اُسے بچا سکتی ہے لیکن باران کے قدم پھر حرکت میں آئے۔

"بس!" ربّان خان کی گرجتی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹی۔ "خبردار! اب تم دونوں میں سے کسی نے بھی اسے ہاتھ لگایا ہم ابھی زندہ ہیں! مرے نہیں ہیں جو تم لوگ اس طرح جھگڑ رہے ہو!" ان کی آواز میں صرف جھڑک نہیں تھی، ایک سربراہ کی، ایک

بگھولے کو روکنے والے بزرگ کی لرزتی پیشین گوئی بھی تھی۔ انہیں صاف محسوس ہو رہا تھا، کچھ بہت بڑا، بہت غلط ہوا ہے۔ کوئی وبا ان کے آنگن میں

داخل ہو چکی ہے۔ ایسا طوفان جو اس حویلی کی بنیادیں ہلا دے گا، اور ان کے بیٹے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو چکے ہیں۔

زارون نے اپنے آپ کو ان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی۔

"باباجان! چھوڑیں مجھے! میں اسے مار ڈالوں گا آپ نہیں جانتے اس نے کیا کیا ہے!" وہ دھاڑا۔ زارون کی آواز، اس بار خالی غصے کی نہیں تھی۔ وہ آواز نہیں تھی، وہ چیخ تھی ایک زخمی انسان کی چیخ، جو صرف اس وقت نکلتی ہے جب دل کی آخری دیوار بھی ٹوٹ جائے۔ اُس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، بکھرا ہوا، جیسے کوئی اپنی پوری زندگی ہار چکا ہو۔ اس کی آنکھوں میں غصہ نہیں شکست تھی۔

"یہ بھائی نہیں ہے، بابا یہ ایک ناگ تھا جس نے ہمیں ہم سب کو ڈس لیا۔" زارون کا یہ جملہ صرف ایک شکوہ نہ تھا۔

یہ ایک قبر کھودنے کی ابتدا تھی، ایسی قبر، جس میں رشتے دفن ہونے والے تھے۔

"اس نے کیا کیا ہے؟!" ربّان خان کے صبر کا آخری بند بھی ٹوٹ گیا۔ ان کی آواز ایک لرزتے پہاڑ جیسی تھی جو زمین سے ٹکرا کر اپنی گونج سے سب کچھ ہلا دے۔

"اس نے میرے شہزاد لالا کا خون کیا ہے!" زارون چیخا ایک ایسی چیخ جو صرف دل سے نکلتی ہے، جو ہواؤں کا سینہ چیر دے، جو فضاؤں میں صدیوں تک گونجتی رہے۔

اس کی آواز، اُس لمحے سب کے وجود پر بجلی بن کر گری۔ دماغ سُن، اور لب خاموش گویا ہر کوئی اندر ہی اندر مر گیا ہو۔ یہ ایک انکشاف نہ تھا، یہ رشتوں کی قبروں پر پہلی مٹھی مٹی ڈالنے کا اعلان تھا۔ ربّان خان کے قدم لڑکھڑائے۔ ان کی آنکھوں کے آگے منظر دھندلا گیا تھا، دل نے جیسے دھڑکنا بھولنے کی کوشش کی۔ ان کے قدموں تلے سے جیسے زمین کھینچ لی گئی ہو۔

ارمان؟ ارمان نے؟ خون؟ شہزاد کا...؟ یہ سوال نہیں، قہر تھا۔ باران نے تڑپ کر اپنا رخ دیوار کی جانب کیا، اسی لمحے اس کی آنکھ سے آنسو بہہ

نکلے جنہیں وہ سختی سے رگڑتے آنکھیں میچ گیا۔

کچھ ایسی ہی حالت حیدر خان کی تھی۔ وہ ساکت کھڑے، آنکھیں پھیلائے، بے یقینی کے سمندر میں ڈوبے زارون کو دیکھ رہے تھے۔

"اس نے شہزی لالا" زارون، جو اب نیم پاگل ہو چکا تھا، جو رو رہا تھا، چیخ رہا تھا، اپنے ہی لہجے میں جل رہا تھا۔ اس کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند تھے، جو سیدھے اُن کے کانوں میں انڈیلے جا رہے تھے، اور ہر لفظ ہر فقرہ ان کے وجود پر کاری ضرب لگا رہا تھا۔ زوبیہ خانم اسی پل بے دم ہو کر صوفے پہ گریں، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ وہ صرف زارون کو دیکھ رہی تھیں جو اب بھی بول رہا تھا یا ان کے خون کو رگوں سے کھینچ رہا تھا، وہ سمجھ نہ سکیں۔

"میں نے اُس پر یقین کیا، بابا!" زارون کی آواز لرز رہی تھی، "اس نے کہا یہ وہ فوٹیج لائے گا، میں نے اس پہ بھروسہ کیا، ہم نے اُسے بھائی مانا شہزاد خان نے اسے سگوں سے بڑھ کر

چاہا اور اُس نے..."وہ رک گیا، جیسے الفاظ حلق میں پھنس گئے ہوں۔"اس نے اُسے مار دیا"!...

پری گل، جواب تک ساکت کھڑی تھی، ہونٹوں پر ہتھیلی جمائے اپنی ہچکیوں کو روکتی رہی، لیکن کب تک؟ جب پردے پھٹنے لگیں، تو آنکھوں کے آنسو بھی اپنے بند توڑ دیتے ہیں۔

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اسے لگا، جیسے وقت کی نبض تھم گئی ہو۔ وہ راز، جو صرف حیات کی قبر میں دفن تھے، آج حقیقت کی زمین پر کھڑے چیخنے لگے تھے۔ خان حویلی کی دیواروں پر جیسے موت کی دستک سنائی دی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آج، حیات میں چھپے وہ راز، جو برسوں سے وقت، خوف اور جھوٹی غیرت کے پردے میں چھپے ہوئے تھے، باہر نکل آئے تھے۔

چیر کر، کاٹ کر، رشتوں کو روند کر۔

اور اب تباہی صرف مقدر نہ تھی۔

وہ حقیقت بن کر، سب کے سامنے کھڑی ہو چکی تھی۔

کیونکہ رازِ حیات آج خود چل کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا بے نقاب، بے رحم، اور ناقابلِ انکار۔

زارون کے لبوں پر جیسے قفل لگ چکے تھے، اور خان حویلی پر ایک گہری، گھمبیر خاموشی چھا چکی تھی۔ وہ خاموشی جس میں صرف ٹوٹے ہوئے خوابوں کی صدائیں تھیں، اور اندر ہی اندر سلگتے جذبات کی چنگاریاں۔ ہر چہرے پر ایک الگ کرب، ہر دل میں ایک ان کہی جنگ جاری تھی۔ آج صرف ایک واقعہ پیش نہیں آیا تھا، بلکہ برسوں پرانی بنیادیں لرز اُٹھی تھیں، اعتماد کے ستون منہدم ہو چکے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سائرہ اور زرمینے جیسے ساکت مجسمے بن چکی تھیں۔ ان کے ذہن میں صرف ایک ہی منظر بار بار گردش کر رہا تھا ایک بھائی نے دوسرے کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لیے تھے۔ رشتوں کا تقدس پامال ہو چکا تھا اور ان سب کے بیچ، زارون وہ اب بھی پری گل کا نام لینے سے گریزاں تھا۔ نہیں، وہ اسے رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ابھی بھی اس لڑکی کے لیے عزت تھی، جو نادانستگی میں اس خونی کھیل کا حصہ بن گئی تھی۔

"خان بابا یہ سب جھوٹ ہے، آپ جانتے ہیں نہ؟ آپ کا ارمان ایسا نہیں کر سکتا" ارمان، جو اب تک خاموش تماشائی تھا، اچانک سب کی نظروں کا مرکز بن گیا۔ وہ تیزی سے بڑھا اور ربان خان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ربان خان، جو صوفے پر بوجھل جسم کے ساتھ بیٹھے تھے، اس کی آواز نے ان کے دل میں ایک لرزتی ہوئی امید کی کرن جگا دی۔

زارون اور باران کا دماغ جیسے سن ہو چکا تھا۔ یہ وہ لمحہ تھا جہاں جذبات اور حقیقت ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ ربان خان کے دل میں جو امید جاگی تھی، وہ ان کے لہجے سے عیاں تھی۔ " تم دونوں کو غلط فہمی ہوئی ہے میرا ارمان ایسا نہیں کر سکتا۔"

Clubb of Quality Content

مگر وہ لمحۂ سکون مختصر تھا۔ باران جیسے کسی اور ہی عالم میں چلتا ہوا دیوار گیر ایل ای ڈی کی طرف بڑھا۔ چند لمحوں میں اسکرین روشن ہوئی، اور وہ روشنی خان حویلی والوں کی آنکھوں کی بینائی چھیننے آ گئی تھی۔ ارمان کی آنکھیں پھٹنے کو تھیں۔ زوبیہ خانم کے حلق سے دل دہلا دینے والی چیخ نکلی۔ ان کا شہزاد، ان کا مان، ان کی آنکھوں کا تارا خون میں لت پت رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ یہ منظر کسی ایک کے نہیں، سب کے رونگٹے

کھڑے کرنے والا تھا۔

ربان خان کی جو امید ابھی ابھی پیدا ہوئی تھی، وہ چیخوں کے شور میں زمین بوس ہو گئی۔ وہ خود بھی ایک دھڑام سے زمین پر جا گرے، جیسے زندگی کی آخری امید ان سے چھن گئی ہو۔ پریشے نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس سے یہ منظر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ پری گل بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف دوڑی۔ اگر ایک لمحہ اور وہاں کھڑی رہتی، تو شاید اس کا دل واقعی پھٹ جاتا۔

"تایا جان لالا خان بابا " کئی آوازیں ایک ساتھ اس کے کانوں میں پڑیں، مگر اس کے قدم نہیں رکے۔

"چھوڑو مجھے!" اس کے کانوں میں پولیس کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے ارمان کی چیخ گونجی۔

"بھابھی، آنکھیں کھولو!" اسماہ خانم کی گھبراہٹ سے کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"زارون، گاڑی نکالو!" حیدر خان کی دھاڑتی ہوئی آواز فضا کو چیرتی ہوئی نکلی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نہیں، قیامت آنے والی نہیں تھی، وہ آچکی تھی۔ خان حویلی، جس کی فصیلیں صدیوں سے قائم تھیں، آج صرف ایک سچ نے اسے منہ کے بل گرا دیا تھا۔

رشتے تو آئینے تھے، ہم ہی اندھیرے میں تھے،

چہرے سب سچ بولے، پر ہم فسانے میں تھے۔

☆..☆..☆..☆

ویران عمارت کے تہہ خانے میں کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، پرانے پتھریلے فرش سے نمی کی خوشبو آ رہی تھی۔ دیواروں پر نمی سے جھولتی پرانی سیلن زدہ پینٹ، اور کہیں کہیں زنگ آلود لوہے کی سلاخیں فضا کو اور زیادہ دہشت ناک بنا رہی تھیں۔ کمرے میں سردی ایسی کہ سانسیں دھند بن کر ہوا میں تحلیل ہو رہی تھیں۔ کمرے میں صرف تین وجود تھے، ایک وہ جو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، اور باقی دو، جو وہاں انصاف نہیں، بدلہ لینے آئے تھے۔

وہ شخص داور خان جس کی آنکھوں میں کئی جانوں کا غرور جھلک رہا تھا، مگر جسم پر تشدد کی واضح نشانیاں موجود تھیں۔ چہرہ خون اور نیل سے بھرا ہوا، ہونٹ پھٹے ہوئے، اور کمر پر گہرے نیلے نشانات۔ دونوں ہاتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیوار سے اوپر کی جانب لٹک رہے تھے۔ اس کے باوجود، اس کی آنکھوں میں ہار کی ایک رمق تک نہ تھی۔ جیسے وہ اس اذیت کا عادی ہو، جیسے یہ درد اس کے لیے معمول کی بات ہو۔

نسوانی آواز سرد لہجے میں ابھری۔ "مجھے میری بہن واپس دے دو میں تمہیں جانے دوں گی۔" یہ آواز حرم فاطمہ کی تھی جو لاکھ سب کے منع کرنے کے باوجود یہاں آچکی تھی، چہرے پہ آج کوئی ماسک نہیں تھا نہ سیاہ لباس تھا بلکہ ہلکے بھورے رنگ کے گرم کوٹ، لمبے بوٹ، اور بے حد پر اعتماد انداز میں وہ اپنی مخصوص ویل چیئر کے ساتھ ٹیک لگا رہی تھی۔ چہرے پر بلا کا سکون، مگر آنکھوں میں انتقام کی تپش تھی۔ جیسے وہ

ہر پل اس لمحے کے لیے جی رہی ہو۔ داور خان کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے لے لو اپنی بہن ویسے تم بھی بُری نہیں ہو۔"اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور جب بولا تو لہجہ تمسخرانہ تھا۔اس کے لہجے میں جو غلاظت تھی،وہ صرف الفاظ کی نہیں تھی،وہ روح تک کو چھلنی کر دینے والی تھی۔یہ سننا تھا کہ اشعر جو اب تک خاموش کھڑا تھا،یکدم بپھر گیا۔اس کا چہرہ انگارے کی مانند سرخ ہو چکا تھا۔وہ لمحہ ضائع کیے بغیر آگے بڑھا اور داور کے چہرے پر زوردار مکہ مارا۔

"کیا بولا بے؟کس کی بہن؟ہاں؟"اس کے لہجے میں بجلی کوندر ہی تھی۔داور خان کی گردن ایک جھٹکے سے دیوار سے لگی،مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی خباثت ناچ رہی تھی۔

"بھائی،یار سوال تو پوچھنے دیں،سب کچھ تو تم اگلوا دو گے نا،پر پہلے سن تو لو۔"حرم نے تھوڑا سا ناک سکیڑ کر خفگی سے کہا۔وہ جیسے اس بات پر برہم تھی کہ اس کا 'شکار' ابھی پوری طرح اس کی بات سن بھی نہ پایا تھا کہ بھائی نے ہاتھ صاف کر دیا۔اس کے لہجے میں عجیب سا غرور چھپا تھا نہ صرف اپنی ذہانت پر،بلکہ اپنے شکار پر قابو پانے کی صلاحیت پر بھی۔سامنے بندھا داور،ایک زمانے میں جس کے نام سے لوگ لرزتے تھے،آج اپنے ہی کیے کا حساب دینے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بیٹھا تھا۔ مگر وہ جانتا تھا، یہ صرف شروعات تھی۔ اشعر نے اپنے ہاتھ روکے، گہری سانس بھری اور داور کی گردن جھٹکے سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔ حرم آہستگی سے ویل چیئر سے اٹھی، اشعر نے اسے گھورا پر وہ اب اپنے ازلی روپ میں لوٹ چکی تھی، اس کی چال میں نرمی تھی پر آنکھیں وہ سرد برف کی مانند تھیں۔

"تم بہت ڈھیٹ ہو شاید، ایک بات بتاؤ،" وہ ہلکا سا جھکی، "داور خان تم وہ پہلے مرد ہو جسے میں نے زندہ رکھا ہوا ہے اور شاید آخری بھی۔" اس کی آواز میں سکون تھا، پر وہ سکون طوفان سے پہلے کی خاموشی جیسا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

داور ہلکا سا ہنسا، "عورت ہو کر تم دھمکیاں دیتی ہو؟" یہ سننا تھا کہ حرم نے اپنے ہاتھ میں موجود ایک دھات آگے بڑھائی، اور اس کے چہرے پر کھینچی ایک چمکدار دھات، ایک باریک بلیڈ سے خراش دے دی۔

"عورت ہوں، تبھی انسانیت باقی ہے۔ مرد ہوتی تو اب تک تمہاری گردن کاٹ چکی ہوتی۔" اس کا لہجہ کاٹ دار تھا،وہ اس کے چہرے پہ ویسا ہی زخم بنا رہی تھی جیسا اس کے چہرے پہ نمایاں تھا۔

داور نے ہونٹ بھینچ کر خون نگلا،اور پہلی بار اس کی آواز میں ہلکی سی تکلیف کی آمیزش شامل تھی۔

"کیا کرو گی اپنی بہن کا؟وہ تو نہ زندوں میں ہے اور نہ ہی مُردوں میں،وہ تو بس ایک زندہ لاش ہے۔"وہ دونوں اس جواب کی قطعی امید نہیں رکھتے تھے اس لیے ایک پل کو ششدر رہ گئے پر وہ دونوں ہی اپنے جذبات پر قابو پانا جانتے تھے۔

"تمہیں اس سے مطلب نہیں ہونا چاہیے،تم بس وہ کرو جو ہم چاہتے تھے۔"حرم فاطمہ کی سرمئی آنکھیں ٹھہری ہوئی تھیں،پر ان میں برف جیسی سردی تھی۔وہ داور خان کو یوں گھور رہی تھی جیسے نگاہوں سے ہی اس کے اندر اتر کر اسے چیر دینا چاہتی ہو۔کمرے کی خاموش فضا میں اس کی آواز کا انداز نرمی سے خالی تھا حکم کا سا تھا۔داور نے ایک گہری، تھکی ہوئی

سانس بھری، جیسے اندر بہت کچھ کہنے کی تمنا ہو مگر زبان کو قفل لگا ہو۔ پھر وہ ہلکے سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ کہاں ہے۔" یہ جملہ دھیرے سے ادا ہوا، مگر اثر اس کا زلزلہ جیسا تھا۔ وہ لہجہ نہ تو جھوٹا تھا، نہ چالاک، بلکہ ایک خاموش ضد، ایک زخمی مگر اکڑا ہوا مرد، جو آخری وقت تک اپنے راز کو قبر کی طرح بند رکھنا چاہتا تھا۔ یہ الفاظ سنتے ہی حرم فاطمہ کی اندرونی دنیا میں دفن وہ "کرسٹل کوئین" جاگ اٹھی۔

ایک سفاک، بے رحم، اور خالص انتقام کی علامت عورت۔ وہ جو خاموشی سے ہنستی تھی اور چیختے دشمنوں کو مسکرا کر دیکھتی تھی۔ وہ جو ٹھنڈے لہجے میں سزائیں سناتی تھی، اور کمر میں اٹھنے والی اپنی چوٹوں کی پروا کیے بغیر اپنا ہر قدم خنجر جیسا رکھتی تھی۔

اس نے سہارے کے بغیر خود کو سیدھا کیا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی کمرے کے ایک کونے تک پہنچی، جہاں ایک پرانی دراز تھی۔ اس کی حرکات میں کوئی جلد بازی نہ تھی ہر حرکت سکون میں لپٹی ہوئی، مگر گھمبیر جیسے کسی مقدس انتقام کا حصہ ہو۔ دراز کھولی، کچھ دیر تک

انگلیاں کسی خاص چیز کو ٹٹولتی رہیں، پھر اس نے ایک چھوٹا سا سیاہ آلہ نکالا۔ اس آلے کی ساخت عام نہیں تھی، اور وہ چیز دیکھتے ہی کمرے میں جیسے ہوا رک گئی۔ وہ مڑی، اور خاموشی سے داور کی طرف بڑھنے لگی۔ اشعر جواب تک کنٹرول سنبھالے ہوئے تھا، اس کے ہاتھ میں وہ آلہ دیکھ کر چونکا، وہ اپنی بہن کو جانتا تھا، بہت اچھی طرح۔ پر آج وہ جو دیکھ رہا تھا، وہ ایک بہن نہیں، ایک یقین کے پار جا چکی عورت تھی۔

"یہ کیا کرنے؟" اس کے منہ سے جملہ نکلا ہی تھا کہ حرم کی نگاہ اس پر پڑی وہ نگاہ ایسی تھی کہ اشعر کا جملہ حلق میں سوکھ گیا۔ ساکت کھڑا، وہ صرف آنکھوں سے سوال کر سکا۔ کیا وہ واقعی اس قدر بے رحم ہو چکی تھی؟ حرم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے ہونٹوں پر کوئی تاثر نہیں

تھا۔ وہ اب جذبات سے نہیں، مقصد سے چل رہی تھی۔ اس نے دائیں کان میں لگے بلوٹوتھ ایئر پوڈ پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے کہا، "جیک، اندر آؤ۔" آواز میں نہ کوئی جھجک تھی، نہ رحم۔

اگلے ہی لمحے جیک دروازے سے نمودار ہوا۔ لمبا، مضبوط، بے تاثر چہرے والا نوجوان مرد، جس کا دل نہ ماضی سے وابستہ تھا نہ جذبات سے۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچا، حرم نے آلے کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا۔ جیک کچھ کہے بغیر سمجھ گیا، وہ ہمیشہ سمجھ جاتا تھا، کیونکہ وہ اس کھیل کا پرانا ساتھی تھا۔ اس کا مطلب سمجھتے ہی جلدی سے داور خان کے پاس آیا جو کچھ مضطرب انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، وہ بھی تو اسی کھیل کا کارندہ تھا، کیسے نہ پہچان پاتا کہ وہ کیا کرنے والی ہے اور یہی چیز اس کے ہوش اڑا رہی تھی۔

"تم پچھتاؤ گی۔۔ تم بہت پچھتاؤ گی!" داور خان کی آواز اب دھمکی سے زیادہ ایک لرزتی ہوئی آہ بن چکی تھی، جس میں خوف، درد، اور ایک ٹوٹتے ہوئے غرور کی جھلک صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جیک کے ہاتھوں پر جمی تھیں، جہاں اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں سختی سے کھینچ کر سیدھی کی جا رہی تھیں۔ ہر جوڑ میں تناؤ تھا، اور ہر لمحہ، جیسے کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ لیکن وہ کرسٹل کوئین جیسے کسی اور ہی دُنیا میں تھی۔ نہ اس کی سماعت پر داور کی چیخوں کا اثر ہوا، نہ دل پر رحم کی کوئی پرچھائیں لہرائی۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور

داور کے بائیں ہاتھ کی اکڑی ہوئی درمیانی انگلی کو ان دھاروں کے بیچ میں فٹ کر دیا، پورے ناخن سمیت، ہڈی کے قریب۔ کمرے کی فضا یکایک بوجھل ہو گئی۔ ہوا جیسے تھم گئی ہو۔ داور کے گلے میں ایک گلٹی سی ابھری, جو اس کے اضطراب اور اندر اُبلتے خوف کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

"ایک موقع اور دیتی ہوں" حرم نے نظریں اس کی انگلی سے ہٹائیں اور ٹھیک اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ "زینب کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں نہ چیخ تھی، نہ سوال, بس ایک ٹھنڈی آگ تھی جو سب کچھ خاکستر کرنے والی تھی۔

اشعر کی پیشانی پر پسینے کی بوند نمودار ہوئی، دل کی دھڑکنیں جیسے بے ترتیب ہو گئیں۔ وہ ایک پل کے لیے حرم کو دیکھتا رہا، اس عورت کو, جو کبھی نرم دل بہن تھی, آج اپنے ہاتھوں سے کسی کو چیر پھاڑنے پر آمادہ تھی اور نہایت خاموشی سے, پوری ہوشیاری سے۔

Clubb of Quality Content

"میں نہیں بتاؤں گا" داور نے ہانپتے ہوئے کہا، "جو کرنا ہے, کر لو" الفاظ تو وہی پرانے تھے، مگر اس کے لہجے میں اب وہ اعتماد, وہ نخوت, وہ مردانگی نہ تھی، صرف ایک ضد تھی, جو خود اپنی ہی گونج سے گھبرا چکی تھی۔

اگلے ہی لمحے ٹک۔ کمرے میں جیسے قیامت چھا گئی ہو۔ ایک دھیمی مگر فیصلہ کن آواز اور ساتھ ہی, داور کی لرزتی ہوئی چیخ۔ اس کی انگلی ناخن سمیت فرش پر جا گری, خون کا چھینٹا سفید ٹائل پر بکھر گیا, جیسے کسی نے جنگ کے آغاز کی مہر لگا دی ہو۔ اشعر کا دل دہل گیا۔ اسے اپنی سانسیں اپنی ہی سماعت میں گونجتی سنائی دیں لیکن جیک؟ وہ اب بھی بے تاثر، ساکت, اور فرمانبردار کھڑا تھا، گویا اس کی آنکھوں میں کوئی منظر داخل ہی نہیں ہو رہا۔

"بتاؤ گے؟" حرم نے انگلی کی طرف دیکھے بغیر پھر سے سوال دہرایا۔

"نہیں!" داور چیخا, اب کی بار اس کی آواز میں درد نمایاں تھا، ایک ایسا درد جو برداشت کے دائرے سے باہر ہو چکا تھا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" یہ کہہ کر وہ فوراً دوسری انگلی پر آئی, اسی ترتیب سے, اسی بے رحمی سے, اور ٹک۔ دوسری انگلی بھی کٹ چکی تھی۔ اب کی بار, داور کی چیخ میں صرف درد نہیں بلکہ نادم اور شکست خوردہ مرد کی اذیت تھی۔ اشعر نے اپنی نظریں موڑ لیں لیکن کمرے میں وہ منظر اب بھی جیتا جاگتا تھا۔ حرم نے اب تیسری انگلی کو شکنجے میں لیا, اور تیسری بار وار کیا۔

ٹک۔ داور اب کسی زخمی پرندے کی مانند پھڑ پھڑا رہا تھا, اس کے ہاتھ سے خون پانی کی مانند بہہ رہا تھا, وہ جسم کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا, مگر جسم تھا کہ بکھرنے کو تھا, اور تب ایک آخری, فریاد بھری چیخ اس کے ہونٹوں سے نکلی۔

"پاکستان پاکستان میں ہے وہ!" اس کی آواز میں اب کوئی چالاکی نہ تھی, نہ ضد, نہ غرور, بس درد, خوف اور بے بسی۔

"اسلام آباد دریا والا فارم ہاؤس" الفاظ کٹنے لگے, سانسیں بھاری ہونے لگیں, اور پھر داور کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ اس کی گردن میں حرکت باقی نہ رہی۔ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہو چکا تھا۔ کرسٹل، وہ جواب فقط حرم فاطمہ نہیں تھی, اس نے ایک لمحے کو خون آلود پلاس کو دیکھا, پھر

جیک کی طرف دیکھا, اور ایک خاموش, ترچھی سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھری۔

وہ مسکراہٹ فتح کی تھی لیکن غرور کی نہیں, صبر کی۔ جیک نے سر خم کیا۔ یہ اشارہ تھا, کھیل کا آخری مرحلہ شروع ہونے والا ہے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب ششم۔ "اقتدار کا شیرازہ"

ایک چیخ

گونجی کہ ایسی جو فضا کا سینہ چیر گئی،

اور پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ گئی...

جو وقت، صبر، اور آنسوؤں کے طویل قافلے سے بھی کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔

جب ستون گرتے ہیں، صرف دیواریں نہیں ڈھتیں، اندر بسے اعتبار بھی ملبہ ہو جاتے ہیں۔

ہر بین کے بیچ ایک ان کہی تھی

اور ہر آہ کے پس منظر میں؟ ایک راز دبک کر سانس لے رہا تھا۔

خاموشی کی سب سے بلند آواز وہی سناٹا تھا، جو چیخوں سے زیادہ گونج رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور اجب پردے سرکنے لگے ہیں، سوال یہ نہیں رہا کہ "کون جیتا؟ "بلکہ یہ ہے۔

کیا اس کھیل میں وہ پیادے بھی مٹ جائیں گے،

جو بس چال کا حصہ تھے، سازش کا نہیں؟

سنسان، ویران سڑک پر ایک چمچماتی ہوئی سفید گاڑی تیز رفتاری سے رواں دواں تھی۔ بارش کی بوندیں گاڑی کی سطح سے ٹکرا کر پھسلتی جا رہی تھیں، جیسے وقت خاموشی سے بہتا جا رہا ہو۔ اس ون وے روڈ پہ ہر پانچ چھ منٹ میں ایک گاڑی تیزی سے فراٹے بھرتی دکھائی دیتی اور رات کی سیاہی میں غائب ہو جاتی، چاند آسمان میں چھپا تھا جیسے آج وہ باہر نکلنا ہی نہ چاہتا ہو، اسی لیے آج آسمان پہ ہلکے دھند سے بادل بنا چاندنی روشنی کے سفر کر رہے تھے، رات کی گہری سیاہی میں ہر طرف ایک پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی، جو نہ صرف منظر کو بلکہ انسانی دلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔ گاڑی کے سیاہ شیشوں نے باہر جھانکنے کی ہر کوشش کو رد کر رکھا تھا، لیکن اگر کوئی اندر جھانک سکتا، تو ایک عجیب اور پُراثر منظر اس

کی نظروں کے سامنے آتا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص چالیس سے کچھ اوپر کی عمر کا ایک باوقار مرد معلوم ہو رہا تھا، نیلی جینز اور سفید کرتے کو زیب تن کیے کُہنیوں تک کف کو فولڈ کیا ہوا تھا جس میں سے اس کے اسٹیرنگ پہ جمے سرخ و سفید ہاتھوں کی اُبھری ہوئی سبز رگیں واضح تھیں، مانو ہر رگ اپنے اندر ایک کہانی سمیٹے ہوئے ہو۔ اس کی آنکھوں میں ایک مخصوص چمک تھی، وہ چمک جو برسوں کی خواہش کے بعد کسی خواب کے قریب پہنچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پیشانی پہ بکھرے بھورے بال، جس سے نمایاں تھا، اس کا چہرہ پرسکون تھا، مگر اندر کہیں گہرا اضطراب چھپا ہوا تھا، ایک ماضی، اور ایک فیصلہ۔

پاس ہی پیسنجر سیٹ پہ سیٹ بیلٹ لگائے بیٹھی لڑکی کم عمر، پرکشش، اور سراپا معصومیت کا پیکر لگ رہی تھی۔ سفید ٹاپ اور بیگی جینز میں ملبوس، اس کی موجودگی خاموش مگر گہرے سوالات سے لبریز تھی۔ اس کے گھنگھریالے بالوں کو نفاست سے چٹیا میں قید کیا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی اور آمیزش لیے ہوئے تھیں، جیسے کئی احساسات ایک ہی وقت میں جھانک رہے ہوں۔ حیرانی، الجھن، اور شاید تھوڑی سی بے چینی۔ گاڑی کے اندر خاموشی کا

ایک پردہ تانا گیا تھا، جو صرف بارش کی ٹپ ٹپ سے ہلتا تھا۔ اچانک اس خاموشی کو انارہ کی دھیمی آواز نے چیر دیا۔

"ڈیڈ، ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

بہرام نے چند لمحے کو نگاہیں ونڈو اسکرین سے ہٹائیں اور بیٹی کی طرف دیکھا۔ ایک نظر، جس میں شفقت، نرمی، اور شاید کچھ نہ کہی گئی باتیں چھپی تھیں۔ لمحے میں وہ جھکے، اور آہستگی سے اس کا ماتھا چوم لیا، گہری سانس بھری اور پھر دوبارہ سیدھے ہو کر نگاہیں سڑک پر مرکوز کر دیں۔ انارہ چونکی، اس نے ماتھے کو چھوا جیسے حیرت سے یقین کرنا چاہتی ہو۔ یہ دسویں بار تھا جب بہرام خان نے راستے میں اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ وہ کچھ بولنے کو ہوئی، لیکن پھر خاموش ہو گئی۔ جیسے کسی انجانے احساس نے لب سِل دیے ہوں۔

وقت گزرتا رہا۔ گاڑی ایک گھنٹے سے زیادہ چل چکی تھی، جب ایک موڑ کے بعد وہ ایک چھوٹے سے مگر نہایت خوبصورت فارم ہاؤس کے سامنے آ رکی۔ اس عمارت سے صرف کچھ قدم کے فاصلے پہ ایک خوبصورت جھرنا تھا جس سے بہتی آبشار ہوا میں شامل ہو کر فضا کو

پر سکون اور معطر کر رہی تھی۔ چوکیدار نے جلدی سے دروازہ کھولا تو ان کی گاڑی اس فارم ہاؤس کے چھوٹے سے پورچ میں داخل ہو گئی، صاف ستھرا فرش بارش کے پانی سے تر تھا۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھیلائے ہر چیز بہت غور سے دیکھ رہی تھی، اس نے اپنی یادداشت کھنگالی، کیا وہ پہلے کبھی یہاں آئی تھی؟ جواب آیا نہیں. یہ جگہ اُس کی یادداشت کا حصہ نہیں تھی۔ وہ یہاں کبھی نہیں آئی تھی، کم از کم اپنے ہوش میں تو نہیں، وہ ایک نیا، انجان مگر پر امن سا مقام۔

بہرام خاموشی سے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکلے، پھر دوسری طرف آ کر انارہ کا دروازہ کھولا۔ اس کا ہاتھ تھاما، نرمی سے، جیسے وہ کوئی نایاب خزانہ ہو۔ ان کا رویہ اس لمحے کسی معمول کے باپ کا نہیں تھا بلکہ ایسا تھا جیسے کوئی شخص برسوں بعد اپنی قیمتی چیز کو چھو رہا ہو، بچا رہا ہو۔ وہ گاڑی سے باہر نکلی تو نرم پانی کی ٹھنڈی بوندیں جو فوار کی مانند برس رہی تھیں وہ اس کے چہرے اور بازو پہ پھسلیں، ایک ٹھنڈا اور خوشگوار سا احساس اس کے اندر ابھرا۔ بہرام نے اس کے گرد بازو لپیٹ لیا جیسے وہ اسے اس یخ بستہ ہوا سے بھی بچانا چاہتے ہوں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہاں موجود چوکیدار نے حیرت سے اس نرم مزاجی کو دیکھا۔ بہرام خان جو عام حالات میں ایک سخت، سنجیدہ اور اکھڑ مزاج انسان کے طور پر جانا جاتا تھا، آج ان کی آنکھوں میں ایک مختلف روشنی تھی۔

وہ اسے لیے گھر میں داخل ہوئے۔ انارہ نے گہری اور دلچسپ نگاہوں سے اس پورچ سے لے کر اندر آنے تک ہر چیز کا معائنہ کیا تھا۔ وہ گھر جو ان کے سامنے کھڑا تھا، بظاہر سادہ سا تھا مگر جاذبِ نظر۔ سرخ اینٹوں کی دیواریں، چھت پر مٹی کی پرانی مگر صاف ستھری ٹائلیں، اور باہر لکڑی کا ایک جھروکا جس پر بیلیں لپٹی ہوئی تھیں، جن پر بارش کی بوندیں گویا موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

پورچ کے ایک کونے میں مٹی کے گملوں میں اگے ہوئے گلاب کے پھول خوشبو بکھیر رہے تھے، اور چھوٹے سے لان میں گھاس بارش میں بھیگی ہوئی ہریالی کے ساتھ زمین کو چوم رہی تھی۔ لکڑی کا دروازہ نہایت سلیقے سے پینٹ کیا گیا تھا، اور اس پر لگا پیتل کا پرانا ہینڈل گواہی دے رہا تھا کہ یہ گھر وقت کے ہاتھوں سے گزرا ضرور ہے، مگر ابھی بھی زندہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہے،سانس لیتا ہے۔دروازے پر ایک چھوٹی سی تختی لگی تھی جس پر کندہ لفظ "زہرام" تھا، جس کا مطلب وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے یہ صرف ایک مکان نہیں بلکہ ایک جذباتی پناہ گاہ تھی۔وہ جگہ جہاں وقت سست روی سے چلتا ہے،جہاں یادیں سانس لیتی ہیں،اور جہاں خاموشی بھی کچھ کہتی ہے۔وہ بنا کچھ کہے بہرام خان کے ساتھ چلتی رہی۔ان کا ہاتھ اس کے نازک اور مومی ہاتھ پر مضبوطی سے جما ہوا تھا،جیسے وہ دنیا کی ہر الجھن،ہر سوال سے بچانا چاہتے ہوں۔سفید ریلنگ والی سیڑھیاں بارش کی ہلکی سی اوس کے باعث نمی سے تھوڑی چمک رہی تھیں،اور ان پر ہر قدم ایک خاموش صدا کی مانند لگ رہا تھا۔وہ جگہ کس قدر خوبصورت تھی پر ایک کسک کے احساس کے ساتھ اس کی پلکیں جھک گئیں۔اسے ہر اچھی چیز،جگہ کو دیکھ کر صرف ایک ہی خیال آتا تھا"کاش ماما بھی یہاں ہوتیں..."اور آج بھی یہ خیال جیسے بارش کی بوند کی طرح اس کے دل پر ٹپک کر بکھر گیا۔وہ لمحہ،وہ کمی،جیسے ساری دنیا کی خوبصورتی ماند پڑ گئی ہو۔بہرام ایک دروازے کے سامنے رکے،چابی گھمائی،اور آہستگی سے دروازہ کھولا۔

دروازے کے پیچھے جیسے وقت تھم گیا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو وہ بھی ان کی تقلید میں ہی قدم اٹھاتی اندر آ گئی۔ اس نے بے زاری سے نظریں اٹھائیں، لیکن اب کچھ مختلف ہوا، ہاں جس کی شاید اسے توقع نہیں تھی، پلکوں کی چادر نے دوبارہ گرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سانسوں کے تسلسل نے بکھرنے کی کوشش کی۔ اسے محسوس ہوا جیسے اس کی سانس رُک گئی ہو۔ وہ پل، وہ منظر، جیسے کسی سحر میں جکڑا ہو۔ اس کے قدم وہیں پر ہی رک گئے، اور آنکھیں ایک نقطے پر جم گئیں۔

سفید روشنی سے جگ مگ کرتا وہ کمرہ نہایت ہی کشادہ تھا، سفید اور نیلے رنگ کی چادر اوڑھے دیواریں، عالیشان فرنیچر، اور فرش پر بچھا نرم گداز قالین۔ دائیں جانب کی دیوار پر لگی کھڑکی اس وقت بند تھی جس کے شیشے سے بارش کی ہلکی نرم اوس قطرہ قطرہ پھسل رہی تھی، سامنے ہی جہازی سائز بیڈ پر دو وجود موجود تھے، جو ان کی آمد پہ ان کی ہی جانب متوجہ ہو گئے تھے پر ان میں سے ایک عورت جو کریم اینڈ وائٹ سکرٹ میں ملبوس بالوں کو کس کر جوڑے میں قید کیے ہوئے تھی، وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی۔ اس کے بائیں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس میں ایک کانچ کی پیالی رکھی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ میں ایک چمچہ تھا جس سے وہ آہستہ آہستہ اس پیالی میں سے گاڑھا سا محلول جو شاید کوئی سوپ تھا وہ اُس عورت کو پلا رہی تھی جو سادہ سے گرم سوٹ کو پہنے دوپٹے سے آزاد وجود لیے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے نیم دراز سی لیٹی تھی۔ اس کے کمزور سے ہاتھوں میں کینولا لگے ہوئے تھے، چہرہ نقاہت زدہ مگر شفقت سے بھرپور تھا، سیاہ اور سفید ملے جلے بال روکھے سے لگ رہے تھے جنہیں ایک سائیڈ پر ڈالا گیا تھا اور آنکھیں جو برسوں کی تھکاوٹ لیے ہوئے تھیں وہ اس پہ ٹک چکی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ماما" آہستہ، دھیمی اور صدمے سے لبریز سرگوشی میں اس کے لبوں نے جنبش کی۔ وہ آنکھیں نہیں جھپکا رہی تھی کہ کہیں اس کا خواب ہوا میں تحلیل نہ ہو جائے، ہاں وہ ابھی اس حقیقت کو قبول نہیں کر سکی تھی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اس عورت کو آنکھیں میچیں بے جان سا ان نالیوں میں جکڑا ہی پایا تھا، وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی ماں کی آنکھوں کا رنگ کیا ہے پر آج جیسے اس ایک سوال کا جواب اسے لمحے میں مل گیا۔

اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی، جو بالکل اپنی ماں کی آنکھوں کی مانند تھی۔ جیسے ایک غلافی روشنی اس میں ڈوبی ہو، ایک گہرا اور واضح منظر جو وقت کی دھند میں بھی نہ چھپ سکے۔ وہ بے چین سی یک ٹک ان آنکھوں میں دیکھ رہی تھی، جن میں اجنبیت کا گہرا سا سایہ نظر آرہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن میں ایک عجیب سی کسک محسوس ہوئی۔ وہ اس شاک کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن ایک بے چینی، ایک بے یقینی نے اس کا دل گھیر لیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی پتلیاں جیسے ایک ہی نقطے پر جم کر رہ گئی تھیں، جیسے وہ کسی گہری گونج میں کھو گئی ہو۔ کمرے کا ماحول یکدم بوجھل سا محسوس ہونے لگا تھا، جیسے ہر طرف ایک دباؤ تھا جسے وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی لیکن پھر، اچانک ایک نرم، مضبوط اور سکون دینے والی موجودگی نے اس کے ارد گرد اپنے حصار کو محسوس کیا، اور لمحوں کا فسوں ٹوٹا، جیسے ہوا میں ایک ہلکی سی خوشبو پھیل گئی ہو۔ سانس جیسے بحال ہوا، اور دل کی دھڑکنوں نے ایک نئے سرے سے رواں ہونا شروع کیا۔ اس نے فوراً اپنی گردن موڑ کر، چہرہ اٹھایا اور ان

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دراز قد مرد کی آنکھوں میں جھانکا، جو ہلکی سی نمکین چمک کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا، جیسے ان آنکھوں میں ایک نیا آسمان چمک رہا ہو۔

"ملو گی نہیں اپنی ماما سے؟" اس کی آواز میں ایک نرم، پُر اعتماد سوال تھا، جو کسی امید کی مانند اس کی روح میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ جملہ محض الفاظ نہیں تھا، یہ ایک نیا دروازہ تھا، جو اس کی زندگی کی نئی حقیقتوں کو سامنے لا رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بے یقینی کی حالت میں اس منظر کو دیکھتی رہی۔ منظر مکمل طور پر بدل چکا تھا، اور وہ جان چکی تھی کہ یہ کوئی خواب نہیں، بلکہ حقیقت تھی۔ اس کی نظریں جیسے ایک پل کے لیے سب کچھ بھول کر، اس میں چھپے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس کا دل تیز دھڑک رہا تھا، لیکن ایک نیا جوش اور اُمید اس کے اندر جگہ بنا رہی تھی۔ وہ پھر سے کچھ بولی، جیسے بے قابو سی ہو گئی ہو، اور اس کی آواز میں خوشی کا ایک انوکھا رنگ تھا۔

"بابا! دیکھیں! ماما ٹھیک ہو گئی! مطلب میری ماما! آپ سن رہے ہیں، ڈیڈ! میری ماما ٹھیک ہو گئی ہے!" یہ جملہ جیسے اس کے دل کی دھڑکن کے ساتھ ہم آہنگ ہو گیا تھا، اور وہ بے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

قابو ہو کر بہرام سے لپٹ گئی۔اس کا جسم خوشی سے کانپ رہا تھا،اور وہ بار بار مڑ کر دیکھتی، جیسے وہ اس لمحے کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کرنا چاہتی ہو۔ ہر بار وہ بہرام خان کو بتا رہی تھی، جیسے وہ انجان ہو۔

"یس،مائی ڈاٹر، تمہاری ماما بالکل ٹھیک ہو گئی ہیں۔جاؤ،جا کر مل لو اپنی ماما سے۔"وہ اس کے گرد کا حصار توڑتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹے تو انارہ تیزی سے ہوا کے پردوں میں لہراتی ہوئی اپنی ماں کے پاس پہنچی اور اُس کی گرم نرم آغوش میں جا سمائی۔

زینب، جو کب سے اس چھوٹی سی لڑکی کو حیرانی سے دیکھ رہی تھی،اسے اپنے سینے سے لگتے دیکھ کر شل سی ہو گئی۔اس کا جسم ابھی کسی بھی قسم کی حرکت کے قابل نہ تھا،اتنے طویل عرصے کوما میں گزارنے کے بعد شاید ہی ممکن تھا کہ وہ فوراً چل پھر سکے۔ کیئر ٹیکر بہرام کے اشارے پر خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔وہ خوش تھی کہ آج میڈم کو ہوش آ گیا تھا،اور اس خوشی کا انعام اسے ایک بڑی رقم کی صورت میں ملنے والا تھا۔

"ماما! آپ کو پتا ہے، میں آپ کو کتنا یاد کرتی تھی؟ کتنے کتنے گھنٹوں آپ سے باتیں کرتی، پر آپ جواب نہیں دیتی تھیں۔ دل کرتا تھا کہ آپ کی گود میں سر رکھوں، آپ کو پیار کروں پر مجھے اجازت نہیں تھی" انارہ، جو برسوں سے اپنے دل کی باتیں بہرام سے چھپاتی آئی تھی، آج سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی، اُسے پروا بھی نہ رہی کہ وہ شخص ابھی وہیں کھڑا ہے۔ بولتے بولتے اس کی ہچکیاں بلند ہو گئیں، بھیگا چہرہ زینب کی گردن میں چھپا کر وہ بلکنے لگی۔

بہرام نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ایک گہرا ملال اور پچھتاوے کی لہر ان کے دل میں دوڑ گئی۔ وہ تو انارہ کو زینب سے اس لیے دور رکھتے تھے کہ کہیں اسے اپنی ماں کی عادت نہ پڑ جائے، کیونکہ ڈاکٹرز کہہ چکے تھے کہ زینب کے بچنے کا کوئی امکان نہیں۔ یہاں تک کہ زہر کا انجیکشن دے کر اسے سکون کی نیند سلانے کا مشورہ بھی ملا تھا لیکن وہ مانے نہیں۔ اب وہ سمجھ چکے تھے کہ انارہ کو ماں سے دور رکھ کر وہ کتنی بڑی غلطی کر چکے ہیں۔ وہ ایک حساس بچی تھی، جسے اضافی توجہ اور محبت کی ضرورت تھی، جو وہ اُسے نہ دے سکے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کون ہو تم؟ دور ہٹو مجھ سے!" زینب کی آدھ مری، دھیمی سی آواز بہرام کے کانوں میں پڑی تو ان کی آنکھیں چھلک گئیں۔ وہ اس آواز کو سننے کو کتنا ترسے تھے۔ دل کے کسی ویرانے پہ نرم پھوار سی پڑ گئی تھی۔

"ماما میں ہوں انارہ۔ آپ کی بیٹی کیا میں آپ کو یاد نہیں ہوں؟" انارہ نے اپنا چہرہ زینب کی گردن سے نکال کر اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کے لہجے میں زخمی سا سوال تھا۔ وہ لمحہ روح تک چیر جاتا ہے جب کسی اپنے کے لہجے میں بیگانگی کی بازگشت سنائی دے۔

"نہیں جانتی میں تمہیں دور رہو مجھ سے!" زینب کی آواز ٹوٹی، مدھم تھی، مگر اس میں ایسی کاٹ تھی کہ کمرے کی فضا ایک لمحے کو جیسے منجمد ہو گئی۔ "تم اس غلیظ انسان کا خون ہو تم گندہ خون ہو! میں نفرت کرتی ہوں نفرت کرتی ہوں!" زینب کی سانسیں پھول رہی تھیں، حلق خشک، آنکھوں میں وحشت۔ وہ اپنی پوری طاقت لگا کر چیخنا چاہتی تھی، مگر زخموں نے آواز کو قید کر رکھا تھا۔ پھر بھی وہ لفظ، جیسے چاقو بن کر فضا میں تیرنے لگے۔ ماضی کی وہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

راتیں اس کے ذہن میں پورے آب و تاب سے جلوہ گر ہوئی تھیں، کچھ زخم جتنے پرانے ہوں اتنے ہی خطرناک ہوتے ہیں۔

انارہ کے اس کے جھریوں زدہ چہرے پر رکھے نرم ہاتھ جن میں برسوں کی یادیں، محبت، اور منتیں سجی تھیں، آہستہ آہستہ بے دم ہو کر پہلو میں جا گرے۔ وہ ساکت ہو گئی۔ زینب کا چہرہ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلا رہا تھا۔ زینب کی آنکھیں برس رہی تھیں، لب کپکپا رہے تھے اور پھر وہ یکا یک بیڈ کی دائیں طرف لڑھک گئی۔ بہرام، جو دیوار سے ٹیک لگائے ندامت کے عالم میں زینب کے الفاظ سن رہا تھا، جیسے نیند سے جاگا ہو۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور زینب کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔

"زینی زینی میری جان، آنکھیں کھولو!" وہ مسلسل بے چینی سے پکار رہا تھا، اس کے ہاتھ زینب کے ماتھے کو سہلا رہے تھے۔

اور انارہ بس چپ چاپ، بت بنی بیٹھی، ساکت آنکھوں کے ساتھ، اُس منظر کو تک رہی تھی۔ نہ آنکھ میں آنسو تھا، نہ لب پر فریاد صرف ایک جملہ تھا جو اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔ "تم

گندہ خون ہو۔" یہ لفظ نہیں تھے، جیسے کسی نے اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ زینب نے جانے انجانے میں اس بچی کے وہ خواب توڑ دیے تھے، جو اس نے برسوں اپنی ماں کے نام سُنے تھے۔

☆..☆..☆..☆

پچھلے تین گھنٹوں سے وقت جیسے خود کو دہرا رہا تھا ہر گھڑی کی سوئی ایک ہی نقطے پر رک گئی تھی۔ زندگی کی رفتار، جو لمحہ بھر پہلے تک رواں تھی، اب ایک ان دیکھے خلا میں معلق ہو چکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسپتال کی روشنیوں میں بھی ایک عجب سی سیاہی چھپی ہوئی تھی، جیسے ہر بلب میں روشنی کے ساتھ دکھ بھی ٹمٹما رہا ہو۔ خاکی رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس حیدر خان کبھی بینچ پر تھک کر بیٹھتے، تو کبھی بے قراری سے اٹھ کھڑے ہوتے۔ ان کے چہرے پہ حد درجہ ٹینشن کے آثار واضح تھے۔ مسلسل گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں، دواؤں کی پھیلی بھینی بھینی سی بدبو، اور

وہاں سے ہر لمحے گزرتا کوئی کھانستا یا کراہتا مریض، یہ سب چیزیں ان کے دماغ کو مزید دباؤ دے رہی تھیں، دل کسی انہونی کے احساس سے دھڑک رہا تھا۔

ان سے چند قدم کے فاصلے پہ صبح والی ہی سلوٹ زدہ آسمانی شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس، زارون کا ہاتھ مسلسل فون کی اسکرین پر چل رہا تھا۔ اس کے سیاہ بال جو ہر وقت سلیقے سے جمے ہوتے تھے وہ اس وقت بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ آنکھیں بے پناہ سرخ ہو رہی تھیں، اس کی لمبی پلکیں آپس میں چپکی ہوئی تھیں شاید اس نے بار بار اپنی آنکھوں کو رگڑا تھا۔ اس کی آنکھیں اسکرین کی روشنی کا عکس واضح کر رہی تھیں۔ وہ مسلسل داور خان کا نمبر ڈائل کر رہا تھا، مگر دوسری طرف سے بار بار ایک ہی جواب موصول ہوتا۔

"The number you have dialed is switched off." پر وہ پھر بھی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح ان سے رابطہ ہو جائے، وہ

پریشان اس لیے بھی تھا کہ آج شام تک داور خان نے آجانا تھا تو وہ اب تک آئے کیوں نہیں تھے۔

Clubb of Quality Content

باران اور موسیٰ اس وقت پولیس اسٹیشن میں تھے۔ گاؤں میں خبر اس تیزی سے پھیلی جیسے خشک پتیوں میں چنگاری جا گرے۔

یہ صرف ایک واقعہ نہیں رہا تھا، یہ تو ان کے خاندان کی ساکھ کا مقدمہ بن چکا تھا، جس کے فیصلے کی عدالت اب گاؤں کے لوگ بننے والے تھے۔ اس وقت، آپریشن تھیٹر کے سامنے دو سائے گم صم کھڑے تھے۔ ربان خان کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، اور زوبیہ خانم نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہوئی تھیں۔ وہ دونوں جنہوں نے ایک معصوم بچے کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا، آج اسی کی وجہ سے ان کی دنیا اجڑ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

یہ دکھ صرف دل کا نہیں تھا، یہ روح کے ریشوں کو کاٹتا دکھ تھا۔ کچھ دیر بعد آپریشن تھیٹر کے دروازے کے دونوں پٹ چرچرا کر کھلے۔ سفید کوٹ میں ملبوس سینئر کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر محمد وحید اور ڈاکٹر قدسیہ تیزی سے باہر آئے۔ زارون خود بھی ڈاکٹر تھا، مگر اس لمحے صرف ایک بے بس بھتیجا بن کر کھڑا تھا، وہ ان کی طرف لپکا۔ حیدر خان نے بھی لڑکھڑاتے قدموں سے ان کا راستہ روکا۔

"ڈاکٹر میرے تایا جان میرے لالا کیسے ہیں وہ؟" دونوں کی آواز ایک دوسرے سے ملی، جیسے کوئی التجا اکٹھے بلند ہو گئی ہو۔ ڈاکٹر وحید نے ایک لمحے کو خاموشی اختیار کی، شاید الفاظ چن رہے تھے۔

"آئی ایم سوری، زارون۔ ہم نے پوری کوشش کی مگر شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ان کی ہارٹ بیٹ یہاں لائے جانے سے پہلے ہی بند ہو چکی تھی۔ ہم نے اپنا ہنڈرڈ پرسنٹ دیا، وہ کوئی گہرا صدمہ دل پر لے گئے کہ ان کے دل کی شریانیں سکڑ گئیں، ہم جو کر سکتے تھے کر چکے مگر شاید تقدیر کا فیصلہ کچھ اور تھا۔" وہ جیسے انہیں روح چیر دینے والی نوید سنا چکے تھے۔

آس پاس کی ہر شے تھم گئی، فضا نے صدا دی کہ سب برباد ہو گیا ہے۔ زارون نے ساکت آنکھوں سے ڈاکٹر کی شکل دیکھی، جیسے اس جملے کو سمجھنے میں وقت لگ رہا ہو۔ ڈاکٹر قدسیہ نے آہستہ سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا، جو کہ تقریباً پچپن سالہ ایک خاتون تھیں اور پھر دونوں ڈاکٹرز چپ چاپ آگے بڑھ گئے۔ پیچھے رہ گئے، صرف دو انسان نرم پڑتے وجود خالی نظریں بند زبانیں۔ زارون اور حیدر خان، دونوں کے چہرے پر وہی سایہ تھا جیسے کسی نے ان

کے اندر سے زندگی نچوڑ لی ہو۔ جیسے وہ نمک کے مجسمے ہوں، اور ہوا اگر ذرا سخت چلی تو وہ وہیں پگھل کر زمین میں سما جائیں گے۔ ربان خان کی موت صرف ایک فرد کا جانا نہیں تھا، یہ ایک نسل کے وقار کا، خاندان کے ستون کا، اور بے شمار خوابوں کے بکھر جانے کا اعلان تھا۔

"زارون یہ ڈاکٹر نے کیا کہا؟" حیدر خان کی آواز لرز رہی تھی، جیسے کسی نے ان کے حلق میں ریت بھر دی ہو۔ "ایسے کیسے؟ مطلب میرے لالا؟ وہ تو بالکل ٹھیک تھے تو پھر یہ سب یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ دیوانہ وار آپریشن تھیٹر کی طرف بڑھے، جیسے وہ دروازہ کھول کر حقیقت کو جھٹلا دینا چاہتے ہوں مگر زارون نے انہیں دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ "زارون، کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو مجھے!" ان کے لہجے میں التجا کم اور ٹوٹ پھوٹ کا شور زیادہ تھا۔ "وہ میرے لالا ہیں، میرے بابا ہیں، مجھے جانے دو، مجھے اُن کے پاس جانے دو!" زارون نے آنکھوں میں آنسو لیے،

ہونٹ بھینچتے ہوئے، مضبوطی سے انہیں تھامے رکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باباجان ہمت کریں، تایاجان اب نہیں رہے۔" یہ جملہ گویا دھماکہ تھا۔ ایک لمحے کو ہوا میں سناٹا چھا گیا اور پھر حیدر خان کی ہتھیلی ایک زوردار تھپڑ کی صورت زارون کے چہرے سے آ ٹکرائی۔ زارون نے چہرہ جھکا لیا، گہری سانس اور ڈھیر ساری ہمت اپنے وجود میں بھری تاکہ وہ اپنے باپ کو سنبھال سکے۔

"بکواس کرتے ہو!" وہ دھاڑے۔ "شرم نہیں آتی تمہیں یہ سب کہتے ہوئے؟ جھوٹ بول رہے ہو جھوٹ! میرا بھائی، میرا لالا، وہ ایسے کیسے جا سکتا ہے؟" ان کی آواز میں بے یقینی تھی، درد تھا، اور وہ اندھا یقین جو کسی اپنے کی سانس سے جڑا ہوتا ہے۔ زارون ایک پل کو خاموش رہا، چہرے پر تھپڑ کے نشان کے ساتھ آنکھوں میں نمی لیے، بس انہیں دیکھتا رہا، پھر وہ اچانک آگے بڑھا اور ان کے وجود سے لپٹ گیا، ایسا لپٹا جیسے کوئی بچہ ٹوٹتی دیوار سے چمٹ جائے۔ آس پاس سے گزرنے والا ہر انسان اپنے غم بھولے ان کی جانب اشک بار نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باباجان،وہ ہمیں چھوڑ گئے تنہا کر گئے۔تایاجان چلے گئے۔"حیدر خان کے ہاتھ ہوا میں معلق رہے،جیسے سمجھ ہی نہ آئے کہ انہیں کیا کرنا ہے،پھر ان کی آنکھوں میں جمی وحشت کچھ لمحوں کے لیے رکی،اور پھر خاموشی سے،نمی میں بدلنے لگی۔نمکین آنسو ان کی پلکوں سے بے صدا ٹپکنے لگے،اور ان کے لب لرزنے لگے،وہ جو جہانگیر خان کی موت پر بھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے وہ آج اپنے باپ جیسے بھائی کی موت کی خبر کو قبول نہیں کر پا رہے تھے۔

"زارون میرے لالا میرے لالا چلے گئے؟"وہ روتے روتے گویا ہانپنے لگے۔"میں ایک بار پھر یتیم ہو گیا،زارون میرا بھائی،میرا باپ،وہ چلا گیا تو کیا میں یتیم ہو گیا؟"یہ الفاظ نہیں تھے،یہ ایک گرجدار پہاڑ کے گرنے کی گونج تھی۔زارون کے کانوں میں اپنے باپ کی ٹوٹی، بکھری،اور بے بسی سے لتھڑی آواز گونج رہی تھی۔اُسے لگا،کسی نے اس کا دل نوچ کر پیروں تلے کچل دیا ہو۔اس نے باپ کے گرد لپٹے اپنے بازوؤں کی گرفت مزید سخت کر دی،جیسے اس گرفت سے وہ ان کے بکھرتے وجود کو جوڑ لے گا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں پھر سے یتیم ہو گیا، زارون میرا بھائی چلا گیا، میں یتیم ہو گیا" وہ بار بار یہی جملہ دہرا رہے تھے، اور ہر بار وہ جملہ، زارون کے دل کو نئی جگہ سے زخمی کر رہا تھا، وقت جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ صرف دلوں کی دھڑکن باقی تھی، اور وہ دھڑکنیں بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں اور زارون کا دل وہ آنے والے وقت کے تصور سے لرز رہا تھا۔ زوبیہ خانم کو کیسے سنبھالیں گے؟ یہ سوال نہیں، بلکہ تقدیر کا نیا امتحان تھا اور اس بار آنسوؤں سے لکھا گیا پرچہ، ہمت سے حل ہونا تھا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سوات، مرگزار وادی۔

مرگزار، سوات کے علاقے ہزارہ کے قریب واقع ایک خوبصورت، سرسبز وادی ہے جو قدرتی حسن، سکون اور تاریخ کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں، گھنے جنگلات اور بہتے چشموں سے گھرا ہوا یہ علاقہ نہ صرف سیاحوں کے لیے پرکشش ہے بلکہ مقامی

لوگوں کے لیے بھی پُرامن زندگی کی علامت ہے۔ مرگزار کا سب سے نمایاں مقام "سفید محل" ہے، جو سوات کے سابق بادشاہ نے 1940 میں تعمیر کروایا تھا۔ سفید سنگ مرمر سے بنایہ محل آج بھی اپنی شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے اور سیاحوں کے لیے ایک تاریخی یادگار کے طور پر کھلا ہے۔

مرگزار کے قریب واقع پولیس اسٹیشن ایک جدید اور منظم عمارت پر مشتمل تھا۔ رات کی ہلکی سیاہی میں بھی اس کے گرد لگی بڑی بڑی لائٹس اور بل بورڈ اس تھانے کی چکاچوند کو واضح کر رہے تھے۔ یہاں سیکیورٹی کا نظام عام پولیس اسٹیشن جیسا نہیں تھا بلکہ حد درجہ صاف ستھرا تھا۔ کالی اور خاکی رنگ کی بڑی بڑی دیواریں اور بڑا سا لوہے کا مضبوط گیٹ اسے مزید بہترین واضح کر رہا تھا۔

عمارت کے باہر صاف بورڈ پر "پولیس اسٹیشن مرگزار" درج تھا۔ ہم اگر اس کی اندرونی جانب بڑھیں تو وہاں کئی سیاہ گاڑیاں کھڑی معلوم ہوں گی جن کے گرد پولیس وردی میں ملبوس اہلکار چاق و چوبند سے کھڑے تھے۔ شاید وہ پیٹرولنگ کے لیے روانہ ہو رہے تھے،

خیر جیسے جیسے ہم اندر کی طرف بڑھتے ہیں ویسے ویسے وہاں کا ماحول مزید نمایاں ہونے لگتا ہے، مثلاً داخلی دروازے کے پاس کھڑا حوالدار جو اپنے آنے جانے والے بڑے عہدے کے آفیسرز کو سیلوٹ کرتے سلام کر رہا ہے، ریسپشن پر کھڑی درمیانی عمر کی خوش شکل سنجیدہ سی عورت جس نے حوالدار کی سیاہ وردی پہ ہم رنگ سیاہ اسکارف چہرے کے گرد لپیٹا ہوا تھا، وہ مسلسل کی بورڈ پہ انگلیاں چلاتے شاید کوئی فائل تیار کر رہی تھی، ناک کی سیدھ میں نظر آتا خاکی ڈچ ڈور کے اندر کا منظر کچھ یوں تھا۔

بھورے چمڑے والی ایگزیکٹو چیئر پہ صاف ستھری سیاہ اور خاکی وردی کو زیب تن کیے ایک پینتیس سے سینتیس سالہ مرد بیٹھا تھا، سرخ و سفید رنگ، اٹھی ہوئی ناک، بھرے بھرے بھینچے ہوئے لب جو گھنی مونچھوں تلے چھپے ہوئے تھے اس کی بھنویں گھنی، لیکن صاف ستھری اور متوازن تھیں۔ اس کی سیاہ شرٹ کے بازو کُہنی تک فولڈ تھے جس میں سے اس کے مضبوط ہلکے بالوں والے ہاتھ واضح تھے۔ کاندھے پہ لگی ستاروں کی تعداد یہ واضح کرتی تھی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کہ وہ "اے ایس پی" کے عہدے پہ فائز ہے۔اس کے سینے کے قریب لگی چمکتی نیم پلیٹ پہ اس کا نام واضح لفظوں میں کندہ ہوا تھا "یوسف شمشیر زیدی"۔

اس کے سامنے ٹیبل کے پار کرسیوں پہ دو نوجوان مرد بیٹھے تھے۔سنہری آنکھوں والا مرد کسی غیر مرکزی نقطے کو گھور رہا تھا تو وہیں سبز آنکھوں والا نوجوان فون پہ کسی سے بات کر رہا تھا۔

"باران،اب بھی سوچ لو کیا تم واقعی یہ کیس کرنا چاہتے ہو؟"اس خنک،باوقار سکوت میں کمرے کے اندر اے ایس پی شمر کی گمبھیر آواز گونجی،جو نہ صرف اس کی شخصیت کا عکس تھی بلکہ اس لمحے کے وقار اور سنجیدگی کی غماز بھی۔اس کی آواز میں ایک ایسا دباؤ تھا جو دل کے اندر تک اتر جاتا ہے۔باران،جو اپنے ہی خیالوں میں الجھا ہوا تھا،چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو بے یقینی لہرائی،پھر اس نے ایک تھکی سی،اندر سے ٹوٹی ہوئی سانس لی اور خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"شمر، تم جانتے ہو کہ میں ناانصافی کے سخت خلاف ہوں۔" باران نے نظریں جھکائے، مگر لہجہ مضبوط رکھتے ہوئے کہا، "بے شک وہ میرا بھائی ہے لیکن شہزاد میری جان تھا۔ میں کبھی نہیں بھول سکتا جو کچھ ارمان نے کیا ہے۔ اسے اس کے کیے کی سخت سزا ملنی چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گیا، جیسے الفاظ ختم ہو گئے ہوں یا شاید جذبات کا طوفان اتنا شدید تھا کہ زبان ساتھ چھوڑنے لگی تھی۔ موسیٰ نے اس لمحے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں، اسے معلوم تھا کہ ارمان کی حقیقت نے اگر کسی کو سب سے زیادہ توڑا ہے، تو وہ صرف باران تھا، جس نے ارمان کو فقط بھائی نہیں، بلکہ بیٹے کی جگہ رکھا۔ جس نے اسے نازوں سے پالا، لاڈ سے چاہا، بے پناہ محبت دی، اور اس کی ہر خواہش کو بغیر حساب پورا کیا۔ شہزاد نے بھی اس سے کم محبت نہیں کی تھی۔

تو پھر ارمان نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سوال موسیٰ کے دل کے ہر کونے میں گونج رہا تھا۔ باران نے موسیٰ کی نظریں اپنے چہرے پر محسوس کیں، تو گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں کئی سوالات تیر رہے تھے، سوالات جن کے جواب باران دینا نہیں

چاہتا تھا،اور شاید دے بھی نہیں سکتا تھا۔وہ کسی معصوم لڑکی کو،جو بے گناہ تھی،اسے اس کے بھائی کے سامنے شرمندہ نہیں کر سکتا تھا۔کچھ رشتے ہوتے ہیں جو محبت سے زیادہ عزت کے قائل ہوتے ہیں،اور وہ رشتے باران کے نزدیک ناقابلِ قربانی تھے۔

"ٹھیک ہے،تم اس فائل پر سائن کر دو تاکہ مقدمہ درج کیا جا سکے،"شمر نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں موجود ڈارک براؤن کور والی فائل پر ڈالی،جس کے کھلے صفحات پر حقیقتوں کی سیاہی ثبت تھی۔اس نے وہ فائل باران کے سامنے رکھ دی۔باران نے فائل کو غور سے پڑھا۔ہر لفظ،ہر جملہ جیسے دل میں چھید کر رہا تھا۔پھر اس نے خاموشی سے قلم اٹھایا،اور شکست خوردہ انسان کی طرح اس پر دستخط کر دیے۔شمر نے وہ فائل واپس لی،نظر دوڑائی،اور سر ہلا کر اسے ایک طرف رکھ دیا۔

"بس،باقی کام میرا ہے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اگر کوئی مسئلہ پیش آئے تو آپ ہمیں کال کر لینا،" موسیٰ نے شمر سے سنجیدگی سے کہا۔ شمر نے آنکھیں اٹھا کر موسیٰ کی طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں سرد وقار اور نہ ڈگمگانے والا اعتماد جھلک رہا تھا۔

"میرے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے، مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے،" وہ اپنے مخصوص، ازلی لہجے میں بولا۔ موسیٰ نے لب بھینچ کر خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"چلیں؟" موسیٰ نے باران کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ایک ایسا لمس، جو تسلی دینا چاہتا تھا، مگر جانتا تھا کہ یہ تسلی ناکافی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں، چلو۔ بلکہ تم گاڑی میں جا کر بیٹھو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ شمر، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" باران نے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے

کندھے جھٹکے، جیسے خود کو ہلکا کرنا چاہتا ہو، خود کو سنبھالنا چاہتا ہو۔ شمر نے حوالدار کو خاموش اشارہ دیا، اور باران دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے قدم متوازن تھے، مگر ہر قدم کے

ساتھ دل کی دھڑکن جیسے بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ راہداری سے گزرتا ہوا اس سیل کے پاس پہنچا جس کے پار ایک ہیولہ، تاریکی میں لپٹا ہوا تھا۔

"مجھے اس سے اکیلے میں بات کرنی ہے،" باران نے حوالدار کو وہیں کھڑا دیکھ کر گہری سنجیدگی سے کہا۔ اس کے لہجے کی ٹھہری ہوئی سنجیدگی اور آنکھوں کی نمی شاید اس لمحے کسی اور کو محسوس نہ ہو سکی ہو، لیکن باران کے دل میں جیسے ایک طوفان نے جنم لیا تھا، جو صرف تنہائی میں اپنے زخم دکھانا جانتا تھا۔ حوالدار نے بغیر کوئی سوال کیے سر ہلایا اور خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران نے ساکت قدموں سے چند قدم مزید آگے بڑھائے، یہاں تک کہ وہ لوہے کی ان سلاخوں تک پہنچا جن کے اس پار ایک چوڑی پشت کا سایہ نیم تاریکی میں ایستادہ تھا۔ اس سائے کے عقب میں بے شمار سوالات، لاجوابیاں اور وہ لمحے دفن تھے جو ماضی کا حصہ بن چکے تھے۔

"ارمان" اس کی پکار میں نہ کوئی دبدبہ تھا، نہ رعب، نہ وہ سختی جو کبھی باران کے لہجے کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ اس لمحے اس کی آواز میں صرف اور صرف ایک بکھرے ہوئے بھائی کی ٹوٹ پھوٹ بول رہی تھی، ایک ایسا بھائی جو اندر سے کرچی کرچی ہو چکا ہو۔ چند پل بیت گئے، لیکن سامنے سے کوئی جواب نہ آیا۔

"ارمان، میرے بچے، تو نے ایسا کیوں کیا؟" اب کے بار باران کا لہجہ لرزنے لگا، جیسے اندر کی شکست اس کے الفاظ کی صورت باہر آ رہی ہو۔ اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے لوہے کی سرد سلاخوں کو مضبوطی سے تھام لیا، جیسے ان میں کسی مضبوط سہارے کی تلاش ہو۔

ابھی تک کوئی لفظ نہیں آیا تھا، لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ سایہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آ رہا ہے۔ وہ ساکت کھڑا رہا، جیسے ہر قدم کے ساتھ ماضی کے بند دروازے ایک ایک کر کے کھلتے جا رہے ہوں۔ جب وہ ہیولہ آگے آیا تو اس کا چہرہ دھیرے دھیرے اندھیرے سے نکل کر روشنی میں واضح ہونے لگا۔ لائٹ براؤن آنکھیں، جو آج سرخی مائل تھیں، بکھرے ہوئے بال، پیلا کرتا جس پر گہری سلوٹیں ثبت تھیں، یہ وہی بچہ تھا جسے دیکھ کر ہمیشہ باران

کو پیار آتا تھا لیکن آج باران کو اسے دیکھ کر وہ پیار محسوس نہ ہوا جو ہمیشہ ہوتا تھا۔ اسے آج وہ معصوم لڑکا اپنی عمر سے بہت بڑا لگا تھا۔

آج دل میں فقط ایک ٹھیس سی اٹھی تھی، ایسی ٹھیس جو خالی جگہ نہیں بلکہ رشتہ توڑنے والی ہوا تھی۔ اچانک ارمان نے سلاخوں کے اس پار سے ہاتھ بڑھا کر باران کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ باران کو اس کی گرفت بہت عجیب سی، چبھتی سی محسوس ہوئی، بالکل ان نظروں کی طرح جو آج مکمل طور پر اجنبی لگ رہی تھیں۔ ایک پل کو اس کی یہ حالت باران کا دل ہلا گئی۔ ایک لمحے کو لگا شاید اب بھی وہ وہی ارمان ہے لیکن اگلے ہی لمحے باران کی آنکھوں کے سامنے شہزاد کی مسخ شدہ لاش گھوم گئی۔ وہ لاش جس نے اس کے دل کو پھر سے پتھر کی سِل بنا دیا، جس نے اسے نرم پڑنے کی اجازت نہ دی۔

سنہری آنکھیں اب اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھیں، لیکن ان میں آج کوئی معصومیت نہ تھی۔ نہ ہی سچی، نہ ہی جھوٹی۔ بس ایک خاموش، بے جان گہرائی تھی یا شاید سیاہی جس میں شاید ارمان کا دل ڈوبا ہوا تھا، شاید مکمل غرق ہو چکا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ کو پتا ہے" ارمان کی آواز میں ایک عجیب سا سکون تھا، ایک ایسا سکون جو طوفان سے پہلے کی خاموشی جیسا لگتا ہے۔ "میں نے اس دنیا میں اگر سب سے زیادہ پیار کسی سے کیا ہے، تو وہ پری گل ہے۔" اس کے لہجے میں نہ کوئی جھجک تھی نہ ندامت، بلکہ وہ جذبہ جھلک رہا تھا جو شدت کی حدیں پار کر چکا ہو۔ "اس کی آنکھیں، اس کی باتیں" وہ لمحہ بھر کو رکا، جیسے ان یادوں کو سینے سے لگا رہا ہو، "اس عورت کا حسن مجھے اپنی گرفت میں قید کر گیا۔" باران نے ضبط سے لب بھینچے۔ اس کی رگیں تننے لگیں، مگر وہ اب بھی سن رہا تھا۔ ارمان کا لہجہ یکسر سنجیدہ اور عجیب طور پر بے رحم ہو چکا تھا۔ "وہ واحد عورت ہے اس دنیا میں جس سے میں عشق کرتا ہوں۔ اتنی شدت سے کہ مجھے اس کے لیے خود کو ہزار ٹکڑوں میں بھی کاٹنا پڑے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔" یہ الفاظ، عشق کی سرحدوں سے نکل کر جنون کے علاقے میں قدم رکھ چکے تھے۔ کاش اسے کوئی بتاتا کہ عشق اور ضد میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، اور اسے پری گل سے عشق نہیں تھا بلکہ وہ اس کی ضد بن چکی تھی۔

"میں نے کبھی کسی سے نفرت نہیں کی اب بھی نہیں کرتا،" وہ گویا اپنی بے گناہی کا اعلان کر رہا تھا، لیکن اس کی آواز میں وہ سفاکی تھی جو سچ کو نگل جاتی ہے۔ "میں نے شہزی لالا سے بہت پیار سے کہا تھا کہ مجھے گل چاہیے، پر انہوں نے میری بات کو مذاق سمجھتے ہوئے مجھے بری طرح ڈانٹ دیا۔" ارمان کا لہجہ سرد پڑ گیا۔ "میں برا نہیں تھا، لالا، مجھے بنا دیا گیا ہے۔" یہ جملہ جیسے اس نے اپنے گناہ کو پوری دنیا پر ڈال دیا ہو۔ آخر میں وہ معنی خیز مسکرایا، ایک ایسی مسکراہٹ جو عام نہیں تھی، جس میں ایک انجانا خوف، ایک غیر محسوس دھمکی چھپی تھی اور باران کے دل میں پہلی بار اس کی اس مسکراہٹ سے حقیقی خوف نے جنم لیا تھا۔ باران نے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، لیکن ارمان نے انہیں بہت مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ وہ گرفت، جیسے صرف ہاتھ نہیں، رشتے اور اعتماد کو بھی چیر رہی ہو۔

"مجھے جو صحیح لگا، میں نے وہ کیا۔" اس کا لہجہ اب مکمل طور پر سفاک ہو چکا تھا۔ "انجام کی پروا کرنا میں نے بہت پہلے چھوڑ دیا تھا۔" باران کو لگا جیسے اس کے سینے میں کسی نے برف رکھ دی ہو، ہر لفظ تلوار کی طرح اندر اتر رہا تھا۔

"میں نے ہمیشہ سے ایک ہی بات سیکھی تھی جو چیز پسند آئے، پہلے اسے بہت عزت سے مانگو اور اگر وہ آپ کو نہ ملے، تو سامنے والے کے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھینچ لو۔" یہ الفاظ صرف خطرناک نہیں تھے، یہ ظلم اور خود غرضی کے فلسفے کی ایک پوری تھیوری تھے۔

وہ رکا، ایک گہری سانس لی لیکن وہ سانس بھی صاف محسوس ہو رہی تھی کہ باران کے دل کو بے چین کر گئی۔ اس کی سانس میں وہی زہر تھا جو اس کے لہجے میں تھا؛ سازش، جنون، اور ضد کی بدبو۔ باران کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، جیسے اندر کوئی الارم بج رہا ہو، جیسے وقت خبردار کر رہا ہو کہ "کچھ غلط ہے، بہت غلط۔" کبھی کبھی دل کی دھڑکنیں آنے والے وقت کا پتا دیتی ہیں۔ بس ہم ہی سمجھنے میں دیر کر دیتے ہیں۔

"ارمان کیا تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے؟" باران نے یہ سوال ایک ٹوٹتی ہوئی امید کے ساتھ کیا۔ اس کے لہجے میں کوئی غصہ نہیں تھا، صرف ایک آخری کوشش کی تھکن تھی، جیسے کوئی شخص کسی پگھلتے ہوئے برف کے تودے میں ایک نکتۂ زندگی تلاش کر رہا ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ارمان کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کے ہاتھوں میں مزید پیوست ہوتی جا رہی تھیں جیسے وہ گرفت صرف جسمانی نہیں، بلکہ ذہنی اور جذباتی قید میں بدل رہی ہو۔ ارمان نے ہلکا سا سر جھکایا، ایک طویل، ٹھنڈی آہ بھری لیکن اس آہ میں نہ شرمندگی تھی، نہ ندامت، بس ایک وحشیانہ سکون۔

"پچھتاوا؟" وہ سرگوشی سی ہنسی ہنسا، "پچھتاوا انسانوں کو ہوتا ہے اور میں" اس نے ایک دم سر اٹھایا، "میں انسان کی کھال میں بھیڑیا ہوں میں ہزار بار موقع ملنے پر بھی وہی کروں گا، جو میرا دل چاہے گا!" اس کی آواز کی گرج ایسی تھی کہ باران لمحے بھر کو ساکت ہو گیا۔ اس کا وجود جیسے لمحہ بھر کو وقت سے باہر آ کر جم سا گیا۔ وہ آنکھیں ان میں صرف وحشت نہیں، درندگی تھی، اور باران کو پہلی بار شدت سے احساس ہوا "کچھ بہت غلط ہو چکا ہے۔" وہ آواز اس کے اندر سے ابھری، جیسے دل کے اندر کوئی چراغ بجھتے وقت آخری روشنی پھیلا رہا ہو۔ باران نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ کھینچے۔ ارمان کی گرفت اتنی شدید تھی کہ اس کے ہاتھوں کی پشت پر سرخ نشان ابھر آئے تھے، زخم نہیں، پر درد کا گواہ۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پری گل کے بعد اگر میں اس دنیا میں کسی سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں تو وہ آپ ہیں،" ارمان نے آہستہ، مگر سرد لہجے میں کہا۔ "اور آپ اگر کسی اور پر توجہ دیں، یہ میری برداشت سے باہر ہے۔" اس کی آواز میں وہ دھمکی تھی جو موت کی آہٹ سے زیادہ خاموش اور خطرناک ہوتی ہے۔

"آپ کی توجہ کا حقدار صرف میں ہوں، میرے سوا کوئی نہیں۔ آپ کی بیوی بھی نہیں۔" یہ جملہ باران کے وجود سے جیسے خون نچوڑ لے گیا ہو۔ اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا، وہ حقیقتاً کانپ اٹھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زارا" باران کے لب ہلے، بس اتنا ہی کہا، جیسے سانس بھی ادھوری رہ گئی ہو اور ارمان ارمان نے وہ لبوں کی سرسراہٹ دیکھ لی اور ایک زوردار، بلند و بانگ، پاگل سا قہقہہ لگا دیا۔ ایک ایسا قہقہہ جس میں پاگل پن، جنون، اور ایک عجیب سی "فتح" چھپی ہوئی تھی۔

باران کے قدم لڑکھڑائے۔ اس کا جسم جیسے زلزلے کی زد میں آچکا تھا، ذہن میں گونجتی آوازیں، آنکھوں کے سامنے زارا کا چہرہ لہرا رہا تھا، ایک ایسا خوف جو کبھی زندگی میں محسوس

نہ ہوا تھا۔ وہ پلٹا اور دیوانہ وار بھاگا۔ پیچھے سے ارمان کی آواز گونج رہی تھی۔ "میں جن سے محبت کرتا ہوں، وہ صرف میرے ہیں! اگر کوئی اور انہیں چاہے گا، تو میں اسے ختم کر دوں گا!" باران دوڑ رہا تھا، جیسے وہ خود سے، وقت سے، یا کسی ان دیکھے اندھیرے سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں، ٹانگیں بار بار لڑکھڑاتی تھیں۔ کئی بار وہ گرتے گرتے بچا، راہداریاں اس کے لیے تنگ ہو گئی تھیں، اور آوازیں، ارمان کی آوازیں، ہر سمت گونج رہی تھیں۔ جب وہ بمشکل گاڑی تک پہنچا، تو ہر کوئی اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ باران عجلت میں کار کا دروازہ کھول کر گاڑی میں آ بیٹھا۔

"موسیٰ، گاڑی اسٹارٹ کرو!" باران نے سکتے میں بیٹھے موسیٰ کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے زور سے چیخا، جیسے اس کے اندر کا اضطراب اور بے چینی قابو سے باہر ہو چکی ہو۔ اس کا دل اس قدر زور سے دھڑک رہا تھا، جیسے ہر دھڑکن سینہ چیر کر باہر نکل آئے گی۔ "کس کا انتظار کر رہے ہو، ڈیم اٹ، گاڑی اسٹارٹ کرو!" وہ اب غرّا اٹھا، اور موسیٰ کو اپنی طرف خالی آنکھوں سے تکتا پا کر، اس کے لہجے میں وہ شدت ابھری جیسے وہ خود کو جلتا محسوس کر رہا ہو۔

باران کے ذہن میں مسلسل زارا کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ فلیٹ میں اکیلی تھی، اگرچہ دو گارڈ تعینات تھے، لیکن وہ جانتا تھا کہ اب خطرہ صرف جسمانی نہیں، نفسیاتی بھی ہو چکا ہے۔ پھر موسیٰ کی زبان سے ادا ہونے والا جملہ، "ماموں جان کی ڈیتھ ہو گئی ہے باران" جیسے اس کے ضبط پر آخری کیل ثابت ہوا۔ اب ایک طرف اس کی بیوی خطرے میں تھی، اور دوسری طرف اس کے عزیز ترین تایا جان ہمیشہ کے لیے دنیا سے جا چکے تھے۔ ذہن جیسے ایک ہی وقت میں کئی سمتوں میں بکھر گیا ہو۔ باران کا وجود ایک لمحے کو ایک پتھر کے بت میں بدل گیا، جسے نہ کچھ سنائی دیتا تھا، نہ دکھائی۔

اسے لگا پوری دنیا اس کے گرد گھومنے لگی ہو، جیسے وقت اور ہوش دونوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ پھر وہ بمشکل بول پایا، "تم حویلی جاؤ میں آتا ہوں زارا خطرے میں ہے مجھے جانا ہو گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر اپنی بے قابو سانسوں کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے جیسے خود کو سنبھال رہا تھا، لیکن اس کے الفاظ موسیٰ کو شاک میں ڈال گئے۔ کیا واقعی ان کے امتحان شروع ہو چکے تھے؟ وہ پہاڑ جو برسوں سے ان کے پیچھے کھڑے تھے، اب ان پر

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

قیامت کی طرح ٹوٹ رہے تھے،ایک ایسی قیامت، جس کی گواہی نہ صرف وقت دے گا بلکہ نسلیں یاد رکھیں گی۔

☆..☆..☆..☆

مرگزار سے چند کلومیٹر کی مسافت پر ہم جس جانب بڑھ رہے تھے،وہاں کی رات جیسے وقت سے آزاد ہو چکی تھی،ایک ایسا تسلسل جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔راستے میں جو پوش علاقہ پڑتا تھا،وہ اپنی چمک،صفائی اور ترتیب کے باعث فوراً ہی اپنی جانب متوجہ کرتا۔ اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں ہر زاویہ نمایاں تھا،جیسے تاریکی بھی ان فلیٹس کی نفاست سے مرعوب ہو چکی ہو۔علاقے میں زیادہ تر چھوٹے اور درمیانے سائز کے فلیٹ تعمیر تھے،لیکن ان کی تراش،بناوٹ اور آرائش اس قدر خوبصورت تھی کہ دیکھنے والا چند لمحوں کے لیے ساکت رہ جاتا۔

ان ہی فلیٹس کے بیچوں بیچ ایک سات مرلہ کا گھر نما فلیٹ تھا،جس کی بالکنی پر لگے پردے ہوا کی ہلکی سرسراہٹ سے لرز رہے تھے،اور اس کے پیچھے کا منظر بے حد سادہ مگر پُرسکون

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھا۔ بالکنی کے شیشے کے اُس پار، ایک جہازی سائز بیڈ پر ایک لڑکی سفید نائٹ سوٹ پہنے، کمفرٹر سینے تک لپیٹے گہری نیند میں تھی۔ اس کے سیاہ، ریشمی بال تکیے اور اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے تھے، اور کمرے میں نارمل سے قدرے خنک درجہ حرارت تھا، جیسے ماحول خود نیند کی حفاظت کر رہا ہو۔ گھڑی کی سوئیاں اپنی مخصوص رفتار سے وقت کا دائرہ مکمل کرنے میں مصروف تھیں، مگر اس لمحے کی خاموشی اور سکون میں اچانک ہلچل پیدا ہونے لگی۔

کمرے کا درجہ حرارت آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ کوئی سایہ تھا جو بالکنی کے دھانے پہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ خنکی جو چند لمحے قبل تک نیند کا محافظ تھی، اب دھیمی دھیمی تپش میں بدل چکی تھی۔ تپش ابھی ناقابلِ برداشت نہیں تھی، مگر وہ سکون کے دائرے سے باہر ضرور تھی۔ اس کا ثبوت اس لڑکی کے چہرے پر ابھرتا پسینہ تھا، جو غیر محسوس انداز میں اس کے خوابوں میں دراڑ ڈالنے لگا۔ وہ گہری نیند میں تھی، لیکن جسم نے بے چینی کو محسوس کر لیا تھا۔

نیند میں ہی اس نے اپنا کمفرٹر ایک طرف سرکا دیا، جیسے کسی انجانے بوجھ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو نیند کے دوران کم ہی جاگتے ہیں، لیکن آج، صرف ہلکی سی گرمی، ہلکی سی الجھن اور شاید کسی انجانے احساس نے اس کے نیند کے قلعے میں دراڑ ڈال دی تھی۔ پسینے میں شرابور، وہ کسمسا رہی تھی جیسے خواب اور حقیقت کے درمیان کوئی دروازہ آہستہ آہستہ کھلنے لگا ہو۔

ایک دھیمی، ناگوار اور جانی پہچانی سی بو تھی جو اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ بو جس سے زندگی نہیں، موت کی آہٹ آتی ہے۔ سانسیں اچانک تیز ہونے لگیں، جیسے ہوا میں کچھ زہریلا شامل ہو چکا ہو۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، سیاہ بال پشت پر بکھر گئے، چہرے پر خوف کی صاف جھلک تھی۔ اس نے جلدی جلدی سانسیں سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن سامنے کا منظر اس کی تمام عقل سلب کر چکا تھا۔ کمرہ دھند سے بھر چکا تھا۔ وہ گھبرا کر آنکھیں مسلنے لگی، جیسے نیند کی جھلک باقی ہو، مگر دھند اپنی جگہ پر قائم رہی، بلکہ اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بیڈ سے چھلانگ لگا کر نیچے اتری، اور آنکھوں کے سامنے منظر دھیرے

دھیرے بھیانک ہوتا چلا گیا۔ پردے، صوفہ، میز سب کچھ جیسے آہستہ آہستہ شعلوں کی لپیٹ میں آتے جا رہے تھے۔ آگ، جو پہلے فقط تپش تھی، اب حقیقت بن چکی تھی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، سانس بے قابو، دل کسی گھنٹی کی طرح بجنے لگا۔ وہ دوڑتی ہوئی دروازے تک پہنچی، ہینڈل گھمایا پر ایک زبردست جھٹکا اس کی ریڑھ کی ہڈی تک دوڑ گیا، دروازہ لاک تھا۔

"سائیں! کوئی ہے؟ دروازہ کھولو سائیں!" وہ چیخ رہی تھی، دروازہ پیٹ رہی تھی، اس کی آواز میں وہ خوف تھا جو زندگی اور موت کے بیچ انسان کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ آنکھوں میں دھوئیں کی چبھن، سانس میں جلن، آنسوؤں کی نمی سب اس کی حالتِ زار کا اعلان تھے۔ جلدی سے وہ بیڈ کی طرف پلٹی، کانپتے ہاتھوں سے دوپٹہ اٹھایا اور سر پر لپیٹا، جیسے شعور کی آخری رمق اسے بچاؤ کا کوئی طریقہ سکھا رہی ہو۔ وہ بالکنی کی طرف لپکی، ہینڈل گھمایا، لیکن وہ بھی بند تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اندر کہیں چیخنے کی سکت ختم ہو رہی تھی کہ اچانک ایک زوردار آواز سنائی دی۔ ایک شعلوں میں لپٹی پردوں کی لڑی دھڑام سے نیچے گری، اور اس کے ساتھ اس کی لرزتی چیخ بھی گونج اٹھی۔ وہ کمرے کے وسط میں سہم کر کھڑی تھی، دہکتی زمین، جھلستے در و دیوار، بند راستے، اور آگ جو

اب صرف چیزوں کو نہیں، بلکہ اس کی ہستی کو نگلنے چلی تھی۔

☆..☆..☆..☆

خان حویلی کا بھاری بھرکم مرکزی گیٹ آہستگی سے کھلا، اور لمحہ بھر میں سیاہ اور سفید رنگ کی گاڑیوں کا قافلہ اندر داخل ہوا۔ ان گاڑیوں کے بیچ، ایک تیز سائرن بجاتی ایمبولینس بھی موجود تھی، جو جیسے حویلی کی صدیوں پرانی خاموشی کو چیختے ہوئے چیرتی چلی آئی تھی۔

ایمبولینس کا شور صرف آواز نہیں تھا، بلکہ وہ ایک المناک اعلان تھا۔ ربان خان، خان حویلی کا ستون، اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

جس گھر کے سامنے سے یہ ایمبولینس گزری، وہ گھر اس کے غم میں خود بخود شریک ہو گیا۔ یہ کوئی شہر نہ تھا جہاں لوگ پردوں کے پیچھے چھپ کر جذبات چھپاتے۔ یہ گاؤں تھا، جہاں ایک کی خبر، سب کی خبر بن جاتی ہے اور یہ خبر چھوٹی نہ تھی، یہ وہ سانحہ تھا جو نہ صرف ایک خاندان بلکہ ایک تاریخ کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

حویلی کے دروازے پر گاؤں کے مرد و زن کا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ چہرے سنجیدہ، آنکھیں اشک بار، لبوں پر کلمے اور دلوں میں غم تھا۔ سفید چادر میں لپٹی ہوئی لاش، گاڑی سے اتاری گئی تو رونے کی مدھم مدھم آوازوں نے فضا کو نم کر دیا۔ ایمبولینس کا سائرن اب بند ہو چکا تھا، مگر اس کی بازگشت ہر دل میں بج رہی تھی، جیسے یہ اعلان ابھی مکمل نہ ہوا ہو۔

زوبیہ خانم کے سوا، حویلی کی تمام خواتین لاؤنج میں موجود تھیں۔ زوبیہ خانم، جن کا نروس بریک ڈاؤن دوائیوں اور انجیکشن کے زیرِ اثر کسی حد تک قابو میں آ چکا تھا، سکون آور نیند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ لاؤنج میں موجود ہر چہرہ غم کی لکیروں سے اَٹا ہوا تھا، خاموشی ان کی زبان بن چکی تھی۔ اسی اثنا میں حویلی کے اندر گونجتے ایمبولینس کے سائرن نے اس مفلوج

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خاموشی کو چیر کر رکھ دیا۔ سب چونک کر سیدھی ہو گئیں۔ آنکھوں میں بے یقینی، چہروں پر لرزش۔ اگلے ہی لمحے، دروازہ کھلا، اور زارون، حیدر خان، موسیٰ اور زر خان کندھوں پر جنازے کی چارپائی اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ سفید چادر میں لپٹا وجود، جو اب سانس نہیں لیتا تھا، مگر اس کے وجود کا بوجھ ہر ایک کے سینے پر آن گرا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ایسا لگا جیسے خان حویلی کی چھت ان سب کے سروں پر آ گری ہو۔ ایک درد، ایک سناٹا، پھر اچانک چیخیں، بین، اور آہ و زاری کا ایسا طوفان اُٹھا کہ دیواریں بھی لرز اٹھیں۔ اسماہ خانم، جو کبھی وقار کی تصویر ہوا کرتی تھیں، اُس لمحے خود کو روک نہ سکیں۔ ان کی نگاہیں، جنازے کے گرد حلقہ بنائے سب پر بھٹکتی رہیں، جیسے کسی آشنا چہرے کی تلاش میں ہوں۔

"خان! یہ کس کا جنازہ لیے آئے ہو؟" وہ دہلتی آواز میں چیخیں، ان کے وجود میں طوفان امڈ آیا تھا، اور آنکھیں سوال بن کر جنازے کے سفید کفن کو گھور رہی تھیں۔

پری گل، سائرہ، اور زرمینے کی ہراساں آنکھیں سفید چادر سے ڈھکی چارپائی پر جمی ہوئی تھیں، ان کے اندر کی دنیا جیسے سن ہو چکی تھی۔ اسماہ خانم ایک قدم آگے بڑھیں، حیدر خان کے جھکے شانے، ان کی خاموشی، اور زخم خوردہ آنکھیں یہ سب کچھ ایک کربناک اعلان تھا۔

"ہم پوچھ رہے ہیں، کون ہے یہ؟" ان کے الفاظ اب التجا بن چکے تھے۔ زر خان خاموشی سے نظریں جھکائے پلٹا اور واپس چلا گیا۔ اب وہاں صرف خان حویلی کے مکین رہ گئے تھے وہ بھی ٹوٹے، بکھرے اور نامکمل۔

"باران باران کہاں ہے ہمارا؟ خان باران؟" اسماہ خانم کی آواز ٹوٹ کر بلند ہوئی۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی ربان خان کا خیال نہیں آیا تھا۔ ان کا ماں ہونے کا دل، اولاد کی غیر موجودگی کو سب سے بڑا خلا مان رہا تھا اور تب حیدر خان کی وہ چٹان جیسی خاموشی، ضبط کا وہ پہاڑ ٹوٹ گیا۔ وہیں زمین پر بیٹھ گئے، اور ایک بے بس مرد کی طرح زار و قطار رونے لگے۔ اب سب کچھ ساکت ہو چکا تھا، سوائے ان سسکیوں، بینوں، اور دکھ سے بوجھل سانسوں کے، جو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خان حویلی کے صحن میں گونج رہی تھیں۔ وہ چارپائی، وہ سفید چادر اب ان سب کے سامنے حقیقت بن کر موجود تھی۔

"لالا، میرے لالا" یہ جملہ نہیں تھا، یہ اعلان تھا کہ ربان خان جا چکے تھے اور اس کے بعد خان حویلی کی دیواروں نے کچھ نہیں سنا، سوائے چیخوں، آہوں، اور ایسے دل شکستہ بینوں کے، جو خون کے آنسو رلا دیتے ہیں۔

سکون آور دوائیوں کے زیرِ اثر زوبیہ خانم کا وجود بظاہر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا، مگر کمرے کی فضا اب بھی ساکت نہ تھی۔ باہر سے آتی بین کی آوازیں، درد میں ڈوبے چیخوں کے سُر، اور لاؤنج میں رکھا جنازہ۔ سب جیسے کمرے کی دیواروں سے سرگوشیاں کر رہے تھے۔

کبھی کبھی کچھ صدائیں نیند کی تہہ میں بھی اتر جاتی ہیں۔ کچھ کرب، دوا کے اثر سے بھی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور کچھ سچ، انسان کی اندرونی نیند کو چیر کر اسے جگا دیتے ہیں۔ زوبیہ خانم نے ہولے سے آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے کو چھت کو خالی خالی نظروں سے دیکھا جیسے روح واپس آتے ہی جسم پر حیرت طاری ہو گئی ہو۔ اُن کے لب ہولے سے ہلے، سانسیں بے ربط

ہوئیں۔ کمرے میں سنّاٹا تھا، لیکن باہر باہر کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ پھر یکدم ایک چیخ، کوئی مانوس صدا، کوئی بین اُن کے کانوں سے ٹکرا کر دل تک اُتر گئی۔ ان کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔ وہ بستر پر نیم دراز سی اٹھنے لگیں، کمبل ایک طرف سرکا، اور ان کے چہرے پر ایک انجانی بے چینی ابھرنے لگی آنکھیں کسی نہ دکھنے والے خطرے کو تلاش کرنے لگیں۔

"یہ کیسا شور ہے یہ کون رو رہا ہے؟" ان کی آواز دھیمی، پر اندر سے لرزتی ہوئی نکلی۔ ان کے قدم لڑکھڑاتے ہوئے بستر سے نیچے اترے، وہ دروازے کی طرف بڑھیں۔ قدم جیسے کسی انجانی کشش کے تابع تھے ہر قدم کے ساتھ ان کے دل میں خدشات گونجنے لگے۔ جونہی وہ دروازے کے قریب آئیں، تو باہر سے آتی آوازیں سن کر وہ اب کسی شک میں نہیں رہی تھیں، یہ بین، یہ آہ و بکا یہ کوئی معمولی سانحہ نہیں، یہ دل کو چیر دینے والی قیامت تھی۔ انہوں نے دروازہ کھولا، اور جیسے ہی آنکھوں کے سامنے سفید چادر میں لپٹی چارپائی نظر آئی، ان کی پوری دنیا اندھیرے میں ڈوب گئی۔

"خان" یہ نام ان کے لبوں سے نہیں، دل سے نکلا۔ جیسے برسوں کی پہچان نے ایک لمحے میں سب کہہ دیا ہو۔ ان کی آنکھیں پھیل گئیں،

زبان پر سکت نہ رہی، اور جسم سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ وہ وہیں دہلیز پر قدم جمائے، آنکھوں کے سامنے موجود منظر کو یقین نہ آنے والے انداز میں گھورتی رہیں۔ ان کے آنکھیں موندے شوہر کے گرد سب بیٹھے رو رہے تھے۔ ان کا دل بس یہ کہہ رہا تھا کاش یہ خواب ہو، ایک برا بھیانک خواب، پر یہ بھیانک تھا پر ایک خواب نہیں، حقیقت۔ "دنیا کے سب سے سنگدل سچ کو اگر کوئی نام دیا جا سکتا ہے، تو وہ حقیقت ہے، جو نہ دلیل مانگتی ہے، نہ رحم۔" جو حویلی کچھ وقت پہلے خوشیوں کے شادیانے بجا رہی تھی، وہیں اب آہیں گونج رہی تھیں۔

"نہیں نہیں، یہ یہ میر خان نہیں ہو سکتا" ان کے لب کپکپائے، اور آنکھوں سے آنسو جیسے کسی پچھلے جنم کا دکھ لے کر برسنے لگے۔ پھر وہ ایک دل خراش چیخ کے ساتھ زمین پر گر گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خواتین نے لپک کر انھیں تھاما۔ صحن میں اب ایک اور بین بلند ہوا تھا؛ بیوگی کی چادر، شوہر کی جدائی، اور حویلی کی فضا جو اب ماتم کا مستقل لباس پہن چکی تھی۔

☆..☆..☆..☆

سیاہ کار مارگلہ ہلز کی جانب بجلی کی رفتار سے لپک رہی تھی۔ ہر گزرتا لمحہ، باران کے دل میں پھیلتی بے چینی کو مزید سنگین کرتا جا رہا تھا۔ وہ بار بار اپنے گارڈز کو کال کر رہا تھا اُنہیں جنہیں اُس نے زارا کی حفاظت کے لیے فلیٹ کے نیچے تعینات کیا تھا، مگر نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔ وہ بار بار زارا کے موبائل، گھر کی لینڈ لائن، حتیٰ کہ انٹر کام تک پر کال کرنے کی ناکام کوششیں کر چکا تھا۔

اب اس کا دل محض دھڑک نہیں رہا تھا، چیخ رہا تھا۔

گاڑی کی رفتار، دل کی دھڑکن سے ہم آہنگ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ مارگلہ کی جانب پھیلتی خنک ہوا اب اوس کی صورت گالوں سے ٹکرا رہی تھی، مگر اس کی روح تو جیسے بھسم ہو رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ پچھتایا۔ہاں، سختی سے پچھتایا،اُس لمحے کو جب اس نے زارا کو اپنے ساتھ نہ لانے کا فیصلہ کیا تھا۔وہ اسے دوبارہ اُس جگہ نہیں لے جانا چاہتا تھا

جہاں اُس کی بیوی کی عزت پر حرف آیا تھا،پر اباب سب بے معنی لگ رہا تھا۔ کہاں کی ناراضگیاں؟ کہاں کے شکوے؟

"شکوے زندگی کی طرح مختصر ہونے چاہییں، کیونکہ کچھ باتیں دل میں رہ جائیں تو کفن بھی ہلکا نہیں رہتا۔"

ایک گھٹن،ایک ندامت،ایک اذیت باران نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی،اور پاگلوں کی طرح چیخ پڑا۔اُس کا ضبط اب تکلیف کے ملبے کے نیچے دبا پڑا تھا،وہ ٹوٹ رہا تھا،لمحہ بہ لمحہ۔یہ ستائیس فروری کا دن تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

وہ سر اسٹیئرنگ پر ٹکائے، آنکھیں میچیں،ہانپتا،لرزتا،اپنی سانسوں سے لڑتا ہوا بس ایک آواز پکار رہا تھا...

"شاہ! کہاں چلا گیا تُو؟ خدارا، جلدی آجا تیرا باری کمزور پڑ رہا ہے شاہ!" وہ جس مقام پر کھڑا تھا، وہاں رشتوں کے نام فقط پکار بن جاتے ہیں، اور اس لمحے وہ صرف اپنے بھائی کو چاہتا تھا، اپنے سائے کو، اپنی طاقت کو۔ ایک کے بعد ایک دھچکے نے جیسے اُس کی روح کی ہڈیوں میں دراڑ ڈال دی تھی اور اب صرف ایک دعا باقی تھی "شاہ، تُو لوٹ آ ورنہ میں بکھر جاؤں گا"!

اس نے کچھ لمحے اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے آنکھیں بند رکھیں۔ گہری، بوجھل سانسیں جیسے اس کے اندر پھنسے لفظوں کو راستہ دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا، جیسے وہ ہر ممکن طریقے سے اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہو کہ "نہ جاؤ، ابھی نہیں، شاید دیر ہو چکی ہے۔" مگر وہ جانتا تھا، وہ رک نہیں سکتا۔ زارا صرف اس کی بیوی نہیں تھی، وہ اس کی پناہ، اس کا سکون، اس کی مکمل دنیا بن چکی تھی اور وہ اُسے کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا، ماتھے سے تھوڑی تک، جیسے خود کو ہوش دلانے کی کوشش ہو۔ پھر اپنی داڑھی پر ہاتھ رکھا، بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کیا اور ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر

اسٹیئرنگ مضبوطی سے تھاما۔ اگلے لمحے گاڑی اسٹارٹ کی اور رفتار بڑھادی۔ دو گھنٹے کا فاصلہ جیسے صدیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ راستہ، ہائی وے، آس پاس کے بدلتے مناظر۔

کچھ بھی اس کی توجہ کا مرکز نہیں تھا۔ ہر گزرتا کلومیٹر دل کی بے چینی بڑھا رہا تھا۔ آخر کار جب وہ سوسائٹی کے مین گیٹ کے قریب پہنچا، تو اُسے کچھ غیر معمولی سا محسوس ہوا۔

راستے کے دونوں طرف لوگ پریشان سے کھڑے تھے، کچھ فون پر بات کر رہے تھے، کچھ آپس میں محو گفتگو تھے۔ اُس نے نادانستہ طور پر گاڑی کی رفتار کم کر دی۔ اُس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ سوسائٹی کے اندر ایمبولینس کھڑی تھی، فائر بریگیڈ کی گاڑی کے سائرن بند ہو چکے تھے لیکن اُن کی موجودگی ہی کافی تھی اُس کے قدموں کے نیچے سے زمین کھینچنے کے لیے۔ ان گاڑیوں کے باعث اس کے اپارٹمنٹ کا فرنٹ ویو چھپ چکا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے وہ باہر دیکھنے لگا۔ ہوا میں جلی لکڑی کی بو تھی، اور کہیں دور سے شور کی دبکی ہوئی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے ہی اُس نے مزید آگے گاڑی بڑھائی، اُس کی نظر ایک اسٹریٹ پر گئی جہاں ایک مکان کی چھت سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اُس نے بنا کچھ سوچے فوراً گاڑی وہیں روک دی۔

گاڑی سے باہر نکلا تو قدم خود بخود اُس سمت دوڑنے لگے۔ دل میں اٹھتی بے چینی اب سراسر خوف بن چکی تھی اور وہ خوف بے بنیاد نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا، وہ دھواں اُس کے اپنے گھر کی چھت سے اٹھ رہا تھا۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب اس کے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہنے والا رمیز نامی لڑکا اسے دیکھ کر فوراً اس کی جانب لپکا۔ اس کے یوں اچانک سامنے آجانے پر باران کو مجبوری میں اپنے قدم روکنے پڑے۔

"ارے باران بھائی، آپ؟ میں کب سے آپ کو ہی کال کر رہا تھا آپ کے گھر پہ آگ لگ گئی تھی!" لفظ 'آگ' پر باران کے کان جیسے سُن ہو گئے۔ اس نے رمیز کی بات کا بقیہ حصہ سنے بغیر دیوانہ وار اپنے اپارٹمنٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پیچھے رمیز اُسے آوازیں دیتا رہ گیا۔

وہ جیسے ہی اپنے اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچا تو وہاں موجود چند ہمسایوں نے فوری طور پر اُسے بازو سے پکڑ کر روکنے کی کوشش کی، لیکن وہ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر ہاتھ جھٹک کر اندر گھستا چلا گیا۔ اس کے قدم سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اور بھی بے تاب ہو رہے تھے۔ آگ پر قابو تو پا لیا گیا تھا، مگر پوری عمارت اب بھی دھوئیں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زاویے پر سیاہی، جلی ہوئی ہوا کی بُو اور گھٹن تھی۔ وہ عمارت جو کبھی اُس کے خوابوں کا پتا تھی، اب اپنی ساری خوبصورتی کھو چکی تھی۔ نیچے والے فلور پر بکھرے جلے ہوئے صوفے، راکھ میں لت پت

پردے، اور دیواروں پر پھیلا ہوا سیاہ دھواں یہ سب کچھ اس کے دل کو چیر رہا تھا۔

"زارا!" وہ اپنے حواس سے بے قابو ہوتا تیز آواز میں چیخا، "زارا کہاں ہو تم؟" اس نے جیسے ہی کمرے کے دروازے کو ہاتھ سے

دھکا دے کر کھولا تو لکڑی گرم ہونے کی وجہ سے اس کا ہاتھ جل گیا جس کی پرواہ کیے بنا وہ تیز آواز میں اسے پکار رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلنے پہ ایک زوردار دھوئیں اور جلے کی بدبو کا بھبھوکا اس کی ناک سے ٹکرایا، جس پہ اس نے فوراً ناک پہ ہاتھ رکھتے اندر کی جانب قدم بڑھائے۔ بیڈ، مکمل جل چکا تھا، پردے نیچے پڑے تھے، ہر شے برباد ہو گئی تھی پر اسے اس سب بے جان چیزوں کی نہیں بس اس کی فکر تھی جو اس کی جان تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"زارا،دیکھو! تمہارا سائیں آ گیا!زارا کہاں ہو تم؟"وہ پاگلوں کی طرح کمرے کی ہر شے کو الٹ پلٹ کرتا اپنے دل کی دھڑکنوں کو دبانے کی کوشش کرتا زارا کو تلاش کر رہا تھا، لیکن جب اس نے واش روم کا دروازہ لات مار کر کھولا تو وہ دم بخود رہ گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا،وہ کہاں تھی؟اگر یہاں نہیں تھی تو پھر وہ کہاں جا سکتی تھی؟اس کا سانس ناگوار بو کے سبب تیز ہو رہا تھا،اور اس کی آنکھیں پانی سے بھر چکی تھیں،یہ شاید تکلیف اور خوف کی شدت سے تھا۔ وہ ٹھیک تھا،اگر شاہ نہ آیا تو اس کا باری بکھر جائے گا۔ اسی کیفیت میں وہ واپس پلٹ کر باہر دوڑنے لگا۔ وہ اس وقت کسی بنجارے کی مانند لگ رہا تھا جو اپنا قیمتی اثاثہ کھونے کے ڈر سے تڑپ کر رہ جاتا ہے۔

اس کا دماغ سوالوں سے بھر چکا تھا،"میری بیوی کہاں ہے؟وہ ٹھیک تو ہو گی نہ؟اسے کچھ ہوا تو نہیں نہ؟"یہ سوال بار بار اس کے دماغ میں گونج رہے تھے،جیسے کوئی کٹتی ہوئی دھار ہو جو اس کی سوچوں کو چیر رہی ہو۔ وہ جیسے ہی اپارٹمنٹ کے دروازے سے باہر نکلا تو وہاں کھڑے لوگ اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ اس کا گاؤں نہیں تھا جہاں ہر کوئی دوسرے

کے غم میں شریک ہونے کو کھڑا ہوتا ہے بلکہ یہ شہر تھا جہاں سب اس تماشے کو خاموشی سے دیکھنے کو جمع تھے۔

"میری بیوی! میری بیوی کہاں ہے؟!" وہ بے بسی سے باہر کھڑے لوگوں کو دیکھ کر بولا، جیسے اس کی روح بھی اسی سوال میں گم ہو گئی ہو۔ اس کی آواز سن کر، رمیز دوڑ کر اس کے پاس آیا۔

"باران بھائی! آپ میرے ساتھ آئیے، میں آپ کو بتانے والا تھا، لیکن آپ میری باتوں پر دھیان نہیں دے رہے تھے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"رمیز، فضول باتیں مت کرو، مجھے بتاؤ، میری بیوی کہاں ہے؟!" باران کی آواز میں بے قراری اور غصہ تھا، جیسے وہ کسی کا شکار کی طرح، اپنا پورا وجود اس سوال میں ڈال چکا ہو۔

رمیز نے آہستہ سے جواب دیا، "بھابھی کو اسپتال لے گئے ہیں، یہی پاس والے اسپتال میں" اس کے ایڈریس بتاتے ہی شکنوں سے مزین کرتے والا نوجوان مرد نے اپنی گاڑی کی طرف تیز قدموں سے رخ کیا، جیسے اُس کا پورا وجود صرف ایک ہی مقصد کے لیے تھا۔ جلد

از جلد اپنی زارا کے پاس پہنچنا۔اس نے آج تک کبھی خود کو اتنا کمزور محسوس نہیں کیا تھا جتنا آج کر رہا تھا،نہ تو اسے اس جلے ہوئے گھر سے سروکار تھا اور نہ ہی وہاں موجود لوگوں سے،اسے اس وقت پوری دنیا نہیں صرف وہ چاہیے تھی جس کو صحیح سلامت دیکھنے کے لیے اس کی آنکھیں سخت بے چین تھیں۔روح کا ساتھی اگر تکلیف میں ہو تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو پرسکون نہیں کر سکتی۔

☆..☆..☆..☆

برستی بارش کھڑکی کے شیشوں سے ٹکراتی پھسلتی جا رہی تھی،بالکل انارہ کے آنسوؤں کی طرح جو اس کے رخسار پہ کسی دھار کی طرح بہہ رہے تھے۔وہ بیڈ پہ سمٹ کر بیٹھی چہرہ گھٹنوں پہ ٹکائے پچھلے تین گھنٹوں سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔وہ اس وقت فارم ہاؤس میں موجود ایک چھوٹے سے کمرے میں تھی،ساتھ والے کمرے میں زینب دوا کے زیرِ اثر گہری نیند میں تھی،بہرام کہاں تھے اسے معلوم نہیں تھا،اسے صرف اتنا پتا تھا کہ اس کا دل کرچیوں میں ٹوٹ چکا تھا جسے اب دنیا کا کوئی دلاسہ جوڑ نہیں سکتا تھا۔جس ماں کی خواہش

کرتے وہ جوان ہوئی تھی اسی نے اسے ٹھکرا دیا تھا،اب کیا رہ گیا تھا۔بالکل ایسے جیسے رات تھک کر چاند سے لپٹ جائے وہ بھی تھک چکی تھی،مگر لپٹنے کو اب کوئی تھا ہی نہیں۔

اس کے کمرے سے نکل کر اگر نیچے کی جانب نگاہ ڈالی جائے تو لاؤنج میں رکھے دراز صوفے پر ایک سایہ سا دکھائی دیتا ہے،ایک مرد،جو خاموشی کے دائرے میں بیٹھا سگار کے دھویں میں اپنے ہی خیالات کو جلا رہا ہے۔دھواں آہستہ آہستہ فضا میں تحلیل ہو رہا ہے،جیسے وہ سوچیں جنہیں وہ لفظوں میں ڈھالنے سے قاصر ہے۔اس کی آنکھیں سرخی مائل شہد جیسی گہری دیوار پر جم گئی تھیں،مگر وہ دیوار نہیں،شاید اپنے اندر کی کسی پرانی شکست کو گھور رہا تھا۔بارش شدت اختیار کر چکی تھی۔کھڑکیوں سے بارش کا پانی یوں ٹکرا رہا تھا جیسے وقت بے دردی سے یادوں کو کوٹ رہا ہو۔ہر چند لمحوں بعد بجلی کڑکتی،اور پوری فضا میں ایک ہلکا سا لرزہ سا دوڑ جاتا۔یہ رات جیسے صرف موسم کی نہیں،ان سب کے اندر کی تھی۔ٹوٹی ہوئی،بھیگی ہوئی،ساکت سی۔وہ انارہ کے دروازے پر بار بار دستک دے چکے تھے۔پہلے آہستگی سے جیسے امید ہو کہ وہ جواب دے گی،پھر بے بسی سے جیسے دل ماننے کو تیار نہ ہو،اور پھر خاموشی سے

جیسے تسلیم کر لیا ہو کہ اب کوئی جواب نہیں آئے گا۔ وہ بے بس ہو چکے تھے نہ صرف جسمانی طور پر، بلکہ جذبات کی سطح پر بھی، جیسے کوئی اندر ہی اندر چپکے سے ریزہ ریزہ ہو رہا ہو۔ وہ اب اپنے سائے سے بھی نظریں چرا رہے تھے اور کچھ لوگ روشنی سے نہیں، اپنے سائے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اب وہ وہاں، اس صوفے پر بیٹھا تھا، ہاتھ میں سلگتا سگار، اور چہرے پر ہار مان لینے کی پرچھائیں تھی۔ کچھ ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ داخلی دروازے پر دستک ہوئی۔ ہلکی مگر سنائی دینے والی، جیسے خاموشی کی قبر میں کوئی کنکر پھینک دے۔ وہ چونکے۔ آنکھیں فوراً دیوار پر لگی ایل ای ڈی اسکرین کی طرف اٹھ گئیں، جہاں سی سی ٹی وی فوٹیج میں باہر کا منظر جھلملا رہا تھا۔ بارش کے قطروں میں بھیگی تصویر میں چوکیدار دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا باکس تھا، جسے وہ دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑا تھا۔

انہوں نے کچھ اچنبھے سے گھڑی پر نگاہ ڈالی، رات کے ٹھیک تین بج رہے تھے۔ ملازمین کی اتنی جرأت نہ تھی کہ اس پہر انہیں پریشان

کرنے کی جرأت کرتے۔اس گھڑی میں اگر کوئی دروازے پر آیا تھا، تو وہ بے وقوف تھا یا نڈر۔انہوں نے آہستگی سے سگار ایش ٹرے میں رکھا، پھر دبے قدموں چپل پہن کر مین ڈور کی طرف بڑھے۔کچھ دروازے، جب کھلتے ہیں تو صرف باہر نہیں، اندر بھی بہت کچھ بدل جاتا ہے۔دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ جماتے ہوئے ان کی نگاہ ایک بار پھر دیوار پر نصب ایل ای ڈی اسکرین پر گئی، چوکیدار اب بھی ویسے ہی کھڑا تھا، ہاتھ میں وہی باکس، بارش میں بھیگا ہوا، لیکن اس بار ان آنکھوں میں کچھ بدل چکا تھا۔چیل سی تیزی، اور برف سی سرد مہری ایک ایسی خاموش درندگی جو صرف نظر میں نہیں بلکہ ان کی پوری شخصیت میں پھیلی ہوئی تھی۔

یہ وہ آدمی تھا جس کی خاموشی گرج سے زیادہ مہلک تھی اور اس کے فیصلے طوفان لاتے تھے، لیکن آج وہ بہت محتاط انداز میں قدم اٹھا رہے تھے کیونکہ وہ اس وقت اکیلے نہیں تھے۔

دروازہ کھولنے سے پہلے لمحے بھر کو وہ رکے اور پل کی دیری کیے بنا دروازہ کھول دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"افضل خان کیا تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں؟" دروازہ کھلتے ہی وہ آواز برف جیسی ٹھنڈی اور سانپ کی سرسراہٹ جیسی خالی تھی۔ چوکیدار کا رنگ فق ہو گیا۔ نظریں نیچی، ہاتھ کپکپا گئے۔ وہ لمحہ جیسے وقت کی سانس روک گیا ہو۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی اس درندہ صفت شخص کے پاس کام نہ کرتا۔

"نہیں صاحب وہ، وہ آپ کے نام کا پارسل آیا ہے اور ساتھ پیغام بھی تھا کہ اسے فوراً کھولا جائے۔ یہ، یہ رہا کاغذ۔" افضل خان نے گھبراہٹ میں جملہ مکمل کیا اور پلاسٹک میں لپٹا ہوا کاغذ بہرام کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے، جیسے اس پیغام میں کچھ جان لیوا ہو۔ بہرام نے بنا پلک جھپکائے کاغذ چھینا، اور تیزی سے اس پر لکھی سطر پر نگاہ ڈالی۔

"اسے فوراً کھولو ورنہ ساری زندگی پچھتاؤ گے۔" لفظ سادہ تھے، مگر سیاہی کچھ اور بول رہی تھی۔ اس نے وہ سطر دوبار پڑھی۔ پھر ایک بار اور، جیسے یقین نہ آیا ہو کہ کوئی اسے حکم دینے کی جرأت کیسے کر سکتا ہے۔ اس نے گردن موڑ کر اُس سرخ باکس کی طرف دیکھا، تقریباً دو

فٹ لمبا، چمکدار مگر عجیب سا، جیسے اندر کوئی سانس لیتا وجود ہو۔ بہرام نے فوراً مین ڈور پر لگا ویپن ڈیٹیکٹر آن کیا۔ سسٹم نے چند لمحے کی خاموش اسکیننگ کے بعد "سیف" ظاہر کیا۔ وہ باکس کچھ خاموش سا محسوس ہوا تھا مگر خاموش چیزیں اکثر سب سے زیادہ بولتی ہیں اگر سننے والا بہرام جیسا ہو۔

اس نے وہ باکس اپنے ہاتھ میں اٹھایا۔ وہ وزنی تھا، اور عجیب طور پر برف کی طرح ٹھنڈا۔ ایک لمحے کو جیسے اس کی انگلیاں سن ہو گئیں۔ دروازہ بند کر کے وہ آہستہ آہستہ صوفے کی طرف بڑھا۔ ہر قدم جیسے زمین پر نہیں، کسی انجانے اندیشے کی پرچھائیں پر رکھا جا رہا ہو۔ باکس وزنی، سرخ، اور غیر معمولی طور پر سرد اب میز پر رکھا جا چکا تھا۔ اس کی انگلیوں نے عجلت سے ریپنگ کو کھولا۔ سراسر احتیاط، لیکن آنکھوں میں وہی تفتیشی چمک جو صرف بہرام جیسے آدمی کے اندر ہوتی ہے۔ جیسے وہ ہر دروازے کے پیچھے موت سے زیادہ کسی راز کی تلاش میں ہو، لیکن جب وہ باکس کھلا، ایک یخ بستہ ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، اتنا سرد کہ جیسے وقت کے پر جل گئے ہوں۔ کمرے میں ایک لمحے کو سانس رک گئی۔ فضا

بے صدا ہو گئی اور پھر باکس کھلنے کی دیر تھی اور وقت تھم گیا۔ دھڑ سے الگ کیا گیا ایک بے جان سر خون میں لت پت جمے ہوئے تاثرات میں لپٹا ہوا جس کی آنکھیں اوپر کی جانب اٹھی ہوئی تھیں، ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے، وہ برف کے درمیان رکھا گیا کٹا ہوا سر بہرام کے اندر کی بنیادیں ہلا گیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ بس ساکت کھڑا رہا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا" ذہن میں یہ جملہ گونجا، مگر زبان گنگ تھی۔

بہرام خان نے زندگی میں درجنوں کٹے سر دیکھے تھے۔ کچھ اپنے ہاتھوں سے الگ کیے، کچھ بطور وار ننگ وصول کیے، لیکن یہ...؟ یہ داور تھا۔ داور خان بہرام کا یار، اس کا دستِ راست، اس کا "شریکِ جرم"۔ جس کے ساتھ اس نے ماضی کے کئی راز دفن کیے تھے، اس کا ہاتھ لرز گیا، وہ ہاتھ جو دشمن کی گردن کاٹتے وقت بھی نہیں کانپا تھا، آج تھر تھرا گیا تھا۔

کمرے میں ایک عجیب سی خاموش چیخ گونجی، نہ وہ سنائی دی، نہ دکھائی، مگر فرش پر بیٹھے قالین نے شاید وہ چیخ اپنے رنگ میں جذب کر لی۔ اگلے ہی لمحے بہرام نے باکس کو الٹ کر مارا۔ ٹیبل الٹ گیا۔ سر لڑھک کر فرش پر آ گرا، اور جیسے زمین بھی لمحہ بھر کو سہم گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کون تھا...؟"اس کی آواز میں زہر تھا،ایسا زہر جو رگوں میں نہیں،فضا میں دوڑتا ہے۔

"کس نے یہ جرأت کی...؟"اس نے اپنا موبائل اٹھایا،پھر فرش پر دے مارا۔اسکرین چکنا چور،جیسے صبر کا آخری کنارہ بھی ٹوٹ چکا ہو۔

پھر بہرام نے صوفے کی پشت پر مکا مارا،پھر دیوار پر خون چھینٹا،لیکن چہرہ ویسا ہی پتھر، صرف آنکھیں بدل چکی تھیں۔

"میں قسم کھاتا ہوں جو یہ کھیل کھیل رہا ہے،اسے میں موت نہیں دوں گا میں اسے ایسے تڑپاؤں گا کہ وہ سانس لینا بھول جائے اور پھر میں اسے یاد دلاؤں گا کہ وہ زندہ ہے،صرف اور صرف بہرام خان کے ہاتھوں مرنے کے لیے۔"وہ پاگل ہونے کو تھا۔اس کی نگاہ خون آلود ہوتے فرش پہ گرے سر کی گردن پہ چسپاں ایک نوٹ پہ گئی۔انہوں نے فوراً اس نوٹ کو اتارا جس پہ محض ایک لائن پہ مشتمل تحریر لکھی

تھی۔

"تمہارے ہی خوف سے جنم لیا ہے اب سوچ، کون ہوں میں؟" تحریر سادہ تھی، مگر زہر میں بھیگی ہوئی۔ ایک ایسا جملہ جو صرف دھمکی نہیں تھا، بلکہ ایک اعلانِ جنگ تھا ایک شخص کی، جس نے بہرام خان جیسے آدمی کو اپنے سائے سے ڈرانے کی کوشش کی تھی۔ وہ نوٹ جیسے اس کے حواس پر بجلی بن کر گرا اور اسے ہوش کی دنیا میں زمین پر لا پٹخا۔ بہرام کی آنکھوں کی سرخی تیز ہوئی۔ غصہ، خوف یا حیرت نہیں یہ بہرام کا خالص "چیزوں کو کنٹرول میں لانے" والا چہرہ تھا۔

اس نے فوراً مڑ کر اوپر دیکھا، انارہ کا کمرہ، زینب کا کمرہ دروازے بند تھے، لیکن وہ اب ان بند دروازوں پر بھی یقین نہیں رکھتا تھا۔ جلد بازی میں وہ جھکا، اس سر کو (جسے دیکھ کر کوئی بھی کانپ جائے) اٹھا کر باکس میں واپس رکھا اور قالین پر پڑے خون کو اپنی ہتھیلی اور آستین سے رگڑنے لگا، شدت سے، بے قراری سے، جیسے جرم نہیں کسی خاموشی کا ثبوت مٹانا ہو۔ قالین پر خون کی مہک باقی رہ گئی تھی، اور بہرام کی انگلیوں پر خراشیں، لیکن اس کے چہرے پر صرف ایک چیز تھی "فیصلہ۔" "یہ کھیل اب خوف سے نکل کے موت کے دھانے پر آچکا

تھا۔یہ صرف بقا کی جنگ نہیں تھی،یہ "وجود کی قیمت" ادا کرنے کا وقت تھا۔اگر اس نے فیصلہ نہ کیا تو وہ دشمن کے ہاتھوں نہیں بلکہ اپنی ہی خاموشی میں پتھر کا بت بن جائے گا۔

☆..☆..☆..☆

وہ تیز عجلت بھرے قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔اس کے ہر قدم میں بے چینی کا عنصر جھلک رہا تھا،جیسے وقت خود اس کے خلاف دوڑ رہا ہو۔اسے ایک پل کا سکون میسر نہیں تھا، دل میں شدید کوفت نے گھر کر لیا تھا۔ہاسپٹل کی سرد،سفید دیواروں والی لمبی راہداری سے گزرتے ہوئے اس کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ریسپشن کے قریب پہنچ کر (جہاں ایک کرسی پر بیٹھی عورت تھکی ہوئی اونگ رہی تھی) اس نے زور سے میز بجادی۔شور کے باعث اچانک اٹھ کر وہ ہڑبڑا گئی،جیسے کسی نے اسے نیند سے جھنجوڑ دیا ہو۔

"جی سر؟" اس کی آواز تھوڑی سی لڑکھڑائی۔

"ابھی ابھی فائر سے رسکیو ہو کر ایک لڑکی کو یہاں لایا گیا ہو گا،" اس کی آواز میں سختی اور بے صبری واضح تھی،جیسے نیند اور سکون کی حالت میں بھی وہ مکمل طور پر بیدار ہو گیا ہو۔

"ایک منٹ سر،" ریسپشنسٹ فوراً ہوش میں آ گئی، جلدی سے اپنے بال پیچھے کیے اور کمپیوٹر کی اسکرین کی طرف نظریں جمائیں۔ کی بورڈ پر انگلیاں تیزی سے چلنے لگیں۔ چند سیکنڈز میں اس نے ریکارڈ کھول کر معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔

"جی سر، ابھی کچھ دیر پہلے ایک آدمی ایک لڑکی کو لے آیا ہے، روم نمبر 12، سیکنڈ فلور،" اس نے کہا۔

باران "آدمی" کے لفظ پر رک گیا، دل میں ایک عجیب سی چبھن ہوئی مگر جلدی ہی اس نے سوچا شاید وہ ریسکیو ٹیم کا کوئی رکن ہو۔ وہ جلدی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد جب لفٹ کی بیپ کی آواز گونجی اور وہ دوسری منزل پر رکی، دروازے کے کھلتے ہی باہر نکل کر اس نے ارد گرد دیکھا۔ وہاں تقریباً سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سرد یخ بستہ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی، اور ہاسپٹل کی سفید دیواروں نے ماحول کو اور بھی خاموش اور تنہا بنا دیا تھا۔ اس کی نظریں فوراً روم نمبر 12 کی جانب گئیں، جہاں کے بند دروازے کے ساتھ ایک شخص بینچ پر بیٹھا تھا۔

وہ نوجوان سیاہ کیپ پہنے، کریم رنگ کا جیکٹ اوڑھے، سر جھکائے فون میں مصروف تھا۔ باران نے پہلے تو سوچا کہ شاید اسے غلطی ہوئی ہے، لیکن جب اس نے اس شخص کا آدھا چہرہ سائیڈ سے غور سے دیکھا تو اس کا دل دھڑ کناڑک سا گیا۔ سانس لینا بھول گیا۔ وہ بنا کسی ہچکچاہٹ کے دیوانہ وار اس کے قریب دوڑا۔ اس کے قدموں کی چاپ اتنی واضح تھی کہ وہ سیاہ کیپ والا شخص فوراً اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

جب وہ قریب آیا تو دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ اس مرد کی سنہری آنکھیں زخمی دل کی گہرائیوں کو جھانک رہی تھیں۔ وہ بھی اسی لمحے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک تیز رفتار لمحے میں وہ اس کے قریب پہنچا اور زور سے اس کے سینے سے لپٹ گیا۔

اس شدت سے لپٹنے میں ایسی گہرائی تھی کہ شاہ میر بھی چند لمحوں کے لیے سناٹے میں کھو گیا۔ باران کا ردعمل ایک طرح کا تھا، مگر اس کی

شدت اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی کہ شاہ میر محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنی گردن پر نمی محسوس کی، جیسے باران کی آنکھوں سے آنسو گر رہے ہوں۔ وہ بھی اسی لمحے مضبوطی سے باران کے

گرد بازو لپیٹ گیا۔ وقت جیسے چند لمحوں کے لیے ٹھہر گیا تھا،اور ان دونوں کی دنیا بس ایک دوسرے کے وجود میں سمٹ گئی تھی۔

"باری یار، کیا ہو گیا؟ وہ ٹھیک ہے؟ رو کیوں رہا ہے؟" چند لمحے گزرنے کے باوجود جب باران اس سے دور نہیں ہوا تو شاہ میر کے چہرے پر فکر مندی نے جگہ بنالی۔

"شاہ،" باران نے بھرے ہوئے گلے کے ساتھ اسے پکارا،اس طرح جیسے اس کی روح کے آخری حصے بھی اسی آواز میں بندھے ہوں۔ شاہ میر کو اچانک محسوس ہوا کہ اس کے لوٹنے سے پہلے ہی شاید ایک اور تباہی آچکی ہے۔ دل لرز گیا۔ اسے وہی لمحہ یاد آیا جب وہ مشن سے واپس آیا تھا اور اسے سامنے شہزاد کا جنازہ دیکھنا پڑا تھا کیونکہ اس دن بھی اس کا باران اسی طرح اس کے سینے سے لپٹا ہوا رو رہا تھا۔ وہ جو ہمیشہ مضبوط نظر آتا تھا، تنہائی میں اپنے شاہ کے بازوؤں میں ٹوٹ کر روداد سنایا کرتا تھا۔

"شاہ، میں بہت کمزور پڑ رہا ہوں، تایا جان،" اس کا ضبط ٹوٹ چکا تھا،اور ہچکیاں لیتے ہوئے وہ اپنی بات درمیان میں چھوڑ گیا۔ شاہ میر کو لگا جیسے کسی نے اس کی روح کو بے دردی سے کھینچ

لیا ہو۔اس نے بے یقینی سے اپنے ساتھ لگے باران کو دیکھا جو سچ میں رو رہا تھا۔یہ حقیقت تھی،اس کا باران جلد ٹوٹنے والوں میں سے نہیں تھا،مگر اب وہ ٹوٹ چکا تھا۔

شاہ میر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس دردناک صورتحال پر کیا ردعمل دے۔وہ ایک پل کو ساکت ہو گیا تھا۔تایا جان مطلب وہ تو صبح تک بالکل ٹھیک تھے،وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ انہیں اچانک کیا ہوا،پھر وہ باران کی سچویشن کو دیکھ کر کچھ پوچھ نہ سکا۔البتہ دل یکدم ہی صدمے سے بھر چکا تھا۔اس نے ایک گہری سانس بھری اور نرمی سے اس کی کمر پر ہاتھ رکھا۔وہ جانتا تھا کہ باران اپنے رشتوں کے معاملے میں کتنا حساس تھا۔بھوری آنکھوں والے اس مرد نے آنکھیں بند کرتے ہوئے گہری سانس لی۔وہ بڑا تھا،اسے سب کچھ سنبھالنا تھا۔پھر دھیرے سے آنکھیں کھول کر باران کو آہستہ سے خود سے دور کیا۔

باران کا چہرہ دیکھ کر شاہ میر کا کلیجہ کٹ سا گیا۔سرخ،بھیگا ہوا چہرہ،بکھرے ہوئے بال، سلوٹ زدہ لباس،اور لہو چھلکاتی سرخ آنکھیں وہ منظر ایسا تھا کہ دیکھ کر دل گھبرا جاتا تھا۔وہ بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا کہ اس کا باری ایسی حالت میں ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"باری، تو جانتا ہے نا کہ میں تجھے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا؟ کیونکہ مجھے تکلیف ہوتی ہے،"

وہ اس کا بھیگا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے، انگوٹھے سے اس کے گال پونچھتے ہوئے، اسے حوصلہ دے رہا تھا، جیسے خود کو مضبوط کر رہا ہو۔ وہ ابھی انجان تھا کہ ایک اور خوفناک خبر اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لے گی۔

"نہیں، میں رو نہیں رہا،" باران نے فوراً اپنے لہجے کو قابو کیا تھا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے نظریں پھیر لیں۔ ہاں، وہ کمزور نہیں پڑ

سکتا تھا، لیکن دل کا کیا کرے جو اپنے بڑے بھائی کو دیکھ کر بے قابو ہو گیا تھا۔

"چل میری جان، تو حوصلہ کر جا اندر اس کے پاس، میں حویلی کے لیے نکلتا ہوں۔" اس نے آہستہ مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ جیسے اندر اٹھنے والے طوفان کو بس کچھ لمحوں کے لیے تھاما ہو۔ باران کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا اور اسے دیکھنے لگا، جیسے کہنا چاہتا ہو۔ بس تھوڑا سا سنبھل جا، میں ہوں نا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران چند لمحے کے لیے ساکت ہو گیا۔ شاہ میر کو سامنے پا کر جیسے سب کچھ ذہن سے نکل گیا تھا، یہاں تک کہ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ زارا ابھی اس وارڈ کے اندر ہے کس حال میں ہے۔ اس کی نظریں دھندلا رہی تھیں جنہیں اس نے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے رگڑتے مزید آنکھوں کا ستیاناس کیا تھا۔ اس وقت اس کے دل میں سوالوں کی ایک قطار کھڑی ہو گئی تھی۔

"شاہ، تو تو مشن پہ گیا تھا، پھر اچانک واپس؟ تجھے کیسے پتا چلا کہ وہاں آگ لگ گئی؟" اس کے لہجے میں الجھن تھی۔ سامنے شاہ میر جو اپنا موبائل جیب میں رکھ رہا تھا، جیکٹ کی زِپ بند کرتے ہوئے جیسے خود کو باہر کی ٹھنڈ کے لیے تیار کر رہا ہو لیکن چہرے پر کچھ تھا، ایک سایہ سا، کچھ ایسا جو وہ خود سے بھی چھپا رہا تھا۔

"ہاں، گیا تھا ہم راولپنڈی نکلے تھے، ٹیم کے ساتھ لیکن کچھ حالات ایسے بنے کہ مشن منسوخ کرنا پڑا۔" اس کا لہجہ عام سا تھا، جیسے روزمرہ کی کوئی بات بتا رہا ہو، لیکن جو باتیں وہ لفظوں سے چھپا رہا تھا، وہ شاید اس کے لہجے کی اجنبیت سے ظاہر ہو رہی تھیں پر مقابل اس پر بالکل غور

نہ کر سکا تھا۔ "پھر زارون کی کال آئی۔ اُس نے بتایا کہ تُو نے سرداری چھوڑ دی ہے، اور تایا جان نے تجھے حویلی سے نکال دیا۔ میرا واپسی کا پلان تین دن بعد کا تھا مگر یہ سب سن کر بس دل نہیں مانا۔ سیدھا واپس نکل پڑا۔" وہ کچھ پل چپ رہا، پھر ہلکا سا سانس لیا۔ "مجھے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ میرے فون کی بیٹری ختم ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا، سیدھا تیرے پاس آ جاؤں۔ جب تیرے فلیٹ پہنچا..." وہ رک گیا۔ آواز کچھ کھو سی گئی۔ باران کی آنکھیں اس کے چہرے پر ٹک گئیں، آنکھوں میں ایک انجانا سا خوف اُمڈ آیا تھا۔ شاہ میر نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تیرے فلیٹ کو آگ نے گھیر رکھا تھا۔ ہر طرف دھواں تھا، چیخیں، لوگ بھاگ رہے تھے میں فوراً اندر کی طرف دوڑا اور جو منظر میں نے

دیکھا وہ مجھے حیران کر گیا" وہ پھر خاموش ہو گیا۔ باران کی سانس تھم سی گئی۔ اگلے لمحے وہ جملہ ہوا میں تیر کی طرح گونجا۔

"زارا وہاں زخمی حالت میں پڑی تھی۔" باران کا دل جیسے ڈوب گیا۔ وہ ساکت ہو گیا۔ آواز تک نہ نکلی۔

"زارا" اس کے ہونٹ بمشکل حرکت کر پائے۔ آواز جیسے حلق میں ہی پھنس گئی۔

"باقی تو اندر جا کر خود ہی دیکھ لے، لیکن ایک بات ضرور کہنی پڑے گی، وہ بچی کم عمر ضرور ہے، مگر حیرت انگیز حد تک سمجھدار ہے۔" شاہ میر نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا، اور باران، بنا کسی لمحے کی تاخیر کے، وارڈ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

کاریڈور ایک بار پھر گہری خاموشی میں ڈوب گیا تھا۔ اس لمحے، اگر کوئی شاہ میر کے چہرے پر نظر ڈال لیتا، تو ضرور چونک اٹھتا، کیونکہ یہ وہ چہرہ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نہیں تھا جو کچھ دیر پہلے اپنے بھائی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شفقت کا رنگ یکسر غائب ہو چکا تھا اور نرمی، جیسے کہیں پیچھے رہ گئی ہو۔ اس کی نظریں اب ایک ٹھوس بے حسی سے معمور تھیں، لب بھینچے ہوئے تھے۔ وہ اب دھیمے قدموں سے، ہونٹوں پر ایک مدھم سی سیٹی کی دھن بکھیرتا، ہاتھ جیب میں ڈالے لفٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ہسپتال کی اس ساکت فضا میں، جیسے خود وقت تھم کر اس پراسرار وجود کو تک رہا ہو۔ وہ اس کہانی کا نا سمجھ

آنے والا کردار تھا۔ یہ وہ مرد تھا جس کے خدوخال اب کچھ اور کہانی سناتے تھے۔ اس کی چال میں، اس کی گردن کے خفیف خم میں، اس کے قدموں کی ترتیب میں کچھ تو تھا جو آسانی سے سمجھ نہیں آتا تھا۔ ایک چھپی ہوئی لہر، جیسے اندھیرے کی تہہ میں موجزن ہو۔

اقتدار کی جنگ میں بہت کچھ ایسا تھا جو اب آہستہ آہستہ پردے کی اوٹ سے نکل کر سیاہ دھوئیں کی صورت ہر سو پھیلتا جا رہا تھا۔ کچھ کہانیاں ایسی ہوتی ہیں جو الفاظ میں نہیں کہی جاتیں، بلکہ کرداروں کی آنکھوں، قدموں، اور خاموشیوں میں پنہاں ہوتی ہیں۔ شاہ میر کی خاموشی بھی شاید اب ایک ایسی ہی کہانی کا موڑ تھی جس کا انجام کوئی نہ جانتا تھا، لیکن جس کی سیاہی پہلے ہی منظر نامے پر اترنا شروع ہو چکی تھی۔

☆..☆..☆..☆

"مسز باران، پلیز ہلیے مت۔" دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ ہی یہ جھنجھلائی ہوئی تنبیہ باران کے کانوں میں پڑی۔ وہ لمحہ بھر کو رکا، پھر نگاہ بے تابی سے کمرے میں دوڑاتے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں موجود نفوس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسپتال کے مخصوص

سفید ماحول میں، آنکھوں کو پہلی چیز جو ٹھہرا لینے پر مجبور کر گئی، وہ ہولڈنگ بیڈ پر نیم دراز ایک نسوانی وجود تھا۔ بے بس، نڈھال، اور ٹوٹا ہوا۔ وہ زارا تھی۔ اس کی زارا۔

اسپتال کا سفید لباس زیب تن کیے، کھلے بال شانوں پر بکھرے ہوئے، دائیں ٹانگ اسٹینڈ کے سہارے اوپر کو اٹھائی گئی، جس پر ایک لیڈی ڈاکٹر تازہ پلستر چڑھا رہی تھی۔ ایک طرف نرس، ہاتھ میں پلستر والا محلول لیے کھڑی تھی، چہرے پر خاموش پیشہ ور سنجیدگی سجی ہوئی، مگر زارا کی آنکھیں وہ کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔ وہ آنکھیں جو صبح تک زندگی سے لبریز تھیں، وہ اب لبالب آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ بار بار اپنا چہرہ ہاتھوں سے رگڑتی، وہ ایسی ٹوٹ پھوٹ کا منظر پیش کر رہی تھی جو باران سے برداشت نہیں ہو سکا۔

"زارا!" بس ایک ہی پکار اور وہ فوراً چہرے سے ہاتھ ہٹاتی، بے ساختہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ لمحہ بھر کے لیے کمرے کی سب آوازیں رک سی گئیں۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی پلکیں تکلیف سے لرزیں، لب ہلے۔

"سائیں!"اس کی آواز میں ایک بے بسی تھی جو لفظوں میں قید نہیں ہو سکتی تھیاور پھر بے ساختہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ اونچی آواز میں رونے لگی، جیسے اُس ایک شخص کے آنے سے اندر کا سارادرد باہر اُمڈ آیا ہو۔

باران تیزی سے قدم بڑھاتا اس کے قریب آیا،اور بنا کچھ کہے بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ جواب ضبط کی حدیں پار کر چکی تھی،رو پڑی پوری

قوت سے، بچوں کی طرح۔ وہ اس کے سینے سے لپٹ گئی، جیسے کوئی محفوظ پناہ ملی ہو۔ اس نے فوراًاسے خود سے لگایا۔ اس کا دل اسے اس حالت میں دیکھ کر پھٹنے کو تھا۔

"سائیں کی جان،ادھر دیکھو میری طرف۔"وہ اس کا چہرہ اپنے سینے سے نکالتے ہوئے ہاتھوں کے پیالے میں بھر گیا، جواب بھی آنکھیں میچیں رو رہی تھی۔ اس کی پیشانی اور گال پہ پڑی ہلکی کھروچیں اور سوجی آنکھیں باران کے دل پہ گھونسے کی طرح پڑیں۔ دل ملال سے بھر گیا۔ وہ کیوں اس کی حفاظت نہیں کر سکا؟ڈاکٹر اپنا کام کر چکی تھی اس لیے وہ اب سائیڈ پہ کھڑی اپنے ہاتھ دھو رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مھربانی وکہ ئی مہ ژا ہ، کہ نہ نوزہ بہ لہ شرمہ مہ شم (خدارا مت رو، ورنہ میں شرم سے مر جاؤں گا)۔" وہ اس کے بکھرے بالوں کو سہلاتے ہوئے بے چینی سے بولا تو وہ تھم سی گئی۔ کیا اس کا سائیں اس کے رونے سے تکلیف میں تھا؟ اگر ہاں تو وہ کیوں دیتی اسے تکلیف۔

اس کی آواز میں اضطراب، تشویش، اور ایک عجیب سی بے بسی تھی۔ وہ اُس مضبوط شخص کا عکس نہیں تھا جو باہر دنیا کے لیے پتھر دل دکھائی دیتا تھا۔ یہ ایک ایسا شوہر تھا جو اپنی بیوی کی تکلیف پر اندر سے ٹوٹ رہا تھا۔

سیاہ آنکھوں والی لڑکی مسلسل سسکیاں لے رہی تھی، پر وہ اب رو نہیں رہی تھی۔ اس کی آواز رندھ گئی تھی، اور جسم لرز رہا تھا۔ وہ باران کے سینے سے لگی درد سے ٹوٹتے وجود سے بس اتنا کہہ پائی۔

"سائیں، بہت تکلیف ہو رہی ہے اور وہ وہ ڈاکٹر بار بار ڈانٹ رہی تھی۔" یہ کہتے ہوئے وہ سسکی، تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ ڈاکٹر کے چہرے پر شرمندگی کی ہلکی سی جھلک

ابھری۔ باران نے ایک قہر بھری نظر اس ڈاکٹر پر ڈالی، اتنی سرد کہ اگر الفاظ ہوتے تو قہر برستا، لیکن فی الحال اسے زارا کی کنڈیشن کے بارے میں جاننا تھا۔

"Tell me about her condition."اب وہ سنجیدگی سے ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہوا۔

وہ لمحہ بھر کو خاموش رہی، پھر آہستگی سے بولی۔ "مسٹر باران، آپ کی مسز کو کچھ آگ سے جلے ہوئے زخم آئے ہیں ہاتھ اور پاؤں پر، اور غالباً کسی بلند جگہ سے گرنے کے باعث بائیں ٹانگ میں فریکچر ہو چکا ہے۔ البتہ ان کے فوراً آگ والی جگہ سے نکلنے سے کافی بچت ہو گئی اور یہ کسی بھی قسم کے شدید نقصان سے بچ گئی ہیں۔" ڈاکٹر کی آواز میں اب احتیاط شامل تھی۔ وہ کافی میچور اور سینسیبل خاتون تھی جو بات کو بڑھانے کے بجائے طریقے سے ہینڈل کر رہی تھی۔

"اور میں ان کو ڈانٹ نہیں رہی تھی، بس وہ بار بار حرکت کر رہی تھیں جس سے پلستر لگانے میں دشواری ہو رہی تھی، تو بس اسی لیے تھوڑی سختی سے کہا تھا۔ دیٹس آل، نتھنگ

پرسنل۔ "باران نے خاموشی سے بات سنی مگر اس کی نظریں زارا پر جمی تھیں جو اب بھی اُس کے سینے سے لگی، اپنے گال رگڑ رہی تھی۔

"اوکے، تھینک یو۔ اب آپ جا سکتی ہیں، باقی میں ہینڈل کر لوں گا۔" گھمبیر اور مضبوط لہجہ۔

ڈاکٹر نے اثبات میں سر ہلایا اور نرس کو لیے نکلتی چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد اب اس یخ بستہ کمرے میں صرف دو نفوس تھے جو خاموشی سے ایک دوسرے کی دھڑکنوں کے ساز کو محسوس کر رہے تھے۔ باران نے پلکیں جھکائے اپنے سینے پہ سر رکھے اس جان کو دیکھا جس نے آج اس کی جان نکالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اس نے ایک گہری سانس بھری، ایسی سانس جو اکثر وہ شخص لیتا ہے جو خود کو مضبوط دکھانے کی کوشش میں اندر ہی اندر بکھر رہا ہو، پھر وہ آہستگی سے جھکا، اور نرمی سے زارا کا ماتھا چوم لیا۔ ایک ایسا لمس جس میں کوئی شور نہ تھا، صرف ایک وعدہ تھا تحفظ کا، قرب کا، معذرت کا، کہ وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اب بھی وقفے وقفے سے ہچکیاں لے رہی تھی اور کبھی تھر تھراتے لبوں سے سسکیاں چھوڑ رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا، سوجھی سرخ آنکھوں کے گرد حلقے اس کی اذیت کے گواہ تھے۔ اس کی ناک پہ بھی خراش آئی تھی جس کے باعث وہ سرخ ہو رہی تھی۔ مختصر یہ کہ چوٹوں سے زیادہ اس نے رو کر اپنے چہرے کا بیڑا غرق کر لیا تھا۔

"سائیں، اب میں بدصورت ہو گئی نہ؟" نا جانے اسے کیا سوجھا کہ وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باران نے بغور اس کی سیاہی نما آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی نم آنکھوں میں احساسِ کمتری کا گہرا سا تاثر جھلک رہا تھا۔ وہ پہلی بار یہ تاثر دیکھ رہا تھا، اس بات سے انجان کہ یہ تاثر تو اس کی بیوی میں بہت پہلے سے تھا، بس اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔

"باران حیدر کو تمہارے سامنے اپنی خوبصورتی ماند پڑتی محسوس ہوتی ہے۔" یہ جملہ بہت مختصر تھا، لیکن اس کے معنی مقابل کو لاجواب کر گئے تھے۔ اسے بالکل خاموش دیکھ کر باران نے اس کا سر اپنے عین دل کے مقام پہ رکھتے ہوئے نہایت نرمی سے اس کا چہرہ اپنی

انگلیوں کے لمس سے تھپکنا شروع کیا۔ وہ الفاظ سے زیادہ،ہاتھوں سے اسے دلاسہ دے رہا تھا۔ محبت وہ زبان ہے جو وقتِ اذیت میں بولی جائے تو لفظوں سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔

اس کی نظریں اس کے ہاتھوں اور پیروں پر گئیں، آگ کے جلے ہوئے واضح زخم، کچھ پر نرم پٹیاں بندھی تھیں،اور کچھ پر تازہ آئنٹمنٹ کی مہک آرہی تھی۔ دل میں ٹیس سی اٹھی لیکن جو بات اُسے مسلسل الجھا رہی تھی،وہ زارا کی بائیں ٹانگ پر جمی سفید پلستر تھی۔

آگ سے جھلسنے کے نشان تو سمجھ آتے ہیں مگر یہ فریکچر؟ یہ کہاں سے، کیسے، کیوں ہوا؟

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا،دل میں بار بار یہی سوال دہراتا رہا لیکن اُس کے سوال سے زیادہ،اُس کی تکلیف اہم تھی۔

اس کی سسکیاں اب دھیرے دھیرے کم ہو گئی تھیں۔ جیسے اندر کا طوفان اب تھک کر بیٹھ گیا ہو۔ سنہری آنکھوں والے مرد نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما، جیسے یقین دلانا چاہ رہا ہو کہ وہ اب تنہا نہیں ہے،اب کچھ بھی اکیلے سہنا نہیں پڑے گا اور اپنی پوزیشن تھوڑی سی بدل کر

بیڈ کے ساتھ بہتر طریقے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، تاکہ زارا آرام سے اس کے سینے سے لگ کر لیٹ سکے، بنا کسی حرکت کے جو اُس کی زخم زدہ ٹانگ میں

تکلیف کا باعث بنتی۔ اس نے نرمی سے زارا کو خود میں بھینچ لیا، جیسے اسے خود میں چھپا کر محفوظ کر لینا چاہتا ہو۔

"یہ ٹانگ پہ چوٹ کیسے آئی؟" نہ باز پُرس تھی، نہ تلخی۔ صرف ایک سوال تھا، فکر میں لپٹا، احتیاط سے برتا ہوا۔

اس کے چہرے پر اب وہ نرمی تھی جو اکثر ایسے لوگوں کے چہروں پر آتی ہے جو اپنی زندگی میں بہت کچھ دیکھ چکے ہوں، لیکن اپنے چاہنے والوں کی تکلیف دیکھنے کی طاقت پھر بھی ان کے پاس نہ ہو۔

اس کی آواز میں صرف ایک شے تھی۔ خالص محبت۔ وہ خالص محبت جو صرف خالص لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ زارا کو وقت دے رہا تھا۔ اگر وہ جواب دینا چاہے تو سنے گا، نہ دینا چاہے تو تب تک خود کو اس کا سائبان بنائے رکھے گا۔ کمرے کی فضا میں صرف خاموشی بول رہی تھی، جسے دفعتاً زارا کی آواز نے توڑا۔

"میں نے کھڑکی سے چھلانگ لگا دی تھی،" وہ سوں سوں کرتی، بھرائی آواز میں بولی، جیسے اس پل کے خوف کو یاد کرتے ہوئے بھی اس کا دل لرز اٹھا ہو۔

"وہاٹ؟" حیرت کے باعث اس کے منہ سے بے ساختہ بلند آواز بر آمد ہوئی۔ اس نے بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے، اپنے سینے میں منہ چھپائے لیٹی بکھرے بالوں والی لڑکی کو دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں حیرانی جمی تھی، اور لب ادھ کھلے سے رہ گئے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا کہے۔ بے وقوف، کہ اتنی اونچائی سے کود گئی؟ یا بہادر، کہ آگ سے بچنے کے لیے ہمت کی وہ آخری حد پار کر گئی؟ لیکن یہ نقطۂ نظر وہ اس لمحے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر میں

تو وہ صرف ایک بے وقوف لڑکی تھی، جو خطرے کی شدت میں جان کی پرواہ کیے بغیر چھلانگ لگا گئی تھی۔

"احمق لڑکی! تم نے چھلانگ کیوں لگائی؟" وہ صدمے کے زیرِ اثر اسے گھور رہا تھا، اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟ یہ خیال اس کی آواز کی تپش میں لرز رہا تھا، جو اندر کے ڈر سے پھوٹی تھی۔ زارا، جس کا رونا کچھ دیر کے لیے تھم گیا تھا، اس کی بات اور اونچے لہجے پر چونکی، اور پھر سے رونے کی تیاری میں سسکی۔

"تو کیا جل کر مرنے کے لیے وہاں بیٹھی رہتی؟" وہ روتے ہوئے غصے سے بولی، اور اپنی بھیگی ناک اس کی قمیض کے ساتھ بے ساختہ رگڑ گئی۔

وہ، جو اپنے کپڑوں پر ایک شکن بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس بات پہ اسے ٹوک بھی نہ سکا۔ ہاں پر اس کو آنکھیں رگڑتے دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ اب نہ روئے تو وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ ایک آنسو بھی نہ بہے۔ دل جیسے یکدم مٹھی میں آ گیا ہو۔ کیا اس سے بھی بڑی کوئی فرمانبردار ہو سکتی تھی؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں اتنا روئی، آپ کو بار بار پکارا لیکن آپ نہیں آئے۔ مجھے لگا، میں مر جاؤں گی۔" اس کی آواز اب کانپ رہی تھی، اور وہ ایک بار پھر سے جذبات کی رو میں بہہ گئی تھی اور مقابل صرف اس ایک جملے پر بے بس ہو گیا تھا۔ ہر لفظ، ہر حرف، سیدھا دل میں اتر گیا۔

"آئی ایم سوری مجھے تمہیں یوں چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ اس کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے نادم ہوا۔ اس کی آواز میں ٹوٹا پن تھا، اور آنکھوں میں وہ گہرائی، جو کسی قیمتی چیز کے کھو جانے کے خوف سے آتی ہے۔

آج اسے احساس ہو چکا تھا، وہ دنیا کی صرف ایک عورت نہیں تھی بلکہ وہ عورت ہی اس کی دنیا تھی۔

وہ اب اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر، بار بار اس سے معافی مانگ رہا تھا اور وہ اسے خود پر گزرے لمحے سنا کر اپنا دل ہلکا کر رہی تھی۔ زخم کی تکلیف؟ وہ تو جیسے اس کے لمس، اس کی موجودگی، اس کے نرمی سے بولتے الفاظ کی چادر میں دب چکی تھی کیونکہ جب کوئی خیال رکھنے والا ساتھ ہو تو آدھی تکلیف تو یوں ہی مٹ جاتی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

صبح کی سفیدی آسمان پر دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ افق کا ہلکا نیلا پن ایک پراسرار سی خاموشی میں لپٹا ہوا تھا۔ نہ پرندوں کی کوئی ساز، نہ ہوا کی سرسراہٹ، سب کچھ جیسے تھم سا گیا ہو۔

اسی گھمبیر خاموشی میں، آبادی سے دور جھیل کنارے واقع اُس ویران مگر شاندار فارم ہاؤس کے نفیس کمرے میں، زینب اپنے بستر کے کُراؤن سے ٹیک لگائے گہری نظروں سے اُس عورت کو تک رہی تھی، جو سفید سکرٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے بلونڈ بال اکٹھے کس کر بندھے ہوئے تھے اور ان پر ایک سیاہ بوبڑی ترتیب سے جمی تھی۔ اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں اور پیروں میں تین انچ اونچی سائے دار ہیل والی پمپس چپ چاپ اپنی موجودگی کا اعلان کر رہی تھیں۔ وہ عورت، جس کے چہرے پہ مغربی نقوش کی مکمل جھلک تھی، کب سے زینب کی تیز آرپار کرتی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی، جیسے ہر پرت اُدھیڑی جا رہی ہو۔ وہ زینب کا سامان پیک کرنے میں مصروف تھی، بہرام کے حکم کے مطابق زینب اور

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انارہ کو فوراً یہاں سے منتقل کیا جانا تھا۔ پہلے تو وہ سکون سے، نپے تلے انداز میں اپنا کام کرتی رہی، لیکن اب زینب کی نظروں کی سنجیدگی اُسے کچھ نروس کر رہی تھی۔

"بات سنو۔" زینب کی آواز کمرے میں یکدم گونجی تو وہ عورت چونک گئی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا وجود ہڑبڑا سا گیا، لیکن پھر فوراً خود کو سنبھال کر پیچھے پلٹی۔

"جی میڈم۔" اس کی آواز اور نظریں، دونوں جھکی ہوئی تھیں۔ فرمانبردار، لیکن اندر سے ہلکی سی لرزتی ہوئیں۔

"ادھر آؤ۔" زینب کے لہجے میں نہ تیزی تھی نہ نرمی۔ بس ایک ایسا سکوت تھا جو سوال سے پہلے ہی جواب کھینچ لے۔ وہ عورت اسے انکار نہیں کر سکتی تھی اس لیے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی اور دو قدم کے فاصلے پر رک گئی۔

غلافی آنکھوں والی زینب نے اُسے ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ لمحے بھر میں اُس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی، جیسے کوئی بند دروازہ اچانک کھل گیا ہو۔

"جیسیکا۔" یہ نام سنتے ہی اُس عورت نے فوراً جھکا ہوا سر اٹھایا۔ زینب کا شک پل میں یقین میں بدل چکا تھا۔

"تم وہی ہو نا، جس نے مجھے؟" وہ جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ گئی، اور سامنے کھڑی عورت کا رنگ پل میں سفید ہو گیا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جیسے برسوں پرانا خوف اچانک آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہوا ہو۔ اسے زینب کی آنکھوں میں کچھ انوکھا، کچھ اندھیرے میں چھپا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ نظروں کی روشنی اب صرف پہچان نہیں، بدلہ بھی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس کے ذہن میں سترہ سال پہلے کا وہ منظر دوڑنے لگا، ایک ایسا منظر جو وقت کی سیاہی میں دفن تھا۔ وہی وقت، وہی لمحہ، وہی مدد اور اب، وہ سب کچھ ایک فلم کی مانند اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔

سفید محل کے عالیشان کمرے میں، نیوی رنگ کے خوبصورت اور شاہانہ طرز کے کشادہ صوفے پر، ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ سفید پیروں کو چھوتی فراک میں لپٹی، جیسے کسی خالی کینوس پر بے آواز چیخوں کی تصویر ہو۔

اس نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے ہوئے تھے، اور زردی مائل چہرے پر تکلیف کے آثار پھیلنے سے روکنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔ بالکنی کے کھلے پٹ سے اندر آتی ہوا اس کے بالوں کو چہرے پر بے رحمی سے بکھیر رہی تھی، اور ان بالوں کی اوٹ سے جھانکتی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، ایسی نمی جو کسی پلک کے جھپکنے سے پہلے بہہ جانے کو تیار تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کمرے کے فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھی انتیس سالہ جیسیکا، بے بس نظروں سے بس اسے تکتی رہی۔ اس کی نظریں اس لڑکی کے دکھ میں گھری تھیں مگر ہاتھ صرف نرم پٹیاں لپیٹنے تک محدود تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ جتنا ممکن ہو نرمی سے اس کے زخموں کو مرہم لگائے، لیکن بھلا سگریٹ سے داغی گئی جلد کی جلن کو کونسا مرہم آرام دے سکتا تھا؟

"میم، کیا بہت درد ہو رہا ہے؟" اچانک جیسیکا نے نرمی سے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی مگر اس کا سوال سن کر، اس لڑکی کی آنکھوں میں ٹھہرا پانی جھٹ سے گالوں پر بہہ نکلا۔ وہ پل میں سسک سسک کر رونے لگی۔ ہونٹ دبا کر، آنکھیں میچیں، جیسے اندر کا طوفان باہر آ کر تھمنے کا نام نہ لے رہا ہو۔

جیسیکا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ کیا کر سکتی تھی؟ جس درندے نے اسے اس سفید محل میں قید کر رکھا تھا، وہ بظاہر حسن کا دیوتا تھا، لیکن اندر سے ایک ایسا حیوان تھا جو تین مہینوں میں اس معصوم وجود کو گویا اندر سے توڑ چکا تھا۔

"کیا تم میری ایک مدد کر سکتی ہو؟" لڑکی کی آواز بھیگے آنسوؤں میں لپٹی ہوئی تھی، جیسے کوئی آخری سہارا ڈھونڈ رہی ہو۔ اس مغربی نقوش والی لڑکی کی آنکھیں سوالیہ انداز اختیار کر گئیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے تھوڑا سا زہر دے دو۔ میں یہ اذیت اور نہیں جھیل سکتی۔ وہ مجھ سے اولاد چاہتا ہے، اور میں یہ نہیں کر سکتی۔ بس تھوڑا سا زہر، پلیز!" الفاظ میں بے بسی تھی، اور آنکھوں میں وہ درد جو ضبط کے آخری کنارے پر کھڑا ہوتا ہے۔

جیسیکا کچھ لمحے ساکت رہ گئی۔ جیسے وقت رک گیا ہو، پھر ایک جھٹکے سے ہوش میں آ کر اس نے جیب میں رکھا جَامَر آن کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ محل کے ہر کونے میں خفیہ کیمرے نصب ہیں، ہر سانس، ہر لفظ، ہر اشارہ ریکارڈ ہو رہا ہے۔ سامنے بیٹھی لڑکی شاید کچھ نہ جانتی تھی، لیکن جیسیکا جانتی تھی۔ اسی لیے احتیاط لازم تھی۔

"میم، پلیز آہستہ بولیے، اور میں ایسا نہیں کر سکتی، اگر آپ کو کچھ ہوا تو باس مجھے مار ڈالے گا۔" وہ آہستگی سے بولی، لیکن سامنے بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں جو آخری امید کا دیا جھلک رہا تھا، وہ پل بھر میں بجھ گیا۔ وہ ایک بار پھر سے بکھر گئی، اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر زار و قطار رونے لگی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ کتنی ہی دیر زمین پر بیٹھی، خاموشی سے زینب کو تڑپتے دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی، مگر ماتھے پر ضبط کی مہریں تھیں۔ پھر یکایک، کسی فیصلے پر پہنچ کر، اس نے اپنی نیوی جینز کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔

نہایت مہارت اور پھرتی سے، اس طرح کہ وہ کیمرے کی آنکھ سے بالکل محفوظ رہی۔ جامر سے محض آوازوں کا سگنل منقود ہوا تھا لیکن ریکارڈنگ اب بھی جاری تھی۔ اس لیے وہ بہت ہی احتیاط برت رہی تھی۔ چہرے کے تاثرات نارمل رکھے وہ اٹھی اور زینب کی صوفے پر بکھری فراک کو درست کرنے لگی، کچھ اس طرح کہ اس کی انگلیوں کی نرمی سے جیسے کچھ بھی غیر معمولی نہ لگے۔

"میری طرف مت دیکھیے گا۔ میں نے آپ کے کپڑوں کے نیچے ایک چھوٹی سی ڈبیا رکھی ہے۔" وہ واپس نیچے بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے الفاظ، دوا لگاتے ہوئے دھیرے سے ادا کیے گئے تھے۔ اتنے پر سکون کہ جیسے عام گفتگو ہو۔ زینب، جو پہلے لمحے چونکنے والی تھی، فوراً

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہی جیسیکا کی ہدایت پر عمل کر گئی۔ کپڑوں کے نیچے انگلیوں سے کچھ محسوس ہوتے ہی وہ چھوٹی سی ڈبیا آہستہ سے اپنے ہاتھ میں قید کر گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے دھیرے سے پوچھا، تجسس اور بے یقینی اس کی آواز میں بخوبی محسوس ہو رہی تھی۔

جیسیکا، جواب جھک کر پائیوڈین اٹھا رہی تھی، بدستور بغیر کسی اضطراب کے بولی۔

"یہ آپ کے مسئلے کا حل ہے۔ باس آپ سے اولاد اس لیے چاہتے ہیں، تاکہ ان کی گرفت 'ڈارک ویب' کی دنیا میں مزید مضبوط ہو سکے۔ وہاں یہ اصول ہے کہ گدی نشین کی پہلی اولاد اگر بیٹا ہو تو وہی اگلا وارث بنتا ہے۔"

زینب کی پلکیں لرز گئیں۔ الفاظ گویا ایک ایک کر کے اس کے کانوں کے اندر زہر گھول رہے تھے، مگر وہ سننے پر مجبور تھی۔

"باس کا ایک بھائی ہے، جو ان کا پارٹنر بھی ہے۔ اُس کی پہلی اولاد، یعنی اس کا بیٹا، اگلا لیڈر بننے کا دعوے دار ہے لیکن اگر آپ باس کی اولاد پیدا کریں گی تو طاقت کا توازن بدل جائے

گا۔"وہ بولتی رہی،بغیر جذباتی ہوئے،جیسے برسوں سے یہ کھیل دیکھتے دیکھتے اس کی آواز سے سچائی کا وزن بھی ختم ہو چکا ہو۔

"ارمان نام ہے اس کا۔ابھی صرف چھ سال کا ہے۔"اس کی آواز میں جیسے کسی اندھیرے میں گم صدا سنائی دے رہی تھی۔"گزشتہ دو ماہ سے

باس اُسے یہاں لے آئے ہیں۔آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ اُسے 'ٹرین' کرنے کے نام پر کن خوفناک مراحل سے گزارا جا رہا ہے۔"زینب نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں،لیکن جیسیکا کی نظریں اس کے پیروں پہ جمی تھیں کیونکہ وہ پل بھر کی بھی کوتاہی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

"اُس بچے کی ڈریسنگ بھی میں ہی کرتی ہوں اور جب وہ روتا ہے نا،"وہ ایک لمحے کو رک گئی، جیسے گلے میں کچھ اٹک گیا ہو،"تو دل چاہتا ہے اسے کہیں چھپا دوں،جہاں پر ان ظالم لوگوں کا سایہ بھی نہ پہنچ سکے،لیکن میں کچھ کر نہیں سکتی۔"اس کی آواز اب رُک رُک کر نکل رہی

تھی۔ ”وہ بچہ نیچے والے کمرے میں رہ رہا ہے۔ دو دن بعد اسے یہاں سے واپس بھیج دیا جائے گا، لیکن جانے سے پہلے مجھے اس کے جسم پر اس قدر رہائی ڈوز کریمیں اور دوائیں لگانی ہوتی ہیں کہ تشدد کے نشان مٹ جائیں، کم از کم ظاہری طور پر۔" یہ کہہ کر جیسیکا خاموش ہو گئی۔

زینب کا حلق خشک ہو چکا تھا۔ لفظ اس کے ہونٹوں سے نہ نکلے، مگر ذہن میں ایک جھماکا ضرور ہوا۔ تو مطلب، کل رات جو وہ سسکیوں کی آوازیں سن رہی تھی، وہ اِسی معصوم بچے کی تھیں ارمان کی۔ آنسو اس کی پلکوں پر ٹھہر گئے، مگر وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔

"اور یہ جو دوا میں نے آپ کو دی ہے، یہ تقریباً ایک سے دو سال تک آپ کو اُس مصیبت سے بچا سکتی ہے۔ مہینے میں صرف ایک گولی کھانی ہے، بس۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

زینب نے آہستہ سے پلکیں جھپکا دیں، جیسے اب سوچنے کی سکت بھی کم ہو گئی ہو۔

"اب مجھے جانا ہو گا۔ زیادہ دیر رکنے سے باس کو شک ہو سکتا ہے۔" وہ اپنی شرٹ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، اور اگلے ہی لمحے بغیر پیچھے دیکھے کمرے سے باہر نکل گئی۔ جیسے ہی وہ دروازے سے گئی، زینب نے فوراً محتاط انداز میں وہ چھوٹی سی ڈبیا اپنے لباس میں چھپا لی۔

رات کا نا جانے کون سا پہر تھا۔ جب وہ بہرام کے سونے کے بعد آہستگی سے کمرے سے نکلی تھی۔ ایک بوجھ سا دل پہ تھا، جو تازہ ہوا کے لمس کے بغیر ہلکا ہونے والا نہیں تھا۔

اب وہ نیچے، پول کے کنارے بیٹھی تھی۔ سفید سنگِ مرمر سے بنے فرش پر، اپنے ننگے پاؤں پانی میں ڈبوئے، خاموشی سے چاند کو تکتی رہی۔ ارد گرد موت کی سی خاموشی تھی، جیسے کائنات صرف اُسی لمحے کے لیے سانس روکے کھڑی ہو۔

وہ چاند کتنا خوبصورت لگتا تھا۔ چمکتا ہوا، مکمل، خالصلیکن اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں کسی تیر کی مانند آ کر پیوست ہوا، اگر یہی چاند، جو دور سے خواب جیسا لگتا ہے، قریب آ جائے تو نہ وہ حسین رہتا ہے، نہ خواب، بس ایک سچ رہ جاتا ہے۔ بے نقاب سا۔

اُس کی آنکھیں اُس چاند میں کھوئی ہوئی تھیں، لیکن دل کسی انجان خلش سے بے چین تھا۔

اچانک، فضا میں کوئی آہٹ ابھری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مدھم دبکی دبکی کسی کی گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز۔ وہ چونک گئی۔ گردن تیزی سے دائیں بائیں گھمائی، ارد گرد نگاہ دوڑائی۔ فضا بالکل ویسی ہی خاموش تھی جیسے پہلے تھی، لیکن وہ آواز، وہ یقینی طور پر سنی گئی تھی۔

دھڑکنیں ایک پل کو تیز ہوئیں اور پھر یکدم (وہ بچہ نیچے والے کمرے میں رہ رہا ہے) جیسیکا کی وہ بات اُس کے ذہن میں بجلی کی مانند کوندی، اور وہ فوراً گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

پاؤں تیزی سے پانی سے نکالے، فرش پر رکھے، اور چہرے پر اب صرف ایک احساس تھا۔ خوف اور تشویش۔ اس نے بنا وقت ضائع کیے، دبے قدموں نیچے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ سسکیاں اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں، جیسے کوئی، بہت خاموشی سے، بہت اندر سے، مدد کے لیے پکار رہا ہو۔ وہ خوف زدہ سی، بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی، آگے قدم بڑھا رہی تھی کہ کہیں وہ آنہ جائے پول کی سیڑھیوں کے پاس، ایک چھوٹی سی تین سٹیپ کی زینہ نما سیڑھی تھی، جس سے اُتر کر وہ آہستگی سے حلق تر کرتی آگے بڑھی۔

Clubb of Quality Content

اس کے پیروں کی لرزش اس کے اندرونی خوف کی چغلی کھا رہی تھی۔ وہ چمکتے، خاموش فرش پر اپنے گیلے پاؤں کے نشان چھوڑتی ہوئی اُس کمرے کے دروازے تک آئی، جس کے پار سے سسکیوں کی ہنوز مدھم گونج اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

"سنو" بمشکل ہمت جمع کرتے، اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اس دستک کی دھیمی سی آواز سے وہ خود بھی سہم گئی، اور فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا۔ صد شکر، وہاں کوئی نہیں تھا۔

سسکیاں اب تھم چکی تھیں اور سناٹے ایک بار پھر جوبن پر تھے۔

وہ لبوں کو تر کرتے ہوئے، دوبارہ مڑی، اور پھر سے کمرے کے دروازے پر ہولے سے دستک دی، مگر اب بھی دروازہ نہ کھلا۔

مایوسی جیسے قدموں میں وزن کی صورت اترنے لگی۔ وہ پلٹنے ہی والی تھی کہ اچانک، ایک معصوم، دھیمی، سہمی ہوئی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کون ہے؟"وہ جو نا امید ہو کر پلٹی تھی، یکدم چونک کر، جھٹکے سے مڑی۔ ایک پل کو، وہ اس اچانک جواب سے ڈر گئی، وہ ایسی نہیں تھی، مگر جب سے یہاں قید ہوئی تھی، ہر آہٹ، ہر سایہ، ہر سسکی، اُسے لرزا دیتی تھی۔

دل جیسے پسلیوں میں دھڑکنے کے بجائے، کانوں میں سنائی دینے لگا تھا۔ وہ کچھ بوکھلائی بوکھلائی سی لگ رہی تھی، جیسے زبان بولنا بھول چکی ہو یا جیسے خوف نے الفاظ کو زخم کی صورت چھپا دیا ہو۔

"میں میں ہوں زینی۔ نہیں، نہیں، میں زینب ہوں۔"وہ الجھ کر بولی، جیسے اپنا نام بھی صحیح سے یاد نہ رہا ہو، یا شاید وہ خود کو اُس معصوم کے سامنے چھوٹا محسوس کر رہی تھی۔

دروازے کے پار، ایک بار پھر وہی بھیگی ہوئی، کپکپاتی آواز ابھری۔ "کون زینب؟"اتنا سادہ سوال تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی، اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک پل کو اس کی سانس حلق میں ہی اٹک گئی۔ اوپر کی سانس اوپر، نیچے کی نیچے رہ گئی۔ زینب کو لگا جیسے اس کے قدموں تلے زمین لمحہ بھر کو کھسک گئی ہو۔

"زینی جان، اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" یہ آواز نہیں، گویا زہر تھا جو اس کے کانوں سے ہوتا ہوا رگوں میں اتر گیا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں، اور سرد موسم کے باوجود پیشانی پر پسینے کی تہہ اُتر آئی تھی۔ حلق سوکھ چکا تھا جیسے ہر لفظ، ہر آواز اس کے حلق میں کانٹے اُگا دے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ہوا؟ تم کانپ کیوں رہی ہو؟" وہ نرمی سے بولا، لیکن اس کے لہجے کی وہ معصومیت، اس کی کمر کے گرد بندھے بازوؤں کی گرفت سے مطابقت نہیں رکھتی تھی۔ ٹھوڑی اس کے کندھے پر ٹکی ہوئی تھی، اور گرفت اتنی سخت کہ زینب کو لگا، اس کی پسلیاں ٹوٹ کر ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی۔

سفید گاؤن، جو کبھی سکون کی علامت تھا، اب اس کے بدن سے بہتے پسینے سے بوجھل ہو چکا تھا۔ بہرام نے آہستہ سے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا، اور جب زینب کی نظریں اس کے نیم برہنہ وجود سے ٹکرا کر نیچے جھکیں، تو وہ شرم سے نہیں، خوف سے تھی۔ اس کی نظریں اب فرش پر، اُس کے چپل میں قید پیروں پر جمی ہوئی تھیں اور وہ؟ وہ اپنی سرد نگاہوں سے اس کے وجود کو پڑھ رہا تھا، جیسے ہر کپکپاہٹ کا مفہوم سمجھتا ہو۔

"ارمان بچے، آرام سے سو جاؤ۔ اتنی رات گئے نہیں جاگا کرتے۔" اس کے لہجے کی نرمی کے برعکس، آنکھوں میں گہری سختی اور سرد مہری کا عکس تھا۔ زینب نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"بہرام" مگر وہ اس کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک دیکھ نہیں سکی۔ نظریں اس کے بالوں کی طرف بھٹک گئیں، اور لہجہ بے چینی سے لرزنے لگا۔

"حکم، جانِ بہرام۔" وہ اس کے گال سے اپنی ناک آہستگی سے رگڑتا بولا، اور زینب کا پورا وجود جیسے لمحہ بھر کو منجمد ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ وہ بچے کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں ہی ادھر آ گئی تھی۔ آئی ایم سوری۔" وہ اس کے سینے پر ہولے سے ہاتھ رکھ کر بات بدلنا چاہ رہی تھی، جیسے بچے کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانا مقصد ہو۔

"جانتا ہوں، زینی جان اور کچھ؟" وہ نرمی سے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

زینب نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا، ہونٹ بھینچے۔

"گڈ، تو پھر چلو کمرے میں۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جو زینب کو اندر سے لرزا گیا۔

وہ جانتی تھی، اب کوئی انکار اس کے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے آنکھوں میں اترتے آنسو پیتی، محض سر ہلا سکی۔

بہرام نے اگلے ہی پل اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا، اور وہ خاموش، خوفزدہ آنکھیں صرف اُس دروازے پر جمی رہیں جس کے پیچھے، ایک سسکیاں بھرا سوال، ابھی تک ادھورا تھا۔

☆..☆..☆..☆

اگلے روز، بہرام کے جانے کے بعد، زینب بے اختیار اُس کمرے کے دروازے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ الجھے بالوں کو ایک سادہ سے جوڑے میں سمیٹے، وہ آج معمول سے کچھ مختلف، کچھ تازہ دِ کھائی دے رہی تھی۔ اس تازگی کی وجہ، در حقیقت، اس بچے سے ملاقات کی بے تابی تھی جس کے متعلق وہ گزشتہ شب سے سوچتی آرہی تھی۔ پچھلے تین ماہ سے وہ صرف تین چہروں کو دیکھتی آئی تھی۔ بہرام، داور اور جیسیکا۔ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس کی تنہائی، اس کی بے رنگ زندگی میں نئی رمق نہیں بھر سکا تھا لیکن آج آج کسی اجنبی، کسی نئے وجود سے روبرو ہونے کی چاہ نے اُس کے اندر ایک نیا حوصلہ بیدار کیا تھا۔ اس کے دل میں یہ نادان سی اُمید جاگزیں تھی کہ شاید وہ بچہ، جسے وہ دیکھنے جارہی تھی، اس کی آزادی کی کنجی بن جائے۔ یہ اُس کی وہی معصوم، بلکہ کچھ حد تک بے وقوفانہ سوچ تھی جو اُس کے پژمردہ وجود میں ایک نئی توانائی، ایک نئی زندگی بھر گئی تھی۔

اُس نے ایک بار گردو پیش پر نگاہ دوڑائی اور جب یقین ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں، تو دبے قدموں آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ اُس

نے ایک بار پھر دستک دی، مگر اندر وہی گہری خاموشی تھی۔ ہچکچاتے ہوئے اُس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا، جو حیرت انگیز طور پر کھلتا چلا گیا۔ وہ دھیرے سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔

کمرے کے اندر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اُس نے دیوار کو ٹٹولتے ہوئے روشنی کا بٹن تلاش کیا، اور جونہی سوئچ آن کیا، کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ زینب نے گہرا سانس لیا اور چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔

یہ کمرہ بھی اُسی سفید و بے رنگ تھیم میں تھا، جیسے باقی پورا گھر۔ سفید دیواریں، سفید فرنیچر، حتیٰ کہ بیڈ کی چادریں تک سفید تھیں۔ سامنے دیوار کے ساتھ ایک سنگل بیڈ رکھا تھا اور اس بیڈ کے اوپر اس بچے کی فریم میں قید تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ کتنے پل اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ وہ بچہ کس قدر حسین تھا۔ خوبصورت آنکھیں، معصوم چہرہ، نازک لب۔ وہ بچہ تھا یا کوئی فرشتہ۔ اس کے نین نقش ہو بہو داور خان جیسے تھے پر اس جیسا فریب ذرے برابر بھی نہ تھا۔ وہ اس تصویر سے نگاہیں پھیرتی، آہستہ قدموں سے آگے بڑھی اور اُس معصوم وجود کو تلاش

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کرنے لگی جس کی موجودگی کی اسے خبر دی گئی تھی مگر جب اُس نے کمرے میں ویرانی پا کر الماری کا دروازہ کھولا تو اندر صرف خالی پن تھا۔ وہ لمحہ اُس کے لیے مایوسی کا پیغام لے کر آیا۔

"کیا بچہ یہاں سے جا چکا ہے؟" اُسے حیرت ہوئی مگر جیسیکا نے تو کہا تھا کہ وہ پرسوں جائے گا۔ مایوسی اور اداسی نے یکایک اُس کے اندر ایسی گہرائی سے پنجے گاڑ دیے کہ جہاں روشنی کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔ وہ کتنی پُرامید تھی، اور اب وہ اُمید ہی اُسے تکلیف دے رہی تھی۔ وہ دل برداشتہ ہو کر کمرے سے باہر جانے کے لیے بڑھی تو اس کی نظر بے ساختہ کمرے کے دروازے کے پاس موجود ڈسٹبن پر پڑی۔ وہ ٹھٹھک کر رکی، کیونکہ اس میں موجود کاغذ کے بے شمار ٹکڑے تھے۔

اس نے فوراً جھک کر اس ڈسٹ بن میں ہاتھ ڈالا اور ان ٹکڑوں کو اٹھایا، پھر تیزی سے بیڈ کی سمت بڑھی۔ ان ٹکڑوں کو بیڈ پر رکھتے ہوئے اس نے انہیں ترتیب دینا شروع کیا۔ اس کے ہاتھوں میں عجلت تھی، جیسے وہ ڈر رہی ہو کہ کوئی آ نہ جائے۔ اس نے پانچ منٹ کی محنت

کے بعد ان ٹکڑوں کو ترتیب سے جوڑ کر ایک دو لائن پر مشتمل تحریر بنالی، جسے پڑھ کر وہ بھونچکی رہ گئی۔

"یہ ناجائز کیا ہوتا ہے؟ بہرام بابا نے مجھے آج بابا کی ناجائز اولاد بولا۔ مجھے یہ لفظ سمجھ نہیں آیا، پر بہت برا لگا۔ وہ کہتے ہیں میں ایک گناہ ہوں، پر میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا!" ان ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اتنی معصومیت تھی کہ بے اختیار زینب کے آنسو جھلک پڑے۔ اسے لگا کہ اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

اس کے دل سے بے شمار بد دعائیں نکلی تھیں ان حیوانوں کے لیے۔ وہ سر ہاتھوں میں پکڑے شدت سے رونے لگی۔ کوئی اتنا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کے دل نے تڑپ کر دہائی دی کہ کاش وہ جب اس بچے سے ملے تو وہ کوئی حیوان نہ بن چکا ہو۔ اس کی معصومیت نہ نوچ لی گئی ہو۔ اگر وہ ان جیسا بن گیا تو اس کے گناہوں کی کوئی جسٹیفیکیشن نہیں رہے گی، کیونکہ گناہوں کو جائز کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ وہ اب تک بے تاثر آنکھوں سے جیسیکا کو دیکھ رہی تھی جس نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کی آنکھوں میں کوئی خاموش سوال تھا جو کسی امید کے تحت تھا۔جیسیکا نے ایک نظر زینب پر ڈالی اور پھر لب بھینچ لیے۔"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟"اب کی بار اس کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی ابھری تھی اور لب کانپ گئے تھے۔

"اس معصوم نے اپنی معصومیت تو نہیں کھودی نہ؟"وہ اس معصوم کی معصومیت چھن جانے کے ڈر سے کتنے طویل سجدے کرتی تھی۔مرنے والوں پہ صبر آجاتا ہے پر زندہ مردوں پہ نہیں آتا۔

"اب تک بارہ،بارہ قتل کر چکا ہے وہ۔"جیسیکا نے کسی روبوٹ کی مانند سپاٹ چہرہ لیے اسے جیسے موت کی نوید سنائی تھی۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف اُسے دیکھتی رہ گئی۔جیسے اس کی آنکھوں میں وقت منجمد ہو گیا ہو۔اُس کے دل نے ایک بے آواز چیخ ماری،ایسی چیخ جو زبان سے نہیں،سیدھا روح کے اندر سے نکلی تھی۔لب جیسے سل گئے ہوں۔سانس رک سی گئی تھی،اور آنکھوں کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔اُس پل،اُس کے ذہن میں وہی پاکیزہ سا چہرہ گھوم گیا۔

معصوم،روشن،اور شفاف۔

ایسا چہرہ جسے وہ کبھی دھندلا ہونے نہیں دینا چاہتی تھی،اور اگلے ہی لمحے،اُس کے اندر ایک ایسا طیش اُبھرا جس کی کوئی حد،کوئی انتہا،کوئی کنارہ نہیں تھا۔وہ صرف دیکھتی رہی اپنی بے بسی کو۔جیسے وہ خود کو قید دیکھ رہی ہو،وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے سے قاصر تھی،اپنے ہی وجود میں مقید،جہاں حرکت نہ تھی۔وہ شدید بے بس تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آج وہ واپس لوٹ رہی تھی،ہمیشہ کے لیے۔ایک ایسی واپسی جہاں سے پلٹنے کا کوئی امکان باقی نہ تھا۔اس نے ایک بھاری سی فائل اٹھا کر بیڈ پر

رکھی،پھر اٹیچی میں احتیاط سے رکھ دی۔اپنے لینز اتار کر ڈسٹ بن میں پھینکے،اور وہ تمام ہتھیار جن سے وہ برسوں لڑی تھی۔گنز،چاقو اور اس کا مخصوص خنجر،ایک طرف رکھ دیے۔

اس نے اپنے وجود سے ہر وہ چیز اتار پھینکی جو اسے ایک مصنوعی شناخت دیتی تھی۔ آج وہ صرف "حرم فاطمہ" تھی، نہ ملکہ، نہ کسی کھیل کا مہرہ۔ وہ اب صرف ایک عام سی عورت تھی، جس نے اپنے وجود سے جھوٹ کا بوجھ اتار دیا تھا۔ اس وقت وہ سفید کڑھائی والے لوز فراک میں ملبوس تھی، وہی لباس جو اسماہ خانم نے اسے پہننے کو دیے تھے۔ نہ چہرے پر میک اپ تھا اور نہ ہاتھوں میں کوئی ہتھیار۔ بس ایک سادگی، جو دل کی خوبصورتی بن گئی تھی۔ سترہ سال بعد، اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لوٹ آئی تھی۔ ایسی چمک جو صرف کسی آزاد روح میں نظر آتی ہے۔

اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی، جیسے کوئی ان کہی غزل دل کے کسی کونے سے سرگوشی کر رہی ہو۔ اس نے وہ تمام سامان سمیٹا جو وہ سوات سے لائی تھی، مگر اس دنیا سے خریدا گیا کچھ بھی اپنے ساتھ نہ رکھا۔ وہ سب قیمتی چیزیں، جن پر دنیا فخر کرتی ہے، اس کے لیے گناہ کی کمائی تھیں۔ ہاں، البتہ ایک سبز شیٹ والی فائل تھی، جو اس نے احتیاط سے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اپنے سامان میں رکھی۔ وہ واحد شے تھی جو وہ ساتھ لے جا رہی تھی، مگر صرف ایک مخصوص مقصد کے لیے۔ وہ مقصد جس سے اس کا ضمیر ابھی بھی بندھا ہوا تھا۔

اٹیچی لاک کرنے کے بعد اس نے ایک آخری بار کمرے پر نگاہ ڈالی۔ یہ عالی شان، دلکش کمرہ جو کسی ریاستی ملکہ کی خواب گاہ معلوم ہوتا تھا، اس کے لیے محض ایک بھیانک یاد تھا، ایک زندہ قبر، جہاں اس نے ایک عرصہ گزارا تھا۔ اچانک اس کی نظر آئینے پر پڑی، اور وہ ساکت ہو گئی۔

اس کے گال پر وہ پرانا داغ جو برسوں اس کے مقصد کی علامت رہا تھا، آج اُسے بدصورتی لگا۔ اس کی آنکھیں لمحوں میں بدل گئیں، جیسے وہ خود سے انجان ہو۔ اس نے گال پر ہاتھ رکھا، اور پہلی بار اس داغ سے نفرت محسوس کی۔ اب جبکہ انتقام پورا ہو چکا تھا، اس داغ کا مطلب بھی ختم ہو چکا تھا۔ پھر ایک جھماکے کی مانند ایک سوال اس کے دل میں ابھرا۔

"میر کیا وہ مجھے ایسے قبول کرے گا؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسی لمحے دل کی گہرائی سے ایک پختہ آواز ابھری۔ "ہاں، وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم جیسی ہو، ویسی۔"

وہ مسکرا دی، اور اس کے دل میں محبت کا نرم، سچا، اور پاکیزہ سا جذبہ گدگدانے لگا۔ "اس داغ کا کیا ہے؟ اسے ہٹا لوں گی۔ تھوڑی تکلیف تو ہو گی، مگر سہہ لوں گی۔ صرف اپنے میر کے لیے۔" خوشی سے جھومتے ہوئے اُس نے بیڈ پر رکھی میر کی دی ہوئی شال اٹھائی اور اپنے اوپر اوڑھ لی۔ اس نے شال کو چہرے سے لگایا تو جیسے اس میں میر کی خوشبو بسی ہو۔ وہ مزید سرشار ہو گئی۔ یہ شال اب اس کی سب سے قیمتی متاع تھی، اور وہ اسے مرتے دم تک سنبھال کر رکھنے والی تھی۔

دس منٹ بعد وہ نیچے آئی تو گیٹ پر گاڑی موجود تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اشعر موجود تھا، نک سک سے تیار اور سنجیدہ، جب کہ جازب اور جیک گاڑی کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ اپنی اٹیچی گھسیٹتے ہوئے باہر نکلی، تو جازب فوراً آگے بڑھ کر اس کا بیگ اٹھا لے گیا۔ جازب کی آنکھیں نم

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تھیں جسے دیکھتے ہی حرم فاطمہ نے گہری سانس لی۔

"جازب، تم کب بڑے ہو گے؟" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"کبھی بھی نہیں۔" اُس کی بھرائی ہوئی آواز میں ایسا دکھ تھا کہ سننے والے کا دل بھنچ جائے۔

جیک نے فوراً جازب کو گھورا اور پھر آخر زبان میں بھی کھجلی سی محسوس ہوئی۔

"تو پھر تمہاری شادی بھی نہیں ہو گی!" کیا شانِ بے نیازی تھی کہ جازب تڑپ اٹھا۔

"کیوں نہیں ہو گی؟ میں تو چار شادیاں کروں گا، چاروں میری خدمت کریں گی! ویسے بھی اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں۔" اس کی بے تابی دیکھ کر اشعر اور جیک دونوں کی آنکھیں پھیلیں۔

"ہماری تو ایک نہیں ہو رہی، اور اسے چار کرنی ہیں!" اشعر جھنجھلا گیا تھا اس انیس سالہ لڑکے کی بات سن کر۔

"بے فکر رہ،ان چاروں کو جب تیری حرکتیں پتا چلیں گی، تو مل کر تیرا اگلا گھونٹ دیں گی!"

جیک نے آخری وار کیا،اور اس پر سب بے ساختہ ہنس پڑے۔جازب کو منہ بسورتے دیکھ کر حرم نے آگے بڑھ کر اس کے بال بگاڑ دیے۔

"میری بات یاد ہے نہ؟"وہ نرم لہجے میں بولی۔دونوں نے سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

کچھ دیر کی ہنسی مذاق کے بعد،وہ اور اشعر اٹلی کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ چکے تھے۔گاڑی کی دھول ہوا میں تحلیل ہوئی،اور بنگلے کی دیواروں پر شعلے بھڑکنے لگے۔وہ بنگلہ،جو کبھی اُن کی پہچان کا رازدار تھا،اب مکمل طور پر راکھ میں تبدیل ہو رہا تھا۔وہ اپنے ماضی کو جلا چکی تھی، صرف "میری فاطمہ" بننے کے لیے۔مگر پھر بھی دل کے کسی کونے میں ایک سوال باقی تھا۔

"کیا وہ اس کا سچ جاننے کے بعد بھی اسے اسی شدت سے قبول کرے گا؟"

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج اس قیامت کو گزرے تین دن بیت چکے تھے۔ دن جیسے سست روی سے گزرتے، رک گئے ہوں۔ ویرانی اور سوگ کے سائے نے خان حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ خوشیاں گویا اس در سے منہ موڑ چکی تھیں۔ دور دراز سے آئے رشتہ دار اور قریبی عزیز، سوئم کی رسومات کے بعد اب اپنی اپنی منزلوں کو لوٹ رہے تھے۔ ایک کے بعد ایک سواری خان حویلی کے بڑے داخلی دروازے کو عبور کرتی نظر آتی۔ ہلکے آسمانی رنگ کے کڑکڑاتے شلوار قمیص پر سیاہ شال اوڑھے حیدر خان، اور کریم کرتا پاجامہ پہنے شاہ میر مردانے کے صحن میں سنجیدہ چہروں کے ساتھ مہمانوں کو رخصت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں وہی گہری تھکن، وہی نمی تھی جو کسی اپنے کے بچھڑ جانے کے بعد دل کی گہرائیوں سے ابھرتی ہے۔ وہ حزن و ملال میں ڈوبے ہوئے تھے، جیسے ان کے دل بھی اس بھری ویران حویلی کی دیواروں کی طرح خاموش ہو چکے ہوں۔

اس سنبھلتے دلوں کی حویلی میں ایک ایسا وجود بھی تھا، جو مکمل خاموشی میں ڈھل چکا تھا۔ اندر کو دھنسی ہوئی، پتھرائی سی نیلی آنکھیں، جیسے کسی بے جان مجسمے کی ہوں، ہر چیز سے بیگانگی کا

اظہار کر رہی تھیں۔ شوخ اور رنگین رنگوں نے گویا ان کی زندگی سے ناتا توڑ لیا تھا۔ سفید لباس میں لپٹی وہ کوئی غموں کا دھندلا عکس محسوس ہوتی تھیں، جیسے زندگی کے سارے رنگ ان کے وجود سے چھن چکے ہوں مگر شاید یہی ان کی ہمت تھی، یہی صبر تھا، کہ وہ اب تک خود کو ہوش و ہواس میں رکھے، زندگی کی ڈور تھامے کھڑی تھیں، جیسے وہ خود نہیں، کوئی سایہ ہو، جو بس نبضِ حیات سے بندھا ہے۔

سفید شلوار قمیض میں ملبوس، دراز قد مرد کمرے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھامے، وہ ضبط کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ اُس کی سرخی مائل آنکھیں اُس چہرے پر جمی تھیں، جو بیڈ کی پُشت سے کمر ٹکائے، میکانکی انداز میں چھت کو گھور رہا تھا۔ اُن کی حالت دیکھ کر وہ جیسے اندر ہی اندر خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ دل کو کسی زنجیر میں جکڑ کر، جذبات پر بند باندھتے، وہ حلق تر کرتا آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا۔

متوازن قدموں سے چلتا، وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ وہ ہنوز یوں ہی ساکت تھیں، جیسے وقت نے اُن پر دستک دینا چھوڑ دیا ہو۔ اُس نے کھانے کی ٹرے ایک طرف رکھتے ہوئے

ہلکے سے گلا کھنکارا، شاید انہیں اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا، مگر یہ چھوٹی سی کوشش بھی بے سود ثابت ہوئی۔

"تائی جان۔" اب کی بار اُس کی آواز گونجی۔

جب وہ نمک کا سا مجسمہ بنی خاموش رہیں، تو اُس نے گہری سانس بھر کر ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ جیسے اچانک ہوش کی دنیا میں لوٹیں۔ چونک کر نگاہ اُٹھائی اور سامنے بیٹھے باران کو دیکھا۔ ان کی ویران، اذیت رسیدہ نگاہوں نے باران کے دل کو جیسے ڈبو کر رکھ دیا۔ وہ یک ٹک ان کا چہرہ تکنے لگا، اور پھر بے چینی سے سر جھکا گیا۔

"باران۔" اچانک، وہ گویا خود کو بھلا کر، دھیرے سے بولیں۔ "تمہارا تایا جان نہیں آیا اب تک؟ وہ کب آئے گا؟ اُم اس کا انتظار کر رہا ہے۔" اُن کے لبوں سے سادہ سی صدا نکلی، اور جیسے باران کا دل چیر کر رکھ گئی۔

وہ بے یقینی سے اُن کا چہرہ تکنے لگا۔ یہ وہی تھیں، جو تین دن سے لب بستہ تھیں۔ نہ کوئی آہ، نہ اشک مگر آج، جب انہوں نے زبان کھولی، تو گویا حقیقت کو انکار کر دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تائی جان آپ" اسے سمجھ نہ آیا وہ کیا کہے۔ وہ جیسے پل میں پچھتایا تھا کہ وہ یہاں کیوں آیا، اس سے لاکھ گنا بہتر طریقے سے شاہ میر اس سچویشن کو ہینڈل کر سکتا تھا۔

"باران، اُم کچھ پوچھ رہا ہے، جواب دو۔" ان کی آواز پہ اس نے برجستہ ان کی طرف دیکھا جو ملائمت سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں، پھر ایک لمبی اور گہری حوصلہ جمع کرتی سانس کھینچتے ہوئے اس نے خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

"تایا جان نہیں رہے، وہ ہمیشہ کے لیے ہمیں چھوڑ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔" یہ وہ ہی جانتا تھا کہ یہ جملہ اس نے کس ہمت سے مکمل کیا تھا۔

"او ہو۔ خان اُم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔" وہ کہتے ساتھ زور زور سے ہنسنے لگیں تو باران فق چہرہ لیے بیٹھا رہ گیا۔

"تائی جان" اس کے لب ہلے ہی تھے کہ وہ پھر سے بول پڑیں۔

"اماراخان اُم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ اُم سے بہت ڈرتا ہے، پیار کرتا ہے نا اس لیے۔" وہ بولتے مزید اونچا اونچا ہنس رہی تھیں۔ باران کو اپنا دل آرے سے کٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اس قدر ہنسیں کہ آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا جو ان کی نیلی آنکھوں میں ڈولتے سمندر کی طرح لگ رہا تھا۔ یہ ان کے خان کی محبت ہی تو تھی جس نے انہیں اس عمر میں بھی بے حد سنوار رکھا تھا۔ محبت سنوار سکتی ہے تو بگاڑ بھی سکتی ہے، یہ بات زوبیہ خانم کو دیکھتے ہوئے ثابت ہوتی تھی۔

"ہمارا شہزاد مر گیا تو خان نے کہا تم کیوں روتا ہے، ہمارا ابھی چار بیٹا اور بھی ہے، وہ بھی تمہارا اولاد ہے، تم ان کا بھی ماں ہے۔ اُم خوش تھا، بہت خوش تھا۔ اسی میں مطمئن تھا کہ اُم ابھی بھی ماں کہلائے گا، اُم نے زندگی کا ہر پل اپنے خان کے ساتھ گزارا ہے باران، دکھ ہو، سکھ ہو، سب دیکھا ہے، اُم نے اس انسان کے ساتھ سات بہاریں دیکھی ہیں، وہ کیسے اتنا ظالم ہو سکتا ہے کہ اُم کو چھوڑ کر چلا گیا؟" وہ دھیمے آواز میں اس کے ہاتھوں کو دیکھتے جیسے اپنے دل کا حال سنا رہی تھیں۔ بالکل چپ سا وہ ان کے ہر ایک لفظ میں آہستہ آہستہ اٹھتے

طوفان کو محسوس کر رہا تھا جب وہ آخری جملے پر بے اختیار چیخیں، وہ ایک پل میں ہوش میں آیا۔ اس نے بوجھل پلکیں اٹھا کر ان کی اور دیکھنے کی جرأت کی جو اب ہنسنے کی جگہ رو رہی تھیں، بے آواز اور تڑپ کر۔

"ہمارا کیا قصور ہے؟ اُم نے کیا گناہ کیا جو اُم کو اتنی بڑی سزا ملی؟ اُم نے تو گود اجڑنے پہ صبر کر لیا تھا نہ، اب اس پہ کیسے صبر کرے۔ اُم میں صبر نہیں ہے باران، اُم میں اتنا صبر نہیں ہے۔" وہ اس کے ہاتھوں پہ چہرہ رکھے بلک رہی تھیں۔ وہ برباد ہو گئیں تھیں۔ ان کے جینے کے دو سہارے تھے پر وہ دونوں ہی ان سے دور جا سوئے تھے۔ اس عورت کا درد کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ باران نے لب بھینچ کر اپنی آنکھوں میں اترتی نمی اور سینے میں ہوتی جلن کو قابو کیا تھا۔ وہ رو کر اپنا دکھ سنا کر سکون چاہتی تھیں پر وہ اپنے دل کا کیا کرتا، وہ کس کو بتاتا کہ اس کا مان ٹوٹا ہے، اس کا خونی رشتوں سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ وہ کہاں جائے۔ وہ اپنے کپکپاتے لبوں کو قابو کرتے ہوئے زوبیہ خانم کو سینے سے لگا گیا۔ جو اس کے ساتھ لگتے ہی مزید بلند آواز میں رونے لگیں۔

"اُم شہزاد کے مرنے پہ صبر کر گیا تھا کیونکہ اماراخان امارے پاس تھا،اب اُم خان کے مرنے پہ کیسے صبر کرے،اُم کیوں ہے اتنا بد نصیب، کیوں؟"ان کی سسکیاں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں،انہیں صبر نہیں آرہا تھا،وہ کیا کرتیں۔وہ بے بس سا انہیں سینے سے لگائے ان کی سسکیاں سن رہا تھا جو بے دریغ تھیں۔ان کا لاس بہت بڑا تھا،اتنا بڑا کہ وہ انہیں کوئی دلاسہ بھی نہیں دے پا رہا تھا۔

وہ کسی نمک کے مجسمے کی طرح لمحہ بہ لمحہ بکھر رہی تھیں۔ان کا رونا، تڑپنا، چیخنا سب بجا تھا۔وہ نہیں جانتی تھیں کہ جس بچے کو آغوش میں چھپا کر جوان کیا تھا ایک وقت آئے گا جب اسی کے سینے پہ سر رکھ کر یوں رونا پڑے گا کیونکہ وہ سینہ انہیں اب کبھی میسر نہیں ہو سکتا تھا جس کی وہ عادی تھیں۔

آدھ کھلے دروازے کی اوٹ میں کھڑا شاہ میر، ہچکیوں کی آواز سن کر آنکھیں میچ گیا۔وہ باران کو مردانے میں نہ پا کر تلاش کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا،مگر تائی جان کے لبوں سے ادا ہوئے لفظوں نے اُسے اندر تک رنجیدہ کر دیا تھا۔ایک انسان کے ایک غلط فیصلے نے اس

خاندان کی جڑیں کھوکھلی کر دی تھیں۔ بنیادیں لرز چکی تھیں، ایسی بنیادیں جو شاید آنے والے کئی برسوں تک پھر سے مضبوط نہ ہو سکیں۔ وہ آنسوؤں کا گولہ حلق میں ہی نگلتے ہوئے آہستگی سے واپس پلٹ گیا۔ وہ اُن سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس نے کبھی مورے اور تائی جان میں فرق نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کبھی حویلی میں پلنے والے بچوں میں کوئی تفریق روا رکھی۔

وہ اس وقت باران کے دل کی حالت کو بھی بخوبی سمجھ رہا تھا۔ وہ چاہے بظاہر خود کو لاپرواا اور سخت دل ظاہر کرتا ہو مگر شاہ میر جانتا تھا کہ اس کا بھائی رشتوں کے معاملے میں نہایت حساس ہے، شاید اس سے بھی زیادہ اور اب وہ خود کو اندر سے آج رات کے لیے تیار کر رہا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ ہر بار کی طرح آج بھی اُس کا باری رات کی تنہائی میں اپنے ہر غم کو اُسی کے سینے سے لگ کر لفظوں اور آنسوؤں کی صورت بہا دینے والا تھا۔

☆..☆..☆..☆

وہ تھکا ماندہ سا ابھی اپنے کام نپٹا کر لوٹا تھا اور اب اپنے کمرے کی سمت بڑھ رہا تھا، جب اس کی نگاہ کچن کی جانب اٹھی، جہاں بتیاں روشن تھیں۔ وہ پل بھر کے لیے ٹھٹھکا۔ اس وقت تک تو سب ملازم اپنے اپنے سرونٹ کوارٹرز میں لوٹ چکے ہوتے تھے۔

اس وقت اسے کافی کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی، مگر یہ سوچ کر کہ اب تک سب ملازم سو چکے ہوں گے، وہ چپ چاپ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا لیکن اب، چونکہ وہ جان گیا تھا کہ کوئی اب تک کچن میں موجود ہے، تو وہ اپنی کافی کی شدید ہوتی طلب کو نہ دباتے ہوئے سیدھا کچن میں چلا آیا۔ وہ اندر داخل ہوتے ہی رکا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مٹیالے رنگ کے گھیر دار، سادہ سے فراک اور پاجامے کے ساتھ وہ بڑا سا دوپٹہ چہرے کے گرد نماز کی صورت لپیٹے، شیلف کے پاس کھڑی تھی۔ ٹھک ٹھک کی آواز سے واضح تھا کہ وہ کافی پھینٹ رہی ہے، کیونکہ اس کی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ تو ہزاروں کی بھیڑ میں بھی اُسے بنا دیکھے پہچان سکتا تھا، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ ابھی نہ پہچان پاتا کہ وہ اس کی زر ہے۔

میرے دل کے خاموش درد کو

نہ کوئی سنتا ہے، نہ کوئی محسوس کرتا ہے

راتوں کو دل چیخیں مارتا ہے

مگر ستارے بھی خاموش،

مہربانی سے عاری میری آنکھوں کے

آنسو برف کے قطرے جیسے خاموش گرتے ہیں

چہرے پر مسکراہٹ سجا لیتی ہوں

مگر دل ٹوٹا ہوا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا

وہ دھیمے، ہلکے سروں میں، خالص پختون لہجے میں کوئی نظم گنگنا رہی تھی، جسے سنتے ہی اس نے ایک گہری سانس بھری۔

ایسا محسوس ہوا جیسے یہ کوئی نظم نہیں، بلکہ مقابل کے دل کا حال تھا، جسے وہ بے دھیانی میں، ارد گرد سے بے نیاز، خاموش فضاؤں کو سنا رہی تھی۔ موسیٰ نے پہلی بار یہ سوچا تھا کہ اگر وہ

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس لڑکی کو کھو دے، تو کیا وہ زندہ رہ سکے گا؟اس سوال نے دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ضمیر نے الگ ملامت کی۔ وہ موسیٰ دیار خان، کمزور تو نہیں تھا، تو اب کیوں پڑ رہا تھا؟

وہ تو نہ جانے کتنا ہی وقت ساکن سا اُس کے سُروں میں محو رہتا، پر وہ خانی کیسے نہ کسی کی تپش زدہ نظریں محسوس کرتی؟ وہ ایک جھٹکے سے پلٹی، تو گویا موسیٰ پہ فرض ہو گیا کہ وہ اپنی نظریں جھکا لے۔ وہ دل کی دغا پر آج تک حیران تھا، پر آنکھوں کی دغا وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ جیسے سن سی ہو گئی تھی، کافی پھینٹتے ہاتھ تھم چکے تھے۔ اس نے بے تاثر نگاہوں سے اس مرد کو دیکھا، جسے نظریں جھکانے کا ہنر آتا تھا، پر اسے آج یہ جھکی نظریں چبھی تھیں، ہاں، بہت زور سے، کیونکہ اُس رات، اسی مرد نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کی محبت ٹھکرائی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ تو عادی تھی اس کی جھکی پلکوں کو دیکھنے کی، اس عادت پہ تو وہ قربان گئی تھی۔ پر وہ سارے لمحے جن میں وہ اس سے پلکیں جھکا کر بات کرتا تھا، وہ اس ایک لمحے کو فتح قرار دے گئے تھے، جس میں اس نے ان آنکھوں میں دیکھ کر اس کی عزتِ نفس کو مجروح کیا تھا۔

وہ مزید گہری سوچوں کے بھنور میں اترتی، اس سے پہلے ہی اوون کی بیپ کی آواز نے ماحول کا سکوت توڑ دیا، جس میں دودھ گرم ہونے کے لیے رکھا گیا تھا۔ وہ سٹپٹاتی ہوئی ہوش میں آئی، اور تیزی سے رخ پلٹتے ہوئے اپنی کافی کو بنانا شروع کیا، جہاں سے وہ رکی تھی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے، وہیں دوسری اور کانچ سی ہری آنکھوں والے اس نوجوان مرد کا دماغ برق رفتاری سے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ اپنے ذہن کو تیار کر رہا تھا، کیونکہ اسے اپنی زر کو منانا تھا۔

اگلے دو منٹ میں وہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی، بنا اُس کی موجودگی کو خاطر میں لائے، جیسے اس کے سوا وہاں کوئی ہو ہی نہ۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ کافی کا مگ اٹھائے، نظریں زمین میں گاڑے، مضبوط قدموں سے دروازے کی سمت بڑھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس مرد کے قریب سے گزرتی، اس کے کانوں سے آواز ٹکرائی۔ وہ آواز جسے سننے کے لیے وہ ہر پل بے چین رہا کرتی تھی پر آج اس آواز میں اسے کوئی کشش محسوس

نہ ہوئی۔ اس کے بڑھتے قدم تھمے لیکن پھر وہ اسی پل اسے نظر انداز کرتی مزید آگے بڑھی۔

"رکو زر۔" وہ اسے کوئی جواب دیے بنا جاتا دیکھ کر، تڑپ کر بے بسی سے بولا۔

"زر پلیز، ایک بار میری بات سن لو"

اس قدر بے بسی پر بھی اس خانی کا دل نرم نہیں پڑا تھا۔ وہ اُسی طرح نظر انداز کرتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچی ہی تھی کہ وہ اس کے راستے میں اچانک آحائل ہوا۔ زر مینے بدک کر پیچھے ہٹی۔ اس نے ناگواری سے نگاہیں اٹھا کر موسیٰ کے چہرے کو دیکھا۔ وہ جو اُسے منانا چاہتا تھا، اُس کی آنکھوں میں ٹھاٹھیں مارتا ناگواری اور حقارت کا سمندر دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

اس کے دل نے،اُس کی آنکھوں کے تاثر کو پڑھتے ہوئے،بے جان سی سرگوشی کی۔"یہ تمہاری زر نہیں ہے۔"

"زر،میں مجبور تھا۔"اپنے دل کی بات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے،اس نے کانپتے لبوں کو حرکت دی۔

زر مینے نے بے زاری سے آنکھیں پھیر لیں۔اس کے کانوں میں اسماہ خانم کا جملہ گونجا۔

"مرد مجبور نہیں ہوتا۔اُسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا،سوائے اس کے اپنے ضمیر کے۔"تو وہ مزید دل کو سخت کر گئی۔بہت مشکل سے اِس دل کو سنبھالا تھا،اب دوبارہ بھٹکنے کی گنجائش نہیں تھی۔

"میرا راستہ چھوڑیے موسیٰ دیار خان اگر کسی نے ہمیں یہاں دیکھ لیا تو بلاوجہ ہی میرا نام خراب ہو گا۔"اس نے گویا موسیٰ کے ہی الفاظ کو لوہے کے جوتے میں لپیٹ کر اُس کے منہ پر دے مارا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مقابل نے تیزی سے سر اٹھایا، اور بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اُس کا چہرہ دیکھا جو حد درجہ سپاٹ تھا۔ وہ اُسے بے یقینی میں غوطہ زن چھوڑ کر، سر جھٹکتے وہاں سے نکل گئی اور وہ وہیں، سن کھڑا رہ گیا۔ اُسے لگا جیسے وہ سب کچھ ہار گیا ہو۔

وہ جب ہوش سنبھال بھی نہ پائی تھی، تب سے اِسے خان جی کہہ کر ہی پکارتی تھی۔ اسے یاد تھا، جب اُس نے پہلی بار اپنی توتلی زبان میں اُسے "نان دی" (خان جی) کہا تھا، وہ تو شروع سے ہی اس صنفِ نازک کے لیے خاص تھا۔

"مینے، تم نے موسیٰ کو خان جی کیوں کہا؟" اسماہ خانم نے آٹھ سالہ موسیٰ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے، زمین پر بیٹھی کھلونوں سے کھیلتی زرمینے سے پوچھا۔

زرمینے نے اپنی بڑی بڑی سنہری آنکھیں اٹھا کر پہلے مورے کو دیکھا، پھر موسیٰ کی جانب اور پھر معصومیت سے بولی۔

"یہ نان دی ہے نہ، اُس لیے" (یہ خان جی ہے نا، اس لیے)۔ وہ اپنی توتلی زبان میں بولی تو وہاں موجود سب افراد قہقہہ لگا اٹھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرا پیاری، تمہارا لالا بھی تو ہیں نہ، اُنہیں بھی خان جی کہو۔" جہانگیر خان نے اپنی پوتی کو گود میں بٹھاتے، پیار سے اس کے گال چومے۔ تو وہ ان کی داڑھی کی چبھن محسوس کرتے زور سے کھلکھلا اٹھی۔

"نہ ای نان جی ای لالا، ای لالا، او ہی لالا بش" (نہیں، یہ خان جی یہ لالا، یہ لالا، یہ بھی لالا، بس)۔ وہ باری باری اپنے تینوں بھائیوں کی طرف انگلی

اٹھا کر بولی، اور بات ختم کر گئی اور اس کے دیے گئے اُس پیارے خطاب نے موسیٰ کو شرمانے پر مجبور کر دیا تھا، اور اُس کے شرم سے سرخ ہوتے گال دیکھ کر، سب سے بلند قہقہہ جہانگیر خان کا تھا۔

وہ وہاں چلی گئی تھی لیکن وہ اب ایک قدم اُٹھانے کے بھی قابل نہ رہا تھا۔ چنانچہ، کرسی گھسیٹ کر ڈائننگ ٹیبل کے ساتھ بیٹھ گیا، اور اپنا سر میز پر گرا دیا۔ یہ پچھتاوے ہی ہوتے ہیں جو ہماری جڑیں کھوکھلا کرتے ہیں، ورنہ طوفان تو صرف عمارتیں ڈھانے آتے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہیں۔بالکل جیسے موسیٰ ڈھہ چکا تھا۔جس کی آنکھوں میں ہمیشہ اپنے لیے محبت دیکھی ہو وہاں ناگواری دیکھنا،اُس کے لیے سوہانِ روح تھا۔

☆..☆..☆..☆

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی تیزی سے دروازہ لاک کر چکی تھی۔کافی کا مگ وہیں سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئی،سینے پر

ہاتھ رکھے وہ گہرے گہرے سانس بھر رہی تھی۔اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔

سانس بحال کرتے ہی اُس نے بیڈ پر سوئی زارا کی طرف دیکھا جو گہری نیند میں ہلکے ہلکے خراٹے بھر رہی تھی۔اس کی ٹانگ پلو کے سہارے بلند کی گئی تھی۔زرمینے آج رات باران کے کمرے میں زارا کے ساتھ سونے والی تھی کیونکہ باران شاہ میر کے ساتھ ڈیرے پر تھا۔

باران کی خواہش تھی کہ زارا کے پاس کوئی ہو،تاکہ اگر رات کے کسی پہر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑے،تو وہ تنہا نہ ہو۔

زرمینے نے یہ بات سمجھ کر خاموشی سے رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ چند دنوں سے حویلی میں چھایا ذہنی تناؤ اس کی نیند کو بھی چھین چکا تھا، اس لیے وہ اپنے لیے کافی تیار کر رہی تھی، پر یہ وہ نہ جانتی تھی کہ جس کی نظروں سے وہ تین دن سے اوجھل تھی، وہ یوں اچانک، رات کے اس پہر، اس کے سامنے آ کھڑا ہو گا۔

وہ خود کو مضبوط ظاہر کر آئی تھی، مگر اب اس کا دل تیز دھڑک رہا تھا۔ وہ اسے تکلیف دے آئی تھی، مگر سکون اب اُسے بھی میسر نہیں تھا، اور اسی بے چینی میں، اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی کافی بھی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ یہ دل آخر دغا کیوں دیتے ہیں؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

☆..☆..☆..☆

یہ صبح، جہاں اب تک کسی کے لیے اداسی لے کر آئی تھی، وہیں کسی اور کے لیے ایک نئی اُمنگ تھی۔ زارون اور پری گل اکٹھے اسپتال میں داخل ہوئے تھے۔ حادثے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، زندگی آخر کار معمول پر آ ہی جاتی ہے۔

زارون سیدھا اسٹاف روم کی جانب بڑھ گیا، جبکہ پری گل اپنے چھوٹے سے کیبن کی طرف چلی آئی۔ وہ اگرچہ ابھی پریکٹس پر تھی، مگر اس کے پاس اپنا ذاتی کیبن موجود تھا، کیونکہ شہزاد خان نے یہ اسپتال خاص اسی کے لیے بنوایا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پری گل کا کوئی خواب ادھورا نہ رہ جائے، اسی لیے بہترین ڈاکٹرز یہاں رکھوائے گئے تھے۔

پری گل جب کیبن میں داخل ہوئی تو اس کی پہلی نگاہ دیوار گیر اسما الحسنیٰ کی پینٹنگ پر پڑی۔ دیکھنے میں وہ سادہ سی تھی، مگر اس کے دل کے

نہایت قریب، کیونکہ یہ شہزاد نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ نہ وہ کسی پروفیشنل کے ہاتھ کی تھی، نہ ہی بہت نفیس، مگر یہی بات تو خاص تھی۔ اس کے شہزی کے ہاتھوں کی محبت سے بنی تھی، اسی لیے انمول تھی۔

وہ پینٹنگ دیکھتے ہی اس کی سوجی، سرخ آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔ ان دنوں تو ہر چھوٹی بات بھی اسے رلا دیتی تھی۔ جب سے باران نے اُسے بتایا تھا کہ ارمان کو جلد سزا ملنے والی ہے یعنی اس کے شہزی کو انصاف ملنے والا ہے، تب سے وہ بار بار رونے لگتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کاش وہ بچ جاتا؟ کاش وہ ارمان پر حملہ کر دیتا؟ کاش وہ اسے چھوڑ کر نہ جاتا؟ یہ سب وہی سوال تھے جو بے معنی تو تھے، مگر دل کو تڑپانے پر مجبور کرتے تھے۔ وہ اپنا بیگ کرسی پر رکھتے ہوئے اس کیلیگرافی کے قریب گئی، نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ان لمحوں کو یاد کرنے لگی، جن میں اس نے اپنے شہزی کو پایا تھا۔ آنکھوں سے بہتے آنسو، پینٹنگ پر پڑتے عکس کو دھندلا کر رہے تھے۔

"چلیں جی، پورا اسپتال تو آپ نے دیکھ لیا اب باری ہے آپ کے پرائیویٹ کیبن کی۔"

وہ گلابی نقاب میں لپٹی، شہد رنگ آنکھوں سے اشتیاق بھری نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھی، جب یہ جملہ اس کے کانوں سے ٹکرایا۔ وہ شہزاد کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی، اور وہ اُسے ہر روم کھول کھول کر دکھا رہا تھا۔ آج اس کا اسپتال میں پہلا دن تھا، اس لیے وہ خود ساتھ آیا تھا۔ جب وہ ایک لکڑی کے دروازے کے پاس رکا، تو لہجہ خاصا نرم ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پری گل نے حیرت سے دروازہ دیکھا، پھر شہزاد کو، جو اب لاک کھول رہا تھا۔ چند لمحوں بعد، کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا، اور وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ دروازہ کھلا ہی چھوڑا گیا تھا کیونکہ یہی مناسب تھا۔

"جی تو شہزادی صاحبہ، یہ ہے آپ کا کیبن اور یہ آپ کی کرسی۔" ہمیشہ کی طرح آسمانی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس، آدھی آستینیں چڑھائے، خوبصورت بال پیشانی پر بکھرے، بھنوؤں کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کرتے، اور نیلی پرشوق آنکھوں میں چمک لیے وہ چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

پری گل بے یقینی سے آنکھیں پھیلائے اس روم کو دیکھ رہی تھی، جہاں دیوار پر "ڈاکٹر پری گل" لکھا ہوا تھا۔ یہ ماں کے خواب کو پورا ہوتے دیکھنے کا لمحہ تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ کو یہ پسند نہیں آیا؟" جب شہزاد نے اس کی نم آنکھیں دیکھیں تو متفکر ہوا۔

"نہیں، مجھے یہ سب بہت پسند آیا ہے۔" پری گل نے انگلی کی پور سے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے بھیگی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ دیکھیے، یہ میں نے آپ کے لیے بنائی ہے۔ یہ پرفیکٹ نہیں ہے، لیکن بس یونہی، آپ کے لیے۔" اس نے دیوار پر لگی کیلیگرافی کی طرف اشارہ کیا۔ پری گل چونکی، اور پھر اس سنہری و ہلکے نیلے رنگ سے بنی اسما الحسنیٰ کو تکتی رہیاور ایک بار پھر وہ جذباتی ہو گئی۔

"شہزادی، پلیز، میرے ہوتے ہوئے مت رویا کریں۔ میں بے چین ہو جاتا ہوں۔" وہ خفگی سے بولا۔

"اچھا؟ اب اگر میں روؤں گی تو پھر کیا کریں گے آپ؟" وہ شرارت سے بولی۔

"ٹھیک ہے، جب میں نہیں ہوں گا، تب آپ کو میری قدر ہو گی۔" وہ بچوں کی طرح خفا ہونے لگا۔

"کیوں، کہاں جا رہے ہیں آپ؟" پری گل کھلکھلا دی۔

"وہاں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔" وہ بے دھیانی میں بول گیا، مگر پری گل کا دل جیسے کٹ گیا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا، مسکراہٹ لبوں سے نوچ لی گئی، سانسیں دھیمی ہو گئیں، وہ چیخ پڑی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"شہزی!"ہاں،اس دن بھی وہ ایسے ہی چیخی تھی۔پر اُس دن وہ منانے آیا تھا،تو آج کیوں نہیں آیا؟وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے سسکنے لگی۔

"شہزی واپس آجائیں ورنہ آپ کی شہزادی مر جائے گی یار۔"یہ دل کا درد اس کی جان لینے پر تُلا ہوا تھا۔

جن سے بے پناہ محبت کی ہو،ان کے بغیر جینا واقعی دشوار ہو جاتا ہے۔

☆..☆..☆..☆

اگلے دن معمول کے مطابق خان حویلی کے ملازم اپنے کاموں میں مصروف تھے،جب ایک سفید کار حویلی کے وسیع پورچ میں آکر رکی۔دروازہ کھلا تو سفید ہیل میں مقید نازک پیروں نے زمین پر قدم رکھا،اور پھر دوسرا۔نارنجی شلوار سوٹ میں وہ سراپا حسن لگ رہی تھی،اور اس پر اوڑھی ہوئی اپنے محبوب کی شال نے اس کے وقار میں اور بھی اضافہ کر دیا تھا۔

اس نے اپنا بیگ نکال کر باہر رکھا، پھر مڑ کر اشعر کو دیکھا اور مسکرا کر اشارہ کیا۔ اشعر، جو چیک شرٹ اور بلیک پینٹ میں ملبوس، آنکھوں پر سیاہ گلاسز لگائے بیٹھا تھا، جواباً بھرپور انداز میں مسکرایا اور پھر جیسے ہی وہ اندر گئی، وہ زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔ اس کی محبوبہ اس کی یاد میں تڑپ رہی ہو گی اور اشعر کو یہ بالکل پسند نہیں تھا۔

ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پر لاؤنج میں صفائی کرواتی اسماہ خانم نے سامنے دیکھا، جہاں سے وہ پورے اعتماد سے چلتی آ رہی تھی۔

"ماشاءاللہ۔" اس کے لباس، سر کو ڈھانپنے کے انداز، اور ہلکے میک اپ سے نکھرا چہرہ دیکھ کر ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔ وہ رسمی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کے پاس آئی اور ان کے گلے لگ گئی۔ اسماہ خانم اس کے اس غیر متوقع انداز پر ایک لمحے کو ٹھٹھکیں، پھر موقع محل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے مصنوعی حیرت اور خالص افسوس سے لبریز لہجے میں ربان خان کی موت کے بارے میں سوال کیا، جس پر وہ مختصر سا سب اس کے گوش گزار کر گئیں۔ اگرچہ حرم یہ سب کچھ پہلے ہی جان چکی تھی، مگر اسماہ خانم کی بھیگی آنکھوں نے اسے ایک بار پھر آبدیدہ کر دیا۔

دل کے زخموں پر مرہم رکھ دیا جائے تو پھر ہر چھوٹی بات پر بھی آنسو آنکھوں میں اتر آیا کرتے ہیں۔

"حرم بچہ، جبران نہیں آیا؟" وہ صوفے پر بیٹھیں، اسے بھی اپنے پاس بٹھایا، اور شال کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، وہ نہیں آیا۔ بلکہ میرا دوسرا بھائی ہے۔"

"دوسرا بھائی؟" وہ چونکیں۔

"جی، میرے دو بھائی ہیں۔ وہ کچھ کام میں بزی تھا، اس لیے نکاح میں آ نہیں سکا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اسماہ خانم کو یہ وضاحت کچھ عجیب لگی، مگر وہ ابھی مزید کچھ نہ پوچھ سکیں۔ انہوں نے اپنے منفی خیالوں کو جھٹک دیا، اور ملازمہ کو کچھ لوازمات لانے کا اشارہ کیا۔

"بچہ، وہ اندر کیوں نہیں آیا؟"

"مورے، وہ شام کو آئے گا، آپ سب سے ملنے۔" وہ ان کی ہتھیلیاں محبت سے تھام کر چومتے ہوئے نرمی سے بولی۔

یہ دوسرا جھٹکا تھا۔ وہ بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں، جیسے کوئی انوکھا منظر ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حرم نے ان ہتھیلیوں کو آنکھوں سے لگایا۔ جس رشتے سے شاہ میر محبت کرتا تھا، وہ اس سے عقیدت رکھنے لگی تھی۔ ان ہتھیلیوں کو اس نے کتنی ہی بار شاہ میر کو چومتے دیکھا تھا۔ تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس عورت سے محبت نہ کرتی؟ اگر وہ اپنے محبوب کے عشق میں دیوانی نہ ہوتی، تو یہ عشق کی توہین ہو جاتی۔

"بچہ، تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ اس کے چہرے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"جی مورے۔" اس کے اتنے پیار سے 'مورے' کہنے پر وہ یہ تک نہ پوچھ سکیں کہ وہ کہاں گئی تھی، کیونکہ اب تک کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں بہن بھائی کہاں گئے تھے۔

"اچھا، چھوڑو ان سب باتوں کو۔ تم جا کر کمرے میں آرام کرو، اُم تمہارے لیے ناشتہ لگواتی ہوں۔" وہ ان کے محبت بھرے لہجے پر دوبارہ ان کے ہاتھ چومتی، اپنا اٹیچی گھسیٹتی ہوئی کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ پیچھے اسماہ خانم حیرت سے گنگ، اس کی پشت کو تکتے رہ گئیں۔ حرم کا بدلا ہوا انداز انہیں چونکا بھی گیا تھا، اور بے حد بھایا بھی۔ وہ یہی تو چاہتی تھیں کہ وہ اس ماحول میں ڈھل جائے۔

"ساجدہ، ناشتہ ٹیبل پر لگاؤ۔ بچہ لوگ آتا ہی ہو گا، اور ارمان کا پسند" وہ جو ہر روز کی طرح بول رہی تھیں، جملہ ادھورا چھوڑ گئیں۔ ان کے گلے میں جیسے کانٹے چبھ گئے۔ ایک پل کی خوشی جو حرم کو دیکھ کر ہوئی تھی، وہ اچانک کل کے منظر میں بہہ گئی۔ دل ایک بار پھر

بوجھل ہو گیا۔ اب ان کا رخ کچن کی طرف تھا۔ انہیں جلد از جلد سارا کام نمٹانا تھا۔ جہانگیر خان کی موت کے بعد اب یہ سب بھی انہیں ہی سنبھالنا تھا۔ انہیں ہی سب کچھ جوڑنا تھا، اس لیے دل کو مضبوط کر کے بڑھ گئیں۔

زارون اور پری گل ہسپتال گئے تھے۔ زوبیہ خانم نیند کی دوا کے زیرِ اثر سو رہی تھیں۔ باران اور شاہ میر رات سے ڈیرے پر تھے، اب آنے والے تھے۔ زرمینے، زاراکا اور اپنا ناشتہ باران کے کمرے میں لے گئی تھی۔ موسیٰ نجانے کہاں غائب تھا۔ حیدر خان کمرے میں آرام کر رہے تھے، انہیں پرسوں سے بخار تھا۔ سائرہ اور حبہ خانم اپنے کمروں میں بند تھیں۔ اوپر والے پورشن میں بہرام خان اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ کچھ دن پہلے ہی شفٹ ہوئے تھے۔

اس حویلی میں بہرام خان کا بھی حصہ تھا، اس لیے وہ اوپر والے حصے میں منتقل ہو گئے تھے۔

پریشے اس وقت کچن میں ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی اور یہ تھی خان حویلی کے مکینوں کی سادہ، مگر بے ترتیب اور بے سکون سی روٹین، جسے انہیں ہی اب معمول پر لانا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"مورے!"ناشتے کی میز کے گرد کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے شاہ میر نے رک کر اسماہ خانم کو پکارا، جو فوراً اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"تائی جان نے ناشتہ کر لیا؟"اس نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ شاہ میر کے سوال پر عام سے ٹراؤزر شرٹ پہنے باران نے بھی ناشتہ کرتے ہوئے ہاتھ روک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں، اُم نے بھابھی کو ناشتہ کروادیا تھا اور دوا بھی دے دی ہے۔ اب وہ سو رہی ہیں۔"
انہوں نے تحمل سے جواب دیتے ہوئے اپنی اور حیدر خان کی ناشتے کی ٹرے تیار کی، اور اپنے کمرے کی سمت بڑھنے لگیں، لیکن پھر اچانک رک کر پلٹ کر دیکھا۔

"شاہ، اُم تمہیں بتانا بھول گیا، وہ حرم بچہ آ گیا ہے۔"

نائٹ ڈریس میں ملبوس نوجوان مرد نے چونک کر ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ٹھٹھکا تو باران بھی تھا۔

"کیا مطلب، مورے؟ وہ کہاں گئی تھی؟" یہ سوال کرنے والا باران تھا۔ اسے اب جبران کی بھی غیر موجودگی محسوس ہوئی۔

"پتا نہیں، شاید شاہ کو پتا ہو۔ اُم جا رہا ہے، تمہارے بابا کو دوا بھی دینی ہے۔" وہ بولتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں۔ پیچھے باران نے آنکھیں سکیڑ کر شاہ میر کو دیکھا۔ اس کے سپاٹ تاثرات نے باران کو چونکا دیا تھا۔

"شاہ!" باران کی آواز پر شاہ میر ہوش کی دنیا میں لوٹا، اور جلد ہی اپنے تاثرات پر قابو پا لیا۔

"تو، ٹھیک ہے؟"

"ہاں، مجھے کیا ہونا ہے۔ اچھا، چل تو ناشتہ کر، میں آتا ہوں۔"

وہ مسکراتے لہجے میں بولا تو باران، اپنی سوچ کو وہم سمجھ کر، سر جھٹک کر سر ہلاتے ہوئے دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اگلے ہی پل شاہ میر اٹھ کر جا چکا تھا۔ اس کی بے چینی دیکھ کر باران نفی میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اب وہ تنہا بیٹھا رغبت سے کھا رہا تھا۔ تین چار دنوں سے اس نے ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا، لیکن اب چونکہ وہ رات اپنا دل ہلکا کر چکا تھا، اس لیے خود کو کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔

☆..☆..☆..☆

وہ اپنے کھلے اٹیچی کو بیڈ پر رکھے، اس پر جھکی ہوئی تھی۔ اس کا ارادہ اب کپڑے تبدیل کرنے کا تھا۔ کچھ سفر کی تھکن بھی تھی، سو وہ فریش ہو کر کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔ وہ کپڑے درست کر رہی تھی کہ اچانک نگاہ اس فائل پر پڑی جو اس کے سامان کے نیچے سے جھانک رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو تھم گئی۔ چہرے پر کوئی تاریک سایہ سا لہرایا، مگر اگلے ہی پل وہ مسکراتے ہوئے سر جھٹک گئی۔ اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا، کچھ الگ سا، جیسے کوئی راز، کوئی بھید چھپا ہو۔ اس نے ضرورت کا سامان نکال کر بیڈ پر رکھا اور اٹیچی بند کرنے ہی لگی تھی کہ اسے اپنے پیچھے آہٹ سی محسوس ہوئی۔ اسے اپنی گردن پر کسی کی سانسوں کی مدھم سی حدت محسوس ہوئی، اور اس احساس نے اسے کپکپانے پر مجبور کر دیا۔

وہ کچھ سمجھ پاتی،اس سے پہلے ہی کسی نے اس کے دائیں رخسار کو چھو لیا۔اسی پل وہ اپنا سانس روک گئی۔دل نے جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا چھوڑ دیا ہو۔وہ الفت بھرا لمس اس کے وجود میں برقی لہر سی دوڑا گیا تھا۔اسے اپنا چہرہ بھاپ چھوڑتا محسوس ہوا۔اس کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیاں جیسے سمٹ سی گئیں تھیں۔وہ اپنے دل کی کیفیت سے انجان، آنکھیں سکیڑ گئی۔اسی لمحے،اس کے کانوں میں رس گھولتی ہوئی ایک آہستہ،دل نشیں آواز ابھری۔

"واپسی مبارک ہو،زوجۂ میر۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ اس کے کانوں کے قریب دھیمی سانسیں چھوڑتا، مخمور لہجے میں بولا،اور حرم کو لگا کہ وہ اب کبھی اس سحر سے آزاد نہیں ہو پائے گی۔اس پل وہ خود کو ہواؤں میں محسوس کر رہی تھی۔ اس کا وجود ہواؤں کے دوش پر لہرا رہا تھا۔دل کسی اور ہی دھن پر لہک رہا تھا۔سانسیں کسی بے

پروا بنجارے کی طرح ہر سو بکھر رہی تھیں۔ وہ شاید ان لمحات کو مزید جیتی، مگر شاہ میر کی آواز نے اسے اس فسوں سے کھینچ کر نکالا۔ وہ ایک لمحے میں ہوش میں آ گئی۔

"مجھے یاد کیا؟" وہ چار قدم پیچھے ہٹتے ہوئے، دیوار سے ٹیک لگاتے، سینے پر بازو لپیٹے سوال کرنے لگا۔

حرم نے گہری سانس بھر کر، اپنی بے آواز دھڑکنوں کے تسلسل کو قائم رکھا اور پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک پل کو اسے محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں نے کوئی بے حد حسین اور روشن منظر دیکھ لیا ہو۔ سونے سونے، سرمئی نین کٹوروں میں چمک، نرمی، اور چاہت کی حدت نے ہلکورہ لیا۔

وہ اس کی دید تھی، اور وہ، وہ اس انسان کے دیدار کے لیے اپنی زندگی وقف کر سکتی تھی۔

شاہ میر نے اسے یوں محویت سے دیکھا تو دلکشی سے مسکرا کر گلا کھنکارا۔ وہ فوراً ہڑبڑاتے ہوئے ہوش میں آ گئی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے، زما آورا (میری خوشبو)!" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم نے ایک نگاہ اسے دیکھا۔ آج بھی، ہمیشہ کی طرح، وہ اس کے پشتون لفظوں کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھی، مگر مقابل کی وارفتگی ہی کافی تھی اسے لاجواب کرنے کے لیے۔ حرم نے بغور اسے دیکھا، جو اس کے جواب کا منتظر تھا، پھر اس نے ہلکی سی سانس بھری، خود میں ہمت جمع کی، اور چھوٹے چھوٹے قدم لیتے ہوئے، وہ اس چار قدم کے فاصلے کو سمیٹتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو چکی تھی۔ ہتھیلیاں الگ نمی سے بھیگی ہوئی تھیں۔

شاہ میر، جواب تک مسکراتے ہوئے اس کے جواب کا منتظر تھا، اگلے ہی لمحے ساکت ہو گیا۔ فضاؤں میں یکدم پھولوں سی نازک محبت کی مہک پھیل گئی۔ وہ اس کے سینے پر آہستہ سے سر رکھتی، اس کی چوڑی پشت پر بازو لپیٹ گئی۔

اس کا حصار، شاہ میر کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر گیا تھا۔ اس کا چہرہ تیزی سے سرخ ہوا۔ آنکھوں میں کوئی انجانا سا جذبہ ابھرا۔ اس کے مضبوط بازو کی رگیں ہلکی سی ابھر آئیں۔ وہ اپنے احساسات کو قابو نہیں رکھ سکا تھا، اور اس کی گواہ تھی وہ لڑکی، جو اس کے کسرتی سینے پر

سر رکھے،اس کے دل کی تیز دھڑکنیں اپنے کانوں سے سن رہی تھی۔وہ ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔ایسی پیش قدمی اس نے کی تھی،وہ حیران تھا۔

"میں نے آپ کو بہت یاد کیا،میر۔"مدھم،شائستہ لہجہ۔اُف،حد تھی۔

دوسرے ہی لمحے،وہ اسے مکمل اپنے حصار میں جکڑ چکا تھا۔وہ حصار،اس نازک وجود کو سانس لینے میں دشواری دے رہا تھا،مگر وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔جان نکلتی ٹانگوں کو زبردستی زمین پر جمائے،وہ اس کی قید میں تھی۔یکدم،اس کے پیروں نے زمین سے تعلق توڑ لیا۔اس نے خود کو ہواؤں میں پایا،اور پھر وہ جیسے ہر شے سے گمنام ہوتی چلی گئی اور مقابل کے جذبے اس پر غلبہ پا چکے تھے۔وہ خاموش کمرہ،اب ان کی

چاہت کی گواہ بن کر سانس لے رہا تھا،کیونکہ محرم رشتے کی خوشبو ہی نرالی ہوتی ہے۔

☆..☆..☆..☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ گہری نیند میں تھی جب اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے قدموں کو چھو رہا ہو۔ لمس نرم اور نازک تھا، کسی صنفِ نازک کا۔ وہ اب اپنے جسم کے چند حصوں میں ہلکی سی جنبش اور لمس محسوس کر سکتی تھی، مگر باقی بدن اب بھی جیسے پتھر ہو چکا تھا۔

ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ مکمل ریکوری میں کم از کم دو ماہ لگیں گے۔ اتنے طویل عرصے تک کوما میں رہنا، پھر ہوش میں آنا، یہ کوئی معمولی تجربہ نہیں تھا۔ اس کی قوتِ ارادی بے حد مضبوط تھی، تبھی وہ اس مرحلے تک آ سکی تھی۔

اچانک، کسی کی سسکیوں کی دھیمی آواز نے اس کے حواس پر دستک دی۔ سسکیاں کسی چھوٹے، معصوم بچے جیسی تھیں۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک سی گئی۔ پھر اچانک، جیسے اندر سے کسی نے جھنجھوڑ دیا ہو، اُس نے ایک جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔ کمرے میں دھندلا سا اجالا تھا۔ شاید صبح ہونے والی تھی، یا ہو چکی تھی۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ گھڑی اس کے بیڈ کی اوپر دیوار پہ تھی جس پہ وقت دیکھنا اس لیے نا ممکن تھا۔ اس نے اپنی گردن کو آہستہ آہستہ جنبش دی اور غنودگی میں ہی آہستگی سے سر اٹھا کر پیروں کی طرف دیکھا، تو ایک

نحیف سا وجود اس کے قدموں سے لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے سسکتے ہاتھوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہوں، اتنی شدت کی حدت تھی، جیسے وہ وجود تیز بخار میں تپ رہا ہو۔ وہ لمحہ بھر اسے دیکھتی رہی، پھر تھکن سے نڈھال، سر دوبارہ تکیے پر گرا دیا۔

وہ اس چہرے کو دیکھ نہ سکی، اور ویسے بھی وہ اتنی دیر گردن اٹھائے رکھنے کی سکت نہیں رکھتی تھی۔ پٹھوں میں درد اب شدت اختیار کر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی اور دوبارہ سر اٹھایا۔ اس بار وہ چہرہ صاف دکھائی دیا۔ آنسوؤں میں تر گال، سرخ اور سوجھی ہوئی آنکھیں، کپکپاتے لب، اور بخار سے تپتا ہوا، بھاپ چھوڑتا چہرہ۔ سادہ سی پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ بچی، عمر سے کہیں کم لگ رہی تھی۔ زینب کا سانس مزید تیز ہو گیا۔

"تم چھوڑو میرے پیر، اُٹھو یہاں سے۔"

اب کی بار وہ سر اٹھانے کے بجائے پوری قوت سے بولی، مگر آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ وجود بمشکل سن سکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زینب کی بات سنتے ہی وہ بچی یکدم زور سے سسک اٹھی۔اس کی رندھی ہوئی، کرب ناک آواز زینب کے اندر کہیں گہرائی تک اُتر گئی۔

"ماما پلیز مجھے خود سے دور مت کریں۔"I'm in pain, Mama.

وہ شدت سے روتی ہوئی اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔زینب کے وجود میں ایک تیز چبھن سی دوڑ گئی۔اس بچی نے اس کے پیروں کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔وہ اسے پرے دھکیلنا چاہتی تھی، تھوڑی مزاحمت کی بھی، مگر اسی لمحے ایک صدا کانوں میں پڑی، ایسی آواز جو گویا درد میں ڈوبی ہو۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ماما میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے، جسم بھی دکھ رہا ہے پلیز، مجھے اپنے پاس لیٹا لیں میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا نا؟"

وہ بچی جیسے اپنی برداشت کی آخری حد تک پہنچ چکی تھی۔اس کی تھوڑی سی مزاحمت بھی جیسے ہار گئی تھی۔ایسا محسوس ہوا جیسے دل میں کوئی نوکدار چیز پیوست ہو گئی ہو۔

یہ جملے، یہ آوازیں، زینب کو لگا جیسے وہ پہلے بھی سن چکی ہے یا شاید پڑھ چکی ہے۔ اس نے اپنی کمزور یادداشت پر زور دیا، ہاں! یہ وہی الفاظ تھے جو اس بچے کے لکھے نوٹ میں درج تھے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی گردن پر وزن رکھ دیا ہو۔ ماں کی ممتا، فطری ہمدردی، خالص احساس، سب مل کر اس پر حاوی ہو گئے۔ ایک اندرونی آواز نے سرگوشی کی۔

"اس قصوروار کو معاف مت کرنا لیکن بچی نے تو کوئی گناہ نہیں کیا، اسے سزا مت دو۔"

لیکن ساتھ ہی ماضی کی وہ لرزہ خیز یادیں آنکھوں کے سامنے آ گئیں اور وہ خود کو بے بس محسوس کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ یہ وہ زندگی تو نہیں تھی جس کے خواب اس نے دیکھے تھے۔ اس کی ہلکی جھریوں زدہ آنکھیں سمندر کی مانند بھر آئی تھیں۔

"مجھ۔۔ مجھ سے دُور۔ ہو تنگ مت کرو" وہ لیٹی لیٹی ہی ہانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ سانسیں بوجھ سے بوجھل ہوتی جا رہی تھیں۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو اب دل میں جذب ہونے کے بجائے اس کے چہرے پر بہتے ہوئے، اس کی تھکن زدہ روح کی گواہی دے رہے تھے۔

مگر ان سب کے باوجود انارہ زینب کی کسی بھی مخالفت یا مزاحمت کو سمجھے بغیر دھیرے سے اس کے پہلو میں آ کر لیٹ گئی۔ کروٹ لی، اور خاموشی سے اپنا بازو زینب کی کمر کے گرد لپیٹ دیا۔ پھر آہستگی سے اس کا چہرہ زینب کے سینے سے لگا، جیسے کوئی بچہ ماں کی آغوش میں پناہ لے لے۔ ایک بے آواز فریاد، ایک خاموش التجا، جو صرف لمس سے ادا ہوئی تھی۔

زینب کی سانس ایک پل کو رُک سی گئی۔ اس نے ایک، دو بار ہلکی سی جنبش کی، جیسے اُسے پرے دھکیلنا چاہتی ہو، مگر انارہ کی گرفت نرم مگر پختہ تھی۔ وہ بچی تھکن، بخار اور جذبات کے بوجھ سے بے خبری کی نیند میں ڈھل چکی تھی۔ ایک ایسی نیند، جو شاید صرف ماں کے پہلو میں ہی ممکن تھی۔ زینب کے لیے یہ لمس اذیت کا باعث بن رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس لمس کی نرمی، اس کی ساری نفرت کو آہستہ آہستہ مٹا رہی ہو۔ وہ اس بچی سے دور ہونا چاہتی تھی، خود کو بچانا چاہتی تھی، مگر ہر لمحہ، ہر گرم سانس جو اب اس کی گردن سے ٹکرا رہی تھی، اُسے اندر سے نرم کرتی جا رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زینب کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ نکلے۔ وہ ان آنسوؤں کو روکنا چاہتی تھی، مگر نہ روک پائی۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہونے لگی، اپنی کمزوری پر، اپنی بے بسی پر۔ وہ خود کو ٹوٹا ہوا، بکھرا ہوا اور لاچار محسوس کر رہی تھی۔ زینب نے آنکھیں بند کرنے کی کوشش کی، مگر نیند تو کب کی اس سے روٹھ چکی تھی۔ وہ تو بس انارہ کی گرم، نمی بھری سانسوں کو اپنی گردن پر محسوس کرتے ہوئے، خاموشی سے چھت کو تک رہی تھی اور اندر ہی اندر خود سے لڑ رہی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شام کے چار بج چکے تھے۔ خان حویلی کے اصول کے مطابق اس وقت ہر فرد اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا، حتیٰ کہ ملازم بھی اپنے کوارٹرز میں واپس جا چکے تھے، جنہوں نے مقررہ وقت پر رات کے کھانے کی تیاری کے لیے آنا تھا۔

انہی بند کمروں میں ایک کمرا وہ بھی تھا، جو کچھ دیر پہلے قہقہوں سے گونج رہا تھا، اور اب وہاں صرف سکوت تھا۔

اس کمرے میں سانسوں کی مدھم آواز کے سوا، کوئی آہٹ، کوئی سرگوشی تک باقی نہ تھی کیونکہ اس کمرے کی مکین اس وقت خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی تھی۔

جہازی سائز بیڈ پر نیم دراز، وہ جانے کتنی دیر سے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا، جو اس کے سینے پر سر رکھے گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔

سرمئی نین، پلکوں کے سائے میں چھپے ہوئے تھے۔ سنہری بال، جو خواب ناک منظر بناتے، اس کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ چند چھوٹی لٹیں ماتھے پر تھیں، کچھ اُس کے گلابی رخسار کو چوم رہی تھیں۔ مدھم سانسیں، اس کے وجود کی نرمی کو چھو رہی تھیں۔ کمرے میں پھیلی دھیمی روشنی میں، اس کا چہرہ چاند سا نکھرا ہوا لگتا تھا۔ بے داغ، شفاف اور وقار سے بھرپور۔

ایک ہاتھ اس کے گال کے نیچے رکھا تھا، جبکہ دوسرا شاہ میر کے سینے پر دھرا تھا۔ وہ گہری توجہ سے اس کے چہرے پر بکھری اپنی سنگت کی لکیریں پڑھ رہا تھا، جیسے وقت نے اس پر اپنی مہر ثبت کر دی ہو۔

وہ اس لمحے اس چکور کی مانند تھی جو چاندنی میں رقص کرے تو خود چاند کو ماند کر دے۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر اس کی دلکشی کو دیکھ رہا تھا۔ خطوط کی روانی، پلکوں کی گھنی نرماہٹ، اور معصوم، بے ساختہ حسن۔

وہ کسی شہزادی کی طرح، اس چھ فٹ دو انچ کے مرد کو اپنے سحر میں جکڑ کر، خاموشی سے اس پر راج کر رہی تھی۔

وہ اکتیس سالہ مرد، آج مکمل طور پر اس کے سامنے زیر ہو چکا تھا۔ شاہ میر نے پلکیں جھپک کر، اپنی بھوری آنکھوں میں اترتی نمی کو سمیٹا، اور گہرا سانس لیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا۔ یہ عورت صرف اسی کی تھی صرف شاہ میر حیدر خان کی۔ اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ وقت کافی گزر چکا تھا۔ اب جانا ہی بہتر تھا۔ اس نے نرمی سے اُس کا سر اپنے وجود سے ہٹا کر تکیے پر رکھا، کمفرٹر اوڑھایا، اور اے سی بند کر دیا۔ کمرہ ہلکا سا سرد تھا، اے سی بند ہوتے ہی درجہ حرارت معتدل ہونے لگا۔ جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر جھک کر اُس پر نگاہ ڈالے بغیر نہ رہ سکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زندگی کا شاید سب سے خاموش مگر مکمل لمحہ۔ وہ اس کے کسمسا کر پلٹتے ہوئے وجود کو دیکھتا، دروازے کی طرف بڑھ گیا، اور اگلے ہی پل وہ کمرہ

اس کی موجودگی کھو چکا تھا۔ وقت نے اس کی پشت پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی، اور خود مایوس ہو گیا۔ یہ دل آخر دغا کیوں کرتے ہیں؟ یہ وہ

سوال تھا جس نے اس کہانی کے کئی پرتوں کو چُھوا تھا۔

☆..☆..☆..☆

مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ رات کے کھانے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ ملازمین کھانا ڈائننگ ٹیبل پر سجا چکے تھے۔ مردوں کے لیے کھانے کا اہتمام مردانے میں کیا گیا تھا۔

زارون کب سے اشعر کو گھور رہا تھا، جیسے کھانے کے بجائے اُسے ہی چبا جائے گا۔ حیرت میں تو سبھی مرد مبتلا تھے، جب کہ اشعر بے چینی اور الجھن کے ملے جلے تاثرات لیے کبھی ان کی طرف دیکھتا، کبھی بالاج کو جو مہمان ہوتے ہوئے بھی میزبانوں کی سی بے تکلفی سے کھانے پر ٹوٹا پڑا تھا۔

اشعر کی حالت کسی ایسے مجرم جیسی تھی جس پر سب کی نظریں جمی ہوں اور وہ اپنی صفائی دینے کے لیے مناسب الفاظ تلاش نہ کر پا رہا ہو۔

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، میں تمہیں پہلے بھی گاؤں میں دیکھ چکا ہوں، تو پھر تم اپنی 'سگی بہن' کے نکاح پر کیوں موجود نہیں تھے؟" زارون نے گلا کھنکارا اور کڑی نظروں سے اشعر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "سگی بہن" لفظ پہ خاص زور دیا گیا تھا۔ یہ سوال صرف زارون ہی نہیں، سبھی کے ذہنوں میں تھا۔

اشعر نے ان کی سوالیہ اور شکی نگاہوں کا سامنا کرتے ہوئے بمشکل لب کھولے، "دراصل میں میں فاطمہ سے ناراض تھا۔" اس نے حلق تر کرتے بمشکل کہا۔

باران اور زارون کی نظریں گویا اس کی روح کو جھنجھوڑ رہی تھیں، جبکہ شاہ میر نسبتاً خاموش اور پرسکون انداز میں، کشن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ حرم فاطمہ پہلے ہی اُسے بتا چکی تھی کہ اُس کا بھائی آنے والا ہے، اور جب بھائیوں کی یہ جانچ پرکھ جاری تھی، تو اُسے خود سے زیادہ فکر

کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔اشعر جھنجھلاہٹ سے بالاج کی طرف جھکا جو اب بھی ندیدوں کی طرح کھانے میں مگن تھا۔

"منحوس،ذلیل ذرااِدھر بھی دیکھ لے۔ کیا آج ہی پورے سال کا کھانا کھاجائے گا؟"اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

"یار،اتنا مزیدار کھانا ہے،دل ہی نہیں بھر رہا!"بالاج نے چٹکارہ لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں،اور تیرے اس شوق میں وہ مجھے زندہ کھاجائیں گے!"اشعر تپ گیا۔ان کی کھسر پسر زارون کے ساتھ ساتھ باران کو بھی ناگوار گزری۔

"اگر تم دونوں نے آپس میں ہی باتیں کرنی ہیں،تو ہم یہاں اپنا وقت ضائع کرنے کیوں بیٹھے ہیں؟"اس نے سنجیدگی سے کہا۔سب کھانے سے ہاتھ روک کر اشعر اور بالاج کی طرف متوجہ ہو گئے۔حیدر خان،جو اوپر صوفے پر بیٹھے تھے،خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ان کی طبیعت اب بھی نڈھال تھی،مگر میزبانی کی ذمہ داری ان کے شایانِ شان تھی۔

اسی لمحے بالاج نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے بات سنبھالی۔

"دراصل بات یہ ہے" وہ قدرے سیدھا ہو کر بیٹھا، "ہم لڑکی والے تھے۔ جب آپ کی طرف سے رشتہ آیا، ہماری بہن نے رضامندی دے دی لیکن ہمیں جب خبر ملی، ہم فوری طور پر پاکستان آ گئے۔ ظاہر ہے، ہم بھی اپنے انداز میں جانچ پڑتال کرنا چاہتے تھے۔ جبران ناراض ہوا، لیکن ہم اپنی ضد پر قائم رہے۔ ہم نے تم سے بغیر تعارف ملنا چاہا، تاکہ جان سکیں کہ تم لوگ کیسے ہو۔ جب ہم مطمئن ہو گئے، تو سوچا اسی دن تم سے کھل کر مل لیں، مگر بدقسمتی سے اشعر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ہم نے یہ بات اپنی بہن سے چھپا لی۔ نتیجتاً وہ ہم سے ناراض ہو گئی۔ اشعر کو بھی یہاں آنے سے روک دیا۔ پھر جب اشعر، جبران اور حرم یونان میں ملے، تب جا کر ساری غلط فہمیاں دور ہوئیں۔ اب چونکہ جبران مصروف ہے، اس لیے اشعر اکیلا آیا ہے۔" بالاج نے رک کر سب کو دیکھا، پھر ہلکے طنزیہ انداز میں بولا۔

"تو میرے خیال میں اب آپ لوگوں کے تمام سوالوں کے جواب مل چکے ہیں۔ اگر مزید کچھ پوچھنا ہے تو ضرور پوچھیں، لیکن پہلے ہی بتا دوں، جواب نہیں دوں گا"! پھر باران کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا، "سالے صاحب! قہوہ تو دیں۔"

"تمہارے ہاتھ نہیں ٹوٹے،سامنے رکھا ہے،خود ہی لے لو۔"باران نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا تھا۔

بالاج منہ بناتا آگے بڑھا ہی تھا کہ شاہ میر نے ہاتھ بڑھا کر قہوہ خود انڈیل کر،رکابی میں رکھ کر اس کے سامنے کر دیا۔بالاج نے بھی ذرا رعب جتاتے ہوئے پیالی تھامی۔

زارون اب بھی مطمئن نہیں تھا،وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ بالاج ایک بار پھر گویا ہوا۔

"دیکھو بھائی!میری بہن تمہاری بیوی ہے،اور اس کی بہن تمہاری بیوی ہے۔اگر میری بہن پریشان ہوئی تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا،اور اگر اس کی بہن پریشان ہوئی،تب بھی تمہارا ہی منہ توڑوں گا کیونکہ وہ تمہارا بھائی ہے۔لہٰذا کوشش کرو کہ ان دونوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔"قہوے کے گھونٹ لیتے اس کے لہجے میں بدمعاشی اور رعب دونوں کا امتزاج تھا۔وہ کچھ زیادہ ہی رول میں ایڈجسٹ ہو گیا تھا۔

باران،زارون،اور شاہ میر ہکا بکا اس کی خود اعتمادی دیکھ رہے تھے،جو ان ہی کی حویلی میں بیٹھ کر ان پر رعب جما رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تاہم اس کشیدہ ماحول میں بھی، حیدر خان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ان کی آنکھیں نم تھیں، ان کا اپنا، اُن کا ارمان بھی ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا۔

شاہ میر نے گردن موڑ کر اپنے بابا کو دیکھا۔ ان کے درمیان کوئی لفظ نہیں بولا گیا، صرف ایک خاموش پیغام تھا، جو آنکھوں کے راستے پہنچایا

گیا تھا۔ حیدر خان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اشعر بیٹا، جبران کب تک آئے گا؟" اشعر نے چونک کر حیدر خان کو دیکھا۔

"انکل، وہ فی الحال نہیں آسکتا۔ وہاں کام بہت زیادہ ہے، اس لیے فی الحال واپسی ممکن نہیں۔"

یہ وہی بات تھی جو حرم نے اُسے کہی تھی، اور اشعر اب اسے دہرا رہا تھا۔ حیدر خان نے شاہ میر کی طرف دیکھا، جس کی آنکھوں میں التجا نمایاں تھی۔

"بیٹا، ہماری بات سمجھنے کی کوشش کرنا۔ تم جانتے ہو، ابھی ہمارے خاندان پر کیسا کڑا وقت گزرا ہے۔ رُبان لالا کی بیوہ عدت میں ہے، اس لیے اس حویلی میں اگلے ساڑھے چار ماہ تک کسی بڑی خوشی کا امکان نہیں۔" وہ ایک لمحے کو رکے، سب انہیں ہی دیکھ رہے تھے، پھر سب کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ سادگی سے شاہ میر کی رخصتی ہو جائے۔ ہمارے یہاں رسم ہے کہ نکاح کے فوراً بعد رخصتی کی جاتی ہے۔ ہم رخصتی کو زیادہ لمبے عرصے کے لیے ملتوی نہیں کر سکتے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ حالات بہتر ہوتے ہی، بچوں کا ولیمہ بڑے پیمانے پر کریں گے۔ کیا تم اس فیصلے سے متفق ہو؟"

یہ سوال نہیں، ایک ذمہ داری تھی، جواب اشعر کے کندھوں پر آچکی تھی۔ اشعر نے تذبذب سے بالاج کی طرف دیکھا۔ بالاج کی آنکھوں میں واضح پیغام تھا۔

"وہی کرو، جو تمہاری بہن نے کہا تھا۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے اشعر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حیدر خان مسکرا کر اپنی جگہ سے اٹھے، تو سبھی کھڑے ہو گئے۔ ایک دوسرے کو گلے مل کر سادگی سے مبارکباد دی جانے لگی۔ اسی وقت پتاشے منگوائے گئے اور سب میں تقسیم کیے گئے۔ یوں رخصتی کی سادہ رسم ادا ہو چکی تھی۔

شاہ میر عصر کے بعد ہی حیدر خان اور اسماہ خانم سے بات کر چکا تھا۔ وہ ایسے وقت میں، جب حویلی سوگ میں ہے، کسی خوشی کا شور نہیں مچانا

چاہتا تھا۔ یہ فیصلہ صرف مناسب نہیں، ضروری بھی تھا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زنان خانے میں اس وقت تقریباً تمام عورتیں موجود تھیں، سوائے زوبیہ خانم کے، جو اب زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی تھیں۔

ساجدہ ابھی ابھی بھاپ اُڑاتا قہوے کا تھال رکھ کر گئی تھی۔ پری گل اور زرمینے، حرم کے ساتھ بیٹھی تھیں، جبکہ پریشے اسماہ خانم کے قریب موجود تھی۔ ان دنوں پریشے کا زیادہ تر وقت اسماہ خانم کے ساتھ ہی گزرتا تھا، کیونکہ گھر کی ذمہ داریاں بڑی حد تک اب اُن کے

کاندھوں پر آن پڑی تھیں۔ زارا کی حالت ایسی نہیں رہی تھی کہ وہ پہلے کی طرح گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔

زرینہ خاتون، جو اشعر اور بالاج کے ساتھ آئی تھیں، اس وقت زارا کے کمرے میں اُس کے ساتھ موجود تھیں۔ ماں اور بیٹی اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں وقت گزار رہی تھیں۔

اسماہ خانم نے ایک گہری نگاہ حرم پر ڈالی، جو زرمینے کی کسی بات پر بار بار مسکرا رہی تھی، اور جب بھی مسکراتی، اس کی ٹھوڑی میں پڑنے والا گڑھا اور گہرا ہو جاتا۔ اس کا کھلا کھلا چہرہ، اُس کے اندر کی خوشی کی چغلی کھا رہا تھا۔

اسماہ خانم نے اپنی معنی خیز مسکراہٹ دبائی، پھر پریشے کی جانب متوجہ ہوئیں، جو معصومیت سے کل کے گھریلو کاموں کی فہرست کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ ان کے دل میں اک عجیب سا سکون تھا، وہ بہوؤں کے معاملے میں بے حد خوش نصیب تھیں۔

خوبصورت، باوقار، اور باادب چہرے، جن کے کردار میں معصومیت کی چمک تھی۔ ان تینوں کی طبیعت میں نرمی، مزاج میں تحمل اور لب و لہجہ شائستگی سے لبریز تھا۔

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اُن کے اندازوں کے عین مطابق، ساجدہ ایک سرخ دوپٹہ اور پتاشوں سے بھرا تھال لے کر ان کے پاس آ گئی۔

اسماء خانم نے گلا کھنکارا اور وقار سے کھڑی ہو گئیں۔ تمام خواتین کی نظریں اب ان پر مرکوز تھیں۔

وہ متوازن قدموں سے چلتی ہوئی حرم کے قریب آئیں، اور نہایت شفقت سے اس کے سر پر وہ لال دوپٹہ اوڑھا دیا۔ ساتھ ہی اس کی جھولی میں پتاشے ڈال دیے۔

حرم نے حیرت سے اپنی گود میں رکھے پتاشوں کو دیکھا، پھر ان آنکھوں سے اپنی ساس کو جو نرمی سے مسکرا رہی تھیں۔ سب خواتین اس اچانک کی جانے والی رسم پر کچھ متعجب ہوئیں۔ جبہ خانم فوراً اُٹھ کر ان کے قریب آئیں، جب کہ سائرہ، زرمینے اور پری گل آہستہ آہستہ معاملے کو سمجھنے لگی تھیں۔

"بھابھی، یہ سب کیا ہے؟" جبہ خانم نے حیرانی سے سوال کیا۔

"ہم نے سادگی سے شاہ میر کی رخصتی لے لی ہے۔" اسماہ خانم نے نرم مگر پُراثر لہجے میں جواب دیا۔

کچھ وقت سے جبہ خانم کا رویہ بدلا بدلا سا تھا۔ وہ اگرچہ اب بھی بہت زیادہ خوش گفتار نہیں تھیں، لیکن پہلے جیسی تلخ مزاجی بھی ان میں باقی نہیں رہی تھی۔

اسماہ خانم نے پہلی بار ان کی آنکھوں میں درد کی رمق دیکھی تھی، اور اسی لیے دونوں کے بیچ اب کم ہی بات چیت ہوتی تھی۔

جبہ خانم نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف اپنی بیٹی سائرہ کی طرف دیکھا۔ سائرہ چوبیس سال کی ہو چکی تھی، لیکن اس کی فکر نہ کسی کو تھی، نہ اُس کے باپ کو، جو جانے کب سے اس دنیا سے بے خبر ہو چکا تھا۔ ان کے دل میں ایک چُبھن سی اُٹھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی بھی وہی زندگی گزارے جو انہوں نے گزاری تھی۔ وہ رات زرمینے اور موسیٰ کی باتیں سُن چکی تھیں۔ سب کچھ واضح تھا، وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ وہ چاہتیں تو حیدر خان

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کے سامنے رُبان خان کی محبت کا واسطہ رکھ کر سائرہ اور موسیٰ کا نکاح طے کروا سکتی تھیں، لیکن نہیں، وہ اپنی بیٹی کے لیے وہ سب کچھ دہرانا نہیں چاہتی تھیں، جو ان کے اپنے نصیب میں آیا تھا۔ وہ جانتی تھیں، وہ خود ایک حسد بھرا دل رکھتی تھیں، اور جانے انجانے میں اپنی بیٹی کو بھی اسی راہ پر لے آئی تھیں لیکن اب وہ سمیٹنا چاہتی تھیں اپنے دل کو، اپنے ارادوں کو، اپنی غلطیوں کو۔ جن کی خوشیوں سے وہ جلتی تھیں، وہ تو اب اس دنیا سے ہی جا چکے تھے۔ اب بچا تھا تو صرف پچھتاوا۔

"مبارک ہو۔" انہوں نے چادر سنبھالتے ہوئے آگے بڑھ کر حرم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اسماہ خانم نے اُن کی مسکراہٹ میں چھپی ہوئی کسک کو بخوبی محسوس کیا، اور بے ساختہ اپنے لب بھینچ لیے۔ ان کی اس حرکت نے وہاں بیٹھی ہر فرد کو حیرت میں ڈال دیا۔ سائرہ نے حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اپنی ماں کو دیکھا جو اب پہلے جیسی ہرگز نہیں رہیں تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یوں سادگی سے حرم کو سب نے مبارکباد دی۔ پھر حرم نے اسماہ خانم کے کہنے پہ تینوں کنواری لڑکیوں کو مٹھیاں بھر کے پتاشے دیے جو کہ ان کے ہاں رسم تھی اور پھر اُسے شاہ میر کے کمرے تک پہنچا دیا گیا۔ کچھ دیر بعد اشعر، بالاج اور زرینہ خاتون بھی حرم اور شاہ میر سے مل کر واپس روانہ ہو چکے تھے۔

آج کی شام اختتام کو پہنچی لیکن کیا ایسی خوبصورت شامیں دوبارہ لوٹ کر آتی ہیں؟

☆..☆..☆..☆

باران مہمانوں سے فارغ ہو کر جب کمرے میں داخل ہوا، تو اُس کی نگاہ بے ساختہ زارا پر پڑی، جو کمبل منہ تک اوڑھے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کا لرزتا ہوا وجود صاف بتا رہا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

یہ تو ہونا ہی تھا، باران جانتا تھا۔ اس لیے فی الحال کچھ کہنے یا چھیڑنے کے بجائے، وہ اپنی نائٹ روٹین میں مصروف ہو گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ٹھیک دس منٹ بعد، جب وہ فریش ہو کر بستر پر اپنی جانب آیا، تو خاموشی سے اس کے پاس بیٹھ گیا۔

اُس نے گہری سانس لیتے ہوئے آہستہ سے کمفرٹر ہٹایا، اور اس کی توقع کے عین مطابق زارا کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"تم تھکتی نہیں ہو رو رو کر؟" وہ اُس کی سرخ، زخم زدہ ناک کو دیکھتا ہوا افسوس سے بولا، لیکن زارا کا رونا بدستور جاری تھا۔

"زارا، پلیز کین یو اسٹاپ اِٹ ناؤ؟" جب وہ مزید دس منٹ چپ نہ ہوئی تو باران نے قدرے بے زاری سے کہا۔

اس کی آواز پر زارا کے آنسو لمحہ بھر کو تھمے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر باران کو دیکھا، اور اپنی ازلی معصومیت سے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" وہ اپنی ناک کو ٹشو سے صاف کرتی باران کے صبر کو مزید آزمائش میں ڈال گئی۔ وہ غصے سے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور ناک کو گھور رہا تھا۔ رونے دھونے والی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لڑکیاں اُسے کبھی پسند نہیں آئیں، لیکن زارا زارا تو اس کی بیوی تھی۔ اس کے لیے سب کچھ الگ تھا، ہر بات میں خاص رعایت تھی۔

باران کی نگاہ ایک لمحے کو اُس کے چہرے پر ٹکی، اور دوسرے ہی لمحے اُس کی زخمی ٹانگ پر چلی گئی، جو فریکچر کی وجہ سے تکیوں اور چھوٹے ٹیبل کے سہارے اُٹھائی گئی تھی۔ یہی وہ چیز تھی جو باران کو سنجیدہ رہنے پر مجبور کیے ہوئے تھی۔

"نہیں کچھ نہیں تم بتاؤ، کھانا کھایا تھا؟" اس نے نرمی سے پوچھا، اور آہستگی سے اُس کے قریب ہو کر اس کا سر تکیے سے اُٹھا کر اپنی بازو پر ٹکا لیا۔

"نہیں دل نہیں کر رہا تھا۔" اس نے دھیمے، بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہاٹ؟!" باران کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اُس نے حیرت سے سر اٹھایا اور اس کے چہرے کے قریب آ کر جیسے تصدیق چاہی ہو۔

"ایک منٹ، کیا کہا تم نے؟ تم نے کھانا نہیں کھایا؟ تم نے؟" وہ جیسے صدمے میں تھا۔ زارا نے الجھی نظروں سے اُس کی حیرانی دیکھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں، نہیں کھایا۔ آپ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں؟"

اس کا حیران ہونا بجا تھا۔ وہ اپنی بیوی کو اچھی طرح جانتا تھا، جو اگر ایک وقت کا کھانا بھی دیر سے کھالے تو چکرانے لگتی ہے۔ یہ معمولی بات نہیں تھی، کم از کم باران کے لیے تو بالکل بھی نہیں۔

"مطلب تم نے کھانا خیر، چھوڑو۔ مجھے بتاؤ، اگر کچھ اور کھانے کا دل کر رہا ہے تو ابھی منگوا دیتا ہوں۔" وہ جلدی سے سنبھلتے ہوئے بولا، اور نارمل انداز اپنانے کی کوشش کی۔

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا۔" زارا کی آواز بھیگی ہوئی تھی، لیکن اس بار اس کا لہجہ واقعی باران کو پریشان کر گیا۔

"کیوں نہیں چاہ رہا، مجھے بتاؤ ناں، میرے قربان۔ ایسے بھوکی رہو گی تو دوا کیسے کھاؤ گی؟"

اُس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ زارا کی آنکھوں میں تیرتے آنسو، باران کے دل میں ہلچل مچا گئے۔ وہ اس کا رونا برداشت نہیں کر

سکتا تھا، آخر وہ اس کی بیوی تھی۔

"مر تو نہیں جاؤں گی اگر ایک وقت کا کھانا نہ کھاؤں تو!" زارا نے روہانسی آواز میں کہا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" باران ایک جھٹکے سے اُس سے دور ہوا اور غصے سے اسے دیکھا۔ اس کی بلند آواز پہ زارا نے قدرے سہم کر اُسے دیکھا۔

باران تو اب اس پر غصہ کرنا چھوڑ چکا تھا لیکن آج وہ واقعی ناراض ہوا تھا کیونکہ غلطی اس کی تھی۔

"حد ہو گئی ہے۔ چھوڑو، میں جا رہا ہوں اسٹڈی میں۔ تم بھوکی ہی سو جانا۔ میں ہی پاگل ہوں جو تمہاری فکر کر رہا تھا!" وہ پہلے ہی اس حادثاتی موت سے اندر سے ٹوٹا ہوا تھا، اور زارا کی ضد اب ذہنی دباؤ کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ وہ تیزی سے بیڈ سے اترا اور اسٹڈی کی طرف قدم بڑھا لیے۔ جانتا تھا کہ اگر اور ایک لمحہ بھی رکا، تو کچھ سخت کہہ بیٹھے گا جو نہیں کہنا چاہیے تھا۔

"سائیں سائیں، بات تو سنیں!" زارا اسے یوں جاتے دیکھ گھبرا گئی۔ اس نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اگلے ہی پل درد کی ایک تیز لہر نے اسے جکڑ لیا۔

"آاااہ!"ناقابل برداشت تکلیف سے اس کی چیخ بلند ہوئی۔

باران، جو اسٹڈی کا دروازہ بند کرنے ہی والا تھا،یہ چیخ سن کر الٹے قدموں واپس پلٹا۔سامنے کا منظر دیکھ کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

زارا شاید جلدی سے اٹھنے کی کوشش میں اپنی فریکچر شدہ ٹانگ کو جھٹکا دے بیٹھی تھی۔تکیے سے ٹانگ پھسل چکی تھی،اور وہ تکلیف سے دوہری ہو کر بلند آواز میں رو رہی تھی۔

باران فوراً اس کے پاس پہنچا۔نرمی سے اس کی پنڈلی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے دوبارہ تکیے پر درست انداز میں رکھا،لیکن تکلیف اب اس مقام سے گزر چکی تھی جہاں صرف "درست رکھنے" سے آرام آجاتا۔

وہ اپنا جوڑ ہلا چکی تھی۔اب درد ناقابلِ برداشت تھا۔اسے یوں تڑپتے دیکھ کر باران کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔اس کی معمولی سی ناراضگی زارا کو اتنی بڑی اذیت دے جائے گی،اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

"میں کیا کروں تمہارا اللہ!" وہ بے بسی سے دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔ وہ دوائیں نکالنے کے لیے بڑھا، مگر پھر یکدم ٹھٹک گیا۔ زارا نے تو کھانا ہی نہیں کھایا تھا۔ یعنی دوا دینا بھی ممکن نہیں تھا۔ اس وقت باران کا دل کیا کہ وہ خود کے بال نوچ لے۔

نہ پری گل کو بلا سکتا تھا، وہ ان چیزوں سے ناواقف تھی۔ نہ زارون کو اس وقت بلا کر بے وقت پریشان کرنا مناسب لگ رہا تھا۔ زارا، تکیے پر سر گرائے، منہ میں ہتھیلی دبائے سسک رہی تھی۔

باران نے ایک پل کی مزید تاخیر کیے بغیر سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا، اور زارون کا نمبر ملا دیا۔ فون دوسری بیل پر ہی اٹھا لیا گیا۔

"جی لالا؟ اس وقت؟" زارون کی بات ابھی مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ باران بول پڑا۔

"زارون، جلدی کمرے میں آؤ۔ زارا کی ٹانگ ہل گئی ہے اور وہ شدید تکلیف میں ہے۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"لالا، میں فوراً آتا ہوں!" زارون نے جواب دیا۔ کال کٹ چکی تھی۔ اس نے آہستگی سے پریشے کا سر تکیے پر رکھا، کمفرٹر ہٹایا، اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا، اور دیوار سے لٹکی میڈیکل کٹ اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

دو منٹ بعد، باران کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ باران نے زارا کا کمفرٹر درست کیا اور فوراً دروازہ کھولا۔

زارون نظریں جھکائے اندر داخل ہوا۔ اس نے زارا کی ٹانگ کا معائنہ کیا، پھر اپنے بیگ سے پین ریلیف انجیکشن نکالا اور فل کیا۔

"لالا، بھابھی کا ہاتھ؟" زارون نے کمفرٹر میں چھپے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

باران نے نرمی سے زارا کا ہاتھ کمبل سے باہر نکالا اور اپنی ہتھیلی پر سیدھا کر کے رکھا، جس کے باعث زارون نے کینولا میں احتیاط سے انجیکشن لگا دیا۔

"کچھ دیر میں آرام آجائے گا، لالا۔" پھر رک کر پوچھا۔ "انہوں نے کھانا کھا لیا؟" باران نے نفی میں سر ہلایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو لالا، آپ پہلے انہیں کھانا کھلا دیں۔ پھر دوا ضرور دے دیجیے گا۔ ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔"

زارون کی بھنویں تھوڑا سا سکڑیں، پھر دھیرے سے بولا۔ باران صرف گردن ہلا کر رہ گیا۔

زارون کے جاتے ہی اس کی نظر زارا پر پڑی، جو کمفرٹر میں منہ دبائے پڑی تھی، مگر اس کی لرزتی سانسیں سب کچھ بیان کر رہی تھیں۔ اس نے کانپتے ہاتھ سے اپنے چہرے سے کمفرٹر ہٹاتے ہوئے گہرا سانس بھرا۔ اس کے کچھ بال تکلیف سے ابھرے پسینے کی وجہ سے اس کے چہرے اور گردن پہ چپک چکے تھے۔

اس کے چہرے کی تھکن، آنکھوں کی نمی، اور تکلیف کی شدت سب کچھ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ یہ رات بھی آسان نہ گزرے گی۔

اس کی "روندو" آج پھر ساری رات جاگنے والی تھی۔ نہ وہ کروٹ لے سکتی تھی، نہ سیدھی حالت میں سکون سے سو سکتی تھی۔

جبکہ خود باران کی کندھے پر گولی کا زخم بھی ابھی تازہ تھا، لیکن وہ مرد تھا۔ وہ سہہ سکتا تھا۔ وہ ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتا کمرے سے باہر نکلا۔ اب اسے خود نیچے جا کر زارا کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

لیے کھانا لانا تھا، کیونکہ ملازم سرونٹ کوارٹرز جا چکے تھے، لیکن خیر، اپنی بیوی کے لیے اتنی زحمت تو وہ اٹھا ہی سکتا تھا۔

☆..☆..☆..☆

"میر"!

"ہمم؟"

"کیا آپ ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے؟" اُس نے اپنی ٹھوڑی اُس کے سینے پر رکھتے ہوئے اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہی۔

"کیسا؟" سوال کے جواب میں سوال آیا، مدھم اور پرسکون لہجے میں گھُلا ہوا۔

"میرا مطلب ہے، مجھ سے ہمیشہ اسی طرح محبت کریں گے؟" وہ آنکھوں میں بچوں سی چمک لیے بولی۔

شاہ میر نے سر جھکا کر اپنے کندھے پر ٹکی اُس کے چہرے کو دیکھا، جو اس کے چہرے سے محض چند انچ کے فاصلے پر تھا۔ وہ دونوں شاہ میر کے

کمرے کی بالکنی میں رکھے صوفے پر بیٹھے تھے۔ چاندنی رات کا عکس اُن پر نچھاور ہو رہا تھا۔ شاہ میر ہلکے شکن زدہ لباس میں، صوفے سے ٹیک لگائے، سامنے ٹیبل پر پیر کینچی کی صورت رکھے بیٹھا تھا، جبکہ حرم اُس کے کندھے پر سر رکھے اُس کی آغوش میں سمٹی ہوئی تھی۔

"ہاں، ہمیشہ کروں گا لیکن..." وہ کہتے کہتے رُکا تو حرم نے آنکھیں چھوٹی کر کے اُسے دیکھا۔ وہ دونوں اب براہِ راست ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے۔ "کہتے ہیں، محبت بہت خوار کرواتی ہے۔" وہ جملہ مکمل کرتا ہوا اُس کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں پاکیزگی اور

محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ جیسے اُس سرمئی آسمان میں قید ہونے لگا تھا۔

"اگر محبوب پاس ہو تو خواری بھی بُری نہیں لگتی۔" وہ لبوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے شرارت سے بولی، تو شاہ میر قہقہ ah لگا کر ہنس پڑا۔

"ہمم، لیکن اگر محبوب ہی خوار کر دے تو؟" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتا ہوا اُسے اپنے ایک بازو کے حصار میں لے چکا تھا، جس میں وہ بخوشی سمائی ہوئی تھی۔

"محبوب اگر خوار نہ کرے، تو محبت کا مطلب ہی کیا رہ جائے گا؟" وہ اُس کے جواب پر جیسے لاجواب ہو گیا۔

"محبوب اگر دھوکہ دے تو کیا اُسے معاف کر دینا چاہیے؟" وہ اُسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

حرم کا ایک لمحے کو سانس تھما، مگر وہ اپنے حواس پر قائم رہی۔

"محبوب کی تو ہر خطا معاف ہوتی ہے نا؟" وہ تھوک نگلتے ہوئے بولی۔

"ہاں، بالکل۔ محبوب کو تو آپ کا قتل بھی معاف ہوتا ہے۔" وہ جیسے بات کو ہوا میں اُڑاتا مسکرایا، تو حرم کی جان میں جان آئی۔

"ایک بات بتاؤں؟" وہ کچھ توقف سے بولا، تو حرم نے فوراً سر ہلایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تمہاری آنکھیں مجھے قید کرنے کا ہنر رکھتی ہیں۔" وہ جیسے لمحے بھر کو ساکت ہو گئی۔ وہ اُس کی آنکھوں میں قید تھا، لیکن وہ تو اُس کے عشق میں قید ہو چکی تھی۔

وہ اُس کی چاہت میں ہزاروں دیوان لکھ سکتی تھی۔

وہ اُس کی محبت میں شاعر بن سکتی تھی،

وہ اُس کی الفت میں ادیبہ بن سکتی تھی،

وہ اُس کی زیست میں خود کو قربان کر سکتی تھی۔

وہ اُس کی مسکراہٹ میں پوری کائنات دیکھ سکتی تھی،

وہ اُس کی خاموشی میں صدیوں کا سکون پا سکتی تھی،

وہ اُس کی جدائی میں سانس لینا بھول سکتی تھی،

وہ اُس کی ایک نظر پر اپنی دنیا لُٹا سکتی تھی۔

اور وہ، محض آنکھوں کی بات کرتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اپنی باتوں کو سلجھاتے سلجھاتے، ایک دوسرے میں الجھ چکے تھے۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب ہفتم۔ زہریلا خنجر

کسی خواب کی تعبیر

کسی زہر کی تشخیص

کچھ ادھورے لفظوں کی مائع

محبت کے نام پر ملا دھوکہ کسی زہر سے کم نہ تھا،

مگر اُس زہر نے اندر کی سچائی عیاں کی۔

ایک پل جس نے دل کے تخت پر نئے فیصلے لکھ دیے۔

ایک جھوٹ جس نے کئی سچ بے نقاب کیے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دو دل جو اختلاف کی سرحد پر ملے۔

اختتام ایسا جو ابتدا سے کہیں زیادہ مکمل لگا۔

رات دھیرے دھیرے گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔ خاموشی آہستہ آہستہ سنسان پہلو اختیار کرتی جا رہی تھی۔ رت جگے کے کیڑوں کی بھنبھناہٹ ایک عجیب سائر بکھیر رہی تھی۔ ہر کوئی پہاڑی کی یخ ہواؤں سے بچنے کے لیے اپنے کمروں میں دبکا ہوا تھا۔

لیکن انہی لمحوں میں، ایک ایسا وجود بھی تھا، جو کسی انجانی سی کیفیت میں لپٹا، تیز قدموں سے دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑا سگار لمحہ بہ لمحہ ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔

پہاڑی سردی کی خنک، کاٹ دار ہواؤں میں وہ وجود بغیر بازو والی شرٹ پہنے کھڑا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ بار بار اپنے بالوں میں الجھ رہا تھا۔ وہ اس وقت اضطراب کی ایک شدید حالت کا جیتا جاگتا نمونہ لگ رہا تھا۔

اس سخت جان مرد کی حالت اس وقت کسی پنجرے میں پھڑ پھڑاتے زخمی پرندے کی مانند تھی۔ اس کا سب کچھ داؤ پر لگ چکا تھا۔ داور خان مارا جا چکا تھا۔ ارمان جیل میں تھا، اور کل اس کی پیشی تھی، پورے امکانات تھے کہ پہلی ہی سماعت میں فیصلہ آجائے۔ انہیں جو دھمکی ملی تھی، وہ

کسی معمولی دشمن کی نہیں لگتی تھی۔ تحفے کے نام پر ملا داور کا سر دفنایا جا چکا تھا، جبکہ جسم کا کچھ پتا نہیں کہ وہ کہاں گل سڑ رہا تھا۔

وہ حد درجہ الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔

ایک طرف زینب کی نفرت، انارہ کا مرجھایا چہرہ، ارمان کی قید، اور داور کی موت۔ یہ سب اس کے وجود کو اندر ہی اندر گھُن کی طرح چاٹ رہے تھے۔ یکدم اس کا فون بجا، جو اس نے فوراً ہی اٹھالیا۔ سامنے سے کچھ کہا گیا، جس نے اس کے تنے ہوئے جبڑے مزید سخت کر دیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجیب، مجھے ارمان جیل سے باہر چاہیے۔ اس کے لیے کسی کی جان لو، یا اپنی دے دو مجھے وہ باہر چاہیے اور یہ بتاؤ کہ اُس دھمکی بھیجنے والے کا کچھ پتا چلا؟" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہا تھا، کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند جو سب کچھ کھو چکا ہو، مگر اب بھی بازی پلٹنے کے خواب میں جیتا ہو۔

"کیا؟" سامنے سے کچھ کہا گیا، جس نے اُسے ایک لمحے کو چونکا دیا۔ فون بند ہو چکا تھا، اور اس کے جبڑے کی سختی نرمی میں ڈھل گئی تھی۔

چہرے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ ابھری، شہد رنگ آنکھیں سفاک چمک سے دہکنے لگیں۔ درندے نے سر اٹھایا تھا، قہر تو اب برپا ہونا ہی تھا۔

"اوہ، تو وہ ایک لڑکی ہے مطلب، ایک لڑکی؟" زیرِ لب دہراتے ہوئے، اس کی ہنسی کا ایک بے قابو، وحشیانہ سلسلہ چل نکلا۔ اس کی خوفناک ہنسی پہاڑوں سے ٹکرا کر گونج رہی تھی جیسے کوئی اعلان ہو۔ اسی پل ایک بار پھر فون بجا۔ انہوں نے کال ریسیو کرتے ہی اسے کان سے لگایا اور ہاتھ میں دبی سگار کی راکھ ہوا کے سپرد کر دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں، بولو مجیب۔"

"ہمم۔" ان کی پر سوچ نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں۔

"ٹھیک ہے، ڈیل فائنل کرو۔ مجھے صرف ارمان جیل سے باہر چاہیے۔ پھر اس کی قیمت جو مرضی ہو۔" کچھ لمحے توقف کے بعد انہوں نے فیصلہ صادر کیا اور کال کاٹ کر موبائل لاپرواہی سے پینٹ کی پچھلی جیب میں ڈال دیا۔

اب وہ بدستور اضطرابی کیفیت میں تھے۔ سگار کا زہر وہ اپنے اندر انڈیل رہے تھے، اور فضا کو بھی زہریلا کر رہے تھے۔

"کیا یہ صحیح ہے؟" مردہ ضمیر نے ہلکی سی حرکت کی، جیسے سر اٹھانے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہاں ارمان کے لیے کچھ بھی۔" سفاکیت نے پل بھر میں اُس ضمیر کو دبا لیا، جیسے طاقت نے رحم کو روند ڈالا ہو۔

Clubb of Quality Content

کرسٹل کوئین یہ سمجھتی تھی کہ ایک داور کی موت سے ڈارک ویب جیسے تناور، گہری جڑوں والے درخت کو فرق پڑا ہو گا، لیکن وہ غلط تھی۔ ڈارک ویب کوئی معمولی چیز نہیں تھی۔

اسے جڑ سے اکھاڑ دینا کسی ایک شخص کے بس کی بات نہیں، چاہے وہ کسی مافیا کی ملکہ ہی کیوں نہ ہو۔

ہر چیز کو ختم کرنا ممکن نہیں لیکن روک دینا، وہ ممکن ضرور ہوتا ہے اور اُس کے لیے پہلی شرط یہی ہے۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ دینا۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نیم اندھیرے اور متوازن گرمائش والے کمرے میں اس وقت دو لوگوں کی سانسیں گونج رہی تھیں۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی بمشکل نیند کی وادی میں اتری تھی کہ یکدم کسی کی سخت گرفت اپنے وجود پر محسوس ہوئی۔ وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آئی۔ اس نے پلکیں جھپک کر ادھر ادھر دیکھا، اور پھر اپنے پیٹ پر لپٹے ہاتھ اور گردن پر بکھرتی گرم سانسوں کو محسوس کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی۔

"ماما پین ہو رہی ہے ماما، ماما ڈیڈ، پین ہو رہی ہے۔" اسے اپنے کانوں کے قریب انارہ کے لب ہلتے ہوئے، ایک مدھم سی سرگوشی سنائی دی۔ اُس کا تپتا وجود اور بے ترتیب گہری سانسیں گواہ تھیں کہ اُسے تیز بخار تھا۔

زینب نے اپنے وجود کو ہلانے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ وہ بچی بے اختیار ہو کر اس میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی جیسے پوری دنیا سے ڈر کر ماں کے وجود میں پناہ لینا چاہتی ہو۔

"اٹھو۔" سوکھے حلق کو تر کرنے کی ناکام کوشش کے بعد اس نے بائیں ہاتھ کو ہلانے کی کوشش کی، مگر وہ شاید نیم غنودگی میں جا چکی تھی۔

زینب نے بے بسی سے سر تکیے پر پٹخا۔ ایک تو کمرے کا نیم اندھیرا، دوسرا اس کا ساکت جسم، سب مل کر ایک عجیب گھٹن پیدا کر رہے تھے۔ مگر انارہ کا لمس کچھ تھا اس میں، جو دل کے مردہ حصے کو دھیرے دھیرے جھنجھوڑ رہا تھا۔ ہاں، وہ اُسے کبھی قبول نہ کر پائی، لیکن ماں تو تھی نا۔

"بہرام۔" نہ چاہتے ہوئے بھی، اُس نے اُس شخص کو پکارا جس سے وہ شدید نفرت کرتی تھی۔ مگر اس وقت انارہ کی حالت اس سے زیادہ اہم تھی۔

ایک لمحے کو دل میں خیال آیا "مر جائے تو بہتر ہے"، مگر اگلے ہی لمحے دل تڑپ اٹھا۔ ضمیر نے جھنجھوڑا "ماں ظالم نہیں ہو سکتی"۔

ایک بار پھر اس نے پوری طاقت سے کسی کو پکارا، مگر آواز میں وہ شدت نہ آسکی۔ سرہانے جانب موڑ کر انارہ کو دیکھنے کی کوشش کی، جو اب بھی کانپتی ہوئی "ماماماما" کہہ رہی تھی۔ بس یہی دو الفاظ، زینب کو توڑ رہے تھے، اندر سے۔ اس بار اُس نے اپنی ساری ہمت جمع کی اور خود کو اوپر کی سمت کھینچنے کی کوشش کی۔ نہ جانے کہاں سے وہ طاقت آئی کہ پورا وجود تو نہ ہل سکا، مگر دایاں ہاتھ سائیڈ ٹیبل تک جا پہنچا۔

اس نے ہاتھ مارا تو ٹیبل پر رکھی تمام دوائیوں کی شیشیاں، گلاس اور جگ زمین پر جا گرے۔ ایک کرخت چھناکے کی آواز فضا میں گونجی۔

بہرام، جو بالکنی میں کھڑا تھا، آواز سنتے ہی اندر دوڑا آیا۔ پہلی نگاہ زمین پر بکھری اشیاء پر پڑی، اور دوسری زینب پر جو اٹھنے کی تگ و دو میں تھی۔

"کیا ہوا زینی؟ کیا چاہیے؟ مجھے بتاؤ۔" اس کی پوری توجہ زینب پر تھی۔

"اسے اٹھاؤ۔ اسے بخار ہو رہا ہے۔" زینب کی آواز ٹوٹی پھوٹی، مدھم تھی، جیسے لفظوں کو سانسوں کے سہارے باہر دھکیلا جا رہا ہو۔ بہرام کی نظریں فوراً انارہ پر گئیں، جو کانپ رہی تھی۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا۔

"انارہ میرے بچے، کیا ہوا ہے میری جان کو؟" وہ کمفرٹر ہٹا کر اس کے پسینہ پسینہ چہرے کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اُس نازک وجود میں اُس کی جان بستی تھی۔ اس نے پیار سے اُسے نکالا اور اپنی سائیڈ پر لٹا لیا۔ وہ بخار کی شدت میں لپٹی ہوئی تھی۔ فوراً دوا دی، کمفرٹر سے ڈھانپا، اور نرمی سے سلانے لگا۔ وہ جانتا تھا یہ پہلا موقع نہیں تھا، اُس کی بیٹی اکثر یوں بیمار پڑ جاتی تھی، اور وہ ہمیشہ اُسے سنبھالتا تھا۔ جب انارہ سو گئی، بہرام کی نگاہ زینب پر پڑی۔

وہ خاموشی سے آنسو بھری آنکھوں سے انارہ کو تک رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں۔ بہرام نے نظریں پھیر لیں۔ وقت ہاتھوں سے نکل چکا تھا اور وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ کچھ پچھتاوے زندگی بھر کا روگ بن جاتے ہیں۔

☆..☆..☆..☆

یہ صبح بے حد اداس تھی۔ ہر جانب سوگواری طاری تھی، سوائے اس ایک وجود کے، جو کھلے کھلے چہرے کے ساتھ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے گیلے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ سیاہ کرتے پاجامے میں ملبوس وہ شخص، بیڈ پر نیم دراز سا، اسے خاموشی سے تک رہا تھا۔ وہ ہر تھوڑی دیر بعد نظریں اٹھا کر اسے دیکھتی اور شرما کر جھکا لیتی۔ اس کی سادہ سی ادائیں کسی کو بار بار مسکرانے پر مجبور کر رہی تھیں۔

وہ آج پہلی بار دل سے تیار ہوئی تھی۔ سیم شاہ میر جیسا کالا چوڑی دار پاجامہ اور فراک پہنے، وہ دمک رہی تھی۔ سنہری نم بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں سلور کی چوڑیاں تھیں، اور وہ ہر آرائش سے پاک تھی۔ جب اس نے اپنا دوپٹہ اٹھا کر سر پر اوڑھنے کی

کوشش کی تو شاہ میر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے، اس نے جھک کر اپنی ہلکی بڑھی ہوئی شیو والی ٹھوڑی اس کے کندھے پر رکھ دی، تو وہ پلکیں جھکا گئی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو، زما آورا،" اس نے آئینے میں ان کے مکمل عکس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ!" وہ آج بے حد خوش تھی، مگر دل ہی دل میں اداس بھی۔ ایک ایسی اداسی، جسے وہ چھپا رہی تھی۔

"آج رات کہیں جانا ہے، تیار رہنا۔ یہ ہماری زندگی کا بہت اہم دن ہے،" وہ پراسرار لہجے میں بولا۔ حرم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کل سے ہی اسے بار بار چونکا رہا تھا، مگر وہ اپنے فیصلے پر مطمئن تھی۔

"ٹھیک ہے مجھے بھی آپ کو کچھ بتانا ہے،" وہ دل کے دھڑکتے ساز کو خاموش کرواتے ہوئے بولی اور سر ہلا دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"چلو، آؤ نیچے چلیں۔ آج ایک مجرم کو اس کے انجام تک پہنچنا ہے۔" حرم نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کون؟" اس کے لب ہلے۔

"ارمان۔ آج اس کی پیشی ہے، اور تمام ثبوتوں کی بنیاد پر، آج ہی اسے سزا سنائی جائے گی۔" شاہ میر اس سے دور ہوتا ہوا اپنی شال کاندھوں پر ڈال رہا تھا۔ حرم کے چہرے پر جیسے زندگی لوٹ آئی ہو۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ نیچے آ گئے۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا، مگر حقیقتاً کسی کے حلق سے ایک نوالہ بھی نہیں اترا۔ اسماہ خانم بار بار آنسو پونچھ رہی تھیں، اور پری گل نظریں چرا رہی تھی۔ ہر ایک چہرہ ایک الگ کہانی کہہ رہا تھا۔

"شاہ میر،" جیسے ہی وہ، باران، زارون، موسیٰ اور حیدر خان کورٹ جانے کے لیے اٹھے، جبہ خانم نے اسے آواز دی۔

"جی چچی جان؟"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے بھی ساتھ لے چلو مجھے ایک بار ایک بار ارمان کو دیکھنا ہے،" وہ اپنے بھرائے لہجے کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی بولیں۔

شاہ میر نے اپنے باپ اور بھائیوں کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ جبہ خانم کو، جن کی آنکھوں میں وہ پہلی بار آنسو، دکھ، اور ندامت دیکھ رہا تھا۔

"چچی جان، آپ کیا کریں گی جا کر؟ آپ کو تکلیف ہو گی،" وہ نرمی سے بولا اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ سائرہ کی بھی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"مجھے معاف کر دو۔ میں اپنی اولاد کی تربیت نہیں کر سکی۔ میرے بیٹے نے جو کچھ کیا۔ اُس کا بوجھ میری سانسوں پر ہے۔ معاف کر دو!" وہ دل شکستہ ہو کر سب کے سامنے ہاتھ جوڑ گئیں۔

"توبہ کرو بھابھی تم ہاتھ مت جوڑو" اسماہ خانم نے انہیں تسلی دی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"چادر لے آئیں، چچی جان،" شاہ میر نے کہا تو حیدر خان نے اسے گھور کر دیکھا، جیسے ضبط کی آخری حد پر ہو۔ جبہ خانم سر ہلاتی ہوئی چادر لینے چلی گئیں۔ اسی وقت بہرام خان پینٹ شرٹ میں ملبوس، ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔

"میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا،" ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔ حیدر خان نے سر ہلا دیا۔

کچھ ہی دیر بعد، وہ سب اسلام آباد ہائی کورٹ کے داخلی دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ شاہ میر، باران، حیدر، موسیٰ اور بہرام خان گاڑی سے اتر کر اندر چلے گئے۔ زارون، جبہ خانم کے ساتھ گاڑی میں ہی رکا۔ ویسے بھی وہ یہ منظر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اپنی زخمی آنکھیں شیشے پر جمائے بیٹھا تھا، جب ایک پولیس وین آ کر رکی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا ارمان، دو اہلکاروں کے ساتھ نیچے اترا۔ ملگجا سا شکن زدہ پیلا کرتا، سفید پاجامہ جس کی رنگت ماند پڑ چکی تھی۔ ہلکی بڑھی ہوئی شیو اور سرخ بھوری آنکھیں، جو کسی بھی احساس سے عاری تھیں۔ جبہ خانم نے اسے دیکھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ اس کی حالت نے زارون کا دل

جیسے چیر دیا ہو۔ ارمان نے اہلکار سے ہاتھ چھڑایا اور پورے غرور سے قدم اٹھاتا، ان کے ساتھ اس بھیڑ میں گم ہو گیا۔

یہ کیس خفیہ رکھا گیا تھا۔ میڈیا کو اس سے دور رکھا گیا تاکہ خان حویلی کی ساکھ متاثر نہ ہو۔ زارون نے باران کی کال اسپیکر پر رکھ دی۔ عدالت کی کارروائی شروع ہو چکی تھی۔ دلائل زور و شور سے جاری تھے۔

کچھ دیر بعد، جج کی آواز گونجی۔ "کیا آپ کو کچھ کہنا ہے؟"

"نہیں،" ارمان کا جواب پرسکون تھا۔

بہرام خان کی تیز نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ جانتے تھے کچھ غیر متوقع ہونے والا ہے اور یہ سنوائی یہیں رک جائے گی، مگر جب جج کا فیصلہ آیا، ان کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ ہر چہرے کا رنگ اڑ چکا تھا۔ ہلکی سی بھنبھناہٹ بھی تھم گئی۔

"عدالت نے دونوں مقدمات کا بغور جائزہ لیا۔ شہزاد خان اور سفیر خان، دو الگ جانیں، دو الگ حق تلفیاں، لیکن انجام ایک بے رحم قتل۔ گواہوں کے بیانات، شواہد، فارنزک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رپورٹس اور وکلائے صفائی و استغاثہ کی دلائل کے بعد، یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ملزم، ارمان ولد داور خان نے نہ صرف شہزاد خان کا قتل منصوبہ بندی سے کیا بلکہ بعد میں سفیر خان کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا۔ یہ دونوں قتل صرف افراد کے نہیں تھے، یہ قانون، اخلاق اور معاشرتی امن پر حملہ تھے۔ لہٰذا، عدالت فوجداری قانون کی دفعہ 302 کے تحت، ملزم ارمان داور خان کو سزائے موت سناتی ہے۔ ہر سزا الگ الگ شمار ہوگی، اور حسبِ ضابطہ، عملدرآمد جیل حکام کی نگرانی میں کیا جائے گا۔ ملزم کو آئینی حق کے تحت اپیل کا اختیار حاصل ہے، مگر جب تک کوئی اعلیٰ عدالت اس فیصلے کو معطل نہ کرے، یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ اللہ ہم سب کو عدل پر قائم رکھے۔ عدالت برخاست۔" جج نے قلم بند کرتے ہوئے، اس کی نوک کاغذ پر زور سے مارتے ہوئے توڑ دی۔ جیسے فیصلہ حرفِ آخر ہو۔ کورٹ روم میں ایک خاموش طوفان برپا تھا۔

بہرام خان کا چہرہ سفید پڑ چکا تھا۔ وہ جھٹکے سے اٹھے اور کمرہ عدالت سے باہر نکل گئے۔ ان کا پورا وجود غصے سے لرز رہا تھا۔ خان برادرز نے دکھ سے پھٹتے دل اور ضبط کو چھوتی آنکھوں سے

ارمان کی طرف دیکھا، جو مکمل خاموشی سے پولیس کے ہمراہ باہر جا رہا تھا۔ حبہ خانم غش کھا کر رہ گئیں۔ زارون اپنی چبھن ہوتی آنکھوں کو میچ گیا، ایک بار پھر کہرام مچنے والا تھا۔ قیامت آئی تھی، انصاف بھی ملا تھا لیکن کیا واقعی؟ کیا ہر زخم بھر گیا؟ کیا ہر مجرم کو سزا ملی؟ یا ابھی کچھ باقی تھا؟

☆..☆..☆..☆

وہ لوگ لوٹ چکے تھے۔ ارمان نے ان میں سے کسی سے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ دوسری جانب، بہرام خان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ وہ مسلسل مجیب کو کال کر رہے تھے، مگر وہ تھا کہ فون اٹھا ہی نہیں رہا تھا۔ وقت تیزی سے سرک رہا تھا۔ فجر سے پہلے ارمان کو پھانسی دی جانی تھی، اور ہر گزرتا لمحہ انہیں بے چینی اور بے بسی کی آگ میں جھونک رہا تھا۔ مغرب کی اذان کی صدا فضا میں گونجی۔ سورج غروب ہوا۔ چاند افق پر ابھرا۔ رات کا پہلا پہر شروع ہوا۔ آسمان پر ہلکی ہلکی بجلی چمکنے لگی، جو پنجاب کے مختلف علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

خان حویلی میں گویا سوگ کا عالم تھا لیکن اس ماحول میں بھی، اسماء خانم ہر کسی کا خیال رکھ رہی تھیں۔ وہ خود ٹوٹ چکی تھیں، مگر دوسروں کا درد سنبھالے کھڑی تھیں۔ رات کا کھانا وہ اوپر والے پورشن میں پہنچا چکی تھیں، جو زینب کی کیئر ٹیکر نے وصول کیا، وہی جو دن بھر اس کے ساتھ رہتی تھی۔

وقت یونہی گزرتا چلا گیا۔ رات کے پہلے پہر سے آخری پہر تک کا سفر یوں لگا جیسے پلک جھپکتے گزر گیا ہو۔ یکایک، بارش کی تیز بوچھاڑ نے آسمان کو دھو ڈالا۔ وقفے وقفے سے بجلی کی کڑک فضا کو چیرتی گونج رہی تھی۔ اسی اثنا میں، عقوبت خانے کا زنگ آلود مضبوط دروازہ ایک بھاری چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔ دو پولیس اہلکار اندر داخل ہوئے۔

"اُٹھو،" ان میں سے ایک نے کہا۔

ارمان نے سرخ اور بوجھل آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ کچھ دیر پہلے ہی اسے غسل کروا کر سفید سادہ لباس پہنایا گیا تھا۔ وہ پُراسرار سکون کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اہلکاروں نے اس کے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پیروں میں زنجیریں ڈال دیں۔ زنجیروں کی جھنکار، کمرے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی، موت کا اعلان کر رہی تھی۔

انہیں کہا گیا تھا کہ ارمان آخری ملاقات صرف پری گل سے کرنا چاہتا ہے، لیکن اسے وہ اجازت نہیں ملی۔ زارون اور موسیٰ اس سے ملنا چاہتے تھے، مگر اس نے انکار کر دیا تھا لیکن اس کی جانب سے دی گئی وصیت نے سب کے ہوش اڑا دیے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی لاش خاندان کے حوالے نہ کی جائے۔ کسی کو اس کا آخری دیدار نہ کروایا جائے۔ عدالت نے اس وصیت کا احترام کیا۔ زارون اور موسیٰ شکست خوردہ دل اور شل جسم کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

ارمان کو نمی سے بھیگے صحن میں لایا گیا۔ اس نے سر اُٹھا کر تختۂ دار کو دیکھا۔ آنکھوں میں نمی ابھری۔ دل چاہا، ایک بار صرف ایک بار، اسے دیکھ لے پھر چاہے موت بھی گلے لگانی پڑے، قبول تھی۔ شاید محبت اس کے نصیب میں لکھی ہی نہیں گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہر قدم، جو وہ آگے بڑھا رہا تھا، اُسے موت کے کچھ اور قریب کر رہا تھا۔ جب وہ تختے پر پہنچا، تو اس نے ایک طویل نظر اس پھندے پر ڈالی، جو اب اس کا مقدر بن چکا تھا۔ دل کی دھڑکن اب جیسے کانوں میں گونج رہی تھی اچانک، کسی نے اس کے چہرے پر سیاہ کپڑا ڈال دیا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ وہ سانس روک کر کھڑا رہا۔

اسے پھندے کے عین نیچے لایا گیا۔ رسی اس کے گلے میں ڈالی گئی اور مضبوطی سے کَسی گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر باندھ دیے گئے۔ پیروں کو بھی رسی سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

چند لمحے گزرے۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ پھر ایک جھٹکے سے اس کے پیروں تلے تختہ ہٹا دیا گیا۔ وہ فضا میں جھولنے لگا۔ اس کے پیر بندھے ہونے کے باوجود مچلنے لگے لیکن پھر سانسیں، آوازیں، سب ساکت ہو گئیں۔

پانی کی بوندیں اس کے بے جان وجود کو بھگو رہی تھیں۔ زنجیروں کی ہلکی جھنکار اور تیز بارش کی چاپ، اس خاموشی کو اور گہرا کر رہی تھی۔ بجلی چمکی، تو پل بھر کو اس کا وجود فضا میں جھولتا

دکھائی دیا اور پھر تاریکی چھا گئی۔ وہ وجود، جو چند لمحے پہلے غرور سے کھڑا تھا، اب ایک پینڈولم کی مانند پھندے پر جھول رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد، رسی سے جدا ہو کر وہ نیچے، نم مٹی میں آ گرا۔ ایک اہلکار آگے بڑھا۔ اس کی نبض چیک کی۔ سر نفی میں ہلایا، اور سرد لہجے میں اعلان کیا۔ "مجرم کو موت واقع ہو چکی ہے۔"

☆..☆..☆..☆

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟

"یہ پچھلے چار گھنٹوں میں کئی بار پوچھا گیا وہی سوال تھا جس کا جواب ہر بار صرف اتنا ہی ملا۔

"بس کچھ وقت انتظار کرو۔"

حرم نے لبوں پر زبان پھیر کر دل میں اٹھنے والے وسوسوں کو جھٹکا۔ خان حویلی سے نکلے انہیں خاصا وقت بیت چکا تھا، لیکن وہ اب تک اپنی منزل تک نہیں پہنچے تھے، نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ منزل ہے کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ویران، سنسان سڑک پر تیزی سے دوڑتی گاڑی رات کے سناٹے کو چیرتی جا رہی تھی۔ فجر کی اذان ہونے کو تھی، مگر ان کا سفر اب بھی جاری تھا۔ گاڑی کے اندر خاموشی کا راج تھا، مگر اندرونی کیفیات شور مچا رہی تھیں۔

حرم نے اپنی کاجل سے بھری، نیند میں ڈوبی سرمئی آنکھیں اپنے ہاتھ پر جمائیں۔ وہی ہاتھ جو شاہ میر کے بائیں ہاتھ میں قید تھا۔ شاہ میر نے کہنی تک سیاہ قمیض کے بازو چڑھائے تھے، بالوں کو بے فکری سے بکھیر رکھا تھا، اور اس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں لیکن حرم کے دل کے تار مسلسل چھیڑ رہا تھا۔ گاڑی کے ہیٹر کی ہلکی گرمائش، اور ساتھ بیٹھا وہ مرد جسے وہ چاہتی تھی سب کچھ اسے جیسے گہری نیند کی طرف کھینچ رہا تھا۔ دل چاہتا، بس یہ لمحہ رک جائے۔

دونوں دن والے ہی سیاہ لباس میں ملبوس تھے، اور آج کی یہ سیاہ رات، جیسے انہی کا حصہ بن چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حرم نے اپنے گرد لپٹی شال کو درست کیا، پھر بالوں کی دو تین لٹیں بائیں ہاتھ سے کان کے پیچھے اڑسیں۔ اس کی کان کی جھمکیاں ہلیں، اور ان کی چھنکار نے گاڑی میں مدھم سا سر بکھیر دیا۔

وہ تھوڑا سا سیٹ سے کھسک کر آگے ہوئی اور دھیرے سے شاہ میر کے کاندھے پر سر رکھ دیا۔

شاہ میر کی اسٹیئرنگ پر پکڑ کچھ اور مضبوط ہوئی۔ وہ ترچھی نگاہ اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے کاندھے پر سر رکھے، آنکھیں موند چکی تھی۔ ایک پل کو اُس نے سڑک سے نظریں ہٹائیں، جھک کر اس کی پیشانی پر نرماہٹ سے لب رکھے، اور پھر دوبارہ سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ بند آنکھوں سے ہی مسکرا دی۔ یہ گزرے دو دن اس کی زندگی کے سب سے خوبصورت اور مکمل دن تھے۔

پہلی بار، اُس نے اپنے آپ کو مکمل محسوس کیا تھا۔ ان لمحوں میں جیسے وہ جینے لگی تھی۔ جی بھر کر ہنس سکی تھی، بے خوف سانس لے سکی تھی۔ ان لمحوں کو اُس نے دل کے کسی محفوظ

کونے میں، کسی میموری فولڈر میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا تھا۔ پاکستان آتے ہی، اُس نے سب سے پہلے اپنے گال پر موجود زخم کی سرجری کروائی تھی۔ اسی وجہ سے اُسے خان حویلی آنے میں تین دن لگے۔ زخم گہرا تھا، مگر سرجری کے بعد وہ اسّی فیصد تک مدھم ہو چکا تھا۔

اب وہ اپنی پرانی زندگی کی تلخیوں کو، زخموں کو، کچھ کچھ تمسخرانہ مسکراہٹ سے دیکھنے لگی تھی۔

یہی وہ لمحہ تھا جب نیند کی مہربان دیوی نے اُسے آہستہ آہستہ اپنی آغوش میں لے لیا۔

وہ گہری نیند میں جا چکی تھی اور گاڑی اب بھی سفر پر رواں دواں تھی۔

سامنے ایک وسیع و عریض سبزہ زار تھا۔ ہر طرف ہریالی، خوشبو، نرم دھوپ اور آسمان نیلگوں سا بکھرا ہوا تھا۔ دائیں طرف پہاڑیوں کی قطار تھی، جن پر سورج کی نرم کرنیں سنہری چادر کی طرح گری تھیں۔ نیچے ایک شفاف جھیل تھی، جیسے آئینہ ہو جس میں آسمان اپنا عکس دیکھ رہا ہو۔ ہوا کے ہر جھونکے میں جیسے خوشی کی کوئی چھپی ہوئی صدا تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ ایک نرم جامنی جوڑے میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ، بادلوں کی طرح ہلکا، اس کے گرد ہواؤں میں اڑتا جا رہا تھا۔ اس کے بال، ریشم کی طرح، ہوا کے ساتھ لہراتے تھے۔ اس کے پاؤں ننگے تھے، مگر زمین پر ٹھنڈی گھاس نے انہیں گداز سی چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔

وہ چل رہی تھی مگر زمین پر نہیں۔ جیسے کوئی روشنی کی لکیر ہو جو بہتی جا رہی ہو۔ وہ مسکرا رہی تھی، بنا کسی وجہ کے۔ جیسے دل سے کسی نے غم کی گرد جھاڑ دی ہو پھر اچانک، ایک ساز ابھرا، دور سے بانسری کی مدھم دھن گونجی۔

جیسے کوئی اس وادی کو جی رہا ہو۔ کوئی اس کی طرف بڑھ رہا ہو۔ بانسری کی وہ دھن ہوا میں تیرتی ہوئی اس کے دل کے قریب آن رکی، پھر وہ دکھائی دیا۔ ایک مرد، سیاہ لباس میں، جو دھوپ اور سایہ دونوں کا امتزاج لگ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر سکون تھا، نگاہوں میں حیرت، اور قدموں میں ٹھہراؤ۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھے، جیسے ایک صدی کے فاصلوں کے بعد کسی دعا کا قبول ہونا ہو۔ نہ کوئی لفظ بولا گیا، نہ کوئی سوال۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ صرف اُس کے قریب آیا،اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھاما،اور اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔وہ آنکھیں موند گئی،جیسے یہ سب وقت کے کسی نرم گوشے میں محفوظ ہو جائے۔پھر اس نے آنکھ کھولی تو وادی تھمی ہوئی تھی،بانسری خاموش،اور آسمان کا رنگ سرمئی ہونے لگا تھا۔وہ جانتی تھی یہ خواب ہے،لیکن اس نے آنکھیں بند کر لیں کیونکہ بعض خواب، حقیقت سے زیادہ سچے لگتے ہیں۔

اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔دور کہیں سے فجر کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

اس نے سر اٹھاتے ہوئے مندی مندی آنکھیں کھول کر سر دائیں بائیں گھمایا۔اس کا سر سیٹ پہ تھا۔شاہ میر وہاں نہیں تھا۔گاڑی ایک جگہ رکی ہوئی تھی۔اس نے خوابدیدہ آنکھوں کو ہلکا سا مسلا اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھی تو باہر سے نظر آتا منظر اسے ساکت کر گیا۔

وہ سانس روکے کھڑکی سے باہر نظر آتا منظر دیکھ رہی تھی۔اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔یہ جگہ یہ جگہ تو ہو بہو اس کے خواب

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جیسی تھی۔ وہی سبزہ زار، وادیوں سے ڈھکی پہاڑیاں۔ وہ تیزی سے اپنی جانب کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکلی۔ ایک زوردار ٹھنڈی یخ ہوا کا تھپیڑا تھا جو اس کے وجود کو چھو گیا تھا۔ اس کا وجود کپکپا گیا۔ اس نے مزید کس کر اپنی شال کو اپنے گرد لپیٹ لیا۔

اس نے نگاہ دوڑائی۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے آتی ٹھنڈی ہوا، ہر سانس میں جیسے چاندنی گھول رہی تھی۔ نیلگوں آسمان پر، ستاروں نے آہستہ آہستہ اپنی موجودگی ظاہر کرنی شروع کی تھی۔ فجر کی اذان کی بازگشت اب خاموش ہو چکی تھی۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس جھیل کی سمت بڑھی۔ وہ جھیل جسے خواب میں دیکھا تھا، وہی وسعت، وہی تنہائی، وہی خاموشی اور وہی پل، جو دل کی دھڑکن میں اترا تھا۔

سیف الملوک کے پانی نے آسمان کا عکس اوڑھ رکھا تھا۔ جیسے کسی نے چاند کو ٹوٹ کر جھیل میں گرا دیا ہو۔ پانی اتنا خاموش تھا کہ سانس کی آواز بھی خلل لگتی۔ ہر موج ساکن تھی، ہر سایہ ٹھہرا ہوا۔ جھیل کے کنارے وہ کھڑی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شال میں لپٹی، دھیمی سانسوں کے ساتھ۔ اس کی آنکھیں نیم خوابیدہ، اور دل جیسے کسی ان دیکھی خوشبو سے لبریز۔ وہ لمحہ جیسے کائنات نے اپنی پوری خوبصورتی سمیٹ کر، صرف اُس جھیل کے کنارے اتار دی ہو۔

برف سے ڈھکے پہاڑوں نے اسے ساکت و جامد کر دیا تھا۔ اس نے آج سے پہلے اس قدر خوبصورتی نہیں دیکھی تھی یا یوں کہا جائے کہ اس نے کبھی کسی چیز کی خوبصورتی کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

وہ اس منظر میں اس قدر کھوئی تھی کہ وہ جان ہی نہ سکی کہ کوئی آہستگی سے پشت پہ آ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی پل اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی کی بانہوں کے حصار میں آ گئی ہو۔ یہ لمس، یہ مہک، یہ لمحہ بالکل اُس خواب جیسا تھا، جیسے اس کے خواب کی تعبیر ہو گئی ہو۔ اس کا میر، اس کی زندگی، اُسے خود میں سمیٹے کھڑا تھا۔ کیا اس پل سے زیادہ کوئی لمحہ حسین ہو سکتا تھا؟

"کیسا لگا سرپرائز؟" اس نے اس کے کان کی لُو کو چھوا۔ اسی پل اس کے کان سرخی چھوڑنے لگے۔

"بے حد حسین بالکل میرے میر کی طرح،"وہ محبت بھرے لہجے میں بولی۔ سیف الملوک نے مسکرا کر ان کو دیکھا، پر اگلے ہی پل یہ مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"میر کی طرح؟ یا میجر خان کی طرح؟"اس کے لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ وہ جوان حسین وادیوں میں کھوئی ہوئی تھی، وہیں ساکت ہو گئی۔

اسے اپنے پیٹ پہ بازوؤں کی گرفت مضبوط اور سخت ہوتی محسوس ہوئی۔

"کہو نا، کرسٹل کوئین! میر کی طرح؟ یا میجر خان کی طرح؟"وہ اسے ساکت پڑتا دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں ہنس کر بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

بھوری آنکھوں والے مرد نے ایک جھٹکے سے اس کا رُخ اپنی جانب موڑا۔ اس کے سر سے شال اُتر گئی۔ کاندھوں پہ آٹھہری۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، وہ، اپنی ہی آنکھوں میں اُترتے سناٹے سے گھبرا گئی۔ جس کی آنکھوں میں اُسے اُس پل صرف سفاکی نظر

آئی تھی۔

"بولو نا، میر جان، کون ہو تم؟ حرم مرزا، کرسٹل کوئین، فاطمہ، یا حرم فاطمہ؟ ان میں سے کون سا نام تمہارا اپنا ہے؟" وہ اس کے گالوں کو چھوتے، انتہائی سرد لہجے میں کہہ رہا تھا اور حرم فاطمہ، اُسے لگا وہ اب کبھی سانس نہیں لے سکے گی۔ یہ وقت آنا تھا، یہ وہ جانتی تھی، پر یہ وقت ایسے آنا تھا، یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

"بلکہ نہیں، تم جو بھی ہو پر میرے لیے تو تم فاطمہ ہو نا؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں تھامے، زخمی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

حرم کو اپنی بصارت دھندلی پڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی تھی۔ اس نے سانس کی کمی محسوس کرتے ہوئے ایک گہری سانس کھینچی، تو اس کی آنکھوں میں بھرے آنسو گالوں پر بہہ گئے۔ اپنی پوری شدت سے یا تکلیف سے۔ ہاں، تکلیف سے، کیونکہ سامنے کھڑے مرد کے چہرے پر موجود بے یقینی اور بے اعتباری نے اسے زندہ زمین میں دفن کر دیا تھا۔

"بتاؤنا، تم میری فاطمہ ہو نا؟"اس کی بھوری آنکھوں میں جمع ہوتی سرخی نے اس کے دل کو چیر ڈالا تھا۔

"پلیز بتاؤ، تم میری فاطمہ ہو نا؟"وہ جیسے رو دینے کو تھا، پر وہ رو پڑی تھی۔ ہچکیوں سے۔ سسکیوں سے۔ کاش وہ اس پل کہیں غائب ہو جائے لیکن یہ تو ہر گز ممکن ہی نہ تھا۔

"میر!"وہ سسکی۔

"شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔ خبر دار تم نے میرا نام بھی لیا!"وہ غم و غصے کی حالت میں چلایا تھا۔ وہ اس کے دونوں بازوؤں کو جکڑے اسے تقریباً جھنجھوڑ چکا تھا۔ اس کی شال کندھوں سے نیچے پھسل گئی۔ جوڑے میں بندھے بال ڈھیلے ہو کر گردن میں آ ٹھہرے۔ کاجل آنکھوں سے بہتا گال پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔ یکدم اسے محسوس ہوا جیسے اس کے اندر دور تک کہیں سناٹے پھیل گئے ہوں۔

اس نے وحشت زدہ آنکھوں سے اُٹھ کر اُس کی بے یقینی سے ڈوبی آنکھوں میں دیکھا۔ اُسے اس کی چبھتی نگاہوں سے خوف آیا تھا۔ ہاں، آج سات سال بعد، اُس کی پتھر جیسی آنکھوں میں پہلی بار خوف اُترا تھا۔

جس دن سے اُس نے سفاکی کی چادر اوڑھی تھی، اُس دن سے اُس نے خوف کا ہر عکس اپنے وجود سے نوچ پھینکا تھا۔

مگر آج آج اُسے لگا جیسے وہ خوف، وہ لرزہ، ایک بار پھر سے اُس کے اندر پنپنے لگا ہو۔

اُسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایک جان لیوا سا پینک اٹیک اُس کے حواس پر حملہ آور تھا، مگر وہ اُسے بمشکل قابو میں رکھے ہوئے تھی۔ وہ جانتی تھی، اس وقت اُسے سنبھالنے والا، خود بکھر چکا تھا۔ وہ اب اُس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اُس کے وجود سے کراہیت محسوس کر رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر جیسے گھن آتی ہو۔ یہ وہ سب باتیں تھیں جو اُس کے ذہن میں طوفان کی طرح گونج رہی تھیں۔ وہ حد درجہ ان سیکیور ہو چکی تھی۔ اس شخص کو کھونے کا خوف اُس کی ہڈیوں میں اُتر رہا تھا، لیکن وہ تو اب اُس دہانے پر کھڑی تھی، جہاں اُسے یقین

ہوتا جارہا تھا کہ وہ اُسے کھو چکی ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ مرد، اُس کے بارے میں کتنا جان چکا ہے؟ کیا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کا ایک گردہ نہیں ہے؟ کیا وہ جانتا تھا کہ وہ بدصورت داغ والے چہرے کی مالک تھی؟ کیا اُسے یہ بھی علم تھا کہ اُس کے ہاتھوں کتنے انسان مارے گئے ہیں؟

وہ کیا کہتی؟ کس بات کی صفائی دیتی؟ کیسے دیتی، جب اُس کا اپنا ہی دماغ اُس سے الجھ پڑا تھا۔

"جواب دو! اب کیوں چپ ہو؟!" وہ، جو اُس کی خاموشی کو تک رہا تھا، آخر کار دہاڑا۔

اُس کی آواز پر وہ چونکی، اور بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹی، لیکن وہ اُسے فوراً دوبارہ قریب کھینچ لایا۔

"فاطمہ، مجھے بتاؤ، کیوں کیا تم نے ایسا؟ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ؟ باخدا، میں کچھ غلط کر بیٹھوں گا۔ مجھے بتاؤ!" وہ بولتے بولتے ٹوٹنے لگا۔ اُس کی آواز، اُس کی روح کی طرح رندھنے لگی۔ دل کی بھڑاس نکلی تو درد نے رگیں چیرنا شروع کر دیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مجھے بتاؤ، فاطمہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں مجھے فرض اور محبت کے بیچ منجدھار میں لا کھڑا کیا؟!" کہتے کہتے وہ اُسے خود سے جھٹک کر دور کر چکا تھا اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا۔

حرم کی چیخ لبوں تک آئی، مگر وہیں ٹھہر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہی تھی جو بریفلی، نم زمین پر بیٹھا، چہرہ ہاتھوں میں چھپا چکا تھا۔

وہ بار بار ایک ہی سوال دہرا رہا تھا۔ "ایسا کیوں کیا، فاطمہ؟"

وہ کیا جواب دیتی؟ وہ گناہ گار تھی، یہ وہ جانتی تھی۔ اگر وہ سچی ہوتی تو شاید کچھ کہہ پاتی، کوئی وضاحت دے پاتی، لیکن سچ یہ تھا، وہ خود ہی غلط تھی۔ اُس نے ایک سچے، خالص انسان کے کھرے جذبوں کو ٹھیس پہنچائی تھی۔

وہ اس مرد کے لیے پاگل تھی لیکن وہ داغدار لڑکی، ایسے محبت کرنے والے مرد کی حقدار نہیں تھی۔ اُسے اُس لمحے جی بھر کے خود سے نفرت محسوس ہوئی۔ دھڑکتا دل، پچھتاوے کی دہلیز پر آ کھڑا ہوا تھا۔

وہ کل رات سے ہمت جمع کر رہی تھی کہ اُسے سب کچھ بتا دے، اپنے بارے میں ہر بات، ہر راز، ہر سچ اور جب وہ آج اُس سے کہنے لگا کہ "کہیں باہر جائیں گے" تو اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سب کچھ کہہ دے گی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اُس سے محبت کرتا ہے۔ اُسے معاف کر دے گا۔ برا بھلا کہے گا، ناراض ہو گا، لیکن چھوڑے گا نہیں۔ پر یہ لمحہ جس میں وہ شخص، اُس کے سامنے یوں ٹوٹ کر بکھرا، اُسے اندر سے کھوکھلا کر گیا۔ اب شاید معافی کا وقت گزر چکا تھا۔

شاہ میر کو اس حالت میں بیٹھے نہ جانے کتنا وقت بیت چکا تھا۔ جھیل سیف الملوک کی پرسکون سطح پر طلوعِ صبح کی سنہری کرنیں اترنے لگی تھیں۔ آسمان پر ہلکی ہلکی روشنی، بریفلی ہوا کا تھپتھپاتا لمس، اور جھیل کے پانی میں بکھرتی نیلاہٹ ایک خواب سا منظر پیش کر رہی تھی لیکن

اس سحر میں گم ہونے کے بجائے وہ دونوں اپنے اندر ایک ایسی جنگ لڑ رہے تھے جس کا اختتام شاید جدائی تھا۔

"فاطمہ۔" یہ سرگوشی، جیسے سناٹے میں گونجی کوئی دُھن۔ محبت سے لبریز وہ ایک لفظ جیسے حرم کے ٹوٹتے وجود کو سانس دے گیا ہو۔ اس

نے دھیرے سے پلکیں اٹھائیں، جیسے اس آواز پر یقین نہ آیا ہو۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔ شاہ میر نے چہرہ ہاتھوں سے ہٹایا، نم آنکھوں کو سختی سے رگڑا، جیسے جذبات کی نمی کو چھپانا چاہتا ہو اور پھر بغیر دیکھے، اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

حرم نے پل کی بھی تاخیر کیے بغیر اپنا لرزتا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ جیسے وہ اسی لمحے کے انتظار میں تھی۔ اس لمس کے، اس اعتماد کے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

شاہ میر نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر دباؤ دیا اور اسے اپنے پاس ہی زمین پر بٹھا لیا۔ دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں میں جکڑے، وہ اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ شاید وہی سچ، جو ٹوٹ چکا تھا۔

"میں نے تم سے بہت محبت کی ہے، فاطمہ۔ ایسی محبت جو کسی اور سے ممکن نہ تھی۔" اس کا لہجہ بھرا ہوا تھا، لیکن ہموار، ایک تلخ سچائی کے ساتھ۔ "میری زندگی کبھی آسان نہیں رہی،

کیونکہ مجھے آسانی کبھی پسند ہی نہیں تھی۔ ہر دن موت کی سرحد پر گزارا۔ میں نے اپنے پیشے کے باعث زندگی سے ہر لگاؤ ختم کر دیا تھا۔ پر جب تم میری زندگی میں آئیں، تو سب کچھ بدل گیا۔" وہ سانس لینے کو رکا، حرم خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں، لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

"جب پہلی بار تمہیں دیکھا، تو وہ جذبہ محبت نہیں تھا تجسس تھا۔ ایک سوال تھا۔ تمہاری آنکھوں میں درد تھا، پر چھپا ہوا۔ میں تمہاری تکلیف سمجھنا چاہتا تھا۔ ان اداسیوں کے راز کو کھولنا چاہتا تھا، پر جب جاننے کی کوشش کی، تو خود ہی تمہارے جال میں الجھ گیا۔ تم اچھی لگنے لگیں اور پھر میری زندگی کا حصہ بن گئیں۔ پختون ہوں، ہم جب کسی عورت کو اپنی نظروں میں ٹھہرا لیتے ہیں، تو وہ دل سے نہیں نسل سے جڑ جاتی ہے۔" اس کے لہجے میں ایک خالص سا فخر اور محبت تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نکاح کے بعد محبت بے حد ہو گئی۔ میں نے تمہیں اپنے دل کا، اپنے ایمان کا سب سے محفوظ کونا دیا۔ اپنا اعتبار۔ اپنی شناخت۔" وہ رکا، جیسے آنسو نگل رہا ہو، پر وہیں حرم کی آنکھوں سے آنسو بہہ چکے تھے۔

"آپ کو کب کب پتا چلا کہ میں" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ الفاظ اٹک رہے تھے، جیسے اسے خود سے نفرت ہو۔ شاہ میر نے اس کی طرف دیکھا، اور پھر زور سے ہنس دیا۔

"بہت پہلے پتا چل جاتا اگر دل محبت کی گرد میں اندھا نہ ہوا ہوتا۔ تم تو چلی گئیں، لیکن رسی بالکونی میں چھوڑ گئیں۔" اس کی مسکراہٹ میں درد تھا، طنز نہیں۔ "اگلے ہی دن تمہارے کمرے میں گیا۔ دل کہتا تھا تمہاری خوشبو ابھی بھی وہاں ہے۔ پر جب وہ رسی دیکھی تو عقل نے کہا، دھوکہ دیا گیا ہے۔ نکاح نامہ نکالا، کاغذات دیکھے، اور سب سچ سامنے آ گیا۔ باقی تم خود سمجھدار ہو، پتا ہی ہو گا جب ایک میتھ ماسٹر گتھی سلجھانے بیٹھے تو ہر حد پار کر دیتا ہے۔ دل چیخ اٹھا تھا جب معلوم ہوا۔ تم مافیا کی ملکہ نکلی، فاطمہ۔" اسی پل اس کا لہجہ زہر آلود ہوا تھا۔ وہ ایک

جھٹکے سے اٹھا اور اسے بھی کھینچ کر کھڑا کر دیا۔

"کہا تھا نا، مجھے دھوکہ مت دینا، فاطمہ۔ میں دل پر وار سہہ سکتا ہوں، مگر اعتبار پر نہیں۔ اگر تم پہلے سب سچ بتا دیتیں، شاید کچھ اور ہوتا

لیکن اب کچھ نہیں بچا۔" اس کے چہرے سے تمام جذبات غائب ہو چکے تھے۔ وہ پتھر بن چکا تھا۔

"تم سے محبت اپنی جگہ، لیکن میں اپنے فرض سے غداری نہیں کر سکتا۔ چیف سے مہلت لی تھی، اب وقت ختم ہو چکا ہے۔ مجھے اگلے دس منٹ میں تمہیں گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر رپورٹ کرنا ہے۔" وہ گھڑی نکال کر وقت دیکھ رہا تھا، اور وہ پتھر بنی کھڑی تھی۔ سن سی، خالی۔

"میر میری بات سنیں۔"

"جو کہنا ہے، ریمانڈ میں کہنا، فاطمہ۔" اس نے بات کو کاٹ دیا۔

"میں نے چیف سے وعدہ کیا ہے،اس لیے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔پر ایک بات کا یقین رکھو، وہ لوگ تمہیں ہاتھ تک نہیں لگائیں گے۔جو پوچھیں،سب سچ بتا دینا۔میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں عزت سے واپس لے آؤں گا۔تھوڑی بے وفائی محبت سے کی ہے،اب تھوڑی فرض سے کر لوں گا۔"یہ آخری جملہ گویا اس کی روح پر پتھر بن کر گرا۔

وہ کچھ کہنے کے بجائے خاموشی سے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر سر جھکا گئی۔یہ اطاعت نہیں تھی۔یہ شکست بھی نہیں تھی۔یہ محبت کا کفارہ تھا۔شاہ میر نے جھک کر اس کی کلائیوں پر ہتھکڑیاں لگا دیں۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے،پر دل پتھر ہو چکا تھا۔اس کی بھوری آنکھ سے ایک آنسو حرم کی کلائی پر گرا،اور وہ بلک بلک کر رو دی۔وہ جانتی تھی۔یہ اس کی سزا نہیں،اس کی نجات ہے،پر وہ یہ اس طرح نہیں چاہتی تھی۔

☆..☆..☆..☆

صبح کی تازہ روشنی نے جھیل سیف الملوک کے نیلگوں پانی کو سنہری جھلک میں لپیٹ رکھا تھا۔فلک پر سورج نرم گرم کرنوں کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا،جن کی روشنی برف پوش

پہاڑوں کی چوٹیاں چومتی ہوئی نیچے وادی میں اتر رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا گھاس کے میدانوں سے گزر کر جھیل کے شفاف پانی کو چھوتی، لہروں کو ہلکا سا ہلکورہ دے رہی تھی۔

اسی پرامن منظر کے درمیان، جھیل سے کچھ فاصلے پر، ایک پتھریلی ڈھلوان کے نیچے چھپی ہوئی وہ عمارت تھی جو عام آنکھ کو محض ایک قدرتی چٹانی ساخت لگتی۔ مگر حقیقت میں یہ خفیہ ایجنسی کا زیرِ زمین گمنام ہیڈ کوارٹر تھا، جس کا داخلی راستہ ایک سرمئی چٹان کے عقب میں، پہاڑ کے سینے کو چیر کر بنایا گیا تھا۔ باہر سے مکمل طور پر چھپا ہوا، صرف مخصوص شعاعوں پر ردِ عمل دینے والا دروازہ جو صرف بائیومیٹرک اور کوڈ لاک سے کھلتا تھا۔ صبح کے دھندلکے میں پہرہ دینے والے ایجنٹس سادہ سویلین کپڑوں میں چوکس کھڑے تھے، جن کی آنکھیں ہر آہٹ اور حرکت پر مرکوز تھیں۔ ان کے کانوں میں باریک ریڈیو کمیونیکیشنز کا شور گونج رہا تھا، جو عام فضا میں گم ہو جاتا۔ خفیہ کیمروں کی قطار، چٹانوں میں اس طرح نصب تھی کہ اگر کوئی عام انسان وہاں تک پہنچ بھی جاتا، تب بھی کچھ دیکھ نہ پاتا۔ یہاں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

سب کچھ فطرت کے آغوش میں چھپا ہوا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی، منظر بالکل مختلف تھا۔ سنگ مرمر سے بنے صاف ستھرے فرش، جدید ترین مانیٹرز، ایل ای ڈی لائٹس، ساؤنڈ پروف کانفرنس رومز اور کئی خفیہ ٹیکنیکل لیبز۔

دیواروں پر جدید اسلحہ، فائلوں سے بھرے فولادی دراز، اور درمیان میں نصب ڈیجیٹل نقشے، جو پورے ملک کی حساس ترین جگہوں کی معلومات دکھا رہے تھے۔ سفید وردی میں ملبوس ایک آفیسر نے، ایک کونے میں رکھے کمپیوٹر پر کچھ کوڈز ان پٹ کیے۔ اگلے لمحے، ایک ہولوگرافک نقشہ فضا میں ابھرا، جس میں ایک سرخ نقطہ آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا۔ یہ ایجنسی کی ایک اہم نگرانی تھی، جس پر آج کے دن کئی آنکھیں مرکوز تھیں۔

جھیل سیف الملوک کی پرشکوہ وادی میں، سورج اب مکمل طور پر طلوع ہو چکا تھا۔ باہر جھیل اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تھی، اور اندر اس چمک سے بالکل برعکس ایک سنجیدہ، خفیہ دنیا بیدار ہو چکی تھی۔ یہاں ہر قدم، ہر آواز، اور ہر فیصلہ ملک کی بقا کے لیے ہوتا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سچ، طاقت، اور راز، خاموشی سے سانس لیتے تھے۔

ہیڈ کوارٹر کی اندرونی لابی میں مکمل خاموشی تھی۔ دیوار پہ لگی گھڑی کی ٹک ٹک بھی اس لمحے میں گونج بن کر سنائی دے رہی تھی۔

روشنی اب مکمل طور پر عمارت کی کھڑکیوں سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ ہلکی پیلی دھوپ، سرد مگر روشن۔ مگر یہاں کے ماحول میں کوئی حرارت نہ تھی، بس سنجیدگی، وقار اور ایک غیر مرئی دباؤ۔

ایک نفیس سی سیاہ وردی پہنے، ہلکے سفید بالوں والا پچپن سالہ شخص، چیف ہیڈ آف انٹیلیجنس محمد ظفر شہزاد تھا، جو ایک شفاف میز کے پیچھے پر سکون انداز میں بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثر سے پاک تھا، جیسے اس نے زندگی کے ہر رنگ کو دیکھا اور قبول کر لیا ہو۔

نہ تحسین، نہ غصہ۔ بس ایک خاموشی، جو اس کی آنکھوں سے بھی جھلک رہی تھی۔

اس کے سامنے بیٹھی تھی حرم فاطمہ عرف کرسٹل کوئین۔ مافیا کی ملکہ، کئی چہروں والی عورت، آج پہلی بار ایک ہی شناخت میں اپنے اصل چہرے کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھی تھی۔ سفید شال اس کے وجود سے لپٹی ہوئی تھی، قید میں ہونے کے باوجود وہ کمزور نہیں

لگ رہی تھی۔ وہ لڑکی جو راتوں کی بے رحم روشنیوں میں کھیل چکی تھی، آج دن کی روشنی میں اپنی حقیقت کے ساتھ سامنے تھی۔

اس کے پہلو میں، چند قدم کے فاصلے پر میجر شاہ میر خان پشت پہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ سیاہ یکمو وردی، بلیٹن بایاں بازو، کمر سیدھی، پر آنکھیں

بوجھل۔ جس عورت کو وہ چاہتا تھا، اسے وہ خود لے کر آیا تھا اس کمرے میں۔ شاید یہ اس کا فرض تھا، مگر اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں اس فرض کی قیمت اس نے دل سے چکائی ہے۔ چیف نے اپنی انگلیوں کو آپس میں پھنساتے، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"کرسٹل کوئین،" آواز نرم تھی مگر ایسی جیسے دیوار سے ٹکرا جائے۔ "مافیا کے نیٹ ورک کو ختم کرنے میں تمہارا نام سب سے اوپر آتا ہے۔ تمہارے خلاف کیس سالوں پرانا ہے۔ مگر تمہارے خلاف گواہی آج تمہارا اپنا ماضی دے رہا ہے۔"

حرم نے پلکیں جھپکیں، مگر اس کے لب بند رہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چیف نے ایک نگاہ شاہ میر پر ڈالی جو سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا جیسا کہ اسے ہونا چاہیے تھا، پھر دوبارہ حرم کو دیکھا۔

"یہاں تم پر نہ چیخا جائے گا، نہ دھمکایا جائے گا۔ ہمیں صرف سچ چاہیے، وہ سچ جو شاید تم نے برسوں تک کسی کو نہیں بتایا۔" ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ پھر چیف نے جھک کر میز کے نیچے رکھی فائل کھولی۔

"یہ مکمل ریکارڈ ہے تمہارے خلاف۔ قتل، اسمگلنگ، اسلحے کا نیٹ ورک، مفرور مجرموں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنا، لیکن یہ فائل اب صرف تب اہم ہے اگر تم سچ بولنے سے انکار کرو۔"

حرم کی سانس پھولی۔ میجر خان نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔ وہ جانتا تھا یہ لمحہ فیصلہ کن ہے۔

چیف نے کرسی کی پشت سے ٹیک ہٹائی اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اب تم بول سکتی ہو۔یہ کمرہ بند ہے،اور تمہارا ہر لفظ تمہارے مقدر کا فیصلہ کرے گا۔" کمرے میں لگی اسکرینز پر ریکارڈنگ آن ہو چکی تھی۔باہر موجود انٹیلیجنس آفیسرز کی نظریں لائیو فیڈ پر جمی تھیں۔

حرم نے لبوں پر زبان پھیر کر سانس اندر کھینچی،آنکھیں بند کیں،اور آہستہ سے بولنا شروع کیا۔

"میرا نام حرم فاطمہ ہے اور یہ سب کچھ آج سے سترہ سال سال پہلے شروع ہوا تھا۔"

خاموش فضا میں اس کی آواز گونجی۔اب حساب کا وقت تھا۔ماضی،محبت،جرم،سب کچھ اس روشنی میں کھڑا تھا جہاں سچ کے سوا کچھ نہ بچتا تھا۔وہ بول رہی تھی،اور شاہ میر کی آنکھیں لمحہ بہ لمحہ سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔اس کی کمر چیر کر ایک گردہ نکال لیا گیا تھا،یہ بات شاہ میر کو اندر تک ہلا گئی،لیکن اس کا چہرہ اب بھی سپاٹ تھا،جذبات سے عاری اور وہ،جو سامنے بیٹھی تھی،سب کچھ سنا رہی تھی بنا رکے،بنا خود کو روئے،خود کو کمزور پڑنے دیے بغیر۔وہ اپنے دل کو جیسے زنجیروں میں جکڑ چکی تھی۔

جب وہ خاموش ہوئی،اس کی آنکھیں بالکل بے تاثر تھیں،مگر شاہ میر کی آنکھوں میں اس کے برعکس طوفان چھپا بیٹھا تھا۔

"ہمم بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔"چیف نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا،لہجہ افسوس سے بھرپور ضرور تھا،مگر آنکھیں باریک بین انداز میں اس لڑکی کا مطالعہ کر رہی تھیں۔

"یہ بتاؤ پھر لیا تم نے اپنی بہن کا بدلہ؟"

"ہاں،لے لیا۔"وہ بولی،اور اس کے لہجے میں مکمل اطمینان تھا،سکون جیسے ہر سوال کا جواب بن گیا ہو۔

"نام بتانا پسند کرو گی؟"

"بالکل۔"

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟"چیف کی آنکھوں میں دلچسپی چمکی،اور لبوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ ابھری۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ڈارک ویب کا بادشاہ، بلڈی پوائزن کا ساتھی عرف داور خان۔"

یہ سنتے ہی چیف اور میجر شاہ میر دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ شاہ میر کی آنکھیں جیسے پھیل گئیں، اور چیف کی مسکراہٹ لمحوں میں غائب ہو گئی۔ داور خان؟

"لیکن وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کا بھائی بھی ہے شاید تمہیں اس کا علم نہ ہو؟"

چیف نے تھوڑا جھک کر، مصنوعی حیرت سے کہا مگر جواب میں حرم کی آنکھوں میں چمکتی سفاکی نے ان کی مسکراہٹ چھین لی۔

"کہیں بہرام خان کی بات تو نہیں ہو رہی؟"

چیف اور شاہ میر دونوں کے چہرے پر ایک ساتھ حیرت کی لہریں دوڑ گئیں۔

شاہ میر کو شک تھا کہ اس کے چچا جان کسی غلط کام میں ملوث ہیں۔ اس نے داور خان اور بہرام خان کے غیر قانونی تعلقات کا اندازہ ضرور لگا رکھا تھا، لیکن یہ کہ وہ دونوں ڈارک ویب جیسے عالمی مجرمانہ نیٹ ورک کے ستون تھے؟ یہ خبر اس کے لیے بھی چونکا دینے والی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تو کیا تم نے؟"سوال ادھورا رہ گیا۔وہ اب بھی اسے کمزور سمجھ رہے تھے۔مگر حرم وہ کسی طوفان کا دوسرا نام تھی۔

(وہ پاکستان آتے ہی داور کے بتائے پتے پر گئی تھی جہاں اس کی سوچ کے مطابق سب غائب تھا،جیسے کوئی دھواں ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔پھر،اشعر کے ساتھ،وہ بالاج کے گھر پہنچی۔وہاں آخری بار اپنا پورا منصوبہ ریویو کیا،اور پھر،اس نے خان حویلی کا رُخ کیا جہاں بہرام خان،زینب اور انارہ کے ساتھ شفٹ ہو چکا تھا۔اسے یقین تھا،اس شخص کو اگر مارنا ہے،تو وہی جگہ بہترین ہے،جہاں اسے خود کو سب سے زیادہ محفوظ لگتا ہے۔آج دوپہر،وہ خاموشی سے حویلی کے پورشن کی سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا،جب اچانک وہ سامنے آ گئی،ایک کپ چائے لیے۔"اوہ سوری،سوری!"چائے کا کپ اس کی سفید شرٹ کو داغدار کر چکا تھا۔بہرام نے لب بھینچے،اور غصے سے اسے گھورا۔وہ جھکا،فون اٹھانے کے لیے،اور یہی وہ لمحہ تھا جس پل وہ اس کی گردن میں ایک باریک تار،تقریباً نا محسوس انداز میں انجیکٹ کر چکی تھی۔ایک لمحہ،ایک نظر،ایک باریک زخم،اور موت اس کی رگوں میں بہنے لگی۔وہ تار اس

قدر باریک تھی کہ بہرام خان کو ذرا بھی محسوس نہ ہو سکا کہ کوئی زہر ان کی رگوں میں انڈیل دیا گیا ہے۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے اور وہ نفرت سے اس مرد کی پشت دیکھتی رہ گئی۔)

"ایک بات بتاؤ؟" چیف نے اب دلچسپی سے سینے پر بازو باندھ کر اسے دیکھا۔

"تم نے اسے اتنی آسان موت کیوں دی؟"

"آسان؟" اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔

"آپ جانتے ہیں اس تار میں کیا تھا؟" چیف اور شاہ میر دونوں نے سرسری حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا تھا اس میں؟"

"بوتولینم ٹاکسن۔"

اس کے ہونٹوں سے جیسے زہر نہیں، آگ نکلی۔ چیف کی آنکھیں لمحہ بھر کو جمی کی جمی رہ گئیں، اور شاہ میر کے دل میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ یہ کوئی عام عورت نہیں تھی، یہ وہ عورت تھی جو

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دشمن کو خاموش موت دیتی تھی،اور پھر اُسی خاموشی میں بے رحمی سے مسکرا کر چلتی چلی جاتی تھی۔

(بوتولینم ٹاکسن دنیا کا سب سے مہلک نیوروٹاکسن ہے۔یہ حد درجہ نایاب ہے۔یہ زہر اعصاب کے سگنلز کو بلاک کر دیتا ہے،جس سے پٹھے مفلوج ہو جاتے ہیں۔انسان پہلے بولنے، دیکھنے اور نگلنے سے قاصر ہوتا ہے،پھر آہستہ آہستہ سانس لینے کی طاقت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بدن میں کوئی چوٹ یا زخم نہیں ہوتا،لیکن اندر سے انسان ٹوٹتا ہے، گھٹتا ہے،جب تک کہ دل کی دھڑکن اور سانس خاموش نہ ہو جائیں۔اس کے اندر کا ایک ایک آرگن گل سڑ نہ جائے،وہ تکلیف سے تڑپتا رہتا ہے۔اس کے ذرے جسم میں داخل ہونے کے 24 سے 72 گھنٹوں میں انسان کی دردناک اور مفلوج موت واقع ہوتی ہے،اور اس درد و تکلیف کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے جو اس زہر کا مریض محسوس کرتا ہے۔یہ زہر بے رنگ،بے ذائقہ اور بغیر کسی خوشبو کے ہوتا ہے،صرف ایک مائیکرو گرام کسی انسان کو مارنے کے لیے کافی ہے۔)

نہ جانے کتنے لمحے یوں ہی اسے دیکھتے رہے۔ شاہ میر کا چہرہ بے تاثر تھا مگر آنکھیں وہ چپ نہ تھیں۔ ان میں کہیں گہری ٹوٹ پھوٹ، کہیں غصہ، کہیں دکھ، اور سب سے بڑھ کر وہ اذیت تھی جو اسے اس حال میں دیکھ کر ہو رہی تھی۔ وہ جو سامنے بیٹھی تھی، نہ جانے کیا کچھ سہہ چکی تھی۔

"تو پھر تم ملیں اپنی بہن سے؟" چیف نے ایک بار پھر گفتگو کا آغاز کیا۔ آواز اب پہلے سے سنجیدہ تھی۔

"نہیں۔" اس کا جواب سپاٹ تھا، جیسے کوئی احساس باقی ہی نہ بچا ہو۔

"کیوں؟"

"میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔" یہ الفاظ اس کے لبوں سے آہستہ سے نکلے، لیکن ان میں ایک خنجر چھپا ہوا تھا۔

"لیکن تم تو اسے ڈھونڈنا چاہتی تھی، اس سے ملنا چاہتی تھی، اسی کے لیے تم نے قتل کیے۔" چیف کے لہجے میں الجھن تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہاں، میں اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ ملنا چاہتی تھی۔" وہ رکی، سانس کھینچا، پھر سر اٹھایا، اس کی آنکھیں لہو رنگ تھیں۔ "پر آپ کو کس نے کہا کہ میں اسے چاہتی ہوں؟"

"میں اس لڑکی سے نفرت کرتی ہوں۔ بے انتہا نفرت۔ میں اسے ڈھونڈ رہی تھی تاکہ اسے بتا سکوں کہ اس کی ایک غلطی میرا بچپن نگل گئی۔ اس کی ایک دوستی نے میرے ماں باپ کو مار ڈالا۔ اس کے ایک فیصلے نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔ میں اسے صرف اس لیے ڈھونڈ رہی تھی کہ میں اسے اس کی غلطی کا وزن واپس دے سکوں۔" اس کا لہجہ بلند ہوتا گیا، وہ شدتِ گریہ سے تقریباً چیخ پڑی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب اس کی آنکھوں میں نمی ابھری تھی۔

"میں اسے ڈھونڈ رہی تھی تاکہ میں اسے بتا سکوں کہ میں اس سے کتنی نفرت کرتی ہوں!"

اب اس کی سانسیں پھولنے لگیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آواز لرزنے لگی تھی۔ ناک سے خون بہنے لگا جیسے اکثر شدید ذہنی دباؤ میں ہوا کرتا تھا۔ شاہ میر کی آنکھوں میں لرزش دوڑ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

چیف فوراً سمجھ گئے یہ پینک اٹیک ہے۔ انہوں نے کیمرے کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے کیے۔ اگلے ہی لمحے، دروازہ کھلا، اور ایک تیس اکتیس سال کی پروفیشنل عورت اندر داخل ہوئی۔ سلیقے سے بندھے بال، سادہ لباس، ہاتھ میں فرسٹ ایڈ باکس۔

وہ جلدی سے آگے بڑھی۔ اس نے بغیر ایک لمحہ ضائع کیے حرم کے ہونٹوں پر انہیلر لگایا۔ وہ تیزی سے سانس لینے لگی، پھر چند دوائیاں دی گئیں۔ چند لمحوں بعد، اس کی حالت کچھ بہتر ہو گئی۔

اس دوران، شاہ میر وہیں ساکت کھڑا رہا۔ نہ ایک قدم آگے، نہ ایک اشارہ، نہ کوئی حرکت۔ اسے اجازت نہ تھی۔ نہ فیلنگ شو کرنے کی، نہ باڈی لینگویج بدلنے کی۔ وہ میجر تھا۔ اس پر فرض تھا کہ وہ اپنے فرض کا مان رکھتا۔

"کیا تم نے اس سے مل کر اپنی نفرت کا اظہار کیا؟"

"نہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو کیا تم اس سے کبھی نہیں ملنا چاہو گی؟" چیف کی آواز اب پہلے کی طرح پر سکون تھی، جیسے وہ جذبات سے دور، صرف تجزیہ کر رہے ہوں۔

وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہی۔ پھر آہستہ سے بولی، "کبھی نہیں۔" الفاظ سادہ تھے، لیکن لہجہ گویا زہر سے لبریز تھا۔

"میرا بھائی اشعر ملے گا لیکن میں نہیں۔ میں اس لڑکی سے بہت نفرت کرتی ہوں۔ اگر میں اس کے سامنے گئی تو شاید اسے تکلیف دے دوں پر میں نہیں دینا چاہتی، کیونکہ وہ بہت معصوم ہے۔ سہہ نہیں پائے گی۔" یہ جملہ بولتے ہوئے پہلی بار اس کی آواز کی سختی میں کہیں کسی ٹوٹے رشتے کی جھلک تھی، ایک ایسی بہن جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، پر باہر سے برف بنی بیٹھی تھی۔

چیف نے تھوڑا سا رخ موڑا۔ اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری کوئی مذاق یا ہنسی نہیں، بلکہ ایک تجربہ کار آفیسر کی وہ نرمی جو تب آتی ہے جب وہ کسی کو جان لیتا ہے، اندر تک۔

"ہمم اب میں تمہارے سامنے دو آپشن رکھتا ہوں۔" چیف کی آواز اب پروفیشنل تھی، فیصلہ کن۔

"پہلا۔ تم ہماری ایجنسی کے لیے کام کرو۔ باقاعدہ تربیت، مشن، اور نگرانی کے ساتھ۔

دوسرا۔ سزا کاٹو، جو قانون کے مطابق تمہارے جرائم کی سزا بنتی ہے۔" چیف نے قلم رکھ کر انگلیاں آپس میں جوڑ لیں، اور کچھ پل خاموش بیٹھے، جیسے انہیں خود بھی حیرت ہو کہ وہ اسے یہ آفر دے رہے ہیں۔ حرم نے کچھ لمحے سر جھکائے سوچا۔ پھر دھیرے سے نظریں اٹھائیں۔ اس کی پلکوں پر رکے آنسو، اب جذب ہو چکے تھے۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے..." اس کی آواز بہت دھیمی تھی، لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے گردن موڑ کر ایک نظر شاہ میر پر ڈالی جو دور کھڑا، دیوار کی طرف دیکھ رہا تھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ سن رہا ہے۔

چیف نے لمحہ بھر کے لیے اسے دیکھا، پھر اپنی مخصوص تحکم بھری آواز میں کہا، "میجر خان!"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شاہ میر کی گردن فوراً سیدھی ہوئی، اور بنا کوئی سوال کیے، الٹے قدموں سے باہر نکل گیا۔ جیسے وہ جانتا ہو کہ کچھ انہونی ہونے والی ہے۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا، حرم نے لمبی سانس لی۔ چیف کے چہرے پر اب سنجیدگی تھی، اور وہ انتظار میں تھے کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔

☆..☆..☆..☆

اس کی آنکھوں میں بے چینی اپنے عروج پر تھی۔ اسے کمرے سے باہر آئے آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا۔ وہ دیوار گیر ایل ای ڈی پر چلتی لائیو ریکارڈنگ کو دیکھ رہا تھا، مگر آوازیں سننے سے قاصر تھا کیونکہ اُسے اجازت نہیں تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ چیف اور وہ کتنی دیر سے سنجیدگی سے بات کر رہے ہیں۔ حرم کے پر سکون تاثرات اسے کچھ "غلط" ہونے کا اشارہ دے رہے تھے۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس سے غلطی ہو گئی ہے، شاید اُسے پہلے حرم کو اپنے اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔

ایک بات پر تو وہ یقین سے کہہ سکتا تھا۔ یہ عورت اُس سے عشق کرتی تھی۔ وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا جو کچھ اس نے کرسٹل کوئین کے روپ میں اس کے لیے کیا تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد، چیف نے کیمرے کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ اسی لمحے تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔

"میجر خان!" چیف نے ہلکی سی کرسی گھماتے ہوئے اس کی جانب رخ کیا، جواب حرم کی دائیں جانب کھڑا تھا۔

"جی سر۔"

"آپ کی گاڑی کی بیک سیٹ پر ایک پرپل بیگ ہو گا، وہ لے آئیے۔"

شاہ میر نے اچنبھے سے اُنہیں دیکھا، پھر بنا سوال کیے سر ہلا کر پلٹ گیا۔ اُسے بلاوجہ کے سوال پوچھنے کی نہ عادت تھی، نہ اجازت، چاہے وہ کتنا ہی قابل افسر کیوں نہ ہو، رولز سب کے لیے برابر تھے۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد، وہ ان کے سامنے موجود تھا۔ اس نے ہاتھ میں موجود پرپل رنگ کا بیگ، جو حرم حویلی سے ساتھ لائی تھی، میز پر رکھا۔

چیف نے اشارہ کیا تو شاہ میر نے وہ بیگ حرم کی طرف سرکا دیا۔

حرم نے وہ بیگ تھام کر کھولا اور اس میں سے ایک گرین کور والی فائل نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔

چیف نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ جھپٹ کر وہ فائل پکڑی اور فوراً اس کے صفحات الٹ پلٹ کرنے لگے۔ ان کے چہرے سے ٹپکتی خوشی نے شاہ میر کو بھی متجسس کر دیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر اس فائل میں ایسا کیا ہے جو چیف کو یوں خوش کر رہا ہے؟

چیف فائل پڑھنے میں مصروف تھے جب شاہ میر نے ایک چور نگاہ حرم پر ڈالی جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا، ایسا، جس نے شاہ میر کو اندر سے پریشان کر دیا۔

"That's great!" چیف نے فائل بند کرتے ہوئے میز پر رکھی۔ دونوں ہاتھ میز پر جماتے ہوئے وہ پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تم نے ہماری سوچ سے بڑھ کر کو آپریٹ کیا ہے۔ مجھے لگا نہیں تھا کہ تم اتنی آسانی سے سب کچھ بتادو گی۔" وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے یہ جانچنے کے لیے کہ کہیں وہ جھوٹ تو نہیں بول رہی، مگر وہاں صرف سچ تھا، اور یہی سچ اُنہیں مطمئن کر گیا۔

چیف نے، کیمرے کی جانب دیکھ کر، چند مخصوص کوڈ اشارے کیے۔

اسی لمحے، یخ بستہ کمرے کا دروازہ کھلا، اور وہی خاموش، پروفیشنل خاتون اندر داخل ہوئی۔ وہ حرم کے قریب آئی اور بنا ایک لفظ کہے، اسے نرمی سے اپنے ساتھ لے گئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی شاہ میر نے چیف کو مخاطب کیا، "چیف؟ کیا ہوا ہے؟" شاہ میر کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے، سیدھا کھڑا چیف کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

چیف نے گہری سانس بھری اور کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

شاہ میر فوراً تعمیل کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھا۔

"سی کیو کے سامنے میں نے دو آپشن رکھے تھے، یاد ہے؟" چیف نے توقف سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی سر۔"

"She chose option number two."انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

شاہ میر جیسے ساکت ہو گیا۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا طوفان امڈ آیا،اور ہاتھوں کی گرفت کرسی کے ہینڈلز پر مزید سخت ہو گئی۔

"اس نے وہ سب کچھ ہمیں دے دیا جس کے لیے ہم پچھلے ڈھائی سال سے سرگرداں تھے۔ اس فائل کے بدلے،اس نے صرف ایک چیز مانگی ہے اپنی ٹیم کی بے گناہی۔وہ چاہتی ہے کہ اس کیس میں ان کا نام نہ آئے،اور وعدہ کیا ہے کہ اب ان کا کوئی بھی فرد دوبارہ مافیا کی طرف نہیں جائے گا۔وہ اپنی ٹیم کو بچانا چاہتی ہے۔" چیف خاموش ہوئے اور شاہ میر کی اڑی ہوئی رنگت کو غور سے دیکھا۔اس کی آنکھیں سرخ،چہرہ تناؤ کا شکار تھا۔

"She wants punishment."پھر وہ جھکے،اور تھوڑا آگے آتے ہوئے دھیرے سے بولے،"وہ کہتی ہے،وہ معافی نہیں چاہتی،نہ کوئی ڈیل،نہ کسی راستے کی تلاش۔

بس سزا تاکہ اس کے گناہ دھل جائیں،اور وہ دوبارہ ایک صاف زندگی جی سکے،بنا گھٹن،بنا خوف،بنا چھپے۔"

شاہ میر کی سانس ابھری اور دبی۔وہ بولنے کے لیے تیار ہوا،پھر رکا،اور آخر کار کہا،"سر،آپ نے کہا تھا اگر میں اسے صحیح سلامت یہاں لے

آؤں،تو آپ اس کی فائل ہمیشہ کے لیے بند کروادیں گے۔تو اب یہ سب کیوں؟"

چیف نے تھوڑا سا جھک کر،دونوں ہاتھوں سے پیشانی کو مسلا،جیسے ذہنی بوجھ اتارنے کی ناکام کوشش کر رہے ہوں۔

"شاہ میر،تمہیں سمجھنا ہو گا۔اس لڑکی کے ساتھ جو ہوا،وہ ظلم سے کم نہیں۔وہ ایک قاتلہ نہیں بنی،اسے بنایا گیا،اور وہ خود سزا چاہتی ہے۔یہ اس کا کفارہ ہے اپنے ضمیر کے لیے، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کے لیے۔"شاہ میر نے نظریں نیچی کیے رکھی تھیں، لیکن دل میں طوفان چل رہا تھا۔چیف کی اگلی بات نے اس کا دل چیر کر رکھ دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تم جانتے ہو،وہ کیا تھی؟وہ حافظِ قرآن تھی شاہ میر۔مگر اب،اب وہ ایک آیت تک نہیں یاد رکھ پاتی۔دماغ نے سب کچھ بلاک کر دیا ہے۔کیا تم سوچ سکتے ہو،اسے اندر سے کس قدر توڑ دیا گیا ہو گا؟"

یہ جملہ،وہ آخری وار تھا۔شاہ میر کی سانس گھٹی،حلق خشک ہوا،اور دل جیسے زمین میں دھنس گیا۔

"میرا مشورہ ہے،تم اس سے ایک بار ملو۔دو گھنٹے میں کمیٹی بیٹھے گی۔سزا سنائی جائے گی۔میں کوشش کروں گا کہ سزا کم سے کم ہو،لیکن اس کا فیصلہ صرف ایجنسی کرے گی۔"

"Now you may go."چیف نے اب اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

شاہ میر کرسی سے اٹھا،لرزتے ہاتھوں سے چیف کو سلیوٹ دیا،اور بغیر کچھ کہے،دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔اس کی آنکھیں نم تھیں ضبط سے،درد سے،اور شاید عشق کے شروع ہونے والے کٹھن مراحل سے۔

ایجنسی کی وہ مخصوص راہداری، جو باقی عمارت سے الگ اور خاموش تھی، شاہ میر کے قدموں کی آواز سے گونج رہی تھی۔

یہ راہداری صرف چند مخصوص کمروں اور سیلز تک جاتی تھی، جہاں یا تو خاص قیدی رکھے جاتے، یا ٹوٹے ہوئے راز دفن ہوتے تھے۔

اس کا چہرہ سپاٹ تھا، پر دل میں ایک بے چین سی دھڑکن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی وردی کا ہر بٹن بند تھا، جوتے چمک رہے تھے، مگر آج اس کی باڈی لینگویج میں وہ سختی نہیں تھی جو ایک "میجر" کی ہوتی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سیل کے باہر دو گارڈ کھڑے تھے، اس نے ایک نگاہ ان کی جانب ڈالی۔ ان دونوں نے بنا کوئی سوال کیے دروازہ کھول دیا۔

دروازے کے کھلنے کی دھیمی چرچراہٹ جیسے اندر بیٹھی روح تک جا پہنچی ہو۔

شاہ میر آہستہ قدموں سے اندر داخل ہوا۔ کمرے کی روشنی دھیمی تھی، سفید دیواریں اور ایک کونے میں رکھی لکڑی کی کرسی۔ سامنے لوہے کی جالی کے پیچھے ایک سنگل بیڈ اور ایک

چھوٹا سا ٹیبل اور ان سب کے بیچ حرم فاطمہ، جسے دنیا "کرسٹل کوئین" کے نام سے جانتی تھی، فرش پر بیٹھی دیوار سے ٹیک لگائے خاموش تھی۔

اس نے آنے والے قدموں کی آہٹ سنی، مگر اپنی آنکھیں نہ اٹھائیں۔ شاہ میر کچھ لمحے یونہی کھڑا رہا، جیسے الفاظ اسے چھوڑ کر بھاگ چکے

ہوں، پھر آہستگی سے پکارا، "فاطمہ!"

یہ نام سنتے ہی حرم کی پلکیں لرزیں، جیسے وہ اس آواز کو دل میں کہیں محفوظ رکھ چکی تھی۔ اس نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ شاہ میر کے چہرے پر کوئی سختی نہ تھی، بس آنکھیں سرخ تھیں، اور سانس بھاری۔

"میر، کیوں آئے ہیں آپ؟" حرم کی آواز تھکی ہوئی تھی، لیکن اس کے لہجے میں وہی وقار تھا جو میدانِ جنگ میں ہوتا تھا۔

"تم سے آخری بار ملنے آیا ہوں۔" وہ قریب آیا اور اس کے پاس زمین پر بیٹھ گیا، دونوں ہاتھ گود میں رکھے۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا؟" وہ جیسے اپنے آپ سے پوچھ رہا ہو۔ حرم نے نظریں ہٹا لیں۔

"کیونکہ مجھے سزا چاہیے۔ کیونکہ میں واقعی مجرم ہوں۔"

"تم مجرم نہیں ہو" شاہ میر کے الفاظ میں خراش تھی۔ "تمہیں کسی نے گناہ کرنے پر مجبور کیا اور تم آج بھی خود کو اس جرم سے آزاد کرنا چاہتی ہو، تو یہ مجرمانہ سوچ نہیں، یہ حوصلہ ہے۔"

حرم کی آنکھوں میں نمی اُتری۔ "اور اسی لیے میں سزا کا انتخاب کر رہی ہوں تاکہ میں یہ بوجھ ہمیشہ کے لیے اپنے کندھوں سے اتار سکوں۔"

"اگر تم چلی گئیں تو میں کیسے جیوں گا؟" شاہ میر کی آواز لرز گئی۔

حرم نے سر اٹھایا۔ ان دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔ ایک سوال کرتی، ایک جواب چھپاتی۔

"جیسے میں جی رہی تھی ٹوٹ کر، بکھر کر، مگر سانس لیتے ہوئے۔" وہ مسکرائی، ایک تھکی تھکی، ادھوری مسکراہٹ۔

Clubb of Quality Content

"شاہ میر، ہم سب کو اپنی قبریں خود کھودنی ہوتی ہیں۔ یہ سزا میری قبر نہیں، شاید میری نجات ہے۔" ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ شاہ میر کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔ وہ بمشکل خود کو تھامے ہوئے تھا۔

"کاش تم مجھے پہلے سب بتاتیں" وہ ہولے سے بولا۔

"تو کیا بدل جاتا؟" حرم کا سوال سیدھا دل میں لگا۔

"سب کچھ" اس کی آواز جیسے کہیں بہت دور سے آئی ہو۔

"میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گا، فاطمہ؟"

وہ جیسے ضبط کے تمام بندھن توڑتے ہوئے اسے زور سے اپنے قریب کھینچ لایا اور اپنے بازو اس کے گرد لپیٹ دیے۔ وہ اس کی گردن میں چہرہ چھپائے بے تحاشا رو رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے اور پھر وہ اس سے تب تک نہیں مل سکے گا جب تک اس کی سزا مکمل نہ ہو جائے۔ وہ، جو خود کو رونے سے روک رہی تھی، اچانک ٹوٹ کر بکھر گئی۔ دونوں ایک دوسرے سے جڑے، اپنی زندگی کے سنہرے لمحوں کو یاد کرتے

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہوئے، بے خود روتے رہے۔ دیواریں خاموشی سے ان کے آنسوؤں کی گواہی دے رہی تھیں۔

وہ دونوں کتنی دیر اپنے جدا ہونے کے غم میں غرق رہے کہ اچانک دروازے کے پیچھے سے ایک سپاہی کی آواز سنائی دی۔

"کمیٹی کے اجلاس میں صرف دس منٹ باقی ہیں، سر۔"

شاہ میر نے اس سے دور ہوتے، گیلی سانسیں لیتے ہوئے ایک آخری بار اسے دیکھا۔

"الوداع، میر۔" اس نے بھرے ہوئے لہجے میں کہا اور شاہ میر کی پیشانی کو نرمی سے چُھویا۔

شاہ میر نے آنکھیں بند کیں، تو کئی آنسو اس کے گالوں سے بہہ کر ٹھوڑی میں جذب ہو گئے۔

"الوداع نہیں۔" شاہ میر نے آنکھیں کھولتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تم واپس آؤ گی، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اپنی آخری سانس تک تمہارا انتظار کروں گا۔ تم واپس آؤ گی، میری فاطمہ بن کر، اور ہم ایک خوشگوار زندگی گزاریں گے۔" وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامے، اس

کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے ہوئے، حکم دے رہا تھا۔ وہ اسے سختی سے باور کروا رہا تھا کہ وہ لوٹے گی، وہ اس کا انتظار کرے گا۔

ایک بار پھر گارڈ کی آواز سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے ہر لمحہ دل میں اس کی تصویر کو محفوظ کرنا چاہتی ہو۔

وہ کچھ لمحے وہاں کھڑا رہا، پھر قدموں کی چاپ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ پیچھے، اس سیل میں، ایک لڑکی تنہا کھڑی تھی جو پل پل اسے اپنے سے دور ہوتا دیکھ رہی تھی اور شاہ میر کو اپنی پشت پر اس کی نظریں محسوس ہوتی رہی تھیں۔ اگر وہ ایک بار مڑ کر دیکھ لیتا، تو شاید ہمیشہ کے لیے پتھر کا مجسمہ بن جاتا۔ پر حرم اسے لب بھینچے اسے جاتا دیکھ رہی تھی، پر وہ بھول رہی تھی کہ جانے والوں کو یوں نہیں دیکھا کرتے، ورنہ دل سکڑ جایا کرتے ہیں۔

☆..☆..☆..☆

دس سال بعد۔

برگنڈی رنگ کی کلیوں والا فراک پہنے، وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی تیار ہو رہی تھی۔ ہاتھوں میں سلور چوڑیاں بھری تھیں جو ہلکی ہلکی چھنکار کے ساتھ اس کی حرکات میں شامل ہو رہی تھیں۔ بار بار بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی، وہ چوڑیوں سے میچنگ جھمکیاں پہن رہی تھی۔ پھر ایک نیوڈ شیڈ کی لپ اسٹک اٹھا کر لبوں پر لگائی۔ مسکارا اور آئی لائنر وہ پہلے ہی لگا چکی تھی، اور اب اس کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔

اس نے جھک کر اپنا کھسہ پہنا، صوفے پر رکھی شال اٹھا کر اوڑھی، اور ایک نظر آئینے میں خود پر ڈالی۔ بھری بھری جسامت، پھولے ہوئے گال، اور ہلکی سی سرخی لیے نکھرتی رنگت کے ساتھ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ممتا کی ایک الوہی چمک تھی جو اس کے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ اپنی حالت کا جائزہ لیتی، بیڈ پر لیٹے جھنجھنے سے کھیلتے ننھے وجود کی سمت بڑھی جو چھوٹے چھوٹے مومی ہاتھوں سے اس جھنجھنے کو چھیڑنے میں مگن تھا۔

اس نے جھک کر ایک طائرانہ نگاہ اپنی بیٹی پر ڈالی۔ برگنڈی رنگ کے میچنگ چھوٹے سے فراک میں اس کی سنہری رنگت اور بھی نکھر رہی تھی۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھوں کے اوپر چھوٹی

سی پیشانی پر ایک بالوں کی لٹ آ گری تھی، جس نے ڈھائی سالہ بچی کو اور بھی پیارا بنا دیا تھا۔ اس کے گول مٹول ہاتھوں میں پہنائی گئی سلور چوڑیاں اس پر بے حد جچ رہی تھیں۔ زارا نے جھک کر جھنجھنا لے کر سائیڈ پر رکھا، اور زور سے اس کا گال چوما تو وہ ہونٹ موڑ کر کھلکھلا دی۔ اس کے گالوں پر ابھرتے گڑھے پر زارا کو ایک بار پھر پیار آیا، اور اس نے جھک کر چٹاچٹ دونوں گال چوم ڈالے۔ اس بار بچی کی برداشت جواب دے گئی اور وہ زور سے گلا پھاڑ کر رونے لگی۔ زارا ہمیشہ کی طرح بوکھلا گئی۔ اس نے مشکل سے اسے اٹھایا، کیونکہ ڈھائی سال کی عمر میں بھی وہ اپنی گول مٹول جسامت کی وجہ سے تین سال کی لگتی تھی، اور اس حالت میں اسے اٹھانا زارا کے لیے تھوڑا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ بچی کو گود میں لیے کمرے سے باہر نکلی تو نیچے خاصی چہل پہل تھی۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ زنان خانے کی سمت بڑھی، جہاں سے ہلکی پھلکی ہنسی مذاق کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندر داخل ہوئی تو حویلی کی تمام خواتین وہیں موجود تھیں۔ زارا سیدھی ایک باوقار سفید سوٹ میں ملبوس، بڑی سی کریم رنگ کی شال اوڑھے زوبیہ خانم کے پاس آئی۔

"مورے، یہ لیجیے آپ کی لاڈلی۔ ماں سے اسے جانے کون سا بیر ہے، جو پکڑوں تو رونا شروع کر دیتی ہے!" زارا نے خفگی سے کہا اور روتی ہوئی بچی کو ان کی گود میں تھما دیا۔ زوبیہ خانم نے مسکراتے ہوئے بچی کو پکڑ لیا۔

"اللہ! دیکھا آپ نے؟ کتنی تیز ہے یہ، آپ کے پاس آتے ہی چپ ہو گئی!" زارا کی بات پر اسماہ خانم اور زوبیہ خانم ہنس دیں۔

"بچہ، تم پریشان مت ہو۔ بیٹھو یہاں، اتنا ٹینشن نہ لیا کرو۔" زوبیہ خانم نے نرمی سے کہتے ہوئے اسے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا، مگر زارا فوراً نفی میں سر ہلا گئی۔

"نہیں مورے، ذرا ان دونوں کو دیکھ لوں۔ باخدا، تنگ کیا ہوا ہے انہوں نے مجھے!" وہ کچھ چڑچڑی سی ہو رہی تھی۔ پری گل نے اسے پانی کا گلاس پکڑایا، تو وہ پاس ہی بیٹھ کر دو گھونٹ پانی پی کر زنان خانے سے نکل گئی۔ زنان خانے سے نکلتے ہی اس کی نظر گلابی پٹھانی فراک پہنے پریشے پر پڑی، جو جھک کر چار سالہ محب کو ڈانٹ رہی تھی، جس نے کھیلنے کے چکر میں اپنے کپڑوں کا حشر کر دیا تھا۔

"یہ کیا کیا ہے تم نے؟سارے کپڑے خراب کر لیے؟ کیا کہا تھا میں نے؟ کپڑے خراب نہیں کرنے!" پریشے کے ڈانٹنے کا انداز ایسا تھا کہ جیسے ڈانٹ نہیں، پیار کر رہی ہو۔ زارا کو ہنسی آ گئی۔ واقعی وہ بہت معصوم تھی۔

"ماما، میں نے نہیں خراب کیے۔ مجھے ارسلان لالا نے چاکلیٹ دی تھی، اس کی وجہ سے کپڑے گندے ہو گئے!" زارون خان کے اکلوتے بیٹے نے، اپنے باپ کی طرح بات کو گھما کر سارا قصور ارسلان بالاج خان پر ڈال دیا۔

"پریشے، تم نے بارق اور زاران کو کہیں دیکھا ہے؟" پریشے مزید کچھ کہنے ہی والی تھی کہ زارا نے اسے مخاطب کیا۔ پریشے نے زارا کی طرف

دیکھا اور پھر سوچتے ہوئے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔

"بھابھی، شاید میں نے کچھ دیر پہلے انہیں اوپر دیکھا تھا۔" زارا نے سر ہلاتے ہوئے اوپر کی سمت قدم بڑھا دیے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"محب، چلو، میں آپ کے کپڑے بدل دوں۔" پریشے نے بیٹے کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے اپنے کمرے کی طرف لے گئی، جو سیاہ آنکھوں کی پتلیوں کو گول گول گھماتا اس کے ساتھ ہو لیا۔

زارا اوپر آئی تو وہاں کوئی نہ تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھول کر اندر گئی، مگر وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اب اس کا دماغ کھولنے لگا۔ ایک تو اس کی اپنی حالت ایسی تھی، اور اوپر سے ان دونوں بیٹوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آئی تو باران نے چونک کر اسے دیکھا، جو شاید کچھ ضروری سامان لینے آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" باران نے زارا کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ کر پوچھنے کی غلطی کی، اور زارا فوراً پھٹ پڑی۔

"میں تنگ آ گئی ہوں آپ کے بیٹوں سے! نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں، تیار بھی ہوئے ہیں یا نہیں؟ میری کوئی ویلیو ہی نہیں ان کی نظر میں!" وہ جھنجھنا بیڈ پر پٹختے ہوئے منہ پھلائے صوفے پر بیٹھ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باران نے تحمل سے سنا اور اسٹڈی میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ چاکلیٹ کیک کا ایک ٹکڑا لے کر واپس آیا اور زارا کی طرف بڑھا دیا۔ زارا نے غصے سے اسے دیکھا، پھر جھپٹ کر کیک لے لیا اور چھوٹے چھوٹے بائٹس لینے لگی۔

"اب ٹھیک ہو؟" جب وہ کیک ختم کر چکی تو باران نے پانی کا گلاس آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ اسے اس لڑکی کے موڈ سوئنگز کو ہینڈل کرنا بخوبی آتا تھا۔

"ہمم۔" اب وہ کچھ سکون میں تھی۔

باران نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور اس کے کھسوں کی طرف افسوس بھری نظر ڈالی۔

"میں نے تمہارے یہ کھسے اٹھا کر پھینک دینے ہیں۔ جب پتا ہے ان میں تم سے چلا نہیں جاتا تو کیوں پہنتی ہو؟" وہ شوز ریک سے سادہ سلیپر نکال کر واپس آیا۔ اکڑوں بیٹھ کر اس کے پیر سے کھسے اتارے، جن پر سوجن سی آگئی تھی۔

باران نے طنزیہ نظر اس کے پیروں پر ڈال کر اسے دیکھا، تو زارا روہانسی ہو گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سائیں، یہ میچنگ ہے!" زارا نے احتجاجاً کہا، مگر باران نے کھسے ایک طرف رکھ دیے اور سلیپر اس کے پیروں میں پہنا دیے۔

"آگ لگے تمہاری میچنگ کو۔ بعد میں درد ہونا ہی ہونا ہے!" زارا نے منہ بسورتے کھسوں کو کونے میں پڑا دیکھا۔

"اب کیا ہے؟" باران نے اسے خاموش بیٹھے دیکھا تو پوچھا۔

"یہ کوئی بات ہے؟ کیا اب میں اپنے شوق بھی پورے نہیں کر سکتی؟" اس نے آنکھوں میں آنسو لیے شکایت کی۔

"ہمم اچھا، سوری۔ نفیسہ ہماری اکلوتی بیٹی ہو گی۔ اوکے؟" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے گہرا سانس بھر کر بولا، تو زارا شرم سے سرخ ہو گئی۔

"اچھا یہ بتائیں، بارق اور زاران کہاں ہیں؟" زارا نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا، جب اسے باران کی شرارتی نظریں خود پر محسوس ہوئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"وہ دونوں مردانے میں باباجان کے پاس ہیں۔ تیار ہو کر گئے ہیں، بے فکر رہو۔ اتنی فکر مت کیا کرو، اب وہ بچے نہیں رہے۔ خیر، یہ بتاؤ نفیس کہاں ہے؟"

"مورے کے پاس ہے۔ بہت تیز ہو گئی ہے، میری تو کوئی ویلیو ہی نہیں!" وہ اپنا ہر بار کا بولا ہوا جملہ دہراتے ہوئے بولی۔

"اچھا چلو، میں جا رہا ہوں نیچے۔ اگر بہتر لگے تو آجانا، ورنہ آرام کرنا۔" باران نے اس کے گال کو نرمی سے چھوا، پھر پیشانی چومی اور چلا گیا۔

زارا نے اس کے جاتے ہی اپنے پیٹ میں جھولتی تتلیوں کو محسوس کیا۔ وہ سرشاری میں ڈوب گئی۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی کے بعد اب چند مہینوں میں ایک نئے مہمان کی آمد متوقع تھی، جس کی وجہ سے وہ اور زیادہ حساس ہو گئی تھی اور اپنے بیٹوں کے سامنے تو کبھی کبھار جھجک بھی جاتی تھی۔ ان کے بیٹے دو ماہ پہلے ہی آٹھ سال کے ہوئے تھے، لیکن حویلی کے ماحول، خاص طور پر شاہ میر خان کے ساتھ وقت گزارنے کی وجہ سے کافی

سمجھدار اور سنجیدہ ہو چکے تھے۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ باران اور زارا سے زیادہ شاہ میر نے ان کی تربیت کی تھی۔

نفیسہ باران خان کو اس حویلی میں خاص پروٹوکول حاصل تھا۔ وہ زرمینے کے بعد پیدا ہونے والی اس نسل کی پہلی بیٹی تھی، اس لیے خاندان بھر کا پیار، وقت اور توجہ اس کے گرد گھومتی تھی۔

وقت نے خان حویلی کی بنیادوں کو کسی حد تک سنبھال لیا تھا۔ ربان خان کے جانے کے بعد، زوبیہ خانم بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔ ان کے لہجے کا وہ دبدبہ، وہ وقار، جیسے سب کہیں کھو گیا ہو لیکن بارق اور زاران کی پیدائش نے گویا ان کی زندگی میں نئی سانسیں بھر دیں۔

اب ان کا زیادہ وقت حویلی کے بچوں میں لگنے لگا تھا اگرچہ ان کی آواز میں وہ پرانا رعب باقی نہ رہا تھا، مگر پھر بھی حویلی کے ہر اہم فیصلے میں ان کی رائے آج بھی لازم سمجھی جاتی تھی۔ ارمان کے صدمے سے نکلنے میں سب کو وقت لگا، لیکن وقت وہی ہوتا ہے جو انسان کو دوبارہ اپنی روٹین میں لے آئے، اور ایسا ہی ہوا۔

چھ سال پہلے، زوبیہ خانم اور شاہ میر کے اصرار پر، موسیٰ اور زرمینے کی شادی کر دی گئی تھی۔ شروع میں کچھ رنجشیں ضرور آئیں وہ فاصلوں کا سا احساس، وہ خاموشی جو ان کے بیچ راہ روکتی تھی۔ مگر رفتہ رفتہ وہ رنجشیں قربتوں میں ڈھل گئیں۔ وقت نے ایک پیچیدہ رشتے کو ایک خوبصورت بندھن میں بدل دیا تھا۔

شادی کے بعد وہ دونوں سفیر ہان، موسیٰ کی آبائی حویلی میں شفٹ ہو گئے تھے، اور اب ان کے دو بیٹے تھے۔ پانچ سالہ مہدی اور چار سالہ عیسیٰ۔ پری گل آج تک شہزاد خان کی بیوگی کی چادر اوڑھے، موسیٰ کی حویلی ہی میں مقیم تھیں۔ بالاج نے اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ مان جائیں سب نے اسے منانے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانی۔ وہ ہمیشہ کہتی تھی، "میں اپنے شہزی کی یادوں کے سہارے جی سکتی ہوں۔" اور وہ واقعی جی رہی تھی۔ زندگی گزر رہی تھی یا وہ خود کو گزار رہی تھی، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ بس اتنا ضرور تھا کہ وہ اپنی بات پر ڈٹ چکی تھی۔ مہدی اس کا لاڈلہ تھا، اس کی جان، جس کے ساتھ وقت کیسے گزرتا، اسے خود بھی معلوم نہیں ہوتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کون کہتا ہے کہ عورت بے وفا ہوتی ہے؟ اگر عورت ایک بار وفا کا فیصلہ کر لے، تو پھر دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے، وہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتی۔

پری گل آج ایک نامور سرجن تھیں۔ شاید اب یہی اس کی زندگی تھی۔ کام، بچوں کی ہنسی، اور شہزی کی یادیں۔

جب بالاج کا رشتہ پری گل کے لیے آیا، اور اس نے انکار کر دیا، تو جبہ خانم کی رضامندی سے حیدر خان نے سائرہ کا رشتہ بالاج کے لیے منظور کر لیا۔ سائرہ بھی ان کی اپنی بچی تھی۔ ویسے بھی، داور خان کے ایک میسج نے سب کچھ واضح کر دیا تھا۔ "میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ باقی زندگی باہر ہی گزار دوں گا۔" اور داور کی اصل حقیقت؟ وہ صرف باران اور شاہ میر جانتے تھے اور کوئی نہیں۔

بالاج اور سائرہ کی شادی کو اب نو سال ہو چکے تھے۔ وقت نے نکاح کے رشتے کو ایک مضبوط بندھن میں بدل دیا تھا۔ نکاح نے انہیں نہ صرف ایک دوسرے کو سمجھنے پر مجبور کیا بلکہ ایک دوسرے کو قبول کرنا بھی سکھا دیا۔ آج ان کے دو بچے تھے۔ سات سالہ ارسلان اور چار

سالہ نازلی۔ بالاج نے ایک بہترین شوہر اور باپ بن کر سائرہ کی زندگی میں وہ سکون بھرا تھا، جو وہ شاید خود سے بھی چھین چکی تھی۔ اگر آج سائرہ ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھتی، تو اسے افسوس ہوتا ان غلطیوں پر جو اُس نے کبھی ضد یا نا سمجھی میں کی تھیں۔

بالاج جیسا شوہر، اس کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ ایک ایسا ساتھی، جس نے اسے اپنایا، سمجھا اور پھر دنیا کی ہر خوشی اس کی جھولی میں ڈال دی۔

☆..☆..☆..☆

خوبصورت، سادہ سفید لباس میں ملبوس وہ نہ جانے کتنی دیر سے سجدے میں جھکی ہوئی تھی۔ ایک پاکیزہ سادگی اور مہک تھی جو اس کے گرد ایک نورانی ہالہ بنائے ہوئے تھی۔ اس نے دفعتاً سجدے سے سر اٹھایا، التحیات مکمل کی، سلام پھیرا اور پھر دعا کے لیے ہاتھ بلند کر دیے۔ ہلکی، دھیمی دھیمی دھوپ اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، جو اسے خوابناک سا حسن عطا کر رہی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں ایک امنگ تھی، ایک شفاف چمک۔ یہ وہی منزل تھی جس کی

اسے تلاش تھی۔ نہ جانے اس نے طویل دعا میں کیا کچھ مانگا، اور پھر ان اُٹھے ہوئے ہاتھوں کو نرمی سے اپنے چہرے پر پھیر لیا۔کچھ ہی دیر میں سورۃ کہف کی تلاوت اس کی میٹھی، سکون بخش اور مسرور آواز میں فضا میں گونجنے لگی، یہاں تک کہ وہاں موجود کونسٹیبل بھی نرمی سے مسکرا دی۔ وہ لڑکی آج ایک آزاد پنچھی کی طرح پرواز کرنے والی تھی۔یہ تلاوت ،یہ لمحہ ،شاید وہ کونسٹیبل زندگی بھر یاد رکھنے والی تھی۔

☆..☆..☆..☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سفید شلوار قمیض پر سیاہ شال اوڑھے وہ کب کا سینٹرل جیل کے بڑے سے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔بالوں کو سلیقے سے جمائے، آنکھوں

پر باریک فریم کا چشمہ لگائے،وہ مزید جاذبِ نظر لگ رہا تھا۔ قلموں کے بال ہلکے گرے سے تھے۔ وقت نے اسے چھوا ضرور تھا پر بہت احتیاط سے۔ وہ وقت کے ساتھ مزید باوقار اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔اس کی آنکھیں کسی تیز دو دھاری تلوار کی طرح تھیں جو مجرموں کو کاٹ کر

رکھ دیتی تھیں۔اس نے یہ عرصہ تقریباً ملک کی خدمت میں گزارا تھا صرف اس لیے کہ اس کی یادیں اسے چھیڑیں نہیں۔پر یاد تو اس انسان کی آتی ہے جو آپ سے دور ہو،پر وہ تو اس کے دل پر نقش تھی۔وہ جو کہتا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے،وہ آج دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس سے عشق کرتا ہے۔کیونکہ اس عشق کے ہجر میں اس نے خود کو گمنام کر دیا تھا اور اب وہ خود ہی ریٹائرمنٹ لے چکا تھا حالانکہ ابھی اس کی عمر اتنی نہیں ہوئی تھی۔کچھ دیر بعد اس بڑے سے دروازے کے چھوٹے سے گیٹ کو کھلتا دیکھ وہ چونکا ہوا۔

اس دروازے کے پار سے ایک وجود ابھرا تھا،سفید لباس میں لپٹا ہوا۔اس کے وجود پر ایک چادر تھی جو کچھ بوسیدہ لگ رہی تھی کیونکہ یہ وہی چادر تھی جو اس کے میر نے اسے اوڑھائی تھی۔وہ آج تک اس چادر کو خود سے جوڑے ہوئے تھی۔

تحفوں کی قدر کرنے والی ہو تو حرم فاطمہ جیسی۔

اس نے گیٹ سے باہر نکلتے ہی آنکھیں میچ کر ایک گہری سانس بھری،ایک طویل پر سکون کر دینے والی سانس۔اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں نمی چمک رہی تھی،خوشی اور اطمینان

کی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس کے نزدیک آئی۔ شاہ میر کو اس کا ایک ایک قدم اپنے دل کے قریب محسوس ہو رہا تھا۔ سفید لباس میں اس کا وجود انتہا پر نور لگ رہا تھا کہ وہ دیکھتا رہ گیا۔ یہ چمک اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اس کے قریب آئی اور پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا، تو وہ ہوش میں آتا اسے اپنے ساتھ لگا گیا۔ ایک سکون تھا جو ان دونوں نے خود میں محسوس کیا

تھا۔ ارد گرد کا خیال کرتے ہوئے وہ اس سے دور ہوا تو وہ مسکرا دی۔

"ہم سے ملیے، بندۂ بشر کو خاوندِ فاطمہ کہتے ہیں،" اس نے اس کے سامنے ہاتھ کیا جیسے وہ پہلی بار مل رہے ہوں اور اپنا تعارف کروا رہے ہوں۔ حرم مسکرا دی، اس کی آنکھیں آج پرسکون تھیں، ہر بوجھ سے آزاد۔

"ہم سے ملیے، بندی کو زوجۂ میر کہتے ہیں،" وہ اسی کے انداز میں کہتی اس کا ہاتھ ملا گئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ہوا کو اپنی خوبصورت ہنسی سے معتبر کر دیا۔

حرم کے مقدمے کا فیصلہ دس سال کی قید آیا تھا۔ چیف نے اپنی ہر ممکن کوشش کی تھی، اس کے بعد ہی سزا مختصر ہوئی، ورنہ اس کی سزا دس سال سے بہت زیادہ ہو سکتی تھی۔ شاہ میر جب اکیلا واپس آیا تو سب نے اس سے بہت سے سوالات کیے تھے جن کا بس ایک ہی جواب تھا کہ حرم اپنے بھائی کے پاس یونان رہنے گئی ہے۔ اشعر اور بالاج جانتے تھے کہ وہ کہاں ہے، پر وہ خاموش رہے، یہ جان کر کہ یہ حرم کا فیصلہ ہے۔

حیدر خان کا اعتراض جب بڑھنے لگا تو اسے مجبوراً انہیں سب سچ بتانا پڑا، جس کی وجہ سے انہوں نے تقریباً معاملات سنبھال لیے لیکن اب مسئلہ یہ بن چکا تھا کہ شاہ میر زیادہ وقت حویلی میں نہیں رہتا تھا، وہ مہینوں مہینوں مشنز پر رہتا تاکہ کسی کو شک نہ ہو سکے۔

بہرام خان کی اچانک فالج سے ہونے والی موت نے سب کے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ ان کے جسم میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہو گئے تھے جن میں سے نکلتا پیپ ایک خطرناک بدبو پیدا کرتا تھا۔ ان کے انتقال پر انہیں مجبوراً بنا غسل کے ہی دفنانا پڑا کیونکہ ان کی حالت بہت بری تھی۔ ٹیسٹ رپورٹس سے بھی کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی، اور کچھ شاہ

میر کی پاور تھی،بات دب چکی تھی۔زینب کی حالت وقت کے ساتھ سدھر چکی تھی۔بہرام کی موت نے اسے بالکل افسوس میں مبتلا نہیں کیا تھا،البتہ ارمان کی موت نے اسے کافی غمگین کر دیا تھا۔اس کے اور انارہ کے درمیان کافی حد تک معاملات درست ہو چکے تھے۔

انارہ بھی کافی سمجھدار اور سنجیدہ ہو چکی تھی جس کی وجہ کوئی نہیں جانتا تھا۔زینب اور اشعر ایک دوسرے سے بہن بھائی کے روپ میں مل چکے تھے،پر وہ آج بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی بہن زندہ ہے اور شاید یہ راز ہمیشہ راز ہی رہتا۔

آج حویلی میں چہل پہل بھی اسی لیے تھی کیونکہ شاہ میر سب سے کہہ چکا تھا کہ حرم آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے واپس آ رہی ہے،اس لیے ایک چھوٹی سی تقریب ان کے لیے رکھی گئی تھی جس میں تقریباً اپنے لوگ ہی تھے۔

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"حرم نے سیلون کے سامنے گاڑی رکتے دیکھ کر شاہ میر کے کندھے سے سر اٹھایا۔

"تاکہ تم تیار ہو سکو۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ کیوں؟"شاہ میر نے اسٹیر نگ چھوڑتے ہوئے اس کے گرد بازو لپیٹا۔

"کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم مکمل میری دلہن بن کر حویلی میں قدم رکھو۔"وہ جیسے اس سے فرمائش کر رہا تھا،وہ بنا کسی مزید سوال کے سر ہلاتی پیچھے ہٹی۔

"اوکے،میں جاؤں؟"وہ اسے وارفتگی سے اپنی جانب دیکھتا پا کر بولی۔

"ہاں،دل تو نہیں کر رہا پر اچھا تم اندر جاؤ،میں نے پہلے ہی تمہاری ضرورت کی ہر چیز اندر پہنچا دی ہے۔"وہ سر ہلاتی اپنی چادر درست کرتے ہوئے دروازہ کھولنے لگی کہ اس کی آواز پر تھمی۔"جلدی آنا،میں یہیں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔اب مزید انتظار کی سکت مجھ میں نہیں ہے۔"یہ لہجہ بے حد حسین تھا،وہ سر ہلاتی اتر کر سیلون میں چلی گئی۔

☆..☆..☆..☆

اسے گاڑی میں اس کا انتظار کرتے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔

"اس سے اچھا تو میں اسے ایسے ہی لے جاتا،ان لوگوں کے سیلون پر کیس کرنا پڑے گا، سست نہ ہوں تو۔"وہ اب کچھ جھنجھلانے لگا تھا۔جب یکدم اس کی نظر سیلون سے نکل کر اس کی طرف آتی اپنی زما آوار پر پڑی۔"واللہ،دلربا!"وہ اس کے قریب آنے پر بے ساختہ بولتا گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔حرم نے اس کے بے باک جملے پر اپنے دل کو ہتھیلی پر دھڑکتا ہوا پایا تھا۔اس کے مہندی سجے ہاتھوں پر نمی اتر آئی۔

خوبصورت سی پرپل میکسی میں ملبوس،سر اور شانوں پر ترتیب سے دوپٹہ جمائے، کاندھوں پر اپنی شال ڈالے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہلکے میک اپ اور جیولری نے اسے مزید خوبصورت کر دیا تھا۔

ہاتھوں پیروں پر لگی سمپل سی مہندی اور کچھ سروسز کے بعد وہ نکھر سی گئی تھی۔

"حسین،زما آوار۔"اس نے اس کے ہاتھوں پر بنے چھوٹے چھوٹے نقش و نگار کو دیکھتے ہوئے تعریف کی تو وہ مزید سرخ پڑی۔

"چلیں؟"اس کے نیوڈ لپ اسٹک سے سجے لبوں نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی۔

"ہاں، چلو۔" وہ پبلک پلیس کا خیال کرتے ہوئے اپنے دل کو قابو کر گیا تھا۔ اس کی میکسی کو سنبھالتے ہوئے شاہ میر نے اس کی سائیڈ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے میں مدد دی اور پھر گاڑی تیزی سے خان حویلی کی سمت بڑھا دی۔ اب اس سواری نے خان حویلی کے دروازے پر ہی رکنا تھا۔ وہ ایک نئی زندگی کی شروعات کو بڑھ گئے جو ان کی منتظر تھی۔

☆..☆..☆..☆

"چلو اب تم دونوں سو جاؤ، میں جا رہی ہوں۔" تقریب تمام ہو چکی تھی۔ شاہ میر اور حرم سب کے ساتھ ایک اچھا خاصا وقت گزارنے کے بعد اپنے کمرے کا رُخ کر چکے تھے، باقی سب بھی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے۔ زارا نے بارق اور زاران کے ہاتھ سے دودھ کے خالی گلاس لیتے ہوئے انہیں تنبیہ کی، جو اپنی نئی تائی جان سے مل کر بہت خوش تھے۔

"ماما، کیا ہم تھوڑا اور وقت تایا جان کے ساتھ نہیں گزار سکتے؟" نائٹ سوٹ میں ملبوس بارق نے زارا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

"نہیں لالا جان، وہ تھکے ہوئے ہیں نا، ان کو سونے دو۔" زارا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی زاران نے جواب دے دیا، جو خود بھی اسی جیسے نائٹ سوٹ میں ملبوس تھا۔ زیادہ وقت زوبیہ خانم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے زاران کا لہجہ خالص پختون تھا، اور یہی بات اسے باقی بچوں سے مختلف بناتی تھی۔

"تم چپ کرو، میں نے ماما سے پوچھا ہے۔" دو منٹ بڑے بھائی نے اپنی بھوری آنکھوں کو گھماتے ہوئے اسے ڈانٹا، تو سنہری آنکھوں والا زاران منہ بسور کر رہ گیا۔ لہجے کے سوا اس کی ہر عادت زارا کی طرح تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بیٹا، بھائی کو ایسے نہیں کہتے۔" زارا نے نرمی سے سمجھایا اور پھر دونوں کو سونے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، جو ان کے برابر والا ہی تھا۔

کمرے میں آئی تو باران اب تک نہیں آیا تھا۔ اسے کچھ آفس کا ضروری کام تھا، اس لیے تھوڑی دیر کے لیے گیا تھا، پر ابھی تک لوٹا نہیں تھا۔ زارا نے اپنے کپڑے تبدیل نہیں کیے کیونکہ باران کو اچھا لگتا تھا کہ وہ اس کے لیے تیار رہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پیروں

پر لوشن لگا کر تھوڑی سی مالش کی اور پھر بیڈ پر کھیل میں مگن نفیسہ کو دیکھا۔ اچانک شرارتی رگ پھڑکی، وہ لوشن کی بوتل سائیڈ پر رکھتے ہوئے اس کے پاس گئی۔

"نفیسہ، ماما کی جان، ماما کی بیٹی۔" اس نے نرمی سے اس کے گال پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دیکھا۔ نفیسہ نے کھیلنا چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا اور زور زور سے کھلکھلانے لگی۔

"میری پیاری بیٹی، بولو بابا موٹے۔" اس نے شرارت سے کہا۔ نفیسہ باقی بچوں سے کچھ تیز تھی، اس لیے ڈیڑھ سال کی عمر میں ہی بولنا شروع کر دیا تھا، اور اب بھی ہلکا ہلکا تو تلا کر بول لیتی تھی۔

"بابا پالے،" (بابا پیارے) وہ زارا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی تو تلی زبان میں بولی۔

"نہیں، بولو بابا موٹے، ماما پیاری۔" اس نے ایک ایک لفظ کو علیحدہ کرتے ہوئے پھر سمجھایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"بابا پالے، ماما موتی،"(بابا پیارے، ماما موٹی)وہ کھلکھلاتی چلی گئی۔ زارا کا دماغ پل میں گھوم گیا۔

"بد تمیز! بالکل باپ پر گئی ہے۔"ساری مامتا ایک لمحے میں ہوا ہو گئی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

"یہ کیا سکھا رہی تھی تم میری نفیس کو؟"وہ جو کب سے دروازے میں کھڑا ان کی حرکتوں کا مشاہدہ کر رہا تھا، اب اندر آتے ہوئے بولا۔ اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر زارا ایک پل کو گڑبڑا گئی۔

"میں نے کیا سکھانا ہے؟ وہ پہلے ہی بڑی تیز ہو گئی ہے۔"اس نے فوراً بات اپنے حق میں کی۔

"اچھا؟ ویسے میری نفیس کہہ رہی تھی کہ تم اسے مارتی ہو۔"وہ اندر داخل ہوتے ہوئے دروازہ بند کر کے اس کی طرف بڑھا اور زارا کے چہرے پر جھولتی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا؟اس نے آپ سے ایسا کہا؟میں اسے بتاتی ہوں،بڑی شکایتیں لگاتی ہے،اور آپ بھی سدھر جائیں،بوڑھے ہو گئے ہیں آپ!"وہ اپنی بھڑاس نکالتی ہوئی نفیس کی طرف بڑھی،اور پیچھے باران منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔اس نے فوراً خود کو آئینے میں دیکھا۔

"خیر،بوڑھا تو میں نہیں ہوا،صرف قلمیں ہی سفید ہوئی ہیں۔"اس نے خود سے کہتے ہوئے مسکرا کر خود کو تسلی دی۔وہ آج بھی اپنی خوبصورتی میں ایک اعلیٰ مثال تھا۔

"زارا بیگم،اب تم مجھ سے بچ کر دکھانا۔"وہ بڑبڑاتے ہوئے ماں بیٹی کی طرف بڑھ گیا۔اسے اپنی بیٹی کی فکر ہو رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے بیڈ کے قریب آتے ہوئے انہیں دیکھا،جہاں وہ اپنی بیٹی سے لڑ رہی تھی اور اس کی بیٹی بھی اپنی توتلی زبان میں پوری تیاری سے ماں کو جواب دے رہی تھی۔وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

ان کی زندگی ایک خوبصورت موڑ پر تھی،جہاں اب انہیں اپنے مستقبل کے لیے حسین یادیں بنانی تھیں۔

☆..☆..☆..☆

سیاہی میں لپٹا ایک ہیولہ تیزی سے آگے کی سمت بھاگ رہا تھا۔ اُس کی پھولی ہوئی سانسیں سرد رات کی خنک ہوا سے ٹکرا کر سانسوں کی بھاپ میں بدل رہی تھیں۔ الجھی، میلی کچیلی قمیض اُس کے نازک وجود سے لپٹی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ پاؤں کی رفتار ڈگمگا رہی تھی، مگر وہ رکی نہیں، جیسے رکنا موت ہو۔

اُس کی آنکھوں میں بے تحاشا خوف تھا اور آنسو، جو رکے بغیر بہہ رہے تھے، گالوں پر بہنے کے بجائے دھول میں جذب ہو رہے تھے۔

وہ کھلے، ویران میدان میں دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ بے یار و مددگار، سسکتی، گرتی، سنبھلتی، جیسے وقت کی قید سے فرار چاہتی ہو۔

اچانک ایک زنجیر نے آ کر اُس کا ٹخنہ جکڑ لیا جیسے زمین کے اندر سے کسی نے اُسے دبوچ لیا ہو۔ وہ ایک بھیانک چیخ کے ساتھ منہ کے بل زمین سے ٹکرا گئی۔ مٹی کے ذرات اُس کے چہرے، آنکھوں اور لبوں پر چپک گئے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتی، ایک وحشی نما انسان اُس کے قریب جھکا۔ اس کا چہرہ ماسک سے چھپا ہوا تھا۔

"ارمان کو دھوکہ پسند نہیں ہے بلڈی بچ!" اُس نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر زور سے کھینچا۔ وہ درد سے چلا اٹھی، مگر آواز سننے والا کوئی

نہ تھا۔ اب وہ اُسے بالوں سے گھسیٹتا ہوا واپس اُسی سمت لے جا رہا تھا جہاں سے وہ آئی تھی، جیسے انسان نہیں، کوئی درندہ شکار کو مارتے وقت گھسیٹتا ہے۔ زمین پر اُس کے نازک پاؤں گھسٹتے جا رہے تھے۔ ایڑیوں سے خون رس رہا تھا۔ کپڑوں میں مٹی، خون، اور خوف کی بدبو گھل چکی تھی۔ کئی لمحے گھسیٹے جانے کے بعد وہ ایک پرانی، زمین میں دھنسی ہوئی, پتھریلی سرنگ نما جگہ پر لایا گیا۔ سرنگ کے دہانے پر زنگ آلود لوہے کا دروازہ تھا۔ اُس کے باہر خاردار تاریں لپٹی ہوئی تھیں، جیسے وقت کے ساتھ ساتھ ان تاروں نے سانس لینا بھی سیکھ لیا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دروازہ ایک کرخت آواز کے ساتھ کھلا۔ زنگ کی کرچیاں فضا میں بکھر گئیں۔ اندر ایک تنگ و تاریک تہہ خانہ تھا، جیسے زمین خود اپنے پیٹ میں زہر پال رہی ہو۔

جیسے ہی وہ اندر دھکیلی گئی، اس کا وجود پتھریلی، گیلی زمین پر گرا۔ وہاں نمی کی سڑاند تھی، جس میں خون، پسینے اور گلی سڑی چمڑی کی ملی جلی بو شامل تھی۔ دیواروں پر نمی سے بہتے پانی کی لکیر تھی، جیسے قید خانے بھی اُس کے درد پر آنسو بہا رہے ہوں۔

کمرے میں روشنی کا ایک ہی ذریعہ تھا۔ اوپر چھت کے قریب ایک چھوٹا سا سوراخ، جہاں سے چاند کی دھندلی روشنی اندر چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اُس کے آس پاس زنجیروں کی آواز گونج رہی تھی۔

کہیں کسی اور قیدی کی سسکیاں، ہلکی ہلکی کراہیں، اور زنجیروں کا گھسٹنا اُس جگہ کی روح کو اور زیادہ خوفناک بنا رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ لڑکی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھی، خود میں سمٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں، مگر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ سانسیں بے ترتیب تھیں، اور جسم لرز رہا تھا، شاید سردی سے نہیں، بلکہ اس انجام سے جو وہ محسوس کر چکی تھی۔

وہ جان چکی تھی، یہ قید صرف جسم کی نہیں تھی۔ یہ قید اُس کی روح پر مسلط ہونے آ چکی تھی۔

کیا انتقام کا چکر ایک بار پھر شروع ہوا تھا؟

کیا ایک بار پھر کوئی زینب برباد ہونے والی تھی؟

کیا پھر کسی اندھیرے گوشے میں کوئی داور جنم لے چکا تھا؟

کون تھی وہ لڑکی؟

کیا وہ زندہ تھا؟

کیا واقعی اس کہانی کا انجام یہی تھا؟

یا پھر، کہیں کوئی نئی سازش سانس لے رہی تھی؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

اگر کوئی کہہ دے کہ ہوتا ہے تو مت ماننا۔

کہیں نہ کہیں، کوئی خاموش سانس،

کوئی دبی چیخ، کسی پرانے زخم کو پھر سے جگا دیتی ہے۔

کئی راز، صرف راز ہی رہتے ہیں نہ زبان پاتے ہیں، نہ کفن۔

یہ سچ ہے کہ کہانی کبھی ختم نہیں ہوتی، کیونکہ کچھ راز ایسے ہوتے ہیں، جو زندگی کی پوری داستان کو اپنے سینے میں دفن کیے، خود رازِ حیات بن جاتے ہیں۔

☆..☆..☆..☆

ختم شد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842